منازل العرفان

فی تفسیر القرآن الکریم

تالیف

شیخ التفسیر والحدیث
حضرت مولانا سید عبدالستار شاہ صاحب مدظلہم العالی

جلد نہم

سورۃ المومنون تا سورۃ الاحزاب

جامعہ اسلامیہ دارالعلوم رحیمیہ
نیلا گنبد سرکی روڈ کوئٹہ

نحمده بسم الله الرحمن الرحيم ونصلي

منازل العرفان
فی
تفسیر القرآن الکریم

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا
سید عبدالستار شاہ صاحب مدظلہم العالی

جامعہ اسلامیہ دار العلوم رحیمیہ
نیلا گنبد سرکی روڈ ○ کوئٹہ

نام کتاب: منازل العرفان في تفسير القرآن الكريم

تالیف: شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا سید عبدالستار شاہ صاحب مدظلہ

قیمت:

سن اشاعت: ۱۴۴۴ھ 2023ء

تعداد: 1100

ملنے کے پتے

جامعہ اسلامیہ دارالعلوم رحیمیہ، نیلا گنبد، سرکی روڈ، کوئٹہ

جامعہ فرقانیہ، سریاب روڈ، کوئٹہ

مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ، کوئٹہ

اور ملک کے تمام بڑے کتب خانے

ضروری گزارش

ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے قرآن مجید احادیث اور دیگر دینی کتب میں عمداً غلطی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ سہواً جو غلطیاں ہوگئی ہوں ان کی تصحیح کا بھی اہتمام کیا گیا ہے۔ تاہم انسان، انسان ہے، اگر اس اہتمام کے باوجود کسی قسم کی بھی غلطی پر آپ مطلع ہو جائیں، تو برائے مہربانی ہمیں مطلع فرمائیں، تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ اور آپ ''تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى'' کے مصداق بن جائیں۔ شکریہ

واٹس ایپ نمبر: 0302299778-03128588383

ناشر

جامعہ اسلامیہ دارالعلوم رحیمیہ، نیلا گنبد، سرکی روڈ، کوئٹہ

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست مضامین منازل العرفان جلد نہم

سورۂ سبا۔ سورۂ فاطر

سورۂ یٰس ۔ سورۃ الصّٰفٰت

سورۂ ص ۔ سورۃ الزمر

سورۃ المؤمن ۔ سورۃ حم السجدہ

سورۃ الشوریٰ ۔ سورۃ الزخرف

سورۃ الدخان ۔ سورۃ الجاثیہ

سورۃ الاحقاف ۔ سورۂ محمد

سورۃ الفتح ۔ سورۃ الحجرات

سُورَةُ سَبَاٍ

مکیۃٌ آیاتھا ۵۴ رکوعاتھا ۶

سورۂ سبا مکی ہے، اس میں چون (۵۶) آیتیں، اور چھ (۶) رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

نام:

اس سورت کا نام سبأ ہے، اس سورت کی آیت نمبر ۱۵ میں لفظ سبأ سے سورۃ کا نام ماخوذ ہے۔ یہ سورت ترتیب تلاوت میں ۳۴ ویں نمبر پر ہے، اور ترتیب نزول میں ۵۸ ویں نمبر پر ہے۔

نزول:

یہ سورت مکی ہے، مکی دور میں نازل ہوئی۔ اس کا نزول سورۂ لقمان کے بعد ہے۔

تعداد کلمات وحروف:

اس میں ٦ رکوع، اور ۵۴ آیات ہیں۔ یہ سورت ۸۹۶ کلمات، اور ۳٦۳٦ حروف پر مشتمل ہے۔

ربط ومناسبت:

(۱) سورۃ احزاب کے آخر میں امانتوں کا بیان تھا، اور اس سورت کے شروع میں توحید کا ذکر ہے، جو کہ امانتوں کا سرچشمہ اور بنیاد ہے، اور اعظم الامانات ہے۔ پھر قیامت کا، اور رسالت کا بیان ہے جو کہ امانت کے ستون ہیں۔

(۲) گزشتہ سورت میں تذکیرات ثلاثہ کا بیان تھا، اس سورت میں بھی انہی کا بیان ہے۔ دونوں سورتوں میں

ایمان واعمالِ صالحہ، اور کفر ومعاصی، دونوں کا انجام بیان ہوا ہے، اور اثبات قیامت بھی۔

مختصر موضوع:

توحید الٰہی، رسالت، قیامت، اخلاق، تہذیب اخلاق کی شائستگی، تردید شرک، مشرکین کے دنیوی اور اخروی انجام بد، قوم سبأ، سدّ مآرب کی تباہی اور ناشکری کا انجام بد، شفاعت رُسل اور قیامت کی سختی اور ہولنا کیوں کا بیان، وغیرہ۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِىۡ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ وَلَهُ الۡحَمۡدُ فِى الۡاٰخِرَةِ ؕ وَهُوَ الۡحَكِيۡمُ الۡخَبِيۡرُ ①
يَعۡلَمُ مَا يَلِجُ فِى الۡاَرۡضِ وَمَا يَخۡرُجُ مِنۡهَا وَمَا يَنۡزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعۡرُجُ فِيۡهَا ؕ وَهُوَ الرَّحِيۡمُ
الۡغَفُوۡرُ ② وَقَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَا تَاۡتِيۡنَا السَّاعَةُ ؕ قُلۡ بَلٰى وَرَبِّىۡ لَتَاۡتِيَنَّكُمۡ ۙ عٰلِمِ الۡغَيۡبِ ۚ لَا
يَعۡزُبُ عَنۡهُ مِثۡقَالُ ذَرَّةٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَلَا فِى الۡاَرۡضِ وَلَاۤ اَصۡغَرُ مِنۡ ذٰلِكَ وَلَاۤ اَكۡبَرُ اِلَّا فِىۡ كِتٰبٍ
مُّبِيۡنٍ ③ لِّيَجۡزِىَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ وَّرِزۡقٌ كَرِيۡمٌ ④ وَالَّذِيۡنَ
سَعَوۡ فِىۡۤ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيۡنَ اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ مِّنۡ رِّجۡزٍ اَلِيۡمٌ ⑤ وَيَرَى الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ الَّذِىۡۤ
اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ هُوَ الۡحَقَّ ۙ وَيَهۡدِىۡۤ اِلٰى صِرَاطِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَمِيۡدِ ⑥

ترجمہ: سب تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے، جس کی ملکیت میں وہ سب کچھ ہے جو آسمانوں میں ہے، اور زمینوں میں ہے، اور اسی کے لئے حمد ہے دنیا میں اور آخرت میں، اور وہ حکیم ہے، باخبر ہے ① وہ جانتا ہے جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے، اور جو کچھ اس میں سے نکلتا ہے، اور جو کچھ آسمان سے نازل ہوتا ہے، اور جو کچھ اس میں چڑھتا ہے، اور وہ رحیم ہے، غفور ہے ② اور کافروں نے کہا کہ ہمارے پاس قیامت نہیں آئے گی، آپ فرما دیجئے: ہاں! میرے ربّ کی قسم، وہ تم پر ضرور آئے گی، میرا ربّ عالم الغیب ہے، اس سے ذرہ کے برابر بھی کوئی چیز آسمانوں میں اور زمین میں غائب نہیں ہے، اور نہ اس سے کوئی چھوٹی چیز ہے، اور نہ بڑی چیز، مگر کتاب مبین میں موجود ہے ③ تا کہ وہ ان لوگوں کو بدلہ دے جو ایمان لائے، اور نیک عمل کئے، یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے مغفرت ہے اور رزق کریم

ہے④ اور جن لوگوں نے ہماری آیات کے بارے میں عاجز کرنے کی کوشش کی، ان لوگوں کے لئے سختی والا، دردناک عذاب ہے ⑤ اور جن کو علم دیا گیا ہے سمجھتے ہیں کہ ان کی طرف سے جو کچھ نازل کیا گیا ہے وہ حق ہے، اور عزیز حمید جلّ شانہ کے راستہ کی طرف ہدایت دیتا ہے ⑥

معارف ومنازل

قرآن کریم کی پانچ سورتوں کی ابتداء اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سے ہے: سورۃ الفاتحہ، سورۃ الانعام، سورۃ الکہف، سورۃ سبا، اور سورۃ فاطر، جو متصل آنے والی ہے۔ یہ پانچوں سورت مکی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے شمار ہیں، مگر بظاہر وہ تین قسم کی ہیں: ایجاد، ابقاء، انتاج۔ ایجاد کے معنی ہیں: معدوم کو موجود کرنا، چنانچہ پوری کائنات کو اللہ تعالیٰ نے نیست سے ہست کا لباس پہنا کر پیدا فرمایا، انسان کا وجود بھی اسی کا حصہ ہے۔

ابقاء کے معنی ہیں: موجودہ مخلوق کو باقی رکھنے کے لئے بقاء کے ذرائع واسباب کو مہیا کرنا، جس کی بہت بڑی فہرست ہے۔ انتاج کا معنی یہ ہے کہ مخلوقات کی پیدائش اور بقاء کے ساتھ امانتوں کی ادائیگی یا ضائع کرنے، بالفاظ دیگر ایمان وکفر پر نتیجہ مرتب کرنا، جس کا بیان قریبی سورت میں گزر چکا۔ اس سورت کے اندر ان تینوں باتوں پر بحث ہوتی ہے، اور انسانوں کو بڑے اچھے پیمانہ پر ان نعمتوں سے آگاہ کیا جا رہا ہے، تو فرمایا:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ﴾ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے ہیں، کہ جس کے ہاتھ میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے، اور جو کچھ زمین میں ہے۔ کائنات علویات وسفلیات اور درمیانی تمام مخلوقات کا وہی خالق ومالک بھی ہے، اور متصرف بھی، باقی رکھنے والا بھی۔

﴿وَلَهُ الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَةِ﴾ اور آخرت میں بھی اسی کے لئے حمد وثنا ہے، وہی مالک یوم الدین ہے۔ غرض یہ کہ دنیا اور آخرت میں وہی حمد وثنا کا مستحق اور سزاوار ہے، فرق اتنا ہے کہ دنیا میں ظاہراً کسی اور کی بھی تعریف ہو جاتی ہے، مگر وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کے فعل کا پردہ ہوتی ہے، اور آخرت میں کوئی پردہ نہیں، اور نہ کوئی واسطہ ہے، چنانچہ آخرت میں جو کچھ بھی ہے وہ سب اسی کی طرف سے ہے، کیونکہ دنیا میں جن اسباب اور خوبیوں پر اگر کسی کی تعریف ہوتی تھی قیامت کے روز وہ سارے اسباب ختم ہوں گے۔

نیز دنیا اور آخرت کی حمد میں یہ فرق بھی ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی حمد بطور عبادت ہے، اور اختیاری ہے، اور

آخرت میں اللہ تعالیٰ کی حمد بطور لذت وفرحت ہے، اور سانس کی طرح غیر اختیاری ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جنت والوں کو اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور تسبیح الہام کی جائے گی، اور وہ ان سے اس طرح بے اختیار سرزد ہو گی جس طرح سانس بلا تکلف بے اختیار سرزد ہو۔ [تفسیر خازن وغیرہ]

﴿وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ﴾ اور وہی ہے حکمتوں والا، اور ہر چیز کی خبر رکھنے والا۔ جس ذات پاک نے کائنات کے ہر ذرہ کو حکمت کے ساتھ پیدا فرما کر اس کی خبر گیری اپنے ذمہ لے لی۔ ﴿يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا﴾ وہ زمین میں داخل ہونے والی، اور اس سے خاج ہونے والی ہر چیز کو جانتا ہے۔ درخت، سبزے، جانور، کیڑے مکوڑے، انسان اور ان کے اعمال سب ہی اس کو معلوم ہے، جب اس کا علم کائنات کے ذرات پر محیط ہو تو دیگر چیزوں کا کیا کہنا؟ ساتوں سمندروں کی تہہ میں چلنے والی چیونٹی کے پاؤں کی آواز عرش پر سنتا اور دیکھتا ہے۔

﴿وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا﴾ جو آسمان کی طرف سے نازل ہوتی ہے، اور جو اس کی طرف چڑھتی ہے، کائنات کے نظام کا مرکز اور صدر دفتر اوپر آسمانوں میں ہے، وہاں سے ہر چیز کا نزول ہوتا ہے، ہر قسم کی خوشی وغمی، آبادی وبربادی، خیر وشر، فائدہ ونقصان، غرض پورے جہاں والوں کے لئے ہر فیصلہ وہاں سے آتا ہے۔ اسی طرح نیک اعمال اور کلمات طیبات اور ہر قسم کی دعائیں وغیرہ کو فرشتے زمین سے اٹھا اٹھا کر عالم بالا کی طرف اوپر پہنچاتے ہیں۔ ﴿إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ﴾ [فاطر:۱۰] (اسی کی طرف چڑھتے ہیں ستھرے اور پاکیزہ کلام، اور نیک باتیں اس کو اٹھا لیتا ہے)۔ جب کسی عمل کی پذیرائی ہو تو اسے اوپر اٹھا لیا جاتا ہے۔

﴿وَهُوَ الرَّحِيمُ الْغَفُورُ﴾ وہ بڑا مہربان بڑا بخشنے والا ہے۔ وہ اپنے بندوں کے گناہوں کو رحمت کے پردہ میں چھپا دیتا ہے۔ ﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَأْتِينَا السَّاعَةُ﴾ کافر لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس قیامت نہیں آئے گی۔ دراصل مکہ کے مشرکوں کا پورا پورا عقیدہ یہی تھا کہ قیامت کبھی نہیں آئے گی، وہ قیامت کا مذاق اڑا کر استہزاءً کہتے تھے کہ آپ قیامت کو لے آؤ۔ یہی خیال آج کی تہذیب یافتہ مہذب قوموں کا بھی ہے کہ قیامت کی کوئی حقیقت نہیں، یہ ایک مفروضہ ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے سخت جواب دے کر ان کی رد فرمائی:

﴿قُلْ بَلَى وَرَبِّي لَتَأْتِيَنَّكُمْ﴾ اے پیغمبر اعظم! آپ منکرین قیامت سے فرما دیجئے کہ کیوں نہیں ہے؟ میرے ربّ کی قسم، قیامت تمہارے پاس ضرور آئے گی، تم یہ کہتے ہو کہ انسان ریزہ ریزہ ہو کر کیسے دوبارہ زندہ ہو گا؟

تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ تمہارا پروردگار ہر چیز پر قادر ہے، جب وہ مٹی اور پانی سے تمہیں پیدا کرسکتا ہے تو دوبارہ پیدا کرنا اس کے لئے کوئی مشکل نہیں، کیونکہ:

﴿عٰلِمِ الْغَيْبِ ۚ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ﴾ جو ایسا غیب دان ہے کہ آسمان اور زمین کا کوئی ذرہ اور کوئی چھوٹی اور بڑی چیز اس سے پوشیدہ نہیں۔ ﴿وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ﴾ جب ہر ذرہ اور ہر چھوٹی بڑی چیز پر اس کا علم محیط ہے، تو تمہارے منتشر اجزاء جو مختلف زمینوں میں پراگندہ ہیں انہیں جمع کرنا، اور دوبارہ ترتیب دینا میرے ربّ کے لئے اتنا آسان ہے کہ ایک کلمہ "کُنْ" سے ساری مخلوقات دوبارہ زندہ ہوں گی۔

﴿لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ جب ساری چیزیں لوحِ محفوظ میں درج ہوں تو قیامت کی آمد اور اس کی ضرورت بھی درج ہے، تاکہ اچھے لوگ اپنے اعمالِ حسنہ کی جزا پالیں، اور بُرے لوگ اپنے بُرے کردار و اعمال کی سزا پالیں۔ تو فرمایا: تاکہ ثواب عطاء فرمائے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک کام کئے۔

﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ﴾ سو ایسے لوگوں کے لئے مغفرت ہے، اور جنت میں عزّت کا رزق ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں مغفرت و رضوان اور کرامت و عزّت کی روزی سے نوازیں گے، جو انہوں نے ایمان و عمل صالح کے بدلے میں حاصل کر لئے، اور ان کے مقابل:

﴿وَالَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ﴾ اور جو لوگ ہماری آیتوں کا مقابلہ کرنے کے لئے دوڑتے ہیں، یعنی قرآنی احکام کو ناکام بنانے کی کوشش کرتے ہیں، ایسے لوگوں کے لئے سخت ذلت ناک عذاب ہوگا۔ اب آئندہ آیت میں قرآن پاک کی حقانیت و صداقت کا بیان ہے۔

﴿وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ﴾ اور جن لوگوں کو علم دیا گیا وہ دیکھتے ہیں اس چیز کو جو آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر نازل کی گئی ہے، وہ برحق ہے، اور تمام کائنات کے لئے ہدایت و روشنی ہے۔ ﴿وَيَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ﴾ جو عزیز و حمید خدا برتر کے راستے کی طرف ہدایت و راہنمائی کرتا ہے، چنانچہ اہلِ علم اور اہلِ ایمان قیامت کے دن خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کریں گے کہ قرآن پاک نے جس ثواب و عقاب کی خبر دی تھی، وہ بالکل حق ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ
جَدِيْدٍ ۝۷ اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ۭ بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ
الْبَعِيْدِ ۝۸ اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ
بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَاۗءِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۝۹

ترجمہ: اور کافروں نے کہا: کیا ہم تمہیں ایسا شخص نہ بتادیں جو تمہیں یہ خبر دیتا ہے کہ جب تم پوری طرح ریزہ ریزہ ہوجاؤ گے تو تم ضرور ایک نئی پیدائش میں آجاؤ گے؟ ۷ کیا اس شخص نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا ہے، یا اس کو کسی طرح کا جنون ہے؟ بلکہ بات یہ ہے کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ عذاب میں اور دور کی گمراہی میں ہیں ۸ کیا انہوں نے اسے نہیں دیکھا جو ان کے سامنے ہے، اور جو ان کے پیچھے ہے؟ یعنی آسمان اور زمین، اگر ہم چاہیں تو انہیں زمین میں دھنسا دیں، یا ہم ان پر آسمان کے ٹکڑے گرادیں، بلاشہ اس میں متوجہ ہونے والے ہر بندہ کے لئے نشانی ضرور ہے ۹

معارف ومنازل

یہ مضمون قرآن کریم میں بہت سے مقامات پر مذکور ہے کہ منکریں قیامت اپنی مجلسوں میں بڑے زور وشور سے سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب کرتے ہوئے طرح طرح کے الزامات لگاتے تھے، حالانکہ وہ دیگر معاملات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت وامانت کا اقرار بھی کرتے تھے، پھر جب توحید الٰہی اور صداقت رسالت وحقانیت قرآن مجید اور قیامت کی بات آجاتی تو بے قابو ہو کر انکار کرتے، اور آپس میں کہتے رہتے کہ آؤ، دیکھو، یہ شخص ایسی ایسی باتیں کرتے ہیں کہ ہمیں تعجب آتا ہے، وہ کہتا ہے کہ مرنے، گل سڑنے، اور ریزہ ریزہ ہونے اور مٹی کی طرح زمین میں خاکستر ومنتشر ہونے کے بعد پھر سے تمہیں دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا، اور پوری زندگی کا حساب دینا ہوگا۔

لہٰذا ہمارے خیال میں اوّل یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ شخص خدا پر جھوٹ باندھتا ہے، یا یہ کہ اس کا دماغی توازن صحیح نہیں، تب ہی وہ اس طرح کہتا رہتا ہے۔ فرمایا:

﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ ...... تا ...... خَلْقٍ جَدِيْدٍ﴾ اور کافروں نے بطور استہزاء کہا کہ کیا ہم تم کو بتادیں ایک ایسے شخص کے متعلق کہ تم کو یہ خبر دیتا ہے کہ جب تم مرنے کے بعد ریزہ ریزہ ہو کر پوری طرح پارہ پارہ

ہو جاؤ گے، تو پھر تم نئی پیدائش میں اٹھائے جاؤ گے؟ بھلا یہ تو ممکن ہی نہیں کہ گل سڑے ہوئے مردے ہزاروں سال کے بعد دوبارہ زندہ ہوں، کیونکہ ہم نے آج تک نہیں سنا کہ کوئی مردہ زندہ ہو گیا۔

﴿اَفۡتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَمۡ بِہٖ جِنَّۃٌ﴾ کیا اس شخص نے خدا پر قصداً جھوٹ باندھا ہے؟ یا اس کو کسی قسم کا جنون ہے کہ بے ربط باتیں کہتا ہے، اور اسے سمجھتا نہیں؟ اللہ تعالیٰ انہیں یوں جواب دے کر اظہار فرمایا:

﴿بَلِ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَۃِ فِی الۡعَذَابِ وَ الضَّلٰلِ الۡبَعِیۡدِ﴾ بلکہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہی عذاب میں اور دور دراز گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کے منکر ہیں، اور جو شخص دور کی گمراہی میں ہو وہ ہدایت قبول نہیں کرتا۔ ﴿اَفَلَمۡ یَرَوۡا اِلٰی مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡہِمۡ وَ مَا خَلۡفَہُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الۡاَرۡضِ﴾ پس کیا ان لوگوں نے آسمان اور زمین کی طرف نہیں دیکھا جو ان کے سامنے سے اور پیچھے سے محیط ہیں، اور یہ سب ان دونوں میں محبوس ہیں؟ تو جو پروردگار ان بڑے بڑے آسمانوں اور زمینوں کو ایک ہی لفظ ''کُنۡ'' سے پیدا کر سکتا ہے، تو ان چھوٹے چھوٹے انسانوں کو پیدا کرنے، اور قیامت قائم کرنے پر کیا مشکل ہے؟ ان دلائل کے باوجود اگر یہ لوگ شرک سے باز نہیں آتے تو فرمایا:

﴿اِنۡ نَّشَاۡ نَخۡسِفۡ بِہِمُ الۡاَرۡضَ اَوۡ نُسۡقِطۡ عَلَیۡہِمۡ کِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ﴾ اگر ہم چاہیں تو قارون کی طرح ان کو زمین میں دھنسا دیں، یا اگر چاہیں تو قوم لوط کی طرح ان پر آسمان سے پتھر کے ٹکڑے گرا دیں، اور انہیں ہلاک کر دیں۔ بہر حال! نافرمان قوموں کو دنیا میں اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے پر قادر ہے، مگر اس کی حکمت کبھی گناہگاروں کی تباہی کی بجائے مہلت دینے پر منتج ہوتی ہے، یا یہ وجہ ہو کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود مسعود عذاب کے آنے میں مانع ہو، جیسے سورۂ توبہ میں تفصیلاً معلوم ہوا۔

﴿اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّکُلِّ عَبۡدٍ مُّنِیۡبٍ﴾ بیشک اس میں نشانی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے ہر بندے کے لئے کہ جب خداوند قدیر کسی مجرم کو زمین میں دھنسانے پر قادر ہو، یا نافرماں قوموں پر آسمان سے پتھر برسانے پر قادر ہو، تو اس کے لئے خلقت کو دوبارہ زندہ کرنا کیا مشکل ہے؟ جبکہ پورا عالم اس کی زمین و آسمان میں محصور ہے، کسی کی مجال نہیں کہ اس کے دائرۂ قدرت سے باہر نکل سکے، وہ جو چاہے، اور جب چاہے، جس طرح چاہے وہ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ہے، اور ہر چیز پر محیط ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ۭ يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ ۚ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ﴿١٠﴾

اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿١١﴾

ترجمہ: اور یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے بڑی نعمت دی تھی، اے پہاڑو! داؤد کے ساتھ بار بار تسبیح کرو، اور پرندوں کو بھی یہی حکم دیا، اور ہم نے ان کے لئے لوہے کو نرم کر دیا ﴿١٠﴾ کہ تم پوری زرہیں بناؤ، اور جوڑنے میں اندازہ رکھو، اور تم سب نیک کام کیا کرو، بلاشبہ میں ان کاموں کو دیکھ رہا ہوں جنہیں تم کرتے ہو ﴿١١﴾

معارف ومنازل

سابقہ آیت میں زمین وآسمان کی پیدائش کے بعد فرمایا: ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ﴾۔ ان آیات میں دو عظیم الشان عبد منیب حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا بطور نمونہ تذکرہ فرما رہے ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے بہت سی ظاہری اور باطنی نعمتوں سے نوازا، مثلاً نبوت اور بے مثال عظیم الشان سلطنت اور دیگر بہت سے فضائل و برکات، جن کی تفصیل آنے والی ہے۔ ان فضائل کا شکر کرتے ہوئے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام نے فرمایا: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰي كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [النمل:١٥] (ساری تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نہیں ہمیں اپنے مؤمن بندوں پر فضیلت دی)۔ فرمایا:

﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا﴾ تحقیق ہم نے داؤد علیہ السلام کو اپنی طرف سے بڑی فضیلت عطاء فرمائی۔ آپ علیہ السلام صاحب شریعت نبی تھے، اور کتاب زبور بھی اللہ تعالیٰ نے عنایت فرمائی۔ حضرت آدم علیہ السلام کے علاوہ انبیاء ورسل علیہم السلام میں صرف حضرت داؤد علیہ السلام وہ پیغمبر ہیں جن کو قرآن حکیم نے ''خلیفہ'' کے لقب سے پکارا ہے۔ فرمایا: ﴿يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ﴾ [ص:٢٦] (اے داؤد! ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ مقرر کیا ہے)۔ اس طرح آپ علیہ السلام کا نام قرآن حکیم میں سولہ مقامات پر مذکور ہے۔ آپ علیہ السلام بادشاہ ہونے کے باوجود کامل درجے کے عبادت گزار تھے۔ ایک دن افطار کرتے، اور ایک دن روزہ رکھتے۔ آپ علیہ السلام نہایت خوش آواز تھے۔ بڑے ذوق وشوق سے زبور شریف کی تلاوت کرتے، اس دوران فضاء میں مسحور کن کیفیت پیدا ہوجاتی، اور چرند پرند، درخت اور پہاڑ سارے آپ علیہ السلام کے ساتھ تلاوت میں شریک ہوجاتے، یہ آپ علیہ السلام کا معجزہ تھا۔ کبھی کسی درخت کے سایہ میں نماز پڑھتے، تو وہ درخت آپ علیہ السلام کے ساتھ نماز میں شرکت کرتا، اور زور زور سے تسبیح پڑھنے لگتا۔

فرمایا: ہم نے پہاڑوں کو حکم دیا: ﴿يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ﴾ اے پہاڑو! حضرت داؤد علیہ السلام کی آواز کے ساتھ اپنی آواز کو لوٹاؤ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے تسبیح کرو، اور ہم نے پرندوں کو بھی آپ علیہ السلام کے لئے مسخر کر دیا، وہ بھی آپ علیہ السلام کے ساتھ نغمہ خوانی کرتے تھے، جیسے سورۂ ص میں ارشاد ہے: ﴿اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً كُلٌّ لَّهٗ اَوَّابٌ﴾[ص:۱۹] (ہم نے پہاڑوں کو اس کام پر لگا دیا تھا کہ وہ شام کے وقت اور سورج کے نکلتے وقت ان کے ساتھ تسبیح کیا کریں۔ اور پرندوں کو بھی جنہیں اکٹھا کر لیا جاتا تھا۔ یہ سب ان کے ساتھ مل کر اللہ کا خوب ذکر کرتے تھے)۔

آگے تیسری چیز کا بیان ہے، جو ان کا عظیم معجزہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کے لوہے کو بغیر آگ اور تپائی کے آپ علیہ السلام کے ہاتھ پر موم اور آٹے کی طرح نرم کیا ہوا تھا، جس سے آپ علیہ السلام زرہ اور دوسرے ہتھیار اور آلات بناتے تھے۔ آپ علیہ السلام روزانہ دیگر مصروفیتوں کے باوجود ایک زرہ بناتے تھے، جو کہ بہت عمدہ ہوتا تھا، اور چھ سو درہم پر فروخت کرتے تھے، دو سو درہم اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتے، اور چار سو مستحقین فقراء ومساکین پر تقسیم کرتے تھے۔ اسی کو فرمایا:

﴿وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ﴾ ہم نے داؤد علیہ السلام کے لئے لوہے کو نرم کر دیا تھا۔ ﴿اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ﴾ کہ تم اس نرم لوہے سے کشادہ زرہیں بناؤ۔ ﴿وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ﴾ اور کڑیوں کے جوڑنے میں اندازہ اور برابری کا لحاظ رکھو کہ نہ بہت بھاری ہو، اور نہ بہت ہلکی ہو، اور اس کی ساخت اس طرح ہو کہ پہننے والا ہر طرح محفوظ ہو۔ علماء کرام نے کہا ہے کہ جس طرح حضرت ادریس علیہ السلام کو فرشتوں نے بہت سی صنعتیں سکھائیں، اور نوح علیہ السلام کو کشتی بنانا بھی سکھایا، اسی طرح داؤد علیہ السلام کو بھی لوہے کی صنعت سکھائی۔ یہی بات قرین قیاس بھی ہے، کیونکہ داؤد علیہ السلام سے پہلے جنگی زرہوں کا وجود اور رواج نہ تھا، لوگ اس سے واقف ہی نہ تھے۔ اس کے سب سے پہلے موجد داؤد علیہ السلام ہیں۔ یہ زرہ لوہے کی ایک قمیص ہوتی ہے، جسے دوران جنگ میں بچاؤ کے لئے پہن لیا جاتا ہے، تاکہ تلواروں کے وار سے محفوظ رہا جا سکے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام خلیفۃ اللہ تھے، رات کے اوقات میں اور کبھی دن کو بھیس بدل کر لوگوں میں گھل مل جاتے، اور پھر ان سے پوچھتے کہ تمہارا خلیفہ کیسا ہے؟ اکثر لوگ آپ علیہ السلام کی تعریف کرتے کہ بڑا نیک اور عادل حکمران ہے۔ ایک موقع پر اسی طرح آپ علیہ السلام نے کسی شخص سے دریافت کیا (یہ شخص فرشتہ تھا) تو اس نے کہا کہ ہمارا خلیفہ تو بڑا اچھا ہے، صرف ایک کمی ہے کہ وہ بیت المال سے ذاتی اخراجات کے لئے وظیفہ لیتا

ہے۔ یہ سن کر آپ علیہ السلام سخت پریشان ہوئے، اور اپنے اس عمل سے رنجیدہ ہوئے، اور اس چیز کو تقویٰ کے خلاف سمجھا۔

اگرچہ شرعاً جائز ہے کہ حاکم بیت المال سے بقدرِ کفائت وظیفہ لے۔ اس بات سے انہوں نے سنجیدہ ہو کر ربّ العزّت سبحانہ سے اپنے اہل وعیال کے گزارہ کے لئے ایک غیبی رزق کا مطالبہ کیا، اس کے نتیجے میں لوہے کی نرمی اور اسلحہ بنانے کی صورت نکل آئی۔ ربّ العزّت سبحانہ نے حکم دیا کہ ہم نے تمہارے لئے لوہے کو نرم کردیا ہے، اس کی کڑیاں جوڑ کر جنگی ہتھیار بناؤ، اور انہیں فروخت کر کے اپنے اور اہل خانہ کے اخراجات پورے کرلیا کرو۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ انسان کے لئے بہتر روزی وہ ہے جو وہ اپنے ہاتھ سے کماتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے نبی اپنے ہاتھ سے کماتے تھے۔ ہاتھ کی کمائی سے مراد ہر وہ کمائی ہے جس میں ہاتھ کی محنت شامل ہو۔ مزدوری، مالداری، تجارت، زراعت، تعلیم وغیرہ سب اس میں آجاتے ہیں۔ [قرطبی]

اسلامی تاریخ میں بعض ایسی ہستیوں کا ذکر ملتا ہے جو بیت المال سے وظیفہ نہیں لیتے تھے، بلکہ اپنے ہاتھ کی کمائی سے اپنے اہل خانہ کے اخراجات پورے کرتے تھے۔ ہندوستان میں آخری دور کے سب سے بڑے حکمران اورنگ زیب عالمگیرؒ قرآن وحدیث اور فقہی کتب کی کتابت کر کے اپنے لئے روزی کماتے تھے، اور ان کی بیوی ٹوپیاں سی کر روزی کماتی رہتی تھی۔ حج کی ادائیگی کے لئے دونوں تڑپتے رہے، مگر اخراجات پورے نہ ہوسکے، یہاں تک کہ دونوں دنیا سے رخصت ہوگئے۔

مصر کے مفسر ومؤرخ طنطاوی جوہری نے اورنگ زیبؒ کو چھٹا خلیفہ راشد قرار دیا ہے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے بعد۔ اسی طرح ہندوستان کے فرمانروا حضرت شمس الدین التمشؒ بھی ہاتھ کی کمائی سے اپنے اخراجات پورے کرتے۔ یہ وہ بڑے حکمران ہیں جنہوں نے بغیر وضوء کبھی حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام زبان پر نہیں لایا۔ رَحِمَهُمُ اللّٰہ تعالیٰ

﴿وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ اور تم سب نیک عمل کرتے رہو، تحقیق میں تمہارے عمل کو خوب اچھی طرح دیکھتا ہوں۔ یہ جمع کے صیغہ کا خطاب آل داؤد علیہ السلام اور پوری نوع انسانی کے لئے ہے کہ تم سب اخلاص اور نیک نیتی کے ساتھ اچھے اعمال انجام دے کر مقام قرب تک پہنچنے کی سعی کرو۔

وَلِسُلَیْمٰنَ الرِّیْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَیْنَ الْقِطْرِ ؕ وَمِنَ الْجِنِّ
مَنْ یَّعْمَلُ بَیْنَ یَدَیْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ؕ وَمَنْ یَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ
السَّعِیْرِ ⑫ یَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا یَشَآءُ مِنْ مَّحَارِیْبَ وَتَمَاثِیْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ
رّٰسِیٰتٍ ؕ اِعْمَلُوْۤا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ؕ وَقَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّكُوْرُ ⑬

ترجمہ: اورہم نے سلیمان کے لئے ہوا کو مسخر کیا، اس کا صبح کا چلنا ایک ماہ کی مسافت تھا، اور اس کا شام کا چلنا ایک ماہ کی مسافت تھا، اور ہم نے ان کے لئے تانبے کا چشمہ بہادیا، اور جنات میں بعض وہ تھے جو ان کے سامنے ان کے ربّ کے حکم سے کام کرتے تھے، ان میں سے جو شخص ہمارے حکم سے سرتابی کرے، ہم اسے دوزخ کا عذاب چکھائیں گے ⑫ جنات ان کے لئے ان کی فرمائش کے مطابق بڑی بڑی عمارتیں، اور مجسمے، اور حوضوں کے برابر بڑے بڑے لگن، اور ایسی دیگیں بناتے تھے جو ایک ہی جگہ جمی رہیں، اے داؤد کے خاندان والو! تم شکر کا کام کرو، اور میرے بندوں میں شکر گزار کم ہوتے ہیں ⑬

معارف ومنازل

حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام وہ جلیل القدر پیغمبر ہیں جنہیں انبیاء بنی اسرائیل میں خاص مرتبہ ومقام حاصل ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ان کی ذات بابرکات میں نبوت اور بے مثل سلطنت دونوں کو مکمل طور پر جمع فرمایا، اور ایسی بادشاہت عطا فرمائی جو اگلوں اور پچھلوں میں سے کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔ جنات، حیوانات، پرندوں، ہوا سب کو آپ علیہ السلام کے لئے مسخر فرمایا۔ منطق الطیر اور کیڑے مکوڑے سب کی بولی آپ علیہ السلام کو سکھائی۔

قرآن مجید میں آپ علیہ السلام کا تذکرہ سولہ مقامات میں موجود ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے انیس بیٹوں میں حضرت سلیمان علیہ السلام سب سے چھوٹے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں وہ صلاحیت اور استعداد رکھی تھی جو دوسرے کسی بیٹے میں نہیں تھی، چنانچہ داؤد علیہ السلام کے بعد مسند خلافت پر وہی متمکن ہوئے، جیسے ارشاد ہے: ﴿وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ﴾ [النمل:۱۶] (اور سلیمان نے داؤد سے میراث پائی)۔ فرمایا:

﴿وَلِسُلَیْمٰنَ الرِّیْحَ﴾ جس طرح اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کے لئے پہاڑوں، درختوں اور پرندوں کو مسخر کیا تھا اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے ہوا کو مسخر کردیا تھا۔ حضرت حسن بصریؒ سے تسخیر ہوا کی وجہ یہ منقول ہے کہ:

حضرت سلیمان علیہ السلام کو یہ معجزہ اس عمل کے صلہ میں ملا تھا کہ ایک دن اپنے گھوڑوں کے معائنہ میں مشغول تھے، یہ سلسلہ دیر تک جاری رہا، یہاں تک کہ عصر کی نماز کا وقت فوت ہوگیا، اور نماز عصر غروب شمس کے ساتھ قضا ہوگئی۔ تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان گھوڑوں کو قربان کر کے ذبح کر دیا کہ یہ گھوڑے کیوں غفلت کا سبب بنے۔ ان کی شریعت میں گائے، بیل کی طرح گھوڑوں کی قربانی جائز تھی، اور وہ گھوڑے ان کی ملکیت میں تھے۔ اس کے بدلے اللہ تعالیٰ نے بہتر سواری عطا فرمائی، یعنی ان کے لئے ہوا کو مسخر فرمایا۔ [قرطبي]

ہوا پانی کی طرح اللہ کی وہ عظیم نعمت ہے جس کے بغیر کائنات کی تمام مخلوقات نہ زندہ رہ سکتی ہیں، اور نہ نشو ونما پا سکتی ہیں۔ اس عظیم نعمت کو اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے مسخر فرمایا۔

﴿غُدُوُّهَا شَهۡرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهۡرٌ﴾ غُدُوٌّ کے معنی صبح کو چلنے زوال تک، رَوَاح شام کے چلنے کے معنی میں ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہوا کہ صبح سے دوپہر تک یہ تختِ سلیمان ہوا کے کاندھوں پر ایک ماہ کی مسافت طے کر لیتا تھا، اور پھر شام سے رات تک ایک ماہ کی مسافت اسی طرح طے کر لیتا تھا۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں: حضرت سلیمان علیہ السلام صبح بیت المقدس سے روانہ ہوتے تھے، اور دوپہر اصطخر میں قیام کرتے تھے، نماز ظہر کے بعد وہاں سے چلتے تو رات کابل میں قیام فرماتے۔ [ابن كثير، معالم التنزيل]

سائنسدان کہتے ہیں کہ کرۂ ارض کے اردگرد پانچ سو میل تک ہوا محیط ہے، اگر ہوا کا یہ احاطہ نہ ہوتا تو اوپر سے آنے والے کروڑوں شہاب زمین پر گر کر اسے تباہ و برباد کر دیتے، اور انسانی زندگی کا خاتمہ ہو جاتا۔ یہ ہوا کا احاطہ ہے جو شہاب کے زمین تک پہنچنے میں رکاوٹ ہے۔ کوئی تیس سال پہلے کی بات ہے کہ ایک شہاب امریکہ کے کسی علاقہ پر گرا تھا، جس سے مکانات جل گئے، اور سیکڑوں لوگ مر گئے۔ الحمد للہ

﴿وَاَسَلۡنَا لَهٗ عَيۡنَ الۡقِطۡرِ﴾ ہم نے آپ کے لئے تانبے کا چشمہ بہا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے یمن کے علاقہ میں آپ علیہ السلام کے لئے تانبے کا عظیم الشان چشمہ جاری فرمایا، جو نہ گرم تھا، نہ سرد، جس سے بے شمار طرح طرح کے برتن بنائے جاتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ چشمہ اتنی دور تک جاری ہوا جس کی مسافت تین دن تین رات میں طے ہو سکے۔ امام مجاہدؒ نے فرمایا کہ یہ چشمہ صنعا یمن سے شروع ہوا، تین دن تین رات پانی کے چشمے کی طرح جاری رہا۔ [قرطبي]

﴿وَمِنَ الۡجِنِّ مَنۡ يَّعۡمَلُ بَيۡنَ يَدَيۡهِ بِاِذۡنِ رَبِّهٖ﴾ اور ہم نے دیو ہیکل جنات کو بھی حضرت سلیمان علیہ السلام

کے تابع کردیا تھا۔ یہ جنات اپنے پروردگار کے حکم سے سلیمان علیہ السلام کے فرمانبردار تھے، جوان کے سامنے کام کرتے تھے۔ ﴿بَيْنَ يَدَيْهِ﴾ کے الفاظ سے مقصود جنات کی تسخیر اس طرح کی نہیں جس طرح چاند وسورج وغیرہ کو انسان کے لئے مسخر کرنے کا ارشاد قرآن حکیم میں آیا ہے، بلکہ یہ تسخیر ایسی تھی کہ جنات نوکروں چاکروں خدمتگاروں کی طرح ان کے سامنے خدمات انجام دیتے رہتے ہیں۔

تسخیرِ جنات کا مسئلہ:

جنات اگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے مسخر ہوں تو کوئی سوال نہیں، اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جنات مسخر تھے، اور یہ تسخیر من جانب اللہ تھی، جوان کی کرامت تھی۔ اس میں کسی وظیفہ کا دخل نہیں تھا۔ باقی جو تسخیر عملیات کے ذریعہ کی جاتی ہے اگر کلمات کفریہ، یا اعمال کفریہ ہوں تو یہ کفر ہے، اور اگر صرف معصیت پر مشتمل ہوں تو گناہ کبیرہ ہے، اور اگر یہ عمل تسخیر اسماء الٰہیہ، یا آیات قرآنیہ کے ذریعہ ہو، اور اس میں کسی نجاست وغیرہ کا استعمال نہ ہو، تو وہ اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ مقصود جنات کی ایذاء سے بچنا ہو، یا دوسرے مسلمانوں کو بچانا ہو تو جائز ہے، اور اگر کسب مال کا پیشہ بنایا گیا ہو تو ناجائز ہے، کیونکہ اس میں اِستِرْقَاقُ الْحُرّ یعنی کسی آزاد کو اپنا غلام بنانا، اور بلاحقِ شرعی اس سے مدد لینا ہے جو حرام ہے۔ [محصل معارف القرآن]

فرمایا: جنات اپنے پروردگار کے حکم سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکموں کی تعمیل کرتے تھے۔

﴿وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ﴾ پھر ان میں سے جو کوئی کجی یا سرکشی اختیار کرتا تھا ہمارے حکم سے نافرمان ہو کر تو ہم انہیں آگ کا عذاب چکھاتے تھے۔ یعنی نافرمان جنات پر آگ کے کوڑے برساتے تھے۔ ایک فرشتہ اسی مقصد کے لئے مقرر تھا، جب کوئی جنی حکم عدولی کرتا تو اس کو آگ کا کوڑا مار کر انہیں کام کرنے پر مجبور کرتا۔ [قرطبی]

﴿يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ﴾ جنات سلیمان علیہ السلام کے لئے ان کی مرضی کے مطابق کام کرتے تھے۔ ایک کام قلعوں کی تعمیر تھا، بڑے بڑے قلعے اور بڑے بڑے محلات تعمیر کرتے تھے۔ محراب کی جمع محاریب ہے۔ محراب کا عام لغوی معنی عمدہ قسم کا کمرہ ہے، جس کا اطلاق عبادت خانے پر بھی ہوتا ہے، جیسے: ﴿فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ﴾ [آل عمران: ۳۹] (زکریا کو فرشتوں نے آواز دی ایسی حالت میں کہ وہ عبادت خانہ میں کھڑے تھے)۔ ہمارے زمانے میں مسجد میں جو الگ محراب بنایا جاتا ہے محاریب سے یہ مراد نہیں،

کیونکہ قدیم زمانے میں اس کا رواج نہیں تھا، اس کا رواج پہلی صدی ہجری میں حجاج بن یوسف کے زمانہ میں اس کے حکم سے ہوا، مقصد خلفاء کی حفاظت اور کسی حملہ آور سے انہیں بچانا تھا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے جنّات نے جو عمدہ محلات بنائے، جن میں سرخ وسفید نفیس قسم کے پتھر لگائے جاتے تھے۔ اس کی ایک مثال سورۃ النمل میں گزر چکی ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے حکم پر جنّات نے پانی کے حوض پر شیشے کا خوبصورت فرش لگا دیا تھا، ملکۂ سبا نے سمجھا کہ یہ پانی ہے، حالانکہ وہ شیشے کا عمدہ فرش تھا، جس کے نیچے پانی تھا، اور وہ بڑا نفیس اور روشن معلوم ہوتا تھا۔

فرمایا: جنّات ایک تو محراب بناتے تھے، اور دوسرا تماثیل یعنی مجسمے بھی بناتے تھے۔ یہ کلمہ تماثیل مبہم ہے، اس کی تعیین میں مختلف اقوال ہیں: بعض کہتے ہیں کہ مناظر قدرت کے نمونے تھے۔ بعض کے نزدیک درختوں، پہاڑوں اور دیگر غیر ذی روح چیزوں کے مجسمے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ نیک اور صالحین کے مجسمے تھے، اور یہ چیزیں ان کی شریعت میں جائز تھیں۔ بہرحال! کچھ بھی ہو، ہماری شریعت میں کسی بھی ذی روح کا مجسمہ بنانا قطعی حرام ہے، یہاں تک کہ تصویر کشی اور بغیر ضرورت فوٹو بنانا احادیث صحیحہ متواترہ کی رُو سے قطعاً حرام ہے، اور اس کی سزا نہایت سخت ہے۔ جب تک فوٹو بنانے والا اس میں روح نہیں ڈالے گا، اس کی مغفرت نہیں ہوگی، اور ظاہر ہے کہ کسی فوٹو یا مجسمے میں روح ڈالنا یہ صرف حق تعالیٰ خالق ومالک کے ساتھ مخصوص ہے، مخلوقات میں کسی کے بس کی بات نہیں۔

﴿وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ﴾ اور بناتے تھے ان کے لئے حوضوں کی مانند بڑے بڑے پیالے۔ کہتے ہیں یہ پیالے نہایت بڑے ہوتے، جن میں سے ہر ایک پیالہ میں ہزاروں آدمی لشکر والے کھانا کھاتے تھے، سیڑھیوں پر چڑھ کر ان سے خوراک لیتے تھے۔

﴿وَقُدُورٍ رّٰسِيٰتٍ﴾ اور ایسی بڑی بڑی دیگیں بناتے تھے جو ایک جگہ پر جمی رہیں، تاکہ کوئی ان کو اپنی جگہ سے ہلا نہ سکیں۔ یہ سارے کام بڑے بڑے دیوہیکل جنّات اور شیاطین کے سپرد ہوتے تھے، چنانچہ وہ بڑی سہولت سے یہ سب کچھ انجام دیتے تھے، یہ سب کچھ بغیر اجرت اور بغیر کسی تنخواہ کے اللہ تعالیٰ کے حکم کا نتیجہ ہوتا تھا۔ سنا ہے کہ ہندوستان کے بادشاہ اکبر نے خواجہ معین الدین اجمیریؒ کے مزار کے لئے ایک دیگ پیتل کا بنایا تھا، جس میں بیک وقت ایک سومن چاول پکایا جاتا ہے، اس کا نام ہے ''سومن''۔ واللہ اعلم

﴿اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ۭ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ﴾ اے آل داؤد! شکر کے عمل میں لگے رہو،

اور میرے بندوں میں سے شکرگزار بہت کم ہیں۔ شکر باللسان یہ ہے کہ بندہ منعم حقیقی عزّ شانہ کی نعمتوں کا اقرار کرلے اور سب کچھ اس کا فضل وکرم جانتے ہوئے، اس کی حمد وثنا کرے، اور شکر حقیقی کا فرد کامل چونکہ عمل کے ساتھ منسلک ہے، اس لئے اِعۡمَلُوۡۤا کا حکم ہوا کہ منعم حقیقی کی اطاعت اور فرمانبرداری میں خوب کوشش کرو، چنانچہ نماز، زکوۃ، روزہ، حج وغیرہ۔ الغرض! تمام بدنی اور مالی طاعات کو بجالانے کا نام شکر ہے، اور ایسے لوگ نہایت قلیل اور کم ہیں۔

چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کے پورے خاندان نے قول وعمل دونوں سے اس طرح شکر کرتے رہے کہ ان کے گھر میں کوئی وقت ایسا نہ گزرتا تھا جس میں گھر کا کوئی فرد عبادت الٰہی میں نہ لگا ہوا ہو۔ خاندان کے افراد پر عبادت کے اوقات تقسیم کئے گئے تھے، تب یہ گھر اور اس کا مصلّٰی کسی وقت نمازیوں سے خالی نہ رہتا تھا۔ [ابن کثیر] بخاری ومسلم میں حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نمازوں میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب تر نماز داؤد علیہ السلام کی ہے، وہ نصف رات سوتے تھے، پھر ایک تہائی رات عبادت میں کھڑے رہتے تھے، پھر آخری چھٹے حصہ میں آرام کرتے تھے۔ اور سب روزوں میں محبوب تر اللہ تعالیٰ کے نزدیک روزہ داؤد علیہ السلام کا ہے کہ ایک دن روزہ رکھتے، ایک دن افطار کرتے تھے۔

فَلَمَّا قَضَيۡنَا عَلَيۡهِ الۡمَوۡتَ مَا دَلَّهُمۡ عَلٰى مَوۡتِهٖۤ اِلَّا دَآبَّةُ الۡاَرۡضِ تَاۡكُلُ مِنۡسَاَتَهٗ‌ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الۡجِنُّ اَنۡ لَّوۡ كَانُوۡا يَعۡلَمُوۡنَ الۡغَيۡبَ مَا لَبِثُوۡا فِى الۡعَذَابِ الۡمُهِيۡنِ ؕ﴿۱۴﴾

ترجمہ: پھر جب ہم نے سلیمان پر موت کا حکم جاری کردیا، تو ان کو سلیمان کی موت کا پتہ نہ دیا مگر گھن کے کیڑے نے، جو ان کے عصا کو کھا رہا تھا، سو جب وہ گر پڑے تو جنات کو پتہ چلا کہ اگر جن غیب کو جانتے ہوتے تو ذلیل کرنے والے عذاب میں نہ ٹھہرے رہتے ﴿۱۴﴾

معارف ومنازل

سب سے پہلے مسجد بیت المقدس کی تعمیر حضرت داؤد علیہ السلام نے شروع کی تھی، قد آدم تعمیر اٹھائی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی کہ تمہارے ہاتھ سے اس عمارت کی تکمیل کا فیصلہ میں نے نہیں کیا ہے، بلکہ تمہارے بیٹے سلیمان علیہ السلام کے ہاتھ سے اس کی تکمیل ہوگی، چنانچہ داؤد علیہ السلام نے تعمیر کا کام موقوف رکھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی

وفات کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام جب ان کے جانشین ہوئے تو آپ علیہ السلام بیت المقدس شہر کی تعمیر مکمل کرنے کے بعد مسجد اقصیٰ کی تعمیر کی جانب متوجہ ہوئے، چنانچہ جنّات اور شیاطین کو جمع کر کے، ان کی ٹولیاں بنا کر الگ الگ کاموں کی درستی اور انجام دہی پر انہیں مقرر فرمایا۔

ایک گروہ کو کانوں سے سونا چاندی اور یاقوت وز برجد لانے کا، اور سمندر سے چمکدار موتی نکال کر لانے پر مامور کیا۔ دوسرے گروہ کو جواہر اور دوسرے قیمتی پتھر معدنوں سے اکھاڑ کر لانے کا حکم دیا۔ تیسرے گروہ کو مشک وعنبر اور دوسری خوشبودار چیزیں لانے پر مقرر کیا۔ چنانچہ یہ سب چیزیں بڑی کثرت کے ساتھ جمع ہو گئیں، اور مسجد کی تعمیر سفید، زرد اور سبز رنگ، اور دیگر رنگوں کے مرمروں سے کرائی، اور ستون بھی اسی کے قائم کئے گئے، چھت میں قیمتی جواہر کی تختیاں لگائیں، اور چھتوں اور دیواروں کا گارا اور پلاسٹر مروارید، یاقوت اور دوسرے جواہر کا لگوایا۔ زمین پر فیروزے کی تختیوں کا فرش لگوایا۔

اس زمانے میں روئے زمین پر اس سے زیادہ خوبصورت، پر رونق اور چمکدار عمارت کوئی نہیں تھی۔ تاریکی میں وہ چودھویں کے چاند کی طرح چمکتی تھی۔ تعمیر کا ڈھانچہ اگرچہ مکمل ہو چکا تھا، مگر بہت سے باریک کام باقی تھے، اور مسجد کے اردگرد کا پورا کام تشنہ تکمیل تھا۔ ادھر سے سلیمان علیہ السلام کو وحی کے ذریعہ اطلاع دی گئی کہ آپ کا وصال ہونے والا ہے، تب حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ کیا کہ موت سے پہلے مسجد کے اندر انہوں نے شیشوں کا جو محراب اپنی عبادت کے لئے بنایا تھا اس میں داخل ہونے کی تیاری کی، اس سے پہلے ہر وقت اس محراب میں داخل ہو کر لمبے عرصے تک خلوت میں رہ کر عبادت کرتے رہتے تھے، چنانچہ معمول کے مطابق خلوت خانہ میں تشریف لے گئے، اور عبادت میں مشغول ہو گئے، اور اپنے عصا پر ٹیک لگائی، چنانچہ روح مبارک پرواز کرنے کے بعد لکڑی کے سہارے پر کھڑے رہے۔

باہر سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حسب معمول وہ عبادت میں مشغول ہیں، نزدیک جانے، اور قریب سے معلوم کرنے کی کسی کو ہمت نہیں ہوتی تھی۔ مسجد کا کام بدستور جاری رہا، اور پورا سال یہ سلسلہ جاری رہا، حتیٰ کہ تمام کام مکمل ہونے کے ساتھ یہ پوشیدہ رازیوں کھل گیا کہ اللہ تعالیٰ نے گھن کے کیڑے کو جس کو دیمک کہتے ہیں، اور قرآن حکیم نے اس کو دَآبَّةُ الْاَرْضِ کا نام دیا ہے، عصائے سلیمانی پر مسلط کر دیا۔ دیمک نے عصاء کی لکڑی کو اندر سے کھا کر کمزور کر دیا، چنانچہ عصاء کا سہارا ختم ہوا تو حضرت سلیمان علیہ السلام زمین پر گر گئے۔ تب جنّات کو ان کی موت کی خبر ہوئی،

اور ساتھ ساتھ یہ بھی معلوم ہوا کہ جنّات اور شیاطین غیب نہیں جانتے، کیونکہ جنات نے یہ مشہور کر رکھا تھا کہ ہمیں علم غیب حاصل ہے، اور کچھ بدعقیدہ لوگوں کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ جنّات غیب دان ہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے مسجد کا کام بھی مکمل کرالیا، اور علم غیب کی غیر اللہ سے مکمل نفی بھی فرمائی۔

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے لکھا ہے: کہ جب سلیمان علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آپہنچا تو آپ علیہ السلام نے تعمیر کے باقیماندہ کام کا نقشہ بنا کر جنّات کے حوالہ کر دیا، اور خود شیشے کے کمرے میں بند ہو کر عبادت الٰہی میں مصروف ہو گئے، جنّات ان کو عبادت میں مصروف دیکھتے ہوئے اپنے کام میں تندہی سے لگے رہے، اور کام کی تکمیل کی۔

﴿فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ﴾ ہم نے سلیمان علیہ السلام کی موت کا فیصلہ کرلیا۔ ﴿مَا دَلَّهُمْ عَلَىٰ مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنسَأَتَهُ﴾ تو اس کو کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیا، مگر زمین کا ایک کیڑا، جس نے آپ علیہ السلام کی لاٹھی کو کھا کر اس کو کمزور کیا تھا، جس سے وہ ٹوٹ گئی، اور اس کا سہارا ختم ہوا۔ ﴿فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ﴾ جب لاٹھی کے ٹوٹنے سے حضرت سلیمان علیہ السلام گر پڑے تو اس وقت جنّات پر واضح ہوا کہ سلیمان علیہ السلام تو فوت ہو چکے ہیں اور ہم خواہ مخواہ ذلت اٹھا رہے ہیں، کام میں لگے ہوئے ہیں، چنانچہ وہ سارے کے سارے وہاں سے چلے گئے۔

﴿أَن لَّوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ﴾ پھر انہوں نے یہ کہا: اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو اتنی دیر ایک سال تک ذلّت کے عذاب میں مبتلا نہ رہتے۔ یعنی اگر ہمیں بذریعہ علم غیب معلوم ہو جاتا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام وفات پا چکے ہیں تو فوراً کام چھوڑ کر بھاگ جاتے، اور سال بھر تک مشقت برداشت نہ کرتے۔

فائدہ:

جنّات چونکہ لطیف مخلوق ہے، اور ان کی رفتار بہت تیز بھی ہے، وہ مختصر وقت میں ایک براعظم سے دوسرے براعظم تک پہنچتے ہیں، وہ ایک خطہ سے معلومات کا ذخیرہ حاصل کر کے دوسرے علاقے میں بیان کر کے لوگوں کو سناتے ہیں، مگر ناداں لوگ انہیں غیب پر محمول کرتے ہیں، جو کہ سراسر غلط اور باطل ہے۔ اس واقعہ سے خود جنّات پر بھی واضح ہوا، اور دوسرے ناداں لوگوں پر بھی کہ جنّات کے پاس غیب کا علم نہیں ہوتا، اس وجہ سے کہ وہ سال بھر محنت ومشقت میں رہے، اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کا انہیں علم نہ ہو سکا، اور وہ ان کو عبادت میں مشغول دیکھ کر کام کرتے رہے، حالانکہ ان کے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے درمیان چنداں فاصلہ نہ تھا۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ ۬ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ۭ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ﴿۱۵﴾ فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ﴿۱۶﴾ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ۭ وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ﴿۱۷﴾

ترجمہ: واقعی بات ہے کہ قوم سبا کے لئے ان کے ٹھہرنے کی جگہ میں بڑی نشانی تھی، دائیں بائیں دونوں طرف باغوں کی قطاریں تھیں، کھاؤ اپنے ربّ کے رزق سے، اوراس کا شکرادا کرو، عمدہ شہر ہے، اور ربّ بخشنے والا ہے ﴿۱۵﴾ پس انہوں نے روگردانی کی، لہٰذا ہم نے ان پر بند کا سیلاب بھیج دیا، اور ہم نے ان کے باغوں کے بدلہ دوایسے باغ دیدیئے جن میں بدمزہ پھل اور جھاؤ کے درخت تھے، اور کچھ تھوڑے سے بیری کے درخت تھے ﴿۱۶﴾ ہم نے انہیں یہ سزا ان کے کفر کی وجہ سے دی، اور ہم ناشکروں ہی کو سزادیا کرتے ہیں ﴿۱۷﴾

معارف ومنازل

یہاں تک شکر گزار عبد منیب حضرات کا ذکر تھا، آگے ناشکروں، ناسپاس اورنافرمانوں کا تذکرہ ہے، یعنی قوم سبا، جوخوشحالی اورعیش پرستی کے بعد کفرو ناشکری کی سزا میں تباہ ہوگئی۔ یہ قوم یمن کی بڑی دولت مند، اورذی اقتدارقوم تھی، ان کے مختلف بادشاہوں نے سیکڑوں سال یمن پر بادشاہی کی، اور بڑے جاہ وجلال اورشان وشوکت سے حکمرانی کی، ان ہی میں وہ دانشمند ملکہ سبا تھی، جس کا نام بلقیس ہے، جس کو تخت سمیت حضرت سلیمان علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضری نصیب ہوئی۔ پورا واقعہ سورۃ النمل میں گزر چکا۔ یہاں حضرت سلیمان علیہ السلام کے تذکرہ کے بعد قومِ سبا کا ذکر اسی مناسبت سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر خوشحالی، امن وامان، اور بے مثال رزق وروزی کے دروازے کھول دیئے تھے۔

بلقیس کے ایمان لانے کے بعد بہت بڑے عرصے تک اس قوم نے اللہ تعالیٰ کی توحید اوراحکامِ خداوندی کے بجالانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ بقول سید آلوسیؒ صاحب روح المعانی اس قوم میں تیرہ پیغمبر مبعوث ہوئے۔ اس کے بعد یہ قوم بے حساب مال ودولت اورعیش پرستی وخوشحالی کی وجہ سے کفروشرک اورناشکری کی نذر ہو کر تباہ ہو گئی۔ تیرہ پیغمبروں علیہم السلام نے ہر چند انہیں سمجھایا، مگر وہ سرکشی میں ڈوب گئے، حیران کن اورتاریخی سیلاب نے انہیں

برباد کر کے رکھ دیا۔

قوم سبا کون تھی؟

فروہ ابن سلیک غطفی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے سبا کے متعلق بتایئے کہ کیا وہ کوئی مرد تھا یا عورت، یا کسی مقام کا نام تھا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: وہ ایک عربی مرد تھا، جس کے دس بیٹے ہوئے، ان میں سے چھ دائیں طرف (یمن) کو چلے گئے، اور چار بائیں طرف (یعنی شام) کو چلے گئے۔ چھ یمن والوں کے نام یہ ہیں: کندہ، اشعر، ازد، مدحج، انمار، حمیر۔ ایک شخص نے کہا: انمار کون ہے؟ فرمایا: جن میں سے خشعم اور بجیلہ ہیں (وہی انمار)۔ اور جو چار شام کو گئے تھے وہ یہ ہیں: جذام، لخم، عاملہ، غسان۔

حضرت امام احمدؒ وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے مرفوعاً اسی طرح بیان کیا ہے۔ سبا یشجب کا بیٹا، اور یشجب یعرب کا بیٹا، اور یعرب قحطان کا بیٹا ہے۔ [معالم، بغوی] مزید تفصیل البدایہ والنہایہ میں ہے۔

سیل عرم، یا سدّ مآرب:

قوم سبا کے علاقہ کا نام مآرب ہے، جو کہ موجودہ شہر صنعاء سے تین دن کی مسافت پر ہے۔ کتب لغت میں عرم کے معنی سدّ یعنی بند کے ہیں، جو بارش کے سیلابی پانی کو روکنے کے لئے بنایا جاتا ہے، جو آج کل ڈیم کے معنی میں مشہور ہے۔ یہی معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔ [قرطبي]

زمانہ قدیم میں یمن کا ملک سرسبزی وشادابی میں وہ درجہ رکھتا تھا جو آج بڑے سے بڑے متمدن ملکوں کو نصیب نہیں ہے۔ اس میں نہایت خوبصورت اور دلربا شہر آراستہ اور عالیشان قصور ومحلات موجود تھے۔ اس ملک کی آب وہوا ایسی صحت بخش اور خوشگوار تھی کہ جہاں مکھی، پسو، مچھر وغیرہ کا نام ونشان تک نہیں تھا، اور لوگ ان کے ناموں سے بھی ناواقف تھے۔ ان کے بادشاہ نے اپنے لئے جو قصر تعمیر کرایا تھا اس کا نام ''غمد ان'' تھا، اور پورے ملک اور خطہ میں قصر غمدان کے نام سے مشہور تھا۔ اس کا شمار زمانہ کے عجائبات میں ہوتا تھا، اور کمال صناعی کا ایک بے مثال نمونہ تھا۔ یہ محل قحطان جد امجد اہل یمن کے بیٹے ''ازال'' کی زیر نگرانی تعمیر ہوا تھا۔ یہ قصر بیس منزل کا بنایا گیا تھا، ہر ایک منزل کا ارتفاع بیس ذراع (بقدر دس گز) معماری کے تھا، اور سب سے اوپر کی منزل موٹے اور دلدار آئینوں سے مسقف کی گئی تھی۔

اس قصر میں سو کمرے تھے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے مشہور اور عالیشان قصور ومحلات اور قلعے ہوتے

تھے، جن کی شان وشوکت اور عظمت وخوبصورتی اور دیگر احوال اور افسانے صفحات تاریخ میں درج ہیں۔

سیل عرم، اور سدّ مآرب:

﴿فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ﴾ عَرِم کے معنی سدّ، یعنی بند کے ہیں، آج کل ڈیم کے نام سے مشہور ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ چونکہ اعلیٰ پایہ کے مفسر ہونے کے ساتھ بڑے مؤرخ بھی ہیں، انہوں نے سدّ مآرب کا بیان یوں کیا ہے کہ ملک یمن میں اس کے دارالحکومت صنعاء سے تین منزل کے فاصلہ پر ایک شہر مآرب تھا، جس میں قوم سبا آباد تھی، دو پہاڑوں کے درمیان وادی میں یہ شہر آباد تھا۔ دونوں پہاڑوں کے درمیان سے اور پہاڑوں کے اوپر سے بارش کا سیلاب آتا تھا۔ یہ شہر ہمیشہ ان سیلابوں کی زد میں ہوتا تھا۔ ملکہ بلقیس نے اس شہر کی حفاظت اور پورے ملک خاص کر وادی کے دونوں اطرف ایک بہت بڑی وسیع وعریض زرخیز سرزمین کی آبادی کی خاطر ایک عجیب وغریب مستحکم بامقصد ڈیم بنانے کا ارادہ کیا۔

چنانچہ نقشہ کے مطابق کام شروع ہوا، اور دو پہاڑوں کے درّہ کو جس کا طول تین میل، اور چوڑائی بھی تین میل تھی، بڑی بڑی چٹانوں کو سیسے، تانبے اور لوہے کے ذریعہ سے جوڑ کر آہنی سدّ بنادی، اور اوپر نیچے قطاروں میں لوہے کے بہت ہی مضبوط ومحکم دروازے بنادیئے، اور دروازوں کو ایسے حساب سے قائم کردیا کہ جب چاہا دروازہ کھول دیا، اور جب چاہا سلیقہ سے بند کردیا۔ اور نیچے ایک بہت بڑا حوض بنادیا۔

اور پانی کی تقسیم کو ایک عجیب وغریب ایسے بے مثال سلیقہ سے بنایا گیا تھا، جس کے بارہ راستے ہوتے تھے، جب ان تمام راستوں کے لئے دروازے کھلتے تھے تو یکساں طور پر تمام علاقوں کے لئے پانی کا بہاؤ (جریان) اس طرح برابر ہوتا تھا کہ کسی کی حق تلفی کا امکان نہ ہو۔

اس ڈیم سے ملک کے بے شمار خطوں میں چارسو مربع میل میں یا زائد میں اتنے بڑے عجیب وگنجان باغات ہوتے تھے جن کی نظیر نہ ہو، اور وادی کے جنوب وشمال میں متصل ومتلاصق باغوں کی قطاریں دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ ائمہ سلفؒ اور حضرت قتادہؓ کی روایت کے مطابق ان باغوں میں ایک عورت اپنے سر پر خالی ٹوکری رکھ کر چلتی تو درختوں سے ٹوٹ کر گرنے والے پھلوں سے خود بخود بھر جاتی تھی، اس کو ہاتھ ہلانے کی ہرگز ضرورت محسوس نہ ہوتی۔ چند وقت بلقیس کی زندگی میں لوگوں نے توحید وعبادات میں اچھی خاصی مسلمانی زندگی گزاری، مرورِ زمانہ کے ساتھ ان میں جہالت اور گمراہی عام ہوئی، شرک وبت پرستی میں منہمک ہو کر ایمان وتوحید سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

اس اثنا میں اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لئے تقریباً تیرہ انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے۔ انہوں نے پورے گھمنڈ کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی، اور فواحش ومنکرات اور عیش پرستی میں بہت آگے نکلے۔ انبیاء علیہم السلام کی تبلیغ وتنبیہات کا مذاق اڑایا، اور ناشکری ونافرمانی میں، اور سرکشی میں بہت مست ہوگئے۔ پس جس بند کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے رحمت وراحت اور عجیب خوشحالیوں کا سبب وذریعہ بنادیا تھا، لمحوں میں اسے ان کے لئے قہر وغضب کے تحت جہنم بنادیا۔

حضرت ابن عباس، حضرت قتادہ، حضرت ضحاک اور حضرت وہب بن منبہ وغیرہ ائمہ تفسیر رضی اللہ عنہم نے یہ بیان کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس ناشکر قوم کو سزا دینے کے لئے سدّ مآرب کو توڑ کر سیلاب سے تباہ کرنے کا ارادہ کیا، تو اس پانی کے عظیم الشان مضبوط ومستحکم بند پر اندھے چوہے مسلط کر لئے، یہ عام چوہے نہیں تھے، بلکہ یہ عذاب کے چوہے تھے، جنہوں نے پہاڑوں سے مضبوط سیسہ پلائی ہوئی چٹانوں کو سوراخ کر کے تباہی مچادی۔ یہ وقت نئے پانی اور نئی بارشوں کا زمانہ تھا۔ بند کی بنیادوں کو چوہوں نے جب ناکارہ بنادیا تو نئے سیلاب تازہ بارشوں کی قوت اور دباؤ نے کمزور بنیادوں کو توڑ کر پورے پانی کو دریا کی طرح بشکلِ سیلاب علاقے میں چھوڑ دیا، جس سے شہر مآرب کی پوری آبادی غرق ہوگئی، تمام مکانات اور درخت، اور تمام آبادی اور باغات تباہ ہوگئے۔

﴿لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ﴾ قوم سبا کے لئے ان کے مقام سکونت میں ہماری قدرت کاملہ کی نشانی موجود تھی، جس کا شکر ادا کرنا ان پر فرض تھا۔ وہ نشانی یہ تھی کہ ہر طرف راحت وخوشی کے اسباب بکثرت موجود تھے۔ ﴿جَنَّتَانِ عَنْ يَمِينٍ وَشِمَالٍ﴾ ان کی بستیوں کے دائیں اور بائیں جانب بے شمار درختوں کی دو مسلسل قطاریں تھیں: ایک جنوبی حصہ میں، دوم شمالی حصہ میں، دوطرفہ باغات کا سلسلہ تھا۔ ان کے پیغمبروں علیہم السلام نے انہیں یوں خطاب کیا:

﴿كُلُوا مِنْ رِزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ ۚ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ﴾ تم اپنے پروردگار کے دیئے ہوئے رزق میں سے کھاؤ، اور اس کا شکر ادا کرو، کیا خوب پاکیزہ شہر ہے، اور کیسا ربّ غفور ہے، جس نے تمہاری کوتاہیوں سے درگزر فرما کر، ہر قسم کی رحمتوں اور نعمتوں سے تمہیں نوازا۔ مگر قوم کی سرکشی اور غرور نے انہیں بجائے شکر کے ناشکری پر ابھارا، پس: ﴿فَأَعْرَضُوا فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ﴾ پھر انہوں نے روگردانی کی، تو ہم نے ان پر عرم کا سیلاب چھوڑ دیا۔ یہ بے پناہ سیلاب دراصل ان کی مسلسل ناشکری اور کفر وشرک کا نتیجہ تھا۔ جب تمام

باغات تباہ ہوگئے، اور زمین کی برکت اٹھ گئی، اور پوری زمین پر سیم وتھور کا راج قائم ہوگیا، تو چند نکمے بے مقصد درخت پیدا ہوئے، جو بدمزہ پھل والے تھے، یا جھاؤ کے درخت اور کچھ جنگلی بیری کے درخت پیدا ہوئے۔ خَمْط کے معنی ہیں: ترش اور تلخ، ناکارہ۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ خَمْط سے مراد پیلو کا درخت ہے۔ جھاؤ مشہور درخت ہے، اس کی لکڑی نہایت ناکارہ ہے، اور پھل اتنا خراب ہے کہ حیوانات بھی اسے کھانے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔

﴿ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ؕ وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ﴾ ہم نے یہ سزا ان کو پیغمبروں علیہم السلام کی تکذیب اور ناشکری کی وجہ سے دی، اور ہم ایسی سخت سزا بڑے ناشکرے اور نافرمان ہی کو دیا کرتے ہیں۔ جتنا کسی قوم کا گناہ ہو، اتنی سخت ان کی سزا ہوگی۔

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّقَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ ؕ سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِيَ وَاَيَّامًا اٰمِنِيْنَ ﴿۱۸﴾ فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا وَظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۱۹﴾ وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِيْ شَكٍّ ؕ وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ﴿۲۱﴾

ترجمہ: اور ہم نے ان کے درمیان، اور ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت رکھی تھی بہت سے گاؤں آباد کر رکھے تھے، جو نظر آتے تھے، اور ہم نے ان کے درمیان ان کے چلنے کا ایک خاص اندازہ رکھا تھا، ان میں راتوں کو چلو، اور دن میں چلو، امن وامان کے ساتھ ﴿۱۸﴾ سو انہوں نے کہا: اے ہمارے ربّ! دوری کر دیجئے ہمارے سفروں کے درمیان، اور انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، سو ہم نے انہیں افسانہ بنا دیا، اور انہیں پوری طرح تتر بتر کر دیا، بیشک اس میں ہر صابر وشاکر کے لئے بڑی عبرتیں ہیں ﴿۱۹﴾ اور یہ بات واقعی ہے کہ ان کے بارے میں ابلیس نے اپنا گمان صحیح پالیا، سو سب اس کے اتباع میں لگ گئے، سوائے مؤمنین کی تھوڑی سی جماعت کے ﴿۲۰﴾ اور ابلیس کا ان لوگوں پر کوئی زور نہ تھا، بجز اس کے کہ ہم یہ جان لیں کہ آخرت پر ایمان لانے والا کون ہے جو ان لوگوں سے علیحدہ ہے جو اس کی طرف سے شک میں ہیں، اور آپ کا ربّ ہر چیز پر نگران ہے ﴿۲۱﴾

معارف ومنازل

اس آیت میں اہل سبا پر اللہ تعالیٰ کی ایک اور نعمت کا بیان ہے، اور اہل سبا کی ناشکری کا بیان ہے کہ انہوں نے خود اس نعمت وخوشحالی کے بدلے شدّت وخواری کی دعا کی۔

﴿وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا قُرًى ظَاهِرَةً﴾ اور ہم نے ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت رکھی تھی بہت سے گاؤں آباد کر رکھے تھے، جو ظاہر تھے۔ یہ گاؤں برلب سڑک ہوتے تھے۔ جب انہیں ایک بستی سے دوسری بستی تک گزرنا ہوتا تھا تو یہ گاؤں نظر آتے تھے، گویا ہر پندرہ میل پر ایک گاؤں واقع ہوتا تھا۔ پھر مسافر جیسے چاہتے ان گاؤں میں بہت آرام سے ٹھہرتے تھے۔ اس طرح بار بار آبادیوں کے نظر آنے سے مسافر خوشی محسوس کرتے، اور سفر کی وحشت کم ہو جاتی۔ آبادیوں کا بار بار مسلسل اور متصل ہونا یہ بھی اہل سبا پر اللہ تعالیٰ کا انعام تھا۔

صاحب روح المعانیؒ نے لکھا ہے کہ ﴿الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا﴾ سے ملک شام وفلسطین کی بستیاں مراد ہیں، جب یہ لوگ یمن سے تجارت وکاروبار کے لئے، یا سیر وسیاحت کے لئے ملک شام جاتے تھے تو راستہ میں قریب قریب بہت سی بستیاں آتی تھیں، جن کے قریب سے یہ لوگ گزرتے تھے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ برکت والی بستیوں سے خود اہل سبا ہی کی قطار در قطار بستیاں ہی مراد ہیں، جو بڑی خوشحال بستیاں ہوتی تھیں، اور ﴿قُرًى ظَاهِرَةً﴾ سے چھوٹی بستیاں مراد ہیں۔

﴿وَقَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْرَ﴾ اور ہم نے ان کے درمیان ان کے چلنے کا ایک خاص اندازہ رکھا تھا، یعنی ان بستیوں کے درمیان جو مسافت تھی اللہ تعالیٰ نے ایک خاص مقدار معین کے ساتھ رکھی تھی۔ مثلاً کوئی شخص صبح روانہ ہوتا تو دوپہر ہونے تک دوسری بستی میں پہنچ جاتا، اور ظہر کے بعد چلتا تو غروب آفتاب تک تیسری بستی میں پہنچ جاتا تھا۔ کھانے کا سامان ساتھ لینے کی ضرورت نہ ہوتی تھی، اور دشمن یا راہزنوں کا بھی خوف نہیں ہوتا تھا۔ یہ ایک مناسب اندازہ کا بیان تھا۔ اکثر مفسرینؒ اس سے کم مسافت ذکر کر چکے ہیں کہ بستیاں اکثر آپس میں ملی ہوئی ہوتی تھیں۔

﴿سِيرُوا فِيهَا لَيَالِيَ وَأَيَّامًا آمِنِينَ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان کیا جارہا تھا کہ تم ان بستیوں کے درمیان راتوں کو اور دن کو جب چاہو بلا خوف وخطر پورے امن وامان کے ساتھ سفر کرلیا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ایک ایسی فضاء قائم کی ہے جس میں بدامنی کا نام ونشان تک نہیں ہے۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ ان کی بستیوں کی

حدود میں کوئی موذی جانور بھی نہیں ہوتا تھا، سانپ، بچھو کو انہوں نے دیکھا تک نہیں تھا، مچھر، مکھی، پسو، کیڑے مکوڑے کچھ نہیں ہوتے تھے۔

﴿فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا وَظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ﴾ سوان ناشکروں نے کہا (زبان حال، یا زبان قال سے) اے ہمارے پروردگار! دوری کر دیجئے ہمارے سفروں کے درمیان۔ انسان اپنی تخلیق کے اعتبار سے ناشکرا اور ناعاقبت اندیش ہے، اور ساتھ کم ظرف اور تنگدل بھی ہے، نہ سیری کو برداشت کرتا ہے، نہ فقر و فاقہ کو۔ جب مالدار اور خوشحال ہوتا ہے تو کبر و غرور کے سایہ میں بیٹھ کر وہ باتیں کرتا ہے جسے پہاڑ بھی نہ اٹھا سکتے ہوں۔ اہل سبا نے اسی حماقت اور غرور کے بل بوتے پر شکایت کی کہ اے ہمارے پروردگار! ہمارے سفروں کو طویل کر دے، تا کہ مصائب کو دیکھ کر ہم اپنی پہلوانی کا لوہا منوائیں، اور نام پیدا کر لیں۔

ان لوگوں کو اللہ کا شکر ادا کرنے کا جو حکم ہوا تھا، اس پر تو عمل نہ کیا، اور ناشکری اور حماقت میں اتنے غرور و اترانے میں ڈوب گئے کہ اپنے لئے یوں بددعا کی کہ یہ جو ہماری بستیوں کی قربت و نزدیکی ہے اسے دوری میں تبدیل کر لیں، تا کہ ہماری یہ سہولت مشقت میں تبدیل ہو جائے، تا کہ ہماری شہرت ہو۔ اس طرح اہل سبا نے بنی اسرائیل کی طرح ناشکری کی، جنہوں نے من وسلویٰ کی بجائے پیاز، لہسن، سبزی اور ترکاریوں کا مطالبہ کیا تھا، اس طرح وہ ظالم ٹھہرے۔ صاحب مظہری نے لکھا ہے کہ ان کا یہ علاقہ جو یمن سے فلسطین تک آباد تھا، یہ جنت نظیر تھا۔ اس شاہراہ پر چار ہزار سات سو شہر قصبے اور دیہات آباد تھے۔

﴿وَظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ﴾ انہوں نے اپنی جانوں پر خود ظلم کیا، جس کے نتیجے میں مکمل تباہ ہو گئے۔ سدّ مآرب کے سیلاب نے ان کے لئے کچھ نہیں چھوڑا، اور یہ مصروف شاہراہ ویران ہو کر پوری اور ساری بستیاں تباہ ہو گئیں۔

﴿فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ﴾ سو ہم نے انہیں فسانہ بنا دیا، ان پر ایسی بربادی آئی کہ تاریخ کے اوراق میں صرف ان کے قصے بطور افسانہ یاد رہے، اور ان کی کہانیاں ایک دوسرے کو سنانے لگے۔

﴿وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ﴾ اور ہم نے ان کا شیرازہ اس طرح بکھیر کر پارہ پارہ کر کے رکھ دیا جس سے ان کی تمام بستیاں اور شاہراہ تباہ ہو گئے۔ ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ﴾ بیشک اس میں بڑی بڑی نشانیاں عبرت ہیں ہر اس شخص کے لئے جو خوب صبر کرنے والا اور خوب شکر کرنے والا ہو۔

﴿وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ﴾ تحقیق شیطان نے ان لوگوں پر اپنا گمان سچا کر دکھایا۔ حضرت

آدم علیہ السلام کی تخلیق کے وقت شیطان نے اللہ تعالیٰ کے حضور قسم کھا کر کہا تھا کہ تو نے آدم کو مجھ پر جو برتری عطا کی ہے، میں اس کی اولاد کے منہ میں لگام ڈال کر ضرور انہیں گمراہ کروں گا، ﴿ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾[الاسراء: ٦٢] (میں ضرور بضرور سب کے جبڑوں میں لگام ڈالوں گا، سوائے تھوڑے لوگوں کے) چنانچہ ابلیس نے اہل سبا کو گمراہ کر کے اپنا گمان سچا کر دکھایا، جیسا چاہا ویسا کام کر ہی گیا۔

﴿فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ پس اہل سبا نے ابلیس کا خوب اتباع کیا، سوائے ایمان والوں کے ایک گروہ کے، جس نے شیطان کا اتباع نہ کیا۔ اور جن لوگوں کے بارے میں ابلیس کا گمان پورا ہوا: ﴿وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ﴾ تو ابلیس کا ان لوگوں پر کچھ زور نہ تھا، اور نہ ہی کوئی غلبہ تھا۔ ابلیس نے محض وسوسہ ڈال کر انہیں راہ حق سے بیگانہ کیا۔ ﴿اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِيْ شَكٍّ﴾ مگر اس کا مقصد یہ تھا کہ ہم جان لیں کون آدمی آخرت پر یقین رکھتا ہے، اور کون اس بارے میں شک میں پڑا ہوا ہے۔ یعنی تا کہ اللہ تعالیٰ بندوں کا امتحان کریں، اور آخرت پر ایمان لانے والوں کو ایسے لوگوں سے جدا اور ممتاز کر دیں جو آخرت کی طرف سے شک اور شبہ میں پڑے ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کو پہلے ہی سے معلوم تھا کہ کون آخرت پر ایمان لائے گا، اور کون اس کا انکار کرے گا، لیکن لوگوں کو اس کا علم نہ تھا، تو اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو وسوسہ ڈالنے کی قدرت دی، تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ کون ایمان لائے گا، اور کون کافر ہوگا۔ تو یہ وسوسہ لوگوں کے امتحان کے لئے ہے، تو اللہ تعالیٰ معلوم کریں گے کہ کون شیطان کی مانتا ہے، اور کون نہیں مانتا۔ ﴿وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ﴾ اور تیرا پروردگار ہر چیز کا نگہبان ہے، ہر چیز کی حفاظت اس کے اختیار میں ہے۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ﴿٢٢﴾ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمْ ۭ قَالُوا الْحَقَّ ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿٢٣﴾

ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا تم نے جنہیں معبود سمجھ رکھا ہے انہیں پکارو، وہ ایک ذرہ کے

برابر بھی اختیار نہیں رکھتے، نہ آسمانوں میں، نہ زمینوں میں، اور ان دونوں میں اس کا کچھ ساجھا نہیں، اور ان میں سے کوئی اللہ تعالیٰ کا مددگار نہیں ﴿۲۲﴾ اور اس کے پاس سفارش کام نہیں دے سکتی، سوائے اس کے جس کے لئے اجازت دی ہو، یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہوجاتی ہے تو کہتے ہیں کہ تمہارے ربّ نے کیا فرمایا؟ جواب میں کہتے ہیں کہ حق ہی فرمایا، اور وہ برتر ہے، بڑا ہے ﴿۲۳﴾

معارف ومنازل

ان دونوں آیتوں میں مشرکین کی تردید ہے۔ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا تم نے جنہیں معبود بنا رکھا ہے، اور یہ عقیدہ رکھتے ہو کہ یہ تمہارے بے دست و پا، گونگے اور جعلی معبود تمہارے لئے نفع ونقصان کے مالک ہیں۔ ذرا انہیں اپنی کسی حاجت کے لئے پکارو تو سہی، تمہیں معلوم ہوجائے گا کہ وہ ذرہ برابر بھی کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتے، نہ آسمانوں میں، نہ زمین میں، اور یہ بھی سمجھ لو کہ آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے میں تمہارے تجویز کئے ہوئے معبودوں کی کوئی شرکت نہیں ہے، اور ان میں سے کوئی بھی اللہ تعالیٰ جلّ شانہ کا مددگار نہیں ہے، اور نہ ایجاد عالم میں ان کا کوئی دخل ہے، نہ اس کے باقی رکھنے میں، اور نہ ہی تصرفات میں۔

اور تم جو کہتے ہو کہ: ﴿هٰؤُلَاۤءِ شُفَعَاۤؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ [یونس:۱۸] (یعنی ہمارے یہ جعلی معبود اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے لئے شفاعت کنندہ ہیں) یہ ہمارے لئے سفارش کرتے ہیں، یہ سراسر جھوٹ اور خام خیالی ہے، اور غلط ہے۔ اوّل تو یہ کہ سارے بے جان و بے زبان ہیں، انہیں شفاعت کا کیا پتہ؟ دوم یہ کہ شفاعت ان مقبولانِ درگاہ کے ساتھ مخصوص ہے جنہیں اللہ تعالیٰ اذن دے کر شفاعت کے لئے بلائیں گے، جبکہ تمہارے معبود تمہاری طرح جہنم کے ایندھن بننے والے ہوں گے، انہیں سفارش کرنے کی اجازت کہاں ہوگی؟ تمہاری امید ہی غلط ہے، بلکہ خودساختہ اور منگھڑت ہے۔

سورۃ الانبیاء میں ملائکہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ﴾ [الأنبياء:۲۸] (اور وہ اسی کے لئے سفارش کریں گے، جس کے لئے اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوگی، اور وہ (فرشتے) اللہ تعالیٰ کی ہیبت سے ڈرتے ہیں)۔ اسی کا بیان ہے:

﴿حَتّٰۤى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوا الْحَقَّ﴾ اس میں فرشتوں کی گھبراہٹ

اور خوف وخشیت کا بیان فرمایا۔ مطلب یہ ہے کہ یہ نورانی معصوم فرشتے جنہیں معبود تجویز کر کے ان کی شفاعت کی امید لئے بیٹھے ہو، ان کا اپنا خود یہ حال ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی کام کا حکم نافذ اور جاری ہوتا ہے تو ہیبت کے مارے گھبرا اٹھتے ہیں، شدت ہیبت کی وجہ سے ان کی حالت دگرگوں ہو جاتی ہے، اور حواس باختہ ہو کر بیہوش ہو جاتے ہیں۔ جب فرمان الٰہی پورا ہو جاتا ہے، اب افاقہ ہونے کے بعد آپس میں دریافت کرتے ہیں کہ تمہارے ربّ نے کیا حکم فرمایا؟ پھر بعض بعض سے کہتے ہیں کہ تمہارے ربّ جلّ شانہ نے حق ہی فرمایا۔

جہاں ہیبت کا یہ عالم ہے، وہاں شفاعت کی کیا مجال ہو سکتی ہے؟ جب ملائکہ مقربین بے خودی میں گھبراتے ہیں، خوف زدہ ہوتے ہیں، تو شیاطین اور اصنام کس شمار میں ہوں گے؟ اسی سے سمجھ کر اندازہ لگائیں۔ اور قیامت کی ہولناکی کا یہ عالم ہوگا کہ بڑے اولوالعزم انبیاء ورسل علیہم السلام بھی پریشانی کی کیفیت میں ہوں گے، اور نفسی نفسی پکاریں گے۔

﴿وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ﴾ وہ بلند ہے، بڑا ہے، اس کی بارگاہ میں وہی شفاعت کر سکتا ہے جسے شفاعت کی اجازت اور کسی طرح اس کو قرب بھی نصیب ہو، اور پھر یہ اسی کے لئے شفاعت کر سکتا ہے جو کسی طرح شفاعت کا حقدار بھی ہو، یہاں تک کہ حضرت ابراہیم الخلیل علیہ السلام اپنے باپ کے لئے شفاعت نہیں کر سکیں گے، کیونکہ وہ مشرک تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب آسمانوں میں اللہ تعالیٰ کا کوئی فیصلہ ہوتا ہے تو فرشتے اس کے فرمان کی وجہ سے بطور تواضع وانقیاد اپنے پروں کو مارتے ہیں، جس سے ایسی آواز پیدا ہوتی ہے، گویا چکنے پتھر پر زنجیر کھینچی جا رہی ہے، پھر جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ تمہارے ربّ نے کیا فرمایا؟ پھر آپس میں جواب دیتے ہیں کہ وہ برتر ہے، بڑا ہے۔ [بخاری]

قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّاۤ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۴﴾
قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّاۤ اَجْرَمْنَا وَلَا نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ؕ
وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۶﴾ قُلْ اَرُوْنِيَ الَّذِيْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَآءَ كَلَّا ؕ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۷﴾

ترجمہ: آپ فرمادیجئے کہ کون تمہیں رزق دیتا ہے آسمانوں سے اور زمین سے؟ آپ فرمادیجئے کہ اللہ،

اور بیشک ہم یا تم ضرور راہ راست پر ہیں، یا صریح گمراہی میں ہیں ﴿۲۴﴾ آپ فرما دیجئے: ہم نے جو جرم کئے تم سے اس کی باز پرس نہ ہوگی، اور ہم سے ان کاموں کے بارے میں سوال نہ ہوگا جو تم کرتے ہو ﴿۲۵﴾ آپ فرما دیجئے کہ ہمارا ربّ ہم سب کو جمع کرے گا، پھر ہمارے درمیان ٹھیک فیصلہ فرمائے گا، اور وہ بڑا فیصلہ فرمانے والا ہے، خوب جاننے والا ہے ﴿۲۶﴾ آپ فرما دیجئے: مجھے دکھا دو وہ لوگ جنہیں تم نے شریک بنا کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملا رکھا ہے، ہرگز نہیں، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ ہے، زبردست ہے، حکمت والا ہے ﴿۲۷﴾

معارف ومنازل

یہ مضمون خالص توحید کے متعلق ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے واجب الوجود ہونے، اور خالق ہونے میں کوئی بھی شرک نہیں کرتا، خواہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔ البتہ مشرک لوگ تیسرے اور چوتھے درجے میں، یعنی تدبیر وتصرف اور عبادت کے معاملہ میں آکر پھنس جاتے ہیں، اور غیر اللہ کو ان دونوں امور میں شریک مانتے ہیں، چنانچہ ارشاد ہے:

﴿قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ آپ مشرکین سے دریافت کریں کہ تمہیں آسمانوں اور زمین سے روزی کون پہنچاتا ہے؟ آسمان سے پانی برستا ہے، زمین سے طرح طرح کے درخت، پھل، اناج، چارے، سبزیاں پیدا ہوتی ہیں، ذرا بتاؤ یہ کس کی قدرت کا مظاہرہ ہے؟ اور ان تمام کھیتوں کا پیدا کرنے والا کون ہے؟ جواب ان کے نزدیک بھی متعین ہے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت اور مشیت وارادہ سے ہوتا ہے، اگر وہ جواب نہ دیں، یا دیر سے جواب دیں، تو آپ ہی فرما دیجئے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی مشیت اور قدرت سے ہے۔

﴿قُلِ اللّٰهُ﴾ آپ فرما دیجئے کہ روزی رساں اللہ تعالیٰ ہی ہے، جب روزی رساں تمام کائنات کا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے تو تمہیں چاہئے کہ عبادت صرف اسی کے لئے کرو، اس کی عبادت اور تدابیر میں کسی کو شریک نہ کرو۔

﴿وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ بیشک ہم یا تم ضرور راہ راست پر ہیں، یا صریح گمراہی میں ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہم موحّد ہیں، اور توحید کی دعوت دیتے ہیں، اور تم توحید کے منکر ہو، پس ہمارے اور تمہارے خیالات ونظریات میں اختلاف ہے، تو ظاہر ہے کہ دونوں فریق نہ صحیح راستے پر ہو سکتے ہیں، اور نہ دونوں باطل پر، بلکہ ایک ضرور حق پر ہوگا، اور دوسرا باطل پر۔ اب یہ ہمارا اور تمہارا فرض ہے کہ اچھی طرح غور وفکر کر کے فیصلہ کریں

کہ کون حق پر ہے، اور کون گمراہی کا شکار ہے؟

تو یہ بہت واضح اور اظہر من الشّمس ہے کہ ہم صد فیصد حق پر ہیں، کیونکہ کائنات کا ہر ہر ذرہ پکار پکار کر گواہی دے رہا ہے کہ کائنات کا خالق و مالک اللہ واحد لاشریک ہے، جس کی خالقیت و مالکیت پر تم بھی گواہ ہو۔ آگے یہ فرما رہے ہیں کہ تم اپنے خالق و مالک کے ساتھ بے جان اور کمزور بتوں کو جو شریک کرتے ہو یہ تمہاری جہالت ہے، جس کا روز محشر تمہیں جواب دینا ہے، جس کی پاداش میں ابدی جہنم کا عذاب تمہارے لئے ہے۔ اگر ہم تمہارے بتوں کی مذمت کریں تو اس پر ہمیں قیامت کے روز انعام ملے گا، کیونکہ ہم نے باطل سے براءت کا اظہار کیا، اور خالق و مالک جلّ شانہ کو راضی رکھا۔

﴿قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّاۤ اَجْرَمْنَا وَلَا نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ آپ فرما دیجئے: ہم نے جو جرم کئے تھے تم سے ان کا سوال نہ ہوگا، اور جو تم کام کرتے ہو ہم سے ان کی پرستش نہ ہوگی، ہر فرقہ کا الگ الگ معاملہ ہے، اہل توحید انعام پائیں گے، بخشے جائیں گے، اور کفار و مشرکین عذاب میں داخل ہوں گے۔ گویا ہم اور تم اپنے اپنے افعال کے ذمہ دار ہوں گے، تم ہم پر نکتہ چینی کرنے کی بجائے اپنی فکر کرو، آخرت میں تمہیں اپنے اعمال کا خود ہی جواب دینا ہو گا۔ پھر فرمایا:

﴿قُلْ یَجْمَعُ بَیْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ یَفْتَحُ بَیْنَنَا بِالْحَقِّ﴾ آپ فرما دیجئے کہ ہمارا ربّ ہم سب کو جمع کرے گا، پھر ہمارے درمیان ٹھیک فیصلہ فرمائے گا، جبکہ قیامت کے دن توحید والوں کے لئے انعام و اکرام کا فیصلہ ہوگا، اور مشرکین و کافرین کے لئے عذاب الیم کا فیصلہ ہوگا۔ اس وقت تمہیں اپنی گمراہی کا پورا پورا پتہ چل جائے گا۔

﴿وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِیْمُ﴾ اور وہ بڑا فیصلہ کرنے والا ہے، اور خوب جاننے والا ہے۔

﴿قُلْ اَرُوْنِیَ الَّذِیْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَآءَ﴾ آپ ان مشرکوں سے کہہ دیں کہ جن شریکوں کو تم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ الحاق کیا ہوا ہے، ملا کر رکھا ہے، مجھے بتلاؤ کہ وہ کیا ہیں؟ وہ کونسا کام انجام دیتے ہیں؟ کیا وہ خالق مالک یا متصرف فی الامور ہیں؟ اس کا جواب تو بھلا کون دیتا؟ اللہ تعالیٰ نے خود ہی فرمایا: ﴿كَلَّا﴾ خبردار! اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی مذکورہ صفات کا حامل نہیں، ہر چیز کا مالک و مختار صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ ﴿بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ﴾ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے، جو کمال قدرت کا مالک ہے، زبردست اور غالب و حکمت والا ہے۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا وَّلٰكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۸﴾ وَيَقُوۡلُوۡنَ مَتٰى هٰذَا الۡوَعۡدُ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۲۹﴾ قُلۡ لَّكُمۡ مِّيۡعَادُ يَوۡمٍ لَّا تَسۡتَاۡخِرُوۡنَ عَنۡهُ سَاعَةً وَّلَا تَسۡتَقۡدِمُوۡنَ ﴿۳۰﴾

ترجمہ: اور ہم نے آپ کونہیں بھیجا مگر سارے انسانوں کے لئے بشیر ونذیر بنا کر، لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے ﴿۲۸﴾ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا، اگر تم سچے ہو؟ ﴿۲۹﴾ آپ فرما دیجئے کہ تمہارے لئے ایک خاص دن کا وعدہ ہے، اس سے نہ ایک ساعت پیچھے ہٹ سکتے ہو، اور نہ آگے بڑھ سکتے ہو ﴿۳۰﴾

معارف ومنازل

﴿كَآفَّةً لِّلنَّاسِ﴾ کا مطلب دنیا بھر کے لوگوں کے لئے آپ ﷺ کی بعثت قیامت تک آنے والی ساری مخلوق کیلئے ہے، خواہ ان کا تعلق کسی بھی نسل وقوم وملک وجنس سے ہو، آپ ﷺ ساری خلقت کے لئے رسول ہیں۔ اسی خاطر آپ ﷺ کی تعلیمات رہتی دنیا تک جاری وساری رہیں گی، اور آپ ﷺ کی لائی ہوئی کتاب قرآن حکیم آج بھی دنیا کے ہر گوشے میں آفتاب عالمتاب کی طرح ظلمتوں سے بھرے ہوئے قلوب کو روشنی پہنچا رہی ہے، اور کروڑوں قلوب وصدور کی زینت بنی ہوئی ہے۔ جبکہ پورے عالم میں تورات وانجیل کا ایک حافظ بھی نہیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام جب بھی آئے جانے کے لئے آئے۔ سورج کی طرح چمکے، اور غروب ہوگئے۔ مگر ایک ہی آپ ﷺ ہیں جو ہمیشہ کے لئے آئے، اور آپ ﷺ کی نبوت ورسالت کے لئے کبھی کوئی غروب نہیں۔

ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کے مقابلے میں پانچ خصوصی چیزیں عطاء کی ہیں، جو مجھ سے پہلے کسی پیغمبر کو نہیں دی گئیں:

(۱)...... رعب کے ذریعہ میری مدد ونصرت کی گئی، ایک ماہ کی مسافت تک دشمن مجھ سے ڈرا کرتے ہیں۔

(۲)...... پوری زمین میرے لئے سجدہ گاہ اور پاک کرنے والی (تیمم مراد ہے) بنادی گئی ہے کہ مسجد کے علاوہ بھی ہر پاک جگہ نماز ہوجاتی ہے، اور پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم سے حدث اصغر اور حدث اکبر دونوں دور ہوجاتے ہیں، میری امت والے جہاں چاہیں نماز پڑھ سکتے ہیں۔

(۳)...... میرے لئے غنیمت کے مال حلال کردیئے گئے، اور مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہیں کئے گئے۔

(۴)...... مجھے شفاعت کبریٰ عطا کی گئی، جو قیامت کے دن ساری خلقت کے لئے ہوگی۔

(۵)...... مجھ سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام اپنی خاص قوموں کے لئے بھیجے جاتے تھے، اور میں ساری خلقت کے لئے مبعوث ہوا ہوں۔ [بخاري]

اور آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے، اس امت میں جس کسی کو بھی میری بعثت کا علم ہوا، خواہ یہودی ہو، خواہ نصرانی ہو، پھر وہ اس حالت میں مرجائے کہ میں جو دین لے کر بھیجا گیا ہوں وہ اس کو نہ مانا قبول نہ کیا، تو وہ ضرور دوزخ والوں میں سے ہوگا۔ [مسلم]

جب سے آپ ﷺ کی بعثت ہوئی ہے یہودی، نصرانی، فرقہ صابئین اور ہر قوم، ہر مذہب کے لئے معیار نجات صرف خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ ﷺ کے علاوہ کسی قسم کا کوئی ایمان ہرگز معتبر نہیں، صرف یہی ایمان معتبر ہے کہ آنحضرت ﷺ پر کوئی ایمان لائے، اور آپ ﷺ کا اسلام قبول کرلے۔ فرمایا: ﴿وَمَنۡ يَّبۡتَغِ غَيۡرَ الۡاِسۡلَامِ دِيۡنًا فَلَنۡ يُّقۡبَلَ مِنۡهُ﴾ [آل عمران: ۸۵] (اور جو شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین کی تلاش کرتا ہے تو ہرگز اس سے قبول نہ کیا جائے گا)۔ اسی طرح ارشاد فرمایا: ﴿اِنَّ الدِّيۡنَ عِنۡدَ اللّٰهِ الۡاِسۡلَامُ﴾ [آل عمران: ۱۹] (بیشک اللہ کے یہاں اسلام ہی دین ہے)۔

بمصطفیٰ برسان خویش را کہ دین ہمہ اوست ☆ وگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی ست

آپ ﷺ کی بعثت سے تمام ادیان، اور ساری کتابیں، اور تمام شرائع واحکام ہمیشہ کے لئے منسوخ ہوگئے، اور دین الٰہی اور مدار نجات صرف اسلام رہا، اور قیامت تک رہے گا۔ اگر کوئی یہودی یا نصرانی راہب ہزار سال روزہ رکھے، اور لاکھوں نمازیں اور طاعت بجالائے اسے ذرہ برابر ثواب نہیں ملے گا، اور ابدی جہنم کا ایندھن بنے گا، ﴿عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ تَصۡلٰى نَارًا حَامِيَةً﴾ [الغاشية: ۴] (مصیبت جھیلتے ہوئے تھکن سے چور۔ وہ دہکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے) کا مصداق بنے گا۔ فرمایا:

﴿وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا﴾ ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام لوگوں کے لئے بشارت دینے والا، اور ڈر سنانے والا بنا کر۔ ﴿وَّلٰكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ﴾ مگر اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے، اور سمجھنے کی کوشش بھی نہیں کرتے، لہٰذا گمراہی میں پڑے رہتے ہیں، اور یہ کہتے ہیں:

﴿وَيَقُوۡلُوۡنَ مَتٰى هٰذَا الۡوَعۡدُ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ﴾ یہ کہتے ہیں کہ جس قیامت سے ہمیں ڈراتے ہو وہ کب آئے گی؟ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو اس کے وقوع کی تاریخ بتاؤ۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے جواباً فرمایا:

﴿قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَأْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ﴾ آپ ان سے فرمایئے کہ تمہارے لئے قیامت کا وعدہ ایک دن کا وعدہ ہے، جب وہ مقرر دن آجائے گا تو پھر نہ تو تم گھڑی بھر پیچھے ہو گے، اور نہ آگے، بلکہ عین وقت پر اچانک قیامت برپا ہوگی، پھر تمہارا حساب وکتاب کا مرحلہ شروع ہو جائے گا، اور تمام فیصلے عدل وانصاف پر مبنی تمہارے سامنے ہوں گے۔

❁ ❁ ❁

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ ؕ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ
عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚۖ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ ۨالْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَآ
اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى
بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ
الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ؕ
وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْٓ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۳۳﴾

ترجمہ: اور کہا ان لوگوں نے جنہوں نے کفر اختیار کیا کہ ہم ہرگز اس قرآن پر، اور اس سے پہلے جو کتابیں تھیں ان پر ایمان نہ لائیں گے، اور آپ اگر اس وقت کی حالت دیکھ لیں جبکہ یہ ظالم لوگ اپنے ربّ کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے، ہر ایک دوسرے پر بات کو ڈال رہا ہوگا، نیچے درجہ والے لوگ بڑے لوگوں سے کہیں گے: اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور ایمان لائے ہوتے ﴿۳۱﴾ بڑے لوگ چھوٹے درجے کے لوگوں سے کہیں گے: کیا ہم نے تمہیں ہدایت سے روک دیا تھا؟ اس کے بعد کہ تمہارے پاس ہدایت آئی، بلکہ بات یہ ہے کہ تم مجرم تھے ﴿۳۲﴾ اور نیچے درجہ والے ان لوگوں سے کہیں گے جو بڑے تھے: بلکہ رات دن تمہاری مکاری نے روکا تھا، جبکہ تم ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کریں، اور اس کے لئے شریک قرار دیں، اور جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو ندامت کو چھپالیں گے، اور ہم کافروں کی گردنوں میں طوق ڈال دیں گے، انہیں صرف انہی کاموں کا بدلہ دیا جائے گا جو وہ کیا کرتے تھے ﴿۳۳﴾

☆☆☆

معارف ومنازل

ان آیات میں کافروں کا ایک مکالمہ ذکر ہو رہا ہے، جو وہ قیامت کے روز آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کریں گے۔ مجرمین کفار قیامت کے روز آپس میں جو سوال وجواب کریں گے اسی منظر کا یہاں بیان ہے، جہاں سب چھوٹے بڑے موجود ہوں گے، اور ان کی سخت سزا سامنے ہوگی، دوزخ کا داخلہ یقینی ہو چکا ہوگا، تو یہ منظر ہوگا:

﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ﴾ اور کہا ان لوگوں نے جنہوں نے کفر اختیار کیا کہ ہم ہرگز اس قرآن پر ایمان نہیں لائیں گے، جو آخرت اور قیامت کی باتیں بیان کرتا ہے، اور نہ اس کتاب پر ایمان لائیں گے جو قرآن سے پہلے موجود ہے، جس میں جنت و دوزخ کا بیان ہے۔ کفار جب قیامت کے روز حساب وکتاب کا مشاہدہ کریں گے، تو وہاں یہ ہوگا:

﴿وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ اور کاش اگر آپ اس وقت کی حالت کو دیکھتے کہ جب یہ ظالم اپنے ربّ کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے تو اس وقت ان پر ایک سخت خوف ودہشت کی کیفیت طاری ہوگی۔ ﴿يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ الْقَوْلَ﴾ اس وقت مایوسی اور شرمندگی کی وجہ سے ان میں سے ہر ایک دوسرے پر الزام لگا کر اس پر بات ڈالے گا، جب ان کے نچلے طبقے کے لوگوں کا ان کے سرغنوں اور بڑوں کا آمنا سامنا ہوگا تو:

﴿يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ﴾ اس وقت ضعیف و کمزور لوگ بڑے متکبرین سے کہیں گے کہ اگر تم منحوس نہ ہوتے، اور کفر پر ہماری سرپرستی نہ کرتے، تو یقیناً ہم مسلمان ہوتے، اور آج کی رسوائی سے بچ جاتے۔ پس متکبرین اپنے کمزور متبعین کے جواب میں یوں کہیں گے:

﴿قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ﴾ یہ بڑے مغرور جولیڈر اور سردار بنے ہوئے تھے جواب میں کہیں گے: کیا ہم نے تم کو زبردستی ہدایت سے روکا تھا؟ ہرگز ایسا نہیں، جب ہدایت تمہارے پاس پہنچ گئی، بلکہ تم خود مجرم بنے، اور ہدایت کو چھوڑ دیا۔ تمہیں جب اللہ تعالیٰ نے ہوش وحواس اور عقل سے نوازا تھا تو تم ہدایت قبول کر لیتے، مگر تم نے ایسا نہیں کیا، آج ہمارے سر پر اپنے کفر وشرک کا الزام کیوں لگاتے ہو؟ واضح رہے روز قیامت شیطان بھی یہی کہے گا، اور مجرموں سے لاتعلقی کا اظہار کر کے انہیں ملامت کرے گا۔ تفصیل سورۂ ابراہیم میں دیکھیں۔ پھر کمزور اپنے بڑوں سے یہ کہیں گے:

﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ

بِاللّٰہِ وَنَجۡعَلَ لَہٗۤ اَنۡدَادًا﴾ کمزور لوگوں کا جواب درجواب یہ ہوگا کہ وہ اپنے سرکشوں سے یہ کہیں گے: بیشک تم نے ہم کو کفر پر مجبور نہیں کیا، بلکہ دن رات کی تمہاری مکاریوں اور چالاکیوں اور فریبوں نے ہم کو ہدایت سے باز رکھا، کہ تم ہر وقت دن رات، ہم کو یہی حکم دیتے تھے کہ اللہ تعالیٰ عزّ شانہ کو ہم نہ مانیں، اوراس کا کفر کریں، ان کے ساتھ شریک ٹھہرائیں۔ بہرحال! تم نے ہمیں گمراہی کے سارے راستے بتا بتا کر ہمیں تباہ کرلیا۔ یہ ہوا حال مشرکین کا۔

آج یورپ نے اسی طرز کے مکروفریب کے ذریعہ سادہ لوح مسلمانوں کو قرآن وحدیث سے بے گانہ کر کے اپنے مکارانہ نظام تعلیم پر آمادہ کر کے، دینی اقدار سے محروم کردیا۔ قیامت کے روز ان نام نہاد یورپی تعلیم یافتہ طبقہ کا یورپی عیسائیوں کے ساتھ یہی مکالمہ ہوگا، اوران شاء اللہ ان کی تباہی کا فیصلہ ہوگا۔ ﴿وَقَالَ الرَّسُوۡلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوۡمِی اتَّخَذُوۡا ہٰذَا الۡقُرۡاٰنَ مَہۡجُوۡرًا﴾ [الفرقان: ۳۰] (اور رسول کہیں گے: اے میرے پروردگار! میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑے رکھا تھا)۔

امیر شکیب ارسلانؒ نے لکھا ہے کہ یورپ کے یہودیوں اور عیسائیوں نے قرآن پاک کے خلاف، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ کے خلاف چھ لاکھ کتابیں اور رسالے شائع کئے ہیں، تاکہ لوگ زیادہ سے زیادہ اسلام سے بدظن ہوں۔

﴿وَاَسَرُّوا النَّدَامَۃَ لَمَّا رَاَوُا الۡعَذَابَ﴾ اور جب عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو شماتت سے بچنے کے لئے اپنی پشیمانی کو ایک دوسرے سے چھپائیں گے۔ ﴿وَجَعَلۡنَا الۡاَغۡلٰلَ فِیۡۤ اَعۡنَاقِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا﴾ اور ہم ان سب کافروں کی گردنوں میں جہنم کا طوق ڈال دیں گے۔ ﴿ہَلۡ یُجۡزَوۡنَ اِلَّا مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ﴾ اور نہیں سزا دیئے جائیں گے مگر ان کے اعمال کے مطابق، جیسا عمل ویسا اس کا انجام ہوگا۔

وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا فِیۡ قَرۡیَۃٍ مِّنۡ نَّذِیۡرٍ اِلَّا قَالَ مُتۡرَفُوۡہَاۤ ۙ اِنَّا بِمَاۤ اُرۡسِلۡتُمۡ بِہٖ کٰفِرُوۡنَ ۝۳۴ وَقَالُوۡا نَحۡنُ اَکۡثَرُ
اَمۡوَالًا وَّاَوۡلَادًا ۙ وَّمَا نَحۡنُ بِمُعَذَّبِیۡنَ ۝۳۵ قُلۡ اِنَّ رَبِّیۡ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَیَقۡدِرُ وَلٰکِنَّ اَکۡثَرَ
النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ۝۳۶ وَمَاۤ اَمۡوَالُکُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُکُمۡ بِالَّتِیۡ تُقَرِّبُکُمۡ عِنۡدَنَا زُلۡفٰۤی اِلَّا مَنۡ اٰمَنَ وَعَمِلَ
صَالِحًا ۫ فَاُولٰٓئِکَ لَہُمۡ جَزَآءُ الضِّعۡفِ بِمَا عَمِلُوۡا وَہُمۡ فِی الۡغُرُفٰتِ اٰمِنُوۡنَ ۝۳۷ وَالَّذِیۡنَ یَسۡعَوۡنَ فِیۡۤ

اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیْنَ اُولٰٓئِكَ فِی الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ
وَیَقْدِرُ لَهٗ ؕ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ﴿۳۹﴾

ترجمہ: اور نہیں بھیجا ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرسنانے والا مگر ہوا یہ کہ ان کے خوشحال لوگوں نے کہا کہ بلاشبہ تم جو کچھ لے کر بھیجے گئے ہو ہم اسے نہیں مانتے ﴿۳۴﴾ اور انہوں نے کہا: ہمارے اموال اور اولاد تم سے زیادہ ہیں، اور ہمیں عذاب ہونے والا نہیں ہے ﴿۳۵﴾ آپ فرمادیجئے کہ بلاشبہ میرا ربّ جس کے لئے چاہے روزی کو فراخ کردیتا ہے، اور جس کے لئے چاہے تنگ کردیتا ہے، اور لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے ﴿۳۶﴾ اور تمہارے اموال اور اولاد ایسے نہیں ہیں جو تمہیں ہمارا مقرّب بنادیں، مگر ہاں! جو ایمان لائے، اور نیک عمل کرے سو ان لوگوں کے لئے ان کے اعمال کی وجہ سے ایسا صلہ ہے جو بڑھا چڑھا کر دیا جائے گا، اور وہ بالاخانوں میں امن وچین سے ہوں گے ﴿۳۷﴾ اور جو لوگ ہماری آیتوں کے بارے میں ہرانے کی کوشش کرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو عذاب میں حاضر کئے جائیں گے ﴿۳۸﴾ آپ فرمادیجئے کہ میرا ربّ اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہے روزی کو فراخ کردیتا ہے، اور جس کے لئے چاہے تنگ کردیتا ہے، اور جو بھی کوئی چیز تم خرچ کروگے سو وہ اس کے بعد اس کا عوض دے گا، اور وہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے ﴿۳۹﴾

معارف ومنازل

اس آیت کریمہ میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے تسلی کا مضمون ہے کہ اگر آپ کی قوم کے متمول اور خوشحال لوگ آپ کی مخالفت پر تلے ہوئے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، آپ سے پہلے ہر نبی کے ساتھ مالداروں اور خوشحال لوگوں کا یہی سلوک رہا ہے۔ آپ کسی کی مخالفت سے پریشان نہ ہوں، انبیاء کرام علیہم السلام کا مقابلہ اور تکذیب کرنے والے بدبخت اکثر مالدار لوگ ہی ہوا کرتے ہیں، ان کو اپنی دولت اور بڑائی پر ناز ہوتا ہے، وہ کسی غریب کو اپنے پاس بٹھانا بھی پسند نہیں کرتے۔

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ﴾ نہیں بھیجا ہے ہم نے کسی بستی میں عذاب آخرت سے کوئی ڈرانے والا نبی، مگر یہی ہوا کہ وہاں کے دولت مندوں نے یہی کہا کہ ہم اس پیغام کو نہیں مانتے جو کچھ تمہارے ساتھ بھیجا گیا ہے۔ ﴿وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۙ وَّمَا نَحْنُ

﴿بِمُعَذَّبِيْنَ﴾ اور وہ کہنے لگے کہ ہم لوگ مال اور اولاد میں سب سے زیادہ ہیں، ہم تو کبھی بھی عذاب نہیں دیئے جائیں گے، بھلا ہمیں کوئی سزا دے سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں مال و دولت، عزت و خاندانی خوشحالی دی ہے، یہ سب اس کی رضامندی کی نشانی ہے، ہم اس کے مقبول بندے ہیں، ہمیں کبھی عذاب نہیں ہوگا۔

﴿قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ﴾ آپ ان سے فرمایئے کہ رزق کی زیادتی اور کمی میرے ربّ کی حکمت و مشیت پر مبنی ہوتی ہے، اور اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی رضاء کے ساتھ ہرگز نہیں، بلکہ یہ بندوں کے لئے سراسر امتحان ہے، آپ دیکھیں گے کہ بہت سے مؤمن، متقی، عقلمند، مخلص و عبادت گزار فقر و فاقہ میں ہوتے ہیں، اور ہزاروں کافر، ناداں اور مشرک، شریر و بدکار عیش و عشرت کی زندگی گزار رہے ہیں۔

﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ مگر اکثر لوگ اس فرق سے بے خبر ہیں، وہ رزق کی فراخی اور تنگی کے مقاصد سے ناواقف ہیں، وہ رزق کی فراخی کو مقبولیت اور تنگی کو غیر مقبولیت پر حمل کرتے ہیں، حالانکہ یہ سراسر غلط ہے، بلکہ معاملہ امتحان پر مبنی ہے۔ ﴿وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰى﴾ تمہارے مال اور اولاد ایسی چیز نہیں جو تم کو ہمارا مقرّب بنا دے، اور ہمارے عذاب سے تمہیں نجات دلا دے۔ البتہ ہمارے عذاب سے نجات کا ذریعہ اور مقرّب بنانے کا ذریعہ ایمان اور عملِ صالح ہے، جو ہمارا پسندیدہ اور محبوب ہیں، بخلاف مال اور اولاد و خاندان کے کہ وہ پسندیدہ اور محبوب نہیں ہیں۔ فرمایا:

﴿اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا﴾ ہمارا قرب اسی کو حاصل ہوگا جو ایمان لایا، اور نیک اعمال انجام دیئے۔

﴿فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ﴾ ایسے لوگوں کے لئے ان کے اعمال کا دوگنا بدلہ ہوگا، بمقابلہ ان کے اعمال کے، جو انہوں نے انجام دیئے، اور وہ جنت کے بالا خانوں میں امن و خوشحالی کے ساتھ بیٹھے ہوں گے، ان کو نہ کسی عذاب کا خوف ہوگا، اور نہ جنتی نعمتوں کے انقطاع کا ڈر ہوگا۔

﴿وَالَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ﴾ اور جو لوگ ہماری آیتوں کی تردید کی کوشش کرتے ہیں، اور ہمارے پروگرام کو ناکام کرنے میں لگے رہتے ہیں، وہ عذاب میں پکڑ کر حاضر کئے جائیں گے۔ ﴿قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ﴾ بیشک میرا پروردگار اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتا ہے رزق کشادہ کرتا ہے، اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے، یہ اس کی حکمت ہے، جسے کوئی نہیں جان سکتا۔

﴿وَمَآ اَنۡفَقۡتُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ فَهُوَ یُخۡلِفُهٗ﴾ تم جو بھی چیز اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرتے ہو اللہ تعالیٰ ضرور اس کا بدلہ دیتا ہے۔ بعض اوقات اتنا جلد دیدیتا ہے کہ ایک ہاتھ سے دو، دوسرے ہاتھ سے لے لو۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے روزانہ صبح دو فرشتے اترتے ہیں آسمان سے زمین پر، ایک دعا کرتا ہے: اَللّٰهُمَّ أَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا۔ اے اللہ تعالیٰ! صحیح خرچ کرنے والے کو بدلہ عطا فرما۔ دوسرا دعا کرتا ہے: اَللّٰهُمَّ أَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا۔ اے اللہ تعالیٰ! کنجوس آدمی کو تباہ و برباد کر۔ [رواه البخاري، وابن كثير، وغيرهما]

﴿وَهُوَ خَیۡرُ الرّٰزِقِیۡنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ بہتر روزی دینے والا ہے۔

وَیَوۡمَ یَحۡشُرُهُمۡ جَمِیۡعًا ثُمَّ یَقُوۡلُ لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اَهٰۤؤُلَآءِ اِیَّاكُمۡ كَانُوۡا یَعۡبُدُوۡنَ ﴿۴۰﴾ قَالُوۡا سُبۡحٰنَكَ اَنۡتَ
وَلِیُّنَا مِنۡ دُوۡنِهِمۡ ۚ بَلۡ كَانُوۡا یَعۡبُدُوۡنَ الۡجِنَّ ۚ اَكۡثَرُهُمۡ بِهِمۡ مُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۴۱﴾ فَالۡیَوۡمَ لَا یَمۡلِكُ بَعۡضُكُمۡ
لِبَعۡضٍ نَّفۡعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ وَنَقُوۡلُ لِلَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا ذُوۡقُوۡا عَذَابَ النَّارِ الَّتِیۡ كُنۡتُمۡ بِهَا تُكَذِّبُوۡنَ ﴿۴۲﴾ وَاِذَا
تُتۡلٰی عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ قَالُوۡا مَا هٰذَاۤ اِلَّا رَجُلٌ یُّرِیۡدُ اَنۡ یَّصُدَّكُمۡ عَمَّا كَانَ یَعۡبُدُ اٰبَآؤُكُمۡ ۚ وَ
قَالُوۡا مَا هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفۡكٌ مُّفۡتَرًی ؕ وَقَالَ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا لِلۡحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمۡ ۙ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا سِحۡرٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۴۳﴾
وَمَاۤ اٰتَیۡنٰهُمۡ مِّنۡ كُتُبٍ یَّدۡرُسُوۡنَهَا وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلَیۡهِمۡ قَبۡلَكَ مِنۡ نَّذِیۡرٍ ﴿۴۴﴾ وَ كَذَّبَ الَّذِیۡنَ مِنۡ
قَبۡلِهِمۡ ۙ وَمَا بَلَغُوۡا مِعۡشَارَ مَاۤ اٰتَیۡنٰهُمۡ فَكَذَّبُوۡا رُسُلِیۡ ۟ فَكَیۡفَ كَانَ نَكِیۡرِ ﴿۴۵﴾

ترجمہ: اور جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو جمع فرمائے گا، پھر فرشتوں سے فرمائے گا: کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے؟ ﴿۴۰﴾ فرشتے عرض کریں گے کہ آپ پاک ہیں، آپ ہمارے ولی ہیں، ان سے ہمارا کچھ تعلق نہیں ہے، بلکہ بات یہ ہے کہ یہ لوگ جنات کی عبادت کرتے تھے، ان میں سے اکثر ان پر ایمان لائے ہوئے تھے ﴿۴۱﴾ سو آج تم میں سے بعض بعض کے لئے کسی نفع یا ضرر کا مالک نہیں، اور ہم ظالموں سے کہیں گے کہ دوزخ کا عذاب چکھ لو، جسے تم جھٹلایا کرتے تھے ﴿۴۲﴾ اور جب ان پر ہماری واضح آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ شخص تو یہی چاہتا ہے کہ تم لوگوں کو ان چیزوں سے روک دے جن کی تمہارے باپ دادے عبادت کیا کرتے تھے، اور انہوں نے کہا کہ یہ تو محض ایک تراشا ہوا جھوٹ ہے، اور کافروں نے حق کے بارے میں کہا، جب ان کے پاس آگیا کہ یہ محض ایک

جادو ہے کھلا ہوا۞ اور ہم نے انہیں کتابیں نہیں دی تھیں جن کو وہ پڑھتے پڑھاتے ہوں، اور ہم نے آپ سے پہلے ان کی طرف کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا۞ اور جو لوگ ان سے پہلے تھے انہوں نے تکذیب کی، اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا تھا یہ لوگ اس کے دسویں حصہ کو بھی نہیں پہنچے، سو انہوں نے میرے رسولوں کو جھٹلایا، سو کیسا ہوا میرا عذاب؟۞

معارف ومنازل

ان آیات میں قیامت کے متعلق مشرکین کی کیفیت بیان فرما رہے ہیں۔

﴿وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ﴾ جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو جمع کرے گا، پھر فرشتوں سے فرمائے گا: کیا یہ کافر دنیا کی زندگی میں تمہاری عبادت کیا کرتے تھے؟ جب فرشتوں سے سوال ہوگا تو وہ یوں جواب دیں گے:﴿قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ﴾ اللہ تعالیٰ تو پاک ہے اس سے کہ تیرے سوا کسی کو معبود بنایا جائے، تو ہی ہمارا کارساز ہے، ان کے سوا، ان سے ہمارا کوئی تعلق نہیں رہا، یہ لوگ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے، بلکہ یہ شیاطین کی عبادت کرتے تھے، اور ان کی فرمائشوں پر چلتے تھے۔

﴿بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ﴾ بلکہ یہ لوگ جنات کی پوجا کرتے تھے، اور ان میں سے اکثر انہی پر اعتقاد رکھتے تھے، اور ان کے کہنے پر چلتے تھے۔﴿فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا﴾ پس آج کے دن کسی کو کسی کے نفع اور نقصان کا کوئی اختیار نہیں ہوگا۔ آج طالب ومطلوب دونوں ایک جیسے بے اختیار نظر آئیں گے، آج دونوں برابر ہو گئے۔

﴿وَنَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ﴾ اور ہم ظلم کرنے والوں سے کہیں گے کہ اب اس دوزخ کا عذاب چکھو، جس کی تم تکذیب کیا کرتے تھے، اور اس کو جھوٹ کہتے تھے، آج وہ تمہارے سامنے حاضر ہے۔﴿وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيْدُ اَنْ يَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ﴾ اور جب ان پر ہماری واضح اور کھلی آیتیں تلاوت کی جاتی تھیں تو یہ مشرکین یہ کہا کرتے تھے کہ یہ قرآن پڑھنے والا شخص تمہیں اپنے باپ دادوں کے معبودوں سے روکنا چاہتا ہے، اس شخص کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ تمہارے آباء واجداد کے معبودوں سے تمہیں روکے رکھے۔

﴿وَقَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّآ اِفْكٌ مُّفْتَرًى﴾ اور ساتھ یہ بھی کہتے کہ جس چیز کو یہ خدا کی کتاب کہتا ہے وہ تو محض

افتراء کیا ہوا جھوٹ ہے (نعوذ باللہ) یہ اپنی طرف سے بنا کر خدا کی طرف نسبت کرتا ہے، تا کہ تمہیں اپنا تابع بنا کر رکھ دے۔ ﴿وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ﴾ انہوں نے رنگ بدل کر یہ بھی کہا کہ یہ شخص جب کسی سے بات کرتا ہے تو فوراً اسے اپنا گرویدہ بنا کر اسلام کا حلقہ بگوش بنا دیتا ہے، یہ جو اس کے پاس کتاب ہے وہ کھلا جادو ہے۔

﴿وَمَآ اٰتَیْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ یَّدْرُسُوْنَهَا وَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلَیْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِیْرٍ﴾ ہم نے ان عربوں کو کوئی کتاب نہیں دی تھیں جنہیں یہ پڑھتے پڑھاتے ہوں، اور انہیں شریعت کے علوم و معارف اور مسائل کا علم ہوتا، اور نہ ہی ہم نے ان کی طرف آپ سے پہلے (اور اسماعیل علیہ السلام کے بعد) کوئی ڈرانے والا پیغمبر بھیجا، جو ان کو توحید کی دعوت دیتا، اور عذاب الٰہی سے ڈراتا۔ بنی اسرائیل کی طرف تو رسول بھی آئے، اور ان کی ہدایت کے لئے کتابیں بھی نازل ہوئیں، مشرکین عرب کے حق میں تو نبی کی بعثت اور قرآن کا نزول بالکل ایک نئی نعمت اور بیش بہا دولت تھی، ان کو چاہئے تھا کہ اس کی قدر کرتے، اور انہیں سر آنکھوں پر رکھ کر خوشی کا جشن مناتے، مگر ان کی بدبختی نے انہیں محروم رکھا، اور اس عظیم نعمت کی انہوں نے قدر نہیں کی، اور ان سے پہلے لوگ وہ بھی محروم رہے۔ فرمایا:

﴿وَكَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَیْنٰهُمْ﴾ اور ان سے پہلے لوگوں نے بھی انبیاء علیہم السلام اور ان پر نازل شدہ کتابوں کی تکذیب کی۔ مشرکین عرب گزشتہ اقوام کے عشر عشیر کو بھی نہیں پہنچے، یعنی گزشتہ اقوام کو مال، سرمایہ، دولت، وقوت، رعب اور افرادی قوت جو ہم نے عطا کی تھی، مشرکین عرب کو ان کا دسواں حصہ بھی نہ دیا، جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں علیہم السلام اور کتابوں کی تکذیب کی تو ہلاک کئے گئے، تو مشرکین عرب کا تباہ کرنا کونسا مشکل ہے؟ اگر یہ ایمان نہ لائے۔ گزشتہ اقوام کا حال یہ ہوا:

﴿فَكَذَّبُوْا رُسُلِیْ ۫ فَكَیْفَ كَانَ نَكِیْرِ﴾ پس پہلے لوگوں نے میرے رسولوں علیہم السلام کی تکذیب کی، تو دیکھو کہ ان پر کیسا عذاب آیا؟ اور کیسے تباہ ہوئے، صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح کس طرح مٹ گئے؟ جب طاقتور لوگ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے نہیں بچ سکے، تو اہل مکہ کی کیا حیثیت ہوگی؟

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۫ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ
هُوَ اِلَّا نَذِیْرٌ لَّكُمْ بَیْنَ یَدَیْ عَذَابٍ شَدِیْدٍ ۝۴۶ قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ۭ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۚ

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیۡءٍ شَهِيۡدٌ۝۴۷ قُلۡ اِنَّ رَبِّیۡ يَقۡذِفُ بِالۡحَقِّ‌ۚ عَلَّامُ الۡغُيُوۡبِ۝۴۸ قُلۡ جَآءَ الۡحَقُّ وَمَا يُبۡدِئُ الۡبَاطِلُ

وَمَا يُعِيۡدُ۝۴۹ قُلۡ اِنۡ ضَلَلۡتُ فَاِنَّمَاۤ اَضِلُّ عَلٰى نَفۡسِیۡ‌ۚ وَاِنِ اهۡتَدَيۡتُ فَبِمَا يُوۡحِیۡۤ اِلَیَّ رَبِّیۡ‌ؕ اِنَّهٗ سَمِيۡعٌ قَرِيۡبٌ۝۵۰

ترجمہ: آپ فرمادیجئے کہ میں تمہیں ایک ہی بات کی نصیحت کرتا ہوں، وہ یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے لئے کھڑے ہو جاؤ، دودو، اور ایک ایک، پھر تم سوچو، تمہارے ساتھی کو کوئی دیوانگی نہیں ہے، وہ تو ایک سخت عذاب کے آنے سے پہلے تمہیں ڈرانے والا ہے۝۴۶ آپ فرمادیجئے کہ میں نے جو کچھ تم سے معاوضہ کا سوال کیا ہو، سو وہ تمہارے لئے ہی ہے، میرا اجر تو صرف اللہ تعالیٰ پر ہے، اور وہ ہر چیز پر اطلاع رکھنے والا ہے۝۴۷ آپ فرمادیجئے کہ بیشک میرا ربّ حق کو غالب کر دیتا ہے، وہ پوری طرح غیبوں کا جاننے والا ہے۝۴۸ آپ فرمادیجئے کہ حق آ گیا، اور باطل نہ کرنے کا رہا، نہ دھرنے کا۝۴۹ آپ فرمادیجئے کہ اگر میں گمراہ ہو جاؤں تو میری گمراہی مجھ ہی پر پڑے گی، اور اگر میں ہدایت پر رہوں تو اسی وحی کی بدولت جو اللہ تعالیٰ میرے پاس بھیج رہا ہے، بیشک وہ سننے والا ہے، قریب ہے۝۵۰

معارف ومنازل

سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن کا رتبہ پوری کائنات پر بھاری ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پورے عالم کے سارے عقلمندوں سے زیادہ عقلمند تھے، مگر کیا کیا جائے قریش کے بت پرست گدھوں سے زیادہ بیوقوف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مجنون کہا کرتے تھے۔ سورۃ القلم میں تھوڑی سی تفصیل دیکھی جائے۔ یہاں توحید الٰہی کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت اور اثبات قیامت کا مختصر بیان ہے۔ فرمایا:

﴿قُلۡ اِنَّمَاۤ اَعِظُكُمۡ بِوَاحِدَةٍ‌ ۚ اَنۡ تَقُوۡمُوۡا لِلّٰهِ مَثۡنٰى وَفُرَادٰى﴾ آپ منکرین توحید سے فرمادیجئے کہ میں تم کو ایک مختصر بات کی نصیحت کرتا ہوں، وہ یہ کہ تم محض اللہ تعالیٰ کے لئے کھڑے ہو جاؤ، دودو، یعنی جماعت کے ساتھ، یا ایک ایک انفرادی حیثیت کے ساتھ، پھر اللہ تعالیٰ کی طرف اور اس کی توحید کی طرف متوجہ ہو کر اس کو واحد لا شریک مان کر، صرف اس کی عبادت کرو۔ پھر دوسرے درجے میں یہ کرو:

﴿ثُمَّ تَتَفَكَّرُوۡا‌ ۚ مَا بِصَاحِبِكُمۡ مِّنۡ جِنَّةٍ‌ ؕ﴾ تم خوب غور وفکر کرو، جو عظیم پیغمبر علیہ السلام تمہیں توحید اور دیگر ہزاروں خوبیوں اور محاسن کی تعلیم دے رہے ہیں، جن کے ماضی اور حال سے اچھی طرح تم واقف بھی ہو، اور ان کی عقلمندی اور دانشمندی تمہارے ہاں مسلم اور ضرب المثل ہے، تم فیصلہ کر لو کہ ان میں جنون اور دیوانگی کا نام ونشان تک

نہیں، وہ تمہارے اندر سچا، امین، صاحب حکمت وہدایت بھی ہیں، اور پورے معاشرہ میں اعقل الناس بھی ہیں۔ سورۃ التکویر میں یہی فرمایا: ﴿وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ﴾ [التکویر: ۲۲] (تمہارا صاحب مجنون اور دیوانہ نہیں ہے)، وہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ آخری رسول ہیں۔

﴿اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ﴾ اس کی کچھ شان نہیں سوائے اس کے کہ وہ تم کو آئندہ کے سخت عذاب سے ڈرانے والا ہے، اور یہی اس کی کمال عقلمندی ہے کہ وہ تمہیں ہر اچھے اور برے انجام سے خبردار کرتا ہے۔ فرمایا: وہ ہر ذاتی اغراض ومفادات سے کنارہ کش ہے۔ ﴿قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ﴾ آپ ان سے فرمادیجئے کہ میں تم سے اس نصیحت پر کچھ صلہ اور بدلہ نہیں چاہتا۔ جو کچھ کہتا ہوں اس میں سراسر تمہارا فائدہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میں اپنی محنت کا تم سے کچھ صلہ نہیں چاہتا، اگر تمہارے خیال میں کچھ معاوضہ طلب کیا ہو وہ سب تم اپنے پاس رکھو (مجھے مت دو) مجھے ضرورت نہیں، میرا صلہ تو اللہ تعالیٰ کے یہاں ہے۔ فرمایا:

﴿اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ﴾ میرا بدلہ صرف اسی ذات پاک اللہ تعالیٰ پر ہے۔ ﴿وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ﴾ وہ ہر ہر چیز پر گواہ ہے۔ یعنی اس سے کوئی چیز مخفی نہیں، وہ مجھے اور تمہیں سب کو جانتا ہے۔

﴿قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَقْذِفُ بِالْحَقِّ ۚ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ﴾ آپ فرمائیے کہ بیشک میرا پروردگار اوپر سے حق پھینکتا جاتا ہے، اور باطل پر گراتا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا کلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مبارک پر اتارتا ہے، اس سے باطل دب جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہے، وہ تمام پوشیدہ اور ہر قسم کے حالات سے باخبر ہے۔

﴿قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ﴾ آپ فرمادیجئے کہ حق آگیا ہے، اور دین حق نازل ہو چکا ہے، اس کے مقابلے میں باطل نہ کسی چیز کو پیدا کرسکتا ہے، اور نہ کسی چیز کو لوٹا سکتا ہے۔ (نہ کرنے کا، نہ دھرنے کا)۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ارشاد ہے: ﴿وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا﴾ [الإسراء: ۸۱] (آپ فرمائیے کہ حق آگیا، اور باطل مٹ گیا، بیشک باطل کو مٹنا ہی ہے)۔

﴿قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰى نَفْسِيْ﴾ آپ ان مشرکین سے کہہ دیں کہ اگر میں دین کے معاملہ میں تمہارے گمان میں بہکا ہوا ہوں، تو اس کا نقصان میری ہی جان کو ہوگا، اس کا وبال تم پر تو نہیں پڑے گا۔

﴿وَاِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوْحِيْٓ اِلَيَّ رَبِّيْ﴾ اور اگر میں ہدایت اور راہ راست پر ہوں، اور یقیناً ایسا ہی ہے تو پھر یہ اس وحی کی برکت سے ہے، جو اللہ تعالیٰ نے میری طرف نازل فرمائی ہے۔ ﴿اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ﴾ بیشک وہ

سب کچھ سننے والا ہے، بالکل قریب ہے۔

❁ ❁ ❁

وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿۵۱﴾ وَّقَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖ ۚ وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ
مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ ﴿۵۲﴾ وَّقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ وَيَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾ وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ
وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ ﴿۵۴﴾

ترجمہ: اور اگر اس وقت کو آپ دیکھیں جب یہ لوگ گھبرا جائیں گے، پھر چھوٹنے کی کوئی صورت نہ ہوگی، اور قریب ہی جگہ سے پکڑ لئے جائیں گے ﴿۵۱﴾ اور کہیں گے کہ ہم اس پر ایمان لائے، اور اتنی دور جگہ سے ان کے ہاتھ آنا کہاں ممکن ہے؟ ﴿۵۲﴾ حالانکہ وہ اس سے پہلے اس کا انکار کر چکے ہیں، اور دور ہی دور سے بے حقیقت باتیں پھینکا کرتے ہیں ﴿۵۳﴾ اور ان کے اور ان کی آرزوؤں کے درمیان آڑ کھڑی کر دی جائے گی، جیسا کہ ان سے پہلے ان کے ہم مشربوں کے ساتھ کیا گیا، بلاشبہ وہ تردد میں ڈالنے والے شک میں تھے ﴿۵۴﴾

معارف ومنازل

فرمایا: آج تو یہ منکرین اور مکذبین طرح طرح کی باتیں بناتے ہیں، مگر ایک ایسا دلخراش کٹھن وقت آنے والا ہے جس کی روئیداد یہ ہے: ﴿وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ﴾ اگر تو (یعنی کوئی بھی شخص) ان مشرکین کی حالت کو دیکھے جب کہ یہ گھبرا جائیں گے، تو ان کو کہیں بھاگنے کا موقع نہیں دیا جائے گا، اور یہ قریبی مکان پر پکڑ لئے جائیں گے۔ دنیا میں لوگ جرم کر کے کہیں بھاگ سکتے ہیں، مگر آخرت کا معاملہ اتنا سخت ہے کہ بھاگنا تو کیا ایک ذرہ عمل بھی نہیں چھپا سکیں گے۔

﴿وَّقَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖ ۚ وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ﴾ تو اس وقت کہیں گے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر، اور اس کے رسولوں علیہم السلام پر، اس کی کتابوں پر، اور یوم آخرت پر ایمان لاتے ہیں، مگر اس وقت تک پانی سر سے اوپر گزر چکا ہوگا، اور دار العمل سے گزر کر دار الجزاء میں پہنچ چکے ہوں گے، تو اس وقت ان کا دور سے ایمان کو پالینا کہاں ممکن ہوگا؟ اس وقت کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوگی، اور اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے آگے سر تسلیم خم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہوگا۔

﴿وَّقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ﴾ وہ اس سے پہلے ایمان اور توحید کا برملا کھلم کھلا انکار کر چکے ہیں۔

﴿وَيَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ﴾ وہ اٹکل سے، بغیر دیکھے دور سے تیر پھینکتے ہیں۔یعنی بے سند اٹکل سے باتیں کرتے ہیں، اور دور سے باتیں بناتے ہیں۔﴿وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ﴾ پھر ان کے اور ان کی خواہشات کے درمیان رکاوٹ ڈال دی جائے گی، جس سے کبھی خواہشات تک ان کی رسائی نہیں ہوسکتی۔

﴿كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ﴾ جیسا کہ انہی جیسے لوگوں کے ساتھ اس سے پہلے کیا گیا۔سابقہ اقوام نے اور فرعون نے بھی ایمان کا وقت ضائع کر کے پھر بے موقع ایمان کا دعویٰ کیا، تو بے فائدہ ہوا، اور مفید نہ ہوا، اس لئے کہ وقت گزر چکا تھا۔ایمان اپنے وقت پر کارآمد ہوگا، اور وقت گزرنے کے بعد جب پکڑ ہوگی تو ایمان صحیح اور کارآمد نہ ہوگا۔﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ﴾ دنیا کی زندگی کے دوران یہ لوگ اللہ تعالیٰ اس کے رسولوں علیہم السلام، اس کی کتابوں اور دار آخرت کی طرف سے ترددانگیز شک میں پڑے رہے، اور بجائے تصدیق کی تکذیب وکفر پر اڑے رہے، اور کفر پر جمے رہے۔

سُورَةُ فاطِر

مکیۃٌ آیاتہا ۴۵ رکوعاتہا ۵

سورۂ فاطر مکی ہے، اس میں چون (۴۵) آیتیں، اور پانچ (۵) رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نام:

اس سورت کا نام سورۃ فاطر ہے، جو اس سورت کی پہلی آیت کے لفظ فَاطِرِ سے مأخوذ ہے۔ نیز اس سورت کا دوسرا نام سورۃ الملائکۃ بھی ہے، کیونکہ اس کی پہلی آیت میں ملائکہ کا ذکر ہے۔ یہ سورت ترتیب تلاوت میں (۳۵) ویں سورت ہے، اور ترتیب نزول میں (۴۳) ویں نمبر پر ہے۔

نزول:

یہ سورت مکی ہے۔ اس کا نزول سورۃ الفرقان کے بعد ہے۔

تعداد آیات، حروف، اور کلمات:

اس سورت میں (۴۵) آیات، اور پانچ رکوع، اور اس میں (۷۹۲) کلمات ہیں، اور یہ (۳۲۸۹) حروف پر مشتمل ہے۔

ربط و مناسبت:

(۱) گزشتہ سورت اور اس سورت دونوں کا شروع اَلْحَمْدُلِلّٰہِ سے ہے ۔ (۲) توحید، رسالت، اثباتِ

قیامت تینوں بنیادی ارکان کا دونوں سورتوں میں یکساں بیان ہے۔(۳) دونوں سورتوں میں عجائباتِ قدرت کا تذکرہ ہے، اوراسی طرح تذکیراتِ ثلاثہ کا بیان بھی دونوں جگہ ہے۔اسی طرح مجازاتِ اعمال کا تذکرہ بھی دونوں سورتوں میں یکساں ہے۔

مختصر موضوع:

حمد باری تعالیٰ، اسلامی اصول، مجازاتِ اعمال، تذکیراتِ ثلاثہ، علماء کی فضیلت، عجائباتِ قدرت، سعادت اور شقاوت کے اسباب کا بیان، ملائکہ کا بیان، اوران کے متعلق تکوینی امور کا تذکرہ وغیرہ۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ جَاعِلِ الۡمَلٰۤـئِكَةِ رُسُلًا اُولِىۡۤ اَجۡنِحَةٍ مَّثۡنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ؕ
يَزِيۡدُ فِى الۡخَـلۡقِ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ① مَا يَفۡتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنۡ رَّحۡمَةٍ فَلَا
مُمۡسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمۡسِكۡ ۙ فَلَا مُرۡسِلَ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ ؕ وَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ②

ترجمہ: سب تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں، جو آسمانوں کا اور زمین کا پیدا فرمانے والا ہے، وہ فرشتوں کو پیغام رساں بنانے والا ہے، جن کے دو دو، اور تین تین، اور چار چار بازو ہیں، وہ پیدائش میں جو چاہے زیادہ کردیتا ہے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ① جو بھی کوئی رحمت اللہ تعالیٰ انسانوں کے لئے کھول دے تو اس کو کوئی روکنے والا نہیں، اور جس کو وہ بند کردے سو اس کے بعد اس کا کوئی جاری کرنے والا نہیں، اور وہ غالب ہے، حکیم ہے ②

معارف ومنازل

﴿اَلۡفَاطِرِ﴾ اسم فاعل کا صیغہ ہے، اللہ تعالیٰ کی صفت ذاتی ہے، اس کے معنی ہیں: عدم کو پھاڑ کر وجود میں لانے والا، نیست سے ہست کرنے والا۔ اہل تفسیر نے اس کا ترجمہ مُبدِع کیا ہے، یعنی بغیر نظیر ومثال کے عدم محض سے عالم وجود میں لانے والا۔ لغت میں فطر کے معنی ہیں پھاڑنا۔ [قاموس وصحاح] اللہ تعالیٰ بھی کائنات کو عدم کا پردہ پھاڑ کر وجود میں لایا ہے، اس لئے اس کو فَاطِر کہتے ہیں۔ [لغات القرآن]

﴿اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ﴾ سب تعریفیں، ساری خوبیاں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں، جو

آسمانوں اور زمین کا بغیر کسی مثال اور مادہ کے پیدا کنندہ ہے۔ یہ عمدہ اور عظیم الشان کائنات ہمارے سامنے ہے، اور نہایت بے مثال ہے۔ ﴿جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا﴾ جو کہ فرشتوں کو پیغام رساں بنانے والا ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ فرشتوں کا ایک کام یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام پیغمبروں علیہم السلام کے پاس لاتے ہیں، اس کے علاوہ تدبیر عالم اور پورا نظام عالم مختلف طریقوں سے مختلف اوقات میں فرشتوں کے ذریعہ انجام پاتا ہے۔ سورۃ النازعات میں فرمایا: ﴿فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا﴾ [النازعات: ۵] (یعنی وہ فرشتے جو عالم تکوین کے انتظام اور تدبیر پر مقرر ہیں)۔

﴿اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ﴾ کہ وہ دو دو، تین تین، اور چار چار پروں والے ہیں۔ وہ اپنے پروں کے ذریعہ نیچے زمین سے اوپر آسمانوں تک، اسی طرح آسمانوں سے زمین تک، اور زمین و آسمان کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک اپنے پروں کی مدد سے نہایت تیز رفتاری کے ساتھ گشت لگاتے ہیں۔ فرشتوں کی برق رفتاری کا یہ عالم ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک سیکنڈ میں حظیرۃ القدس سے زمین تک پچاس ہزار مرتبہ آ جا سکتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''میں نے معراج کی رات سدرۃ المنتہیٰ کے قریب جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصلی شکل و صورت میں دیکھا تھا، جن کے چھ سو پر تھے، اور مشرق سے مغرب تک پوری فضاء پر چھائے ہوئے تھے''۔ [متفق علیہ]

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''الزھد'' میں لکھا ہے کہ حضرت میکائیل علیہ السلام کے بارہ ہزار پر ہیں۔ (فرشتوں کے حالات، اور سینکڑوں تفصیلات حضرت سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے مستقل رسالہ میں جمع کی ہیں)۔

﴿يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ﴾ اللہ تعالیٰ پیدائش میں جو چاہتا ہے اضافہ فرما دیتا ہے، جیسے سورۃ النحل میں فرمایا: ﴿وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ [النحل: ۵] (اور اللہ وہ کچھ پیدا فرماتا ہے جس کو تم نہیں جانتے)۔

دوسرا معنی یہ ہو سکتا ہے کہ فرشتوں کے پروں میں اضافہ کرتا ہے۔ یا عام مخلوقات میں زیادتی مراد ہو کہ کہیں عقل کا اضافہ، کہیں حسن اور کمال میں اضافہ، کہیں علم و ہنر میں اضافہ مراد ہو۔ پہلا معنی سب سے بہتر ہے، اور نزول کے زمانہ سے لے کر آج تک اللہ تعالیٰ کی مخلوقات اور موجودات میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے، اور یہ سلسلہ شاید قیامت تک جاری ہو، بغیر انقطاع کے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ آئندہ آیت میں شان رحمت کا بیان ہے، فرمایا: ﴿مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا﴾ اگر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کھول دے، یعنی لوگوں پر اپنی رحمت کا کچھ حصہ کھول دے، ان پر اجتماعی یا انفرادی طور پر رحم فرمائے، کبھی یہ رحمت مادی اور دنیاوی ہو سکتی

ہے، کبھی یہ روحانی اور اخروی ہوسکتی ہے، پس اس رحمت کو کوئی بھی روکنے والا نہیں، کسی مخلوق کی مجال نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت اور رحمت کو روک دے، یہ طاقت کسی بادشاہ اور حاکم میں نہیں، تو عوام الناس میں بطریق اولیٰ۔

﴿وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ﴾ اور جسے وہ خود روک دے، اور اس کا دروازہ بند کردے تو سارا جہاں اگر مل کر اسے جاری کرنا چاہے تو کوئی اس کا کھولنے والا نہیں ہوسکتا۔ جب سارا جہاں مل کر ایک مکھی، مچھر پیدا نہیں کرسکتا، پس اللہ تعالیٰ کے بند کردہ دروازہ کو کیسے کھول سکتا ہے؟ یہ کسی مخلوق کے لئے ممکن نہیں۔

﴿وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ وہی ہے غالب وزبردست قدرت والا، اور حکمت والا۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ
لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۖ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ③ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ
الْاُمُوْرُ ④ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ٝ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ⑤
اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ؕ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ⑥
اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ⑦

ترجمہ: اے لوگو! اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو، جو تم پر ہے، کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی پیدا کرنے والا ہے؟ جو تمہیں آسمان وزمین سے روزی عطا فرماتا ہے، اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، سو تم کہاں الٹے جارہے ہو؟③ اور اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو آپ سے پہلے بہت سے پیغمبر جھٹلائے جاچکے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سب امور لوٹائے جائیں گے④ اے لوگو! بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق ہے، سو تمہیں ہرگز دنیاوالی زندگی دھوکہ میں نہ ڈالے، اور تمہیں اللہ تعالیٰ کا نام لے کر دھوکہ باز ہرگز دھوکہ میں نہ ڈالے⑤ بلاشبہ شیطان تمہارا دشمن ہے، سو تم اسے اپنا دشمن سمجھتے رہو، وہ اپنے گروہ کو اسی لئے بلاتا ہے تاکہ وہ دوزخیوں میں سے ہوجائیں⑥ جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لئے سخت عذاب ہے، اور جو لوگ ایمان لائے، اور نیک عمل کئے، ان کے لئے مغفرت ہے، اور اجر کبیر ہے⑦

معارف ومنازل

گزشتہ آیت میں تصریح فرمادی کہ کائنات کا سارا نظام بست وکشاد صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، دینے

والا بھی وہی ہے، اور لینے والا بھی وہی ہے، جب تم نے دیکھ لیا کہ تمام رحمتوں اور نعمتوں کے خزانے اسی کے دست قدرت میں ہیں تو تم اپنے اوپر اس کے انعام اور احسان کو یاد کرو، اور خوب شکر کر کے اس کی رضا حاصل کرو۔ فرمایا:

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ﴾ اے لوگو! تم یاد کرو اللہ کی نعمتوں کو جو تم پر کی ہیں، اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں جنہیں تم گن نہیں سکتے اگر اجمالی طور پر شکر کر کے اس کی فرمانبرداری کا وعدہ کرو گے تو وہ تم سے راضی ہو جائے گا، اور تفصیلی شکر کی تمہیں توفیق بھی دے گا۔

﴿هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَیْرُ اللّٰهِ یَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾ کیا اللہ تعالیٰ کے سوا تمہارا کوئی خالق ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہو؟ یعنی آسمان سے بارش برساتا ہو، اور زمین سے سبزہ، غلہ، پھل وغیرہ اگاتا ہو۔ استفہام انکاری ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں۔ ﴿لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، کوئی خالق اور رازق نہیں۔ ﴿فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ﴾ تم سب کچھ دیکھتے اور جاننے کے باوجود کہاں الٹے جا رہے ہو؟

﴿وَاِنْ یُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ﴾ اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلائیں تو آپ رنجیدہ نہ ہوں، آپ سے پہلے بہت سے پیغمبر جھٹلائے گئے، انہوں نے صبر کیا، آپ بھی صبر کیجئے۔ اگر دنیا میں حق کا اثر ظاہر نہ ہوا تو آخرت میں تمام امور اسی کی طرف لوٹا دئے جائیں گے۔ ﴿وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سب امور لوٹائے جائیں گے۔

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا﴾ اے لوگو! تحقیق دارِ آخرت اور قیامت میں جزا وسزا کا وعدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیصلہ شدہ اور حق ہے، جس کے خلاف ہونے کا کوئی احتمال بھی نہیں، پس یہ دنیاوی زندگی اور اس کی زینت و آرائش، اور اس کی عیش و عشرت تم کو دھوکہ میں نہ ڈالے اور فریب دے کر تمہیں آخرت سے بیگانہ نہ کر ڈالے۔

﴿وَلَا یَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے متعلق شیطان تم کو دھوکہ میں نہ ڈال دے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے حلم کی وجہ سے جو تم کو ڈھیل دے رکھی ہے اس ڈھیل کے سبب شیطان تم کو عذاب آخرت فراموش نہ کرا دے، اور خواہ مخواہ تمہارے دلوں پر مغفرت کا شوق نہ چڑھا دے۔ فرمایا: ﴿اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا﴾ تحقیق یہ شیطان تمہارا دشمن ہے، تم سے اس کی عداوت ازلی اور پرانی ہے، جو برابر جاری ہے۔ اس لئے اس کو اپنا دشمن یقین کر کے اس کے خوبصورت فریب اور مکاریوں سے بچو، اور اس کی مرضیات پر ہرگز مت چلو، کیونکہ اس نے ازل

کے روز تمہیں جہنمی بنانے پر قسم کھائی ہوئی ہے۔

﴿اِنَّمَا یَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِیَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ﴾ شیطان تو صرف اپنے گروہ کو، اور اپنے ماننے والے، اتباع کرنے والوں کو دنیا کی لذتوں اور فریب کاریوں کی طرف دعوت دیتا ہے، تا کہ وہ دائمی جہنمی ہو جائیں، اس کا سارا کرتا دھرتا صرف اسی مقصد کے لئے ہے کہ لوگ بکثرت دوزخی ہوں، اور شیطان کی جہنمی جماعت میں شمار ہوں۔ ﴿اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِیْرٌ﴾ اور جو لوگ کافر ہوئے اس طرح کہ وہ شیطان کے کہنے پر چلے، آخرت میں ان کے لئے سخت عذاب ہے، کیونکہ شیطان نے انہیں شکار کر کے منعمِ حقیقی خالق و مالک کا منکر بنا دیا، اور آخرت کی رحمتوں سے محروم رکھا۔

ان کے برعکس جو خوش نصیب لوگ شیطان سے کٹ کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں علیہم السلام پر ایمان لائے، اور اتباعِ حق کی بنیاد پر نیک اعمال انجام دیئے، جس کے ساتھ شرک اور دیگر معاصی سے پرہیز کیا، ایسے لوگوں کے لئے مغفرت بھی ہے اور اجرِ عظیم بڑا ثواب بھی ہے۔ یہ لوگ ہر قسم کی شقاوتوں سے پاک ہو کر ابدی سعادتوں کے مستحق اور حقدار ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب کرے۔ آمین

❁ ❁ ❁

اَفَمَنْ زُیِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ؕ فَاِنَّ اللّٰهَ یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ۖ فَلَا تَذْهَبْ
نَفْسُكَ عَلَیْهِمْ حَسَرٰتٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَصْنَعُوْنَ ۝۸ وَاللّٰهُ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا
فَسُقْنٰهُ اِلٰی بَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَحْیَیْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ۝۹ مَنْ كَانَ یُرِیْدُ الْعِزَّةَ
فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِیْعًا ؕ اِلَیْهِ یَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّیِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُهٗ ؕ وَالَّذِیْنَ یَمْكُرُوْنَ
السَّیِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ؕ وَمَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ یَبُوْرُ ۝۱۰

ترجمہ: سو کیا جس شخص کے لئے اس کا عمل بد اچھا کر کے رکھ دیا گیا ہو سو اس نے اس کو اچھا سمجھا ہو، سو بیشک اللہ تعالیٰ گمراہ فرماتا ہے جس کو چاہے، اور ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے، سو ان پر حسرتیں کرنے کی وجہ سے آپ کی جان نہ جاتی رہے، بلا شبہ جو کام یہ لوگ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ۝۸ اور اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے ہواؤں کو بھیج دیا جو اٹھاتی ہیں بادل کو، پھر ہم نے اسے ایسے قطعہ زمین کی طرف ہانک دیا جو خشک تھا، پھر ہم نے اس

کے ذریعہ زمین کو زندہ کردیا، اسی طرح جی اٹھان ہوگا۹ جو شخص عزت حاصل کرنا چاہے تو ساری عزت اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے، اچھے کلمات اس کی طرف پہنچتے ہیں (اوپر چڑھ کر) اور نیک عمل انہیں بلند کردیتا ہے، اور جو لوگ بری تدبیریں کرتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے، اور ان کی تدبیر برباد ہوگی۱۰

معارف ومنازل

قرآن کریم نے متعدد مقامات پر واضح کیا ہے کہ مؤمن اور کافر برابر نہیں ہوسکتے، اسی طرح ہدایت سے اعراض کرنے والے اور ہدایت یافتہ لوگ بھی برابر نہیں ہوسکتے۔ اس سلسلے میں جو لوگ شیطان کا اتباع کرتے ہیں اور برے اعمال ان کی نظروں میں خوبصورت معلوم ہوتے ہیں، وہ کبھی نیک اعمال والوں کے ساتھ برابر نہیں ہوسکتے۔ فرمایا: ﴿اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا﴾ پس کیا وہ شخص جس کو اس کے برے اعمال مزین اور آراستہ کرکے دکھلائے گئے اور پھر اس نے اس کو اچھا سمجھا، ایسے شخص کے ساتھ برابر ہوسکتا ہے جو اچھے اور برے میں تمیز کرتا ہے؟ پھر برے سے پرہیز کرتا ہے، ہرگز نہیں۔ پس خوب سمجھو کہ حق اور باطل میں تمیز من جانب اللہ ہے۔

﴿فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ پس تحقیق اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ ﴿فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ﴾ پس آپ کا نفس شریف ان پر حسرت نہ کرے، بلکہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دو۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ یہ کرتے ہیں، لہٰذا کسی کی گمراہی پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رنجیدہ نہ ہوں۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کی بڑی حرص تھی کہ سارے لوگ مسلمان ہوجائیں، جب لوگ کفر پر جمے رہتے اور ایمان سے انکار کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت سخت صدمہ ہوتا۔ سورۃ الشعراء میں ارشاد ہے: ﴿لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ﴾ [الشعراء: ۳] () کیا ایسا ہونے کو ہے کہ آپ اپنی جان کو اس وجہ سے ہلاک کردیں کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے؟)۔

﴿وَاللّٰهُ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ﴾ اللہ تعالیٰ وہ ذات پاک ہے کہ جو ہواؤں کو بھیجتا ہے۔ ﴿فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَحْيَيْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا﴾ پھر ہوائیں بادلوں کو اٹھاتی ہیں، پھر ہم اس بادل کو ہنکا کر ایک مردہ زمین کی طرف لے جاتے ہیں، پھر اس کے پانی سے مردہ زمین کو زندہ کرتے ہیں، بعد اس کے مردہ اور افسردہ ہونے کے بعد وہ مردہ زمین زندہ ہوکر لہلہاتی ہے۔

﴿كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ﴾ اسی طرح قیامت کے دن قبروں سے مردوں کا زندہ ہوکر جی اٹھنا ہے۔ ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان نقل کیا ہے کہ دونوں نفخوں (صور اوّل و دوم) کے درمیان عرش عظیم کی جڑ سے پانی کی ایک وادی جاری ہوجائے گی، دونوں نفخوں کا درمیانی زمانہ چالیس سال ہوگا، اس پانی سے انسانوں سمیت تمام جاندار، چرند پرند، حیوانات کا گلاسڑا ہوا جسم اُگ آئے گا، پھر روحوں کو ان کے ساتھ ملا کر انہیں زندہ کیا جائے گا۔ چنانچہ مردے اپنی قبروں سے اٹھائے جائیں گے اور میدان محشر کی طرف روانہ ہوجائیں گے۔ [مظهري]

﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا﴾ جو شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزّت چاہتا ہے تو واضح ہو کہ دنیا اور آخرت ہر طرح کی عزّت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اس کا حصول ایمان، عمل صالح اور اطاعت وعبادت پر موقوف ہے۔ پس جو شخص اپنے لئے عزّت کا خواستگار ہے تو اسے چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے ایمان واطاعت کے ذریعہ عزّت حاصل کرلے، کیونکہ ساری عزّت کا خالق و مالک صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ کافر لوگ بتوں کی عبادت میں عزّت کے خواستگار تھے، جس کے بدلے انہیں ذلّت وحقارت مل گئی۔ ﴿وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا كَلَّا﴾ [مریم: ۸۱] (یعنی کفار اپنے معبودانِ باطلہ سے یہ توقع رکھتے تھے کہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے عزّت عطا کریں گے، تو فرمایا کہ ہرگز ایسا نہ ہوگا، بلکہ انہیں ذلتوں کا سامنا ہوگا)۔

اب آئندہ آیت میں اللہ تعالیٰ کے یہاں عزّت حاصل کرنے کا طریقہ بتلاتے ہیں، جس کا حاصل ذکر الٰہی اور اعمال صالحہ ہیں، تو فرمایا: ﴿اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ﴾ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف چڑھتے ہیں پاکیزہ کلمات۔ یعنی اس کی بارگاہ قبولیت کی جانب بلند ہوتے ہیں۔ پاکیزہ کلمات میں ذکر اللہ اور تلاوت قرآن، امر بالمعروف ونہی عن المنکر، اور تسبیح وتحمید وتکبیر وتہلیل وتمجید سب داخل ہیں۔

﴿وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ﴾ اور عمل صالح کو اللہ تعالیٰ اوپر اٹھاتا ہے، بلند کرتا ہے، جس سے بندہ کے درجات بلند ہوتے ہیں۔ پس جس کو علو درجات اور عزّت درکار ہو تو ساری زندگی ایمان واطاعت اور ذکر وفکر میں مسلسل مصروف ومشغول ہو۔ یاد رہے کہ ایمان اور کلمات طیبات اور اعمال صالحہ وحسنات کا مرکز فوق السمٰوٰت اعلیٰ علیین ہے، جہاں نیکیوں کا عروج ہوتا ہے، بخلاف شرک وکفر اور معصیات کے کہ ان کا ٹھکانہ تحت الارض مقام سجین ہے۔ سو یہی فیصلہ ارواح طیبہ اور ارواح خبیثہ کے متعلق بھی ہے۔ سورۃ المطففین میں تفصیل دیکھی جائے۔

﴿وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ﴾ اور جو لوگ مکر وفریب اور برائیوں کا ارتکاب

کرتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب تیار کیا گیا ہے، جو ان کی ذلت اور خواری کا سامان ہوگا۔ فرمایا: ﴿وَمَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ يَبُوْرُ﴾ اور ان لوگوں کی مکاری تباہ و برباد ہو کر رہے گی، اور الٹا ان کے مکر کا وبال انہی پر پڑے گا۔ آگے اسی سورت میں ارشاد ہے: ﴿وَ لَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ﴾ جو شخص کسی دوسرے کے بارے میں غلط تدبیر سوچتا ہے وہ خود اسی کو گھیر لیتی ہے۔ سرور عالم ﷺ کا ارشاد ہے: ''مَنْ حَفَرَ بئْرًا لِاَخِيهِ وَقَعَ فِيهِ''۔ جو آدمی اپنے بھائی کے لئے گڑھا کھودتا ہے وہ خود ہی اس میں گرتا ہے۔ [مجالس دینوری]

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ؕ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ⑪

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے تم کو مٹی سے پیدا فرمایا، پھر نطفہ سے، پھر اس نے تمہیں جوڑے جوڑے بنایا، اور جس کسی عورت کو حمل رہ جاتا ہے اور جو کوئی عورت جنتی ہے، تو یہ سب اس کے علم میں ہوتا ہے، اور جس کسی عمر والے کی عمر زیادہ کی جاتی ہے، اور جس کی عمر کم کی جاتی ہے، وہ سب کتاب میں ہے۔ بلاشبہ یہ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے ⑪

معارف ومنازل

انسانی تخلیق کے بہت سے مراحل ہیں، جنہیں قرآن حکیم نے مختلف طریقوں سے مختلف مقامات پر بیان فرمایا ہے، یہاں ایک جھلک نہایت اختصار کے ساتھ بیان فرمائی:

﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں مٹی سے پیدا فرمایا۔ یعنی ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا مٹی سے بنایا، پھر اس میں روح پھونکی، چونکہ ان کی تخلیق میں ان کی ساری اولاد کی تخلیق بھی مضمر تھی، اس لئے ان کی ساری اولاد کے بارے میں فرمایا کہ مٹی سے تمہاری پیدائش فرمائی۔ پھر چونکہ سلسلہ توالد وتناسل نطفہ کے ذریعہ ہوتا ہے اور قیامت تک جاری رہے گا، اس لئے فرمایا: ﴿ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ﴾ یعنی مٹی سے تمہاری تخلیق فرمائی۔ پھر اس کے بعد تمہاری پیدائش کا سلسلہ اس طرح جاری فرمایا کہ مرد کا نطفہ عورت کے رحم میں جاتا ہے، پھر اس سے انسان پیدا ہوتا ہے۔ ﴿ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا﴾ پھر تمہیں جوڑے بنا دیا۔ یعنی مرد بھی پیدا فرمایا اور عورتیں بھی، جو ایک دوسرے کی زوجیت میں آتے ہیں، اور ان کے اختلاط سے اولاد پیدا ہو جاتی ہے۔

﴿وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنْثٰى وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهٖ﴾ جس کسی عورت کو حمل قرار پاجاتا ہے، اور جو بھی کوئی عورت بچہ جنتی ہے، وہ سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتا ہے۔ سورۃ آل عمران میں فرمایا: ﴿هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ﴾ [آل عمران:٦] (اللہ تعالیٰ وہی ہے جو تمہارا نقشہ (شکل وصورت) بناتا ہے ماں کے پیٹ میں، جس طرح چاہے)۔

﴿وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ إِلَّا فِيْ كِتٰبٍ﴾ اور نہ کسی کی عمر زیادہ کی جاتی ہے، اور نہ کسی کی عمر کم کی جاتی ہے، مگر یہ سب لوح محفوظ میں ہوتا ہے۔ یعنی جس کسی کی عمر دوسروں سے زیادہ مقرر کی گئی، اور جس کی عمر دوسروں سے کم مقرر کی گئی، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے پہلے روز سے لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے۔

اور بعض علماء کے نزدیک آیت کا مطلب یہ ہے کہ کسی کی عمر میں کمی بیشی نہیں کی جاتی، مگر اس کا اندراج پہلے سے لوح محفوظ میں ہوتا ہے۔ مثلاً لوح محفوظ میں لکھا ہوتا ہے کہ فلاں شخص کی عمر اتنے سال کی ہوگی، پھر بعض خصوصی نیکیوں کی وجہ سے اس کی عمر بڑھادی جائے گی، یا بعض خاص گناہوں کی وجہ سے اس کی عمر کم کردی جائے گی۔ یہ سب کچھ لوح محفوظ میں پہلے سے لکھا ہوتا ہے۔

اس مطلب کی تائید سرور عالم ﷺ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے کہ دعا کے سوا قضا کو کوئی چیز پلٹ نہیں سکتی، اور سوائے حسن سلوک کے عمر میں اور کوئی چیز زیادتی نہیں کرسکتی۔ [رواه الترمذي عن سلمان الفارسي ﷺ]

اس مسئلہ کی مناسب تحقیق سورۂ نوح کی تفسیر میں دیکھی جائے۔

﴿إِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ﴾ بلاشبہ یہ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے۔ یعنی لوح محفوظ میں انسانوں کی تخلیق سے پہلے ہی ان کی عمروں کی کمی بیشی لکھنا یہ اللہ تعالیٰ کے لئے بالکل آسان ہے، کیونکہ اسے ازل سے ابد تک ہر چیز کا علم ہے، اور اس کا علم محیط ہے۔

وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ ۖ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَهٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ ۖ وَمِنْ كُلٍّ تَأْكُلُوْنَ
لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ
وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ⑫ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۙ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ

كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ؕ﴿۱۳﴾ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ؕ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ؕ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: اور دو دریا برابر نہیں، یہ میٹھا ہے، پیاس بجھانے والا، آسان ہے اس کا پینا، اور یہ شور ہے، کڑوا، تلخ، اور ہر ایک میں سے تم تازہ گوشت کھاتے ہو، اور نکالتے ہو زیور، جسے تم پہنتے ہو، اور اے مخاطب! تو کشتیوں کو دیکھتا ہے کہ وہ پانی کو پھاڑتی ہوئی چلتی ہیں، تا کہ تم اس کے فضل سے تلاش کرو، اور تا کہ تم شکر ادا کرو﴿۱۲﴾ وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے، اور دن کو رات میں، اور اس نے سورج کو اور چاند کو مسخر فرمایا ہے ایک مقررہ وقت کے لئے چلتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ رب ہے تمہارا، اسی کے لئے ملک ہے، اور اس کے سوا تم جن معبودوں کو پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی اختیار نہیں رکھتے﴿۱۳﴾ اگر تم ان کو پکارو تو تمہاری پکار نہیں سنیں گے، اور اگر وہ (بالفرض) سن لیں تو تمہاری بات نہ مانیں گے، اور قیامت کے دن وہ تمہارے شرک سے منکر ہو جائیں گے، اور خبر رکھنے والے کے برابر تجھے کوئی نہیں بتا سکتا﴿۱۴﴾

معارف ومنازل

﴿اَلْبَحْر﴾ دریا، خواہ میٹھا ہو یا تلخ۔ ﴿عَذْب﴾ بمعنی میٹھا۔ ﴿فُرَات﴾ بمعنی بہت شریں، خوشذائقہ۔ ﴿سَائِغ﴾ بمعنی بہت خوشگوار، جو حلق سے آسانی کے ساتھ اتر جائے اور طبعاً مرغوب ہو۔ ﴿مِلْح﴾ کڑوا، تلخ، ناپسندیدہ۔ ﴿اُجَاج﴾ بمعنی از حد کھاری، بدبودار، اور زخم پیدا کرنے والا۔ ﴿لَحْم﴾ گوشت۔ ﴿طَرِی﴾ تازہ، مزیدار۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ آیات میں مؤمن اور کافر کی مثال ہے کہ ایمان ایک پسندیدہ آب شیرین اور مرغوب چیز کی مانند ہے، جبکہ کفر ایک تلخ، نہایت نا قابلِ شرب، کھاری پانی کی مانند ہے۔ تو جیسا کہ میٹھا خوشذائقہ پانی اور نہایت تلخ اور کڑوا پانی برابر نہیں ہو سکتے، اسی طرح مؤمن اور کافر بھی برابر نہیں ہو سکتے، جس کی مثال بار بار بیان ہو چکی ہے کہ طاعت ومعصیت برابر نہیں ہو سکتے۔ تو فرمایا کہ تمہاری طرح سمندر (دریا) بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے، بعض دریا میٹھے پانی کے ہیں، ان کا پانی شیریں خوشگوار ہوتا ہے، فوراً پیاس کو بجھا دیتا ہے، اور آسانی کے ساتھ گلے سے اتر جاتا ہے، اور بعض دریا اور سمندر ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا پانی متعفن، کڑوا، نہایت کھاری ہے، نہ پینے کے قابل

ہے، اور نہ وضو اور غسل کے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے، جس میں بے شمار حکمتیں ہیں، اور ہر ایک پانی میں الگ الگ فوائد ہیں۔

اگر انسان صرف اس ایک حکمت پر توجہ مرکوز رکھے تو اسے قدرت الٰہی کے عجائبات معلوم ہوں گے۔ وہ یہ کہ ایسا نہیں کہ میٹھے دریاؤں کی مچھلیوں کا گوشت لذیذ اور کھانے کے قابل ہو، اور کھاری سمندروں کی مچھلیوں کا گوشت نمکین اور کھاری ہو، اگر چہ جس پانی میں وہ پیدا ہوئیں اور خوراک کھاتی رہیں وہ تو کڑوا اور کھاری ہے، چکھا نہیں جا سکتا ہے، لیکن اس کی مچھلیوں میں نہ سمندر کی بدبو ہے، اور نہ سمندر کا تعفن، اور نہ ہی تلخی اور کڑواپن۔ خالق جلّ شانہ کی قدرتِ کاملہ اور بے مثال حکمت کا اس سے زیادہ روشن تر ثبوت اور کیا ہے؟ یہی حال جانوروں کے دودھ کا بھی ہے۔

﴿وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ ۖ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ﴾ دو دریا برابر نہیں، کیونکہ ایک میٹھا ہے اور پیاس کا بجھانے والا ہے، اور گلے سے بہت آسانی کے ساتھ اترتا ہے۔ ﴿سَآئِغٌ شَرَابُهٗ﴾ اور اس کا مشروب خوشگوار ہے۔

﴿وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ﴾ اور یہ دوسرا کھاری اور کڑوا ہے، حلق میں چھیل اور زخم پیدا کرتا ہے، نا قابلِ شرب ہے، جب یہ دو پانی برابر نہیں تو مؤمن اور کافر کیسے برابر ہو سکتے ہیں؟ ﴿وَمِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا﴾ تم ہر قسم کے پانی سے، یعنی شیریں اور کڑوے دونوں سے تازہ گوشت کھاتے ہو۔ اس سے مراد مچھلی ہے، جو میٹھے اور کھاری ہر قسم کے پانی میں پائی جاتی ہے۔ یہ ایک عمدہ اور لذیذ، طاقتور خوراک ہے، اور کئی بیماریوں کا علاج بھی ہے۔ اس کو ذبح کرنے کی ضرورت بھی نہیں۔

﴿وَتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا﴾ اور ان دریاؤں سے پہننے اور زینت حاصل کرنے کے لئے زیورات بھی نکالتے ہو۔ اس سے مراد موتی، مونگے وغیرہ ہیں۔ لوگ ان قیمتی چیزوں سے بڑے مہنگے اور قیمتی ہار بنا کر استعمال کرتے ہیں، اور فروخت کر کے بڑا سرمایہ حاصل کرتے ہیں۔ دریاؤں کے فوائد میں سے ایک قابل قدر اور اہم فائدہ یہ ہے کہ: ﴿وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ﴾ اور تم کشتی کو دیکھتے ہو کہ پانی کو چیرتی پھاڑتی ہوئی چلتی ہے۔ یہ کشتیاں پہاڑوں کی طرح ہیں، دنیا کے ایک کونے سے دوسرے حصے تک لاکھوں ٹن سامان اٹھا کر بڑے اطمینان سے سفر کرتی ہیں، اور زیادہ تجارتی سامان ایک ملک سے دوسرے ملک تک پہنچاتی ہیں۔

﴿مَوَاخِرَ﴾ کہتے ہیں پانی کو قوت کے ساتھ اس طرح چیرنا کہ اس سے شور پیدا ہو، کشتیاں جب پانی کو چیرتی ہیں تو پانی میں شور پیدا ہوتا ہے۔ ﴿لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ﴾ تا کہ تم اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا فضل یعنی رزق و

روزی تلاش کرو۔ ﴿وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ اور تا کہ تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ اس نے سمندروں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا، اور کشتی رانی کا طریقہ تمہیں سکھایا۔

﴿يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ جو رات کو دن میں داخل کرتا ہے، اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ کبھی دن بڑا رات چھوٹی ہوتی ہے، اور کبھی رات بڑی اور دن چھوٹا ہوتا ہے۔ اسی کے ساتھ موسم کی تبدیلی ہوتی ہے، جس سے کھیتوں اور سبزیوں اور پھلوں کی پیداوار شروع ہوتی ہے۔ اور سورج اور چاند کو بھی تمہارے لئے مسخر فرمایا، جو رات دن کئی بے شمار مصلحتوں اور حکمتوں کے تحت اپنی ڈیوٹی انجام دے رہے ہیں۔ یہ سب کچھ تمہارے مفاد اور خدمت گزاری کے لئے ان کے منازل اور طلوع وغروب اور چاند کے گھٹنے اور بڑھنے میں اتنے فوائد ہیں جن کی حد نہ ہو۔ تفصیل سورۃ البقرہ میں گزر چکی ہے، مزید تفصیل سورۃ یٰس شریف میں آنے والی ہے۔ ان شاء اللہ

﴿ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ﴾ یہ ہے اللہ تعالیٰ، تمہارا پروردگار، حقیقی بادشاہی اسی کی ہے۔ یہ پوری کائنات صرف اسی کی ہے، اور ہر قسم کا تصرف اسی کے ہاتھ میں ہے، واحد لاشریک ہے، جس کا نہ کوئی شریک ہے، نہ وزیر، اور نہ ہی مشیر، اور نہ ہی وکیل۔ ﴿وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ﴾ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسروں کو پکارتے ہیں، ان سے حاجت برآری چاہتے ہیں، ان کے سامنے سرخم کرتے ہیں، وہ تو اتنے بے بس وعاجز اور کمزور ہیں کہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں۔ ایک کتا چلتے ہوئے اگر ان پر پیشاب کرے تو وہ اپنا دفاع نہیں کر سکتے۔

﴿اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ﴾ اگر تم ان کو پکارو بھی تو وہ تمہاری پکار کو سن بھی نہیں سکتے۔ ظاہر ہے کہ وہ نہایت عاجز اور بے جان ہیں۔ ﴿وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ﴾ اور اگر بالفرض وہ تمہاری بات کو سن بھی لیں تو وہ تمہیں جواب تک بھی نہیں دیں گے۔ ﴿وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ﴾ اور قیامت کے دن تمہارے شرک کا انکار کر کے تم سے قطع تعلق کریں گے، اور تم پر لعنت کر کے اپنی براءت کا اعلان کریں گے۔

﴿وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ﴾ ہم نے تم کو شرک کی حقیقت سے آگاہ کیا ہے، اور شرک کے انجام بد سے پردہ اٹھا کر تمہیں بتا دیا ہے۔ ہمارے علاوہ ایسا صاف اور واضح بتانے والا کوئی نہیں، ذرا ہوش میں آؤ۔ اللہ تعالیٰ علیم و خبیر کی طرح تم کو کوئی آگاہ نہیں کر سکتا۔ بعضوں نے یہ معنی کیا ہے کہ اے مخاطب! اللہ علیم و خبیر کی طرح یہ معبود تمہیں کچھ

نہیں بتاسکیں گے، ان کے سامنے لاکھوں مرتبہ چیختے چلاتے رہو، یہ نہ تمہیں جواب دیں گے، اور نہ کسی کام میں آئیں گے۔ واللہ اعلم

يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ ۖ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿١٥﴾ إِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ
جَدِيدٍ ﴿١٦﴾ وَمَا ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ ﴿١٧﴾ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۚ وَإِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ إِلَىٰ حِمْلِهَا
لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ۗ إِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَأَقَامُوا
الصَّلَاةَ ۚ وَمَنْ تَزَكَّىٰ فَإِنَّمَا يَتَزَكَّىٰ لِنَفْسِهِ ۚ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ﴿١٨﴾

ترجمہ: اے لوگو! تم سب اللہ تعالیٰ کے محتاج ہو، اور اللہ تعالیٰ غنی ہے، تعریف کا مستحق ہے ﴿١٥﴾ اگر وہ چاہے تو تمہیں ختم کردے، اور نئی مخلوق پیدا فرمادے ﴿١٦﴾ اور یہ اللہ تعالیٰ پر کچھ مشکل نہیں ﴿١٧﴾ اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، اور اگر کوئی بوجھ والا اپنا بوجھ اٹھانے کے لئے بلائے گا تو اس میں سے کچھ بھی نہیں اٹھایا جائے گا، اگرچہ قرابتداری ہو، آپ صرف انہی لوگوں کو ڈراتے ہیں جو بن دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں، اور انہوں نے نماز قائم کی، اور جو شخص پاکیزہ بنا تو وہ اپنی جان کے لئے پاکیزگی اختیار کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ﴿١٨﴾

معارف ومنازل

ان آیات میں متعدد نصیحتوں کا ذکر ہے۔ سابقہ آیت میں قدرتِ کاملہ کے دلائل اور توحید کا بیان تھا، جس میں مشرکین کے معبودوں کی مکمل بے بسی کا ذکر ہوا۔ اب کی آیات میں کامیابی کے اصول اور چند اہم نصیحتوں کا تذکرہ ہے۔ اول یہ فرمایا کہ اے لوگو! تم سب اللہ تعالیٰ ہی کے محتاج ہو، اللہ تعالیٰ غنی ہے جسے کسی چیز کی حاجت نہیں ہے، وہ غنی مطلق ہے، اس کو نہ تمہاری عبادت کی حاجت ہے، اور نہ پورے عالم کی کسی چیز کی۔ وہ سب کا خالق و مالک ہے، جبکہ کائنات کا ہر ذرہ اس کا محتاج ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ﴾ اے لوگو! تم ہی سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے محتاج ہو، تم سب اللہ تعالیٰ کے دروازے کے فقیر ہو۔ ہر مخلوق اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے، مگر انسان کے برابر کوئی محتاج نہیں۔ اگر

انسان اس دنیا سے معدوم ہو جائے تو کسی مخلوق کو کسی قسم کا نقصان نہیں ہوگا، لیکن اگر دنیا اور اس کی مخلوقات معدوم ہوں تو انسان ایک گھنٹہ بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ فرمایا: ﴿وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر طرح ہی بے نیاز ہے، اور تعریفوں والا ہے۔

﴿اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ﴾ یہ دوسری بات ہے کہ وہ غنی مطلق اگر چاہے تو تم کو صفحۂ ہستی سے قوم عاد وثمود کی طرح مٹا دے، لے جائے، فنا کر دے، اور تمہارے بدلہ میں تمہاری جگہ دوسری فرمانبردار مخلوق لے آئے۔ ﴿وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ﴾ اور یہ بات اللہ تعالیٰ پر کچھ دشوار نہیں، بلکہ ہر مشکل سے مشکل کام اس پر آسان ہے، لہٰذا تمہیں ہر وقت اس کے قہر وغضب سے ڈرنا چاہئے۔

﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى﴾ روز قیامت کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کے بوجھ کو نہیں اٹھائے گا، مجال نہیں کہ روز قیامت کسی کا بوجھ کوئی اٹھائے، یا آڑے وقت اپنی نیکیوں میں سے کوئی نیکی کسی رشتہ دار یا دوست کو دینا چاہے، حتیٰ کہ والدین اپنی اولاد کو، یا اولاد اپنے والدین کو بھی کچھ نہیں دیں گے۔

﴿وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا﴾ اور اگر کوئی بوجھل کسی کو بوجھ اٹھانے کے لئے بلائے گا کہ ذرا میری مدد کرو، میں نے دنیا میں کئی موقعوں پر تمہاری مدد کی، یا اس لئے کہ تم میرے دوست ہو تو: ﴿لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ﴾ تو اس میں سے کچھ بھی نہیں اٹھایا جائے گا۔ ﴿وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى﴾ اگرچہ وہ اس کا قرابتی ہو، ماں باپ، یا بھائی بہن ہو، کوئی کسی کے سوال اور مطالبہ کا جواب بھی نہ دے گا۔ یہ تیسری بات ختم ہوگئی۔ اب چوتھی بات:

﴿اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ﴾ جو لوگ بجائے سننے اور قبول کرنے کے ضد اور عناد وہٹ دھرمی کی وجہ سے آپ کی تکذیب کرتے ہیں، آپ پریشان نہ ہوں، کیونکہ آپ کا انذار وڈرانا اور نصیحت کرنا انہیں لوگوں کے حق میں مفید ہے جو اپنے پروردگار سے غائبانہ ڈرتے ہیں۔ ﴿وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ﴾ اور اقامتِ صلوٰۃ پر عامل رہتے ہیں۔ ﴿وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ﴾ اور جو شخص تزکیہ حاصل کرلے گا تو وہ اپنے ہی نفع کے لئے پاکیزگی حاصل کرتا ہے، کیونکہ تزکیہ نفس کا فائدہ اسی شخص کو ملے گا جس نے یہ کارِ خیر انجام دیا۔ انسان کے ہر نیک عمل طاعت وعبادت اور تزکیہ وطہارت کا ثواب خود اسی کو ملے گا، اور یہ سعادت خود اس کی ہوگی۔ یہی حال گناہوں کا بھی ہے کہ ان کا بوجھ خود کرنے والا ہی اٹھائے گا۔ ﴿وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ﴾ اور سب کو خیر ہو یا شر، اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے۔

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ﴿١٩﴾ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ﴿٢٠﴾ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ﴿٢١﴾
وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاۤءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَاۤءُ ۚ وَمَاۤ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ
فِي الْقُبُوْرِ ﴿٢٢﴾ اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ ﴿٢٣﴾ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۭ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا
خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ﴿٢٤﴾ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ جَاۤءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ
بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿٢٥﴾ ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿٢٦﴾

ترجمہ: اور نابینا اور دیکھنے والا برابر نہیں ﴿١٩﴾ اور نہ اندھیریاں اور روشنی برابر ہیں ﴿٢٠﴾ اور نہ سایہ اور دھوپ برابر ہیں ﴿٢١﴾ اور نہ زندہ اور مردہ برابر ہیں، بلاشبہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے سنوا دیتا ہے، اور آپ ان لوگوں کو سنانے والے نہیں جو قبروں میں ہیں ﴿٢٢﴾ آپ صرف ڈرانے والے ہیں ﴿٢٣﴾ بیشک ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، بشیر اور نذیر بنا کر، اور کوئی بھی امت ایسی نہیں ہے جس میں ڈرانے والا نہ گزرا ہو ﴿٢٤﴾ اور اگر وہ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو ان سے پہلے جو لوگ تھے، وہ بھی جھٹلا چکے ہیں، ان کے پاس ان کے پیغمبر کھلے ہوئے معجزات اور صحیفے اور روشن کتابیں لے کر آئے ﴿٢٥﴾ پھر میں نے ان لوگوں کو پکڑ لیا جنہوں نے کفر کیا، سو میرا عذاب کیسا ہوا؟ ﴿٢٦﴾

معارف ومنازل

ان آیات کریمہ میں مؤمن اور کافر کی مثال بیان فرماتے ہیں کہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں، اسی بنیاد پر کافر کو جانور سے بدتر کہا گیا، چنانچہ فرماتے ہیں: ﴿وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ﴾ اندھا اور بینا برابر نہیں ہو سکتے، اسی طرح مؤمن اور کافر بھی برابر نہیں ہو سکتے۔ بینا سے مؤمن مراد ہے، اور اندھے سے مراد کافر ہے، جو کہ اندھا بھی ہے اور گونگا اور بہرہ بھی ہے۔ اسی طرح:

﴿وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ﴾ اندھیرے اور روشنی بھی برابر نہیں ہو سکتے۔ ظُلمت سے مراد کافر ہے، جس کا دل سیاہ ہے، اور قیامت کے روز جب اٹھے گا تو اس کا چہرہ بھی سیاہ ہوگا اور اندھا بھی ہوگا۔ مؤمن کی مثال نُور ہے، اور قیامت کے روز نورانی چہرہ کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔ پھر فرمایا کہ: ﴿وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ﴾ سایہ اور دھوپ بھی برابر نہیں ہو سکتے، اسی طرح ثواب وعقاب بھی برابر نہیں ہو سکتے۔

﴿وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاۤءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ﴾ زندہ اور مردہ بھی برابر نہیں ہو سکتے۔ زندہ سے مراد مؤمن ہے،

اور مردہ سے کافر مراد ہے۔ زندہ ہزاروں کام انجام دیتا ہے، اور بہت سے لوگوں کو فائدہ دیتا ہے، خیر وشر، اچھے اور برے میں تمیز کرتا ہے، جبکہ مردہ میں کسی کام کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ اسی ضمن میں فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ يُسْمِعُ مَن يَشَاءُ ۖ وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ﴾ بیشک اللہ تعالیٰ جس کو چاہے سنادے، اور آپ نہیں سنا سکتے ان کو جو قبروں میں پڑے ہوئے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح آپ قبروں والے مردوں کو نہیں سنا سکتے، یعنی ان پر آپ کی نصیحت کارگر نہیں ہوسکتی، تو اسی طرح ان شرک اور کفر کرنے والوں کے لئے بھی آپ کی کوئی نصیحت فائدہ مند نہیں ہوسکتی، کیونکہ کافروں کے مردہ دلوں کو زندہ کرنا یہ آپ کے اختیار میں نہیں، یہ کام صرف تیرے ربّ کا ہے۔ سورۃ القصص میں فرمایا: ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ﴾ [القصص:۵۶] (آپ ہدایت نہیں دے سکتے جس کو آپ پسند کریں، بلکہ اللہ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہے) آپ تو صرف سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کرتے ہیں، باقی ہدایت دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ ﴿إِنْ أَنتَ إِلَّا نَذِيرٌ﴾ آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں۔

﴿إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا﴾ تحقیق ہم نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے، خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا۔ جو لوگ آپ کی دعوت پر لبّیک کہتے ہوئے ایمان لائے، آپ انہیں جنت کی ابدی نعمتوں کی خوشخبری سنائیں، اور جو لوگ آپ کی دعوت کی تکذیب کریں آپ انہیں جہنم کے عذاب سے ڈرائیں۔ ﴿وَإِن مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ﴾ کوئی امت ایسی نہیں کہ اس میں ڈرانے والا نہ گزرا ہو، کوئی ایسی اُمت نہیں جس میں اللہ تعالیٰ کے صاحب کتاب اور صاحب شریعت پیغمبر، یا ان کے نائب نہ آئے ہوں۔

﴿وَإِن يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ﴾ اگر یہ لوگ آپ کی تکذیب کریں تو رنجیدہ نہ ہوں، یہ لوگوں کی پرانی عادت ہے۔ ان سے پہلے لوگوں نے بھی اپنے اپنے پیغمبروں کو جھٹلایا ہے، جب: ﴿جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ﴾ ان کے رسول ان کے پاس واضح اور کھلی نشانیاں لے کر آئے۔ ﴿وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتَابِ الْمُنِيرِ﴾ وہ اپنے ساتھ صحیفے بھی لائے اور روشن کتابیں بھی لائے۔ بڑی کتابیں چار ہیں: تورات، زبور، انجیل اور قرآن حکیم۔ صحیفوں کی تعداد ایک سو بتائی گئی ہے۔ [معارف، ابن قتیبۃ]

جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام اور کتب وصحیفوں کے ذریعہ حجت پوری کر لی، اور جنہوں نے مان کر اسلام قبول کرلیا تو وہ نجات پا گئے، ایسے لوگ ہر امت کے اندر نہایت قلت میں رہے، اکثریت اپنے کفر وشرک پر جمی

رہی، تو فرمایا: ﴿ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ﴾ پھر میں نے اتمامِ حجت کے بعد کفر کرنے والوں کو پکڑلیا، پھر دیکھو میری گرفت کیسی ہوئی؟ وہ سب کے سب صفحہ ہستی سے ہمیشہ کے لئے مٹ گئے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ؕ وَمِنَ الْجِبَالِ
جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ ﴿۲۷﴾ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ
مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ﴿۲۸﴾

ترجمہ: اے مخاطب! کیا تجھے علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا؟ پھر ہم نے اس کے ذریعہ پھل نکالے، جن کے رنگ مختلف ہیں اور پہاڑوں کے مختلف حصے ہیں (گھاٹیاں) سفید ہیں، اور سرخ ہیں، ان کے رنگ مختلف ہیں، اور ان میں گہرے سیاہ رنگ والے بھی ہیں ﴿۲۷﴾ اور انسانوں میں اور چوپایوں میں، اور جانوروں میں ایسے ہیں جن کے رنگ مختلف ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ سے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں، بیشک اللہ تعالیٰ غلبہ والا ہے، بخشنے والا ہے ﴿۲۸﴾

معارف ومنازل

گزشتہ آیات میں دلائل توحید کا بیان ہورہا تھا، ان آیات میں دلائل توحید کے ساتھ مظاہر قدرت کا بیان ہورہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہی چیز سے مختلف اشیاء پیدا کرتے ہیں، جہاں کے اختلافات اتنے بکثرت ہیں، اور ان کے فوائد ومنافع بھی مختلف ہیں۔

﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً﴾ اے مخاطب! کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا۔ ﴿فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا﴾ پھر ہم نے اسی ایک پانی سے زمین سے قسم قسم کے پھل نکالے، جن کے رنگ مختلف ہیں، اور ہر ایک کا ذائقہ، خوشبو، غذائی طاقت، روح ومزاج اور خاصیت، اور فوائد ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ بعض پھلوں کی انواع اور اقسام سیکڑوں نہیں ہزاروں میں ہیں۔ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ۔

﴿وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ﴾ اور اسی طرح پہاڑوں میں

مختلف قسم کی سفید وسرخ گھاٹیاں ہیں، اور بعض انتہائی سیاہ ہیں۔ دنیا کے مختلف خطوں میں مٹی کا رنگ بھی مختلف ہے، اور پہاڑوں کا رنگ بھی مختلف ہے، خالص سفید، خالص سرخ، خالص سیاہ، خالص زرد اور متعدد رنگوں کا مرکب، اور مخلوط رنگ وشکل۔ یہ سب قدرت کے مظاہر اور نشانیاں ہیں، اس کے ساتھ جاندار مخلوقات کا بھی تذکرہ فرمایا۔

﴿وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ﴾ اور اسی طرح لوگوں میں سے اور حیوانات میں سے، اور چوپایوں میں سے مختلف رنگ والے ہیں۔ جس طرح انسانوں کی زبانیں اور لب ولہجہ اور رنگتیں، قد وقامت، شکل وصورت، طبیعت ومزاج مختلف ہیں، اسی طرح حیوانات اور جانورں، چرند وپرند، کیڑے مکوڑے وغیرہ کے رنگ وروپ وغیرہ مختلف ہیں۔ یہ سب قدرت کے کرشمے اور کمالات ہیں کہ اصل اور مادہ سب کا ایک ہے، مگر صفات اور کمیات اور کیفیات مختلف ہیں، یہاں تک کہ لاکھوں انسانوں میں ایک شکل وصورت کے دو آدمی کبھی نہیں مل سکتے۔ اسی طرح ان کی آنکھوں اور ہاتھوں کی لکیروں کا حال ہے۔ پس پاکی ہو اس ذات پاک کے لئے جس کی قدرت وحکمت کا قیامت تک احاطہ نہیں ہوسکتا۔ بڑے بڑے فلاسفر اور ماہرین ادنیٰ اور حقیر مخلوقات پر تحقیق کرتے کرتے تھک گئے اور عاجز ہوکر ہتھیار ڈال دیئے، مگر اس تحقیق کو آخر تک نہ پہنچا سکے۔

﴿اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ اللہ تعالیٰ سے وہی بندے ڈرتے ہیں جو (اللہ تعالیٰ کی عظمت کا) علم رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ کلام خبر بھی ہے اور بشارت بھی ہے، اور علم کی فضیلت پر تنبیہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات اور قسم قسم کی مخلوقات، اور ان کی انواع واقسام کا مطالعہ کرنا اور مصنوعات سے صانع کی ذات وصفات پر استدلال کرنا ہر انسان کا کام نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال کا خوف ہر آدمی کی قسمت میں نہیں، یہ روحانی جوہر ایسے لوگوں کے نصیب کا حصہ ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے شرف علم سے نواز کر خوبصورت بنایا ہے۔

شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے اس آیت میں در پردہ بیان کیا گیا ہے کہ جس کے دل میں خشیت نہیں وہ عالم نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلالت اور صفاتِ کمالیہ کو جاننا مستلزمِ خشیت ہے، خشیت علم کے لئے لازم ہے، اور لازم کی نفی ملزوم کی نفی پر دلالت کرتا ہے۔ [مظهري] پس یاد رہے کہ علم سے مقصود تزکیہ نفس اور اصلاح عمل ہے، ورنہ کچھ نہیں۔ سو یہ ناممکن ہے کہ کوئی واقع میں شراب پئے اور اس کو نشہ نہ ہو، اسی طرح یہ بھی ناممکن ہے کہ کوئی علم شریعت کا جام پئے اور اس کو خشیت الٰہی حاصل نہ ہو۔

ہاں! جب ایک شخص سب کچھ جانتے ہوئے اتباع نفس اور حطامِ دنیا کی خاطر اپنے علم کو خواہشات پر قربان

کرے گا، جیسے کہ یہود ونصاریٰ کے علماء ہیں، یا ان کے نقش قدم پر چلنے والے اس امت کے نام نہاد علماء سوء ہیں تو ایسے لوگوں سے گلہ نہیں، کیونکہ ان کا علم ظاہر ہے، شریعت کی لطافت وطہارت سے ان کے قلوب خالی ہیں، اور علم کی لذّت ونوران کے باطن کو نہیں پہنچی، ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جہلاء میں شمار ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی صفات سے جتنا زیادہ ناواقف ہوگا، وہ اللہ تعالیٰ سے اتنا ہی بے خوف ہوگا، اوراس کے برعکس جس شخص کو اللہ تعالیٰ کی قدرت، اس کے علم اوراس کی حکمت، اس کی قہاری وجباری، اوراس کی دوسری صفات کی جتنی معرفت حاصل ہوگی اتنا ہی اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہوگا۔ دراصل خوف خدا علم صفات کا نتیجہ ہے، پس درحقیقت اس آیت میں علم سے مراد درسی علوم نہیں ہیں، بلکہ علم سے مراد صفاتِ الٰہیہ کا علم ومعرفت ہے۔ قطع نظر اس سے کہ آدمی خواندہ ہو یا ناخواندہ۔ اس کا علم کسی درس وتدریس کا نتیجہ ہو، یا اہل اللہ کی صحبت کا فیض ہو۔ اندازہ لگائیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا علم کتنا زیادہ، اور گہرا تھا، وہ لوگ خوفِ الٰہی اور خشیت کے سب سے اونچے درجے پر فائز تھے، مگر مروّجہ علوم سے سراسر ناواقف تھے۔ اور یہ علوم بعد میں مرتب ہوئے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے بے خوف ہو اور وہ علامہ دہر بھی ہو، اور تمام علوم پر اسے عبور حاصل ہو تو اس علم کے لحاظ سے جاہل محض ہے، اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی صفات کو جانتا ہو اور اس کی خشیت اپنے دل میں رکھتا ہو، جس کی بدولت اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہے، وہ اگر ان پڑھ بھی ہو تو وہ ذی علم شمار ہوگا۔

﴿اِنَّمَا یَخْشَی﴾ میں کلمہ اِنَّمَا حصر کے لئے ہے، اس لئے کہ علماء حقانی انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث اور نائب ہوتے ہیں، اور انبیاء کرام علیہم السلام سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہوتے ہیں، پس جس عالم میں کماحقہ خوف خداوندی نہ ہو وہ انبیاء کرام علیہم السلام کا وارث نہیں ہوگا۔ اور آیت میں علماء سے مراد وہی علماء ہیں جو علم وعمل دونوں میں انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث ہوں، محض رسمی علماء مراد نہیں۔ پاکیزہ زندگی اگر کسی کو حاصل کرنا ہو تو دینی علوم حاصل کرے، اور مثالی اعمال کو اپنائے۔

﴿اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ غَفُوْرٌ﴾ بیشک اللہ تعالیٰ بڑے غلبہ والا، صاحب مغفرت ہے۔

❁ ❁ ❁

اِنَّ الَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ کِتٰبَ اللّٰہِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَۃً یَّرْجُوْنَ

تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ﴿٢٩﴾ لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿٣٠﴾ وَالَّذِيْٓ
اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ﴿٣١﴾
ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ
وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿٣٢﴾

ترجمہ: بلا شبہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو پڑھتے ہیں، اور انہوں نے نماز کو قائم کیا، اور ہم نے جو کچھ انہیں عطا فرمایا ہے اس میں سے خرچ کیا، چپکے سے اور ظاہری طور پر، یہ لوگ ایسی تجارت کی امید رکھتے ہیں جو کبھی ہلاک نہ ہوگی ﴿٢٩﴾ تاکہ ان کا ربّ انہیں پورا اجر عطا فرمادے، اور اپنے فضل سے اور زیادہ دے، بلا شبہ وہ خوب بخشنے والا ہے، بہت قدرداں ہے ﴿٣٠﴾ اور یہ کتاب جو ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی ہے بالکل حق ہے، جو ان کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے تھیں، بلا شبہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی پوری خبر رکھنے والا ہے، خوب دیکھنے والا ہے ﴿٣١﴾ پھر ہم نے ان لوگوں کو کتاب کا وارث بنایا جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا، سو ان میں سے بعض وہ ہیں جو اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں، اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو درمیانہ درجہ والے ہیں، اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو باذن اللہ بھلائی کے کاموں میں آگے بڑھنے والے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ شانہ کا بڑا فضل ہے ﴿٣٢﴾

معارف ومنازل

گزشتہ آیت میں علماء کا ذکر ہے، اب ان آیات میں اُمت کے نیک لوگوں کا اور قرآن پاک کی تلاوت کرنے والوں، اور اس کے احکام پر عمل کرنے والوں کا تذکرہ ہے۔ فرمایا: اُمت کے طبقات مختلف ہیں، بعض سابق بالخیر اور نہایت پسندیدہ ہیں، اور بعض درمیانہ ہیں، اور بعض ظالم ہیں۔ منزل مقصود سب کی آخرت ہے، البتہ یہ تفاوت اعمال کی وجہ سے ہے، اور ظاہر ہے کہ اعمال متفاوت ہیں۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ﴾ تحقیق جن بندوں کی یہ صفت ہے کہ وہ شوق سے اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں کہ یہ ہمارے پروردگار کی برحق کتاب ہے، پھر اس پر عمل کرکے نماز پڑھتے ہیں، اور جو کچھ ہم نے انکو رزق عطا کیا ہوا ہے اس میں سے کچھ خرچ کرتے ہیں، یعنی پوشیدہ بھی اور ظاہر بھی، یعنی وہ خرچ کرنے میں موقع شناس ہوتے ہیں، ایسے

لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تجارت کرتے ہیں، جو کہ نفع مند بھی ہے، اور ہر طرح کے خسارہ سے محفوظ بھی ہے۔

﴿لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ﴾ تا کہ وہ بدلہ دے ان کو پورا پورا، اور اپنے فضل و کرم سے زیادہ بھی دیں گے، جس زیادتی کی شاید حد نہ ہو، بلکہ ایک کی عوض بیس لاکھ بھی ہو سکتا ہے۔ [رواه الدر المنثور من حديث أبي هريرة رضی اللہ عنہ] ﴿اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ﴾ ربّ العزّت کی یہ شان ہے کہ وہ کوتاہیوں کو معاف کرنے والا بھی ہے، اور قدرداں بھی ہے، ایک معمولی عمل پر بڑا صلہ دینے والا بھی ہے۔ امام بزدوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شاگرد کو خواب میں بتادیا کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں عورت کو صرف اس بات پر بخش دیا کہ وہ اذان کا جواب بڑے احترام سے دیتی تھی، اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ عمل قبول فرمایا اور اس کو بخش دیا۔

﴿وَالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ﴾ اے پیغمبر! جو کتاب ہم نے وحی کے ذریعہ تجھ پر نازل کی ہے وہی حق ہے، اور اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے، اور ان کتابوں یعنی تورات وانجیل میں پیدا کی گئی تحریفی خرابیوں کی نشاندہی بھی کرنے والی ہے۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ﴾ بیشک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا حال جاننے والا، دیکھنے والا ہے، اس سے کوئی عمل پوشیدہ نہیں۔

حکایت:

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے ربّ العزّت سبحانہ وتعالیٰ کو خواب میں دیکھا، عرض کیا کہ آپ تک پہنچنے کا سب سے زیادہ قریبی راستہ کونسا ہے؟ ارشاد فرمایا: تلاوت قرآن۔ یعنی میرے قرب اور رضا کا ذریعہ میرے کلام کی تلاوت ہے۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا: بِفَهمٍ أو بِغيرِ فَهمٍ؟ مطلب سمجھ کر یا بلا سمجھے؟ ارشاد فرمایا: سمجھ کر ہو یا بغیر سمجھ کے ہو، دونوں برابر ہیں۔ پس کتنے خوش قسمت ہیں وہ حفاظ وقراء اور علماء جو روز وشب اسی مشغلہ میں مصروف ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ان کی روح پرواز کرنے سے پہلے انہیں جنت میں اپنا ٹھکانا نظر آجائے، اور اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے دور اور ملعون ہیں وہ لوگ جو قرآنی مدارس کے بدخواہ ہیں، اور انہیں بند کرنے کے درپے ہیں۔ خذلهم الله

﴿ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ پھر ہم نے اس کتاب، یعنی قرآن مجید کا وارث ان کو بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے منتخب فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آخری امت کو تمام سابقہ امتوں پر فضیلت بخشی، اور عظیم اعزاز ورتبہ سے نوازا کہ اس کو اس جلیل القدر عظیم الشان آخری کتاب قرآن حکیم کا وارث بنایا، جن کو ہم نے دنیا میں سے اسی

میراث کے لئے منتخب فرمایا۔ حدیث شریف میں ہے کہ: ”جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے حفظ کی نعمت عطا فرمادی، پھر اس نے کسی شخص کے بارے میں خیال کیا کہ اس کو مجھ سے افضل چیز عطا کی گئی ہے، تو اس نے سب سے بڑی نعمت کو حقیر جانا، اور قرآن کی بے قدری کی“۔ [فيض القدير، جامع صغير]

پھر اس برگزیدہ امت کے افراد کو تین حصوں میں تقسیم فرما کر کہا: ﴿فَمِنۡهُمۡ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ﴾ پس ان سے بعض ظالم لنفسہ ہیں کہ فرائض واجبات کے اور بہت سے اعمالِ صالحہ کے تارک ہیں، اور گناہوں کا ارتکاب بھی کرتے ہیں، اور معاصی میں مشغول رہتے ہیں۔ اور بعض ان میں سے ایسے ہیں کہ متوسط اور درمیانہ رو ہیں، نہ پورے عبادت گزار و اطاعت شعار ہیں، اور نہ بالکل گناہوں میں غرق ہیں، بلکہ: ﴿خَلَطُوۡا عَمَلًا صَالِحًا وَّ اٰخَرَ سَیِّئًا﴾ [التوبة: ۱۰۲] (انہوں نے ملے جلے عمل کیے ہیں، کچھ نیک کام، اور کچھ برے)۔

اور بعض ان میں سے وہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور توفیق سے نیکیوں میں سبقت کرنے والے، خیر کے کاموں میں آگے بڑھنے والے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے کامل بندے، اور اونچے لوگ ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو بغیر حساب وکتاب جنّت میں داخل ہوں گے۔ اور مُقۡتَصِدٌ یعنی میانہ رَوی والوں سے محاسبہ ہوگا، اور ظالم طبقہ پر حزن وغم کا ورود ہوگا، اور سابقین بغیر حساب جنت میں داخل کئے جائیں گے۔

حضرت شاہ ولی اللہ نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بنص صریح امت مرحومہ کو تین گروہوں میں تقسیم فرمایا ہے، جن میں اعلیٰ وکامل گروہ سابقین اوّلین کا تھا، اور وہ صدیقین اور شہداء اور صالحین کے ساتھ مخصوص تھا، اور اس گروہ کو مقربین بھی کہا گیا ہے، اور دوسرا گروہ میانہ رَو اور اوسط ہے۔ وہ اصحاب الیمین اور ابرار کے نام سے پکارا گیا ہے، اور سب سے کم تیسرا گروہ ہے، جو اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے، اور یہ وہ گروہ ہے جو ایمان اور اعتقاد صحیح رکھتا ہے، مگر اعمال میں اس سے کوتاہی ہوئی ہے، اور بالآخر بذریعہ توبہ واستغفار اور بذریعہ ندامت اس کا تدارک کرتا ہے، اور خلیفہ راشد کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ سابقین اور مقربین میں سے ہو۔ [إزالة الخفاء]

﴿ذٰلِكَ هُوَ الۡفَضۡلُ الۡكَبِیۡرُ﴾ کہ ساری دنیا میں سے اس امت کو اس نعمت اور شرف وکرامت کے لئے منتخب فرمایا، یہ اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا فضل ہے، اور یہ تمغہ واصطفاء اس امت کے لئے ایک عظیم امتیازی شان ہے، جس کا مظاہرہ قیامت کے دن اور دخول جنت کے موقعہ پر بھی ہوگا۔ جو کہ ارشاد ہے:

جَنّٰتُ عَدۡنٍ یَّدۡخُلُوۡنَهَا یُحَلَّوۡنَ فِیۡهَا مِنۡ اَسَاوِرَ مِنۡ ذَهَبٍ وَّلُؤۡلُؤًا ۚ وَلِبَاسُهُمۡ فِیۡهَا

حَرِيۡرٌ ﴿۳۳﴾ وَقَالُوا الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِيۡۤ اَذۡهَبَ عَنَّا الۡحَزَنَ ؕ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوۡرٌ شَكُوۡرُ ﴿۳۴﴾ الَّذِيۡۤ

اَحَلَّنَا دَارَ الۡمُقَامَةِ مِنۡ فَضۡلِهٖ ۚ لَا يَمَسُّنَا فِيۡهَا نَصَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا فِيۡهَا لُغُوۡبٌ ﴿۳۵﴾

ترجمہ: وہ ہمیشہ رہنے کے باغات ہیں، جن میں یہ لوگ داخل ہوں گے، اس میں انہیں سونے کے کنگن اور موتی زیور کے طور پر پہنائے جائیں گے، اور اس میں ان کا لباس ریشم کا ہوگا ﴿۳۳﴾ اور وہ کہیں گے کہ سب تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے، جس نے ہم سے غم کو دور فرما دیا، بلاشبہ ہمارا ربّ بڑا بخشنے والا ہے، خوب قدردان ہے ﴿۳۴﴾ جس نے ہمیں اپنے فضل سے رہنے کی جگہ میں نازل فرما دیا، ہمیں اس میں نہ کوئی تکلیف پہنچے گی، اور نہ ہمیں اس میں کوئی تھکن پہنچے گی ﴿۳۵﴾

معارف ومنازل

ظالم اور مقتصد اور سابق بالخیرات لوگوں کے درجات اگرچہ مختلف ہوں گے، مگر جنتی ہونے میں سب کو نوازا جائے گا۔ یہی بات حضرت فاروق اعظم اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہما دونوں سے مروی ہے۔ [ترمذي ومعالم التنزيل] اسی کے متعلق ارشاد فرمایا:

﴿جَنّٰتُ عَدۡنٍ يَّدۡخُلُوۡنَهَا يُحَلَّوۡنَ فِيۡهَا﴾ یہ تینوں گروہ بالآخر ایسے باغوں میں داخل ہوں گے جن میں ہمیشہ رہنا ہوگا۔ یہاں ﴿يَّدۡخُلُوۡنَهَا﴾ کی ضمیر تینوں گروہوں کی طرف راجع ہے، لہٰذا اس ضمیر کو صرف سابق بالخیرات والے لوگوں کی طرف راجع کرنا تخصیص بلا دلیل ہے۔ امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت ابن مسعود، حضرت ابوالدرداء حضرت عقبہ بن عامر، اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مروی ہے کہ ﴿يَّدۡخُلُوۡنَهَا﴾ کی ضمیر جمع اصنافِ ثلاثہ کی طرف راجع ہے۔

﴿مِنۡ اَسَاوِرَ مِنۡ ذَهَبٍ وَّلُؤۡلُؤًا﴾ ان کو بادشاہوں کی طرح خالص سونے اور صاف چمکدار موتیوں کے زیور پہنائے جائیں گے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ﴿جَنّٰتُ عَدۡنٍ﴾ آیت کی تلاوت فرمائی، پھر ارشاد فرمایا کہ اہل جنت کو تاج پہنائے جائیں گے، جن کا ایک ادنیٰ موتی مشرق سے لے کر مغرب تک پوری دنیا کو روشن کرے گا۔ [ترمذي، حاكم، بيهقي]

﴿وَلِبَاسُهُمۡ فِيۡهَا حَرِيۡرٌ﴾ اور ان کا لباس خالص ریشم کا ہوگا۔ جب وہ ان عالیشان مقامات اور نعمتوں کو

دیکھیں گے تو شکر کے طور پر کہیں گے: ﴿وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ﴾ سب تعریفیں اس ربّ کریم کے لئے ہیں جس نے ہم سے غموں کو دور فرمایا، پریشانیوں سے نجات عطا فرمائی۔ ﴿اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ﴾ بیشک ہمارا پروردگار بڑا بخشنے والا اور بڑا قدر دان ہے۔ ﴿الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ﴾ ایسا رحیم وکریم پروردگار جس نے اپنے فضل سے ہم کو دار قیام ودوام میں اتارا، جہاں ہم کو نہ کوئی مشقت پہنچتی ہے، اور نہ تھکان۔ جنت کی فضا بہت ہی خوشگوار ہے، جہاں نہ رنج وغم ہے اور نہ پریشانی وصدمہ، وہ یہ ہے: ؎

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد ☆ کسے را با کسے کارے نباشد

فائدہ:

یہاں جو فرمایا کہ جنتیوں کو سونے اور موتیوں کے کنگن پہنائے جائیں گے، اور ان کا لباس ریشم ہوگا، یہ مضمون سورۃ الحج رکوع (۳) میں گزر چکا ہے۔ بات یہ ہے کہ دنیا کا مزاج کچھ اور ہے، اور جنت کا کچھ اور۔ اہل جنت کا مزاج ورواج یہ ہوگا کہ مرد بھی بڑی رغبت سے زیور پہنیں گے، جیسا کہ دنیا میں بھی راجہ اور بادشاہ پہن رہے ہیں، لہٰذا زیور ہو یا سونا اور ریشم وغیرہ کے متعلق دار العمل اور دار الجزاء کا مزاج وقانون ایک جیسے نہیں ہوتے، پس ایک کو دوسرے پر قیاس نہ کریں۔ قرطبیؒ نے لکھا ہے: اہل تفسیر نے کہا ہے کہ کوئی جنتی ایسا نہیں ہوگا جس کے ہاتھ میں تین کنگن نہ ہوں: ایک سونے کا، ایک چاندی کا، اور ایک موتی کا۔ [مظهري]

مؤمنین مخلصین کی راحتوں کے بعد مجرمین اور مشرکین کے احوال کا بیان ہے:

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ۭ كَذٰلِكَ
نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ ۳۶ وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۭ اَوَلَمْ
نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاۗءَكُمُ النَّذِيْرُ ۭ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ۳۷

ترجمہ: اور جن لوگوں نے کفر کیا، ان کے لئے دوزخ کی آگ ہے، نہ تو ان کی قضاء آئے گی کہ وہ مر ہی جائیں، اور نہ ان سے اس کا عذاب ہلکا کیا جائے گا، ہر کافر کو ہم ایسے ہی سزا دیا کرتے ہیں ۳۶ اور وہ لوگ دوزخ میں چلائیں گے کہ اے ہمارے ربّ! ہمیں دوزخ سے نکال لے، ہم ان اعمال کے علاوہ دوسرے اعمال کریں گے جو کیا

کرتے تھے، کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر نہیں دی تھی جس میں وہ شخص سمجھ سکتا تھا جو سمجھنا چاہتا؟ اور تمہارے پاس ڈرانے والا آیا تھا، سوتم چکھ لو، سوظالموں کے لئے کوئی بھی مددگار نہیں ﴿۳۷﴾

معارف ومنازل

اہل ایمان کے درجات بیان کرنے کے بعد ان کی ضد یعنی کفار ومشرکین کے درکات کا بیان ہو رہا ہے۔

﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا﴾ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور قرآنی وراثت سے خارج ہوئے، ان کے لئے دوزخ کی آگ ہے، ان کا کام کبھی تمام نہیں ہوگا جو مر ہی جائیں۔ یعنی نہ تو ان کے بارے میں یہ فیصلہ ہوگا کہ مرجائیں اور نہ ان کا عذاب ہلکا کیا جائے گا۔

﴿وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ﴾ نہ ان کے عذاب میں کوئی تخفیف ہوگی، بلکہ اضافہ ہوتا رہے گا۔ ہم ہر کفر کرنے والے کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں، اور یہ دوزخ میں چیخیں گے، چلائیں گے۔ فرمایا: ﴿وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ﴾ اور یہ کفار دوزخ میں چلائیں گے چیخ کر اور کہیں گے اے ہمارے پروردگار! اب ہم کو جہنم سے نکال دے، اور دوبارہ دنیا میں بھیج دیں، وہاں پہنچ کر اس دفعہ ہم نیک کام کریں گے، برخلاف ان کاموں کے جو پہلے دنیا میں کیا کرتے تھے۔ یعنی پہلی زندگی میں ہم نے کفر وشرک کیا، اب اس دوسری زندگی میں ایمان اور عمل صالح پر کاربند رہیں گے۔ اب اللہ تعالیٰ انہیں جواب دے رہے ہیں، فرمایا:

﴿اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ﴾ کیا ہم نے اس دنیا میں تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی جس میں نصیحت حاصل کرنے والا نصیحت حاصل کر سکے؟ چنانچہ تمہارے برعکس جن لوگوں نے دنیا میں ہدایت پائی ان کو بھی تو اتنی ہی عمر ملی تھی جتنی تم کو ملی تھی، مگر وہ اپنی عمر کو ضائع ہونے سے بچایا، اور تم نے اپنی عمر کی قیمتی اوقات ضائع کر لئے۔ اب بالفرض اگر تمہیں دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے تو تمہارے اعمال پہلے سے مختلف نہیں ہوں گے۔ یاد رکھو، تم لوگ دنیا میں خالی الذہن نہ تھے، بلکہ تمہاری بیداری کے لئے ڈرانے والے بھی آئے تھے، مگر تم نے ان کی تکذیب کی، لہٰذا دوبارہ زندگی کا مطالبہ عبث ہے، اور اس کا وقوع غیر ممکن ہے۔ پس:

﴿فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ﴾ سو اب اپنے کفر کا مزہ چکھو، اور یہاں ظالموں کا کوئی مددگار اور

سفارشی نہیں ہے۔تم پر اللہ تعالیٰ کی حجت پوری ہو چکی، اس لئے تم پر نجات کے دروازے بند ہو گئے ۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے لئے کوئی عذر باقی نہیں رکھا جس کی عمر میں اتنی ڈھیل دے دی کہ ساٹھ سال تک پہنچا دیا''۔[بخاري]

آیت کریمہ میں بظاہر اگر چہ خطاب کفار کو ہے، مگر حکم سب کے لئے عمومی ہے۔پس مسلمانوں پر بھی لازم ہے کہ اپنی عمر کے گرانمایہ قیمتی اوقات فضولیات اور غفلت میں ضائع نہ کریں۔

إِنَّ اللَّهَ عَالِمُ غَيْبِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٣٨﴾ هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ
فِي الْأَرْضِ ۚ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ ۖ وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ إِلَّا مَقْتًا ۖ وَلَا يَزِيدُ
الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ إِلَّا خَسَارًا ﴿٣٩﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ شُرَكَاءَكُمُ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۖ أَرُونِي
مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمَاوَاتِ ۖ أَمْ آتَيْنَاهُمْ كِتَابًا فَهُمْ عَلَىٰ بَيِّنَتٍ مِنْهُ ۚ بَلْ
إِنْ يَعِدُ الظَّالِمُونَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا إِلَّا غُرُورًا ﴿٤٠﴾ إِنَّ اللَّهَ يُمْسِكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ أَنْ تَزُولَا ۚ وَلَئِنْ
زَالَتَا إِنْ أَمْسَكَهُمَا مِنْ أَحَدٍ مِنْ بَعْدِهِ ۚ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا ﴿٤١﴾

ترجمہ: بلاشبہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کے اور زمین کے غیب کو جاننے والا ہے، بلاشبہ وہ دلوں کی باتوں کو جاننے والا ہے﴿۳۸﴾ وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پہلے لوگوں کے بعد آباد فرمایا، سو جو شخص کفر اختیار کرے اس کا کفر اسی پر ہے، اور کافروں کے لئے ان کا کفران کے رب کے نزدیک ناراضگی ہی کو بڑھاتا ہے، اور کافروں کے لئے ان کا کفر صرف خسارہ ہی میں اضافہ کرتا ہے﴿۳۹﴾ آپ فرما دیجئے کہ تم جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے ہو ان کا حال تو بتاؤ، مجھے دکھاؤ، انہوں نے زمین کا کونسا حصہ پیدا کیا؟ کیا آسمانوں میں ان کا کوئی ساجھا ہے؟ کیا ہم نے انہیں کوئی کتاب دی ہے کہ یہ اس کی دلیل پر قائم ہوں؟ بلکہ بات یہ ہے کہ ظالم لوگ ایک دوسرے سے صرف دھوکہ کی باتوں کا وعدہ کرتے ہیں﴿۴۰﴾ بلاشبہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کو، اور زمین کو روکے ہوئے ہے کہ ٹل نہ جائیں، اور اگر وہ ٹل جائیں تو اس کے سوا ان دونوں کو کوئی بھی تھامنے والا نہیں، بلاشبہ وہ حلیم ہے، غفور ہے﴿۴۱﴾

☆☆☆

معارف ومنازل

ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور توحید کا بیان ہے، اس کے ساتھ منکرین توحید کے برے انجام اور ان کی ذلت وخواری کا بیان ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ بلا شبہ اللہ تعالیٰ ہی آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی چیزوں کو جانتا ہے، اور ہر غیب کا جاننے والا ہے، کوئی شک نہیں کہ وہ دلوں کی باتوں سے بھی خوب واقف ہے، جب وہ آسمانوں اور مین کی تمام چھپی ہوئی باتوں کا جاننے والا ہے تو لوگوں کے حالات اس سے پوشیدہ کیسے رہ سکتے ہیں؟ وہ دلوں کے اندر کے ارادوں اور خیالات سے بخوبی واقف ہے، تو پھر لوگوں کے بیرونی حالات سے کیونکر واقف نہیں؟

﴿هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰۗىِٕفَ فِي الْاَرْضِ ۭ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ﴾ وہی تو ہے جس نے تم کو پہلے لوگوں کی جگہ زمین میں آباد کیا، سو جو شخص کفر کرے گا اس کے کفر کا وبال اسی پر پڑے گا۔ اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنا دیا، اور اسی مقصد کے لئے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی۔ دوم یہ کہ ہر شخص اپنے اسلاف کا خلیفہ اور جانشین ہوتا ہے۔ سوم یہ کہ آخری اُمت ساری امتوں کے آخر میں ہے، گویا یہ سب امتوں کا آخری اور خلیفہ ہے۔

﴿وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا ۚ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا﴾ اور کافروں کے لئے ان کا کفران کے پروردگار کے نزدیک نہیں زیادہ کرے گا مگر ناراضگی اور غضب، اور کافروں کا کفران کے لئے خسارہ ہی بڑھائے گا۔ یعنی ﴿خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ﴾ [الحج: ۱۱] (دنیا اور آخرت دونوں کو کھو گیا)۔

﴿وَلَا يَزِيْدُ﴾ کا تکرار اسی اُخروی اور دنیوی خسارے کی زیادتی پر واضح دلیل ہے۔

﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ شُرَكَاۗءَكُمُ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ﴾ آپ مشرکین سے کہہ دیں کہ تم اپنے قرار دادہ شریکوں کا حال تو بتاؤ، جن کو تم خدا تعالیٰ کے سوا پوجا کرتے ہو، مجھے ذرا دکھاؤ کہ انہوں نے اس زمین کا کونسا حصہ بنایا ہے؟ یا آسمان بنانے میں ان کا کچھ ساجھا ہے؟ ظاہر ہے کہ انہوں نے تمہارے باپ دادوں کے زمانہ سے لے کر آج تک نہ تمہاری مشکل کشائی اور مدد

کی ہے، اور نہ کسی ادنیٰ چیز جیسی مکھی یا کوئی کیڑے مکوڑے کی تخلیق کی ہے۔

﴿اَمۡ اٰتَیۡنٰهُمۡ كِتٰبًا فَهُمۡ عَلٰی بَیِّنَتٍ مِّنۡهُ﴾ یا ہم نے ان کو کوئی کتاب دی ہے، یہ اس کی کسی دلیل پر قائم ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے سارے اعمال شیطانی اور منگھڑت ہیں، انہیں کسی آسمانی کتاب کی راہنمائی حاصل نہیں، ہاں! یہ: ﴿بَلۡ اِنۡ یَّعِدُ الظّٰلِمُوۡنَ بَعۡضُهُمۡ بَعۡضًا اِلَّا غُرُوۡرًا﴾ بلکہ یہ ظالم ایک دوسرے سے خالص نرے دھوکہ کی باتوں کا وعدہ کرتے ہیں۔ ان کے اسلاف نے صرف گمراہی اور مکر وفریب کا اپنے اخلاف کے ساتھ دھوکہ کرکے انہیں کہا کہ یہ باطل معبود تمہاری شفاعت ومقصد برآری کریں گے، یہ سب کچھ جھوٹ اور بے دلیل باتیں ہیں۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ یُمۡسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ اَنۡ تَزُوۡلَا﴾ یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کو، اور زمین کو تھامے ہوئے ہے کہ کہیں اپنی جگہ سے سرک کرٹل نہ جائیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں بغیر کسی مادہ اور نقشہ کے ایجاد فرما کر پیدا کیا ہے، اسی طرح ان کی بقاء اور قیام کا بھی فیصلہ فرمایا ہے۔ یہ اس کی عظیم قدرت کا ایک کرشمہ ہے کہ آسمان وزمین باوجود بے مثال بڑے بڑے اجسام ہونے کے بغیر ستونوں کے اپنی اپنی جگہ پر قائم ہیں، کسی کی یہ مجال نہیں کہ سرِ مو ذرہ برابر اپنی جگہ سے معمولی جنبش کر سکیں۔

﴿وَلَئِنۡ زَالَتَاۤ اِنۡ اَمۡسَكَهُمَا مِنۡ اَحَدٍ مِّنۡۢ بَعۡدِهٖ﴾ اور اگر آسمان وزمین اپنی جگہ سے ٹل جائیں تو سوائے ربّ قدیر وجبّار کے کسی کی مجال نہیں کہ ان کو روک سکے، اور تھامے رکھے۔ ﴿اِنَّهٗ كَانَ حَلِیۡمًا غَفُوۡرًا﴾ تحقیق اللہ تعالیٰ بڑا ہی بردبار ہے، بڑا ہی بخشش والا ہے، پکڑنے میں جلدی نہیں کرتا، معاصی وجرائم کو دیکھ کر انتقام سے کام نہیں لیتا۔

فائدہ جلیلہ:

جمہور علماء اسلام کی رائے یہ ہے کہ نہ آسمان حرکت کرتا ہے، نہ زمین، یہ دونوں ساکن ہیں، اور سارے سیارے وسیارچے متحرک ہیں، اپنے اپنے افلاک اور مدارات میں حرکت کرتے ہیں۔ قدیم فلاسفہ آسمان کو متحرک اور زمین کو ساکن کہتے ہیں، اور جدید فلاسفہ سرے سے آسمان کے وجود ہی کے منکر ہیں، اور زمین کو سورج کے گرد متحرک مانتے ہیں، جس پر ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ مزید تفصیل سورۃ الملک میں ہے۔

☆☆☆

فائدہ:

اس آیت میں کائنات کے تھامنے کا ذکر ماقبل کے ساتھ اس طرح مربوط ہے کہ: ﴿اَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ﴾ فرما کر مشرکین کے باطل معبودوں کو نیست و نابود فرما کر ارشاد فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ یُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا﴾ کہ یہ کائنات اللہ تعالیٰ کے حکم اور قائم رکھنے سے قائم ہے، کوئی فرشتہ یا جن یا نبی یا ولی اس کو قائم رکھے ہوئے نہیں ہے۔ کائنات کو سنبھالنا تو درکنار یہ بے بس بندے تو اپنے وجود کو سنبھالنے پر بھی قادر نہیں ہیں۔ ہر ایک اپنی پیدائش اور رزق وروزی اور اپنے بقاء کے لئے ہر آن اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ منجانب اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دو شیشے دیئے گئے کہ ان کو ہاتھ میں تھامے رکھیں، اور جبریل علیہ السلام کو حکم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کو سونے نہ دو، پس دو تین راتیں تو وہ اس طرح گزار دیں بالآخر نیند کا غلبہ ہوا اور شیشے ہاتھ سے گر کر ریزہ ریزہ ہو گئے، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! بالفرض اگر مجھ پر نیند اور اونگھ آئی تو یہ کائنات علوی اور سفلی شیشے کی طرح ٹوٹ پھوٹ کر شکست وریخت کے ساتھ تباہ ہو جائے۔ [تفسیر عزیزی]

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ لَىِٕنْ جَآءَهُمْ نَذِیْرٌ لَّیَكُوْنُنَّ اَهْدٰی مِنْ اِحْدَی الْاُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِیْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرَا ۣ ﴿۴۲﴾ اسْتِكْبَارًا فِی الْاَرْضِ وَمَكْرَ السَّیِّئِ ؕ وَلَا یَحِیْقُ الْمَكْرُ السَّیِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ؕ فَهَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِیْنَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِیْلًا ﴿۴۳﴾

ترجمہ: اور ان لوگوں نے مضبوطی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی قسم کھائی کہ اگر ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا آئے تو دوسری اُمتوں کے مقابلہ میں ہر ایک سے زیادہ ہدایت پانے والے ہوں گے، پھر جب ان کے پاس ڈرانے والا آ گیا تو ان کی نفرت زیادہ ہوگئی ﴿۴۲﴾ زمین میں تکبر کرنے اور بری تدبیریں اختیار کرنے کی وجہ سے اور بری تدبیر کا وبال اسی پر پڑے گا جو یہ کام کرے، سو کیا وہ پرانے لوگوں کے دستور کا انتظار کر رہے ہیں؟ سو آپ ہرگز اللہ تعالیٰ کے دستور میں تبدیلی نہ پائیں گے، اور آپ ہرگز اللہ تعالیٰ کے دستور میں منتقل ہونا نہ پائیں گے ﴿۴۳﴾

معارف ومنازل

ان آیات میں قریش مکہ کی بدعہدی اور دورُخی کا بیان ہے، جس میں ان کی مذمت اور فریب دہی کا بیان

ہے۔ یہ لوگ سینکڑوں سالوں سے مشرک اور بت پرست تھے، سردیوں کے موسم میں تجارت کے لئے یمن جاتے تھے، اور گرمیوں میں شام کا سفر کرتے تھے۔ ان ملکوں میں اکثر لوگ یا یہودی تھے یا نصرانی، اور جب انہیں پتہ چلا کہ ان دونوں قوموں نے اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کی تکذیب کی ہے تو کہنے لگے کہ یہود و نصاریٰ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو، ان کے پاس اللہ تعالیٰ کے رسول آئے تو انہوں نے انہیں جھٹلا دیا۔ ہم اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ اگر ہمارے پاس کوئی رسول آ گیا تو ان لوگوں سے بڑھ کر ہدایت پر ہوں گے۔ یہ بات انہوں نے حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کی بعثت سے پہلے کہی تھی۔ پھر جب آپ ﷺ کی بعثت ہوئی تو نہ صرف یہ کہ آپ ﷺ کی تکذیب کی، بلکہ تکذیب کے ساتھ تنفر اختیار کر لیا، کیونکہ ایمان لانے کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے۔ اس کے ساتھ انہوں نے آپ ﷺ اور آپ کے دین، اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف طرح طرح کی ناشائستہ تدبیریں کیں، اور قدرت نے ان کی غلط تدبیروں کو انہی کے گلے کا طوق بنا کر انہیں ذلت اور خواری کا شکار بنا کر رسوا کیا، اور وہ ہر محاذ پر ناکام ہوتے گئے، اور اسلام کا پروگرام روز بروز آگے بڑھتا رہا۔

﴿وَاَقۡسَمُوۡا بِاللّٰهِ جَهۡدَ اَيۡمَانِهِمۡ لَٮِٕنۡ جَآءَهُمۡ نَذِيۡرٌ لَّيَكُوۡنُنَّ اَهۡدٰى مِنۡ اِحۡدَى الۡاُمَمِ﴾ اور یہ مشرکین عرب آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے بڑی تاکید کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھایا کرتے تھے، اور یہ کہا کرتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا آ گیا تو ہم ہدایت اختیار کرنے پر پہلی امتوں سے بڑھ کر ہوں گے۔ یعنی یہود و نصاریٰ کی طرح نہ تکذیب کریں گے، اور نہ غلط تدبیر کریں گے، بلکہ ان سے بہتر ہو کر ہدایت قبول کریں گے، جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿وَاِنۡ كَانُوۡا لَيَقُوۡلُوۡنَ لَوۡ اَنَّ عِنۡدَنَا ذِكۡرًا مِّنَ الۡاَوَّلِيۡنَ لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الۡمُخۡلَصِيۡنَ﴾ [الصافات: ۱۶۹] (اور وہ کافر لوگ پہلے کہا کرتے تھے کہ اگر ہمارے پاس پچھلے لوگوں کی طرح کوئی نصیحت کی کتا ہوتی تو ہم بھی ضرور اللہ کے برگزیدہ بندوں میں شامل ہوتے)۔

مشرکین عرب کہتے کہ اگر ہمارے پاس گزشتہ انبیاء کرام علیہم السلام کے علوم ہوتے، یا ہمارے ہاں کوئی نصیحت والی کتاب ہوتی، یا ہمارے لئے کوئی پیغمبر مبعوث ہوتے، تو ہم خوب عمل کر کے دکھاتے، اور معرفت و عبادت میں ترقی کر کے اللہ تعالیٰ کے مخصوص و منتخب بندوں میں شامل ہو جاتے، مگر سرور عالم ﷺ جب تشریف لائے تو یہ بدقسمت اپنی باتوں سے پھر گئے۔ فرمایا:

﴿فَلَمَّا جَآءَهُمۡ نَذِيۡرٌ مَّا زَادَهُمۡ اِلَّا نُفُوۡرَا﴾ پس جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے کامل ترین نذیر

آ گئے، اور اپنے ساتھ ایک عظیم کتاب ہدایت بھی لے کر آئے، تو بد بختوں نے سب کچھ بھلا دیا اور نفرت وانکار پر اتر آئے، اور ان کی گمراہی و بیزاری بڑھ گئی، اور دشمنی پر کمر بستہ ہو گئے۔

﴿اسْتِكْبَارًا فِي الْأَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ﴾ اور زمین میں سرکشی کرنے لگے، اور اس نذیر کے ہلاک کرنے کے لئے طرح طرح کے بُرے بُرے مکر کرنے لگے، اور لوگوں کو ہدایت قبول کرنے سے منع کرنے لگے۔

﴿وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ﴾ اور نہیں گھیرتا برا مکر، مگر خود مکاروں کی جان کو، الٹی چالیں الٹی چال کرنے والوں پر ہی پڑا کرتی ہیں، اور حق کو بری چالوں سے نہیں دبایا جا سکتا۔ جو شخص کسی کے لئے کنواں کھودے گا انجام کار وہ خود اسی میں گر جائے گا۔ ﴿فَهَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا سُنَّتَ الْأَوَّلِينَ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَبْدِيلًا﴾ پس کیا یہ مکار اسی دستور کے منتظر ہیں جو اگلے کافروں اور مکاروں کے ساتھ برتا گیا؟ پس اے پیغمبر! آپ اللہ تعالیٰ کے دستور میں نہ کوئی تبدیلی پائیں گے۔ ﴿وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَحْوِيلًا﴾ اور نہ کوئی تحویل۔ یعنی کافروں سے عذاب کا ٹل جانا کہ کہیں کفار سے عذاب منتقل ہو کسی اور پر۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ دستور ہے کہ کافروں پر عذاب ہوگا، خواہ دنیا و آخرت دونوں میں ہو، یا صرف آخرت میں ہو۔ اور یہ بھی دستور ہے کہ جو عذاب کا مستحق ہو اسی کو عذاب ہوتا ہے، ایسا نہیں کہ ان کو چھوڑ کر کسی دوسری قوم کو عذاب دیا جائے (یہ تحویل کا مطلب ہے) جو مستحق عذاب نہ ہو۔ کفار کے عناد و سرکشی سے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ وہ کسی طرح عذاب کے انتظار میں ہیں، پس آپ ﷺ کا وجود مسعود عذاب کے آنے میں رکاوٹ ہے، لہٰذا ممکن ہے کہ کسی ایسے وقت میں ہو جب آپ ﷺ موجود نہیں ہوں گے۔ واللہ اعلم

❁ ❁ ❁

أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۚ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعْجِزَهُ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ ۚ إِنَّهُ كَانَ عَلِيمًا قَدِيرًا ﴿٤٤﴾ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا مَا تَرَكَ عَلَىٰ ظَهْرِهَا مِنْ دَابَّةٍ وَلَٰكِنْ يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى ۖ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِعِبَادِهِ بَصِيرًا ﴿٤٥﴾

ترجمہ: کیا وہ لوگ زمین میں نہیں چلے پھرے تا کہ دیکھ لیتے کہ ان لوگوں کا کیا انجام ہوا جو ان سے پہلے

تھے؟ اور وہ ان سے قوت میں بڑھے ہوئے تھے، اور آسمانوں میں اور زمین میں اللہ تعالیٰ کو کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی، بلاشبہ وہ جاننے والا ہے، قدرت والا ہے۞ اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کے اعمال کی وجہ سے ان کا مؤاخذہ فرمائے تو زمین کی پشت پر کسی ایک چلنے پھرنے والے کو بھی نہ چھوڑے، اور لیکن وہ ایک میعاد مقررہ تک مہلت دے رہا ہے، سو جب ان کی مقرر میعاد آ جائے گی تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا دیکھنے والا ہے۞

معارف ومنازل

گزشتہ مضمون کا تتمہ ہے کہ جو لوگ حق وصداقت کے ساتھ مکر کرتے ہیں کیا وہ اس حقیقت سے ناواقف ہیں، کیا انہیں گزشتہ اقوام کے انجام بد کا علم نہیں؟ سنت اللہ یہی ہے کہ حق وصداقت کے دشمنوں کو ہمیشہ کے لئے ہلاک کیا جائے، فرمایا: ﴿اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً﴾ کیا یہ کافر زمین میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھیں کہ آخر کیا انجام ہوا ان سے پہلے کافروں کا؟ حالانکہ وہ لوگ ان سے جسامت وقوت اور مال ومنال میں بہت زیادہ تھے، بہت مضبوط تھے، موجودہ کفار ان کے دسویں حصہ میں بھی نہیں، مگر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے انہیں قوت ودولت نہ بچا سکی، تو ان کمزوروں کا کوئی بچانے والا نہیں ہوگا۔

﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ﴾ اور کوئی چیز آسمان اور زمین میں اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتی، اور اس کے حکموں کو روک نہیں سکتی، وہ قدرتوں کا مالک ہے، جسے چاہے عذاب دے اور جسے چاہے مہلت دے، اس کو پوری قوت حاصل ہے۔ ﴿اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا﴾ بلاشبہ وہ بڑے علم والا ہے، بڑی قدرت والا ہے، اس کے علم وقدرت سے کوئی چیز باہر نہیں ہے۔

﴿وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے پکڑ لے تو زمین کی پشت پر کسی جاندار کو زندہ نہ چھوڑے، لیکن وہ اپنے حلم وبردباری کی وجہ سے ہر قسم کے مجرموں کو ایک میعاد مقررہ تک مہلت دیتا ہے، اسی مہلت اور ڈھیل کی بدولت دنیا قائم ہے، اور لوگ ترقی کناں ہیں۔ یہ بات واضح ہے کہ ہر انسان کسی نہ کسی طرح ظالم ہے، خواہ بڑے پیمانہ پر یا چھوٹے اندازہ پر، ظلم کی وجہ سے اگر ظالموں کو بروقت تباہ کیا جائے تو دنیا اپنے وقت سے پہلے تباہ ہو جائے گی، اور یہ اللہ تعالیٰ کو منظور نہیں، اس لئے وہ ہر طرح سے لوگوں کو ڈھیل دیتا ہے۔

﴿وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا﴾ پس جب ان کے ہلاک ہونے کا مقررہ وقت آئے گا، تو ایک لمحہ کی مہلت بھی نہیں ملے گی، اور قضاء وقدر کا فیصلہ نافذ ہوگا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ اپنے سب بندوں کو دیکھنے والا ہے، قیامت کے صور کے اوّل نفخہ کے ساتھ سب مرجائیں گے، پھر دوم نفخہ کے بعد اپنے اپنے اعمال کے مطابق اٹھائے جائیں گے، اہل ایمان جنت میں داخل ہوں گے، اور غیر مسلم سارے دوزخ میں داخل کئے جائیں گے۔

سُوۡرَۃُ یٰسٓ

مکیۃٌ آیاتہا ۸۳ رکوعاتہا ۵

سورۂ یٰس مکی ہے، اس میں تراسی (۸۳) آیتیں، اور پانچ (۵) رکوع ہیں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام:

اس سورت کا نام سورۃ یٰسین ہے، جو اس سورت کا پہلا لفظ ہے، اسی سے یہ نام ماخوذ ہے۔ ترتیب تلاوت میں یہ (۳۶) ویں نمبر پر ہے، اور ترتیب نزول میں (۴۱) ویں نمبر پر ہے۔

نزول:

یہ سورت مکی ہے۔ اس کا نزول سورۃ الجن کے بعد ہے۔

تعداد کلمات وحروف:

اس سورت میں تراسی (۸۳) آیات اور پانچ (۵) رکوع ہیں، اور اس میں کلمات کی تعداد (۷۲۹) اور تعداد حروف (۳۰۹۰) ہے۔

ربط ومناسبت:

(۱) گزشتہ سورت میں اصولِ ثلاثہ، توحید، رسالت اور بعث بعد الموت کا بیان تھا، اس سورت میں بھی انہی اصولِ ثلاثہ کا بیان ہے۔ (۲) تذکیراتِ ثلاثہ کا دونوں سورتوں میں بیان ہے۔ (۳) گزشتہ سورت میں کفار کی قسم:

﴿وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ﴾ کا ذکر تھا، اس سورت میں قسم کے ساتھ سرور عالم ﷺ کی نبوت ورسالت کا اثبات اور بیان ہے۔ (۴) دونوں سورتوں میں ایمان اور کفر کے انجام خیر وشر کا بیان ہے۔

مختصر موضوع:

اصولِ ثلاثہ کا اثبات عقلی ونقلی وآفاقی دلائل سے، اہل ایمان کے لئے انجامِ خیر اور کفار کے لئے انجامِ شر کا بیان ہے، اور روزِ قیامت کے نقشہ کے ساتھ اس کی ہولناکی کا بیان ہے، اہل ایمان کے اکرام وانعام کا بیان، چاند و سورج کے نظام کا تذکرہ ہے۔

فضائل سورت یٰسٓ:

(۱) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس مرنے والے کے پاس سورۂ یٰسین پڑھی جائے تو اس کی موت آسان ہوجاتی ہے۔ [مظهري]

(۲) جو شخص ہر رات بلاناغہ سورۂ یٰسین کی تلاوت کرے گا اس کو شہیدوں کا درجہ یعنی شہادت نصیب ہوگی۔ [فضائل الشهداء]

(۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر چیز کا ایک دل ہوتا ہے، اور قرآن کا دل سورت یٰسین ہے، جو شخص اس سورت کو ایک بار پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کو دس قرآن کا ثواب عطا کرے گا۔ [رواه الترمذي والدارمي والبيهقي]

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو قرآن کا دل فرمایا ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ دل پر زندگی کا دارومدار ہوتا ہے، اور روحانی زندگی کا دارومدار ایمان پر ہے، جس کے اہم ترین بڑے اصول تین ہیں: توحید ورسالت اور قیامت، اس سورت میں ایمان کے ان تین اہم اصول کو (جو دین کا دل اور جان ہیں) نہایت مدلل اور مفصل بیان کیا گیا ہے، اور ان سب کی جڑ آخرت کی فکر اور حشر ونشر کا اقرار اور اس کے لئے تیاری ہے، اور جس طرح دل مدارِ حیات ہے اور سلطان البدن بھی ہے، جس کے بغیر حیات ممکن نہیں، اسی طرح اس سورت کے پڑھنے اور اس پر عمل کرنے سے دائمی حیات اور ابدی زندگی حاصل ہوجاتی ہے، اور اس کے ترک سے کفار کو ابدی تباہی حاصل ہوگی، جو کہ بمنزلہ موت ہے۔ یہ بات سورۂ فاطر میں گزر چکی ہے۔

(۴) جس کسی کو کوئی مشکل درپیش ہو، یا کوئی خاص حاجت ہو، جو باعثِ پریشانی ہو، تو چاہئے کہ وضوء و

طہارت کے ساتھ کچھ مالی صدقہ کرنے کے بعد نہایت عجز وانکساری کے ساتھ اس مبارک سورت کی تلاوت کر کے اس کے وسیلے سے دعا کرے، ان شاء اللہ کام ہو جائے گا، چند بار تکرار کرے، باذن اللہ تعالیٰ۔ سورت یٰسین کے دیگر بہت سے فضائل اور مناقب ہیں، جو بکثرت ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یٰسٓ ۝۱ وَالۡقُرۡاٰنِ الۡحَکِیۡمِ ۝۲ اِنَّکَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ۝۳ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ۝۴
تَنۡزِیۡلَ الۡعَزِیۡزِ الرَّحِیۡمِ ۝۵ لِتُنۡذِرَ قَوۡمًا مَّاۤ اُنۡذِرَ اٰبَآؤُہُمۡ فَہُمۡ غٰفِلُوۡنَ ۝۶

ترجمہ: یٰسٓ ۝۱ قسم ہے قرآن حکیم کی ۝۲ بلاشبہ آپ پیغمبروں میں سے ہیں ۝۳ سیدھے راستے پر ہیں ۝۴ یہ قرآن اسی ذات کی طرف سے نازل کیا گیا ہے جو زبردست رحم والا ہے ۝۵ تاکہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے باپ دادوں کو نہیں ڈرایا گیا، سو وہ غافل ہیں ۝۶

معارف ومنازل

﴿یٰسٓ﴾ کے متعلق علماء تفسیر کے متعدد اقوال ہیں:

(۱) یہ اللہ تعالیٰ جلّ شانہ کا نام ہے۔ (۲) یہ سورت کا نام ہے۔ (۳) قرآن حکیم کے اسماء میں سے ہے۔ (۴) یٰسین کا معنی لغت میں یاانسان ہے، اوراس سے مراد انسان کامل سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (۵) رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء مبارکہ میں سے ہے۔ (۶) ابوبکر ورّاق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اس کے معنی ہیں: یاسید البشر۔

حدیث شریف میں ارشاد ہے: "اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰہُ یُعْطِي"۔ دینے والا اللہ تعالیٰ ہے، بانٹنے والا میں ہوں۔ اس حدیث شریف کے مطابق کائنات کے جسم میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم قلب (دل) کی مانند ہیں، اور سورۂ یٰسین قرآن کا دل ہے، تو کتنا پیارا اور لطیف آغاز ہے اس سورۃ کا کہ قرآن کریم کے دل کو ساری کائنات کے دل کے ذکر سے شروع کیا جارہا ہے۔ [روح المعانی]

﴿وَالۡقُرۡاٰنِ الۡحَکِیۡمِ﴾ مشرکین مکہ بڑی ڈھٹائی کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرتے تھے، اور

طرح طرح کے الزامات لگاتے تھے۔ بڑی شدت سے ان کی تردید فرماتے ہوئے نہایت زوردار الفاظ کے ساتھ آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی قسم کے ساتھ اثبات فرمارہے ہیں۔ فرمایا: قسم ہے اس قرآن حکیم کی جو غایت محکم ہے، اور سراپا علم وحکمت ہے، اس کا ہر حرف علم ومعرفت اور حکمتوں کا سرچشمہ ہے، نہ شعروشاعری کے ساتھ اس کا تعلق ہے، اور نہ سحر وجادو کے ساتھ اس کی مناسبت ہے، خالص ربّ العلمین کا کلام ہے۔

﴿اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ آپ بیشک یقین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں میں سے ہیں۔

﴿عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ اور سیدھے راستے پر ہیں جو ٹھیک اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے، اور اس تک پہنچانے والا ہے۔ صراط مستقیم سے مراد دین حق اور دین اسلام ہے، جو کہ سارے انبیاء کرام علیہم السلام کا راستہ ہے، اور اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ ہے، جسے ربّ العزّت نے تمام تر کامیابیوں اور رشد وفلاح کا ذریعہ بنایا ہے، جس پر چلنے والا سیدھا جنت پہنچے گا، اور اس کے خلاف جتنے کثیر راستے ہیں وہ سب باطل اور شیطانی راستے ہیں، جو جہنم پہنچانے والے ہیں۔

فائدہ:

ان آیات میں قرآن حکیم آپ ﷺ کی نبوت کی سب سے بڑی علمی دلیل ہے، اور یہ سید کائنات ﷺ کی خاص خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی نبوت ورسالت کو قسم کے ساتھ بیان فرمایا، آپ ﷺ کے سوا کسی اور پیغمبر اور رسول کی رسالت کو قسم کھا کر نہیں بیان فرمایا۔

﴿تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ﴾ یہ قرآن حکیم جس پر قسم کھا کر تیرے ربّ نے تیری رسالت پر گواہی دی، یہ کوئی عام کتاب نہیں، بلکہ یہ کائنات کے خالق ومالک، عزیز ورحیم ربّ کی طرف سے تجھ پر نازل شدہ ہے۔ یہ قرآن تیرے ربّ کا کلام اور آپ ﷺ کی رسالت کا گواہ ہے، پھر خلق خدا کی ہدایت کا پیغام ہے۔

﴿لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ﴾ تاکہ آپ ﷺ اس قوم کو عذاب خداوندی سے ڈرائیں جن کے قریبی آباء واجداد اللہ تعالیٰ کے قہر وغضب سے نہیں ڈرائے گئے، پس وہ حق وہدایت سے غافل اور بے خبر ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ مدّت دراز سے سرزمین عرب نور نبوت سے محروم چلی آرہی تھی، صدیاں بیت گئی تھیں اس سرزمین میں کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا تھا، عرصہ دراز تک گمراہ رہنے کے باعث فہم وفکر اور عقل وسمجھ کی قوتیں ناکارہ ہوکر بانجھ ہوکر رہ گئیں، اس لئے انہوں نے سیدالانبیاء ﷺ پر ایمان لانے سے انکار کردیا، اور خواب غفلت میں ڈوبے رہے، اس لئے ان کی ہدایت کے لئے ہادی برحق مبعوث ہوئے۔

لَقَدۡ حَقَّ الۡقَوۡلُ عَلٰۤى اَكۡثَرِهِمۡ فَهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ۝٧ اِنَّا جَعَلۡنَا فِىۡۤ اَعۡنَاقِهِمۡ اَغۡلٰلًا فَهِىَ اِلَى
الۡاَذۡقَانِ فَهُمۡ مُّقۡمَحُوۡنَ ۝٨ وَجَعَلۡنَا مِنۡۢ بَيۡنِ اَيۡدِيۡهِمۡ سَدًّا وَّمِنۡ خَلۡفِهِمۡ سَدًّا فَاَغۡشَيۡنٰهُمۡ
فَهُمۡ لَا يُبۡصِرُوۡنَ ۝٩ وَسَوَآءٌ عَلَيۡهِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ۝١٠ اِنَّمَا تُنۡذِرُ
مَنِ اتَّبَعَ الذِّكۡرَ وَخَشِىَ الرَّحۡمٰنَ بِالۡغَيۡبِ‌ ۚ فَبَشِّرۡهُ بِمَغۡفِرَةٍ وَّاَجۡرٍ كَرِيۡمٍ ۝١١ اِنَّا نَحۡنُ نُحۡىِ
الۡمَوۡتٰى وَنَكۡتُبُ مَا قَدَّمُوۡا وَاٰثَارَهُمۡ‌ ؕ وَكُلَّ شَىۡءٍ اَحۡصَيۡنٰهُ فِىۡۤ اِمَامٍ مُّبِيۡنٍ ۝١٢

ترجمہ: البتہ یہ بات واقعی ہے کہ ان میں سے اکثر لوگوں پر بات ثابت ہو چکی ہے، سو وہ ایمان نہ لائیں گے ۝٧ بلاشبہ ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے ہیں، سو وہ اوپر ہی کو رہ گئے ہیں ۝٨ اور ہم نے ان کے آگے آڑ بنادی، اور ان کے پیچھے آڑ بنادی، سو ہم نے ان کو گھیر دیا، لہٰذا وہ نہیں دیکھ سکتے ۝٩ اور ان کے حق میں بات برابر ہے، آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں، وہ ایمان نہیں لائیں گے ۝١٠ آپ اسی شخص کو ڈرا سکتے ہیں جو نصیحت کا اتباع کرے اور بن دیکھے رحمٰن سے ڈرے، سو آپ اسے مغفرت کی اور اجر کریم کی خوشخبری سنا دیجئے ۝١١ بیشک ہم مردوں کو زندہ کرتے ہیں، اور ان لوگوں نے جو آگے بھیجا اسے، اور ان کے نشانوں کو لکھ لیتے ہیں، اور ہر چیز کو ہم نے ایک واضح کتاب میں پوری طرح لکھ دیا ہے ۝١٢

معارف ومنازل

جب سید کائنات ﷺ اہل مکہ قریش کو توحید کی تبلیغ کرتے تھے تو لوگ شدت کے ساتھ آپ ﷺ کی مخالفت کرتے، اور قسم کھا کر کہتے تھے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے نبی نہیں۔ اسی وجہ سے ان کی قسم کو توڑ کر اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی قسم کھا کر آپ ﷺ کی نبوت کا اعلان فرمایا، اور لوگوں کی تکذیب سے جو رنج آپ ﷺ محسوس کرتے تھے آپ ﷺ کو تسلی دی گئی کہ ان مشرکین میں سے اکثر پر بات ثابت ہو چکی ہے، اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی سرکشی اور شرارتوں کی پاداش میں طے ہو چکا ہے کہ یہ ایمان نہیں لائیں گے، اور عذاب الیم میں ابد الآباد مبتلا رہیں گے، جیسے سورۂ بقرہ کے پہلے رکوع میں تفصیلاً بیان ہوا۔ لہٰذا آپ منصب رسالت کا پورا حق ادا کرتے ہوئے اپنی تبلیغ جاری رکھیں، اور ان کے انکار و سرکشی سے دلگیر نہ ہوں۔

شان نزول:

صاحب روح المعانی اور صاحب مظہری وغیرہ نے بحوالہ دلائل النبوۃ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک روز مسجد حرام میں بلند آواز سے قرآن حکیم پڑھ رہے تھے، قریش مکہ کو اس سے تکلیف ہوئی، وہ لوگ جمع ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب آئے تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پکڑ لیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے خود ان کی پکڑ ہوگئی، ان لوگوں کے ہاتھ ان کی گردنوں تک پہنچ کر جام ہو گئے، اور ان کی آنکھیں بند ہوگئیں، جب ان کا یہ حال ہوا تو سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم آپ کو اللہ تعالیٰ اور قرابت ورشتہ داری کا واسطہ دیتے ہیں کہ ہمیں معاف کرو، اور دعا بھی کیجئے کہ ہماری مصیبت دور ہو جائے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لئے دعا کر دی، جس سے ان کی وہ حالت ختم ہوگئی، اور یہ آیات نازل ہوئیں۔ لیکن ان میں سے ایک شخص بھی ایمان نہ لایا۔ صاحب روح المعانی اور دوسرے حضرات نے ایک دو واقعات اور بھی نقل کئے ہیں، لیکن مطلب سب کا ایک ہی ہے۔

امام قرطبیؒ نے بعض علماء کرام سے آیت کا یہ مفہوم نقل کیا ہے، اور بتایا ہے کہ اہل کفر کے ساتھ یہ معاملہ قیامت کے بعد دوزخ میں ہوگا۔ انہوں نے سورۂ غافر کی اس آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے: ﴿اِذِ الْاَغْلٰلُ فِیْۤ اَعْنَاقِهِمْ وَ السَّلٰسِلُ﴾ [غافر:۷۱] (جب ان کے گلوں میں طوق اور زنجیریں ہوں گی انہیں گھسیٹا جائے گا)۔

بظاہر یہ رائے بھی ٹھیک ہے، اور بہت سے مفسرینؒ نے اس کو ایک تمثیل قرار دیا ہے، اور اس کے بعد جو:

﴿مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ سَدًّا﴾ وارد ہے اس کو بھی تمثیل پر محمول کیا ہے، پس دونوں مثالوں کا خلاصہ یہ ہوگا:

پہلی مثال میں یہ فرمایا کہ ان کی مثال ایسی ہے کہ جس کی گردن میں ایسے طوق ڈال دیئے گئے ہوں کہ اس کا چہرہ اور آنکھیں اوپر اٹھ جائیں، یہ طوق ٹھوڑی تک ہو، جس کی وجہ سے وہ شخص نیچے نہ دیکھ سکے، اور کوئی راستہ معلوم نہ ہونے کے سبب کسی کھڈ میں گر جائے اور ہلاک یا زخمی ہو جائے۔ دوسری مثال یہ دی کہ جیسے کسی شخص کے چاروں طرف دیواریں کھڑی کر دی گئی ہوں، اوپر سے بھی پردہ ڈال دیا گیا ہو، اب یہ شخص ہر طرف سے محصور ہو کر باہر کی دنیا اور تمام چیزوں کو نہیں دیکھ پاتا۔ دراصل یہ پردہ اور چار دیواری ان کی جہالت وسرکشی کے پردے ہیں، اور پہلی مثال میں طوق اور سروں کا اوپر ہونا یہ ان کے کبر وغرور کی مثال ہے، جس کی وجہ سے وہ نیچے دیکھنے سے متنفر ہیں۔

﴿لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰۤى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ﴾ تحقیق ان میں سے اکثر پر یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ آپ کی تمام تر مساعی اور کوششوں کے باوجود وہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آخر دم تک وہ

ایمان نہ لائے، کیونکہ: ﴿اِنَّا جَعَلْنَا فِیْۤ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِیَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ﴾ ہم نے ان منکرین کے گلوں میں طوق ڈال دیئے ہیں، جو یہ ان کی ٹھوریوں تک پہنچ چکے ہیں، جن کی وجہ سے ان کے سر اور چہرے اوپر اٹھے ہوئے ہیں، وہ نیچے کچھ نہیں دیکھ سکتے ہیں، صرف اوپر اوپر دیکھ کر تکبر وغرور سے چل رہے ہیں۔ بھلا ایسے لوگوں کو کہاں ایمان نصیب ہوگا؟ یہ پہلی مثال ان کے تکبر وغرور کے اظہار کے لئے تھی۔ اب دوسری مثال میں فرمایا:

﴿وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَیْنٰهُمْ فَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ﴾ اور ہم نے ان کے آگے بھی دیوار کی رکاوٹ کھڑی کردی ہے، اور ان کے پیچھے ایسی ہی دیوار کی رکاوٹ ہے، اور ہم نے ان کو اوپر سے ڈھانپ دیا ہے، سو وہ نہیں دیکھ سکتے۔ ظاہر ہے جب کوئی ہر طرف سے کسی خیمہ میں محصور ہو اُسے کچھ بھی دکھائی نہیں دے گا، وہ ہر طرف سے اندھیریوں میں محبوس ہو کر ہاتھ پاؤں مارے گا، مگر اس کا کوئی مطلب پورا نہ ہوگا۔ یاد رہے یہ ظاہری پردوں کی مثال ہے، اور باطنی ظلمتیں اس کے علاوہ ہیں، تب ہی تو فرمایا: ﴿لَا یُبْصِرُوْنَ﴾ نہیں دیکھ سکتے، اور ﴿لَا یُؤْمِنُوْنَ﴾ ایمان نہیں لائیں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑے حریص اور خواہش مند ہوتے تھے کہ لوگ کثرت کے ساتھ ایمان قبول کرلیں، اس پر فرمایا: ﴿وَسَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ﴾ آپ کی طرف سے ان کو ڈرانا اور نہ ڈرانا برابر ہے، وہ ایمان نہیں لائیں گے، اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی استعداد اور صلاحیت کو انہوں نے اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے ضائع کیا ہے، جس کی پاداش میں وہ سب کچھ ضائع و برباد کر کے کھو چکے ہیں، وہ:

﴿خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ﴾ کی زد میں ہیں۔ جب انسان باطنی نور سے محروم ہوتا ہے تو ہزاروں پردے اور بھیانک حجاب اس کے قلب پر مسلط ہو جاتے ہیں، پھر وہ جانوروں کی جماعت کا فرد بن جاتا ہے، اور اگر نور باطنی (ایمان وتقویٰ) اسے حاصل رہیں گے تو ترقی کر کے فرشتہ صفت بن جاتا ہے، اسی کی طرف اشارہ ہے:

﴿اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِیَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَیْبِ ۚ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِیْمٍ﴾ آپ کا ڈرانا ان لوگوں کے لئے مفید ہو سکتا ہے جن کی فطری استعداد برقرار ہے، جس کی وجہ سے وہ نصیحت کی پیروی کرتے ہیں، اور حق تعالیٰ رحمٰن عزّوجل سے بن دیکھے ڈرتے ہیں۔ مراد بالغیب ڈرنے کا یہ ہے کہ بالغیب پر ایمان لاتے ہیں، جیسا کہ یہ مؤمنوں کی ایمانی صفت ہے۔ پس: ﴿فَبَشِّرْهُ﴾ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت اور اجر کریم، یعنی عزت والے ثوابوں کی خوشخبری سنا دیں۔ چونکہ اجر وثواب کا تعلق قیامت کے ساتھ ہے، تو فرمایا:

﴿اِنَّا نَحۡنُ نُحۡیِ الۡمَوۡتٰی وَنَكۡتُبُ مَا قَدَّمُوۡا وَاٰثَارَهُمۡ﴾ بیشک ہم مردوں کو زندہ کریں گے، تا کہ حساب و کتاب کا نظام جاری ہو، اور ہم یہاں لکھتے ہیں جو کچھ انہوں نے دنیوی زندگی کے دوران آنے والی زندگی کے لئے آگے بھیجا، اور ان کے نشانات بھی لکھتے ہیں، تا کہ انہی کی روشنی میں ثواب وعقاب کا فیصلہ ہو، اور لکھی ہوئی کتاب بحیثیت عمل نامہ ہر شخص کے ہاتھ میں ہو، جسے وہ خود پڑھ لے اور اندازہ لگائے۔ اور آثار سے مراد وہ اچھی اور بری چیزیں ہیں جنہیں مرنے والا شخص پیچھے چھوڑ جاتا ہے، جنہیں آثار طاعت اور آثار معصیت سے تعبیر کرتے ہیں۔ کوئی خیر کا اثر چھوڑ کر مسلسل ثواب حاصل کرتا ہے، اور کوئی عمل بد چھوڑ کر متواتر عذاب کماتا ہے، وغیرہ۔

حدیث میں ارشاد گرامی ہے کہ جب کوئی شخص دنیا سے چلا جاتا ہے تو اس کا اعمال نامہ بند کر دیا جاتا ہے، البتہ تین چیزیں ایسی ہیں (آثار انہی چیزوں کو کہتے ہیں) کہ ان کا ثواب مرنے کے بعد بھی برابر جاری رہتا ہے: ایک صدقہ جاریہ، جیسے مسجد، مدرسہ، ہسپتال، پانی کا کنواں، مسافر خانہ وغیرہ۔ دوسری چیز علم نافع ہے، اس سے دینی علم مراد ہے جو کہ انبیاء کرام علیہم السلام کا ورثہ ہے، دنیاوی علم شیطان کا ورثہ ہے، اس کے پڑھنے پڑھانے سے دل سیاہ ہو جاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے اور شیطان خوش ہوتا ہے، یہ جہنمیوں کا ورثہ ہے۔ اس وقت انگریزی تعلیم والوں نے مادیت کا کلوروفارم سونگھ رکھا ہے، اور اس جہالت کی تعلیم کو علم کہتے ہیں، اور پڑھنے والوں کو طالب علم کہتے ہیں، اور بڑے فخر سے اس علم کی اشاعت بھی کرتے ہیں۔ ان شاء اللہ مرنے کے بعد جب نشہ اتر جائے گا تو خوب پتہ چلے گا کہ ہم دنیا میں کیا بکواس کرتے رہے ہیں۔ درحقیقت علم نافع انبیاء کرام علیہم السلام کا علم ہے، جس کے پڑھنے پڑھانے والوں کے پاؤں کے نیچے نورانی فرشتے اپنا پر بچھاتے ہیں۔ [مشکوٰۃ]

اور آسمان و زمین کی ساری مخلوقات حتیٰ کہ چیونٹیاں بلوں میں اور مچھلیاں سمندروں میں علماء قرآن وحدیث کے لئے استغفار کرتے ہیں۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ”محشر کے میدان میں اللہ تعالیٰ شانہ اپنے سب بندوں کو جمع فرمائیں گے، پھر ان میں سے علماء امت کو ایک ممتاز مقام پر جمع فرما کر کہیں گے: ”اِنِی لَمۡ اَضَعۡ عِلۡمِی فِیۡكُم لِعِلۡمِی بِكُمۡ وَلَمۡ اَضَعۡ عِلۡمِی فِیۡكُم لِاُعَذِّبَكُم اِنۡطَلِقُوۡا قَدۡ غَفَرۡتُ لَكُمۡ“۔ [مسند إمام أعظم، مظهري] ترجمہ: یعنی میں نے اپنا علم تمہارے دلوں میں اسی لئے رکھا تھا کہ میں تم سے واقف تھا (کہ تم اس امانت کا حق ادا کرو گے) میں نے اپنا علم تمہارے سینوں میں اس لئے نہیں رکھا تھا کہ تمہیں عذاب دوں، جاؤ (جنت) میں نے تمہاری مغفرت کر دی۔ [مظهري]

تیسری چیز نیک اولاد ہے، جو مرنے والے والدین کے لئے بخشش کی دعائیں کرتی ہے، مگر ان باقیات الصالحات میں سب سے مقدم اور سرفہرست علماء ربانی ورثۃ الانبیاء کرام علیہم السلام کا مقام ہے، جنہیں اہل دنیا نے اپنے ناپاک معاشرے میں نظر انداز کیا ہوا ہے، یہی ان کی حقانیت اور ورثۃ الانبیاء ہونے کا ثبوت اور نشانی ہے کہ عوام الناس انہیں نظر انداز کریں گے۔ اس منحوس دنیا والوں کے پاس ان کی ہدایت وخوشحالی کے لئے سوا لاکھ پیغمبر علیہم السلام تشریف لائے، مگر دنیا والوں نے کسی ایک پیغمبر کا استقبال بھی نہیں کیا، اور سارے انبیاء کرام علیہم السلام کی تکذیب پر کمر بستہ رہے۔ آج اگر اس معاشرہ میں لوگ علماء سے بیزار اور دور ہوں تو علماء کو خوش ہونا چاہئے کہ ہم اس بیکسی میں انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ برابر کے شریک ہیں۔ علامہ حافظ ابن تیمیہؒ نے یہی تجزیہ کیا ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کے صحیح جانشین اور حقیقی وارث وہ علماء ہیں جو کہ عوام کے نزدیک معتوب اور بیکس ہیں، جن کا عوام الناس اور معاشرہ میں کوئی مقام نہیں، خاص کر سرمایہ داروں میں۔

﴿وَكُلَّ شَيۡءٍ اَحۡصَيۡنٰهُ فِيۡۤ اِمَامٍ مُّبِيۡنٍ﴾ ہم نے انسان کی ہر چیز کو کھلی کتاب میں شمار کر رکھا ہے۔ اس سے مراد لوح محفوظ ہے۔ یہ سارے اعمال نامے قیامت کو پیش ہوں گے، پھر فیصلہ صادر ہو جائے گا۔

وَاضۡرِبۡ لَهُمۡ مَّثَلًا اَصۡحٰبَ الۡقَرۡيَةِ ۘ اِذۡ جَآءَهَا الۡمُرۡسَلُوۡنَ ﴿۱۳﴾ اِذۡ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلَيۡهِمُ اثۡنَيۡنِ فَكَذَّبُوۡهُمَا
فَعَزَّزۡنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوۡۤا اِنَّاۤ اِلَيۡكُمۡ مُّرۡسَلُوۡنَ ﴿۱۴﴾ قَالُوۡا مَاۤ اَنۡتُمۡ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُنَا ۙ وَمَاۤ اَنۡزَلَ الرَّحۡمٰنُ
مِنۡ شَيۡءٍ ۙ اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا تَكۡذِبُوۡنَ ﴿۱۵﴾ قَالُوۡا رَبُّنَا يَعۡلَمُ اِنَّاۤ اِلَيۡكُمۡ لَمُرۡسَلُوۡنَ ﴿۱۶﴾ وَمَا عَلَيۡنَاۤ اِلَّا الۡبَلٰغُ
الۡمُبِيۡنُ ﴿۱۷﴾ قَالُوۡۤا اِنَّا تَطَيَّرۡنَا بِكُمۡ ۚ لَئِنۡ لَّمۡ تَنۡتَهُوۡا لَنَرۡجُمَنَّكُمۡ وَلَيَمَسَّنَّكُمۡ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۱۸﴾
قَالُوۡا طَآئِرُكُمۡ مَّعَكُمۡ ؕ اَئِنۡ ذُكِّرۡتُمۡ ؕ بَلۡ اَنۡتُمۡ قَوۡمٌ مُّسۡرِفُوۡنَ ﴿۱۹﴾

ترجمہ: اور آپ ان کے سامنے بستی والوں کا قصہ بیان کیجئے، جبکہ ان کے پاس رسول آئے ﴿۱۳﴾ جبکہ ہم نے ان کے پاس دو پیغمبروں کو بھیجا، سو انہوں نے انہیں جھٹلا دیا، پھر ہم نے تیسرے رسول کے ذریعہ ان کو تقویت دیدی، ان تینوں نے کہا کہ ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں ﴿۱۴﴾ ان لوگوں نے کہا کہ تم تو ہماری ہی طرح کے آدمی ہو، اور رحمٰن نے کچھ بھی نازل نہیں کیا، تم تو جھوٹ ہی بول رہے ہو ﴿۱۵﴾ انہوں نے کہا بلاشبہ یہ بات واقعی ہے کہ ہم تمہاری

طرف بھیجے گئے ہیں ﴿۱۶﴾ اور ہماری ذمہ داری صرف یہی ہے کہ کھول کر بات پہنچا دیں ﴿۱۷﴾ ان لوگوں نے کہا کہ بیشک ہم تو تمہیں منحوس سمجھتے ہیں، اگر تم باز نہ آئے تو ہم تمہیں پتھر مار مار کر ہلاک کر دیں گے، اور ہماری طرف سے ضرور بضرور تمہیں دردناک تکلیف پہنچے گی ﴿۱۸﴾ انہوں نے کہا کہ تمہاری نحوست تمہارے ساتھ ہے، کیا اس بات کو تم نے نحوست سمجھ لیا کہ تم کو نصیحت کی گئی؟ بلکہ بات یہ ہے کہ تم حد سے بڑھ جانے والے لوگ ہو ﴿۱۹﴾

معارف ومنازل

ان آیات میں ایک بہت ہی مختصر واقعہ مذکور ہے، جو آیت نمبر (۱۳) سے شروع ہو کر آیت نمبر (۲۹) پر ختم ہوتا ہے، اور سورت کی نسبت سے اس کو واقعہ اصحاب یٰسٓین، اور آیات کے اسلوب بیان کے مطابق واقعہ اصحاب قریہ کہتے ہیں۔

قرآن کریم نے اس واقعہ کے متعلق صرف اس قدر بتایا ہے کہ گزشتہ زمانہ میں ایک بستی میں کفر وشرک اور شر وفساد کو دور کرنے اور رشد وہدایت کا سبق دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے دو پیغمبروں کو مامور کیا، انہوں نے اہل قریہ کو توحید کی تلقین کی، اور صراط مستقیم کی جانب دعوت دی، لیکن بستی والوں نے ان دونوں کو جھٹلایا، تب ہم نے ایک ہادی کا اور اضافہ کر دیا، اور وہ تینوں مل کر ایک جماعت ہو گئے۔ اب تینوں نے انہیں یقین دلایا کہ بلا شبہ ہم اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہیں، مگر بستی والوں نے نہ مانا، اور ان کا مذاق اڑایا کہ تم بھی آدمی اور ہم بھی آدمی، پھر تمہارے اندر وہ کونسی عجیب بات ہے کہ تم پیغمبر بنا دیئے گئے؟ یہ سب تمہارا جھوٹ اور تمہاری سازش ہے۔

انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ اس کا شاہد ہے کہ ہم جھوٹے نہیں، وہ دانا وبینا ذات اس کو خوب جانتا ہے، مگر تم پھر بھی نہ مانتے، تو ہمارا کام اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا پیغام تم تک پہنچا دیں۔

بستی والے کہنے لگے: ہم تم کو منحوس سمجھتے ہیں کہ تم نے خواہ مخواہ ہمارے یہاں آ کر افراتفری پیدا کر دی، اور اگر تم اس سے باز نہ آئے تو ہم تم تینوں کو پتھر مار مار کر ہلاک کر دیں گے، یا سخت قسم کی تکالیف میں بتلا کر دیں گے۔

انہوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے نحوست تو تم خود اپنے اوپر لا چکے ہو، اس سے زیادہ نحوست اور کیا ہو سکتی ہے کہ تم نصیحت اور خیر خواہی قبول نہیں کرتے؟ بلکہ حد سے تجاوز کرتے ہو۔

ان رسولوں کے متعلق علماء تفسیر کے دو قول ہیں: پہلا قول یہ ہے کہ یہ تینوں رُسل مستقل پیغمبر نہ تھے جو صاحب

وحی ہوں، بلکہ یہ تینوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری اور نمائندہ ایلچی تھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ تینوں اشخاص بلا واسطہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسول تھے۔ بہرحال واقعہ اپنے لحاظ سے صحیح ہے، اس اختلاف سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

﴿وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ﴾ اے پیغمبر! آپ اہل مکہ کو سمجھانے کی خاطر ان جیسے سرکشوں ''اہل قریہ'' بستی والوں کی مثال بیان فرمادیجئے۔ ﴿اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ﴾ جب اس بستی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول آئے۔ اس بستی کے متعلق مفسرین حضرات فرماتے ہیں کہ یہ انطاکیہ تھا۔ قریہ کا اطلاق چھوٹی بڑی ہر قسم کی بستی پر ہوتا ہے۔ اس بستی کو بہت پہلے سکندر اعظم نے آباد کیا تھا۔

﴿اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا﴾ جب ہم نے بھیجا اس بستی میں دو مرسلین، تو ان دونوں کو بستی والوں نے جھٹلا دیا، چنانچہ: ﴿فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ﴾ ہم نے ان دونوں کی تائید اور تقویت کے لئے ایک تیسرے رسول کو بھی بھیجا تاکہ یہ پیغمبران دونوں کی تائید کریں اور ان کی جماعت بھی مضبوط ہو۔

﴿فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ﴾ پس ان تینوں رسولوں نے بستی والوں سے کہا کہ ہم تینوں من جانب اللہ تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں، تاکہ تمہیں اللہ تعالیٰ کا پیغام سنائیں۔ بستی والوں نے جواب میں یہ کہا:

﴿قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا﴾ تم کچھ نہیں سوائے اس کے کہ تم ہم ہی جیسے آدمی ہو، تم کو ہم پر کوئی خاص فضیلت و برتری نہیں، تم کیسے پیغمبر بنے رہے؟ اس کی کوئی وجہ نہیں۔ منکرین رسالت کا ہمیشہ اعتراض رہا ہے کہ نبی انسان نہیں ہونا چاہئے، وہ نبی کو اپنے جیسا انسان کہتے تھے، حالانکہ نبوت میں جو کمال واستعداد و شرف و برتری اور عقل و دانش اللہ تعالیٰ نے رکھی ہے وہ اربوں انسانوں پر بھاری ہے۔

دوسرا اعتراض یہ کرتے تھے کہ نبوت کے منصب کے لئے بھاری بھرکم سردار اور مالدار و جاگیردار لوگ موزون ہیں، اور اہل مکہ بھی یہی غلط رٹ لگاتے رہتے: ﴿لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ﴾ [الزخرف: ۳۱] (یہ قرآن دو بستیوں (مکہ اور طائف) کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل کیا گیا؟)۔

منصب نبوت ورسالت کے لئے کیا ابوطالب کا یتیم ہی بھیجنا رہ گیا تھا؟ جس کے پاس نہ مال ہے، نہ دولت ہے، نہ کوٹھی، نہ بنگلہ ہے، نہ نوکر وچاکر ہیں، نہ زمین و باغات ہیں، نہ فوج و پولیس ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مشرکین کے لئے نبوت کو تسلیم کرنے میں ہمیشہ حجابِ بشریت مانع رہا ہے۔

فائدہ:

اہل قریہ کا نبیوں پر اعتراض کہ تم ہمارے جیسے بشر ہو، اس سے ان حضرات کے لئے واضح دلیل ہے جو ان مرسلین کو بلاواسطہ پیغمبر مانتے ہیں، اور حواری و نائب نہیں کہتے کیونکہ اگر وہ عیسیٰ علیہ السلام کے حواری ہوتے تو وہ بشریت کا اعتراض نہ کرتے۔ یہ بات اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں ڈال دی، جو میں نے لکھ دی اور مزید سیاق و سباق بھی اس کی تائید کرتا ہے کہ معنی حقیقی رسول کا مراد ہے۔

﴿وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَیْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ رحمٰن نے بشر پر کوئی چیز نازل نہیں کی، تمہارا یہ دعویٰ غلط ہے کہ ہم پر وحی کا نزول ہوتا ہے، تم جھوٹ بولتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں نبی بنا کر بھیجا ہے۔ اس کے جواب میں مرسلین نے فرمایا: ﴿قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ﴾ ہمارا پروردگار جانتا ہے کہ ہم اس کے بھیجے ہوئے رسول ہیں تمہاری طرف۔ جس قدر لوگوں نے زوردار الفاظ میں ان کی نبوت کا انکار کیا اسی قدر شدت سے پیغمبروں نے جواب بھی دیا۔ ﴿وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴾ اور ہماری ذمہ داری صرف اتنی ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کا پیغام کھول کر پہنچا دیں، اور کسی کو منوانا ہمارے ذمہ نہیں، ہدایت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

﴿قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ پس بستی والوں نے کہا کہ بیشک ہم نے تم کو منحوس پایا، وہ یہ کہ تمہاری آمد سے ہم دو فرقوں میں تقسیم ہو گئے، کچھ تمہارے حامی اور دیگر تمہارے مخالف، اس کے علاوہ تمہارے آنے کے بعد ہم پر بارش بند ہو گئی اور کھیتیاں تباہ ہو گئیں۔ پھر انہوں نے گستاخانہ انداز میں کہا کہ اگر تم اپنی اس تبلیغ سے باز نہ آئے تو ہم تمہیں پتھر مار مار کر ہلاک کر دیں گے، یا تمہیں دردناک سخت قسم کا عذاب دیں گے۔ اس پر پیغمبروں نے جواب دیا:

﴿قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ﴾ تمہاری نحوست اور شگون بد سب تمہارے ساتھ ہے، تمہاری نحوست یا قحط سالی یا بے اتفاقی جو کچھ ہے تمہارے کفر و شرک کی وجہ سے ہے، تمہاری تباہی ہماری وجہ سے نہیں، جب تم نے خدا کے پیغام کی بے احترامی کی تو تم پر مصیبت آ گئی۔ ﴿اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ﴾ کیا محض اس لئے کہ ہماری طرف سے تم کو نصیحت کی گئی ہے؟ جس کو تم نحوست سمجھ کر ہمیں الزام دیتے ہو، بلکہ تم پر جو عذاب آیا ہے وہ اس وجہ سے کہ تمہاری شامت اعمال کا نتیجہ ہے، وہ یہ: ﴿بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ﴾ تم خود حد سے گزر جانے والے لوگ ہو، یہی سبب ہے تمہارے قحط کا، نہ کہ ہماری تذکیر و نصیحت وغیرہ۔

وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِیْنَةِ رَجُلٌ یَّسْعٰی قَالَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۲۰﴾ اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا یَسْئَلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۱﴾

ترجمہ: اور ایک شخص اس شہر کے دور والے مقام سے دوڑتا ہوا آیا، اس نے کہا کہ اے میری قوم! ان فرستادہ آدمیوں کا اتباع کرو﴿۲۰﴾ ایسے لوگوں کی راہ پر چلو جو تم سے کسی اجرت کا سوال نہیں کرتے، اور وہ خود راہِ ہدایت پر ہیں﴿۲۱﴾

﴿الجزء الثالث والعشرون﴾

وَمَا لِيَ لَآ أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٢٢﴾ ءَأَتَّخِذُ مِن دُونِهِ آلِهَةً إِن يُرِدْنِ الرَّحْمَٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ
عَنِّي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا وَلَا يُنقِذُونِ ﴿٢٣﴾ إِنِّي إِذًا لَّفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٢٤﴾ إِنِّي آمَنتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُونِ ﴿٢٥﴾ قِيلَ
ادْخُلِ الْجَنَّةَ ۖ قَالَ يَا لَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُونَ ﴿٢٦﴾ بِمَا غَفَرَ لِي رَبِّي وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُكْرَمِينَ ﴿٢٧﴾ وَمَا أَنزَلْنَا عَلَىٰ
قَوْمِهِ مِن بَعْدِهِ مِن جُندٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَمَا كُنَّا مُنزِلِينَ ﴿٢٨﴾ إِن كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ
خَامِدُونَ ﴿٢٩﴾ يَا حَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَأْتِيهِم مِّن رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿٣٠﴾ أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا
قَبْلَهُم مِّنَ الْقُرُونِ أَنَّهُمْ إِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿٣١﴾ وَإِن كُلٌّ لَّمَّا جَمِيعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُونَ ﴿٣٢﴾

ترجمہ: اور میرے پاس کونسا عذر ہے کہ میں اس کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا فرمایا، اورتم سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ﴿۲۲﴾ کیا میں اس کے سوا ایسے معبود مان لوں کہ اگر رحمٰن مجھے کوئی ضرر پہنچانا چاہے تو ان کی سفارش مجھے ذرا بھی کام نہ دے؟ اورنہ وہ مجھے بچاسکیں ﴿۲۳﴾ اگر میں ایسا کروں توصریح گمراہی میں جاپڑوں گا ﴿۲۴﴾ بیشک میں تمہارے ربّ پر ایمان لاچکا، سوتم میری بات سنو ﴿۲۵﴾ اس سے کہا گیا کہ جنت میں داخل ہوجا، وہ کہنے لگا کہ کاش میری قوم کو یہ بات معلوم ہوجاتی ﴿۲۶﴾ کہ میرے پروردگار نے مجھے بخش دیا، اور مجھے باعزّت بندوں میں شامل فرمادیا ﴿۲۷﴾ اورہم نے اس کے بعداس کی قوم پر آسمان سے کوئی لشکر نازل نہیں کیا، اورنہ ہم اتارنے والے تھے ﴿۲۸﴾ نہیں تھی مگر ایک چیخ، سووہ بجھ کر رہ گئے ﴿۲۹﴾ افسوس ہے بندوں کے حال پر جب ان کے پاس کوئی رسول آیا تو انہوں نے ضرور اس کا مذاق بنایا ﴿۳۰﴾ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم ان سے پہلے بہت سی امتیں ہلاک کر چکے ہیں؟ بیشک وہ ان کی طرف واپس نہیں ہوں گے ﴿۳۱﴾ اور یہ سب مجتمع طور پر ہمارے پاس ضرور حاضر ہوں گے ﴿۳۲﴾

معارف ومنازل

تینوں پیغمبر بستی والوں کوہدایات دے رہے تھے، اور بستی والے مسلسل ان کی تکذیب کر کے انہیں جان سے مارنے کی دھمکی دے رہے تھے، چونکہ یہ واقعہ اوربستی والوں کی شرارت کافی حدتک لوگوں میں چارطرف مشہور ہو چکا تھا کہ ایک شخص اس بستی کی ایک جانب سے جو بہت دورتھی، دوڑتا ہوا وہاں پہنچ گیا، وہ اسی قوم کا فردتھا، اس شخص

نے آتے ہی پیغمبروں کی تائید کی، اور انہیں حق مانتے ہوئے ان پر ایمان لایا، اور بستی والوں سے کہا کہ اے میری قوم! یہ حضرات اللہ تعالیٰ کے سچے پیغمبر ہیں، تم ان کی بات مانو، اور ان کا مکمل اتباع کرو۔ یہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہیں، اور تم سے کسی قسم کے معاوضہ کا سوال نہیں کرتے، اور یہ خود ہدایت پر ہیں، ان پر ایمان لانا تم پر فرض ہے۔ یہ باتیں کہہ کر اس شخص نے پوری قوم کو عبادت خداوندی کی دعوت دی، اور اپنے اوپر (یعنی اپنے بارے میں) بات رکھ کر کہا کہ کیا وجہ ہے کہ میں اس ذات پاک کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا؟ اور یہ کہتا ہوں کہ جس نے پیدا کیا وہی عبادت کا مستحق ہے۔ تم بھی میری طرح اس کی عبادت کا عہد کرلو، اور ہم سب اسی کی طرف لوٹ جائیں گے اور اسی کے حضور میں حساب دیں گے۔

پھر سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے اس نے کہا کہ کیا میں پیدا کرنے والے کے سوا اور معبود تجویز کرلوں؟ اور یہ جو تم نے اس کے سوا معبود بنا رکھے ہیں وہ تو بالکل باطل اور بے حقیقت ہیں۔ اگر رحمٰن جل شانہ مجھے کوئی ضرر پہنچانا چاہے تو یہ مجھ سے ضرر دور کرنا تو درکنار، رحمٰن شانہ کے حضور میں سفارش کے قابل بھی نہیں ہیں، چہ جائیکہ یہ کسی ضرر کو دور کرسکیں۔ اگر تمہاری طرح میں بھی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر غیر اللہ کو معبود بنالوں تو کھلی گمراہی میں پڑ جاؤں گا، پھر اس نے: ﴿اِنِّیْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ﴾ کا اعلان کر کے اپنے ایمان کا اقرار کیا۔

دوسرے یہ بتادیا کہ اللہ تعالیٰ تم سب کا ربّ ہے۔ تیسرے یہ بتادیا کہ رحمٰن کے سوا تمہارے سارے معبود بے حقیقت اور باطل ہیں۔ چوتھے یہ بتایا کہ تم کھلی ہوئی گمراہی میں ہو۔ پانچویں یہ کہا کہ میں صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں گا۔ معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ جب اس شخص نے یہ باتیں کہیں تو سارے لوگ اس پر حملہ آور ہو کر اُسے شہید کردیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اسے پاؤں سے لوگوں نے اتنا روندا کہ اس کی آنتیں نکل پڑیں۔ ؎

خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

﴿وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِیْنَةِ رَجُلٌ یَّسْعٰی﴾ اور ایک آدمی اس شہر کے دور مقام سے دوڑتا ہوا آیا۔ اس شخص کا نام حبیب نجار تھا، یہ بڑھئی تھا۔ یہ شخص مردِ کامل، صادق مسلمان تھا۔ شروع میں جب پیغمبر بستی میں آئے یہ شخص بستی سے باہر رہتا تھا، اور اس نے پہلی ملاقات میں اسلام قبول کیا تھا، چنانچہ انبیاء کرام علیہم السلام کی تائید کے سلسلے میں وہ یہاں بستی میں پہنچا، اور اپنے ایمان کے اظہار کے ساتھ انبیاء کرام علیہم السلام کی تائید کی، اور اپنی قوم کو توحید اور اللہ تعالیٰ

کی عبادت کی دعوت دی، جس کے نتیجے میں وہ شہید ہوئے۔

﴿قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ انہوں نے کہا اے میری قوم! عقل کا تقاضا یہ ہے کہ تم خدا کے ان فرستادوں کا اتباع کرو، اوران کی تصدیق کر کے توحید اختیار کرو، ان کی صداقت کی نشانی یہ ہے کہ یہ صرف خدا کی بندگی کی دعوت دیتے ہیں، اور ہر قسم کے مالی معاوضہ اور اجرت سے کنارہ کش ہیں، تم سے کچھ نہیں مانگتے ہیں اور خود ہدایت یافتہ اور پاکیزہ اعمال والے ہیں، پھر اپنے بارے میں کہا:

﴿وَمَالِيَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ اور آخر مجھے کیا ہوا، میرے پاس کونسا عذر ہے کہ میں اس ذات کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا؟ اور تم سب کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے، پس سوائے اس کی عبادت کے کوئی چارہ اور نجات ممکن نہیں، تو ظاہر ہے کہ جو خالق ہے وہ عبادت کا اصلی مالک اور مستحق ہے، اور یہ بت جو کسی نفع ونقصان کے مالک نہیں وہ کسی عبادت کے بھی حقدار نہیں۔

﴿ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا﴾ کیا میں اپنے خالق اور فاطر کو چھوڑ کر ان عاجز بتوں کو اپنا معبود بنالوں؟ جن کی عاجزی اور بے بسی کا یہ عالم ہے کہ اگر رحمٰن عزّ وجلّ مجھے کسی ضرر اور تکلیف پہنچانے کا ارادہ کرے تو میرے لئے ان بتوں کی نہ تو کوئی سفارش کام آئے، اور نہ یہ بت اپنی طاقت وقدرت سے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے مجھے چھڑا سکیں گے۔

﴿اِنِّيْٓ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ تحقیق اگر ایسی حالت میں مَیں ان کو معبود بنالوں، اور مشکل کشا مان لوں تو صریح گمراہی میں جا پڑوں۔ جب ان بتوں میں کسی قسم کی سفارش تک مفقود ہو تو انہیں معبود بنالینا سوائے حماقت کے کچھ نہیں۔ ہاں! ﴿اِنِّيْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ﴾ تحقیق میں تمہارے پروردگار پر ایمان لے آیا ہوں جس نے تمہیں پیدا فرمایا، سو تم میری یہ بات سن لو، یا یہ کہ میرے ایمان کی بات سن لو، اور تم بھی میری طرح ایمان لے آو۔

بغوی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے حضرات نے کہا کہ جب حبیب نجار نے یہ بات کہی تو سب لوگوں نے بیک حملہ اسے شہید کر دیا، اور وہ جنّت کی راحتوں میں پہنچ گئے۔ فرمایا:

﴿قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ﴾ اور اس کو یہ حکم ہوا کہ جنّت میں داخل ہو جاؤ۔ چنانچہ دخول کے بعد پھر اُسے اپنی قوم کی فکر ہوئی، تو کہا: کاش! میری قوم جانتی کہ ایمان اور اتباع انبیاء کرام علیہم السلام کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے میری بخشش اور مغفرت فرما کر مجھے عباد اللہ الصالحین

عزت وکرامت والوں میں سے بنا دیا۔ اگر میری قوم کو میرا مقام معلوم ہو جائے تو شاید وہ سب ایمان لائیں۔

﴿وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ﴾ اور اس مرد مؤمن کے قتل ہو جانے کے بعد یا تکذیب مرسلین کے بعد، یا اس پورے واقعہ کے بعد ہم نے اس خبیث قوم سے انتقام لینے کے لئے آسمان سے فرشتوں کا کوئی لشکر نہیں اتارا، اور نہ ہمیں اتارنے کی ضرورت تھی، کیونکہ ان کا ہلاک کرنا کچھ مشکل نہ تھا بلکہ: ﴿اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ﴾ ان کی تباہی کے لئے ایک چیخ کافی تھی، جو ہم نے بھیج دی، پس اچانک وہ بجھنے والے ہو گئے۔ فرشتے نے بستی کے اوپر سے زوردار چیخ لگا کر ان کی زندگی کا چراغ ہمیشہ کے لئے بجھا دیا۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتے کو بھیجا، جس نے شہر کے دروازے پر ہاتھ رکھ کر ایسی چیخ ماری کہ سب بستی والوں کے دل پھٹ گئے، قوم ثمود کی طرح تباہ ہوئے۔

﴿يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ اے افسوس! بندوں کی حالت پر کہ جب بھی ان کے پاس اللہ تعالیٰ کا کوئی رسول آیا، انہوں نے اس کے ساتھ ٹھٹھا ہی کیا۔ انبیاء کرام علیہم السلام، اولیا، صلحاء اور علماء، یہ لوگوں کے لئے بڑے محسن ہی ہیں، یہ لوگوں کے نجات دہندہ اور پاک کنندہ ہیں، مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑا کہ ناداں لوگوں نے بجائے احترام اور عزت کے ان پر استہزاء کیا، اور ان کا مذاق اڑایا، جس کے نتیجے میں وہ تباہ و ہلاک ہوئے۔ مزید عبرت کی خاطر ارشاد ہے:

﴿اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ﴾ کیا ان لوگوں نے نہیں دیکھا اور نہیں جانا کہ ان سے پہلے ہم نے کتنی نافرمان قوموں کو ہلاک کیا؟ ﴿اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ﴾ بیشک وہ ان کی طرف لوٹ کر نہیں آئیں گے، کیونکہ وہ ہمیشہ کے لئے تباہ ہو گئے۔ ﴿وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ﴾ اور نہیں کوئی، مگر سب کے سب اجتماعی حالت میں ہمارے سامنے حاضر کئے جائیں گے، اور جزا و سزا کے فیصلے کے بعد اپنے ٹھکانوں میں پہنچ جائیں گے۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ ﴿٣٣﴾ وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ ﴿٣٤﴾ لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ۖ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٣٥﴾

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ خَلَقَ الۡاَزۡوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنۡۢبِتُ الۡاَرۡضُ وَمِنۡ اَنۡفُسِهِمۡ وَمِمَّا لَا یَعۡلَمُوۡنَ ۝۳۶

ترجمہ: اوران لوگوں کے لئے ایک نشانی مردہ زمین ہے، ہم نے اُسے زندہ کیا اور ہم نے اس سے غلے نکالے، سووہ اس میں سے کھاتے ہیں ۝۳۳ اور ہم نے اس میں کھجوروں کے اور انگوروں کے باغ پیدا کئے، اور ہم نے اس میں چشمے جاری کردیئے ۝۳۴ تاکہ وہ اس کے پھلوں سے کھائیں اور اسے ان کے ہاتھوں نے نہیں بنایا، سو کیا وہ شکر ادا نہیں کرتے؟ ۝۳۵ پاک ہے وہ ذات جس نے زمین سے پیدا ہونے والی چیزوں سے ہر قسم کی چیزیں پیدا فرمائیں، اوران لوگوں کی جانوں میں سے، اوران چیزوں میں سے جنہیں یہ لوگ نہیں جانتے ۝۳۶

معارف ومنازل

ان آیات میں مظاہر قدرت کے ضمن میں دلائل قدرت اور توحید الٰہی کا بہترین انداز میں بیان ہے۔ یہ موضوع بڑے پیارے اور دلکش انداز میں قرآن کریم کی مختلف سورتوں کے مختلف مقامات میں مذکور ہے۔ سورۂ ق میں ارشاد ہے: ﴿وَنَزَّلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنۡۢبَتۡنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الۡحَصِیۡدِ ۝۹ وَالنَّخۡلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلۡعٌ نَّضِیۡدٌ ۝۱۰ رِّزۡقًا لِّلۡعِبَادِ وَاَحۡیَیۡنَا بِهٖ بَلۡدَةً مَّیۡتًا كَذٰلِكَ الۡخُرُوۡجُ ۝۱۱﴾ [ق:] (اور اتارا ہم نے آسمان سے پانی برکت والا، پھر اگائے ہم نے اس سے باغ (پھل) اور اناج، جس کا کھیت کاٹا جاتا ہے۔ اور کھجوریں لمبی ان کا خوشہ ہے تہہ بر تہہ، روزی دینے کو بندوں کے، اور زندہ کردیا ہم نے اس سے ایک مردہ بستی کو (دیس کو) یوں ہی ہوگا قیامت کے نکل کھڑے ہونے کا منظر) اور لوگوں کا جبکہ وہ قبروں سے زندہ ہوکر محشر میں جمع ہوجائیں گے۔

﴿وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الۡاَرۡضُ الۡمَیۡتَةُ اَحۡیَیۡنٰهَا وَاَخۡرَجۡنَا مِنۡهَا حَبًّا فَمِنۡهُ یَاۡكُلُوۡنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ایک بڑی نشانی ان کے لئے مردہ (خشک) زمین ہے، جس کو ہم بار بار زندہ کردیتے ہیں بارش کے ذریعہ، نہروں اور دریاؤں کے ذریعہ، کنویں اور ٹیوب ویلوں کے ذریعہ، یہاں تک کہ وہ خشک اور سفید زمین سرسبز وشاداب ہوکر چاروں طرف سے قسم قسم کے پھلوں اور پھولوں سے لہلہاتی ہوئی روح افزا منظر پیش کرتی ہے، جس کے نظارہ کرنے سے پژمردہ دل خوشی محسوس کرتے ہیں۔ یہ منظر سال بھر تمہاری نظروں کے سامنے ہے، اور بعض گرم علاقوں میں دو تین فصل کاشت کرتے اور کاٹتے ہو۔ اب ذرا بتاؤ کہ یہ کس کی قدرت کے کرشمے ہیں؟ پھر صرف زمین کی کھیتیوں میں غور نہ کرو، ذرا اپنے مردہ اور ناپاک منی پر بھی غور کرو کہ میاں بیوی کے نہایت کم چند قطرے جب عورت کے رحم میں

ٹپکتے ہیں تو وہ عورت تمہارے پاس ہے، اس کے پیٹ میں خوبصورت نقشہ بنانے والا کون ہے؟ بچہ تمہارا ہے، لیکن تمہیں ماں باپ کو اس کے نر و مادہ، یا خوب صورت و عقلمند بنانے میں ذرہ برابر اختیار نہیں۔ ان قطرات کو ایک خوبصورت اور پری پیکر شکل وصورت دینے والا کون ہے؟ ﴿هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ﴾ [آل عمران:۶] (وہی ہے جو ماؤں کے پیٹ میں جس طرح چاہتا ہے تمہاری صورتیں بناتا ہے)۔ ﴿فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ﴾ [المؤمنون:۱۴] (برکت والا ہے اللہ جو بہترین پیدا کرنے والا ہے)۔

فرمایا: زمین سے تمہارے کھانے کے لئے ایک نہیں، طرح طرح کے اناج اور کئی قسم کے غلہ، اور دالیں پیدا کرتے ہیں جنہیں تم رغبت سے کھاتے ہو۔ ﴿وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ﴾ اور زمین میں ہم نے کھجوروں اور انگوروں کے باغ پیدا کئے۔ ﴿وَّفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ﴾ اور اس میں چشمے جاری کئے۔

﴿لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ۭ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ﴾ تاکہ لوگ باغوں کے پھلوں سے کھائیں، اور یہ سب کچھ پروردگار عزّ وجلّ کی تخلیق وانعام ہے، جسے لوگوں کے ہاتھوں نے نہیں بنایا، اور نہ ہی انسان ان چیزوں کے بنانے پر قادر ہے، سو اُسے اپنے پروردگار کا شکر ادا کرنا چاہئے، تو کیا وہ شکر نہیں کرتے؟

﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ پاک ہے وہ ذات جس نے جوڑے پیدا کئے سب کے سب۔ جوڑوں سے مراد نر و مادہ بھی ہے، اور انواع واصناف بھی۔ اول: ﴿مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ﴾ یعنی زمین کی پیداوار جو زمین سے پیدا ہوتی ہیں۔ اس کے اصناف وانواع اتنے زیادہ ہیں جنہیں شمار نہیں کیا جاسکتا۔ ماہرین نے سیب کے پندرہ سو اقسام دریافت کرلئے ہیں، علیٰ ہذا القیاس۔

دوسرے: ﴿وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ﴾ انسانوں کی انواع باعتبار شکل وصورت، قد وقامت، علم وہنر، مذہب ونظریات، آداب وخیالات وغیرہ، یہ بھی بے شمار ہیں۔ تیسرے: ﴿وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ جن کو یہ انسان جانتے ہی نہیں، دریا اور خشکی میں اتنی مخلوقات ہیں جنہیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ زمین کے اندر اور سمندروں کی گہرائیوں میں اتنی لاتعداد مخلوقات ہیں، بعضوں کے نزدیک چالیس ہزار، اور بعضوں نے اسی ہزار مخلوقات کا قول کیا۔ واللہ اعلم۔ ﴿وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ﴾ [المدثر:۳۱] (اور تیرے ربّ کے لشکروں کو کوئی نہیں جانتا سوائے اس کے)۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ۚ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۳۸﴾ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ﴿۳۹﴾ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿۴۰﴾

ترجمہ: اوران کے لئے ایک نشانی رات ہے، ہم اس سے دن کو کھینچ لیتے ہیں سو وہ اچانک اندھیرے میں رہ جاتے ہیں ﴿۳۷﴾ اور سورج اپنے ٹھکانے کی طرف چلتا ہے، یہ اس کا مقرر کیا ہوا ہے، جو زبردست ہے، علم والا ہے ﴿۳۸﴾ اور اس نے چاند کے لئے منزلیں مقرر کردیں، یہاں تک کہ وہ کھجور کی پرانی ٹہنی رہ جاتا ہے ﴿۳۹﴾ نہ تو سورج کی مجال ہے کہ وہ چاند کو پکڑلے، اور نہ رات دن سے آگے بڑھ کر پہلے آسکتی ہے، اور سب ایک ایک دائرہ میں تیر رہے ہیں ﴿۴۰﴾

معارف ومنازل

آیات سفلیہ بیان فرمانے کے بعد آیت علویہ کا بیان شروع ہورہا ہے۔ رات اور دن کا تعلق چونکہ سوج کے طلوع اور غروب سے ہے، اس لئے ان دونوں کو بھی آیات علویہ میں ذکر فرمایا۔ ارشاد فرمایا کہ لوگوں کے لئے رات بھی ایک نشانی ہے اور عظیم نعمت بھی ہے۔ دن رات کا نظام قدرت کا ایک ایسا بے مثال نظام ہے جس کی حقیقت سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو سمجھ میں نہیں آئی، اور وہ ذات پاک جہاں کائنات کی ہر چیز کو اپنی وحدانیت اور اُلوہیت پر دلیل قائم کرتی ہے وہاں اس رات کو اور دن کے نظام کو بھی جو کہ سمجھ سے بالاتر ہے اپنی وحدانیت کی نشانی بنائی ہے۔ فرمایا:

﴿وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ۚ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ﴾ اوران کے لئے ایک نشانی رات ہے، ہم اس سے دن کو کھینچ لیتے ہیں، سو وہ اچانک اندھیرے میں رہ جاتے ہیں، یعنی جس جگہ روشنی ہوتی ہے اور دن ہوتا ہے اس جگہ سے ہم روشنی کو کھینچ لیتے ہیں، جب روشنی ختم ہوجاتی ہے تو دن بھی ختم ہوجاتا ہے، اور رات اپنی تاریکی کے ساتھ آجاتی ہے، اور لوگوں پر اندھیرا چھاجاتا ہے، اب ان میں سے کسی میں بھی یہ طاقت نہیں ہے کہ رات کو ختم کرکے دن کی روشنی لے آئے۔ یہ پورا نظام دونوں کے خالق کے ہاتھ میں ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے اس کھال کو اتارلیا تو رات جو کہ پہلے دن کی کھال میں چھپی ہوئی تھی جب کھال اتر گئی تو رات نمودار ہوگئی۔ جس طرح جانور کی کھال کھینچ لینے سے اندر کا گوشت ظاہر ہوجاتا ہے، اسی طرح جب خلا فضاء اور ہوا سے روشنی کھینچ لی گئی، تو اندر سے ظلمت اور تاریکی ظاہر ہوگئی، اور لوگ روشنی سے نکل کر تاریکی میں داخل ہوگئے۔

یہ سب کچھ تکوینی نظام کے تحت ہوگا، یہاں تک کہ جب رات کی مدت پوری ہوگئی تو رات کی کھال کھینچ کر اس سے دن کی روشنی نمودار فرمائیں گے۔ یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ سورۃ الفرقان میں فرمایا: ﴿وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ خِلْفَةً﴾ [الفرقان: ۶۲] (اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جو رات اور دن کو ایک دوسرے کے آگے پیچھے آنے والا بنایا ہے)۔

﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا﴾ اور سورج اپنی قرار گاہ، یعنی اپنے ٹھکانے کی طرف چلتا رہتا ہے، رواں دواں ہے۔ سورج کے مستقر دو ہیں: ایک زمانی ہے، دوسرا مکانی ہے، یہاں دونوں مراد ہیں۔ مستقر زمانی کا مطلب یہ ہوگا کہ سورج اپنے مقررہ وقت تک رواں دواں رہے گا، اور قیامت کو اپنے مستقر پر پہنچ کر ختم ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ﴾ [التکویر: ۱] (جب سورج کے نور کو لپیٹ دیا جائے گا) یعنی اُسے بے نور کیا جائے گا۔ اور اگر مستقر سے مراد مستقر مکانی ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ سورج اپنے مدار میں مقررہ رفتار سے سفر کر رہا ہے، اور ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ اس کی رفتار ہے۔

صحیحین میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس وقت سورج غروب ہوا تو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ابوذر! جانتے ہو کہ یہ کہاں چلا جاتا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو معلوم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ جا کر عرش الٰہی کے نیچے سجدہ کرتا ہے، اور آگے چلنے کی اجازت مانگتا ہے، تو اس کو سفر جاری رکھنے کی اجازت دے دی جاتی ہے، لیکن عنقریب ایک ایسا وقت آئے گا کہ یہ سجدہ کرے گا، مگر اس کو اجازت نہیں ملے گی، اور اسے حکم ہوگا کہ جہاں سے آئے ہو، وہیں واپس لوٹ جاؤ، چنانچہ وہ لوٹ کر مغرب سے طلوع کرے گا۔ جب لوگ یہ ماجرا دیکھیں گے تو ایمان لائیں گے، مگر یہ ایمان قبول نہ ہوگا، اور ایمان کا وقت گزر چکا ہوگا، توبہ کا دروازہ بند ہوگا۔ [متفق علیہ]

بعض لوگ اس پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ جب سورج اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کرتا ہے تو رک کر ہی ایسا کرتا ہوگا (سجدہ)؟

جواب: علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ سورج کی سجدہ ریزی کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص خواب میں کئی ایک امور انجام دیتا ہے، مگر جسم میں اس کے دل کی حرکت اور اس کے ساتھ زندگی کا تعلق برابر قائم رہتا ہے، اور اس میں فرق نہیں آتا، اسی طرح سورج بھی اپنے کام میں خلل ڈالے بغیر اللہ تعالیٰ شانہ کو ہر رات

سجدہ کرتا ہے۔[روح المعاني]

اس کے علاوہ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دیگر صاحب علم وحکمت حضرات فرماتے ہیں کہ سورج اپنے سفر کے دوران ہر ہر لمحہ اپنے سفر کے تسلسل کی اجازت طلب کرتا ہے، بغیر اجازت ایک انچ بھی آگے نہیں بڑھتا، بس اس کی اجازت طلبی کا نام ہی سجدہ ہے۔[دروس القرآن]

اور یہ بات بھی واضح ہو کہ اس سجدہ میں سورج تنہا نہیں ہے، بلکہ کائنات کی ہر چیز، خواہ از قبیل جمادات ہو، نباتات میں سے ہو، علویات ہوں، اور سفلیات، انسانوں کی طرح سجدہ بھی کرتے ہیں، اور تسبیح بھی پڑھتے ہیں، مگر ہر ایک کا سجدہ اور تسبیح اسی کے ساتھ مخصوص ہے، جسے ہم نہیں جان سکتے، لہٰذا ان کی تسبیح اور سجدے کو اپنے سجدے پر قیاس نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ ہر ایک کے سجدے کی نوعیت دوسروں سے مختلف ہے، فرمایا: ﴿وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ﴾ [الرحمٰن: ٦] (بیلیں اور درخت سب اس کے آگے سجدہ کرتے ہیں)۔

﴿ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ﴾ یہ غالب اور علم والے خدا کا مقرر کیا ہوا نظام ہے۔

﴿وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ﴾ اور چاند کی سیر اور رفتار کے لئے ہم نے منزلیں مقرر کی ہیں، یہاں تک کہ اخیر ماہ میں چاند کھجور کی پرانی ٹہنی کی طرح باریک اور پتلا اور کمان کی طرح ٹیڑھا ہوجاتا ہے۔ چاند سورج کی طرح ہمیشہ ایک حال پر نہیں ہوتا، بلکہ روزانہ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی اٹھائیس منزلیں مقرر فرمائی ہیں، اور قمری مہینوں کا دارومدار اسی چاند پر ہے۔ چاند سورج مہینے کے آخر میں ملتے ہیں، تو چاند چھپ جاتا ہے، جب آگے بڑھتا ہے تو نظر آتا ہے، پھر منزل بہ منزل بڑھتا چلا جاتا ہے، اور چودھویں رات کو پورا ہوکر بعد میں گھٹنا شروع ہوجاتا ہے، آخر میں اپنی پہلی حالت پر آپہنچتا ہے، اور کھجور کی پرانی ٹہنی کی طرح دبلا پتلا، خمدار اور بے رونق ہوجاتا ہے۔

﴿لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ﴾ نہ سورج کی یہ مجال ہے کہ وہ چاند کو پکڑ لے، اور اس کی منزل میں نزول کرے، نہ چاند کی یہ مجال ہے کہ وہ سورج کو پکڑ لے، اور اس کی منزل میں نزول کرے۔ پس ان کے بلکہ اربوں، کھربوں سیارے اور ستاروں سب کے مدار راستے الگ الگ ہیں، کبھی بھی ان میں ٹکراؤ یا بدنظمی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ قدرت نے ان کا ایک ایسا محیر العقول نظام بنا رکھا ہے جس میں ذرہ برابر گربڑ کا امکان نہیں، اور كُنْ فَيَكُوْنُ کے حکم سے اس وسیع وعریض کائنات کا سلسلہ جس طرح جاری وساری ہے،

انسانی عقل وسوچ کی رسائی ہرگز وہاں تک نہیں ہوتی۔ فرمایا: نہ رات کی یہ مجال ہے کہ وہ دن سے آگے نکل جائے، یعنی دن رات اپنی اپنی مدت پوری کرنے کی پابندی پر مجبور ہیں، ان دونوں میں سے کوئی دوسرے کے معاملات میں مزاحم نہیں۔

﴿وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ﴾ چانداور سورج سب کے سب اپنے اپنے افلاک میں، یا اپنے اپنے مدار میں تیرتے اور گھومتے ہیں، ہر ایک کا دائرہ دوسرے سے مختلف ہے۔ جس طرح مچھلی پانی میں تیرتی اور چلتی ہے، یہ چاند و سورج اور دیگر اربوں، کھربوں سیارے اپنے اپنے فضائی افلاک میں اسی طرح تیر کر چلتے ہیں۔ یہ سب کچھ تسخیر خداوندی کا کرشمہ اور تکوینی نظام کا شاہکار ہے، جس کی سمجھ اور ادراک انسانی عقل کے دائرہ سے خارج ہے۔ مزید تفصیل سورۃ الملک میں دیکھیں۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۴۱﴾ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ ﴿۴۲﴾
وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿۴۴﴾
وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ
مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ قَالَ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗٓ ۖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۷﴾

ترجمہ: اوران لوگوں کے لئے ایک نشانی یہ ہے کہ ہم نے ان کی اولاد کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا ﴿۴۱﴾ اور ہم نے ان کے لئے کشتی جیسی چیزیں پیدا کیں، جن پر یہ لوگ سوار ہوتے ہیں ﴿۴۲﴾ اور اگر ہم چاہیں تو انہیں ڈبو دیں، سو ان کی کوئی بھی فریادرسی کرنے والا نہ ہو، اور نہ انہیں چھٹکارا دیا جائے ﴿۴۳﴾ مگر یہ کہ ہماری مہربانی ہو جائے، اور ایک مقررہ وقت تک فائدہ دینا منظور ہو ﴿۴۴﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم اس سے ڈرو جو تمہارے آگے ہے، اور جو پیچھے ہے، تاکہ تم پر رحم کیا جائے ﴿۴۵﴾ اور ان کے ربّ کی نشانیوں میں سے جو نشانی بھی ان کے پاس آتی ہے اس کی طرف سے اعراض کرنے والے بن جاتے ہیں ﴿۴۶﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس میں سے خرچ کرو جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں دیا ہے تو کافر لوگ اہل ایمان سے کہتے ہیں کہ کیا ہم لوگ ان لوگوں کو کھلائیں جنہیں اللہ تعالیٰ چاہے تو کھلا دے، بات یہی

ہے کہ تم کھلی ہوئی گمراہی میں ہو۔(۴۷)

معارف ومنازل

یہ اس کی قدرت کی تیسری نشانی ہے، یہ اس کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ گران بار کشتیوں کو دریا میں چلاتا ہے، جن میں تم لمبے لمبے سفر کرتے ہو، اور دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک لاکھوں من سامان پہنچاتے ہو، پس بتاؤ اگر وہ تمہاری کشتیوں کو غرق کردے تو کون ہے جو تمہاری فریادرسی کرسکے؟ فرمایا:

﴿وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ﴾ ایک نشانی ان کے لئے یہ ہے کہ ہم نے ان کی نسل کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا۔ اس کشتی سے مراد حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی ہے، آپ نے یہ بے مثال کشتی اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی نگرانی میں بنائی، فرمایا: ﴿وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا﴾ [ھود: ۳۷] (اور ہماری نگرانی میں اور ہماری وحی کی مدد سے کشتی بناؤ)۔

مفسرین حضرات فرماتے ہیں کہ لفظ ذریت اضداد میں سے ہے، اور اس کے معنی اولاد بھی ہے، اور آباء واجداد بھی۔ یہاں دوسرا معنی لیا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ ہم نے ان کے آباء واجداد کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا۔ ظاہر ہے کہ اس وقت دنیا میں آباد تمام لوگ انہی کشتی والوں (حام، سام، یافث) کی اولاد ہیں۔ [روح المعاني، كبير]

﴿وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ﴾ اور ہم نے ان کے لئے کشتی کی مانند ایسی چیزیں پیدا کی جس پر وہ سواری کرتے ہیں۔ اس سے مراد وہ بے شمار قسم کے دریائی جہاز، ایٹمی کشتیاں اور محیر العقول جنگی طیارہ بردار جہاز اور آبدوزیں وغیرہ ہیں۔ اسی طرح خشکی پر چلنے والی لاتعداد سواریاں، جو اس وقت زمین پر انسانوں کے زیر استعمال ہیں، یہ سب دلائل قدرت کی نشانیاں ہیں۔ اوّل تو اللہ تعالیٰ نے لوہے سے لے کر تیل تک اسباب پیدا فرمائے، پھر ضعیف وناتواں انسان کو عقل، سوچ، فکر اور ایجاد کا راستہ مہیا کیا، پھر تمام وسائل عطا فرمائے جس کے نتیجے میں لاکھوں عجیب وغریب ایجادات ظاہر ہوئے۔ ظاہری موجد اگرچہ انسان ہے، مگر حقیقت میں یہ اللہ تعالیٰ سبحانہ ہی کا فعل ہے، جس ذات پاک نے انسان کو عقل وفہم، غور وفکر کی صلاحیت سے نوازا، اور پھر ہر مصنوع کے بنانے پر انسان کی راہنمائی کی۔ ﴿وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ [المائدة:] (وہ ہر چیز پر قادر ہے)۔

﴿وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ﴾ اور اگر ہم چاہیں تو کشتی والوں کو دریا میں

غرق کردیں (جیسا کہ ہم نے فرعون کو پورے لشکر کے ساتھ غرق کیا) پس کوئی نہ ان کے لئے فریادرس ہو، اور نہ ہی لوگ مصیبت اور آفت سے چھٹکارا پاسکیں۔ بھلا اللہ تعالیٰ اگر کسی کو عذاب دے تو کوئی چھڑانے والا یا مدد کرنے والا کوئی ہے؟ ہرگز کوئی نہیں۔ ہاں!

﴿اِلَّا رَحۡمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰى حِيۡنٍ﴾ جب ہم کسی کو بچانا چاہتے ہیں تو پھر اس پر رحمتوں کا ورود ہوتا ہے، جس سے وہ امن پائے گا، پھر ایک مقررہ وقت تک ہم فائدہ اٹھانے کی مہلت دیتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جب ہم ان کو ایک خاص وقت تک فائدہ پہنچانا چاہتے ہیں م تو ان کو نہیں غرق کرتے، یہ سب ہماری رحمت اور عنایت ہے، ورنہ وہ تو اپنے کفر اور شرک کی وجہ سے غرق ہی کے مستحق تھے۔

﴿وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمُ اتَّقُوۡا مَا بَيۡنَ اَيۡدِيۡكُمۡ وَمَا خَلۡفَكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ڈرو اس چیز سے جو تمہارے آگے ہے، اور جو تمہارے پیچھے ہے، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ یعنی جب ان سنگدلوں سے کہا جاتا ہے کہ دنیا اور آخرت کے عذاب سے ڈرو، یا اس عذاب سے ڈرو جو تم سے پہلے تکذیب کرنے والے گروہوں پر آچکا ہے، اور اس عذاب سے ڈرو جو تمہارے پیچھے یعنی آخرت میں آنے والا ہے، شاید تم پر رحم ہو۔ پس ڈرنا اور ایمان لانا تو کیا وہ ان باتوں کا مذاق اڑاتے ہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ:

﴿وَمَا تَاۡتِيۡهِمۡ مِّنۡ اٰيَةٍ مِّنۡ اٰيٰتِ رَبِّهِمۡ اِلَّا كَانُوۡا عَنۡهَا مُعۡرِضِيۡنَ﴾ اور نہیں آئی ان کے پاس کوئی نشانی ان کے پروردگار کی نشانیوں میں سے، مگر وہ اعراض کرنے والے ہی ہوتے ہیں۔ جو بھی کوئی دلیل، معجزہ، حکم الٰہی ان کے سامنے آتا ہے تو یہ لوگ غور وفکر کرنے کی بجائے استہزاء اور اعراض کرتے رہتے ہیں۔

﴿وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ اَنۡفِقُوۡا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ قَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنُطۡعِمُ مَنۡ لَّوۡ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطۡعَمَهٗۤ﴾ اور جب ان مشرکین سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی روزی میں سے اس کی راہ میں مسکینوں اور محتاجوں پر خرچ کرلو تو: ﴿قَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنُطۡعِمُ مَنۡ لَّوۡ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطۡعَمَهٗۤ﴾ تو یہ کافر اہل ایمان سے بطور طعن واستہزاء کہتے ہیں ہم کیوں ایسے شخص کو کھانا کھلائیں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو وہ خود اس کو کھانا دے دیتا، جب اللہ تعالیٰ نے اس کو محتاج رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ کو یہی پسند ہے تو ہم ان پر خرچ کرکے اللہ تعالیٰ کی منشاء کے خلاف کام کیوں کریں؟

مشرکین کا یہ بھی مقصد تھا کہ ایسے محتاج لوگ اکثر مسلمان ہوتے تھے، اور مشرکین استہزاءً کہتے تھے کہ اگر یہ

لوگ اللہ تعالیٰ کے دوست ہوتے تو اللہ تعالیٰ ضرور انہیں کھلاتا، جب اللہ تعالیٰ انہیں نہیں کھلاتا تو معلوم ہوا یہ اس کے دوست نہیں، تو ایسے لوگوں کو ہم کیوں کھلائیں؟ جبکہ یہ ہمارے دشمن ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب محتاجوں کی مدد کرتے، اور غلام اور کنیزوں کو کفار سے خرید کر فی سبیل اللہ آزاد کرتے، پھر ان پر نان ونفقہ ودیگر ذرائع سے مال خرچ کرتے، تو ابوجہل اور دیگر بڑے مشرک یہ کہتے کہ تم ان محتاجوں پر کیوں خرچ کرتے ہو؟ وہ جواب دیتے کہ میرے مال میں اللہ تعالیٰ نے ان کا حق بھی رکھا ہے، لہٰذا میں خرچ کرتا رہوں گا، ارشاد ہے: ﴿وَ الَّذِیْنَ فِیْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّآىٕلِ وَ الْمَحْرُوْمِ﴾ [المعارج:۲۵] (اور جن کے مال ودولت میں ایک متعین حق ہے۔ سوال اور بے سوالی کا)۔ اللہ تعالیٰ نے نیک لوگوں کی یہ صفت بیان کی ہے کہ انہیں اپنے مالوں میں سائلین اور محتاجوں کے حقوق معلوم ہیں، لہٰذا یہ ان پر خرچ کرتے رہتے ہیں۔

﴿اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ﴾ تم تو صریح گمراہی میں ہو، جو اپنا مال ان محتاجوں پر خرچ کرتے ہو، جنہیں اللہ تعالیٰ بھوکا رکھنا چاہتا ہے، تم ان کو کھلاتے ہو۔ واضح رہے کہ رزق کی تقسیم صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار، اور اس کی مشیت وحکمت، اور عجیب وغریب مصلحتوں کے ساتھ وابستہ ہے، جس میں بندہ کا کوئی اختیار اور منشاء شامل نہیں۔

ہاں! بندہ اگر اسباب اور وسائل کے ساتھ کچھ کماتا ہے تو وہاں بھی ضرور مشیت ایزدی کارگر ہے، جس کی نشانی یہ ہے کہ بسا اوقات تمام وسائل کے مہیا ہونے اور استعمال کرنے کے باوجود ناکامی ہوتی ہے اور دولت ہاتھ نہیں آتی، جبکہ دوسرے اشخاص میں وسائل کی کمی یا نہ ہونے کی صورت میں آدمی مالدار ہوتا ہے۔ پس قرآنی فیصلہ کتنا واضح ہے: ﴿اَللّٰهُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یَقْدِرُ﴾ [الرعد:۲۶] (اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہتا ہے اس کا رزق بڑھا دیتا ہے، اور جس کے لئے چاہتا ہے اس کا رزق تنگ کر دیتا ہے)۔

یہ بسط وکشاد، اور فراخی وتنگی صرف رزق کا معاملہ نہیں، بلکہ علم وعمل، عقل وفہم، عزت وذلت، اولاد اور کمال، اور حسن وخوبصورتی، الغرض زندگی کے ہر پہلو میں کمی وبیشی، اچھائی وبرائی، تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں۔

وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۴۸﴾ مَا یَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ
یَخِصِّمُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ تَوْصِیَةً وَّلَاۤ اِلٰۤی اَهْلِهِمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ

الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ۝۵۱ قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ٜ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَ
صَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ۝۵۲ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ۝۵۳ فَالْيَوْمَ
لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۵۴

ترجمہ: اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب ہوگا اگر تم سچے ہو؟ ۝۴۸ وہ لوگ بس ایک سخت آواز کے انتظار میں ہیں، جو ان کو پکڑ لے، اور وہ آپس میں جھگڑ رہے ہیں ۝۴۹ سو نہ تو وہ کوئی وصیت کر سکیں گے، اور نہ اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر جا سکیں گے ۝۵۰ اور صور پھونکا جائے گا، سو وہ سب یکا یک قبروں سے نکل کر اپنے ربّ کی طرف جلدی جلدی چلنے لگیں گے ۝۵۱ وہ کہیں گے کہ ہائے ہماری کم بختی! ہمیں کس نے ہماری لیٹنے کی جگہ سے اٹھا دیا؟ یہ وہی ہے جس کا رحمٰن نے وعدہ فرمایا، اور پیغمبروں نے سچی خبر دی ۝۵۲ بس وہ ایک چیخ ہوگی، سو وہ سب ہمارے پاس حاضر کر دیئے جائیں گے ۝۵۳ سو اس دن کسی جان پر ذرا سا بھی ظلم نہ ہوگا، اور تمہیں صرف انہی کاموں کا بدلہ ملے گا جو تم کرتے تھے ۝۵۴

معارف ومنازل

جس طرح مشرکین نے توحید و رسالت کا اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی نشانیوں کا انکار کیا، اسی طرح وہ بڑے شد و مد کے ساتھ بعث بعد الموت کا بھی انکار کرتے رہے، اور حجت بازی پر اتر آئے۔

﴿وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ منکرین قیامت کہتے ہیں کہ قیامت کے آنے کا وعدہ کب پورا ہوگا؟ وہ قیامت کہاں ہے جس سے تو ہم کو ڈراتا ہے؟ اگر تم سچے ہو تو دکھلاؤ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ﴾ یہ لوگ نہیں انتظار کرتے مگر ایک خوفناک اور سخت آواز کا، جو یکا یک ان کو ایک ایسی حالت میں پکڑ لے گی کہ یہ آپس میں جھگڑ رہے ہوں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ﴿صَيْحَةً وَّاحِدَةً﴾ سے مراد نفخہ اولیٰ ہے۔ جب لوگ دنیاوی کاروبار، لین دین کے جھگڑوں میں مشغول ہوں گے، تو اچانک پہلی بار اسرافیل علیہ السلام صور پھونکیں گے، اسی کو ﴿يَخِصِّمُوْنَ﴾ سے تعبیر فرمایا۔ اور ﴿يَخِصِّمُوْنَ﴾ کا اصل ﴿يَخْتَصِمُوْنَ﴾ ہے، تاء کو صاد بنا کر صاد میں ادغام کیا گیا ہے۔

حدیث میں شریف ارشاد ہے کہ: ''قیامت ایسی حالت میں برپا ہوگی کہ لوگ بازاروں میں خرید و فروخت کر رہے ہوں گے، اور کھانے میں مصروف ہوں گے، اور اونٹنیاں دوہ رہے ہوں گے، اور دوسرے کاموں میں مشغول

ہوں گے"، علیٰ ہذا القیاس۔ [متفق علیہ]

﴿فَلَا يَسْتَطِيعُونَ تَوْصِيَةً وَّلَآ إِلٰٓى أَهْلِهِمْ يَرْجِعُونَ﴾ قیامت کی اچانک آنے کا یہ حال ہوگا کہ کسی کو کسی چیز کی مہلت نہ ہوگی، کھانے والوں کا کھانا رہ جائے گا، اور بائع ومشتری کی سوداگری نامکمل رہ جائے گی، دودھ والے گھروں تک نہیں پہنچ سکیں گے، اور وصیت کرنے والوں کو وصیت کا موقعہ نہیں ملے گا۔ نفخ صور کی خطرناک اور خوفناک آواز سے سارا نظام درہم برہم اور تباہ ہوجائے گا، اور صور کی آواز کے ساتھ سارے جاندار مرجائیں گے۔

﴿وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُم مِّنَ الْأَجْدَاثِ إِلٰى رَبِّهِمْ يَنسِلُونَ﴾ پھر چالیس سال گزرنے کے بعد جب دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو قیامت برپا ہوگی، اور سب لوگ قبروں سے نکل نکل کر اپنے ربّ کے پاس میدانِ محشر کی طرف جلدی جلدی چلنے لگیں گے۔ نفخۂ اولیٰ اور ثانیہ کے درمیان جو چالیس (۴۰) سال کی مدت ہوگی اس میں کافروں سے عذاب اٹھالیا جائے گا، اور وہ اس عرصہ میں آرام سے سوتے رہیں گے، جب نفخہ ثانیہ کے بعد قبروں سے اٹھائے جائیں گے، پھر میدانِ حشر اور حساب وکتاب کا ہولناک منظر دیکھیں گے تو چیخ چیخ کر کہیں گے:

﴿قَالُوا يَا وَيْلَنَا مَن بَعَثَنَا مِن مَّرْقَدِنَا﴾ تو کہیں گے: ہائے افسوس اور ہماری بدبختی! ہم لوگوں کو ہماری خوابگاہ سے کس نے جگادیا، اٹھادیا؟ اس وقت فرشتے انہیں جواب دیں گے، اور کہیں گے:

﴿هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ﴾ یہ وہی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا تھا، اور پیغمبروں نے سچ کہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے تم سے وعدہ فرمایا تھا کہ قیامت قائم کر کے تمہیں دوبارہ زندہ کروں گا، آج وہ وعدہ رحمن جل شانہ نے پورا کیا، اور پیغمبروں نے جو کچھ تم سے کہا تھا وہ سچ کہا تھا، مگر تم نے جو ان کی تکذیب کی تو یہ غلط ثابت ہوا، جس کا تمہیں خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ یہ کیا ہے؟

﴿إِن كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ جَمِيعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُونَ﴾ وہ بس ایک چیخ ہوگی، فوراً سب کے سب ہمارے سامنے حاضر کردیئے جائیں گے۔ ﴿فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَلَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ سو اس روز کسی پر ظلم نہ ہوگا، اور صرف اسی کا تم کو بدلہ دیا جائے گا جو تم کرتے تھے۔ سورۂ کہف میں فرمایا: ﴿وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا﴾ [الکہف:۴۹] (اور انہوں نے جو عمل کئے تھے، ان کو حاضر پائیں گے، اور آپ کا ربّ کسی پر ظلم نہ کرے گا)۔ وہ ارحم الرّاحمین ظلم سے اسی طرح پاک ہے جس طرح شریک سے پاک ہے، وہ سراسر مغفرت والا ہے۔

اِنَّ اَصۡحٰبَ الۡجَنَّةِ الۡیَوۡمَ فِیۡ شُغُلٍ فٰكِهُوۡنَ﴿۵۵﴾ هُمۡ وَ اَزۡوَاجُهُمۡ فِیۡ ظِلٰلٍ عَلَی الۡاَرَآئِكِ
مُتَّكِـُٔوۡنَ﴿۵۶﴾ لَهُمۡ فِیۡهَا فَاكِهَةٌ وَّ لَهُمۡ مَّا یَدَّعُوۡنَ﴿۵۷﴾ سَلٰمٌ ۟ قَوۡلًا مِّنۡ رَّبٍّ رَّحِیۡمٍ﴿۵۸﴾

ترجمہ: بلاشبہ آج جنّت والے اپنے مشغلوں میں خوش ہوں گے﴿۵۵﴾ وہ اوران کی بیویاں سایوں میں ہوں گے، مسہریوں (تختوں) پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے﴿۵۶﴾ اس میں ان کے لئے میوے ہوں گے، اور جو کچھ طلب کریں گے انہیں وہ ملے گا﴿۵۷﴾ مہربان ربّ کی طرف سے ان پر سلام ہوگا﴿۵۸﴾

معارف ومنازل

ماقبل میں کفار کے متعلق اللہ تعالیٰ کے عدل کا بیان تھا، اب ان آیات میں مؤمنین کے متعلق اللہ تعالیٰ کے فضل کا بیان ہے۔ جب اہل جنت کا جنت میں بڑے پرتپاک عزّت واحترام کے ساتھ داخلہ ہوگا، اور نعیم جنّت کے دروازے ان پر کھول دیئے جائیں گے، اور وہ ہاں کی لذّتوں اور لطف وسرور میں اس طرح مشغول ہو جائیں گے کہ انہیں دوسری کسی بات کی خبر تک نہ ہوگی۔ وہ اوران کی نیک بخت بیبیاں ٹھنڈے اور گھنے سایوں میں مرصع اور مزخرف و آراستہ تختوں پر تکیہ لگائے، خوش وخرم بیٹھے ہوں گے، اور ہر قسم کے ماکولات ومشروبات اور جنتی میوے، حور وغلمان ان کی خدمت میں پیش کریں گے، اوران کی ہر خواہش پوری کی جائے گی، جو چیز طلب کریں گے محض اشاروں کے ساتھ مہیا کردی جائے گی۔

یہ ساری رونقیں اور عجیب مسرتیں، اور سب راحتیں بجا، لیکن ربّ رحمٰن ورحیم عزّوجل ومقصوداصلی، معبود حقیقی، مطلوب برحق تبارک وتعالیٰ جس کو راضی کرنے کے لئے اہل جنت ماہی بے آب کی طرح عمر بھر تڑپتے رہے، جب وہ اپنے خطاب دل افروز اور جان افروز سے انہیں نوازے گا تو اس وقت ان کی مسرت اور عزّت افزائی کی انتہا ہوجائے گی، اور سب کچھ بھول جائیں گے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا کہ: جس وقت اہل جنّت اپنی نعمتوں میں مشغول ہوں گے، اچانک اوپر سے ایک نور چمکے گا، جب وہ سر اٹھا کر دیکھیں گے تو انہیں معلوم ہوگا کہ ربّ کریم سبحانہ ان کی طرف متوجہ ہوکر ملاحظہ فرمارہے ہیں، تو ارشادفرمائے گا: ''السلامُ عَلَیکُم یَا أَھلَ الجَنۃ''۔ ﴿سَلٰمٌ ۟ قَوۡلًا مِّنۡ رَّبٍّ رَّحِیۡمٍ﴾ سے یہی مراد ہے۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ان کی طرف دیکھے گا، اوروہ اس کی طرف دیکھتے رہیں گے، خوشی و

محویت کا یہ عالم ہوگا کہ جب وہ جمالِ حقیقی کا دیدار کر رہے ہوں گے، جنت کی کسی دوسری نعمت کا انہیں خیال تک ہی نہیں رہے گا، یہاں تک کہ جمالِ حقیقی حجاب کے پیچھے پوشیدہ ہوگا، لیکن اس کا نور اور فیض و برکت، لطف و سرور بدستور باقی رہے گا''۔[ابن ماجة، ابن كثير]

﴿اِنَّ اَصۡحٰبَ الۡجَنَّةِ الۡيَوۡمَ فِىۡ شُغُلٍ فٰكِهُوۡنَ﴾ تحقیق اہل جنّت اس روز عید و راحت، اور عجیب ذوق و لذّتوں میں مشغول ہوں گے۔ ان کی یہ راحت و خوشی ایک ایسی مثالی خوشی ہوگی جسے دنیا کے بادشاہوں نے دیکھا اور سوچا تک نہ ہوگا۔ ﴿هُمۡ وَاَزۡوَاجُهُمۡ فِىۡ ظِلٰلٍ عَلَى الۡاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوۡنَ﴾ وہ اور ان کی سعادت مند بیویاں مرصع و مزخرف تختوں پر ٹیک لگائے سایوں میں شاداں و فرحاں بیٹھے ہوں گے۔

﴿لَهُمۡ فِيۡهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمۡ مَّا يَدَّعُوۡنَ﴾ وہاں ان کے لئے مختلف الانواع عجیب و غریب پھل اور میوے ہوں گے، بلکہ وہ جس کسی چیز کی خواہش کریں گے وہ انہیں مہیا کی جائے گی۔ یعنی جو چاہا سو پایا۔ دوسرے مقام پر ارشاد ہے: ﴿لَكُمۡ فِيۡهَا مَا تَشۡتَهِىۡۤ اَنۡفُسُكُمۡ وَلَكُمۡ فِيۡهَا مَا تَدَّعُوۡنَ﴾[حم سجدة: ۳۱] (اور اس جنت میں ہر وہ چیز تمہارے ہی لیے ہے جس کو تمہارا دل چاہے، اور اس میں ہر وہ چیز تمہارے ہی لیے ہے جو تم منگوانا چاہو)۔ وہاں ہر وہ چیز ملے گی جس کی رغبت و طلب ہو۔ یہاں تک مادی انعامات کا تذکرہ تھا، اب وہ اعلیٰ اور عظیم نعمت جسے دنیا میں اولوالعزم انبیاء کرام علیہم السلام بھی نہ پاسکے، اب جنّت میں اس کا کتنا بڑا دلکش اور جاذبِ نظر سعادتوں اور کرامتوں کا منظر ہوگا کہ ہر جنتی تڑپتا رہا، آج وہ بغیر حجاب کے اپنے معبود کو نظر جما کر سامنے دیکھ رہا ہے۔ زہے سعادت۔

میں عاجزانہ درخواست گزار ہوں کہ اے ہمارے معبودِ حقیقی! محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلے اور صدقے سے ہمیں اس مجلس میں شامل فرما۔ آمین

﴿سَلٰمٌ قَوۡلًا مِّنۡ رَّبٍّ رَّحِيۡمٍ﴾ ان کے لئے ربّ رحیم کی طرف سے بلا واسطہ سلام ہوگا۔ یہ مبارک سلام اللہ تعالیٰ سبحانہ کی طرف سے ہمیشہ اہل جنّت کے لئے مقرر ہوگا، جبکہ نورانی فرشتوں کا سلام قدم بقدم اہلِ جنّت کے لئے ہوتا رہے گا، اور ان کا آپس میں بھی سلام و تحیہ کے تحفے تحائف جاری رہیں گے۔ وہ زندگی اصلی اور بارونق زندگی ہے، اسے دنیا پر قیاس نہ کریں۔

وَامۡتَازُوا الۡيَوۡمَ اَيُّهَا الۡمُجۡرِمُوۡنَ﴿۵۹﴾ اَلَمۡ اَعۡهَدۡ اِلَيۡكُمۡ يٰبَنِىۡۤ اٰدَمَ اَنۡ لَّا تَعۡبُدُوا الشَّيۡطٰنَ‌ ۚ اِنَّهٗ لَـكُمۡ
عَدُوٌّ مُّبِيۡنٌ ۙ﴿۶۰﴾ وَّاَنِ اعۡبُدُوۡنِىۡ‌ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِيۡمٌ ﴿۶۱﴾ وَلَقَدۡ اَضَلَّ مِنۡكُمۡ جِبِلًّا كَثِيۡرًا‌ ؕ اَفَلَمۡ
تَكُوۡنُوۡا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۶۲﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِىۡ كُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ ﴿۶۳﴾ اِصۡلَوۡهَا الۡيَوۡمَ بِمَا كُنۡتُمۡ تَكۡفُرُوۡنَ﴿۶۴﴾
اَلۡيَوۡمَ نَخۡتِمُ عَلٰٓى اَفۡوَاهِهِمۡ وَتُكَلِّمُنَاۤ اَيۡدِيۡهِمۡ وَتَشۡهَدُ اَرۡجُلُهُمۡ بِمَا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ﴿۶۵﴾ وَلَوۡ نَشَآءُ
لَطَمَسۡنَا عَلٰٓى اَعۡيُنِهِمۡ فَاسۡتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبۡصِرُوۡنَ﴿۶۶﴾ وَلَوۡ نَشَآءُ لَمَسَخۡنٰهُمۡ عَلٰى مَكَانَتِهِمۡ
فَمَا اسۡتَطَاعُوۡا مُضِيًّا وَّلَا يَرۡجِعُوۡنَ ﴿۶۷﴾ وَمَنۡ نُّعَمِّرۡهُ نُـنَكِّسۡهُ فِى الۡخَلۡقِ‌ ؕ اَفَلَا يَعۡقِلُوۡنَ﴿۶۸﴾

ترجمہ: اوراے مجرمو! آج علیحدہ ہوجاؤ﴿۵۹﴾ اے بنی آدم! کیا میں نے تمہیں تاکید نہیں کی تھی کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا؟ بلاشبہ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے﴿۶۰﴾ اور میری عبادت کرنا، یہ سیدھا راستہ ہے﴿۶۱﴾ اور یہ واقعی بات ہے کہ شیطان نے تم میں سے کثیر مخلوق کو گمراہ کردیا، کیا تم سمجھ نہیں رکھتے تھے؟﴿۶۲﴾ یہ جہنم ہے، جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا﴿۶۳﴾ آج تم اس میں داخل ہوجاؤ، اپنے کفر کی وجہ سے﴿۶۴﴾ آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگادیں گے، اور ہم سے ان کے ہاتھ کلام کریں گے، اور ان کے پاؤں اس کی گواہی دیں گے، جو کچھ وہ کیا کرتے تھے﴿۶۵﴾ اور اگر ہم چاہتے تو ان کی آنکھوں کو مٹادیتے تو وہ راستے کی طرف دوڑتے پھرتے، سو ان کو کہاں نظر آتا؟﴿۶۶﴾ اور اگر ہم چاہتے تو انہیں ان کی جگہ پر مسخ کردیتے، اس طرح پر کہ وہ جہاں ہیں وہیں رہ جاتے، جس کی وجہ سے یہ نہ آگے چل سکتے، نہ پیچھے کو لوٹ سکتے﴿۶۷﴾ اور ہم جس کو زیادہ عمر دے دیتے ہیں، اسے طبعی حالت پر لوٹا دیتے ہیں، کیا یہ لوگ نہیں سمجھتے؟﴿۶۸﴾

معارف ومنازل

اہل جنت کے اعزاز واکرام اور انعام کے بیان کے بعد اہل دوزخ کی تباہی و بربادی، اور ابدی خسارہ کا بیان فرمایا، اور کچھ اسباب کا بھی بیان آنے والا ہے، اور قیامت کے روز اعضاء انسانی کی گواہی کا عجیب بیان بھی ہے، فرمایا: ﴿وَامۡتَازُوا الۡيَوۡمَ اَيُّهَا الۡمُجۡرِمُوۡنَ﴾ اے نافرمان مجرمو! آج تم نیک لوگوں سے علیحدہ ہوجاؤ، دنیا میں تو نیک وبدسب ملے جلے تھے، مگر قیامت کی صف بندی میں مجرم لوگوں کی صف الگ ہوگی، اور نیکوں کی الگ، پھر حساب وکتاب کے بعد ٹھکانے بھی الگ ہوں گے۔

آج کے معاشرے میں یورپ کے وفاداروں نے علماء وفضلاء، حفاظ وقراء، اور داڑھی والوں سے الگ

رہنے سہنے کا جو فیصلہ کیا ہے، اور نمازیوں سے دور رہنے کا سوچا ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ جب مر کر اُس جہاں میں جائیں گے جہاں انگریزی تعلیم کا نشہ دماغ سے اتر جائے گا تب مسٹر صاحب کو پتہ چلے گا کہ وہ کون ہے۔

﴿اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾ اے بنی آدم! کیا میں نے تم سے یہ تاکیدی عہد نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی بندگی نہ کرنا؟ تحقیق وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ پس ہرگز اس کی پیروی نہ کرنا۔ ﴿وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ﴾ اور یہ کہ صرف میری بندگی کرنا، یہی سیدھا راستہ ہے، مگر تم نے اس دشمن کا اتباع کر کے میرے عہد و پیمان کو پس پشت ڈال دیا۔

﴿وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ۭ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ﴾ اس شیطان نے تم میں سے بہت سی گزشتہ مخلوق کو گمراہ کر ڈالا، پس کیا تم اتنی عقل نہیں رکھتے تھے کہ اگر ہم شیطان کے حکم پر چلے تو ہمارا انجام بھی گزشتہ اقوام کی طرح برا ہوگا؟ اچھا، اب اپنی گمراہی کا مزہ چکھ لو، یہ: ﴿هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ﴾ یہ وہ جہنم ہے جس کا دنیا میں تم سے وعدہ کیا جاتا رہا۔ ﴿اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ﴾ آج اپنے کفر و شرک کی بناء پر اس میں داخل ہو کر گر جاؤ۔

جب مشرکین یہ منظر دیکھیں گے تو ان کے لئے کوئی چارہ نہ ہوگا سوائے اس کے کہ اپنے کفر سے انکار کریں گے اور کہیں گے: ﴿وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ﴾ [الأنعام: ۲۳] (اللہ کی قسم جو ہمارا پروردگار ہے ہم تو شرک کرنے والے نہیں تھے) تو اللہ تعالیٰ شانہ جواب دیں گے:

﴿اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓي اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے، تاکہ جھوٹ نہ بول سکیں، اور ان کے ہاتھ خود ہم سے کلام کریں گے، اور ان کے پاؤں خود ہمارے سامنے گواہی دیں گے، ان تمام کاموں کی جو وہ دنیا میں کیا کرتے تھے۔ جب مشرکین کراماً کاتبین کی گواہی کو نہیں مانیں گے، تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کے اپنے اعضاء ایک ایک بات پر گواہی دیں گے، جس سے ایک ادنیٰ عمل تک کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہے گی۔

﴿وَلَوْ نَشَاۗءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓي اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ﴾ اگر ہم چاہیں تو نافرمانوں کی آنکھیں ہی ضائع کر دیں، پھر وہ راستے کی طرف دوڑنا چاہیں گے مگر انہیں کچھ نظر نہ آئے گا۔ اللہ تعالیٰ ایسا کرنے پر قادر ہے، جیسے لوط علیہ السلام پر حملہ کرنے والوں کے ساتھ ایسا ہوگیا۔ ﴿فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ﴾ [القمر: ۳۷] (پس ہم

نے ان کی آنکھوں کو مٹا دیا)۔

﴿وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰی مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِیًّا وَّلَا یَرْجِعُوْنَ﴾ اور اگر ہم چاہتے تو انہی کی جگہ پر ان کی صورتیں مسخ کر دیتے، پھر وہ نہ آگے چلنے پر قادر رہتے، اور نہ پیچھے لوٹنے پر قادر ہوتے۔ یعنی اگر ہم چاہتے تو ان کے کفر وشرک کی وجہ سے ان کی آنکھوں کو مٹا دیتے، یا انہیں کسی جانور کی شکل میں مسخ کر لیتے، ہمیں ہر طرح عذاب دینے پر قدرت حاصل ہے، مگر ہماری بردباری اور رحمت، غضب وقہر پر غالب ہے، اسی لئے بہت سے لوگوں کو مہلت دیتے ہیں، عذاب سے بچاتے ہیں۔

﴿وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِی الْخَلْقِ ؕ اَفَلَا یَعْقِلُوْنَ﴾ جس کو ہم زیادہ عمر دے دیتے ہیں تو خلقت اور بناوٹ میں اس کو اوندھا اور الٹا کر دیتے ہیں کہ وہ دن بدن کمزور ہوتا چلا جاتا ہے، اور اس کی قوت وحرارت غریزیہ روز بروز زوال پذیر ہو کر وہ ہر اعتبار سے ضعیف ہوتا رہتا ہے۔ قوتِ باصرہ کے ساتھ دیگر حواس ظاہرہ وباطنہ سب ناکارہ ہوتے جاتے ہیں، تو کیا ان لوگوں کو عقل وسوچ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرتوں میں غور وفکر کریں؟ یہ جوانی اور پھر اس پر بڑھاپے کے ضعف کا ترتب، یہ صبح وشام سب کے سامنے ہے، یہ تغیر وتبدل من جانب اللہ ہے، جس سے کسی کو انکار نہیں، تو ان کی آنکھوں کا طمس، اور ان کی شکلوں اور صورتوں کا مسخ، یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ایک حصہ ہے۔

پس انہیں یقین ہونا چاہئے کہ ہم پر ہمارے شرک وکفر کے باوجود اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ ہمیں مسخ نہیں فرمایا، اور ہماری شکل وصورت میں تبدیلی نہیں فرمائی۔ پس واضح ہو کہ جو ذات صورت بنانے پر قادر ہے، وہ صورت بدلنے پر بھی قادر ہے۔ سورۂ نور میں فرمایا کہ قیامت کے روز مجرمین کے خلاف ان کے اعضاء گواہی دیں گے، ﴿یَوْمَ تَشْهَدُ عَلَیْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ﴾ [النور: ۲۷] (جس دن ان کی زبانیں، ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان پر گواہی دیں گے ان اعمال کی وجہ سے جو وہ کرتے تھے)۔

❁ ❁ ❁

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا یَنْۢبَغِیْ لَهٗ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ
مُّبِیْنٌ ۟ۙ﴿۶۹﴾ لِّیُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَیًّا وَّیَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَی الْكٰفِرِیْنَ ﴿۷۰﴾

ترجمہ: اور ہم نے ان کو شعر نہیں سکھایا، اور نہ شعر ان کے لائق ہے، وہ تو بس ایک نصیحت ہے، اور قرآن

مبین ہے ﴿۶۹﴾ تا کہ وہ اسے ڈرائے جو زندہ ہے، اور کافروں پر حجت ثابت ہو جائے ﴿۷۰﴾

معارف ومنازل

مشرکین عرب اور خاص کر اہل مکہ جب قرآن سنتے تھے تو یہ خوب جانتے تھے کہ نہ اس میں اشعار ہیں، نہ شاعرانہ خیالی مضامین ہیں، پھر بھی ضد وعناد کی وجہ سے کہتے تھے کہ اس میں شاعرانہ باتیں ہیں۔ ان ناپاک خیالات کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ﴾ ہم نے اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شعر نہیں سکھایا۔

﴿وَمَا یَنْۢبَغِیْ لَهٗ﴾ اور نہ شعر کہنا ان کی شان کے لائق ہے۔ سو جب وہ شعر کہنا جانتے ہی نہیں، اور ان کی شان کے لائق ہی نہیں تو تمہارے سامنے شاعرانہ باتیں کیسے بیان کر سکتے ہیں؟ شاعرانہ تخیلات تو جھوٹے اور خلاف واقع ہوتے ہیں، اس میں جب تک بے سروپا مبالغہ نہ ہو اس وقت تک شعر شعر ہی نہیں ہوتا۔

پھر یوں بھی دیکھنا لازم ہے کہ یہ جو قرآن مجید آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیش فرماتے ہیں یہ ہرگز شعر نہیں ہے، نہ اس میں خیالی مضامین ہیں، بلکہ یہ لفظی اور معنوی اور حقائق بیان کرنے کے اعتبار سے اتنا اونچا اور بلند پایہ ہے کہ محض ایک قوم نہیں، بلکہ اقوامِ عالم کے شعراء، فصحاء، بلغاء اور ادباء سب کو چیلنج کیا ہوا ہے کہ ایک چھوٹی سورت (سورۂ کوثر) کی مثال لاکر پیش کرو، بس تمہاری جیت ہوگی، مگر مجال نہیں کہ تمہارے علماء اور شعراء میدان میں آکر اس چیلنج کو قبول کرلیں، حالانکہ پورے جہاں میں تمہارا سب سے بڑا مقصد اور اہم ضرورت یہی ہے کہ کسی نہ کسی طرح اسلام پر ہمارا غلبہ ہو۔

پس واضح ہوا کہ محض ضد وعناد اور ہٹ دھرمی کے سوا تمہاری کوئی صحیح تدبیر نہیں، اور تمہارے قلوب پر پردہ پڑا ہوا ہے، اور تمہیں اللہ تعالیٰ نے اندھا اور بے شعور ہی رکھا ہوا ہے۔ فرمایا:

﴿اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِیْنٌ﴾ وہ تو بس ایک خالص نصیحت ہے، اور قرآن مبین ہے۔

﴿لِّیُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَیًّا﴾ تا کہ وہ اسے ڈرائے جو زندہ ہے۔ یعنی عقل رکھتا ہے، اور حق و باطل اور اچھے برے کے بارے میں تمیز اور فرق جانتا ہے۔ ظاہر و باطن دونوں کے لحاظ سے اندھا نہیں، کیونکہ اندھے اور مردے سورج کی روشنی دیکھنے سے بھی معذور ہیں۔ معجزۂ شق القمر انہیں نزدیک سے نظر نہیں آیا، مگر مالیبار کے خوش قسمت راجہ کو سات ہزار میل دور سے نظر آیا، اور اس کی ہدایت کا سبب بنا۔ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُ

﴿وَیَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ﴾ اور تا کہ کافروں پر حجت ثابت ہو جائے، کیونکہ کفار قیامت کے دن منکر

ہو کر کہیں گے کہ ہمارے پاس کوئی نذیر اور خبر دار کرنے والا نہیں آیا، تو انہیں جواب ملے گا کہ تم جھوٹے ہو۔ ﴿فَقَدْ جَاءَ كُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ﴾ [المائدة: ۱۹] (تحقیق تمہارے پاس بشیر اور نذیر آ گئے تھے)۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ۝۷۱ وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ
فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ۝۷۲ وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ؕ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ۝۷۳ وَ
اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ۝۷۴ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ ۙ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ
مُّحْضَرُوْنَ۝۷۵ فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ۝۷۶

ترجمہ: کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان کے لئے ان چیزوں میں سے جو ہمارے ہاتھوں نے پیدا کیں مویشی پیدا کئے ہیں، سو وہ ان کے مالک ہیں۝۷۱ اور ہم نے ان مویشیوں کو ان کا فرمانبردار بنا دیا ہے، سو ان میں سے بعض ایسے ہیں جو کہ ان کی سواریاں ہیں، اور بعض ایسے ہیں جنہیں وہ کھاتے ہیں۝۷۲ اور ان مویشیوں میں ان کے لئے منافع ہیں، اور پینے کی چیزیں ہیں، سو کیا یہ شکر ادا نہیں کرتے؟۝۷۳ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا معبود بنا لئے ہیں، اس امید پر کہ ان کی مدد کی جائے گی۝۷۴ وہ ان کی مدد نہیں کر سکتے، اور وہ ان کے لئے ایک فریق ہو جائیں گے جو حاضر کر دیئے جائیں گے۝۷۵ سو آپ کو ان کی باتیں رنجیدہ نہ کریں، بلاشبہ ہم جانتے ہیں جو کچھ یہ لوگ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں۝۷۶

معارف ومنازل

قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کی جانب سے بندوں کے لئے سراسر رحمت اور ہدایت ہے۔ گزشتہ آیات میں یہ بتا دیا کہ قرآن پاک شعر و شاعری سے مبرا اور پاک ہے۔ اب ان آیات میں توحید کے اثبات میں تذکیر بآلاء اللہ، یعنی ظاہری و باطنی نعمتوں کا بیان ہے، تاکہ معاندین پر مزید اتمام حجت ہو، فرمایا:

﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ﴾ کیا انہوں نے نہیں دیکھا، نہیں جانا کہ ہم نے ان کے نفع اور خوشحالی کے لئے ایسی چیزیں پیدا کیں کہ جن کو خاص ہمارے ہاتھوں نے بنایا ہے، کسی دوسرے کا ان کی پیدائش میں کوئی ہاتھ نہیں۔ ہم نے ان کے لئے خاص اپنے دست قدرت سے مویشی اور

چوپائے جانور پیدا کئے، پھر ہمارے کرم سے وہ لوگ ان کے مالک بن گئے۔

﴿وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَأْكُلُوْنَ﴾ اور پھر ہم نے ان مویشیوں کو ان کے لئے تابع بنادیا کہ جس طرح چاہیں ان بڑے قدوقامت اور عجیب الخلقت دیوہیکل، گائے، بھینس اور اونٹوں سے کام لیں، مجال نہیں کہ بڑا جانور فرمانبرداری سے انحراف کرے۔ یہ منظر قابلِ دید ہوتا ہے کہ جب ایک بچہ پندرہ اونٹوں کی قطار باندھ کر انہیں ایک رسی (مہار) سے کھینچ رہا ہوتا ہے، اور یہ سارے اونٹ خراماں خراماں چل رہے ہوتے ہیں۔ یہ ہے ربّ العزت کی تسخیر کا ادنیٰ نمونہ۔ کاش یہ نافرمان انسان ان اونٹوں سے فرمانبرداری سیکھ کر اپنے ربّ کے حضور سرِ تسلیم خم کر کے سجدہ ریز ہوتا تو کیا ہی اچھا ہوتا، اور اشرف المخلوقات کے منصب کا حق ادا ہو جاتا۔

﴿وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ۖ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ﴾ سواری اور کھانے کے فوائد کے بعد یہ اہم اجمالی فائدہ بھی قابل غور ہے کہ جانوروں کے پشم اور اون، اسی طرح ان کی کھالیں اور دودھ، دہی، پنیر، لسی اور خرود اور گھی یہ سارے منافع اور مشارب، سواری اور گوشت کے منافع کے علاوہ ہیں۔ پھر صحرانشین لوگ بکثرت مالداری میں کوشش کرتے ہیں کہ اونٹوں، گایوں، گھوڑوں، بھیڑ بکریوں کی اعلیٰ پیمانہ پر تجارت کر کے بے حساب روپیہ پیسہ کماتے ہیں، چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی ان دی ہوئی نعمتوں کا شکر کر کے اپنے ربّ عزّ شانہ کو راضی کریں، مگر افسوس ہے کہ شکر کے بجائے عام طور پر ناشکری کرتے ہیں، وہ یہ ہے:

﴿وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے سوا اور معبود بنا رکھے ہیں، شاید ان معبودوں کی طرف سے ان کی مدد کی جائے، مگر سراسر غلط ہے۔ وہ ناداں یہ نہیں سمجھے کہ:

﴿لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ﴾ یہ معبود بے جان، ضعیف و کمزور ان کی کسی طرح مدد نہیں کر سکتے، یہ پتھر اور پیتل کے تراشے ہوئے مورتی کیا کر سکتے ہیں؟ یہ اپنے دفاع سے عاجز اور بے خبر ہیں، بلکہ یہ بت پرست خود ہی اپنے بتوں کے لئے مفت کی ایک فوج بنے ہوئے ہیں۔ یہ دنیا میں اپنے باطل معبودوں کے لشکر ہیں جو ان کے سامنے حاضر رہتے ہیں، مگر مدد کی صلاحیت کسی میں نہیں، طالب اور مطلوب دونوں کمزور ہیں۔ اور یہ معنیٰ بھی ہے کہ آخرت میں ہر باطل معبود آگے آگے جہنم میں ہوگا، اور یہ پجاری بمنزلہ لشکر کے اس کے پیچھے پیچھے ہوں گے، جس طرح فرعون اور اس کے متبعین کا حال بیان ہوا۔

﴿فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ﴾ پس غم میں نہ ڈالیں آپ کو ان کی خرافات

اور بیہودہ باتیں، جو اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرتے ہیں، یا آپ کے متعلق غلط باتیں کرتے ہیں، یا شاعر و ساحر و مجنون کہتے ہیں، یا قرآن کریم کو سحر اور اساطیر الاوّلین کہتے ہیں، لہٰذا ان باتوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دلگیر نہ ہوں، بیشک ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ یہ چھپاتے ہیں، اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں، ہم ان سب کا بدلہ اور پورا پورا بدلہ دیں گے۔

اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ﴿٧٧﴾ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ؕ
قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ﴿٧٨﴾ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْۤ اَنْشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ
عَلِيْمُ ۙ﴿٧٩﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَاۤ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ﴿٨٠﴾ اَوَلَيْسَ الَّذِيْ
خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؕ بَلٰى ۚ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿٨١﴾ اِنَّمَاۤ اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ
اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿٨٢﴾ فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٨٣﴾

ترجمہ: کیا انسان کو اس کا علم نہیں ہے کہ ہم نے اسے نطفہ سے پیدا کیا؟ سو اچانک وہ علانیہ طور پر جھگڑالو ہوگیا ﴿٧٧﴾ اور ہمارے بارے میں مثل بیان کرنے لگا، اور اپنی پیدائش کو بھول گیا، اس نے کہا کہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا؟ حالانکہ وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں گی ﴿٧٨﴾ آپ فرما دیجئے کہ انہیں وہی زندہ فرمائے گا جس نے انہیں پہلی مرتبہ پیدا فرمایا، اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے ﴿٧٩﴾ جس نے تمہارے لئے ہرے (سبز) درخت سے آگ پیدا کی، سو اچانک تم اس میں سے جلاتے ہو ﴿٨٠﴾ جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا فرمایا، کیا وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ ان کے جیسے پیدا فرما دے؟ ہاں! وہ قادر ہے، اور وہ بڑا پیدا کرنے والا ہے، خوب جاننے والا ہے ﴿٨١﴾ اس کا معمول یہی ہے کہ جب وہ کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ فرمائے تو یوں فرما دیتا ہے کہ ہوجا، سو وہ ہوجاتی ہے ﴿٨٢﴾ سو پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا پورا اختیار ہے، اور تم اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے ﴿٨٣﴾

معارف ومنازل

سورۂ یٰس شریف اپنے اختتام کو پہنچ رہی ہے۔ دلائل توحید اور ربّ العزت سبحانہ کی قدرتِ کاملہ، اور حکمتِ باہرہ کے ضمن میں وقوع قیامت اور حیات بعد الممات کا اثبات ہو رہا ہے۔ قریش مکہ نے وقوع قیامت اور حیات بعد

الممات کو پرزور طریقہ سے محال سمجھ کر پوری شدت سے اس کا انکار کیا۔ ان میں سے ایک شخص عاص بن وائل بھی تھا (یہ خبیث مشہور صحابی، فاتح مصر حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کے والد ہیں) یہ منکر قیامت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اس کے ہاتھ میں ایک بوسیدہ، گلی سڑی ہڈی تھی، اس ہڈی کو اس نے اپنے ہاتھ سے چورا چورا کر کے پھینک دیا، اور کہنے لگا کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ بوسیدہ ہڈی جو مٹی کی طرح ریزہ ریزہ ہو کر منتشر ہوئی تو کیا اللہ تعالیٰ اس کو زندہ فرمادے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! بلاشبہ اللہ تعالیٰ اسے دوبارہ زندہ فرمائے گا، پھر تجھے موت دے گا، پھر تجھے زندہ فرمائے گا، پھر تجھے دوزخ کی آگ میں داخل کرے گا۔ اس پر ان آیات کا ختم سورت تک نزول ہوا، ارشاد ہوا:

﴿اَوَلَمْ یَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ﴾ کیا انسان نہیں دیکھتا، نہیں سوچتا کہ ہم نے اسے ایک قطرۂ آب سے پیدا کیا؟ وہ قطرہ حقیر اور ناپاک بوند ہے جس سے قصر انسانیت قائم ہے، جب وہ قدرتِ الٰہی سے زندہ ہو گیا، تو بڑا جھگڑالو اور ناشکرا ثابت ہوا، اور اپنے خالق و مالک کے ساتھ جھگڑا اور بحث و مباحثہ شروع کیا، وہ یہ ہے:

﴿وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِیَ خَلْقَهٗ ؕ قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیْمٌ﴾ وہ ہمارے لئے مثال بیان کرنے لگا ہے، جو کہتا ہے کہ ان بوسیدہ ہڈیوں کو دوبارہ کون زندہ کر سکتا ہے؟ اس کہنے میں وہ اپنی پیدائش کو بجائے یاد کرنے کے بھول جاتا ہے۔ یہ نافرمان انسان اپنے ربّ اور اس کی قدرت کا مذاق اڑا کر یہ کہتا ہے کہ ان بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا؟ ﴿قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمٌ﴾ آپ ایسے منکرین بعث سے فرمایئے کہ ان بوسیدہ ہڈیوں کو وہی زندہ کرے گا جس نے اپنی قدرت سے پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا، جبکہ ان کا کوئی مادہ اور کوئی نقشہ موجود نہیں تھا۔ پھر تم ذرا عقل سے کام لے کر آسمانوں اور زمینوں، سمندروں، پہاڑوں اور دیگر بڑی بڑی مخلوقات کو بھی دیکھو، جنہیں اللہ تعالیٰ نے ایک حکم ﴿كُنْ﴾ سے پیدا فرمایا، تو تمہارے پانچ فٹ قد کے لوگوں کو دوبارہ پیدا کرنا کوئی مشکل نہیں، اور وہ ہر چھوٹی بڑی پیدائش کو خوب جانتا ہے، اس کا علم ہر چیز پر محیط ہے۔

اب اس بات کو ایک مثال کے ذریعہ معلوم کرو، تو فرمایا:

﴿الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے، جس نے تمہارے لئے سبز درختوں سے آگ پیدا فرمادی، تو اچانک تم اس سے سلگاتے ہو، اور اس آگ سے بہت سے فوائد حاصل کرتے ہو۔ عرب کے ملک میں پہاڑوں میں دو درخت ہوتے تھے: ایک کا نام مرخ تھا، دوسرے کا

نام عفار تھا۔ مالداروں، صحرا نشینوں، چرواہوں کو جب آگ کی ضرورت ہوتی تو ان درختوں کی سبز شاخ لے کر ایک دوسرے پر مارتے تو چقماق کی طرح آگ سلگا کر کام چلاتے۔ تو فرمایا کہ بتاؤ کہ سبز درخت جس میں پانی ہے، جو کہ آگ کی ضد ہے، ایک ضد سے اس کی ضد پیدا کرنا، یہ کس کا کام ہے؟ درخت کی شاخوں کی رگڑ سے آگ پیدا کرنے پر قادر مطلق تمہیں مرنے اور بوسیدہ ہونے کے بعد دوبارہ پیدا کرنے پر بھی مکمل قادر ہے۔ اگلی آیت میں مزید کمال قدرت کا بیان ہے:

﴿اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ۚ بَلٰى وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ﴾

کیا وہ ذات پاک جس نے آسمان و زمین جیسے اجسامِ عظیمہ پیدا کئے، وہ اس پر قادر نہیں کہ وہ ان جیسے چھ سات فٹ کے انسان کو دوبارہ پیدا کر دے؟ حالانکہ آسمان اور اس پر (افلاک میں نیچے اوپر) جڑے ہوئے بے شمار اور نہایت بڑے بڑے ستارے، چاند و سورج، یہ سب اس ذات پاک کے حکم سے چشم زدن میں پیدا ہوئے، تو تمہاری تخلیق ان دیگر عظیم مخلوقات کی بہ نسبت نہایت آسان ہے۔ اس کی تفصیل سورۃ الروم میں گزر چکی ہے، وہاں دیکھیں۔ تو فرمایا:

﴿بَلٰى﴾ کیوں نہیں، وہ تو سب سے بڑا پیدا کرنے والا، اور علیم ہے۔

﴿اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ یہ اس کی شان ہے کہ جب وہ کسی چیز کو عدم سے نکال کر وجود میں لانے کا ارادہ کرتا ہے، تو اس سے یہ کہہ دیتا ہے ''ہو جا'' سو وہ چیز فوراً ہو جاتی ہے۔ پس تمہیں چاہئے کہ اس کے حکموں پر ایمان لا کر عملی اقدام کرو اور شب و روز اس کی تسبیح کرو۔

﴿فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ پس پاک ہے اللہ تعالیٰ کی ذات ہر عیب و نقصان سے، اور ہر قسم کی عجز و کمزوری، اور ہر طرح کے شرکاء سے، جس کے ہاتھ اور قبضہ قدرت میں سارے جہاں کا اقتدار و بادشاہت ہے، اور ہر چیز کا تصرف و اختیار ہے، اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے، پہلے مرو گے، پھر زندہ ہو کر اس کے ہاں پہنچو گے۔

حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ''گزشتہ امتوں میں سے ایک شخص پر موت آئی جو بد عمل تھا، اس نے اپنے اہل و عیال کو جمع کر کے وصیت کی کہ جب میں مر جاؤں تو لکڑیوں کا ایک بڑا انبار جمع کرنا، پھر اس میں آگ لگانا، جب آگ خوب تیز ہو جائے تو مجھے اس میں ڈال کر جلا دینا، یہاں تک کہ جب میرا گوشت، پوست اور ہڈیاں سب کوئلہ ہو جائیں، تو انہیں پیس کر باریک کر کے ان کا راکھ آدھا سمندر میں، اور

آدھا پہاڑوں پر ہوا میں اڑا دینا، کیونکہ میں بےعمل اگر اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کے ہاتھ آیا تو میرا خانہ خراب ہوگا، چنانچہ اہل وعیال نے اس کی وصیت پر مکمل عمل کر کے اسے جلا کر راکھ سمندر اور صحراء میں اڑا دیا، تو اللہ تعالیٰ نے دریا اور خشکیوں کو حکم دیا کہ ہوا کے ذریعہ اس کی راکھ کے اجزاء جمع کر کے حاضر کرو۔ جب تمام ذرات جمع ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ ہونے کا حکم دیا، اور وہ شخص پہلے کی طرح زندہ ہوا، تو اللہ تعالیٰ نے جانتے ہوئے اس سے پوچھا کہ تم نے یہ غلط وصیت اور نامناسب حرکت کیوں کی؟ اس نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! میں نے یہ حرکت تیرے خوف کی وجہ سے کی، تاکہ تیرے عذاب سے بچ جاؤں، تو اللہ تعالیٰ نے اسے معاف فرما کر بخش دیا‘‘۔ [بخاري، مسلم، أحمد وغيرهم]

سُوْرَةُ الصّٰفّٰت

مکیۃٌ آیاتہا ۱۸۲ رکوعاتہا ۵

سورۂ صافات مکی ہے، اس میں ایک سو بیاسی (۱۸۲) آیتیں، اور پانچ (۵) رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام:

اس سورت کا نام سورۃ الصّٰفّٰت ہے، جو اس سورت کے پہلے لفظ سے ماخوذ ہے۔ یہ سورت ترتیب تلاوت میں ۳۷ ویں نمبر پر ہے، اور ترتیب نزول میں ۵۶ ویں نمبر پر ہے۔

نزول:

یہ سورت مکی ہے، اس کا نزول سورۂ انعام کے بعد ہے۔

تعداد حروف وکلمات:

اس سورت میں رکوع پانچ ہیں، اس کی آیات ایک سو بیاسی (۱۸۲) ہیں، اور یہ ۸۷۳ کلمات، اور ۳۹۵۱ حروف پر مشتمل ہے۔

ربط ومناسبت:

(۱) سورۂ یٰس میں بنیادی چیزوں توحید ورسالت اور قیامت کا بیان ہوا، اس سورت میں بھی انہی چیزوں کا بیان ہے۔ (۲) دونوں سورتوں میں انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ ہے۔ (۳) تذکیراتِ ثلاثہ کا دونوں سورتوں میں تذکرہ ہے۔

☆☆☆

مختصر موضوع:

بنیادی عقائد توحید، رسالت، صداقتِ قرآن اور معاد کا بیان ہے۔ بکثرت انبیاء کرام علیہم السلام کا تذکرہ ہے۔ ایمان وعمل صالح کے نیک انجام، اور شرک وکفر کے برے انجام کا تذکرہ وغیرہ۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۙ﴿۱﴾ فَالزّٰجِرٰتِ زَجۡرًا ۙ﴿۲﴾ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكۡرًا ۙ﴿۳﴾ اِنَّ اِلٰهَكُمۡ لَوَاحِدٌ ؕ﴿۴﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ
وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا وَرَبُّ الۡمَشَارِقِ ؕ﴿۵﴾ اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنۡيَا بِزِيۡنَةِ ۨالۡكَوَاكِبِ ۙ﴿۶﴾ وَحِفۡظًا
مِّنۡ كُلِّ شَيۡطٰنٍ مَّارِدٍ ۚ﴿۷﴾ لَا يَسَّمَّعُوۡنَ اِلَى الۡمَلَاِ الۡاَعۡلٰى وَيُقۡذَفُوۡنَ مِنۡ كُلِّ جَانِبٍ ۖ﴿۸﴾ دُحُوۡرًا
وَّلَهُمۡ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۙ﴿۹﴾ اِلَّا مَنۡ خَطِفَ الۡخَطۡفَةَ فَاَتۡبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ﴿۱۰﴾

ترجمہ: قسم ہے صف بنا کر کھڑے ہونے والے فرشتوں کی ① پھر ان فرشتوں کی جو بندش کرنے والے ہیں ② پھر ان فرشتوں کی جو ذکر کی تلاوت کرنے والے ہیں ③ بلاشبہ تمہارا معبود ایک ہے ④ جو ربّ ہے آسمانوں کا، اور زمین کا، اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، اور ربّ ہے مشارق کا ⑤ بلاشبہ ہم نے قریب والے آسمان کو زینت دی ہے، خاص زینت، یعنی ستاروں کے ذریعہ ⑥ اور حفاظت کی ہے ہر سرکش شیطان سے ⑦ یہ لوگ عالم بالا کی طرف کان نہیں لگا سکتے، اور وہ ہر جانب سے مار کر دھکے دیئے جاتے ہیں ⑧ اور ان کے لئے دائمی عذاب ہے ⑨ سوائے اس شیطان کے جو اُچک کر لے بھاگے، تو اس کے پیچھے ایک شعلہ دہکتا ہوا لگ جاتا ہے ⑩

معارف ومنازل

قرآن کریم کے مختلف مقامات پر چند صفات کا ابہام کے ساتھ ذکر ہوتا رہا ہے، مگر صاحب صفات مذکور نہیں ہوتا، تو ایسے مقامات پر قرائن سے مفسرین حضرات مطالب کی تعیین کرتے ہیں، اور کوئی مناسب معانی مراد لیتے ہیں، جیسا کہ سورۃ النازعات کے شروع کی پانچوں صفات کے متعلق آئے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ، وہاں دیکھا جائے۔ یہاں

تین صفات مذکور ہیں: الصّٰفّٰتِ، الزّٰجِرٰتِ، اور التّٰلِیٰتِ۔ اس کے متعلق تین قول ہیں:

پہلا قول یہ ہے کہ ان سے نمازی لوگ مراد ہیں، جو صف بندی کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں، اور تلاوت کے ساتھ شیاطین کو بھگا دیتے ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد مجاہدین ہیں، جو میدانِ جہاد میں صف بندی کر کے قتال کرتے ہیں۔ تیسرا قول یہ ہے کہ ان سے مراد فرشتے ہیں، جو قطار در قطار صف بندی کے ساتھ نظام کائنات کی تدبیر کر رہے ہیں۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندے ہیں، اس کی اطاعت و بندگی میں شب و روز ہر لمحہ صف بستہ ہیں۔ ان کی صف بندی کا تذکرہ قرآن مجید اور احادیث میں بکثرت موجود ہے۔

یہی آخری قول اکثر مفسرین کے نزدیک راجح اور مستند قول ہے کہ تینوں گروہوں میں راجح یہی ہے۔ اور یہی قول حضرت عبداللہ بن مسعود، ابن عباس، قتادہ، سعید بن جبیر، مسروق، مجاہد، عکرمہ، ابن زید، ربیع ابن انس اور سدی رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔ آگے آیت نمبر (۱۶۵) میں فرشتوں کا یہی قول آنے والا ہے: ﴿وَاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ﴾ اور ہم ہی ہیں صف باندھنے والے۔ اسی وجہ سے ان صفات کو بجائے تذکیر کے صیغہ مؤنث کے ساتھ بیان فرمایا۔

دوسرا مسئلہ یہاں غیر اللہ کی قسم کھانے کا ہے، جو قرآن حکیم میں بہت بکثرت موجود ہے۔ اس کے متعلق عرض ہے کہ غیر اللہ کی قسم کھانا اگرچہ حرام ہے، اور شریعت نے سختی سے اس کی ممانعت فرمائی ہے، اور بندوں کو سختی سے منع کیا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی شان بندوں سے جداگانہ ہے، وہ بار بار قرآن کریم میں اپنے غیر کی قسم کھاتا ہے، اور عموماً ان چیزوں کی جو اس کے نزدیک محبوب یا نافع یا وقیع یا مہتم بالشان ہوں، یا مقسم علیہ کے لئے بطور شاہد و حجت کے کام دے سکیں۔ یہاں فرشتوں کی قسم ان کے وقیع و مہتم بالشان اور فرمانبرداری کی وجہ سے ہے۔ فرمایا:

﴿وَالصّٰفّٰتِ صَفًّا﴾ قسم ہے ان فرشتوں کی جو قطار در قطار صف باندھ کر حکم الٰہی کے منتظر رہتے ہیں، جیسے نمازی نماز میں، اور مجاہدین میدانِ جہاد میں حق عبودیت بجالاتے ہوئے صف بستہ کھڑے ہوتے ہیں۔ اسی طرح فرشتے بھی شب و روز صفوں میں کھڑے عبادت کرتے ہیں، اور حکم الٰہی جو نظام عالم کے متعلق ہو اس کی بجا آوری کے منتظر رہتے ہیں۔ حدیث میں ارشاد ہے کہ اے لوگو! تم نماز کے لئے اس طرح صفیں کیوں نہیں بناتے جس طرح فرشتے اپنے پروردگار کے ہاں صف بندی کرتے ہیں؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! فرشتے کس طرح صف بندی کرتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ پہلی صفوں کو پورا کرتے ہیں، اور مل کر کھڑے ہوتے ہیں، درمیان میں کوئی خلا نہیں چھوڑتے ہیں۔ [ابن كثير، مظهري]

صف کا لفظ نظم وضبط، اتحاد واتفاق پر دلالت کرتا ہے، تو چاہئے کہ ہم اپنے ہر کام کو پورے ضبط وثبات کے ساتھ انجام دیں، اسی میں فلاح بھی ہے، اور سعادت بھی۔ جو لوگ بدنظمی اور بے اتفاقی سے کام کرتے ہیں وہ فلاح حاصل نہیں کر سکتے۔

﴿فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا﴾ قسم ہے ان فرشتوں کی جو شیاطین کو ڈانٹتے اور بھگاتے ہیں، یا یہ کہ قیامت کے روز جہنمیوں کو ڈانٹتے اور ملامت کرتے ہیں، یا بادلوں کو کوڑے مارتے زجر کرتے ہیں، ایک علاقے سے دوسرے علاقے تک ہانکتے ہیں، یا یہ معنی کہ شیاطین جب اوپر آسمانوں پر چڑھنا چاہتے ہیں تاکہ چوری چھپے وہاں کے حالات سن کر کاہنوں کو پہنچائیں، تو فرشتے شہاب ثاقب کے ذریعہ انہیں زجر کرتے جلاتے اور مارتے ہیں، تاکہ عالم بالا تک ان کی رسائی نہ ہو سکے۔

﴿فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا﴾ قسم ہے ان فرشتوں کی جو اللہ تعالیٰ کے ذکر کی تلاوت کرتے ہیں، رات دن ہر لحمہ ذکر الٰہی میں مشغول رہتے ہیں۔ اسی سورت میں آیت نمبر ۱۶۵ میں آنے والا ہے: ﴿وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ﴾ اور ہم ہی ہیں تسبیح کرنے والے۔ یا یہ معنی ہے کہ قسم ہے ان فرشتوں کی جو اللہ تعالیٰ کا حکم اور وحی انبیاء علیہم السّلام کے پاس لاکر تلاوت کرتے ہیں۔ تینوں قسموں کا جواب: ﴿اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ﴾ بیشک تمہارا معبود برحق عزّوجلّ ایک ہے۔ وہ اپنی ذات وصفات میں، اقوال وافعال میں یکتا ویگانہ ہے۔

آئندہ آیات کا مطلب یہ ہے کہ آسمان وزمین کے تمام فرشتے اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ یکتا واکیلا ہے، اور وہی علویات وسفلیات کا خالق ہے، اور پورے عالم کا تصرف اور نظام اسی کے ہاتھ میں ہے، جس کی دلیل یہ ہے کہ وہ: ﴿رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ہے، اور تمام کواکب، ثوابت اور سیارات ونجوم، سب اس کے حکم سے مسخر ہیں، اور ہزاروں اور لاکھوں سالوں سے بغیر کسی حادثہ وخرابی یا تبدیلی کے عجیب انداز سے چل رہے ہیں، چنانچہ ارشاد ہے:

﴿رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ﴾ وہ ربّ ہے آسماں اور زمین کا، اور ان دونوں کی درمیانی مخلوقات کا، اور وہی ربّ ہے تمام مشرقوں کا۔ اور سورۃ المعارج میں فرمایا: ﴿فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ﴾ [المعارج: ۴۰] (میں قسم کھاتا ہوں سورج نکلنے کی جگہوں اور اس کے غروب ہونے کی جگہوں کے مالک کی)۔ سال کے تین سو ساٹھ دن ہیں، سورج کے طلوع وغروب کی بھی تین سو ساٹھ جگہیں ہیں، اس

لئے جمع کے صیغہ کا استعمال ہوا۔ سورۃ الرحمٰن میں ﴿رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ﴾[الرحمن:۱۷] (دونوں مشرقوں اور دونوں مغربوں کو پرودگار ہے) تثنیہ کا صیغہ استعمال ہوا، اس میں سردی وگرمی کے طلوع وغروب کی جگہیں مراد ہیں، جو کہ دو ہیں۔ اور سورۃ المزمل میں فرمایا: ﴿رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ﴾ [المزمل:۹] (مشرق اور مغرب کا پروردگار ہے) واحد کا صیغہ ہے، جس میں جنس مراد ہے۔

﴿اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ الْكَوَاكِبِ ۝ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ﴾ ہم نے ہی سجایا ہے زمین کے قریب والے آسمان، یعنی پہلے آسمان کو زینت کے ساتھ۔ یعنی ستاروں سے، اور حفاظت کی ہے ہر شریر شیطان سے، تاکہ وہ آسمانوں تک نہ جاسکیں، اور فرشتوں کی باتیں نہ سن سکیں، اس لئے آسمانوں کی حفاظت کی۔

یہاں ستاروں کے دو فوائد معلوم ہوئے:

(۱) آسمانوں کی زینت اور خوبصورتی۔ (۲) شیاطین کو مار بھگانے کے لئے شہاب ثاقب بننا۔

سورۃ الملک میں فرمایا: ﴿وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ﴾ [الملک:۵] (تحقیق ہم نے زینت بخشی آسمان دنیا کو چراغوں یعنی ستاروں کے ساتھ، اور انہیں شیطانوں کو مارنے والا بنایا) جن سے شعلہ نکل کر شیطانوں کو مار بھگا دیتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے شیاطین اوپر آسمانوں تک جاتے تھے، جب (عنان) میں فرشتوں سے کچھ سنتے تھے تو اس میں سو جھوٹ ملا کر کاہنوں کو بتاتے تھے، جس سے کاہنوں کا کاروبار چلتا تھا، اور لوگوں کے عقائد مزید خراب ہوتے تھے۔ جب آپ ﷺ کی بعثت ہوئی تو تحفظ وحی کی خاطر شیاطین کے اوپر جانے پر پابندی لگ گئی، اور ان کے مارنے کے لئے شہاب ثاقب مقرر ہوئے۔ اب جب وہ اوپر جاتے تو مار کھاتے مرجاتے، یا زخمی ہوجاتے ہیں۔ تفصیل سورۃ الجن میں دیکھیں۔ فرمایا:

﴿لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۝ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۝﴾

وہ ملاء اعلیٰ کی بات نہیں سن سکتے، اور وہ مارے جاتے ہیں، ہر جانب سے دھتکارے ہوئے۔ ﴿اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى﴾ فرشتوں کے اوپر کے ٹھکانے۔ ﴿وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ﴾ جب وہ آسمان کے ساتھ کچھ ٹھہرنا اور سننا چاہتے ہیں تو ہر طرف سے ان پر شعلے پڑتے ہیں۔ یہ شعلہ دہکتی ہوئی آگ کا ایک حصہ ہے، جو ستارے سے نکلتا ہے۔

دُحُوْرٌ: دھتکار۔ قَذْف: کا معنی بھی اسی کے قریب ہے۔ وَاصِبٌ: کے معنی ہیں دائمی اور لازمی۔

﴿اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ﴾ مگر یہ کہ کسی وقت کوئی شیطان چوری چھپکے سے کوئی

بات اُچک کر بھاگ لے جائے، تو ایک روشن شعلہ اس کے پیچھے لگ جاتا ہے، جس سے کبھی وہ مارا جاتا ہے، اور کبھی زخمی ہو کر یا بچ جاتا ہے، اور نیچے والوں تک بات پہنچا دیتا ہے۔ مطلب واضح ہے کہ ستاروں کے پیدا کرنے میں روشنی اور راستوں کی راہنمائی کے علاوہ دو فائدے ہیں:

ایک یہ کہ آسمان دنیا کی زینت بنیں، اور دنیا والے ان کی روشنی اور حسن و زینت سے محظوظ ہوں۔ دوسرے یہ کہ سرکش شیاطین جو اوپر چڑھنے کی کوشش کرتے ہیں ان سے آسمانوں کی حفاظت ہو جائے، اور انہیں مار بھگانے کے لئے شعلہ چھوڑ دیں۔ یعنی بڑے بڑے کواکب سے شعلہ آگ کی چنگاری کی طرح نکل کر شیاطین کو جلائے۔

یہ ستارے جو کھربوں کواکب پر مشتمل ہیں، ان میں سے بڑے ستارے بھی ہیں جو سورج سے اربوں مرتبہ بڑے ہیں، یہ سب کے سب آسمانوں سے نیچے فضاؤں میں اپنے افلاک یعنی مدار اور روٹ میں رواں دواں ہیں، اور یہ تمام ستارے آسمان میں کیل اور پنکھے کی طرح جڑے ہوئے نہیں۔ اس کی تفصیل سورۃ الملک کے فوائد میں بیان کریں گے۔ اِن شاءاللہ تعالیٰ

فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ⑪ بَلْ عَجِبْتَ
وَ يَسْخَرُوْنَ ⑫ وَ اِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ ⑬ وَ اِذَا رَاَوْا اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ ⑭ وَ قَالُوْٓا اِنْ هٰذَآ
اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ⑮ ءَاِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ⑯ اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ⑰
قُلْ نَعَمْ وَ اَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ ⑱ فَاِنَّمَا هِیَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ يَنْظُرُوْنَ ⑲ وَ قَالُوْا يٰوَيْلَنَا
هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ ⑳ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ㉑

ترجمہ: سو آپ ان سے دریافت کر لیجئے: کیا وہ پیدائش کے اعتبار سے زیادہ سخت ہیں یا ہماری پیدا کی ہوئی دوسری چیزیں؟ بیشک انہیں ہم نے چپکتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا ہے ⑪ بلکہ آپ تعجب کرتے ہیں، اور وہ لوگ تمسخر کرتے ہیں ⑫ اور جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو نصیحتوں کو نہیں سمجھتے ⑬ اور جب وہ کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو ہنسی اڑاتے ہیں ⑭ اور انہوں نے کہا کہ یہ کھلے ہوئے جادو کے علاوہ کچھ نہیں ہے ⑮ کیا جب ہم مر جائیں گے، اور ہم مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے، تو کیا ہم پھر اٹھائے جائیں گے؟ ⑯ کیا ہمارے پرانے باپ دادے بھی؟ ⑰ آپ

فرمادیجئے: ہاں! اورتم ذلیل ہوگے ⑱ بس وہ ایک للکار ہوگی، سو یکایک وہ سب کھڑے دیکھ رہے ہوں گے ⑲ اور یوں کہیں گے کہ ہائے ہماری کم بختی! یہ تو روز جزا ہے، یہ فیصلہ کا دن ہے، جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے ⑳

معارف ومنازل

ان آیات میں اثباتِ توحید، اثباتِ قدرت کاملہ، معاد، اور منکرین کے استعجاب، اوران کی تردید کے ساتھ ان کے شرک اور کفر کے انجامِ بدوغیرہ امور کا بیان ہے۔

﴿فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ﴾ آپ ان سے پوچھ لیجئے کہ یہ لوگ، یعنی منکرین قیامت بناوٹ (پیدائش) میں زیادہ سخت ہیں، یا وہ دوسری چیزیں جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں؟ جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہی چیزیں موجود ہیں تو دوبارہ اپنے پیدا کئے جانے کا یہ کیسے انکار کرتا ہے؟ کیا ان کی پیدائش آسمانوں اور زمین، اور ان کے درمیانی مخلوقات کی پیدائش سے بھی سخت ہے؟ ہرگز نہیں۔ پھر تو انہیں سوچنا چاہیئے:

﴿اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ﴾ بیشک ہم نے ان کو چپکتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا ہے، نہ اس مٹی میں قوت ہے، اور نہ سختی وصلابت ہے۔ پس ان کو غور کرنا چاہئے کہ جب اتنی بڑی بڑی سخت خلقتوں کو اللہ تعالیٰ ربّ العٰلمین جلّ مجدہٗ نے پیدا فرمایا تو ہم جیسے چھوٹے اور ضعیف وکمزور انسانوں کو پیدا کرنا اس کے لئے کوئی مشکل نہیں۔ جو ذات پاک اتنی بڑی بڑی مخلوقات کی پیدائش پر قادر ہے، تو وہ اس چھوٹے انسان کے دوبارہ زندہ کرنے پر کیوں قادر نہیں؟

﴿بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ﴾ بلکہ آپ تعجب کرتے ہیں ان مشرکین کی بیوقوفی اور نادانی پر کہ وہ اپنی دوبارہ پیدائش سے منکر ہیں، اور قیامت کو محال سمجھتے ہیں، اور وہ آپ کی صداقت اور قیامت کے آنے کا مذاق اڑا رہے ہیں۔

﴿وَاِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ﴾ جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو نصیحت نہیں پکڑتے۔ ان کے قلوب پر تالے پڑے ہیں، یہ اپنی فطری استعداد کھو چکے ہیں۔

﴿وَاِذَا رَاَوْا اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ﴾ جب کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو ہنسی مذاق کرتے رہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہاں نشانی سے مراد معجزہ شق القمر ہے، جس کو مشرکین نے جادو کہا، اور نہ مانا، اسی کو فرمایا:

﴿وَقَالُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ اور کہتے ہیں کہ نہیں ہے یہ مگر کھلا جادو، اور کہتے ہیں کہ:

﴿ءَاِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۱۶﴾ اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ﴾ کیا جب ہم مر گئے، اور مٹی اور خاک ہو گئے، تو کیا ہم دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے؟ یا جو ہمارے گزشتہ باپ دادے وہ بھی دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے؟ اور کہتے تھے کہ جن آباء واجداد پر سیکڑوں سال گزر گئے، ان کا دوبارہ زندہ ہونا سمجھ سے بالاتر ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے جواب دیا:

﴿قُلْ نَعَمْ وَ اَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ﴾ آپ فرما دیجئے کہ ہاں! تم اور تمہارے باپ دادے سب اٹھائے جاؤ گے، اور تم سب سخت ذلیل اور خوار ہو جاؤ گے۔ وہاں تمہاری ذلت مثالی ہو گی، کیوں نہیں: ﴿فَاِنَّمَا هِیَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ یَنْظُرُوْنَ﴾ پس جس قیامت کو تم محال جانتے ہو وہ اللہ تعالیٰ کے لئے ایک ہی اشارہ کے ساتھ اسے برپا کرنا آسان ہے، وہ ایک ہی سخت ہولناک بگل کی آواز ہو گی کہ وہ سب کھڑے دیکھ رہے ہوں گے۔ دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَمَاۤ اَمْرُنَاۤ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۭ بِالْبَصَرِ﴾ [القمر: ۵۰] یعنی ہم چشمِ زدن میں جو چاہیں گے کر ڈالیں گے، کسی چیز کے بنانے یا بگاڑنے میں ہم کو دیر نہیں لگتی، نہ کچھ مشقت ہوتی ہے۔

﴿وَقَالُوْا یٰوَیْلَنَا هٰذَا یَوْمُ الدِّیْنِ﴾ پس قیامت کے برپا ہونے پر کف افسوس ملتے ہوئے کہیں گے: اے کاش، ہائے ہماری بربادی! یہ تو روز جزا معلوم ہوتا ہے، جس کا پیغمبروں علیہم السلام نے ہم سے وعدہ کیا:

﴿هٰذَا یَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ﴾ اور وہ فیصلے کا دن ہے، جس کو تم جھٹلاتے تھے، اور کہتے تھے: قیامت کبھی نہیں آئے گی۔ ﴿اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَنَحْیَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِیْنَ﴾ [الأنعام: ۲۹] (بس صرف یہی دنیا کی زندگی ہے، جینا اور مرنا ہے، اور ہمیں نہیں اٹھایا جائے گا)۔

...... ❁ ...... ❁ ...... ❁ ......

اُحْشُرُوا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ ﴿۲۲﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰی صِرَاطِ
الْجَحِیْمِ ﴿۲۳﴾ وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْـُٔوْلُوْنَ ﴿۲۴﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ﴿۲۵﴾ بَلْ هُمُ الْیَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ﴿۲۶﴾
وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ یَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ قَالُوْۤا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْیَمِیْنِ ﴿۲۸﴾ قَالُوْا
بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ﴿۲۹﴾ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَیْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ ۚ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِیْنَ ﴿۳۰﴾ فَحَقَّ
عَلَیْنَا قَوْلُ رَبِّنَاۤ ۖ اِنَّا لَذَآىِٕقُوْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَغْوَیْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِیْنَ ﴿۳۲﴾ فَاِنَّهُمْ یَوْمَىِٕذٍ فِی الْعَذَابِ

مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۳۴﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۙ يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ﴿۳۶﴾

ترجمہ: ظالموں کو اور ان کے ہم مشربوں کو جمع کرلو، اور ان معبودوں کو، جن کی وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کیا کرتے تھے ﴿۲۲﴾ پھر انہیں دوزخ کا راستہ دکھادو ﴿۲۳﴾ اور انہیں ٹھہراؤ، بیشک ان سے سوال کیا جائے گا ﴿۲۴﴾ کیا بات ہے کہ تم ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے؟ ﴿۲۵﴾ بلکہ وہ آج سب کے سب ہار ماننے والے ہوں گے ﴿۲۶﴾ اور ان میں سے بعض بعض کی طرف متوجہ ہو کر ایک دوسرے سے سوال کریں گے ﴿۲۷﴾ کہیں گے کہ بیشک تم ہمارے پاس بڑے زوردار طریقے سے آیا کرتے تھے ﴿۲۸﴾ متبوعین کہیں گے: بلکہ بات یہ ہے کہ تم خود ہی ایمان لانے والے نہ تھے ﴿۲۹﴾ اور تم پر ہمارا کوئی زور نہیں تھا، بلکہ بات یہ ہے کہ تم سرکشی کرنے والے تھے ﴿۳۰﴾ سو ہم پر ہمارے ربّ کی بات ثابت ہوگئی، بلاشبہ ہم سب چکھنے والے ہیں ﴿۳۱﴾ سو بلاشبہ ہم نے تمہیں بہکایا، بیشک ہم خود بھی گمراہ تھے ﴿۳۲﴾ سو بلاشبہ وہ لوگ آج کے دن عذاب میں شریک ہوں گے ﴿۳۳﴾ بلاشبہ ہم مجرموں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں ﴿۳۴﴾ یقینی بات ہے کہ ان کا ڈھنگ یہ تھا کہ جب ان سے کہا جاتا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے تو تکبر کیا کرتے تھے ﴿۳۵﴾ اور کہتے تھے: کیا ہم ایک ایسے شخص کی وجہ سے اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں جو شاعر ہے، دیوانہ ہے ﴿۳۶﴾

معارف ومنازل

ان آیات میں روز قیامت کے بعض مناظر، اور دوزخیوں کی آپس میں مکالمے وغیرہ کا بیان ہے۔ ارشاد فرمایا: ﴿اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ﴾ ان ظالموں اور ان کے ہم مشربوں، اور ان کے جوڑوں کو اکٹھا کرو۔ جوڑوں سے مراد ہم مشرب ساتھی رفیق اور ہم پیشہ ہے، جو شرک وکفر اور معاصی وغیرہ میں ایک دوسرے کے مشابہ اور مماثل اور تابع وپیرو تھے، جیسے قاتلوں کو قاتلوں کے ساتھ، شرابیوں کو شرابیوں کے ساتھ، زناکاروں کو زناکاروں کے ساتھ، بت پرستوں کو بت پرستوں کے ساتھ، مجوسیوں کو مجوسیوں کے، سودخوروں کو سودخوروں کے ساتھ، ان سب کو ایک جگہ جمع کرلو، تاکہ سب مل کر ایک ہی قسم کی حسرت اور افسوس میں مبتلا ہوں۔

﴿وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿۲۲﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اور ان ظالموں کے ساتھ ان معبودانِ باطلہ کو بھی اکٹھا کرو، جن کی یہ ظالم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر پرستش کیا کرتے تھے، اور انہیں نفع ونقصان کا مالک سمجھتے تھے۔

﴿فَاهۡدُوۡهُمۡ اِلٰی صِرَاطِ الۡجَحِیۡمِ﴾ اور پھر ان سب کو دوزخ کی راہ دکھاؤ۔ ﴿وَقِفُوۡهُمۡ اِنَّهُمۡ مَّسۡئُوۡلُوۡنَ﴾ پھر یہ حکم ہوگا: ذرا تھوڑی دیر ان کو ٹھہراؤ، کہ ان سے ان کی کارکردگی کے متعلق پوچھا جائے گا، ذرا انہیں روکو، کھڑا کردو، ان سے باز پرس ہوگی، ان سے دنیاوی زندگی کے تمام حالات اور کارکردگی کے بارے میں سوال ہوگا، اور پھر زجر و توبیخ کے ساتھ انہیں یہ کہا جائے گا:

﴿مَا لَکُمۡ لَا تَنَاصَرُوۡنَ﴾ تمہیں کیا ہوا ہے کہ آج ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے؟ جیسے تم دنیا میں ایک دوسرے کے حامی اور مددگار رہتے تھے۔ ابوجہل خبیث نے غزوۂ بدر کے موقعہ پر کہا تھا: نَحۡنُ جَمِیۡعٌ مُّنۡتَصِرٌ۔ ہم سب آپس میں ایک دوسرے کے ہمدم و مددگار ہیں۔ آج قیامت کے دن تمام رشتے اور تعلقات ٹوٹ گئے۔

﴿بَلۡ هُمُ الۡیَوۡمَ مُسۡتَسۡلِمُوۡنَ﴾ بلکہ یہ لوگ گردن جھکائے ہوئے، سرافگندہ، اور دم بخود ہوں گے۔ پھر آپس میں سوال و جواب کریں گے، اور ایک دوسرے کو ملامت کریں گے، اور ایک دوسرے کو پھنسانے کی کوشش کریں گے، تاکہ شاید میری نجات ہو، اور میں بچ جاؤں۔ لیکن ایسا انہیں نصیب کیسے ہوگا، جس کا امکان تک نہیں ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: ﴿وَاَقۡبَلَ بَعۡضُهُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ یَّتَسَآءَلُوۡنَ﴾ اور ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوکر سوال و جواب کریں گے، اور اپنے سرداروں سے بطور الزام یہ کہیں گے:

﴿قَالُوۡۤا اِنَّکُمۡ کُنۡتُمۡ تَاۡتُوۡنَنَا عَنِ الۡیَمِیۡنِ﴾ کہ تم تو ہماری دائیں طرف سے آتے تھے۔ یعنی بڑی قوت کے ساتھ ہمیں شکار کرتے تھے، اور اپنی بات منواتے تھے، ہم لاچاری میں تمہارا حکم مانتے تھے، پھر تم نے دنیا میں ہم کو تابع بنا کر ہدایت سے روکا، اور آج ہماری مدد سے بھاگ کر ہمیں بے یار و مددگار چھوڑ رہے ہو۔ اس پر ان کے سردار جواب دیں گے: ﴿بَلۡ لَّمۡ تَکُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِیۡنَ﴾ بلکہ تم خود ہی ایمان سے خالی تھے، اگر تم ایماندار ہوتے تو ہمارے بہکانے میں نہ آتے، اور گمراہی اختیار نہ کرتے۔ یہ ان کا پہلا جواب ہے۔ دوسرا یہ ہے:

﴿وَمَا کَانَ لَنَا عَلَیۡکُمۡ مِّنۡ سُلۡطٰنٍ﴾ ہمارا تم پر کوئی زور تو نہ تھا کہ ہم نے تمہیں زبردستی گمراہ بنایا ہو۔ تیسرا جواب یہ ہے: ﴿بَلۡ کُنۡتُمۡ قَوۡمًا طٰغِیۡنَ﴾ بلکہ ہمارے کہنے کے بغیر تم لوگ خود ہی حد سے بڑھنے والے سرکش و نافرماں تھے، جس کی وجہ سے آج تمہیں یہ دن نصیب ہوا۔ تم نے اپنی سرکشی کی بنیاد پر ناصحین کا نہ مانا، اور ہمارے بہکانے میں آگئے۔ اب اپنی گمراہی کی نسبت ہماری طرف نہ کرو۔ جیسا کہ شیطان جہنم میں اپنے الزام دینے والوں سے بھی یہی کہے گا کہ میرا تم پر کوئی زور نہ تھا، میں نے تم کو کفر کی فقط دعوت دی تھی، تم نے از خود برضا و رغبت

میری دعوت قبول کرلی، اور انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت کو رد کیا۔ پس آج مجھے ملامت نہ کرو، اور نہ ہی مجھ سے مدد مانگو، بلکہ اپنے نفسوں کو ملامت کرو، جو تمہیں کافر بنائے۔ [سورۃ مریم]

چوتھے یہ کہ پھر وہ سردار یہ کہیں گے کہ اب اصل بات یہ ہے کہ ہم سب پر قہر وغضب کا کلمہ عذاب نازل ہوا ہے، وہ یہ ہے: ﴿فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ ۖ إِنَّا لَذَآئِقُوْنَ﴾ پس ہم سب پر بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کا فیصلہ ہو چکا ہے، اور ہم اس کا مزہ چکھنے والے ہیں، اب خوب چکھو، اور افسوس کرو، آج تمہاری مدد کہیں سے نہیں ہوگی، پھر سردار اپنے تابعین کے سامنے آخری اقرار کر کے کہیں گے، یہ پانچویں بات ہے، وہ یہ ہے:

﴿فَاَغْوَيْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ﴾ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے ہی تم کو گمراہ کیا، کیونکہ ہم گمراہی میں تھے۔ یعنی ہم ڈوبے ہوئے تھے، اس کے ساتھ تمہیں بھی ڈبو دیا، اب اصلی بات سامنے تو آگئی، مگر فائدہ نہ ہوا۔ جب دونوں گروہوں کی گمراہی ثابت ہوگئی تو فیصلہ سنایا گیا: ﴿فَاِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ﴾ آج تابع اور متبوع، چھوٹے بڑے دونوں فریق عذاب میں باہم شریک ہوں گے۔ نفس عذاب میں اشتراک ہوگا، البتہ عذاب کے درکات مختلف ہوں گے۔

﴿اِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ﴾ تحقیق ہم مجرمین کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کرتے ہیں، ہمارا یہ سلوک ان کے اعمال کا بدلہ ہے، کیوں نہیں: ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۙ يَسْتَكْبِرُوْنَ﴾ یہ ہے ان کا بہت بڑا جرم کہ یہ اپنے خالق و مالک کے کھلم کھلا باغی تھے، جب ان سے لا الٰہ الا اللہ کے اقرار کا مطالبہ ہوتا کہ آؤ اپنے ربّ کی وحدانیت کا اقرار کرلو، تو تکبر کرتے، اور اتراتے، اور کہتے: کون ہے وہ معبود؟ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا: ﴿وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ [الشعراء: ۲۳] (اے موسیٰ! ذرا بتاؤ تو سہی، ربّ العٰلمین کیا ہے؟) یہ نہیں کہا کہ کون ہے، ذرا بات ہلکی ہو جاتی، بلکہ یہ کہا کہ کیا ہے؟ اسی طرح مشرکین مکہ نے بھی کہا: ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ﴾ [الفرقان: ۶۰] (جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کے لئے سجدہ کرو، تو جواب دیتے ہیں کہ کیا ہے رحمٰن؟)۔

جب پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں مزید شفقت وعنایت کے ساتھ دعوت دیتے ہیں تو وہ یہ جواب دے کر اپنی سرکشی کا اظہار کرتے ہیں: ﴿وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ﴾ کیا ہم ایک دیوانہ شاعر کے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں گے؟ دیکھیں یہ کتنا بڑا غرور ہے، اور ناقابل معافی بہتانِ عظیم ہے کہ پوری کائنات کے

عقلمند ترین اور افضل ترین ہستی پر جنون اور دیوانگی کی تہمت لگادی۔

سبحان اللہ! زمانہ اپنی تاریخ کو دہرا کر آج بھی وہی کیفیت پر ہمارے سامنے آیا ہے، آج کا پروفیسر، ڈاکٹر، سیاسی لیڈر، گریجویٹ وغیرہ کہتے رہتے ہیں: ملاؤں کا اسلام، مولویوں کا قرآن۔ یہ بھوکے نہتے لوگوں نے ہماری ترقی پر پابندی لگادی ہے، اور یہ ہمیں چودہ سو سال پیچھے دھکیل رہے ہیں، یہ قدامت پسند ہیں، اور یہ شدت پسند ہیں، یہ دہشت گرد ہیں۔ انہوں نے اپنے راہنما اور پیشوا فرعون کے الفاظ دہرا کر کہا، جبکہ فرعون نے عظیم الشان پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دہشت گرد اور فساد پھیلانے والا کہا تھا: ﴿وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ﴾[المؤمنون: ۲۶] (اور فرعون نے کہا کہ مجھے چھوڑو کہ موسیٰ کو قتل کردوں، وہ اپنے پروردگار کو بلائے، بیشک مجھے ڈر ہے کہ وہ تمہارے دین کو بدل دے گا، یا زمین میں فساد برپا کرے گا)۔

مولوی بڑے خوش قسمت ہیں کہ آج انہیں وہی طعنہ مل رہا ہے جو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر سارے پیغمبروں علیہم السلام کو ملا تھا۔ تو مولویوں کو انبیاء کرام علیہم السلام کی سیرت وسنت پر جانچا گیا۔ الحمد للہ تعالیٰ۔ لیکن کہنے والے ذرا سوچیں کہ وہ کس کے نمائندے اور ساتھی ہیں؟ اور کس کی سنت پر عمل کرتے ہیں؟ اور روزِ قیامت مولوی کس کے ساتھ اٹھیں گے؟ اور لیڈر صاحبان کا حشر کس کے ساتھ ہوگا؟

بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۳۷ اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ۝۳۸ وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ
تَعْمَلُوْنَ ۝۳۹ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ۝۴۰ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ۝۴۱ فَوَاكِهُ ۚ وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ ۝۴۲ فِيْ
جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝۴۳ عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ۝۴۴ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ۝۴۵ بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۝۴۶
لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ ۝۴۷ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ ۝۴۸ كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ۝۴۹

ترجمہ: بلکہ بات یہ ہے کہ وہ سچ لے کر آیا، اور دوسرے پیغمبروں کی تصدیق کی ۝۳۷ بلا شبہ تم دردناک عذاب کو چکھنے والے ہو ۝۳۸ اور تمہیں انہی کاموں کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے ۝۳۹ ہاں! جو اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے ہیں ان کا حال دوسرا ہوگا ۝۴۰ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے رزق معلوم ۝۴۱ یعنی میوے ہیں، اور وہ باعزت رہیں

گے۴۲ نعمت کے باغوں میں۴۳ آمنے سامنے تختوں پر بیٹھے رہیں گے (بیٹھے ہوں گے)۴۴ ان کے پاس شراب کا ایسا جام لایا جائے گا جو بہتی ہوئی شراب سے بھرا ہوا ہوگا۴۵ وہ شراب سفید ہوگی، پینے والوں کے لئے لذیذ ہوگی۴۶ اس سے نہ دردسر ہوگا، اور نہ اس سے عقل میں فتور آئے گا۴۷ اوران کے پاس بڑی بڑی آنکھوں والی بیبیاں ہوں گی، جن کی نظریں نیچی ہوں گی۴۸ گویا کہ وہ بیضے ہیں، جو چھپے ہوئے رکھے ہیں۴۹

معارف ومنازل

اوّل مشرکین ومنکرین کے غلط خیالات اور تہمتوں کی تردید ہے، پھران کے عذاب ومحرومی کے بعدان کی ضد اہل ایمان کی خوشحالیوں اور عجیب وغریب جنتی نعمتوں کا بیان ہے، ارشادفرمایا:

﴿بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ یہ بات نہیں کہ تم ہٹ دھرمی اور ضد وسرکشی کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر شاعر، ساحر اور دیوانگی کا الزام لگاؤ، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ کائنات کا سب سے بڑا عقلمند، اور سب سے افضل ترین شخصیت، اور داعی برحق پیغمبر ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے رسولوں علیہم السلام نے اس کی تصدیق کی ہے۔اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سارے انبیاء علیہم السلام کی بھی تصدیق کی ہے۔تمام انبیاء کرام علیہم السلام توحید کی دعوت دینے کے لئے باری باری سے دنیا میں تشریف لائے۔ان کی دعوت حق تھی، اوراس نبی امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت بھی حق ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت سارے انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت کا لب لباب، اور جامع ہے۔

جب تم اس دعوت سے منحرف ہو، اور توحید کے منکر ہو، بعث بعدالموت اور تمام احکام الٰہی کو تم تکذیب کرتے ہو، تو لامحالہ تمہیں دردناک عذاب چکھنا ہی ہوگا۔

﴿اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ۝۳۸ وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ اور تمہیں جو عذاب ہوگا وہ صرف تمہارے کئے ہوئے اعمالِ بد کا ہی بدلہ ہوگا۔رہے مؤمن مخلص بندے، وہ ہر قسم کے عذاب سے اپنے ایمان کی وجہ سے محفوظ ہوں گے، اور طرح طرح کے انعام، اعزاز اور برکتوں سے نوازے جائیں گے۔

﴿اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ۝۴۰ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ۝۴۱ فَوَاكِهُ ۚ وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ﴾ ہاں! اللہ تعالیٰ کے وہ بندے جو مخلص ہیں، یعنی شرک وکفر اور بدعملی اور نام ونمود وریاکاری کی نجاستوں سے پاک ہیں، ایسے لوگوں کے لئے عزت وکرامت کی جو روزی مقرر ہے وہ سب کو معلوم ہے۔ان کے لئے قسم قسم کے بے شمار میوے

ہوں گے، اور بغیر کسی کمی اور انقطاع کے ابدالآباد انہیں ملیں گے، اور یہ لوگ بڑی عزت والے ہوں گے۔
﴿فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ﴿۴۳﴾ عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ﴾ اور یہ خوش قسمت ناز و نعمت کے باغات میں ہوں گے، اور قیمتی تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ ﴿یُطَافُ عَلَیْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِیْنٍۭ ﴿۴۵﴾ بَیْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ ﴿۴۶﴾ لَا فِیْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا یُنْزَفُوْنَ ﴿۴۷﴾﴾ اور ان کے سامنے لطیف اور بہتی ہوئی شراب کا جام بھرا ہوا پیش کیا جائے گا، جو دیکھنے میں سفید ہوگی، اور پینے میں لذیذ وخوشگوار اور مزے دار ہوگی۔ اس کے پینے سے نہ پیٹ میں درد ہوگا، اور نہ سر میں کوئی گرانی یا بدمستی کی کیفیت پیدا ہوگی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ دنیاوی شراب میں چار برائیاں ہیں: (۱) نشہ (۲) دردسر (۳) قے، بدہضمی (۴) پیشاب۔ مگر جنت کی شراب ان تمام برائیوں سے پاک ہے۔
﴿وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِیْنٌ ﴿۴۸﴾ كَاَنَّهُنَّ بَیْضٌ مَّكْنُوْنٌ﴾ ان کے پاس نیچی نگاہوں والی، شرمیلی نظروں والی، پاکدامن، عفیفہ، سعیدہ حوریں ہیں، جن کی نگاہ اپنے خاوندوں کے چہرے کے سوا کبھی کسی کے چہرے پر نہیں پڑتی، اور نہ پڑے گی۔ بڑی بڑی، موٹی موٹی، رسیلی آنکھیں ہیں، حسن سیرت حسن صورت، شگفتہ پھول کی طرح رخسار، سب ان کی صفات مختصہ ہیں۔ جمال ظاہری اور جمال باطنی دونوں میں ممتاز ہیں، اور بے نظیر و بے مثال بھی ہیں، پھر مزید ان کا حسن بیان ہو رہا ہے کہ ان کا گورا گورا پنڈا، اور بھبوکا سا رنگ، ایسا چمکدار، دلکش اور جاذب نظر ہے کہ گویا جیسے محفوظ موتی، جس کو کسی کا ہاتھ نہ پہنچا ہو، جو سیپ سے نہ نکلا ہو، جسے زمانے کی ہوا نہ لگی ہو، جو اپنی آبداری میں بے مثل ہو۔ ایسے ہی ان کے اچھوتے پنڈے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ گویا وہ شترمرغ کے انڈے کی طرح۔
انڈے کے اوپر کے چھلکے کے نیچے اچھوت چھلکے جیسے ان کے بدن۔ یہ انڈے کا رنگ سفید ہوتا ہے، مگر مائل بہ زردی ہوتا ہے، اور تمام رنگوں میں یہ رنگ نہایت خوشنما اور غایت درجہ پسندیدہ اور جاذبِ نظر، اور مسحور کن ہوتا ہے۔ مزید تفصیل سورۃ الزمر، سورۃ الرحمٰن اور سورۃ الواقعہ میں ہے۔

فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ یَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۵۰﴾ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّیْ كَانَ لِیْ قَرِیْنٌ ﴿۵۱﴾ یَّقُوْلُ اَئِنَّكَ
لَمِنَ الْمُصَدِّقِیْنَ ﴿۵۲﴾ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِیْنُوْنَ ﴿۵۳﴾ قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ﴿۵۴﴾
فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِیْ سَوَآءِ الْجَحِیْمِ ﴿۵۵﴾ قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِیْنِ ﴿۵۶﴾ وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّیْ لَكُنْتُ مِنَ

الْمُحْضَرِیْنَ۝۵۷ اَفَمَا نَحْنُ بِمَیِّتِیْنَ۝۵۸ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰی وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ۝۵۹ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ
الْعَظِیْمُ۝۶۰ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْیَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ۝۶۱

ترجمہ: سو ان میں سے بعض بعض پر متوجہ ہو کر ایک دوسرے سے سوال کریں گے۝۵۰ ان میں سے ایک کہے گا کہ بلاشبہ میرا ایک ساتھی تھا۝۵۱ وہ کہتا تھا: کیا تو تصدیق کرنے والوں میں سے ہے؟۝۵۲ کیا جب ہم مر جائیں گے، اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے، تو کیا ہمیں اپنے کاموں کا بدلہ دیا جائے گا؟۝۵۳ وہ کہے گا: کیا تم جھانک کر اسے دیکھنا چاہتے ہو؟۝۵۴ سو وہ شخص جھانکے گا، تو اس کو جہنم کے بیچ میں دیکھ لے گا۝۵۵ کہے گا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم، قریب تھا کہ تو مجھے ہلاک ہی کر دیتا۝۵۶ اور اگر میرے ربّ کا فضل نہ ہوتا تو میں بھی ان لوگوں میں ہوتا جو حاضر کئے گئے ہیں۝۵۷ اچھا تو کیا اب ہمیں موت نہیں آئی گی؟۝۵۸ یہی بات ہے تاکہ ہم پہلی بار مر چکنے کے بعد نہیں مریں گے، اور ہم کو عذاب نہ ہوگا۝۵۹ بلاشبہ یہ بڑی کامیابی ہے۝۶۰ اسی کے لئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہئے۝۶۱

معارف و منازل

اہل جنّت جنّت کی نعمتوں میں مشغول ہوں گے، آمنے سامنے تختوں پر بیٹھے نظارہ کرتے ہوئے اپنی دنیوی زندگی کو بھی برسبیلِ تذکرہ یاد کریں گے۔ انہی باتوں میں سے ایک یہ بات بھی ہوگی کہ جنتیوں میں سے ایک شخص جنتی یوں کہے گا کہ دنیا میں میرا ایک ساتھی تھا، جس سے ملاقات ہوتی رہتی تھی، وہ خود مؤمن نہ تھا، مجھے بھی سرزنش کرتا تھا، اور قیامت پر ایمان لانے کو بیوقوفی سمجھتا تھا، اور مجھ سے کہتا تھا: کیا تو بھی اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ قیامت قائم ہوگی، اور مردے زندہ ہو کر قبروں سے اٹھیں گے؟ تو ہی بتاؤ کہ جب ہم مر جائیں گے، اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے، تو کیا پھر زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے؟ اور اپنے اپنے اعمال کی جزاء پائیں گے؟ یہ سب دقیانوسی باتیں ہیں، میری سمجھ میں یہ نہیں آتیں۔

بات کرتے کرتے وہ جنتی شخص کہے گا: میں تو جنت میں آ گیا، اور میرا وہ ساتھی جو قیامت کا منکر تھا، اور مجھے بھی قیامت کی تصدیق سے روکتا تھا وہ دوزخ میں چلا گیا، آؤ ذرا دوزخ میں جھانک کر دیکھیں تو سہی، اس کا کیا حال ہے؟ یہ بات کہہ کر جب وہ جنتی شخص دوزخ میں جھانکے گا تو اسی ساتھی کو جو ایمان سے روکتا تھا اور خود کافر تھا دوزخ کے درمیان میں دیکھے گا۔ جب وہ نظر آ جائے گا تو اس سے کہے گا کہ تو نے اپنا انجام دیکھ لیا؟ تو تو مجھے بھی ایمان

لانے سے روکتا تھا، قریب تھا کہ تو میرا استیا بھی ناس کر دیتا، مگر میرے ربّ جلّ شانہ کا مجھ پر فضل ہوا کہ مجھے ایمان کی توفیق دی، اور تمہاری رفاقت اور کفر سے مجھے بچالیا۔ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم نہ ہوتا تو میں بھی آج تمہارے دوزخیوں کے ساتھ جہنم میں حاضر کر دیا جاتا، اور ابدی عذاب میں مبتلا ہو جاتا۔

سوال: ایک شخص جنّت میں ہو کر کیسے دوزخی ساتھی کو دیکھ سکے گا؟ اور اس کے ساتھ مکالمہ کرے گا؟

جواب: سورۃ الاعراف میں ارشاد ہے: ﴿وَنَادٰٓى اَصۡحٰبُ النَّارِ اَصۡحٰبَ الۡجَنَّةِ اَنۡ اَفِيۡضُوۡا عَلَيۡنَا مِنَ الۡمَآءِ﴾ [الأعراف: ۵۰] (اور جہنم والے جنت والوں کو آواز دیں گے کہ ہمارے اوپر کچھ پانی بہادو)۔ اس آیت اور اس سے پہلی آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جنتی جنت کے اندر سے اگر چاہیں تو دوزخیوں کو دیکھ سکیں گے۔ آج ہمارے زمانہ کی ایجاد پانچ انچ کا موبائل پاکستان سے امریکہ تک بولتا ہے، اور دونوں دوست بات بھی کر رہے ہیں، اور ایک دوسرے کو دیکھ بھی رہے ہیں، جیسے آمنے سامنے ہوں۔

جب ایک انسانی ایجاد کا یہ حال ہے، تو جنّت کی سہولتیں اس سے کھربوں درجہ زیادہ ہیں، جن پر قرآن گواہ ہے۔ علامہ بغویؒ فرماتے ہیں کہ اس مؤمن شخص کا نام یہودا تھا، اور کافر ساتھی کا نام قطروس تھا، اور یہ وہی دو ساتھی ہیں جن کا ذکر سورۂ کہف میں آیت: ﴿وَاضۡرِبۡ لَهُمۡ مَّثَلًا رَّجُلَيۡنِ﴾ [الكهف: ۳۲] (ان کے لیے دو آدمیوں کی مثال بیان کریں) میں گزر چکا ہے۔ [معالم] تفسیر مظہری نے کافر کا نام مطروس لکھا ہے۔

﴿فَاَقۡبَلَ بَعۡضُهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ يَّتَسَآءَلُوۡنَ﴾ پھر ان میں سے بعض ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر پوچھیں گے، یعنی تفریح خاطر کے طور پر کچھ دنیاوی زندگی کے متعلق آپس میں تبادلہ خیال کریں گے۔ اس دوران اہل جنت میں سے ایک کہنے والا یہ اظہار کرے گا کہ:

﴿قَالَ قَآئِلٌ مِّنۡهُمۡ اِنِّىۡ كَانَ لِىۡ قَرِيۡنٌ﴾ دنیا میں میرا ایک ساتھی رفیق اور دوست ہوا کرتا تھا، جو قیامت کا منکر تھا، اور مجھے طنز یہ طور پر کہتا تھا: ﴿اَئِنَّكَ لَمِنَ الۡمُصَدِّقِيۡنَ﴾ کیا تو اس بات کو سچ گمان کرتا ہے کہ ہم مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو جائیں گے؟ ﴿ءَاِذَا مِتۡنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِيۡنُوۡنَ﴾ کہ جب ہم مر کر مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے، کیا ہم دوبارہ زندہ ہو کر اپنے اعمال کی جزا و سزا دیے جائیں گے؟ میرا ساتھی جو قیامت کا منکر تھا، مجھے ملامت کر کے ایمان سے برگشتہ کرنے پر مصر تھا، اور اس طرح کی باتیں کر کے میرا مذاق اڑاتا تھا، چنانچہ اس جنتی نے کہا کہ میں تو ایمان کی برکت سے جنت میں داخل ہوا، لیکن میرا وہ منکر قیامت دوست دوزخ میں چلا گیا، اب میں

چاہتا ہوں کہ دوزخ کو جھانک کر اس کا حال معلوم کروں۔

﴿قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ﴾ کیا یہ ممکن ہے کہ تم میرے اس ساتھی کو جھانک کر دیکھو کہ اس کا دوزخ میں کیا حال، اور کہاں پڑا ہوا ہے؟ ﴿فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِيْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ﴾ پھر وہ شخص جنّت کے بالا خانے سے دوزخ کی طرف جھانکے گا، تو اپنے قرین ساتھی کو جہنم کے درمیان میں پائے گا، پھر اس سے مکالمہ کرے گا۔

﴿قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ﴾ خدا کی قسم، تحقیق تو اس کے ساتھ قریب رہا کہ مجھے بھی ہلاکت کے گڑھے میں ڈال دیتا۔ ﴿وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ﴾ اگر میرے ربّ کا فضل مجھ پر نہ ہوتا تو میں بھی گرفتار شدہ مجرموں کے ساتھ دوزخ میں حاضر ہوتا، اور تیری طرح تباہ ہو جاتا۔ پھر وہ مومن بندہ اپنے انجام پر خوش ہوگا، اور یہ کہے گا: ﴿اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ ۝ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ﴾ کیا ہم نہیں ہیں مرنے والے؟ یعنی اب ہم پر موت آئندہ نہیں آئے گی، اور ہمیشہ ہمیشہ جنّت میں رہیں گے، مگر وہی موت جو دنیا میں ایک دفعہ آچکی ہے، جو گزر گئی، اب اس کے بعد کوئی موت نہیں آئے گی، اور نہ ہماری یہ زندگی ختم ہوگی، اور نہ ہمیں کوئی سزا دی جائے گی۔

﴿اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ بیشک یہ ہمارے لئے بہت ہی بڑی کامیابی ہے۔ ﴿لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ﴾ اس جیسی کامیابی حاصل کرنے کے لئے پس چاہئے کہ عمل کریں عمل کرنے والے۔

❁ ❁ ❁

اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ۝ اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ ۝ اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ
الْجَحِيْمِ ۝ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ ۝ فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ۝
ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ ۝ ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ ۝ اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ
ضَآلِّيْنَ ۝ فَهُمْ عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ ۝ وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا
فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ۝ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ۝

ترجمہ: کیا ضیافت کے اعتبار سے یہ بہتر ہے یا زقوم کا درخت؟ ۝ بیشک ہم نے اس درخت کو ظالموں کے لئے فتنہ بنایا ہے ۝ بلا شبہ وہ ایک درخت ہے جو دوزخ کی گہرائی میں سے نکلتا ہے ۝ اس کے پھل ایسے ہیں جیسے

سانپوں کے پھن ہوں ﴿۶۵﴾ سو اس میں شک نہیں کہ وہ لوگ بالضرور اس میں سے کھائیں گے، سو اس سے اپنے پیٹوں کو بھر لیں گے ﴿۶۶﴾ پھر بلا شبہ ان کے لئے اس درخت کے اوپر کھولتا ہوا گرم پانی ملا کر دیا جائے گا ﴿۶۷﴾ پھر بلا شبہ انکا لوٹنا دوزخ کی طرف ہوگا ﴿۶۸﴾ بیشک انہوں نے اپنے باپ دادوں کو گمراہی کی حالت میں پایا ﴿۶۹﴾ پھر ان کے نقش قدم پر تیزی کے ساتھ چلتے رہے ﴿۷۰﴾ اور یہ واقعی بات ہے کہ ان سے پہلے اگلے لوگوں میں سے اکثر گمراہ ہو چکے ہیں ﴿۷۱﴾ اور یہ بات واقعی ہے کہ ہم نے ان میں ڈرانے والے بھیجے ہیں ﴿۷۲﴾ سو دیکھ لیجئے، جن کو ڈرایا گیا ان کا کیا انجام ہوا ﴿۷۳﴾ سوائے اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں کے ﴿۷۴﴾

معارف ومنازل

اہل جنت کی جنتی خوشحالیوں کے بعد دوزخیوں کی تباہیوں کا بیان فرمایا: ﴿أَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا أَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ﴾ یہ اہل جنت کی نعمت وراحت بہتر دعوت ہے یا زقوم کا درخت؟ جو کہ دوزخیوں کی خوراک ہے۔ یہ درخت زقوم نہایت خبیث درخت ہے، اور دوزخیوں کا کھانا ہے۔ یہ درخت عذاب کا درخت ہے، نہایت تلخ، بدبودار، بدمزہ، خبیث شکل کا درخت ہے، جو دوزخیوں کو جبراً کھلایا جائے گا۔

نُزُل اس چیز کو کہتے ہیں جو مہمان کے آتے ہی سب سے پہلے اس کے سامنے اعزازی طور پر پیش کیا جائے۔ جنتیوں کو طرح طرح کی نعمتوں کی بطور مہمانی پیش کش ہوگی، جبکہ دوزخیوں کو زقوم کی پیشکش ہوگی۔ سرورِ عالم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ اگر زقوم کا ایک قطرہ دنیا کے سمندروں میں ٹپکا دیا جائے تو زمین پر آباد پوری انسانیت کی زندگی اور معاش بگڑ جائے، تباہ ہو جائے۔ [ترمذی، ابن ماجہ، نسائی، حاکم، ابن ابی حاتم، وغیرہ عن ابن عباسؓ۔ مظہری]

﴿إِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ﴾ ہم نے اس درخت کو کافروں کے لئے آزمائش بنایا ہے۔ فِتْنَة سے مراد دنیا میں آزمائش و پریشانی، اور آخرت میں عذاب و تکلیف، اور ظٰلِمِيْن سے مراد کفار ہیں۔ کافروں نے طنز و مذاق کے طور پر کہا کہ آگ تو درخت کو جلا ڈالتی ہے، اور یہ کیسا درخت ہے جو جہنم کے اندر ہے، اور سبز و شاداب ہے؟ ابن زبعری نے سردارانِ قریش سے کہا تھا کہ محمد (ﷺ) ہم کو زقوم سے ڈراتے ہیں، حالانکہ بربری زبان میں زقوم کا معنی ہے: مکھن اور کھجور، پھر ابوجہل نے ابن زبعری کو اپنے گھر میں بلایا، اور خادمہ سے کہا کہ ہمارے لئے زقوم لاؤ، خادمہ نے مکھن اور کھجور لا کر حاضر کیا۔ ابوجہل نے کہا: تم زقوم کھاؤ، یہ وہ زقوم ہے جس سے محمد (ﷺ) تم کو

ڈراتے ہیں۔

ابن جریرؒ نے قتادہؒ کی روایت سے بیان کیا کہ ابو جہل نے کہا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہتا ہے کہ آگ کے اندر ایک درخت ہوگا، حالانکہ آگ درخت کو کھا لیتی ہے، پھر آگ میں درخت کیسے ہو سکتا ہے؟ ہم تو خدا کی قسم زقوم کھجور اور مکھن ہی کو جانتے ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ۝ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ﴾ وہ بلاشبہ ایک درخت ہوگا جو قعرِ جہنم سے برآمد ہوگا، اس کے پھل ایسے ہوں گے جیسے شیاطین کے سر۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ شیاطین سے مراد شیاطین (جن) ہی ہیں، بدصورتی میں زقوم کے پھلوں کو شیاطین کے سروں سے تشبیہ دی ہے۔ کسی چیز کی انتہائی برائی ظاہر کرنے کے لئے اسے شیاطین کہتے ہیں، کیونکہ شیاطین اپنی اصلی صورت کے اعتبار سے نہایت قبیح اور بدصورت ہیں، جنہیں دیکھا نہیں جا سکتا۔

بعض کہتے ہیں کہ شیاطین سے مراد وہ بدصورت اور بدشکل سانپ ہیں جن کے سروں پر بال ہوتے ہیں۔ شاید اسی بدصورتی کی وجہ سے ان کو شیاطین کہا جاتا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ صحراء میں ایک نہایت بدصورت، تلخ، و بدبودار درخت ہوتا ہے جس کو عرب رؤس الشیاطین کہتے ہیں۔

﴿فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ﴾ سو وہ دوزخی اس درخت کے پھلوں سے کھائیں گے، اور اس سے پیٹ بھر لیں گے۔ یہ کھانا ان کی مرضی کا نہیں ہوگا، بلکہ زبردستی فرشتے ان کو کھلائیں گے۔

﴿ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ﴾ پھر ان کو کھولتا ہوا گرم پانی پیٹ بھر کر کھانے کے بعد دیا جائے گا۔ ﴿ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ﴾ پھر ان کی واپسی جحیم کی طرف ہوگی، جو ان کا ابدی اور اصلی ٹھکانا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جہنم کے درکات مختلف ہیں، اور یہ گرم پانی اور زقوم جحیم سے باہر ہیں، کیونکہ جہنم کے درکات سات ہیں۔ [الحجر] ﴿اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّيْنَ ۝ فَهُمْ عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ﴾ انہوں نے پایا اپنے باپ اور دادوں کو گمراہ، تو یہ ان کے نقشِ قدم پر بغیر سوچے سمجھے اندھی تقلید کے ساتھ تیزی کے ساتھ دوڑ لگا کر چلتے رہے، تو اسی بنیاد پر عذاب کے مستحق ہو گئے۔

﴿وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ﴾ اور ان سے پہلے اگلے لوگوں میں اکثر گمراہ ہو چکے ہیں، اور ہم نے ان میں بھی ڈرانے والے (پیغمبر) بھیجے تھے۔

﴿فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ﴾ سو دیکھ لو ان لوگوں کا کیسا برا انجام ہوا، جن کو ڈرایا گیا تھا۔ ہاں! جو اللہ تعالیٰ کے مخلص اور پسندیدہ لوگ تھے، وہ مستثنیٰ رہے، اور کامیابیوں سے ہمکنار ہوئے۔ اب اس اجمال کی تفصیل بیان فرما رہے ہیں، فرمایا:

وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ۝٧٥ وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ۝٧٦ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ۝٧٧ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝٧٨ سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ ۝٧٩ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝٨٠ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۝٨١ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ۝٨٢

ترجمہ: اور یہ بات واقعی ہے کہ نوح نے ہمیں پکارا، تو ہم کیا ہی خوب ہیں فریاد سننے والے ۝٧٥ اور ہم نے نوح کو اور اس کے گھر والوں کو بڑے غم سے نجات دی ۝٧٦ اور ہم نے اس کی ذریت کو باقی رہنے دیا ۝٧٧ اور ہم نے ان کے لئے بعد کے آنے والوں میں یہ بات رہنے دی ۝٧٨ نوح پر سلام ہے جہانوں میں ۝٧٩ بلاشبہ ہم مخلصین کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں ۝٨٠ بلاشبہ وہ ہمارے مؤمن بندوں میں ہیں ۝٨١ پھر ہم نے دوسرے لوگوں کو غرق کر دیا ۝٨٢

معارف ومنازل

حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ اجمالاً وتفصیلاً قرآن حکیم میں تینتالیس (۴۳) جگہوں میں مذکور ہے۔ آپ علیہ السلام اپنی نافرمان قوم میں ساڑھے نو سو برس رہے، اور انہیں توحید کی تبلیغ کی مگر قوم بدستور اپنے شرک پر جمی رہی۔

﴿وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ﴾ اور ہم کو نوح نے پکارا، سو ہم کیا ہی خوب فریاد سننے والے ہیں۔ سابق آیت میں سارے انبیاء منذرین علیہم السلام کا تذکرہ ہوا، اب تخصیص کے ساتھ یکے بعد دیگرے بہت سے پیغمبروں علیہم السلام کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت ایک ایسی قوم کے لئے ہوئی جو شرک وبت پرستی کی خباثت میں لت پت تھی، اور یہ لوگ نہایت گمراہ اور بدقسمت تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے بڑی ہمدردی اور محنت کے ساتھ انہیں اسلام کی دعوت دی، مگر قوم نے انکار کیا، اور دعوت کو مسترد کیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کو وحی کے ذریعہ سے معلوم ہو گیا کہ جو لوگ ایمان لانے والے تھے، وہ ایمان لا چکے، آئندہ قوم کا کوئی فرد ایمان نہیں لائے گا۔ نوح علیہ السلام جب قوم کے ایمان سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے دعا کی:

﴿رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا﴾ [نوح:۲۶] (اے ربّ! نہ چھوڑیئے زمین پر کافروں کا کوئی

ایک گھر بسنے والا)۔

چنانچہ آپ علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی، اور عذاب کی تیاری شروع ہوئی۔

﴿وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ﴾ اور ہم نے ان کو، اور ان کے اہل (پیروکاروں کو) بڑے دکھ سے نجات دی، کیونکہ قوم نے آپ علیہ السلام کو بڑے رنج وغم میں مبتلا کیا تھا۔ ﴿وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ﴾ اور ہم نے باقی صرف انہی کی اولاد کو رہنے دیا۔ کشتی میں جو بیاسی لوگ زندہ بچ گئے تھے ان میں سے کسی کی نسل باقی نہیں رہی، صرف نوح علیہ السلام کی نسل ان کے تینوں بیٹوں کے ذریعہ پھیل گئی، اور باقی رہی۔ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ﴿وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ﴾ سے مراد حام، سام، یافث ہیں، یہ تین لڑکے باقی رہے، موجودہ دنیا والے ان ہی کی نسل ہے۔ [ترمذي، مظهري]

دوسرے سلسلۂ روایت میں آیا ہے کہ سام عرب کے جد اعلیٰ، اور حام حبش کے جد اعلیٰ، اور یافث روم کے جد اعلیٰ تھے۔ امام ضحاکؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان نقل کیا ہے کہ کشتی سے اترنے کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کے لڑکوں اور ان کی بیبیوں کے علاوہ کشتی میں جتنے لوگ سوار تھے وہ سب مر گئے، اور ان کی نسل منقطع ہوگئی، صرف نوح علیہ السلام کی نسل باقی رہ گئی۔ [مظهري]

بظاہر قرآنی بیان سے دو باتیں ظاہر ہوتی ہیں: اوّل یہ کہ طوفان نوح سے سارے لوگ مر گئے۔ دوم سوائے اولاد نوح علیہ السلام کے اور کسی مؤمن کی نسل باقی نہیں رہی۔ قیامت تک جتنے لوگ ہوں گے وہ سب نوح علیہ السلام کی نسل سے ہوں گے۔ گویا نوح علیہ السلام آدم ثانی ہیں۔ سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ نوح علیہ السلام کے تین بیٹے محفوظ رہے: سام، حام، یافث۔ سام عرب، فارس، اور روم کے جد اعلیٰ ہوئے۔ حام کی نسل میں تمام افریقن ہیں، اور یافث کی اولاد میں ترک، خرز، یاجوج وماجوج اور ہند کے بلاد شرقیہ کے رہنے والے (جس میں چین، جاپان وغیرہ آتے ہیں)۔

باقی رہا یہ کہ یہ طوفان ساری روئے زمین پر آیا، یا صرف عراق کے خطہ کے ساتھ مخصوص رہا۔ اس کی تفصیل سورۂ ہود میں گزر چکی ہے۔

﴿وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝ سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ﴾ اور ہم نے ان کے لئے پیچھے آنے والے لوگوں میں یہ بات رہنے دی کہ نوح علیہ السلام پر سلام ہو، سارے عالم والوں میں۔ بعض علماء کرام نے کہا ہے کہ: ﴿سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے، جیسا کہ آئندہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اور دیگر انبیاء علیہم السلام

کے واقعات میں آئے گا۔

﴿اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ﴾ ہم بھلائی کرنے والوں کو ایسی ہی جزاء دیتے ہیں جیسے نوح علیہ السلام کو دی۔ ان کو نجات دیدی، اور ان پر سلام بھیجا، اور آئندہ اقوام میں ان کا ذکر جمیل باقی رکھا جائے گا۔ ﴿اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ بلاشبہ وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھے۔ ﴿ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ﴾ پھر اوروں کو ہم نے غرق کر دیا، یعنی نیکوکار نجات پائے، اور برے لوگ غرق ہوئے۔

وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ﴿۸۳﴾ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۴﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۸۵﴾
اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ﴿۸۶﴾ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۷﴾ فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ ﴿۸۸﴾ فَقَالَ اِنِّيْ
سَقِيْمٌ ﴿۸۹﴾ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ ﴿۹۰﴾ فَرَاغَ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۹۱﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ فَرَاغَ
عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ ﴿۹۳﴾ فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ﴿۹۴﴾ قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ﴿۹۵﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا
تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ ﴿۹۷﴾ فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۹۸﴾

ترجمہ: اور بلاشبہ نوح کا اتباع کرنے والوں میں ابراہیم بھی تھے ﴿۸۳﴾ جب وہ اپنے ربّ کے پاس قلب سلیم لے کر آئے ﴿۸۴﴾ جبکہ انہوں نے اپنے باپ سے، اور اپنی قوم سے کہا: تم لوگ کس چیز کی عبادت کرتے ہو؟ ﴿۸۵﴾ کیا اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جھوٹ موٹ کے معبودوں کو چاہتے ہو؟ ﴿۸۶﴾ سو ربّ العٰلمین کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ ﴿۸۷﴾ پھر ایک نظر اٹھا کر ستاروں کو دیکھا ﴿۸۸﴾ اور کہہ دیا کہ بیشک میں بیمار ہوں ﴿۸۹﴾ سو وہ لوگ ان سے پشت پھیر کر چلے گئے ﴿۹۰﴾ سو وہ ان کے بتوں کی طرف متوجہ ہوئے، سو کہا: کیا تم کھاتے نہیں ہو؟ ﴿۹۱﴾ تم کو کیا ہوا کہ بولتے نہیں ہو؟ ﴿۹۲﴾ پھر ان پر قوت کے ساتھ متوجہ ہو کر مارنے لگے ﴿۹۳﴾ سو وہ لوگ ان کے پاس دوڑتے ہوئے آئے ﴿۹۴﴾ انہوں نے کہا: کیا تم اس چیز کی پوجا کرتے ہو جسے خود تراشتے ہو؟ ﴿۹۵﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیدا فرمایا ہے، اور ان چیزوں کو بھی جنہیں تم بناتے ہو ﴿۹۶﴾ کہنے لگے کہ اس کے لئے ایک مکان بناؤ، پھر اسے دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دو ﴿۹۷﴾ سو انہوں نے ان کے ساتھ برا برتاؤ کرنے کا ارادہ کیا، سو ہم نے ان لوگوں کو نیچا دیکھنے والا بنا دیا ﴿۹۸﴾

سورۃ الانبیاء آیت ۵۱ میں واقعہ تفصیلاً گزر چکا ہے۔ یہاں مختصرً اخلاصہ اس کا یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم بت پرست تھی، اور بُت پرست اقوام کی طرح میلے لگاتے تھے۔ ایک میلے کے موقعہ پر قوم نے اپنے بتوں کے سامنے طرح طرح کے مختلف رنگوں کے بہت سے کھانوں کی پلیٹ رکھ کر شہر سے باہر میلہ پر جانے کا پروگرام بنایا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے سے کسی ایسے نادر موقعے کی تلاش میں تھے کہ لوگ کہیں چلے جائیں، اور مرکزی بت خانے لوگوں سے فارغ ہوں، تا کہ مجھے بتوں کے مارنے اور ان کی ناک، آنکھ کاٹنے کا موقع اور آزادی ہو۔ تو ابراہیم علیہ السلام اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے کہنے لگے:

﴿فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ ۝ فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ﴾ انہوں نے ستاروں کو ایک نظر بھر کر دیکھا، اور کہا کہ میں بیمار ہونے کو ہوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ ان کی قوم ستاروں کا علم سیکھتی اور جانتی تھی، اور ستاروں کی پوجا بھی کرتی تھی، اور ستاروں کو نظامِ عالم میں مؤثر ہونے کا عقیدہ رکھتی تھی۔ آپ علیہ السلام نگاہ بھر کر ستاروں کو دیکھنے کے ساتھ ان کے ساتھ میلہ پر جانے سے انکار پر اس لئے مصر رہا، تا کہ ان کا منہ بند ہو۔ دوسرے دن ان کی عید کا دن تھا، اور ان کے جمع ہونے کا دن تھا، وہ تہوار کے دن جانے سے پہلے اپنے بتوں کے پاس جاتے، اور ان کے لئے بچھونا بچھاتے، اور بہت سے کھانے ان کے سامنے رکھتے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ اس طرح کھانا متبرک ہو جاتا ہے، پھر میلے سے واپس آ کر کھاتے۔

جب ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ آپ ہمارے ساتھ چلیں، تو انہوں نے آسمان کی طرف دیکھا، اور کہا کہ میں بیمار ہونے کو ہوں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ابھی گزرا تا کہ وہ خاموش ہوں، اور مزید ان کے جانے پر اصرار نہ کریں۔ یہ کوئی جھوٹ نہیں، بلکہ ایک طرح کا توریہ ہے، کہ میں تمہارے دین وعقائد کو دیکھ کر مریض ہو چکا ہوں، تمہارے ساتھ چلنے سے معذور ہوں۔ الغرض جب وہ لوگ چلے گئے تو ابراہیم علیہ السلام ان بتوں میں جا گھسے، اور کہنے لگے: کیا تم کھاتے نہیں ہو؟ تم کو کیا ہوا، تم تو بولتے بھی نہیں ہو؟ پھر کلہاڑا لے کر پوری قوت کے ساتھ بتوں کو مار مار کر انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر چھوڑا، اور کلہاڑے کو سب سے بڑے بت کی گردن پر لٹکا کر وہاں سے چلے گئے۔

جب دوسرے دن وہ لوگ میلہ سے واپس آئے، اور اپنے معبودوں کو نہایت خستہ حالت میں دیکھا، تو اوّل آپس میں پوچھنے لگے کہ کس نے یہ غلط کام کیا ہے؟ پھر انہیں کہنے والوں نے سمجھایا کہ ایک نوجوان جس کا نام ابراہیم ہے، وہ ایک دن کہہ رہا تھا کہ میں تمہارے معبودوں کے بارے میں کوئی تدبیر نکالوں گا، ہو نہ ہو ایسا کام کرنے والا

ابراہیم (علیہ السلام) ہی ہوگا۔

کہنے لگے: اسے جا کر لے آؤ، سب لوگوں کے سامنے بات ہوگی۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام کو لے آئے، اور لوگوں کے سامنے ان سے سوال ہوا: کیا ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کام تم نے کیا ہے؟ فرمایا: کام ان کے بڑے نے کیا ہے، انہی سے پوچھ لو، اگر یہ بولتے ہیں۔ کہنے لگے: تم جانتے ہو یہ تو بولتے نہیں ہیں۔ فرمایا: تو کیا تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان بے جان و بے زبان چیزوں کی پوجا کرتے ہو؟ جو کبھی تمہیں نفع و ضرر کچھ بھی نہیں پہنچا سکتے؟ نفع و ضرر دور کی بات ہے، یہ اپنا دفاع بھی نہیں کر سکتے۔ تف ہے تم پر اور تمہارے باطل معبودوں پر۔ یہ سوال و جواب سورۃ الانبیاء میں دیکھیں۔

جب مشرکین حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جواب دینے سے عاجز رہے تو اپنی شرمندگی چھپاتے ہوئے کہنے لگے کہ اپنے معبودوں کی نصرت میں اس شخص سے سخت عبرتناک انتقام لے لو۔ اس موقعہ پر ان کی مجلس مشاورت میں ابلیس بھی شریک ہوا، اور یہ آگ کا مشورہ بھی اسی نے دیا۔ چنانچہ طے ہوا کہ ایک بہت بڑا کھلا مکان تیار کیا جائے، اور اس کی چاردیواری میں بہت لکڑیاں جمع کرو، پھر وہاں تاریخی آگ جلاؤ، اور ابراہیم (علیہ السلام) کو منجنیق کے ذریعہ اس آگ میں ڈال دو۔

مشورہ پر عمل کرتے ہوئے انہوں نے ایک بہت بڑی جگہ تیار کی، اور کئی ہفتے اس کے لئے ایندھن جمع کرتے رہے، یہاں تک کہ ہزاروں ٹنوں کے حساب سے لکڑیاں جمع ہوگئیں، پھر اس میں آگ لگائی گئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نزدیک ہی ایک مکان میں محبوس قیدی تھے۔ جب آگ کے شعلے بلند ہو کر آسمانوں سے بات کرنے لگے تو منجنیق کے ذریعہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کو اس آگ میں ڈال دیا گیا۔ آگ کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ تو ٹھنڈی ہو جا، اور سلامتی والی بن جا، ابراہیم علیہ السلام کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ چنانچہ آگ بردوسلام بن کر ابراہیم علیہ السلام کے لئے بہشت بن گئی، اور دشمنوں نے منہ کی کھائی، اور شرمندہ و حیران رہ گئے۔

مگر اس حیران کن تاریخی معجزہ کے معائنہ، اور دیکھنے کے باوجود ایمان سے محروم رہے، کوئی ایک شخص بھی مسلمان نہیں ہوا۔ البتہ ایک بات مشہور ہے کہ نمرود کی بیٹی جو اپنے محل کی چھت سے نظارہ کر رہی تھی اس عظیم الشان معجزہ کو دیکھ کر مسلمان ہوگئی۔ واللہ اعلم

﴿وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ۝ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ﴾ بیشک انہی (نوح علیہ السلام) کے گروہ میں

سے حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی ہے۔آپ علیہ السلام انہی کے خاندان سے اور انہی کی راہ پر چلنے والے تھے۔جب آئے آپ علیہ السلام اپنے پروردگار کے پاس قلب سلیم کے ساتھ۔قلب سلیم وہ ہے جو خلافت راشدہ کی طرح عَلٰی منہاج النبوۃ والشریعۃ ہو۔

﴿اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ وَ قَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ﴾ جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور قوم سے فرمایا کہ تم کن چیزوں کی عبادت کرتے ہو؟ ﴿اَىِٕفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِیْدُوْنَ﴾ کیا اللہ تعالیٰ کے سوا تم جھوٹ موٹ کے بنائے ہوئے معبودوں کو چاہتے ہو؟ یہ تمہارے ہاتھوں کے گھڑے ہوئے پتھر کیسے معبود بن سکتے ہیں؟ جبکہ انہیں تم نے تراش کر بنایا۔ ﴿فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ تمام جہاں کے پروردگار کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جو کہ تمہارے اور تمہارے معبودوں سب کا خالق و مالک ہے، جس کی عبادت کی بجائے تم پتھروں کی عبادت کرتے ہو، تمہاری حماقت کی انتہا ہے۔ پھر جب بت پرستوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قومی عید اور میلہ میں شرکت کی دعوت دی تو: ﴿فَنَظَرَ نَظْرَةً فِی النُّجُوْمِ ۙ۸۸ فَقَالَ اِنِّیْ سَقِیْمٌ﴾ انہوں نے آسمان کے ستاروں کی طرف نگاہ ڈال کر فرمایا: میں بیمار ہوں، یا بیمار ہونے والا ہوں۔

﴿فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِیْنَ﴾ پھر وہ لوگ آپ علیہ السلام سے پشت پھیر کر چلے گئے، اور آپ علیہ السلام کے کہنے پر یقین کر کے آپ علیہ السلام کو تہوار میں لے جانے کے لیے ضد نہ کی۔ ﴿فَرَاغَ اِلٰۤى اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ۚ۹۱ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ﴾ پھر آپ علیہ السلام جس موقع کی تلاش میں تھے اس کو پا کر سیدھا مرکزی بت خانہ میں جا گھسے، اور زجر و توبیخ کے طور پر بتوں سے خطاب کر کے کہا کہ تم کھاتے کیوں نہیں؟ ﴿مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ﴾ تمہیں کیا ہوا کہ تم بولتے نہیں ہو؟ لوگوں نے تمہیں سب کچھ سمجھا ہے، مگر تم کسی چیز کے اہل نہیں ہو، لہٰذا تمہارا علاج ہونا چاہئے، جو یہ ہے:

﴿فَرَاغَ عَلَیْهِمْ ضَرْبًۢا بِالْیَمِیْنِ﴾ آپ علیہ السلام دائیں ہاتھ سے (قوت سے) مارتے ہوئے ان پر پل پڑے، اور سوائے بڑے بت کے جو سب کا چیئرمین تھا باقی کسی کو سلامت نہیں چھوڑا، اور کلہاڑا چیئرمین کے گلے میں ڈال کر وہاں سے چلے گئے۔ جب دوسرے روز تہوار منا کر لوگ واپس آئے، تو اپنے معبودوں کو ٹکڑے ٹکڑے پا کر بڑے پریشان ہوئے، اور سمجھ گئے کہ یہ ضرب ابراہیم علیہ السلام کی ہے۔

﴿فَاَقْبَلُوْۤا اِلَیْهِ یَزِفُّوْنَ﴾ وہ لوگ گھبراہٹ کے عالم میں دوڑتے ہوئے آپ علیہ السلام کے پاس آئے، جب آپ علیہ السلام کے ساتھ گفت و شنید ہوئی تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم کتنے احمق کودن ہو؟ ﴿قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا

تَنۡحِتُوۡنَ﴾ کیا تم ان کی عبادت کرتے ہو جن کو خود اپنے ہاتھوں سے تراشتے ہو؟ تمہاری اس قدر گراوٹ انتہائی افسوسناک اور موجبِ ہلاکت ہے، ذرا دیکھو تم کتنے احمق و بے عقل ہو؟

﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمۡ وَمَا تَعۡمَلُوۡنَ﴾ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بھی پیدا کیا ہے، اور ان چیزوں کو بھی جن کو تم بناتے ہو، اور پھر انہیں معبود گردانتے ہو۔ اللہ تعالیٰ سب کا خالق و مالک، اور معبود حقیقی ہے۔ ﴿قَالُوا ابۡنُوۡا لَهٗ بُنۡيَانًا فَاَلۡقُوۡهُ فِى الۡجَحِيۡمِ﴾ پس کہا لوگوں نے کہ اس کے لئے ایک بہت بڑی عمارت تیار کرو، اور اس میں بہت بڑی تاریخی آگ جلاؤ، تاکہ پورے عالم میں ہمارا یہ کارنامہ نہایت خوشنامی کے ساتھ مشہور ہو، پھر ابراہیم (علیہ السلام) کو اس میں ڈال دو۔ ﴿فَاَرَادُوۡا بِهٖ كَيۡدًا فَجَعَلۡنٰهُمُ الۡاَسۡفَلِيۡنَ﴾ انہوں نے ایک انسانی تدبیر کا پختہ ارادہ کیا، اور ابراہیم علیہ السلام کو ختم کرنا چاہا، مگر ہم نے انہیں ہر امتحان میں کامیاب کرکے بلند کیا، اور ان کے دشمنوں اور بدخواہوں کو پست اور ذلیل کرکے بلندی سے نیچے پستی میں ڈال دیا۔

سوائے کفارِ قریش! شاید تمہارا نتیجہ بھی اس سے مختلف نہ ہو۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم ؑ کی اولاد بھی ہے، اور وارث و جانشین بھی، اور تمہیں حضرت ابراہیم حنیف علیہ السلام کے ساتھ کسی قسم کا رشتہ نہیں، تم مشرک و نافرمان ہو، جبکہ وہ موحد اور حنیف تھے۔ اللہ تعالیٰ شانہ کا وعدہ سچا ہے جس میں کسی بھی تبدیلی کا امکان نہیں۔

وَقَالَ اِنِّىۡ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّىۡ سَيَهۡدِيۡنِ ۝۹۹ رَبِّ هَبۡ لِىۡ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ۝۱۰۰ فَبَشَّرۡنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيۡمٍ ۝۱۰۱ فَلَمَّا
بَلَغَ مَعَهُ السَّعۡىَ قَالَ يٰبُنَىَّ اِنِّىۡۤ اَرٰى فِى الۡمَنَامِ اَنِّىۡۤ اَذۡبَحُكَ فَانۡظُرۡ مَاذَا تَرٰى ؕ قَالَ يٰۤاَبَتِ افۡعَلۡ
مَا تُؤۡمَرُ سَتَجِدُنِىۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيۡنَ ۝۱۰۲ فَلَمَّاۤ اَسۡلَمَا وَتَلَّهٗ لِلۡجَبِيۡنِ ۝۱۰۳ وَنَادَيۡنٰهُ اَنۡ
يّٰۤاِبۡرٰهِيۡمُ ۝۱۰۴ قَدۡ صَدَّقۡتَ الرُّءۡيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡمُحۡسِنِيۡنَ ۝۱۰۵ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الۡبَلٰٓؤُا الۡمُبِيۡنُ ۝۱۰۶
وَفَدَيۡنٰهُ بِذِبۡحٍ عَظِيۡمٍ ۝۱۰۷ وَتَرَكۡنَا عَلَيۡهِ فِى الۡاٰخِرِيۡنَ ۝۱۰۸ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبۡرٰهِيۡمَ ۝۱۰۹ كَذٰلِكَ نَجۡزِى
الۡمُحۡسِنِيۡنَ ۝۱۱۰ اِنَّهٗ مِنۡ عِبَادِنَا الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۝۱۱۱ وَبَشَّرۡنٰهُ بِاِسۡحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيۡنَ ۝۱۱۲ وَبٰرَكۡنَا
عَلَيۡهِ وَعَلٰٓى اِسۡحٰقَ ؕ وَمِنۡ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحۡسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ مُبِيۡنٌ ۝۱۱۳

ترجمہ: اور ابراہیم نے کہا کہ بلاشبہ میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں، وہ عنقریب مجھے راہ بتادے

گا۝۹۹ اے میرے ربّ! مجھے نیک فرزند عطا فرما۝۱۰۰ سو ہم نے انہیں حلم والے لڑکے کی بشارت دی۝۱۰۱ سو جب وہ لڑکا ایسی عمر کو پہنچا کہ ابراہیم کے ساتھ چلنے پھرنے لگا، تو ابراہیم نے کہا کہ اے میرے چھوٹے بیٹے! بیشک میں خواب میں دیکھ رہا ہوں کہ تجھے ذبح کرتا ہوں، سو تو غور کر لے تیری کیا رائے ہے؟ بیٹے نے کہا کہ اے ابا جان! آپ کو جو حکم ہوا ہے اس پر عمل کر لیجئے، ان شاء اللہ آپ مجھے صابروں میں سے پائیں گے۝۱۰۲ سو جب دونوں نے حکم کو مان لیا، اور ابراہیم نے بیٹے کو کروٹ کے بل لٹا دیا۝۱۰۳ اور ہم نے آواز دی کہ اے ابراہیم!۝۱۰۴ تم نے خواب کو سچ کر دکھایا، بلاشبہ ہم مخلصین کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۝۱۰۵ بلاشبہ یہ کھلا ہوا امتحان ہے۝۱۰۶ اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے عوض دیدیا۝۱۰۷ اور بعد کے آنے والوں میں ان کے لئے یہ بات رہنے دی۝۱۰۸ کہ سلام ہو ابراہیم پر۝۱۰۹ ہم اسی طرح مخلصین کو بدلہ دیا کرتے ہیں۝۱۱۰ بیشک وہ ہمارے مؤمن بندوں میں سے تھے۝۱۱۱ اور ہم نے انہیں اسحٰق کی بشارت دی، کہ وہ نبی ہوں گے، صالحین میں سے ہوں گے۝۱۱۲ اور ہم نے ابراہیم پر اور اسحٰق پر برکت دی، اور ان کی نسل میں سے اچھے لوگ ہیں، اور ایسے لوگ بھی ہیں جو صریحاً اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں۝۱۱۳

معارف ومنازل

حق تو یہ تھا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال کر اس کو ہمیشہ کے لئے نیست و نابود اور ختم کرنے کا قوم نے جو سوچا تھا، اس میں وہ ناکام ہوئے تو سارے مسلمان ہو جاتے، اور معجزہ ابراہیمی کو تسلیم کرتے ہوئے بت پرستی سے تائب ہو جاتے، اور اللہ تعالیٰ کے حضور سر تسلیم خم کر کے ملّت ابراہیمی میں شامل ہو جاتے، مگر ایسا نہ ہوا، کوئی شخص اس تاریخی عظیم معجزہ پر ایمان نہیں لایا۔ آخر کار حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یقین ہو گیا کہ میری قوم میں ہدایت قبول کرنے، اور ایمان لانے کی کوئی رمق اور طلب موجود نہیں، تو ایسے معاشرہ میں دعوت وارشاد کا سلسلہ جاری رکھنا بے فائدہ اور فضول ہے۔

تو آپ علیہ السلام نے قوم کو صاف صاف بتا دیا کہ میں تمہارے اس بدترین مشرکانہ رویہ اور طور وطریق سے مایوس اور نہایت بیزار ہوں، لہٰذا میں یہاں سے ہجرت کر کے ایک ایسے ماحول میں جاؤں گا جہاں دلجمعی اور فراغت کے ساتھ اپنے ربّ کو یاد کر سکوں گا، اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اس سے قریب لانے کی کوشش کروں گا۔ چنانچہ آپ علیہ السلام اپنی بیوی سارہ اور اپنے بھتیجے لوط علیہ السلام کے ساتھ بابل سے ہجرت کر کے شام، اور وہاں سے مصر، پھر مصر سے

واپس فلسطین پہنچے، اور وہیں مقیم ہوئے۔ اس عرصہ میں آپ علیہ السلام کو تھوڑا سا سکون حاصل ہوا، تو اللہ تعالیٰ سے تضرّع وعاجزی کے ساتھ نیک اولاد کی دعا کی، اللہ تعالیٰ نے قبول فرما کر عقلمند و بردبار بیٹے کی بشارت سنائی۔

جب صالح بیٹے اسماعیل علیہ السلام کی حضرت ہاجرہؓ کے بطن سے ولادت ہوئی، تو حضرت سارہؓ برداشت نہ کرسکی، جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام ماں بیٹے کو براق پر سوار کرا کر مکہ معظمہ پہنچے۔ کعبہ شریف طوفان نوح علیہ السلام میں شہید ہو چکا تھا، صرف اس کی جگہ باقی تھی، وہ بھی قابلِ شناخت نہ تھی۔ جب یہ صالح اور مبارک بیٹا تیرہ چودہ سال کے ہوگئے، اور باپ کے ساتھ چلنے پھرنے لگے، تو ایک نیا امتحان شروع ہوگیا۔

ایک رات ابراہیم علیہ السلام نے خواب دیکھا کہ میں اپنے بیٹے کو قربانی کے طور پر ذبح کررہا ہوں۔ بقول امام بغویؒ یہ خواب مسلسل تین رات دیکھا، پس سمجھ گئے کہ میرا پروردگار مجھے یہ حکم دے رہا ہے کہ اپنے اکلوتے لختِ جگر کو میرے لئے قربان کرلو، چنانچہ تعمیلِ حکم کی خاطر بلاخوف وخطر اور بغیر چون وچرا کے آمادہ ہوگئے، وہ جانتے تھے کہ اگر بچہ کو دے کر ربّ العزّت سبحانہ کی رضا حاصل ہوجائے تو یہ سودا بڑا سستا ہے۔ بچے کو لے کر گھر سے روانہ ہوگئے، اور منیٰ شریف کا رخ کیا، جہاں فرزندار جمند کو قربان کرنا ہے، اور اس سلسلہ قربانی کو بطور عبادت قیامت تک رواج دینا ہے۔ چلتے چلتے آپ علیہ السلام نے حقیقت حال بچے کو بھی بتادی کہ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے۔

﴿فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی﴾ اب بیٹا! تم بتاؤ، تمہاری کیا رائے ہے؟ ان الفاظ سے آپ علیہ السلام بیٹے اسماعیل علیہ السلام کا مشورہ نہیں پوچھ رہے، تاکہ اگر اس کی مرضی نہ ہو تو تعمیل حکم سے معذرت کرلی جائے، بلکہ محض اپنے بچہ کا امتحان مقصود تھا کہ جس بچے نے خلیل اللہ علیہ السلام کی گود میں پرورش پائی ہے، اور سیدہ ہاجرہؓ کا دودھ پیا ہے، اور جسے روز اوّل سے درس ہی یہ دیا جاتا رہا کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے اگر جان بھی دینی پڑی تو اس میں قطعاً تامل اور مشورہ نہ کرنا، اب یہ بچہ بارہ تیرہ سال کی عمر کو پہنچ چکا ہے، ذرا دیکھیں کہ والدین کی تربیت کا اس پر کیا اثر ہوا ہے، بلکہ وہ اس ثواب وامتحان میں اپنے فرزند کو بھی برابر کا شریک کرنا چاہتے تھے، تاکہ کامیابی کی صورت میں رضائے الٰہی کا تاج صرف باپ کے سر پر ہی نہ جگمگائے، بلکہ باپ بیٹا دونوں اس عزّت وشرف سے سعادت اندوز ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب حضرت اسماعیل علیہ السلام سے یہ خواب بیان کیا، تو اس پیکرِ تسلیم ورضا نے جو جواب دیا، وہ قرآن حکیم کے الفاظ ہی میں پڑھ لیجئے۔ ان نازک اور پاکیزہ جذبات کو اگر ہم اپنے الفاظ میں بیان کریں گے تو ان کا حق ادا نہ ہوگا۔

﴿قَالَ يٰٓاَبَتِ افۡعَلۡ مَا تُؤۡمَرُ ۖ سَتَجِدُنِىۡٓ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيۡنَ﴾ اے میرے بزرگ باپ! حکم الٰہی کی تعمیل فوراً فرمایئے، باقی رہا میں، تو آپ مجھے انشاء اللہ صابرین میں سے پائیں گے۔ اوران شاء اللہ کے کلمات طیبات کا اضافہ کر کے اپنے مقام عبدیت اور نیاز کو چار چاند لگا دیئے۔ میں صبر کروں گا، لیکن تب جب میرے ربّ کو منظور ہوا۔ یعنی اگر میں نے مقام رضا میں کامیابی حاصل کر لی، اور اس نازک امتحان میں سرخرو ہوا تو اس میں میرا کوئی کمال نہ ہوگا، محض میرے ربّ کا لطف وکرم ہوگا کہ مجھے صابر بننے کی توفیق عطا فرمائی۔

میں کہتا ہوں کہ ہر نبی نبوت سے پہلے مقامِ ولایت عظمیٰ پر فائز ہوتے ہیں، آپ نے اندازہ لگایا کہ اس صغر سنی میں تسلیم ورضا کا جو نمونہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے پیش کیا اس کی نظیر نہیں ملتی۔ اس کی دوسری وجہ یہ تھی کہ آپ علیہ السلام سیدالانبیاء خاتم المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد ماجد ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں، وہ اس مرحلہ میں آپ علیہ السلام کی پشت مبارک میں جلوہ افروز ہیں، تو یہ تاریخی اور عجیب وغریب تسلیم ورضا حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے ہے۔ شاعر مشرق علامہ اقبالؒ نے یوں ترجمانی کی: ؎

یہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی ☆ سکھائے کس نے اسمٰعیل علیہ السلام کو آداب فرزندی

جب باپ بیٹے صبح گھر سے روانہ ہو کر منیٰ شریف کی طرف روانہ ہوتے ہیں، تو دونوں اولوالعزم باپ بیٹے علیہما السلام خداوند تعالیٰ کی خدائی میں ایک ایسا کارنامہ انجام دینے اور رقم کرنے جارہے ہیں کہ ملاء اعلیٰ کے فرشتے بھی تعجب میں ہیں، اور پھولوں جیسے نورانی چہرے کے ساتھ بیٹا اپنی جوانی، اپنا حسن، اپنی رعنائی اور اپنی امیدوں اور امنگوں کی دنیا قربان کرنے کے لئے شاداں وفرحاں اور خراماں خراماں جارہا ہے، اور باپ اپنی سوسالہ دعاؤں کے رنگین ثمر کو اور قلب وجگر کے گوشہ کو، اور نور نظر کو اپنے ربّ کے حکم وفرمان پر قربان کرنے جارہا ہے۔ اس پر دونوں مسرور اور خوش وراضی ہیں۔ ؎

نہ شود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت ☆ سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

ادھر باپ بیٹے کا سفر جاری ہے، ادھر ملاء اعلیٰ کے فرشتے دعا گوئی میں مصروف ہیں، ادھر سے ابلیس قریب الموت ہے، اور پریشانیوں میں گھرا ہوا نڈھال اور بیتاب ہے۔ قریب ہے کہ منحوس کا کلیجہ پھٹ جائے، سوسوچتا ہے کہ آج تک ابراہیم علیہ السلام مجھے پریشان کرتے رہے، آج اگر اس کا منصوبہ ناکام کر کے خاک میں نہ ملاؤں تو ابلیس میرا نام نہیں۔ دوڑتا ہوا سب سے پہلے سیدہ ہاجرہؓ کے پاس پہنچا، اور آنسو بہاتے ہوئے پریشانی کے عالم میں کہا کہ تم

کیسی ماں ہو کہ تمہارے شوہر تمہارے اکلوتے بیٹے کو ذبح کرنے لے جارہا ہے، اور تم خاموش ہو؟ بی بی نے کہا: ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا، آخر اس کی وجہ کیا ہے؟

ابلیس نے کہا کہ اس نے خواب دیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹا قربان کرلو۔ سیدہ ہاجرہؓ نے کہا: پھر یہ ہمارے لئے سعادت ہوگی، اس پر پریشان ہونے کی کوئی وجہ نہیں، ہم سب اللہ تعالیٰ کے لئے اگر قربان ہوں تو زہے سعادت۔ یہ جواب سن کر ابلیس کی پریشانی میں خاصا اضافہ ہوا، تو سیدھا باپ بیٹے کے پاس آگیا، وہ دونوں منیٰ شریف کی حدود میں داخل ہوچکے ہیں۔ شیطان بڑی بیتابی میں اسماعیل علیہ السلام کے پاس پہنچا، اور اس پر محنت کرنے لگا، اور اسے باپ کا نافرمان بنانے کی کوشش کی، مگر ناکام رہا۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے وہی جوابات دیئے جس طرح ان کی والدہ نے کہا کہ اگر یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے تو اس پر ایک جان نہیں ہزاروں جان قربان ہیں۔ یہاں سے نا اُمید ہوکر ابلیس آخری حربہ استعمال کرتے ہوئے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے جاکر الجھ پڑا، اور کہنے لگا کہ پیغمبری اور نبوت کے ساتھ اتنے دور اندیش عقلمند اور زیرک اور دانشمند ہوکر بچے کو قربان کرنے چلے ہو؟ یہ کہاں کی دانشمندی ہے؟ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے اور سیکڑوں طریقے ہیں۔ بڑھاپے میں ایک بچہ ملا، وہ بھی اتنا حسین جسے دیکھ کر چاند شرما جائے، اس کو ذبح کرنے چلے ہو؟ تمہارا پھر کوئی نام لینے والا بھی نہیں رہے گا، نسل ختم ہوجائے گی، آئندہ کے لوگ پتہ نہیں تمہیں کیا کیا کہیں گے، اور اس عمل کے ساتھ تمہاری شناخت بھی ختم ہوجائے گی، یہ جو خواب کی رٹ لگا رکھی ہے یہ شیطانی خواب اور ابلیسی وسوسہ بھی ہوسکتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ نے لامحالہ یہ حکم دینا ہوتا تو جبرئیل علیہ السلام آپ کے پاس یہ حکم لے کر آتے، ایسے خواب شب و روز لوگ دیکھا کرتے ہیں، جن کا کوئی مقصد نہیں ہوتا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام پتھر کو اٹھا کر ابلیس کو مارنے لگے، اور اس پر زوردار لعنت بھی کی۔ اب شیطان کی آنکھیں کھل گئیں، اور روز ازل اللہ تعالیٰ شانہ نے اپنے نیک متقی پرہیزگار بندوں کا جو استثناء فرمایا تھا وہ برحق اور صحیح تھا، فرمایا: ﴿اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ﴾ [الحجر: ۴۲] (بیشک میرے بندوں پر تمہارا کوئی زور نہیں چلے گا)۔ اور ﴿اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ﴾ [الحجر: ۴۰] (مگر تیرے بندوں میں سے مخلص)۔

یہ استثناء ابلیس کی طرف سے ہے۔ اس کے بعد باپ بیٹے مزید جذبات عالیہ کے ساتھ جب گوشہ تنہائی میں پہنچے تو لاکھوں رغبتوں اور اطاعتوں اور تسلیم ورضا کے ساتھ بطیب خاطر اپنے مقصد میں کامیابی کے لئے ذہنی اور عملی

طور پر تیار ہو گئے۔

تو بیٹے نے والد محترم سے عرض کی ابا جان! میرے ہاتھ پاؤں رسی سے باندھ دیجئے، مبادا بے خبری اور جان کنی کی شدت میں ہاتھ پاؤں ہلا کر آپ کے کپڑے خون آلود نہ ہوں، نیز مجھے چہرے کے بل لٹا دیں، تا کہ میرا چہرہ دیکھ کر آپ کو ترس نہ آجائے، اور تعمیل حکم الٰہی میں کمی یا دیر یا سستی نہ آجائے۔ حسبِ فرمائش جب والد صاحب نے آپ علیہ السلام کو منہ کے بل زمین پر لٹا دیا، اور تیز چھری کو صاحبزادہ کے گلے پر رکھ کر زور سے چلایا، تا کہ چشم زدن میں گلہ کٹ کر تکلیف میں اضافہ نہ ہو، عالم بالا میں لرزہ پیدا ہوا، اور:

﴿اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ کی تفسیر کا ظہور ہو گیا۔ آپ علیہ السلام ہر چند چھری تیزی سے پھیر رہے ہیں، چلا رہے ہیں، مگر ہوتا کچھ نہیں۔ اسی اثناء میں اوپر سے ندا آئی: بس اے خلیل! بس ہو گیا تیرا امتحان، اور تو امتحان میں کامیاب ہو گیا۔ ﴿قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ﴾ یہ ہے اسلام اور اس کی زرین تعلیمات، اور مقام خلت پر فائز شخصیت کا بے مثال کارنامہ۔

ذبیح کون تھے؟ اسمٰعیل علیہ السلام یا اسحٰق علیہ السلام:

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا ہیں، اور حضرت اسحٰق علیہ السلام حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے ہیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام عمر میں حضرت اسحٰق علیہ السلام سے تیرہ چودہ سال بڑے ہیں، ان کی پیدائش کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر چھیاسی سال تھی، جبکہ حضرت اسحٰق علیہ السلام کی پیدائش کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ۹۰ یا سو سال تھی۔ اب حل طلب مسئلہ یہ ہے کہ ذبیح ان دونوں میں سے کون ہے؟ تورات میں اگرچہ یہود اپنے ذوق وشوق، اور ضد وعناد کی بنیاد پر ذبیح حضرت اسحٰق علیہ السلام کو قرار دیتے ہیں، مگر تورات میں چونکہ تحریف ہو چکی ہے اس لئے تورات کی روایت قابل قبول نہیں ہے۔

دوم یہ کہ تورات کی روایت میں تضاد ہے، جہاں اس میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اکلوتے بیٹے کی قربانی کا حکم ہوا، تو ظاہر ہے کہ اکلوتے بیٹے اسحٰق علیہ السلام نہیں بلکہ اسماعیل علیہ السلام ہی ہیں۔ اس سلسلے میں صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم اور بعد کے علماء ومؤرخین کے اس مسئلہ میں دو گروہ ہیں: ایک گروہ پورے جزم ووثوق کے ساتھ کہتا ہے کہ ذبیح حضرت اسحٰق علیہ السلام ہیں، اس گروہ میں یہ حضرات ہیں: حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، ابو ہریرہ، عبداللہ ابن عباس، قتادہ، عکرمہ، حسن بصری، مجاہد، شعبی، سعید بن جبیر، مکحول، مسروق، زہری، مقاتل، عطاء، کعب احبار، سدی،

زید بن اسلم رضی اللہ عنہم وغیرہم۔

دوسرا گروہ بھی پورے جزم ووثوق کے ساتھ کہتا ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ اس گروہ کے حضرات یہ ہیں: حضرت ابوبکر صدیق، عبداللہ بن عمر، حضرت علی، ابن عباس، ابوہریرہ، معاویہ، عکرمہ، مجاہد، یوسف بن مہران، حسن بصری، محمد بن کعب القرظی، سعید بن مسیب، شعبی، ضحاک، امام باقر، ربیع بن انس، اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم وغیرہم۔

ان دونوں فہرستوں کا تقابل کیا جائے تو متعدد نام ان میں مشترک نظر آئیں گے، یعنی ایک ہی بزرگ سے دو قول مختلف منقول ہوئے ہیں، مثلاً عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے عکرمہ رحمہ اللہ یہ قول نقل کرتے ہیں کہ ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام تھے، مگر ابن عباس رضی اللہ عنہ ہی سے عطاء ابن ابی رباح یہ بات نقل کرتے ہیں کہ: زَعَمَتِ الْيَهُودُ أَنَّهُ إِسْحٰقُ وَكَذَبَتِ الْيَهُودُ۔ یہودیوں کا دعویٰ ہے کہ وہ اسحٰق علیہ السلام تھے، مگر یہودی جھوٹ کہتے ہیں۔ اسی طرح دوسرے بعض حضرات بھی ایسے تھے جن سے دو قول منقول ہیں، لیکن اگر تحقیق کی نگاہ سے اور شہرت کو مدنظر رکھ کر دیکھا جائے تو یہ امر ہر شک وشبہ سے بالاتر نظر آتا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ذبیح تھے۔ اس کے دلائل اختصار کے ساتھ یہ ہیں:

(۱)......اوپر قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گزر چکا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے وطن سے ہجرت کرتے وقت ایک صالح بیٹے کے لئے دعا کی تھی، اور اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک حلیم لڑکے کی بشارت دی، فحوائے کلام صاف بتا رہا ہے کہ یہ دعا اس وقت کی گئی تھی جب آپ علیہ السلام بے اولاد تھے، اور بشارت جس لڑکے کی دی گئی وہ آپ علیہ السلام کا پہلا بچہ تھا۔ پھر یہ بھی قرآن ہی کے سلسلہ کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہی بچہ جب باپ کے ساتھ دوڑنے چلنے کے قابل ہوا تو اسے ذبح کرنے کا خواب میں حکم ہوا۔ اب یہ بات قطعی طور پر ثابت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پہلے بیٹے اسماعیل علیہ السلام تھے، نہ کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام، خود قرآن مجید میں صاحبزادوں کی ترتیب اس طرح بیان ہوئی ہے: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ﴾ [ابراھیم:۳۹] (تعریف ہے اس اللہ کے لیے جس نے بڑھاپے پر مجھے اسماعیل اور اسحٰق عطا فرمائے)۔

(۲)......قرآن مجید میں جہاں حضرت اسحٰق علیہ السلام کی بشارت دی گئی ہے، وہاں ان کے لئے غلام علیم (علم والے لڑکے) کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں: ﴿فَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِیْمٍ﴾ [الذاریات:۲۸] (فرشتوں نے ان کو ایک علم والے لڑکے کی خوشخبری دی)۔ ﴿لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِیْمٍ﴾ [الحجر: ۵۳] (ڈرو نہیں، بیشک

ہم آپ کو ایک علم والے لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں)۔

مگر یہاں جس لڑکے کی بشارت دی گئی ہے اس کے لئے یہ کلمات ہیں: ﴿فَبَشَّرۡنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيۡمٍ﴾۔یعنی بردبار لڑکے کی بشارت دی ہم نے۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دو صاحبزادوں کی دو نمایاں صفات الگ الگ تھیں، اور ذبیح کا حکم غلام علیم کے لئے نہیں، بلکہ غلام حلیم کے لئے تھا، اور یہی قرین قیاس بھی ہے۔

(۳)......قرآن مجید میں جب حضرت اسحٰق علیہ السلام کی ولادت کا مژدہ سنایا جاتا ہے تو ساتھ ہی ان کے بیٹے یعقوب علیہ السلام کی بشارت دی جاتی ہے: ﴿فَبَشَّرۡنٰهَا بِاِسۡحٰقَ وَمِنۡ وَّرَآءِ اِسۡحٰقَ يَعۡقُوۡبَ﴾[ھود: ۷۱] (پس ہم نے اس کو اسحٰق کی، اور اسحٰق کے بعد یعقوب کی خوشخبری دی)۔اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام صاحب اولاد ہوں گے، اور ان کے فرزند کا نام یعقوب ہوگا۔ذرا غور فرمایئے، ایک طرف تو اللہ کی طرف سے یہ مژدہ ملتا ہے کہ اسحٰق علیہ السلام اور اس کے بیٹے یعقوب علیہ السلام ہوں گے، دوسری طرف انہیں جوان ہونے سے پہلے قربان کرنے کا حکم ملتا ہے۔اللہ تعالیٰ کے احکام میں یہ تضاد متصور نہیں۔

(۴)......معتبر روایات سے یہ ثابت ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے فدیہ میں جو مینڈھا ذبح کیا گیا تھا اس کے سینگ خانہ کعبہ میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے زمانہ تک محفوظ تھے، بعد میں جب حجاج بن یوسف نے حرم میں عبداللہ بن زبیرؓ کا محاصرہ کیا، اور خانہ کعبہ کو آگ لگا دی تو وہ سینگ بھی جل گئے۔ابن عباسؓ اور عامر شعبی دونوں اس امر کی شہادت دیتے ہیں کہ انہوں نے خود خانہ کعبہ میں یہ سینگ دیکھے ہیں۔یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ قربانی کا یہ واقعہ شام میں نہیں، بلکہ مکہ معظمہ میں پیش آیا تھا، اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا تھا، اسی لئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام و اسماعیل علیہ السلام کے تعمیر کردہ خانہ کعبہ میں اس کی یادگار محفوظ رکھی گئی تھی، اس بات پر خوب غور کرنا چاہئے۔

یہ بات صدیوں سے عرب کی روایات میں بڑی شہرت کے ساتھ محفوظ تھی کہ قربانی کا یہ واقعہ منیٰ شریف میں پیش آیا تھا، اور یہ صرف روایت ہی نہ تھی، بلکہ اس وقت سے سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے تک مناسک حج میں یہ کام بھی برابر شامل چلا آرہا تھا کہ اسی مقام منیٰ میں جا کر لوگ اسی جگہ پر جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قربانی کی تھی جانور قربان کیا کرتے تھے۔پھر جب سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس طریقے کو بڑے اہتمام کے ساتھ جاری رکھا، حتیٰ کہ آج تک حج کے موقع پر دس ذوالحجہ کو منیٰ میں لاکھوں کے حساب سے قربانیاں کی جاتی ہیں۔ساڑھے چار ہزار برس کا یہ متواتر عمل اس امر کا ناقابل انکار ثبوت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس قربانی

کے وارث بنی اسماعیل ہوئے ہیں، نہ کہ بنی اسحٰق۔ حضرت اسحٰق علیہ السلام کی نسل میں ایسی کوئی شرعی رسم کبھی جاری نہیں رہی ہے جس میں ساری قوم بیک وقت قربانی کرتی ہو، اور اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کی یادگار کہتی ہو۔

یہ ایسے دلائل ہیں جن کو ملاحظہ کرنے کے بعد یہ بات حیران کن ہے اور قابل تعجب بھی ہے کہ خود امت مسلمہ میں حضرت اسحٰق علیہ السلام کے ذبیح ہونے کا خیال آخر پھیل کیسے گیا؟ یہودیوں نے اگر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو اس شرف سے محروم کر کے اپنے دادا حضرت اسحٰق علیہ السلام کی طرف اسے منسوب کرنے کی کوشش کی تو یہ ایک سمجھ میں آنے والی بات ہے، لیکن آخر مسلمانوں کے ایک جم غفیر نے ان کی اس دھاندلی کو کیسے قبول کر لیا؟

اس سوال کا بہت شافی وکافی جواب علامہ حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں دیا ہے، وہ یہ ہے: ''حقیقت تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، مگر بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ دراصل یہ سارے اقوال جو حضرت اسحٰق علیہ السلام کے ذبیح ہونے کے حق میں ہیں کعب احبارؒ سے منقول ہیں۔ یہ صاحب جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مسلمان ہوئے تو کبھی کبھی یہ (سابق یہودی عالم) یہود ونصاریٰ کی قدیم کتابوں کے مندرجات لوگوں کو بکثرت سنایا کرتے تھے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ انہیں بھی سن لیا کرتے تھے۔ اس بناء پر ان کی باتوں کی شہرت ہوگئی، اور سب رطب ویابس جو وہ بیان کرتے تھے انہیں لوگوں نے روایت کیا، اور بھروسہ کرنے لگے، حالانکہ اس امت کو ان کے اس ذخیرہ معلومات میں سے کسی چیز کی بھی ضرورت نہ تھی''۔

علامہ حافظ ابن کثیرؒ نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ علماء یہود میں سے ایک شخص حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانہ میں مسلمان ہوگیا تھا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس سے پوچھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹوں میں سے کونسے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم ہوا؟ تو اس عالم نے اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھا کر کہا کہ وہ اسماعیل علیہ السلام تھے، یہودی اس بات کو خوب جانتے ہیں، لیکن وہ عرب کے لوگوں سے حسد کی وجہ سے ایسا کہتے ہیں کہ ذبیح حضرت اسحٰق ہیں۔ [ابن کثیر]

﴿وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي سَيَهْدِينِ﴾ ابراہیم نے کہا: تحقیق، میں اپنے پروردگار کی طرف اس کے حکم سے یہاں سے جانے والا ہوں، وہی میری رہنمائی فرمائے گا۔ وہ حکم یہ تھا کہ اس سرزمین بابل کو چھوڑ کر ملک شام کو اپنا مستقر بناؤ، چنانچہ آپ علیہ السلام وہاں پہنچے اور اولاد کے لئے دعا والتجاء شروع کی اور کہا: ﴿رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ﴾ اے میرے مولا! میرے پروردگار! مجھے نیک اور صالح بیٹا عطا کریں۔ دعا قبول ہوئی، اور بشارت سنائی گئی۔

﴿فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ﴾ سو ہم نے آپ علیہ السلام کو ایک ایسے بردبار بیٹے کی بشارت دی کہ اگر اس کے

گلے پر تیز چھری چلا کر اسے ذبح کیا جائے تو وہ پیکر تسلیم ورضا ''اُف'' تک نہ کہے۔ یہ ہے سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے جد اعلیٰ حضرت اسماعیل بن خلیل الرحمن علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

﴿فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى﴾ جب یہ بچہ چلنے پھرنے اور تگ و دو کی عمر کو پہنچ گیا۔ سعی کے معنی ہیں: دوڑ، جیسے صفا و مروہ کی سعی ہوتی ہے۔ اس وقت ان کی عمر چودہ سال کی تھی۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اے میرے پیارے چھوٹے بچے! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ یعنی مجھے خواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ میں آپ کو اس کی رضا کی خاطر قربانی اور ذبح کرلوں، تم دیکھو، تمہارا اس معاملہ میں کیا خیال ہے؟ تم سوچ کر مجھے جواب دیدو۔ بیٹے نے فوراً جواب دے کر کہا:

﴿قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۡ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ اے ابا جان! جس کام کا آپ کو حکم دیا جا رہا ہے میں اس پر پورا پورا راضی ہوں، مجھے اس پر خوشی بھی ہے کہ میں اپنے ربّ کے حکم کو بخوشی قبول کر رہا ہوں، آپ اپنے کام کو مکمل کرلیں، ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے، اور آپ اللہ تعالیٰ کے حضور سرخرو ہو جائیں گے۔ بیٹے کو معلوم تھا کہ میرا باپ عام آدمی نہیں، یہ وہ ثابت قدم نڈر ہستی ہے جس نے آتش نمرود کو پاؤں میں روند کر گل و گلزار بنا دیا ہے۔ پس یہ ہوا:

﴿فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ﴾ پھر جب باپ بیٹے دونوں مطیع ہوگئے، اطاعت کے ریکارڈ قائم کئے، صفحات تاریخ پر وہ کارنامہ رقم کیا جس پر دوست و دشمن، پوری انسانیت فخر کرے تو بجا ہے۔ پھر کارنامہ یہ انجام دیا کہ بیٹے کو اس کی مرضی اور فرمائش پر سجدہ کی حالت میں لٹا کر، اس کی پیشانی کو زمین پر رکھ دیا، تاکہ حکم الٰہی کی تعمیل میں کوئی جذباتی سستی نہ ہو۔ پھر چھری چلانا شروع کردی۔ آتش نمرود کی طرح چھری نے موم کی طرح نرم ہوکر اپنا کام چھوڑ دیا، اس وقت عالم بالا سے ندا آئی:

﴿وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا﴾ پس ہم نے آواز دی: بس اے ابراہیم! بس، تو نے خواب کو سچا کر کے دکھایا آپ آزمائش میں پورے اور کامیاب ہوئے، کیوں نہیں: ﴿اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ﴾ ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ پھر فرمایا: ﴿اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ﴾ بیشک یہ ایک صریح آزمائش تھی، جو ابراہیم علیہ السلام پر ڈالی گئی، اور آپ علیہ السلام اس میں کامیاب ہوئے۔

﴿وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ﴾ اور ہم نے اسے ایک عظیم جانور کے ذبح کرنے کا فدیہ دیا۔ یہ عظیم مینڈھا

بڑے سینگوں والا حضرت جبرئیل امین علیہ السلام نے جنّت سے لا کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی چھری کے نیچے رکھ کر، اسماعیل علیہ السلام کو بچایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب مینڈھے کو ذبح کر کے آنکھ کھولی تو صاحبزادے کو ہنستے ہوئے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ کھڑا پایا، اور آنسو بہاتے ہوئے اَلحمدُللہ پڑھا، اور اس ذبح عظیم پر شکر ادا کیا۔

مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ ذبح عظیم سے مراد صرف بہشت سے نازل شدہ جانور نہیں، بلکہ اس فدیہ اور ذبح عظیم سے مراد اصول اور سنت قربانی ہے، جس کا رواج قیامت تک جاری رہے گا، اور کھربوں جانور قربان ہوتے رہیں گے۔ یہ اتنا بابرکت عمل ہے کہ تمام مالی عبادتوں میں اس کا خاص مقام اور ثواب ہے، کیونکہ جذبہ ایمان واطاعت تو وہی تھا جو بیٹے کی قربانی کے لئے ابوالانبیاء علیہ السلام کے قلب مبارک میں موجزن تھا، مگر رحمٰن ورحیم جلّ شانہ نے جان گرامی کے بدل کے طور پر اس کو جانور میں منتقل فرمایا، تاکہ قیامت تک بآسانی اس پر عمل ہو سکے۔ اب یہ جانور بیٹے کی جان کا بدلہ اور عوض ہی متصور ہوگا۔

﴿وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ﴾ اور ہم نے اس کا ذکر خیر آئندہ آنے والوں میں چھوڑا ہے۔ ﴿سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ﴾ ابراہیم علیہ السلام پر سلامتی ہو۔ ﴿كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝١١٠ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں، بیشک وہ ہمارے کامل الایمان بندوں میں سے تھے۔

﴿وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ اور اسماعیل علیہ السلام کے بعد ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اسحٰق علیہ السلام کی بشارت دی، جو اللہ تعالیٰ کے نبی اور نیک بندوں میں سے تھے۔ اس بشارت کی تفصیل سورۂ ہود میں گزر چکی ہے، اور آئندہ سورۃ الذاریات میں آنے والی ہے۔ اِن شاءاللہ تعالیٰ

﴿وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ﴾ اور ہم نے برکت دی اس پر، یعنی ابراہیم علیہ السلام پر اور اسحٰق علیہ السلام پر۔

﴿وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ﴾ اور دونوں کی اولاد میں سے، یعنی ابراہیم علیہ السلام اور اسحٰق علیہ السلام کی نسل میں سے۔ دوسرا معنی یہ کہ اسماعیل علیہ السلام اور اسحٰق علیہ السلام کی نسل میں سے۔ یہ دوسرا معنی راجح ہے۔ ان دونوں بھائیوں کی اولاد میں نیکوکار اور بدکار دونوں قسم کے لوگ ہیں۔ خاندان اسحٰق علیہ السلام سے مراد بنی سرائیل کے لوگ ہیں، اور خاندان اسماعیل علیہ السلام سے مراد عرب ہیں، اور انہیں میں سے رب العلمین جلّ شانہ نے سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرمایا۔ والحمدُللہِ علٰی ذٰلِک

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۱۵﴾ وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۱۸﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِى الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۲﴾

ترجمہ: اور یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے موسیٰ اور ہارون پر احسان کیا ﴿۱۱۴﴾ اور ان دونوں کو، اور ان کی قوم کو بڑی بے چینی سے نجات دی ﴿۱۱۵﴾ اور ہم نے ان کی مدد کی، سو وہ ہی غالب ہونے والے تھے ﴿۱۱۶﴾ اور ہم نے انہیں واضح طور پر بیان کرنے والی کتاب دی ﴿۱۱۷﴾ اور ہم نے انہیں صراط مستقیم کی ہدایت کی ﴿۱۱۸﴾ اور ہم نے بعد میں آنے والوں میں ان دونوں کے بارے میں یہ بات چھوڑی کہ سلام ہو موسیٰ پر اور ہارون پر ﴿۱۱۹﴾ بلاشبہ ہم اسی طرح مخلصین کو صلہ دیا کرتے ہیں ﴿۱۲۱﴾ بیشک وہ ہمارے مؤمن بندوں میں سے تھے ﴿۱۲۲﴾

معارف ومنازل

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے دونوں صاحبزادوں کے تذکرہ کے بعد بنی اسرائیل کے جلیل القدر پیغمبر صاحب تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا، ارشاد ہوا:

﴿وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ﴾ اور بیشک ہم نے احسان کیا موسیٰ علیہ السلام اور ہارون پر، انہیں ہر طرح ظاہری و باطنی کمالات سے نوازا۔

﴿وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ﴾ اور ان دونوں کو اور دونوں کی قوم کو سخت مصیبت سے نجات دی، اور نہ صرف یہ کہ ان کو نجات دی، بلکہ: ﴿وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ﴾ دشمن کے مقابلہ میں ہم نے ان کی مدد کی۔ پس وہ دشمن پر غالب ہونے والے ہوئے، اور فرعونیوں کی ہلاکت کے بعد ان کے املاک کے وارث بنے۔ ﴿وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ﴾ اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو روشن اور نورانی کتاب دی، جس سے مراد تورات ہے۔ ﴿وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ اور ہم نے ان دونوں کو سیدھی راہ دکھائی۔

﴿وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِى الْاٰخِرِيْنَ﴾ اور ان کے بعد آنے والی قوموں میں ان کا ذکر خیر باقی چھوڑا کہ وہ یوں کہا کریں گے: ﴿سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ﴾ سلام ہو موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام پر۔

﴿اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ﴾ بیشک ہم اپنے نیک بندوں کو اسی طرح نیک بدلہ دیا کرتے ہیں۔

﴿إِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ بیشک وہ دونوں ہمارے خاص الخاص ایمان دار بندوں میں سے تھے۔ سبحان اللہ! ایمان کتنا بڑا عظیم منصب وکمال، اور نعمت غیر مترقبہ ہے کہ نبوت ورسالت کی بھی بنیاد ہے۔

وَإِنَّ إِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٢٣﴾ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٢٤﴾ أَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ
أَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ﴿١٢٥﴾ اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ آبَآئِكُمُ الْأَوَّلِيْنَ ﴿١٢٦﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَإِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿١٢٧﴾
إِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿١٢٨﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِيْنَ ﴿١٢٩﴾ سَلٰمٌ عَلٰى إِلْ يَاسِيْنَ ﴿١٣٠﴾ إِنَّا
كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٣١﴾ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٣٢﴾

ترجمہ: اور بلاشبہ الیاس پیغمبروں میں سے ہیں ﴿١٢٣﴾ جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا: کیا تم اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے؟ ﴿١٢٤﴾ کیا تم بعل کی عبادت کرتے ہو؟ اور احسن الخالقین کو چھوڑے ہوئے ہو؟ ﴿١٢٥﴾ جو اللہ ہے، جو تمہارا ربّ ہے، اور تمہارے باپ دادوں کا ربّ ہے ﴿١٢٦﴾ سو ان لوگوں نے انہیں جھٹلایا، لہٰذا وہ ضرور حاضر کئے جائیں گے ﴿١٢٧﴾ سوائے اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں کے ﴿١٢٨﴾ اور بعد میں آنے والوں میں ان کے بارے میں یہ بات چھوڑ دی ﴿١٢٩﴾ کہ سلام ہو الیاس پر ﴿١٣٠﴾ بلاشبہ ہم مخلصین کو ایسے ہی صلہ دیا کرتے ہیں ﴿١٣١﴾ بیشک وہ ہمارے مؤمن بندوں میں سے تھے ﴿١٣٢﴾

معارف ومنازل

حضرت الیاس علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں میں سے تھے۔ آپ علیہ السلام کا ذکر قرآن حکیم میں صرف دو مقامات پر ہے: ایک سورۂ انعام، دوسرے سورۂ صافات میں۔ آپ علیہ السلام بنی اسرائیل کے پیغمبروں میں سے ہیں، اور ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ حضرت الیاس علیہ السلام اور حضرت ادریس علیہ السلام ایک ہیں، یہ صحیح نہیں۔ حضرت ادریس علیہ السلام نوح علیہ السلام کے اجداد میں سے ہیں، اور حضرت الیاس علیہ السلام حضرت یوشع علیہ السلام اور حزقیل علیہ السلام کے بعد ہیں۔ آپ علیہ السلام کی بعثت بنی اسرائیل کے ان لوگوں کی طرف ہوئی جنہوں نے کھلم کھلا بت پرستی اختیار کی تھی، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تورات کے منکر ہو گئے تھے۔ یہ لوگ مشرک تھے، اور ان کا ایک بہت بڑا بت تھا، جس کا نام بعل تھا، کہتے ہیں یہ بت سونے کا تھا، جس کا قد بیس ہاتھ تھا، اور اس کے چار چہرے (منہ) تھے۔

[روح المعاني]

شیطان اس کے اندر داخل ہوتا تھا، اور اس کے مجاوروں سے باتیں کرتا تھا، وہ لوگ یہ باتیں عوام میں پھیلا دیتے، جس سے مشرکوں کا عقیدہ اور پختہ ہو جاتا۔ حضرت الیاس علیہ السلام نے بعلبک والوں کو توحید کی تبلیغ کی، اور انہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف بلایا، مگر قوم نے ان کی تکذیب کی، اور ان کے قتل کے درپے ہو گئے، چنانچہ وہ پہاڑوں میں نکلے، اور گوشہ نشینی اختیار کی۔

﴿وَاِنَّ اِلۡيَاسَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ﴾ اور بیشک الیاس بھی اللہ تعالیٰ کے رسولوں میں سے تھے۔

﴿اِذۡ قَالَ لِقَوۡمِهٖۤ اَلَا تَتَّقُوۡنَ﴾ جب کہا انہوں نے اپنی قوم سے: کیا تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے نہیں؟

﴿اَتَدۡعُوۡنَ بَعۡلًا وَّتَذَرُوۡنَ اَحۡسَنَ الۡخَالِقِيۡنَ﴾ کیا تم بعل بت کو پکارتے ہو، اور سب سے بہتر پیدا کرنے والی ذات کو چھوڑ دیتے ہو؟ اور اس کی عبادت سے انکار کرتے ہو؟ احسن الخالقین سے مراد احسن المصورین ہے۔ ﴿اللّٰهَ رَبَّكُمۡ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الۡاَوَّلِيۡنَ﴾ وہ بہتر پیدا کرنے والی ذات اللہ کی ذات ہے، جو تمہارا بھی ربّ ہے، اور تمہارے باپ دادوں کا بھی ربّ ہے۔ ﴿فَكَذَّبُوۡهُ فَاِنَّهُمۡ لَمُحۡضَرُوۡنَ﴾ قوم کے لوگوں نے انہیں جھٹلایا، قیامت کے دن وہ سب جہنم کے عذاب میں حاضر کئے جائیں گے۔

﴿اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الۡمُخۡلَصِيۡنَ﴾ مگر اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے اس عذاب سے بچ جائیں گے۔

﴿وَتَرَكۡنَا عَلَيۡهِ فِى الۡاٰخِرِيۡنَ﴾ ہم نے ان کا ذکر خیر پچھلے لوگوں میں چھوڑا۔ ﴿سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلۡ يَاسِيۡنَ﴾ سلام ہو الیاس علیہ السلام پر۔ یہ ان کا نام ہے۔ عرب کبھی اسم کے آخر میں نون لاتے ہیں، جیسے طور سینا کو طور سینین کہتے ہیں۔ ﴿اِنَّا كَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡمُحۡسِنِيۡنَ ۝ اِنَّهٗ مِنۡ عِبَادِنَا الۡمُؤۡمِنِيۡنَ﴾ ہم نیکی کرنے والوں کو ایسا بدلہ دیا کرتے ہیں، وہ ہمارے کامل ایماندار بندوں میں سے تھے۔

وَاِنَّ لُوۡطًا لَّمِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ۝١٣٣ اِذۡ نَجَّيۡنٰهُ وَاَهۡلَهٗۤ اَجۡمَعِيۡنَ ۝١٣٤ اِلَّا عَجُوۡزًا فِى الۡغٰبِرِيۡنَ ۝١٣٥ ثُمَّ دَمَّرۡنَا الۡاٰخَرِيۡنَ ۝١٣٦ وَاِنَّكُمۡ لَتَمُرُّوۡنَ عَلَيۡهِمۡ مُّصۡبِحِيۡنَ ۝١٣٧ وَبِالَّيۡلِ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ۝١٣٨

ترجمہ: اور بلاشبہ لوط بھی پیغمبروں میں سے ہیں ۝١٣٣ جبکہ ہم نے انہیں اور ان کے گھر والوں کو نجات دے دی ۝١٣٤ سوائے بوڑھی عورت کے کہ وہ باقی رہ جانے والوں میں سے تھی ۝١٣٥ پھر ہم نے دوسرے لوگوں کو ہلاک کر دیا ۝١٣٦ اور بلاشبہ ان پر ضرور گزرتے ہو صبح کے وقت ۝١٣٧ اور رات کو سو کیا تم سمجھ نہیں رکھتے ۝١٣٨

معارف ومنازل

یہ پانچواں قصہ لوط علیہ السلام کا ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی بھتیجے تھے، اور آپ علیہ السلام کے ہمراہ بابل سے ہجرت کر کے شام آئے تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک ایسی قوم میں مبعوث فرمایا جو کفر وشرک کے علاوہ غیر فطری عمل لواطت میں اور دیگر کئی جرائم میں مبتلا تھی، فرمایا:

﴿وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ اور بلا شبہ لوط بھی پیغمبروں میں سے ہیں۔ ﴿اِذْ نَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ﴾ جب ہم نے لوط کو اور ان کے اہل خانہ کو نجات دے دی سب کو۔ ﴿اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ﴾ سوائے ایک بوڑھی کافرہ عورت کے جو ان کی بیوی تھی، وہ پیچھے رہ جانے والوں میں ہوگئی، اور عذاب کے لپیٹ میں آ کر ہلاک ہوگئی۔

﴿ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ﴾ پھر سب باقی ماندوں کو تہ و بالا کر کے ہم نے ہلاک کر دیا۔

﴿وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ ۝ وَبِالَّيْلِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ اور اے اہل مکہ! تم اس ہلاک شدہ قوم کے انجام سے عبرت سیکھو اور تحقیق ملک شام جاتے ہوئے صبح اور رات کے وقت تم ان کے کھنڈرات اور تباہ مکانات پر گزرتے ہو، تو کیا پھر بھی نہیں سمجھتے ہو؟

⁂ ⁂ ⁂

وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۱۳۹ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝۱۴۰ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ
الْمُدْحَضِيْنَ ۝۱۴۱ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِيْمٌ ۝۱۴۲ فَلَوْلَاۤ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ۝۱۴۳ لَلَبِثَ
فِيْ بَطْنِهٖۤ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝۱۴۴ فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ ۝۱۴۵ وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً
مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ۝۱۴۶ وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ۝۱۴۷ فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ۝۱۴۸

ترجمہ: اور بلا شبہ یونس پیغمبروں میں سے ہیں ۝۱۳۹ جب وہ بھری ہوئی کشتی کی طرف بھاگ کر چلے گئے ۝۱۴۰ سو قرعہ ڈالا، پس وہ ہار جانے والوں میں سے ہوگئے ۝۱۴۱ سو مچھلی نے ان کا لقمہ بنالیا اس حال میں کہ وہ صاحب ملامت ہوگئے ۝۱۴۲ سو اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے ۝۱۴۳ تو ضرور مچھلی کے پیٹ میں اس دن تک ٹھہرے رہتے جس دن لوگ اٹھائے جائیں گے ۝۱۴۴ سو ہم نے انہیں ایک میدان میں ڈال دیا، اس حال میں کہ وہ سقیم تھے ۝۱۴۵ اور ہم نے ان پر ایک بیل دار درخت اگا دیا ۝۱۴۶ اور ہم نے انہیں ایک لاکھ یا اس سے زیادہ آدمیوں کی طرف بھیجا تھا ۝۱۴۷ سو وہ لوگ

ایمان لائے تو ہم نے ان کو ایک زمانہ تک عیش دیا﴿۱۴۸﴾

معارف ومنازل

حضرت یونس علیہ السلام کا شمار انبیاء بنی اسرائیل میں ہے، وہ ایک لمبی مدت تک اپنی قوم کو تبلیغ کرتے رہے، قوم نے نہ مانا اور انکار پر تلے رہے، آخر کار مایوس ہو کر قوم سے یہ کہا کہ دیکھو! تین دن کے اندر اندر تم پر عذاب آجائے گا، پھر وہ دو دن تک انتظار کرتے رہے، تیسرے دن بھی انتظار میں تھے، لیکن عذاب کے آثار نہیں دیکھے، جب یہ صورت حال سامنے آئی تو یہ سمجھ کر کہ اگر عذاب نہ آیا تو میں جھوٹا شمار ہوں گا، وہاں سے روانہ ہو گئے، ان کے جانے کی تھوڑی دیر بعد قوم نے عذاب آتا دیکھا تو اللہ تعالیٰ کے حضور میں تڑپ تڑپ کر روئے اور گڑگڑائے، زاری منت کرتے رہے، خوب توبہ کی، معافی مانگی، بچوں کو ماؤں سے دور علیحدہ رکھا تاکہ وہ بھی روئیں، اسی آہ وزاری وفریاد و چیخوں کے عالم میں بیک زبان ہو کر ایمان لے آئے، اس اثناء میں وہ عذاب سیاہ بادلوں کی شکل میں بستی کے اوپر فضاء میں بدستور کھڑا رہا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا ایمان قبول فرما کر عذاب کو ہٹا دیا، اور ان کی توبہ قبول فرمالی۔

یہ صرف اسی قوم کی خصوصیت تھی، کیونکہ عذاب آنے کے بعد ایمان اور توبہ کی قبولیت نہیں ہوتی، سورۂ یونس میں فرمایا: ﴿فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَاۤ اِيْمَانُهَاۤ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ؕ لَمَّاۤ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ﴾ [یونس:۹۸] (سو ایسی بستی کیوں ایمان نہ لائی جس کا ایمان لانا اس کو نافع ہوتا مگر یونس کی قوم، جب وہ ایمان لائے تو ہم نے رسوائی کے عذاب کو دنیوی زندگی میں ان پر ٹال دیا، اور ان کو ایک خاص وقت تک عیش وحیات دیدی)۔

چونکہ یونس علیہ السلام بغیر انتظار وحی کے اور بغیر حکم الٰہی کے وہاں سے نکلے تھے اس لئے انہیں ندامت محسوس ہوئی، اور ایسا کرنا اگرچہ گناہ نہیں تھا مگر حسنات الأبرار سیات للمقربین قانون کے مطابق حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا درجہ سب سے اعلیٰ وارفع ہے، اس لئے ان کی اجتہادی خطاء اور سہو ونسیان پر بھی مؤاخذہ ہوسکتا ہے، چنانچہ وہ دریا کے کنارہ پہنچ کر کسی کشتی کے انتظار میں رہے، جب کشتی وہاں پہنچ گئی تو سواریوں سے بھری ہوئی تھی، اس میں سوار ہوئے اور چل پڑے، آگے جا کر کشتی رک گئی ہر چند ملاحوں نے تدبیروں سے کام لیا مگر کشتی رکی رہی، پھر ملاح اپنے عقیدہ کے مطابق بولے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی غلام اپنے مالک سے بھاگ کر کشتی میں سوار ہوا ہے، اور یہ

کشتی کا قاعدہ ہے کہ جب کوئی بھاگا ہوا اس میں سوار ہوتا ہے تو وہ چلنے سے رک جاتی ہے، بہتر یہ ہے کہ قرعہ اندازی کریں اور متعلقہ شخص کو دریا کے حوالہ کر کے باقی لوگوں کے بچانے کی تدبیر کریں تا کہ کشتی غرق ہونے سے بچ جائے، چنانچہ انہوں نے قرعہ ڈالا اور متواتر پے در پے تین مرتبہ قرعہ ڈالا، ہر مرتبہ قرعہ یونس علیہ السلام کے نام کا نکلا، تو یونس علیہ السلام یہ دیکھ کر دریا میں کود پڑے، فوراً اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک بڑی مچھلی آ کر نگل گئی، اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا کہ یہ تمہاری خوراک و روزی نہیں ہے، اسے اپنے پیٹ میں حفاظت کر کے رکھو تا کہ اس کا کوئی ایک بال بھی بھیگا نہ ہو، تیرا پیٹ ہم نے اس کا قید خانہ بنایا ہے، اس وقت انہوں نے:

﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ پڑھنا شروع کیا، اور اپنی جلدی کا اعتراف کر کے معافی مانگی، مزید یہ قصہ سورۂ یونس اور سورۃ الانبیاء اور سورۃ القلم میں دیکھا جائے۔

﴿وَاِنَّ یُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ﴾ اور یونس علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کے رسولوں میں سے تھے، یونس علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے صحیفے بھی نازل فرمائے، اللہ تعالیٰ نے ان کو عراق کے صوبہ موصل میں دریائے فرات کے کنارے واقع مشہور شہر نینوا کی طرف مبعوث فرمایا۔

﴿اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ﴾ جبکہ وہ بھاگے بھری ہوئی کشتی کی طرف۔ ﴿فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِیْنَ﴾ پس یونس علیہ السلام بھی قرعہ اندازی میں شریک ہوئے، پس وہی تھے مغلوب ہونے والوں میں، اور ملزم وملامت ٹھہرے ہوئے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ آپ کی شکل صورت دیکھ کر لوگوں کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ شخص بھاگا ہوا غلام ہے، مگر آپ کو اپنا حال معلوم تھا، تب وہ دریا میں چلانگ لگائے اور فوراً:

﴿فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِیْمٌ﴾ پس مچھلی نے آپ کو لقمہ بنا کر اسے پیٹ میں اتار دیا، اور آپ کو سالم نگل گئی، اور آپ اس وقت ملامت والے تھے، یعنی وہ اپنی لغزش پر خود اپنے آپ کو ملامت کر رہے تھے، مچھلی کے پیٹ میں ایک ہفتہ یا چالیس دن رہے، بعضوں نے کہا ہے کہ صرف تین دن رہے۔ واللہ اعلم

﴿فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ ۝ لَلَبِثَ فِیْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ﴾ پس اگر آپ تسبیح کرنے والوں میں نہ ہوتے تو قیامت تک مچھلی کے پیٹ میں ہی رہتے آپ علیہ السلام نے جو تسبیح پڑھی وہ یہی: ﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ بابرکت تسبیح ہے جو ہر پریشانی کے لئے اکسیر ہے، اور صوفیاء کرام کے نزدیک اسم اعظم ہے، اور مصیبتوں کے لئے تریاق اور اکسیر ہے۔ [ترمذي]

﴿فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ﴾ ہم نے ان کو ایک چٹیل میدان میں پھینک دیا، اور آپ بیمار تھے، مچھلی کے پیٹ میں اگر چہ آپ کی ہڈیاں اور گوشت سلامت رہے، البتہ اوپر کی کھال متأثر ہو کر نہایت نرم ہوگئی بالکل جس طرح نومولود بچے کی کھال نرم اور نازک ہوتی ہے، آپ کی اسی حالت کو بیماری سے تعبیر کیا گیا۔

﴿وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ﴾ اور ہم نے اس پر ایک بیلدار یعنی کدو کا درخت اگادیا، ماہرین طب حضرات کہتے ہیں کہ تمام مرطوب سبزیاں انسانی حافظے کو کمزور کرتی ہیں مگر کدو میں اللہ تعالیٰ نے یہ تاثیر رکھی ہے کہ مرطوب ہونے کے باوجود ذہن، عقل اور حافظہ کو طاقت دیتی ہے، اور تازگی بخشتی ہے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کدو کو بہت پسند فرمایا، اور اس کے سالن کی تعریف فرمائی۔ آپ وہاں آرام کے ساتھ رہے، اور قریبی جنگل سے ایک ہرنی نے صبح، شام آپ کو دودھ کی غذا مہیا کی، اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہاں تک کہ تندرست ہوگئے اور اپنی بستی نینوا پہنچ گئے، جہاں شدت سے آپ علیہ السلام کا انتظار ہو رہا تھا۔

﴿وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ﴾ ہم نے ان کو ایک لاکھ یا زیادہ لوگوں کی طرف بھیجا۔ ترمذی شریف میں ایک لاکھ بیس ہزار لوگوں کا ذکر ہے۔ تفسیر مظہری میں ہے کہ بالغ مرد وزن ایک لاکھ تھے، اور باقی بیس ہزار بچے بھی تھے۔ ﴿فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ﴾ سو وہ لوگ ایمان لائے بتوں کو توڑ کر جلادیا، پورے اخلاص کے ساتھ تائب ہوئے، البتہ ان کا یہ ایمان حضرت یونس علیہ السلام کی غیر موجودگی میں اجمالی تھا، جب حضرت یونس علیہ السلام نے صحت یاب ہونے کے بعد واپس نینویٰ کا قصد کیا اور قوم کے ایمان کا حال بذریعہ وحی آپ علیہ السلام کو معلوم ہو چکا تھا تو آپ علیہ السلام کی بیوی اور آپ کے دونوں بیٹے آپ کے راستے میں کھڑے انتظار کر رہے تھے، جب پیغمبر علیہ السلام نے انہیں زندہ اور صحت مند دیکھا تو اتنے خوش ہوئے کہ ساری مصیبتوں کو بھول گئے، پس الحمد للہ پڑھتے ہوئے قوم کے پاس پہنچے۔

فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَدَ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ مَا لَكُمْ ۫ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵۶﴾ فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۷﴾ وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ؕ وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

سُبۡحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوۡنَ ۙ﴿۱۵۹﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الۡمُخۡلَصِيۡنَ ﴿۱۶۰﴾

ترجمہ: سو آپ ان سے دریافت فرمایئے: کیا آپ کے ربّ کے لئے بیٹیاں اور ان کے لئے بیٹے ہیں؟ ﴿۱۴۹﴾ کیا ہم نے فرشتوں کو عورتیں بنایا ہے، اس حال میں کہ وہ حاضر تھے؟ ﴿۱۵۰﴾ خبردار! وہ اپنی سخن تراشی سے یوں کہتے ہیں ﴿۱۵۱﴾ کہ اللہ تعالیٰ صاحب اولاد ہے، اور بلاشبہ وہ جھوٹے ہیں ﴿۱۵۲﴾ کیا اس نے بیٹیوں کو بیٹوں کے مقابلہ میں چن لیا؟ ﴿۱۵۳﴾ تمہیں کیا ہوا کیسا حکم لگاتے ہو ﴿۱۵۴﴾ کیا تم سمجھتے نہیں ہو؟ ﴿۱۵۵﴾ کیا تمہارے پاس کوئی واضح دلیل ہے؟ ﴿۱۵۶﴾ سو لے آؤ اپنی کتاب اگر تم سچے ہو ﴿۱۵۷﴾ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اور جنات کے درمیان رشتہ داری قرار دیدی، حالانکہ جنات کو معلوم ہے کہ وہ ضرور حاضر کئے جائیں گے ﴿۱۵۸﴾ اللہ تعالیٰ ان باتوں سے پاک ہے جو وہ بیان کرتے ہیں ﴿۱۵۹﴾ مگر وہ جو اللہ تعالیٰ کے خالص بندے ہیں ﴿۱۶۰﴾

معارف ومنازل

شیطان نے روز ازل میں زوردار قسم کھا کر کہا تھا کہ میں اولاد آدم کو صراط مستقیم سے ہٹا کر گمراہ کروں گا، پس اس نے اپنی اس قسم کے نتیجے میں بیشتر انسانوں کو طرح طرح کا کفر اور شرک سکھا کر اپنا مطلب حاصل کیا۔ سابق دنیا اور موجودہ دنیا میں کفر وسرکشی کے اتنے بے شمار اقسام مروج ہوئے کہ انسانی عقل ان کے احاطہ سے قاصر ہے، کہیں بت پرستی، کہیں آتش پرستی، کہیں ستارہ پرستی، کہیں شجر وحجر معبود بنے، کہیں قبور پرستی کا عروج ہوا، کچھ لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد ثابت کرنے کی کوشش کی، اس میدان میں اہل کتاب یہود ونصاریٰ بھی کسی سے پیچھے نہ رہے، جنہوں نے آسمانی کتابوں کو بازیچۂ اطفال بنا کر دم لیا، کہیں فرشتوں کی پرستش کا رواج عام ہوا، اور لوگوں نے انہیں خدا کی بیٹیاں بنایا، کہیں اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوقات کے درمیان رشتہ داری اور قرابت کا عقیدہ بن گیا، وغیرہ۔

خلاصہ یہ ہے کہ شرک کے تمام مروجہ طریقوں کی ان آیات میں تردید اور ابطال کا بیان ہے، فرمایا:

﴿فَاسۡتَفۡتِهِمۡ اَلِرَبِّكَ الۡبَنَاتُ وَلَهُمُ الۡبَنُوۡنَ﴾ پس آپ ان مشرکین سے جو طرح طرح کے افتراء اور بہتان باندھتے ہیں بطور توبیخ دریافت فرمایئے کہ کیا ان کے نزدیک تیرے ربّ کے لئے بیٹیاں ہیں، اور ان کے لئے بیٹے ہیں؟ اول تو ان کے لئے یہ چیز باعث شرم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے یہود ونصاریٰ کی طرح اولاد ثابت کرتے ہیں، دوسرے یہ کہ بچیوں اور بیٹیوں کو اپنے لئے پسند نہیں کرتے اور باعث عار سمجھ کر ان کو زندہ درگور کرتے

ہیں، پھر ان کی بے عقلی اور نادانی کا یہ حال ہے کہ اپنے لئے بیٹیوں کا انتخاب کرتے ہیں، اور رب العٰلمین کے لئے بیٹیاں مقرر کرتے ہیں، اور فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے ہیں جو کہ سراسر ظلم اور بے انصافی ہے۔

﴿اَمۡ خَلَقۡنَا الۡمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمۡ شٰهِدُوۡنَ﴾ یا ہم نے فرشتوں کو عورتیں بنایا، اور یہ اس چیز کے چشم دید گواہ ہیں کہ ہم نے واقعی فرشتوں کو عورتوں کی صفت میں پیدا کیا ہے، کفار اس کا کیا جواب دیتے اور کیا ثبوت پیش کرتے، اللہ تعالیٰ نے خود ہی اس کی وضاحت بیان کردی۔

﴿اَلَاۤ اِنَّهُمۡ مِّنۡ اِفۡكِهِمۡ لَيَقُوۡلُوۡنَ وَلَدَ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّهُمۡ لَـكٰذِبُوۡنَ﴾ آگاہ رہو اور خبردار رہو کہ یہ لوگ بنائی ہوئی جھوٹی باتیں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اولاد ہے، اور بیشک یہ جھوٹے ہیں، البتہ اور ان کی بے عقلی کا یہ عالم ہے: ﴿اَصۡطَفَى الۡبَنَاتِ عَلَى الۡبَنِيۡنَ﴾ کیا اللہ تعالیٰ نے بیٹوں کے مقابلہ میں بیٹیوں کو پسند کیا ہے؟

﴿مَا لَـكُمۡ ۚ كَيۡفَ تَحۡكُمُوۡنَ﴾ تمہیں کیا ہوا کہ ایسا مہمل بے مقصد حکم لگاتے ہو؟

﴿اَفَلَا تَذَكَّرُوۡنَ﴾ کیا تم ذرہ بھی غور وفکر نہیں کرتے ہو؟ کہ سب کچھ بغیر ثبوت وبغیر حقیقت کہتے رہتے ہو، تمہاری یہ ساری باتیں محض جھوٹ نہیں بلکہ بے سروپا بیہودہ بہتان ہی ہیں، اور یہ باتیں عقل ونقل اور فہم وفراست کے خلاف ہیں، اور بعید از انصاف ہیں، اور ان باطل عقائد کی تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں۔

﴿اَمۡ لَـكُمۡ سُلۡطٰنٌ مُّبِيۡنٌ ۙ فَاۡتُوۡا بِكِتٰبِكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ﴾ کیا تمہارے پاس اس بارہ میں کوئی واضح دلیل ہے؟ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو اپنی کتاب کو لاکر دکھاؤ جس میں فرشتوں کا بیٹیاں ہونا لکھا ہوا ہو، اگر سچے ہو تو لاؤ دلیل، آج تک بلکہ قیامت تک تم اس چیلنج کا جواب نہیں دے سکتے۔

﴿وَجَعَلُوۡا بَيۡنَهٗ وَبَيۡنَ الۡجِنَّةِ نَسَبًا﴾ اور ٹھہرالیا ہے مشرکین نے اللہ تعالیٰ اور جنات کے درمیان رشتہ، یہ مشرکین کا بدترین عقیدہ ہے، وہ یہ کہ جب مشرکین نے یہ بکنا شروع کیا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں، تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا: ارے کم بختو! بتلاؤ کہ ان کی مائیں کون ہیں؟ تو بولے کہ سرداران جن کی بیٹیاں ان کی مائی ہیں۔ [قرطبي، ابن كثير، مظهري]

یہ ہے عذر گناہ بدتر از گناہ کہ انہوں نے جنات کو اللہ تعالیٰ کا سسرال بنادیا (العیاذ باللہ) یہی عقیدہ ہنود کا بھی ہے جو دیوی اور دیوتاؤں کا رٹ لگاتے ہیں، اس مسئلے کی پوری تفصیل ان شاء اللہ سورۃ الزخرف میں آنے والی ہے۔

﴿وَلَقَدۡ عَلِمَتِ الۡجِنَّةُ اِنَّهُمۡ لَمُحۡضَرُوۡنَ﴾ تحقیق جنات کو خوب معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ان کا کوئی

رشتہ نہیں، سوائے اس کے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں، اور اس کے مکلف بندے ہیں، وہ ضرور قیامت کے دن حساب وکتاب کے لئے حاضر کئے جائیں گے، فرمایا: ﴿سُبۡحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوۡنَ﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے ان تمام بیہودہ اور غلط باتوں سے جو یہ مشرک بناتے ہیں، بس ایسے لوگ اپنے اس مجرمانہ عقیدہ کی وجہ سے سخت ترین عذاب کے اندر مبتلا ہو جائیں گے، اور قیامت کے دن پابز نجیر حاضر کئے جائیں گے۔ ﴿اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الۡمُخۡلَصِيۡنَ﴾ مگر اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے جو بیہودہ عقائد سے پاک ہیں، اور ہر قسم کے عذاب سے محفوظ اور اللہ تعالیٰ کے قرب ورضا اور ابدی جنتی نعمتوں کے حقدار ہیں۔

فَاِنَّكُمۡ وَمَا تَعۡبُدُوۡنَ ۝۱۶۱ مَاۤ اَنۡتُمۡ عَلَيۡهِ بِفٰتِنِيۡنَ ۝۱۶۲ اِلَّا مَنۡ هُوَ صَالِ الۡجَحِيۡمِ ۝۱۶۳ وَمَا مِنَّاۤ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعۡلُوۡمٌ ۝۱۶۴ وَّاِنَّا لَنَحۡنُ الصَّآفُّوۡنَ ۝۱۶۵ وَاِنَّا لَنَحۡنُ الۡمُسَبِّحُوۡنَ ۝۱۶۶ وَاِنۡ كَانُوۡا لَيَقُوۡلُوۡنَ ۝۱۶۷ لَوۡ اَنَّ عِنۡدَنَا ذِكۡرًا مِّنَ الۡاَوَّلِيۡنَ ۝۱۶۸ لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الۡمُخۡلَصِيۡنَ ۝۱۶۹ فَكَفَرُوۡا بِهٖ فَسَوۡفَ يَعۡلَمُوۡنَ ۝۱۷۰

ترجمہ: سو بلاشبہ تم اور تمہارے معبود ۝۱۶۱ اللہ تعالیٰ سے کسی کو نہیں پھیر سکتے ۝۱۶۲ مگر اسی کو جو دوزخ میں داخل ہونے والا ہے ۝۱۶۳ اور ہم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جس کا مقام معلوم نہ ہو ۝۱۶۴ اور بلاشبہ ہم صف بستہ کھڑے ہونے والے ہیں ۝۱۶۵ اور بلاشبہ ہم پاکی بیان کرنے والے ہیں ۝۱۶۶ اور یہ واقعی بات ہے کہ یہ لوگ یوں کہا کرتے تھے ۝۱۶۷ کہ اگر ہمارے پاس کوئی نصیحت ہوتی ان نصیحتوں میں سے جو پہلے لوگوں کے پاس تھیں ۝۱۶۸ تو ہم ضرور اللہ تعالیٰ کے خاص بندے ہوتے ۝۱۶۹ سو ان لوگوں نے اس کا انکار کیا، لہٰذا عنقریب جان لیں گے ۝۱۷۰

معارف ومنازل

عباد اللہ المخلصین کے اعزاز واکرام کے بعد دوبارہ مشرکین کو خطاب ہو رہا ہے:

﴿فَاِنَّكُمۡ وَمَا تَعۡبُدُوۡنَ ۝۱۶۱ مَاۤ اَنۡتُمۡ عَلَيۡهِ بِفٰتِنِيۡنَ ۝۱۶۲﴾ پھر بیشک تم اور جن معبودوں کی عبادت کرتے ہو تم سارے مل کر اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کسی کو بہکا نہیں سکتے۔ مطلب یہ ہے کہ تم لاکھ مرتبہ اپنے عقیدے کا پروپیگنڈہ کرو اور عوام الناس کو اسلام سے منع کرو، مگر تم اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں کو اسلام سے محروم نہیں کر سکو گے، اور لوگ کبھی تمہارے دامِ فریب میں نہیں آئیں گے، ہاں تمہارے بہکانے اور مکر وفریب کا وہی شخص شکار ہوگا جو:

﴿اِلَّا مَنۡ هُوَ صَالِ الۡجَحِیۡمِ﴾ جو ازلی بدبخت ہے، اور جہنم میں ہی داخل ہونے والا ہے، تم ایسے بدنصیبوں کو گمراہ کر کے جہنم تک لے جا سکتے ہو، اب آگے فرشتوں کی بندگی کا حال خود ان کی زبان سے نقل فرماتے ہیں تا کہ یہ ثابت ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار مخلص بندے ہیں، اور تا کہ مشرکین کا رد ہو جائے۔

﴿وَمَا مِنَّاۤ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعۡلُوۡمٌ﴾ نہیں ہے ہم میں سے کوئی مگر اس کے لئے ایک جگہ اور ایک حد مقرر ہے کہ ہم اس سے نہ آگے بڑھ سکتے ہیں اور نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں، جس کام اور جس حکم کی بجا آوری کا ہمیں حکم ملا ہے اس میں ذرہ برابر تبدیلی نہیں کر سکتے، بلکہ نہیں کر سکتے ہیں، ہمارے اندر انحراف کا کوئی مادہ ہی نہیں۔

﴿وَّاِنَّا لَنَحۡنُ الصَّآفُّوۡنَ﴾ دوم یہ کہ ہم ہی ہیں بارگاہ الٰہی میں صفت بستہ کھڑے رہنے والے، کوئی اللہ تعالیٰ کی بندگی میں رکوع و سجدہ اور قیام میں مشغول ہے، کوئی اپنی ڈیوٹی میں کھڑا ہے، اور کوئی کسی حکم کے انتظار میں کھڑا ہے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے لوگو! جو بات میں سنتا ہوں وہ اگر تم بھی سنتے، اور جو بات میں جانتا ہوں وہ اگر تم بھی جانتے ہو تو یقیناً تم ہنستے تھوڑا اور روتے زیادہ۔ فرمایا: ایسی صورت میں تم دہشت و خوف میں مبتلا ہو جاتے، اور بستروں پر عورتوں کے ساتھ لیٹنا چھوڑ کر جنگلوں اور بیابانوں کی طرف بھاگ جاتے، اور چیختے چلاتے۔ پھر تے فرمایا: آسمان پر ایک بالشت بھر بھی کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں اللہ تعالیٰ کا کوئی فرشتہ اس کی عبادت و ریاضت رکوع سجود اور تسبیح میں مصروف نہ ہو۔ [أخبار ملائکہ، مشکوٰۃ]

ایک روایت میں ہے کہ یوں ارشاد فرمایا کہ آسمان اس طرح چرچراتا ہے جس طرح اونٹ کا نیا کجاوہ یا چمڑے کا نیا جوتا۔ [خازن، مشکوٰۃ] یعنی آسمان فرشتوں سے ایسے بھرے ہیں جہاں بالشت بھر خالی جگہ نہیں۔ [معالم]

﴿وَاِنَّا لَنَحۡنُ الۡمُسَبِّحُوۡنَ﴾ تحقیق ہم ہی ہر وقت اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں (بیان کرنے والے ہیں) یعنی فرشتے بندگی کے اعلیٰ مقامات پر شب و روز مصروف عبادت ہیں، پس انہیں اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دینا سراسر حماقت ہے۔ آگے مشرکین کے ایک جھوٹے بہانے کا ذکر ہے جس میں ان کی غلط بیانی کی تردید ہے۔

﴿وَاِنۡ كَانُوۡا لَيَقُوۡلُوۡنَ ۝ لَوۡ اَنَّ عِنۡدَنَا ذِكۡرًا مِّنَ الۡاَوَّلِيۡنَ ۝ لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الۡمُخۡلَصِيۡنَ﴾ بیشک مشرکین مکہ کہتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ کے پاس تو آسمانی کتابیں موجود ہیں مگر اس کے باوجود یہ لوگ ہدایت سے بے بہرہ اور گمراہ ہیں، اگر ہمارے پاس بھی پہلے لوگوں کی طرح کوئی نصیحت (کتاب) ہوتی تو ہم اللہ تعالیٰ کے مخلص

بندوں میں ہوتے، اور اہل کتاب کی طرح نافرمانی نہ کرتے، لیکن جب توریت وانجیل سے بڑھ کر قرآن حکیم ان کی ہدایت کے لئے نازل ہوا تو منکر ہو گئے اور تکذیب پر اتر آئے، اور بجائے تصدیق کرنے کے تکذیب کی، فرمایا:

﴿فَكَفَرُوْا بِهٖ﴾ جب ہم نے ان کی ہدایت کے لئے قرآن مجید بھیجا تو اس کے منکر ہو گئے۔

﴿ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ﴾ سوعنقریب جان لیں گے، اور اپنے برے انجام کو دیکھ لیں گے۔ یہ مضمون سورۂ فاطر کے آخر میں تفصیلاً بیان ہوا، وہاں دیکھیں۔

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٧١﴾ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ﴿١٧٢﴾
وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿١٧٣﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿١٧٤﴾ وَّاَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ
يُبْصِرُوْنَ ﴿١٧٥﴾ اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿١٧٦﴾ فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ
الْمُنْذَرِيْنَ ﴿١٧٧﴾ وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿١٧٨﴾ وَّاَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿١٧٩﴾

ترجمہ: اور ہمارا قول اپنے بندوں یعنی پیغمبروں کے لئے پہلے ہی سے طے شدہ ہے ﴿١٧١﴾ کہ بیشک انہیں کی مدد کی جائے گی ﴿١٧٢﴾ اور بیشک ہمارا لشکر ضرور غالب ہوگا ﴿١٧٣﴾ سو آپ مختصر زمانہ تک ان سے اعراض فرمایئے ﴿١٧٤﴾ اور ان کو دیکھتے رہیے، سوعنقریب وہ دیکھ لیں گے ﴿١٧٥﴾ کیا وہ ہمارے عذاب کے لئے جلدی مچا رہے ہیں؟ ﴿١٧٦﴾ سو جب وہ ان کے میدان میں نازل ہو جائے گا تو ان لوگوں کی صبح بری ہوگی جن کو ڈرایا جا چکا تھا ﴿١٧٧﴾ اور تھوڑے زمانہ تک آپ ان سے اعراض کیجئے ﴿١٧٨﴾ اور ان کو دیکھتے رہیے، سوعنقریب وہ بھی دیکھ لیں گے ﴿١٧٩﴾

معارف ومنازل

سورۂ مؤمن میں ارشاد ہے: ﴿اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ [المؤمن:۵۱] (ہم اپنے پیغمبروں اور ایمان لانے والوں کی دنیوی زندگی میں ضرور مدد کرتے ہیں)۔ اسی طرح سورۃ المجادلہ میں فرمایا: ﴿كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِىْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِىٌّ عَزِيْزٌ﴾ [المجادلة:۲۱] (اللہ نے یہ بات لکھ دی ہے کہ میں اور میرے پیغمبر ضرور غالب آئیں گے)۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت اور نجات پانے کے لئے بڑی کثیر تعداد میں انبیاء علیہم السلام مبعوث

فرمائے، ان میں بہت سے تو ایسے تھے جن کے ماننے والے تھے ہی نہیں، یا بہت قلیل مقدار میں تھے، ان پیغمبروں کا اہل کفر کے ساتھ قتل وقتال والا مقابلہ ہوا ہی نہیں، البتہ دلیل وحجت سے یہ حضرات اپنے مخالفت تکذیب کرنے والوں پر ہمیشہ غالب رہے، اور پھر تکذیب کی سزا میں ان کی امتیں ہلاک ہوگئیں، اور اللہ ربّ العزّت سبحانہ کی سنت یہی رہی ہے کہ جب تک پیغمبر اپنی قوم کی ہلاکت کی دعا اور مطالبہ نہ کرے اس وقت اللہ تعالیٰ عذاب روانہ نہ کرے گا۔

یہ سب کچھ انبیاء علیہم السلام کا غلبہ شمار ہوگا، اللہ تعالیٰ کی نصرت کا یہ معنی نہیں کہ انبیاء اور مؤمنین پر پریشانی نہیں آئے گی۔ اور یہ بھی معنی نہیں کہ وہ شہید یا زخمی نہیں ہوں گے۔ اور یہ مطلب بھی نہیں کہ وہ ہر محاذ پر غالب ہی رہیں گے، بلکہ نصرت کا مطلب اول یہ ہے کہ ان کا کبھی استیصال یعنی مکمل تباہی نہیں ہوگی، اور اس سلسلے میں وہ ابتلاء میں رہیں گے، کبھی غالب رہیں گے، اور کبھی مغلوب رہیں گے، ہاں ان کے منصور اور غالب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انجام وعاقبت کے اعتبار سے حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کے لشکر غالب رہیں گے، اور یہی نصرت الٰہی کا اصلی مقصد اور مطلب ہے، تو ارشاد ہوا:

﴿وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ۝١٧١ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ﴾ تحقیق پہلے ہی سے ہمارے برگزیدہ بندوں اور پیغمبروں کے لئے ہمارا یہ حکم جاری ہو چکا ہے کہ بالآخر اتمام وعاقبت کے اعتبار سے وہی مظفر ومنصور رہیں گے۔ ﴿وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ﴾ اور بالآخر ہمارا لشکر ہی غالب رہے گا، جب اللہ تعالیٰ کے رسول اور اس کے نیک بندے آزمائش پر پورا اترتے ہیں تو پھر غلبہ بھی انہی کو حاصل ہوتا ہے۔

﴿فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ﴾ پس آپ ایک مقررہ وقت تک رخ پھیر لیجئے، یعنی ان کو نظر انداز فرمائیں۔

﴿وَّاَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ﴾ اور ان کی طرف دیکھتے رہیں، پس عنقریب یہ بھی دیکھ لیں گے۔ سورۃ السجدۃ میں فرمایا: ﴿فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ﴾ [السجدۃ:۳۰] (آپ ان مشرکین سے اعراض کریں، اور ہمارے فیصلے کا انتظار کریں، یہ لوگ بھی انتظار میں ہیں) اور جلد ہی یہ اپنے انجام کو پہنچ جائیں گے۔

﴿ اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ﴾ کیا یہ اپنی نادانی اور حماقت کی بنیاد پر ہمارے عذاب کے ساتھ جلدی کرتے ہیں؟ جو کہ توحید وایمان سے نفرت کرتے ہیں، کبھی یہ نادان اپنے منہ سے عذاب بھی مانگتے ہیں، استہزاء کے طور پر۔ سورۂ بنی اسرائیل میں ارشاد ہے: ﴿اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا﴾ [الاسراء:۹۲] (جیسا کہ تم خیال کرتے ہو ہم پر آسمان کا ٹکڑا گرا دو) یا یہ کرو، وہ کرو، فرمایا: ایسے نافرمان لوگوں کو یاد رکھنا چاہئے:

﴿فَإِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ﴾ کہ جب وہ عذاب ان کے مکانوں کے صحنوں میں آ کر نزول کرے گا تو ان لوگوں کی صبح بہت بری ہوگی جن کو اس عذاب سے ڈرایا جاتا تھا، اور وہ گمراہ تھے۔

﴿وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِينٍ﴾ اور اے پیغمبر! آپ ان سے ایک خاص وقت تک اعراض کرتے رہئے، اور دیکھتے رہئے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ کی مدد آتی ہے۔ ﴿وَّأَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُونَ﴾ اور آپ دیکھتے رہئے، پس عنقریب یہ بھی دیکھ لیں گے، جب یہ اپنے برے انجام کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ یہ آیات پیغام فتح ونصرت ہیں، اور ہمہ گیر اسلامی فتوحات کی پیشینگوئی ہیں، جس سے اسلام کی سربلندی اور کفر کے زوال کی طرف واضح اشارات ہیں۔ پوری تفصیل حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ نے إزالة الخلفاء عن خلافة الخلفاء میں لکھا ہے، وہاں ملاحظہ کریں۔

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿۱۸۰﴾ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۸۱﴾ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ ﴿۱۸۲﴾

ترجمہ: آپ کا ربّ جو ربّ العزّت ہے ان باتوں سے پاک ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں ﴿۱۸۰﴾ اور سلام ہو پیغمبروں پر ﴿۱۸۱﴾ اور سب تعریف ہے اللہ تعالیٰ کے لئے جو ربّ العٰلمین ہے ﴿۱۸۲﴾

معارف ومسائل

مفسرین حضرات فرماتے ہیں کہ ان آخری آیات میں پوری سورت کا نچوڑ اور خلاصہ بیان کیا گیا ہے، ابتداء سورت میں توحید بیان ہوئی، مشرکین جو باتیں اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے تھے اللہ تعالیٰ ان سب سے پاک ہے، پہلی آیت میں اسی طویل مضمون کی طرف اشارہ ہے، اس کے بعد انبیاء کرام علیہم السلام کے واقعات بیان کئے گئے، پھر مشرکین کے اعتراضات کے عقلی، نقلی جوابات دیئے گئے، جن میں بتایا گیا کہ بالآخر فتح حق کی ہوگی، ان باتوں کو جو شخص عقل وبصیرت کی نگاہ سے پڑھے گا وہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کا قائل ہوگا چنانچہ اسی حمد وثناء پر سورت کو ختم کیا گیا ہے۔

متعدد تفاسیر میں امام بغویؒ کے حوالہ سے امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول منقول ہے کہ جو شخص یہ چاہتا ہو کہ قیامت کے دن اس کے نامۂ اعمال کا پیمانہ بھرپور ملے تو اسے چاہئے کہ وہ اپنی مجلس کے آخر میں یہ پڑھا کرے: ﴿سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿۱۸۰﴾ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۸۱﴾ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ ﴿۱۸۲﴾﴾

اور بعض علماء نے کہا ہے کہ فرض نماز کے سلام کے بعد آیۃ الکرسی سے پہلے اس کو پڑھے، اس کا یہ عمل بڑے پیمانہ میں وزن کیا جائے گا، اور بڑا ثواب ملے گا۔

﴿سُبۡحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الۡعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوۡنَ﴾ اے پیغمبر! تیرا پروردگار جو خداوند عزّت وغلبہ ہے، وہ ان تمام باتوں سے پاک ہے جو مشرکین اس کی بابت کرتے ہیں، ان غلط اور بے محل باتوں کا تقاضا تو یہ تھا کہ جس عذاب کے لئے وہ جلدی مچار ہے ہیں، اور جس سرکشی میں وہ گم ہیں کہ ان پر عذاب کا نزول ہو مگر ربّ العزّت انہیں ڈھیل دیتا ہے، شاید سدھر جائیں، اور عذاب کے آنے میں آپ کا وجود مسعود بھی مانع اور رکاوٹ ہے۔

﴿وَسَلٰمٌ عَلَى الۡمُرۡسَلِيۡنَ﴾ اور سلام ہے اللہ تعالیٰ کا دنیا اور آخرت میں اس کے رسولوں پر جن کے ذریعہ تمام اتباع کرنے والے لوگوں کو ہدایت اور صراط مستقیم حاصل ہوئے، اور اللہ تعالیٰ تک پہنچنا نصیب ہوا، یہ بہت بڑی کامیابی ہے، اور تمام ابدی نعمتوں کا سرچشمہ بھی ہے، پس اس نعمت کا شکر ادا کرتے ہوئے سب کو کہنا چاہئے:

﴿وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ﴾ اور سب طرح کی تعریف اللہ تعالیٰ سبحانہ کے لئے ہے، جو ربّ ہے سارے جہانوں کا، تو بندوں کو چاہئے کہ ہر لمحہ اس کی تسبیح وتحمید اور تہلیل بیان کریں، اور اس کی بے پناہ نعمتوں کا شکر ادا کریں۔

سُورَةُ صٓ

مكية آياتها ۸۸ ركوعاتها ۵

سورۂ ص مکی ہے، اس میں اٹھاسی (۸۸) آیتیں، اور پانچ (۵) رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نام:

اس سورت کا نام سورۃ ص ہے، جو اس سورت کی پہلی آیت میں موجود ہے اسی سے سورت کا نام ماخوذ ہے۔
یہ سورت ترتیب تلاوت میں ۳۸ ویں نمبر پر ہے، اور ترتیب نزول میں بھی ۳۸ ویں نمبر پر ہے۔

نزول:

یہ سورت مکی ہے، اس کا نزول سورۃ القمر کے بعد ہے۔

تعداد آیات وحروف:

اس سورت میں ۵ رکوع، ۸۸ آیات ہیں، اور یہ سورت ۸۳۸ کلمات، اور ۳۱۰۷ حروف پر مشتمل ہے۔

ربط ومناسبت:

(۱)- گزشتہ سورت اور اس سورت دونوں میں توحید رسالت اور اثباتِ قیامت کا دلائلِ عقلیہ ونقلیہ کے ساتھ بیان ہے۔ (۲)- ایمان واعمالِ صالحہ، اور کفر ومعاصی دونوں کے انجام کا بیان بھی دونوں سورتوں میں یکساں ہے۔ (۳)- دونوں سورتوں میں انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ ہے۔ (۴)- دونوں سورتوں میں تذکیراتِ ثلاثہ کا یکساں بیان ہے۔

مختصر موضوع:

توحید الٰہی، رسالت، اثباتِ قیامت، انبیاء کرام علیہم السلام کا بیان، تذکیراتِ ثلاثہ، تسلیات خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آخر میں حضرت آدم علیہ السلام و ابلیس کا ذکر، اور یہ بات کہ اُممِ سابقہ کی تباہی کا سبب کفر اور شرک ہی تھا۔

شانِ نزول:

مفسرین حضرات نے لکھا ہے کہ ابو طالب سخت بیمار ہوئے، سردارانِ قریش کو فکر لاحق ہوئی کہ اگر ابو طالب کی وفات ہوئی تو ہماری مصالحت کا دروازہ بند ہو جائے گا، وہ لوگ اس امید میں تھے کہ ابو طالب ہمارے اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے درمیان شاید یہ مصالحت کرائے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے معبودوں کے بارے میں کچھ نہ کہے، اور ان کی مذمت نہ کرے، تو ہم بھی اس کے خدا کے بارے میں کچھ نہیں کہیں گے۔ یہ واقعہ سورۃ الکٰفرون کے نزول سے پہلے کا ہے، چنانچہ سردارانِ قریش ابو جہل کی قیادت میں ابو طالب کے پاس آئے، اور ابو طالب سے یوں مخاطب ہوئے: اے ہمارے سردار! آپ ہم سے بڑے ہیں، اور ہمارے سردار ہیں، آپ ہمارے اور اپنے بھتیجے کے درمیان انصاف سے فیصلہ کریں، اور جس بے اعتمادی میں ہم مبتلا ہیں اسے ہمیشہ کے لئے ختم کریں، آپ انہیں پابند کریں کہ آئندہ ہمارے خداؤں کو برا بھلا نہ کہیں، پھر ہم انہیں اور ان کے خدا کو کچھ نہ کہیں گے۔

چنانچہ ابو طالب نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بلا بھیجا، اور آپ تشریف لائے، یہ وفد پہلے سے موجود تھا، پھر ابو طالب نے کہا: میرے بھتیجے! یہ آپ کی قوم کے شیوخ وسردار ہیں، آپ سے ان کا یہ مطالبہ ہے، تو سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: چچا جان! میں ان کا خیر خواہ ہوں، میں ان کو ایک ایسی بات کی دعوت دیتا ہوں اگر وہ اس پر عمل کریں اور مانیں تو اس بات سے سارے عرب کے لوگ ان کے باج گزار اور تابع ہو جائیں گے، اور پورے عجم کے بھی وہ مالک بن جائیں گے۔ ابو جہل نے کہا: ہم ایک نہیں ایسے دس کلمے کہنے کے لئے تیار رہیں، بتاؤ وہ کلمہ کونسا ہے؟ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا: تم سب کہو: **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ**۔ یہ سن کر وہ بھڑک اٹھے اور جھاگ بہاتے ہوئے اس مجلس سے فوراً چلے گئے، اس وقت یہ سورت نازل ہوئی۔ [رواہ الترمذي، وقال: حسن صحيح]

اس سورت میں پوری قوت کے ساتھ شرک کی تردید ہے، اور دیگر بہت سے عجائبات اور ایمان افروز واقعات ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

صٓ وَالۡقُرۡاٰنِ ذِی الذِّکۡرِ ① بَلِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فِیۡ عِزَّۃٍ وَّشِقَاقٍ ② کَمۡ اَہۡلَکۡنَا مِنۡ قَبۡلِہِمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ فَنَادَوۡا وَّلَاتَ حِیۡنَ مَنَاصٍ ③ وَعَجِبُوۡۤا اَنۡ جَآءَہُمۡ مُّنۡذِرٌ مِّنۡہُمۡ ۫ وَقَالَ الۡکٰفِرُوۡنَ ہٰذَا سٰحِرٌ کَذَّابٌ ④ اَجَعَلَ الۡاٰلِہَۃَ اِلٰـہًا وَّاحِدًا ۚۖ اِنَّ ہٰذَا لَشَیۡءٌ عُجَابٌ ⑤ وَانۡطَلَقَ الۡمَلَاُ مِنۡہُمۡ اَنِ امۡشُوۡا وَاصۡبِرُوۡا عَلٰۤی اٰلِہَتِکُمۡ ۚۖ اِنَّ ہٰذَا لَشَیۡءٌ یُّرَادُ ⑥ مَا سَمِعۡنَا بِہٰذَا فِی الۡمِلَّۃِ الۡاٰخِرَۃِ ۚۖ اِنۡ ہٰذَاۤ اِلَّا اخۡتِلَاقٌ ⑦ ءَاُنۡزِلَ عَلَیۡہِ الذِّکۡرُ مِنۡۢ بَیۡنِنَا ؕ بَلۡ ہُمۡ فِیۡ شَکٍّ مِّنۡ ذِکۡرِیۡ ۚ بَلۡ لَّمَّا یَذُوۡقُوۡا عَذَابِ ⑧ اَمۡ عِنۡدَہُمۡ خَزَآئِنُ رَحۡمَۃِ رَبِّکَ الۡعَزِیۡزِ الۡوَہَّابِ ⑨ اَمۡ لَہُمۡ مُّلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَیۡنَہُمَا ۟ فَلۡیَرۡتَقُوۡا فِی الۡاَسۡبَابِ ⑩ جُنۡدٌ مَّا ہُنَالِکَ مَہۡزُوۡمٌ مِّنَ الۡاَحۡزَابِ ⑪

ترجمہ: صٓ، قسم ہے نصیحت والے قرآن کی ① بلکہ جن لوگوں نے کفر کیا تعصب میں اور مخالفت میں ہیں ② ہم نے ان سے پہلے کتنی ہی امتوں کو ہلاک کیا، سو انہوں نے پکارا، اور وہ وقت خلاصی کا نہ تھا ③ اور ان لوگوں نے اس بات پر تعجب کیا کہ انہیں میں سے ایک ڈرانے والا آ گیا، اور کافروں نے کہا کہ یہ شخص تو جادوگر ہے بڑا جھوٹا ہے ④ کیا اس نے سارے معبودوں کو ایک ہی معبود بنا دیا؟ بیشک یہ تو بڑی عجیب بات ہے ⑤ اور ان کے بڑے لوگ یہ کہتے ہوئے چلے گئے کہ چلو اور اپنے معبودوں پر جمے رہو، بلاشبہ یہ ایسی بات ہے جس میں کوئی مقصد ہے ⑥ ہم نے یہ بات گزشتہ مذہب میں نہیں سنی، بس یہ تو گھڑی ہوئی بات ہے ⑦ کیا ہمارے درمیان سے اسی شخص پر کلام نازل ہوا؟ بلکہ بات یہ ہے کہ یہ لوگ میری وحی کی وجہ سے شک میں ہیں، بلکہ بات یہ ہے کہ انہوں نے میرا عذاب نہیں چکھا ⑧ کیا ان کے پاس آپ کے ربّ کے خزانے ہیں؟ جو غالب ہے بخشش فرمانے والا ہے ⑨ کیا ان کے لئے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کا اختیار حاصل ہے؟ سو چاہئے کہ سیڑھیاں لگا کر چڑھ جائیں ⑩ اس مقام پر لوگوں کی ایک بھیڑ ہے جو شکست خوردہ جماعتوں میں سے ہے ⑪

معارف ومنازل

شانِ نزول میں گزر چکا ہے جب مشرکین نے لا الٰہ الا اللہ کا کلمہ سنا تو کہا: کیا ہم صرف ایک ہی معبود کو مان لیں؟ ہم نے تو یہ بات اس سے پہلے کسی مذہب میں نہیں سنی، یہ تو گھڑی ہوئی بات ہے، جسے اپنے پاس سے بنائی ہوئی ہے،

کیا اتنے بڑے طویل وعریض جہاں کا اور اس میں بسنے والی مخلوقات کا ایک ہی خدا ہو سکتا ہے؟ فرمایا:

﴿صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ﴾ قسم ہے قرآن کی جو نصیحت والا ہے جو کوئی اس کا منکر ہے وہ بدنصیب ہے۔

﴿بَلِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِیْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ﴾ بلکہ بات یہ ہے کہ جن لوگوں نے کفر کیا وہ ہی تعصب میں اور حق کی مخالفت میں پڑے ہوئے ہیں، یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں تعصب کی وجہ سے ڈوبے ہوئے ہیں، اس لئے ایمان نہیں لاتے ہیں۔ ﴿كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ﴾ ان سے پہلے بہت سی امتوں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں، سو انہوں نے ہلاکت کے وقت بہت ہاؤ پکار کی ہے، مگر وہ وقت رہائی کا نہ تھا، جب ہمارا عذاب کسی قوم پر نازل ہوتا ہے تو ٹلتا نہیں، اگر اس وقت لوگ توبہ کریں تو قبول نہیں ہوگی، ہاں قوم یونس اس سے مستثنیٰ ہے، جن کی توبہ قبول ہوگئی تھی اور عذاب ٹل گیا تھا۔

﴿وَّلَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ﴾ لَاتَ نفی ہے، معنی نہیں رہا۔ حین بمعنی وقت کے ہیں، مناص کے معنی ہیں: خلاصی اور چھوٹ جانا۔ لات میں لالیس کے معنی میں ہے، اور تا مبالغہ اور تاکید کے لئے ہے، اور معنی یہ ہے کہ وہ وقت چھٹکارے کا نہ تھا۔ ﴿وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ﴾ اور انہوں نے اس بات پر تعجب کیا کہ ان کے پاس انہیں میں سے ایک ڈرانے والا پیغمبر آ گیا، اور کہنے لگے: یہ جادوگر ہے، جھوٹا ہے۔

﴿اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ﴾ کیا اس نے بہت سے معبودوں کو ایک ہی معبود بنا دیا؟ بلاشبہ یہ بڑے تعجب کی بات ہے، کیونکہ ایک معبود تمام خلقت کی بات نہیں سن سکتا، تو پھر ان کی مقصد برآری کیسے کر سکے گا؟ یہ تھا ان نادانوں کا غلط اور بے جا منطقی سوال۔ ﴿وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓی اٰلِهَتِكُمْ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ﴾ ان میں سے ایک گروہ چل کھڑا ہوا، اور کہنے لگا کہ اس شخص کے پاس مزید بیٹھو مت، اور یہاں سے جلدی چلے جاؤ، اور اپنے معبودوں پر جمے رہو، اس شخص کے کہنے پر کوئی یقین نہ کرو، اور اپنے خداؤں پر خوب جم جاؤ، اور یہ شخص تمہیں تمہارے دین سے ہٹا کر اپنے دین میں داخل کر کے اپنی ایک مخفی غرض پوری کرنا چاہتا ہے۔ یہ وہی بات ہے جو فرعون نے کہی تھی کہ موسیٰ علیہ السلام ہمارے اقتدار پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔

آج ہمارے اسلامی ملکوں میں بھی بے دین طبقہ یہی کہتا رہتا ہے کہ علماء کرام کا مقصد ہمارے اقتدار پر قبضہ کرنا ہے، یہ وہی کچھ کہتے رہتے ہیں جو ان کے پیشوا اور پیشرو کہتے تھے کہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے وارث ہمارے مال

و دولت اور اقتدار پر قابض ہونا چاہتے ہیں۔

﴿مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚ إِنْ هٰذَآ إِلَّا اخْتِلَاقٌ﴾ پچھلی امت میں ہم نے ایسی بات کبھی نہیں سنی، یہ تو محض ایک خود ساختہ منگھڑت نظریہ ہے۔ ملّت آخرہ سے ان کی مراد یہود و نصاریٰ بھی ہیں، اور ان کے اپنے آباء واجداد بھی، جنہوں نے کبھی معبود کا نظریہ نہیں چلایا، بھلا ایک ہی خدا کائنات کے سارے امور کیسے انجام دے سکتا ہے؟ اور اس بات کو ذہن بھی قبول نہیں کرتا۔

﴿ءَ أُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْ بَيْنِنَا ۚ بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِي ۚ بَلْ لَّمَّا يَذُوقُوا عَذَابِ﴾ کیا ہم میں سے صرف اس شخص (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر نصیحت یعنی قرآن مجید اتارا گیا ہے؟ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ایک فرشتہ نازل کرتا، ہم اپنے جیسے ایک شخص کو کیسے پیغمبر تسلیم کریں، اور پھر ہمارے مکہ یا طائف کے اگر بڑے سرداروں میں سے کسی پر قرآن کا نزول ہوتا تو ہم تسلیم کرتے، یہ شخص نہ قوم وقبیلہ کا سردار ہے، اور نہ تاجر و مالدار اور صاحب دولت ہے، کیا اللہ تعالیٰ کو ابو طالب کے یتیم کے علاوہ کوئی حقدار نہیں ملا جو اس کو نبی بنا کر بھیجا، یہ سب منگھڑت باتیں ہیں جن میں کوئی صداقت نہیں۔

﴿بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ﴾ بلکہ یہ لوگ میری نصیحت یعنی قرآن مجید کے بارے میں شک میں پڑے ہوئے ہیں، ان کو یقین ہی نہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے برحق رسول ہیں، کیونکہ اصل بات یہ ہے کہ انہوں نے گزشتہ امتوں کی طرح عذاب کو چکھا ہی نہیں، جب ان پر تنبیہ کے لئے کوئی عذاب آئے گا تو پتہ چلے گا کہ نبوت ورسالت اور قرآن کا کس طرح انکار کیا جاتا ہے۔

﴿أَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيزِ الْوَهَّابِ﴾ کیا ان کے پاس آپ کے ربّ کی رحمت کے خزانے ہیں جو بڑا ہی غالب و زبردست اور خوب بخشش کرنے والا ہے، تو کیا یہ ناداں لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے خزانے خود تقسیم کر کے جس کو چاہیں رسول بنا دیں گے۔ ﴿أَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا﴾ کیا ان کے پاس بادشاہت اور حکومت ہے آسمانوں کی اور زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، جس بادشاہی کے تحت حاصل شدہ اختیار سے وہ جس کو چاہیں رسول بنا دیں، اور جس پر چاہیں نصیحت اور قرآن اتار دیں، اور یا جس سے چاہیں نبوت کو روک دیں، آخر ان بدبختوں کے پاس کونسے اختیارات ہیں جن کی بناء پر وہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے برحق پیغمبر اور اس پر نازل شدہ کتاب کا انکار کر رہے ہیں؟ یہ سب ان کا تعصب ہے، اور اگر ان کے پاس اختیار ہے:

﴿فَلْيَرْتَقُوْا فِي الْاَسْبَابِ﴾ تو اپنے تمام ذرائع کو بروئے کار لا کر آسمان پر چڑھ جائیں، اور وہاں سے آنے والی وحی کو اور اس کے لانے والے فرشتوں کو روک لیں، فرعون نے بھی ہامان سے یہی کہا تھا: ﴿لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ۝ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ﴾ [المؤمن] (تا کہ میں ان راستوں تک پہنچوں جو آسمانوں کے راستے ہیں)۔

فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خدا تک پہنچنے کا سوچا تھا، جبکہ ان مشرکوں کو دعوت دی جا رہی ہے کہ رسیاں تان کر اور تمام تر وسائل کو بروئے کار لا کر اوپر جاؤ، اور ملاء اعلیٰ سے پیغمبر پر اترنے والی وحی الٰہی کو روک دو۔

﴿جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ﴾ یہ تو ایک لشکر ہے اس جگہ جس کی شکست کا فیصلہ ہو چکا ہے، ایسے ہی شکست خوردہ لشکروں میں سے ہے، درحقیقت یہ گزشتہ شکست خوردہ قوموں کی طرح ایک شکست خوردہ لشکر ہے جسے جلد ہی اپنی شکست کا پتہ چلے گا، اور وہ اگر باور نہ کریں تو انہیں قوم نوح اور دیگر نافرمان قوموں کی داستان سناؤ، وہ یہ ہے:

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ ذُو الْاَوْتَادِ ۝۱۲ وَثَمُوْدُ وَقَوْمُ لُوْطٍ وَّاَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ ؕ
اُولٰٓئِكَ الْاَحْزَابُ ۝۱۳ اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ۝۱۴ وَمَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَيْحَةً
وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ۝۱۵ وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ۝۱۶

ترجمہ: ان سے پہلے قوم نوح نے اور عاد نے اور فرعون نے جو میخوں والا تھا ۝۱۲ اور ثمود نے اور قوم لوط نے اور ایکہ والوں نے جھٹلایا، وہ گروہ یہی لوگ تھے ۝۱۳ یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے رسولوں کو جھٹلایا، سو میرا عذاب واقع ہو گیا ۝۱۴ اور یہ لوگ بس ایک زوردار چیخ کے انتظار میں ہیں جس میں دم لینے کی گنجائش نہ ہو گی ۝۱۵ اور ان لوگوں نے کہا کہ اے ربّ! ہمارا حصہ حساب کے دن سے پہلے ہمیں دے دیجئے ۝۱۶

معارف ومنازل

ان آیات میں گزشتہ شکست خوردہ اقوام کا تذکرہ ہے، جن میں سے ایک گروہ اہل مکہ کا بھی ہے جیسے پہلے بیان ہوا۔ دراصل اس مضمون میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ دلگیر اور پریشان نہ ہوں، آپ کے مکذّبین کا بھی وہی حشر ہو گا جو پہلے احزاب کا ہوا تھا، قوم نوح، عاد وثمود، فرعون اور قوم لوط اور اصحاب الایکہ کا، جس طرح ان کا نام ونشان حرف غلط کی طرح مٹ گیا ہے، آپ کے مکذّبین کا بھی وہی حشر ہو گا۔ یہ بات جب اہل مکہ کو

سنائی تو کبر وغرور میں لت پت لوگوں نے استہزاء ومذاق کے طور پر کہا کہ اگر ہمارے لئے بھی کوئی عذاب مقرر ہے تو وہ دیر کیوں کرتا ہے؟ اس کو جلد سے جلد آنا چاہئے، اور اس عذاب کے متعلق انہوں نے دعا اور مطالبہ بھی شروع کیا، چنانچہ ان کو ﴿صَیۡحَۃً وَّاحِدَۃً﴾ کے ذریعہ جواب دیا گیا۔

﴿كَذَّبَتۡ قَبۡلَهُمۡ قَوۡمُ نُوۡحٍ وَّعَادٌ وَّفِرۡعَوۡنُ ذُو الۡاَوۡتَادِ ۝ وَثَمُوۡدُ وَقَوۡمُ لُوۡطٍ وَّاَصۡحٰبُ لۡئَيۡكَةِ ؕ اُولٰٓئِكَ الۡاَحۡزَابُ﴾ ان سے پہلے جھٹلا چکی قوم نوح اور قوم عاد اور فرعون میخوں والا اور قوم ثمود اور قوم لوط اور ایکہ والے، ان سب نے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کو جھٹلایا، مگر ان کی تکذیب اور انکار سے نہ اللہ تعالیٰ کے دین کو نقصان پہنچا، اور نہ اس کے رسولوں کو ناکامی ہوئی، بلکہ میرا عذاب ہی ان پر مسلط ہو کر ان کو ہمیشہ کے لئے صفحۂ ہستی سے غائب کیا۔

ان طاقتور اور مالدار صاحب عزیمت قوموں کی تباہی سے چاہئے تھا کہ اہل مکہ جن کے پاس ہلاک شدہ اقوام کے عزم وقوت کا دسواں حصہ بھی نہیں، عبرت حاصل کرتے، اور بجائے تکذیب کے تصدیق کر کے ابدی تباہی سے بچ جاتے، مگر وہ ناکام رہے۔

﴿اِنۡ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ﴾ ان سب احزاب نے رسولوں کو جھٹلایا، ان پر بیہودہ الزامات لگائے، اور انہیں طرح طرح کی تکلیفیں بھی دیں، پس میری طرف سے ان پر عذاب ثابت ہو گیا۔

﴿وَمَا يَنۡظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَيۡحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنۡ فَوَاقٍ﴾ اور نہیں انتظار کر رہے ہیں اہل مکہ جو غفلت وغرور میں مست ہیں، مگر ایک ہی چیخ کا جو نہایت ہیبتناک اور خوفناک ہوگی جس سے ان کے کلیجے پھٹ جائیں گے کہ جس کے لئے کوئی وقفہ نہ ہوگا، اور دم لینے کی بھی گنجائش نہ ہوگی۔ فواق اونٹنی کے دودھ دوہنے کے مختصر وقفہ کو کہتے ہیں، دوسرے مقامات میں آنکھوں کی جھپک کا ذکر ہے، مطلب سب کا ایک ہے۔

فرعون کو میخوں والا فرمایا، وہ اس لئے کہ کہتے ہیں وہ ظالم تھا، اور جس کو چاہتا اس کے بدن میں چار میخیں ٹھونک کر وحشیانہ طریقہ سے ہلاک کرتا تھا، حضرت آسیہؓ کو بھی یہی سزا دیتا تھا، لیکن فرشتے اسے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کھول دیتے تھے، اور وہ محفوظ رہتی تھیں۔

﴿وَقَالُوۡا رَبَّنَا عَجِّلۡ لَّنَا قِطَّنَا قَبۡلَ يَوۡمِ الۡحِسَابِ﴾ یہ گستاخی کی انتہاء ہے جو مذاق کے طور پر کہتے تھے: اے ہمارے ربّ! ہم کو ہمارا پروانہ حساب کے دن سے پہلے ہی دیدے، یعنی ہمیں جو کچھ دینا ہے ابھی سے دیدے، ہم قیامت کو نہیں مانتے، یا اس کا انتظار نہیں کر سکتے۔ مطلب ان کا یہ تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں جس عذاب

سے ڈراتے ہیں اس کا ہمارا مقررہ حصہ یہاں دنیا میں ہم کو دیدے، یہ استہزاءً کہتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: قط سے مراد عمل نامہ ہے۔

اِصۡبِرۡ عَلٰی مَا یَقُوۡلُوۡنَ وَ اذۡکُرۡ عَبۡدَنَا دَاوٗدَ ذَا الۡاَیۡدِ ۚ اِنَّہٗۤ اَوَّابٌ ﴿۱۷﴾ اِنَّا سَخَّرۡنَا الۡجِبَالَ
مَعَہٗ یُسَبِّحۡنَ بِالۡعَشِیِّ وَ الۡاِشۡرَاقِ ﴿ۙ۱۸﴾ وَ الطَّیۡرَ مَحۡشُوۡرَۃً ؕ کُلٌّ لَّہٗۤ اَوَّابٌ ﴿۱۹﴾ وَ شَدَدۡنَا
مُلۡکَہٗ وَ اٰتَیۡنٰہُ الۡحِکۡمَۃَ وَ فَصۡلَ الۡخِطَابِ ﴿۲۰﴾ وَ ہَلۡ اَتٰىکَ نَبَؤُا الۡخَصۡمِ ۘ اِذۡ تَسَوَّرُوا
الۡمِحۡرَابَ ﴿ۙ۲۱﴾ اِذۡ دَخَلُوۡا عَلٰی دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنۡہُمۡ قَالُوۡا لَا تَخَفۡ ۚ خَصۡمٰنِ بَغٰی بَعۡضُنَا
عَلٰی بَعۡضٍ فَاحۡکُمۡ بَیۡنَنَا بِالۡحَقِّ وَ لَا تُشۡطِطۡ وَ اہۡدِنَاۤ اِلٰی سَوَآءِ الصِّرَاطِ ﴿۲۲﴾

ترجمہ: یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں اس پر صبر کیجئے، اور ہمارے بندہ داؤد کو یاد کیجئے جو قوت والے تھے، بیشک وہ رجوع کرنے والے تھے ﴿۱۷﴾ بیشک ہم نے ان کے ساتھ پہاڑوں کو مسخر کر دیا، وہ تسبیح میں مشغول ہوتے تھے، شام کو اور اشراق کے وقت ﴿۱۸﴾ اور پرندوں کو مسخر کر دیا جو جمع کئے ہوئے تھے، سب اس کی طرف رجوع کرنے والے تھے ﴿۱۹﴾ اور ہم نے ان کے ملک کو مضبوط کر دیا، اور انہیں حکمت دیدی اور فصل خطاب دیدیا ﴿۲۰﴾ اور کیا آپ کے پاس جھگڑا کرنے والوں کی خبر پہنچی ہے جبکہ وہ دیوار پھاند کر محراب میں آگئے ﴿۲۱﴾ جب وہ داؤد پر داخل ہوگئے، تو وہ ان کے آنے سے گھبرا گئے، انہوں نے کہا کہ آپ نہ ڈریں، ہم دو اہل معاملہ ہیں، ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے، سو آپ حق کے ساتھ ہمارے درمیان فیصلہ کر دیجئے، اور بے انصافی نہ کیجئے، اور ہمیں سیدھی راہ بتا دیجئے ﴿۲۲﴾

معارف ومنازل

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم باوجود عزم وہمت اور بے مثال دریا دلی کے مشرکین کی باتوں سے اور طرح طرح کے طعن وتشنیع سے پریشان ہوتے تھے، اس آیت میں آپ کو حکم دیا گیا کہ آپ ان کی باتوں پر صبر کریں، اور ہمارے بندہ داؤد کو یاد کیجئے جو قوت والے تھے، اور اوّاب تھے، یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف بہت رجوع کرنے والے تھے، پھر ان کی تسبیح کا تذکرہ فرمایا کہ صبح شام پہاڑ ان کے ساتھ تسبیح پڑھا کرتے تھے، اور چرند پرند درخت سارے تسبیح خوانی میں جمع ہوکر بڑے شوق وذوق کے ساتھ نغمہ خوانی میں مصروف ہوتے تھے۔ اس مضمون کی تفصیل سورۂ سبا کے

دوسرے رکوع میں گزر چکی ہے، وہاں دیکھیں۔

پھر حضرت داؤد علیہ السلام کی خلافت کا ذکر کیا گیا، اور انہیں حکم دیا گیا کہ آپ انصاف سے فیصلہ کیا کریں، اور جو دو آدمی اپنا مقدمہ لے کر حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس دیوار پھاند کر ان کے عبادت خانہ (محراب) میں آگئے جن سے داؤد علیہ السلام بتقاضائے بشریت گھبرا گئے، ان دو شخصوں نے ان کی گھبراہٹ کو محسوس کر لیا، اور کہنے لگے کہ آپ ہماری وجہ سے خوفزدہ نہ ہوں، ہم کوئی چور ڈاکو نہیں ہیں، ہم اپنا مقدمہ لے کر حاضر ہوئے ہیں، ہم میں ایک مدعی ہے اور دوسرا مدعیٰ علیہ ہے، ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے، آپ ہمارا مقدمہ سن لیجئے اور انصاف سے فیصلہ کر دیجئے، اور فیصلہ میں بے انصافی نہ کیجئے، اور ہم کو سیدھی راہ بتا دیجئے۔

پھر ان میں سے ایک بولا کہ یہ میرا (دینی) بھائی ہے، اس کے پاس ننانوے (۹۹) یعنی ایک کم سو دنبیاں ہیں، اور میرے پاس ایک ہی دنبی ہے، اب یہ کہتا ہے کہ وہ بھی مجھے دیدو، اور کہنے میں بھی وہ طریقہ نہیں اختیار کیا جو سوال کرنے والوں کا ہوتا ہے، بلکہ مجھے نہایت سختی کے ساتھ خطاب کیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا کہ اس نے جو یہ بات اٹھائی کہ تیری جو ایک دنبی ہے وہ تو اسے دیدے اور یہ اس کو اپنی دنبیوں میں ملا لے اس کا یہ سوال کرنا ظلم ہے۔

یہ تو ان دونوں کے مقدمہ کا فیصلہ فرمایا، اور ساتھ ہی عام لوگوں کا مزاج اور رواج اور طریقۂ کار بھی بیان فرما دیا، اور وہ یہ کہ بہت سے لوگ جو شریک ہوتے ہیں یا مل جل کر رہتے ہیں ان کا یہ طریقہ کار رہتا ہے کہ ایک دوسرے پر ظلم و زیادتی کرتے ہیں، ہاں اہل ایمان اور اعمالِ صالحہ والے لوگ ایک دوسرے پر ظلم و زیادتی نہیں کرتے، ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں۔

اول تو یہ سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے واقعہ کو ﴿اصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ﴾ کے ساتھ شروع فرمایا ہے، جس سے واضح ہو رہا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو کسی ایسی بات میں مبتلا فرمایا تھا جس میں صبر کی ضرورت تھی، سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ آپ اپنے مخالفین کی باتوں پر صبر کریں، اور داؤد علیہ السلام کے قصے کو یاد کریں، اس کے بعد یہ بات بیان فرمائی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں مشغول رہتے تھے، پھر یہ قصہ بیان فرمایا کہ دو شخص ان کے پاس رات کے وقت دروازے سے نہیں، بلکہ مکان کی دیوار سے پھلانگ کر آگئے، اور ان دونوں نے اپنا مقدمہ پیش کیا، انہوں نے ان کو اپنا فیصلہ سنا دیا۔

اس میں یہ بات تلاش کرنے کی ہے کہ اس میں صبر کرنے کی کونسی بات تھی، اس بارے میں روایاتِ حدیث

سے کوئی بات واضح نہیں ہوتی، البتہ اتنی بات قرآن مجید کے سیاق اور بیان سے معلوم ہو رہی ہے کہ جو دو شخص رات کو دیوار پھلانگ کر ان کے پاس تنہائی میں آ گئے تھے وہ وقت (۱) ان کی عبادت کا تھا، فیصلہ خصومات کا نہ تھا۔ (۲) پھر بغیر اجازت کے ان کا آنا۔ (۳) دیوار کود کر آنا۔ (۴) ایک نبی اور بادشاہ کو انصاف کرنے کی تلقین کرنا۔ (۵) اور بے انصافی سے انہیں منع کرنا، وغیرہ وغیرہ۔

آپ اندازہ لگائیں، آج اگر دو شخص اسی کیفیت کے ساتھ کسی جج یا کسی سردار کے پاس آئیں تو وہ آسمانوں کو سر پر اٹھا کر بجائے فیصلہ سنانے کے انہیں حوالات اور جیل میں بند کر دے گا، پس حضرت داؤد علیہ السلام کے صبر و تحمل کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے، تو داؤد علیہ السلام نبی ہونے کے ساتھ بادشاہ اور خلیفۃ اللہ تھے، مدعی اور مدعیٰ علیہ کی باتیں سن کر بڑا صبر کیا اور تحمل کیا، اور لوگوں کی کئی گستاخیوں پر کوئی گرفت اور دار و گیر نہیں فرمائی، بلکہ بے مثال عفو و کرم کا مظاہرہ فرمایا۔ جب ان کا یہ عمل ارحم الراحمین جل شانہ کو پسند آیا تو اپنے حبیب صاحب عفو کرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صبر داؤدی اختیار کرنے کا حکم دے کر فرمایا:

﴿وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُدَ﴾ آپ صبر کے معاملہ میں ہمارے بندہ خاص داؤد علیہ السلام کو یاد کریں، اور ان جیسا صبر کریں یعنی صبر کرنے میں ان کا اتباع کریں (کیا پیارا خطاب ہے)۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا امتحان میں ابتلاء و استغفار:

اب رہی یہ بات کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے جب صبر کے ساتھ مدعی اور مدعیٰ علیہ کی بات سنی اور فیصلہ صادر فرمایا جو کہ صحیح و برحق فیصلہ تھا، تو اس میں وہ کونسی بات تھی جو ان کے امتحان کا سبب بن گئی، اور وہ سجدہ و استغفار کرنے پر مجبور ہو گئے؟ اس کے بارے میں بعض حضرات نے یہ فرمایا ہے اور یہی صحیح اور حقیقی بات ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام کو یہ ابتلاء ایک طرح کے اعجاب کی بناء پر پیش آیا، صورت یہ ہوئی کہ داؤد علیہ السلام نے بارگاہ ایزدی میں عرض کیا کہ اے پروردگار! رات اور دن میں ایسی کوئی ساعت نہیں جس میں داؤد (علیہ السلام) کے گھرانے کا کوئی نہ کوئی فرد تیری عبادت (نماز تسبیح و تحمید و تہلیل) میں مشغول نہ رہتا ہو، یہ اس لئے کہا کہ انہوں نے روز و شب کے چوبیس ۲۴ گھنٹے اپنے گھر والوں پر باری باری تقسیم کر رکھے تھے، تاکہ ان کا عبادت خانہ کسی وقت عبادت سے خالی نہ رہنے پائے، اور بھی کچھ اس قسم کی چیزیں عرض کیں (شاید اپنے حسن انتظام وغیرہ کے متعلق ہوں گی)۔

اللہ تعالیٰ کو یہ بات ناپسند ہوئی، ارشاد ہوا کہ داؤد! یہ سب کچھ ہماری توفیق سے ہے، اگر میری مدد نہ ہو تو اس چیز پر قدرت نہیں پا سکتا، ہزار کوشش کرے نہیں نبھا سکے گا، قسم ہے اپنے جلال کی میں تجھ کو ایک روز تیرے نفس کے سپرد کردوں گا، یعنی اپنی مدد ہٹالوں گا دیکھیں اس وقت تو کہاں تک اپنی عبادت میں مشغول رہ سکتا ہے، اور اپنا نظام قائم رکھ سکتا ہے۔ داؤد علیہ السلام نے عرض کیا: اے پروردگار! مجھے اس دن کی خبر کر دیجئے، بس اسی دن فتنہ میں مبتلاء ہو گئے۔ [مستدرک حاکم وقال صحیح الإسناد]

یہ روایت بتلاتی ہے کہ فتنہ کی نوعیت صرف اسی قدر ہونی چاہئے کہ جس وقت داؤد علیہ السلام عبادت میں مشغول ہوں باوجود پوری کوشش کے مشغول نہ رہ سکیں، اور اپنا انتظام قائم نہ رکھ سکیں، چنانچہ آپ پڑھ چکے کہ کس بے قاعدہ اور غیر معمولی طریقہ سے چند اشخاص نے اچانک عبادت خانہ میں داخل ہو کر حضرت داؤد علیہ السلام کو گھبراہٹ میں مبتلا کر دیا، اور ان کے شغل خاص سے ہٹا کر اپنے جھگڑے کی طرف متوجہ کرلیا، بڑے بڑے پہرے اور انتظامات ان کو داؤد علیہ السلام کے پاس پہنچنے سے نہ روک سکے، تب داؤد علیہ السلام کو خیال ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے اس دعوے کی وجہ سے اس فتنہ میں مبتلا کیا۔

لفظ "فتنہ" کا اطلاق اس جگہ تقریباً ایسا سمجھو جیسے ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما بچپن میں قمیص پہن کر لڑکھڑاتے ہوئے آ رہے تھے، حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر سے دیکھا اور خطبہ قطع کر کے ان کو اوپر اٹھا لیا، اور فرمایا: صَدَقَ اللّٰہ ﴿اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ﴾۔ بعض آثار میں ہے کہ بندہ اگر کوئی نیکی کر کے کہتا ہے کہ اے پروردگار! میں نے یہ کام کیا، میں نے صدقہ کیا، میں نے نماز پڑھی، میں نے کھانا کھلایا، تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اور میں نے تیری مدد کی، اور میں نے تجھ کو توفیق دی۔ اور جب بندہ کہتا ہے کہ اے پروردگار! تو نے مدد کی، تو نے مجھ کو توفیق بخشی، اور تو نے مجھ پر احسان فرمایا، تو اللہ تعالیٰ کہتا ہے: اور تو نے عمل کیا، تو نے ارادہ کیا، اور تو نے یہ نیکی کمائی۔ [مدارج السالکین ابن قیم رحمہ اللہ]

اسی سے سمجھ لو کہ حضرت داؤد علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کا اپنے حسن انتظام کو جتلاتے ہوئے یہ فرمانا کہ اے پروردگار! رات دن میں کوئی گھڑی ایسی نہیں جس میں مَیں یا میرے متعلقین تیری عبادت میں مشغول نہ رہتے ہوں، کیسے پسند آ سکتا تھا، بڑوں کی چھوٹی بات پر بھی گرفت ہوتی ہے، اسی لئے ایک آزمائش میں مبتلاء کر دیئے گئے تاکہ متنبہ ہو کر اپنی غلطی کا تدارک کریں، چنانچہ تدارک کیا اور خوب کیا۔ میرے نزدیک آیت کی بے تکلف تقریر یہی

ہے۔[تفسیر عثمانی]

ایک مشہور اور بے بنیاد اسرائیلی قصہ کی تردید:

حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس جو دو شخص آئے تھے جن کا فیصلہ ان کے امتحان کا سبب بنا اس کے بارے میں اسرائیلیوں نے ایک منگھڑت قصہ ایجاد کیا، جس طرح کہ انہوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق مشہور کیا تھا کہ وہ جادوگر تھے (العیاذ باللہ) چنانچہ قرآن حکیم نے اس اسرائیلی بہتان کی سورۂ بقرہ میں تردید فرمائی، اسی طرح اس پیغمبر دشمن قوم نے حضرت داؤد علیہ السلام پر افتراء و بہتان لگا کر ایک عوت کا قصہ مشہور کیا جسے بعض تفاسیر نے بلا وجہ و بلا سند نقل کیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ جو شخص حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں ایسی بات کہے گا اور اس کا عقیدہ رکھے گا تو میں اس پر حد قذف کی دوہری سزا جاری کروں گا، کیونکہ یہ ایک معصوم پیغمبر پر افتراء ہے، جبکہ انبیاء کرام علیہم السلام ہر قسم کے گناہوں سے معصوم ہیں، پس ایسے قاذف پر دوہری سزا ایک سو ساٹھ کوڑے حد قذف جاری ہو۔ [روح المعانی]

سورۂ ص کا سجدہ:

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چودہ سجدوں میں سے ایک سورۂ ص کا سجدہ ہے، جبکہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سورۂ ص میں سجدہ نہیں ہے۔

﴿اِصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَیْدِ﴾ آپ صبر کیجئے ان باتوں پر جو یہ کافر کہہ رہے ہیں، اور اس صبر کے سلسلے میں ہمارے بندے داؤد علیہ السلام کو یاد کریں جنہوں نے صبر کو اپنا شعار بنایا، آپ بھی ان کی اقتداء کریں اور صبر کریں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی صفت ﴿ذَا الْاَیْدِ﴾ فرما کر ان کی بادشاہت اور حکمت کو تقویت پہنچائی گئی، اور خود ان کی جسمانی قوت کی بھی تائید ہوگئی۔ ﴿اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ﴾ بیشک وہ اللہ تعالیٰ کی طرف کثرت عبادت کی وجہ سے رجوع رکھنے والے تھے۔ ایک حدیث میں ان کے بارے میں ارشاد ہے: كَانَ اَعْبَدَ الْبَشَرِ۔ وہ تمام انسانوں سے زیادہ عبادت گزار تھے، رات دن تسبیح وتہلیل ذکر و اذکار اور کثرت نماز آپ کا مشغلہ رہا، ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار کرتے تھے، یہ ہے افضل الصیام کا درجہ۔

﴿اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ یُسَبِّحْنَ بِالْعَشِیِّ وَالْاِشْرَاقِ﴾ ہم نے ان کے ساتھ پہاڑوں کو مسخر کر دیا تھا

، یعنی ان کے تابع کردیا تھا کہ جب آپ نہایت خوش آوازی کے ساتھ زبور کی تلاوت کرتے اور تسبیح وتحمید بیان کرتے تو آپ کے ساتھ پہاڑ بھی روز وشب تسبیح بیان کرتے، یہ پہاڑوں کی تسبیح صدائے بازگشت نہیں تھی، بلکہ شعوری طور پر پہاڑ، درخت، طیور وپرندے ایک عجیب سریلی آواز میں نغمہ خوانی میں محو ہوکر گیت گاتے رہتے تھے۔

﴿وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً ؕ كُلٌّ لَّهٗۤ اَوَّابٌ﴾ اکٹھے ہوئے پرندے بھی آپ کے ساتھ تسبیح پڑھنے میں ہمنوا ہوجاتے تھے، اور سب کے سب اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع رکھنے والے ہوتے تھے۔ بعض مفسرین نے مَحْشُوْرَة کا ترجمہ مَحْبُوسَة کیا ہے، یعنی پرندے ہوا میں اڑتے ہوئے جب حضرت داؤد علیہ السلام کی آواز سنتے تھے تو رک جاتے تھے اور تسبیح پڑھنا شروع کرتے تھے جس سے عجیب کیفیت پیدا ہوجاتی۔ سورۂ بنی اسرائیل میں ارشاد ہے:

﴿وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ﴾ [الإسراء: ۴۴] (کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے، مگر تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے)۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھے ابھی بھی وہ پتھر معلوم ہے جو مجھے نزول وحی سے پہلے فصیح زبان میں سلام کرتا تھا۔ اس کے علاوہ استن حنانہ کا واقعہ سب کو معلوم ہے، اور دیگر بہت سے معجزات ہیں۔

﴿وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ﴾ ہم نے داؤد علیہ السلام کی بادشاہی کو مضبوط کردیا، یعنی تمام ضروری اسباب ووسائل انہیں عطا کئے، اور امن وامان بھی انہیں عطا فرمایا۔ ﴿وَاٰتَیْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ﴾ ہم نے ان کو حکمت بھی عطا فرمائی، اور حکمت سے مراد نبوت اور شریعت اور عقل ودانش وفراست ایمانی سب مراد ہیں، اور اس کے ساتھ فیصلہ کن خطاب بھی عطا فرمایا۔ بدایۃً آپ جب بہت سے امور پر بات کرتے تھے تو مضمون کا کوئی گوشہ تشنہ نہیں رہتا تھا، جسے سن کر لوگ بڑے تعجب کا اظہار کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں قادر الکلامی کے علاوہ قوت فیصلہ بھی عطا کیا تھا۔

﴿وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ﴾ کیا آپ کے پاس پہنچی ہے جھگڑا کرنے والوں کی خبر جبکہ انہوں نے عبادت خانے کی دیوار کو پھلانگ دیا، یہاں محراب سے مراد عبادت خانہ ہے، مسجد والا محراب مراد نہیں، یہ دونوں مدعی اور مدعیٰ علیہ خلاف معمول بجائے دروازہ کے اونچی دیوار پر چڑھ کر آئے، جن کے آنے پر حضرت داؤد علیہ السلام حیرت زدہ ہوکر کچھ خوفزدہ بھی ہوگئے، کیونکہ پہرہ داروں کے باوجود جب یہ لوگ اچانک خلوت خانہ میں آگئے تو: ﴿اِذْ دَخَلُوْا عَلٰی دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ﴾ جب وہ لوگ داؤد علیہ السلام کے پاس داخل ہوگئے تو آپ

گھبرا گئے، یہ پریشانی اس لئے ہوئی کہ معاملہ وہم وگمان کے قطعاً خلاف تھا۔

﴿قَالُوْا لَا تَخَفْ﴾ سوانہوں نے کہا کہ آپ گھبرائے نہیں، ہم کسی بری نیت سے آپ کے پاس نہیں آئے بلکہ: ﴿خَصْمٰنِ بَغٰی بَعْضُنَا عَلٰی بَعْضٍ﴾ ہم دو مخالف فریق ہیں، ہم میں سے بعض نے بعض پر ظلم وزیادتی کی ہے، ہم آپ کے پاس اپنا مقدمہ تصفیہ کے لئے لے کر آئے ہیں۔ ﴿فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ﴾ آپ ہمارے درمیان حق وانصاف سے فیصلہ کریں، اور کسی فریق کی حمایت میں دوسرے کے ساتھ زیادتی نہ کریں۔ ﴿وَاهْدِنَآ اِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِ﴾ ہمیں سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کریں، اور فیصلہ کر کے خلاصی کرائیں۔

اِنَّ هٰذَاۤ اَخِیْ ۟ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِیَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ ۟ فَقَالَ اَكْفِلْنِیْهَا وَعَزَّنِیْ فِی الْخِطَابِ ﴿۲۳﴾
قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ ؕ وَاِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَیَبْغِیْ بَعْضُهُمْ عَلٰى
بَعْضٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِیْلٌ مَّا هُمْ ؕ وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ
وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ ﴿۲۴﴾ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ؕ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۲۵﴾

ترجمہ: بیشک یہ میرا بھائی ہے اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں، اور میرے پاس ایک دنبی ہے سو یہ کہتا ہے کہ وہ مجھے دیدے، اور بات چیت میں مجھے دباتا ہے ﴿۲۳﴾ داؤد نے کہا: بلاشبہ اس نے تجھ پر ظلم کیا کہ تیری دنبی کو اپنی دنبیوں میں ملانے کا سوال کیا، اور اکثر شرکاء ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں، مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے، اور ایسے لوگ بہت کم ہیں، اور داؤد نے خیال کیا کہ ہم نے ان کا امتحان لیا ہے، سوانہوں نے اپنے ربّ سے استغفار کیا، اور سجدہ میں گر پڑے، اور رجوع ہوئے ﴿۲۴﴾ سو ہم نے ان کو معاف کر دیا، اور بلاشبہ ان کے لئے ہمارے پاس نزدیکی ہے، اور اچھا انجام ہے ﴿۲۵﴾

معارف ومنازل

اپنا تعارف کرنے کے بعد شکایت کنندہ شخص نے فوراً اپنا مقدمہ حضرت داؤد علیہ السلام کے سامنے پیش کیا، کہنے لگا: ﴿اِنَّ هٰذَاۤ اَخِیْ ۟ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِیَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ ۟ فَقَالَ اَكْفِلْنِیْهَا وَعَزَّنِیْ فِی الْخِطَابِ﴾ یہ

شخص میرا بھائی ہے، یعنی دینی بھائی مراد ہو یا نسبی، اس نے مجھ پر زیادتی کی ہے، وہ یہ کہ اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں، جبکہ میرے پاس صرف ایک دنبی ہے، میرا یہ بھائی کہتا ہے کہ اپنی ایک دنبی بھی میری کفالت میں دیدو، اور میرے حوالہ کردو، تاکہ میری سو دنبیوں کا ریوڑ پورا ہو جائے، اور یہ زبان کا تیز ہے، بات چیت میں مجھ پر غالب آگیا ہے۔

﴿قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ إِلَىٰ نِعَاجِهِ﴾ حضرت داؤد علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: بلاشبہ اس ننانوے دنبیوں کے مالک نے تجھ پر ظلم ہی کیا ہے کہ آپ کی واحد دنبی کو اپنی سو پوری کرنے کی خاطر آپ سے لینا چاہتا ہے، اور یہ بھی فرمایا: ﴿وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْخُلَطَاءِ لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ﴾ کہ بیشک بہت سے شراکت دار ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں، اور ان کے اموال پر قبضہ کرتے ہیں۔

﴿إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ﴾ مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال انجام دیئے سوا ایسے لوگ کسی پر زیادتی نہیں کرتے مگر ایسے دیانتدار لوگ بہت قلیل تعداد میں ہوتے ہیں، واقعہ بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا: ﴿وَظَنَّ دَاوُودُ أَنَّمَا فَتَنَّاهُ﴾ داؤد علیہ السلام نے گمان کیا کہ بیشک ہم نے ان کو آزمائش میں ڈال دیا ہے، پس انہوں نے استغفار کیا۔ ﴿فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ﴾ پس اپنے پروردگار سے بخشش طلب کی، اور پڑے رکوع کرتے ہوئے سجدہ میں، اور آپ تو منیب ہی تھے، یعنی ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔

﴿فَغَفَرْنَا لَهُ ذَٰلِكَ﴾ پھر ہم نے اس کو معافی دیدی۔ ﴿وَإِنَّ لَهُ عِندَنَا لَزُلْفَىٰ وَحُسْنَ مَآبٍ﴾ بیشک ان کے لئے ہمارے ہاں مرتبہ ومقام ہے، اور لوٹ کر جانے کا اچھا ٹھکانہ بھی ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کی بخشش فرما کر قیامت کے دن نبیوں اور عادل بادشاہوں کا درجہ دیں گے۔ حدیث شریف میں عادل بادشاہوں کے بہت بڑے درجات بیان ہوئے ہیں، اور وہ رحمٰن کے عرش کے سایے میں ہوں گے، اور نور کے منبروں اور تختوں پر رحمٰن جل شانہ کے دائیں جانب بیٹھے ہوں گے، اور مقرب ترین دوستوں میں شمار ہوں گے، اور سب سے زیادہ دشمن اور سخت عذاب میں مبتلا ظالم حکمران ہوں گے، غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی دنیا وآخرت میں کامیابی کی ہی بشارت سنادی، اور آئندہ آیات میں خطاب سے نوازا۔

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ۝۲۶ وَمَا
خَلَقْنَا السَّمَاۗءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۭ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ
النَّارِ ۝۲۷ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۡ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ
كَالْفُجَّارِ ۝۲۸ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝۲۹

ترجمہ: اے داؤد! بیشک ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنا دیا، سو لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیجئے، اور خواہش کی پیروی مت کرنا کہ وہ آپ کو اللہ تعالیٰ کے راستہ سے بہکا دے گی، بلاشبہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے راستے سے بھٹک جاتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے، اس سبب سے کہ وہ حساب کے دن کو بھول گئے ۝۲۶ اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بلا حکمت پیدا نہیں کیا، یہ گمان ہے ان لوگوں کا جنہوں نے کفر کیا، سو ان لوگوں کے لئے ہلاکت ہے یعنی دوزخ کا داخلہ ہے ۝۲۷ جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال انجام دیئے کیا ہم انہیں ان لوگوں کی طرح کر دیں گے جو زمین میں فساد کرنے والے ہیں؟ کیا ہم متقیوں کو فاجروں کی طرح کر دیں گے؟ ۝۲۸ یہ کتاب ہے جو ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے، مبارک ہے تا کہ یہ لوگ اس کی آیات میں غور کریں، اور تا کہ عقل والے نصیحت حاصل کریں ۝۲۹

معارف ومنازل

حضرت آدم علیہ السلام کے علاوہ قرآن حکیم نے کسی کو خلیفہ نہیں کہا سوائے حضرت داؤد علیہ السلام کے، یہ بہت بڑا اور اونچا منصب ومقام ہے، فرمایا: اے داؤد! ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنا دیا، سو آپ لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کریں، اور خواہش نفس کا اتباع نہ کریں، ورنہ یہ خواہش آپ کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے ہٹا دے گی۔

یوں تو ہر حاکم پر لازم ہے کہ فیصلہ کرنے میں عدل وانصاف کو ملحوظ رکھے، لیکن خاص طور پر جسے اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیفہ بنایا اور نبوت سے بھی سرفراز فرمایا اس کی ذمہ داری اور زیادہ بڑھ جاتی ہے کہ وہ حق وانصاف اور عدل ومساوات پر قائم رہے، ارشاد فرمایا:

﴿يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ﴾ اے داؤد! ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے، یعنی جس

خلافت کے لئے ہم نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا بحیثیت اولاد آپ اس کے وارث ہیں، اب یہ خلافت آپ کے سپرد ہوئی ہے، جس کے تقاضوں کو آپ نے پورا کرنا ہے، لہٰذا آپ یہ کام کریں:

﴿فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ﴾ آپ لوگوں کے درمیان حق وانصاف کے ساتھ فیصلہ کریں۔ سورۂ مائدہ میں فرمایا: ﴿اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾[المائدة:۸] (انصاف کرو کہ یہ چیز تقویٰ کے قریب ہے)۔ سورۂ نحل میں فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾[النحل:۹۰] (اللہ تعالیٰ عدل وانصاف اور نیکی کا حکم دیتا ہے)۔ انصاف وعدل کے بعد دوسری ذمہ داری یہ ہے:

﴿وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى﴾ آپ خواہشات کی پیروی نہ کریں، اگر ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ سے کٹ کر شیطان کے ساتھی بنیں گے۔ ﴿فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ یہ اتباع ہوا آپ کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے ہٹا کر گمراہی کے گھڑے میں پھینک دے گی، یہ سب سے خطرناک نقصان ہے، اپنے انجام کے اعتبار سے۔ آگے اسی کا بیان ہے، فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ﴾ جو لوگ خواہشات کا اتباع کر کے اللہ تعالیٰ کے راستے سے بہک جاتے ہیں، اور عدل وانصاف کا دامن چھوڑ بیٹھتے ہیں، ان کے لئے سخت عذاب ہوگا، اس لئے کہ وہ حساب ومحاسبہ کے دن قیامت کو بھول بیٹھے ہیں، یہ بات صرف حاکموں کے ساتھ مخصوص نہیں، خاص زمانہ اور خاص قوم اور خاص علاقہ کے لئے نہیں، بلکہ یہ وعید ہر زمان، ہر مکان، خلفاء، حاکموں، قاضیوں، ججوں، بااختیار اور روزِ قیامت تک تمام صاحب اقتدار لوگوں کے لئے ہے، قیامت کے دن بدترین اور سخت ترین عذاب ایسے لوگوں کو ہوگا جنہوں نے عدل وانصاف کا گلا گھونٹا، اور حق وانصاف کا خون کیا، اقرباء پروری، رشوت، سفارش وغیرہ پر پورا اترے، اور اللہ تعالیٰ کے بندوں پر انصاف بیچ کر اپنے لئے جہنم خریدی، جن کی قبور دوزخ کے سانپ بچھوؤں کا مرکز ہوں گی، کاش دنیادار اور مال ودولت کے پجاری سمجھتے ہوں۔

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہے کہ مسلمان ملک ہو یا غیر مسلم اگر اس کی عدالتوں میں انصاف کا راج ہو تو وہ ملک کبھی تباہ نہیں ہوگا، لیکن ظلم وبے انصافی کی صورت میں سوائے تباہی کے کچھ نہیں ہوگا، ظالم اور بے انصاف لوگوں کی رسائی خدا تک بالکل محال ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایک بدکار عورت ایک پیاسے کتے کو پانی پلا کر جنت پہنچ گئی، جبکہ دوسری عورت گھریلو بلی پر ظلم کر کے جہنم میں داخل ہوگئی۔ [مشکوۃ، ج: اول]

﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا﴾ ہم نے آسمان وزمین اور ان دونوں کے درمیان

کی چیزوں کو محض بیکار اور بے مقصد پیدا نہیں کیا، تم سمجھتے ہو کہ نظامِ کائنات بغیر کسی نگرانی کے خود بخود چل رہا ہے، فرمایا: ایسی بات نہیں ہے، بلکہ یہ پورا نظام اللہ تعالیٰ کی قدرت تامہ اور حکمت بالغہ کا شاہکار ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے بے مقصد پیدا نہیں کیا، بلکہ اس کا کچھ ضروری مقصد ہے، اور جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ نظام حادثاتی طور پر بنتا اور بگڑتا ہے، اس کی کوئی افادیت نہیں ہے جیسے روسیوں اور چینیوں کا عقیدہ ہے، یہ محض سرکشی اور ہٹ دھرمی ہے، وہ آج تک کائنات کے طول وعرض تو درکنار انسانی موت کو نہ سمجھ سکے، اور روح تک ان کی رسائی نہیں ہوئی، وہ بڑے پریشان ہیں کہ موت کیا ہے، اور کس طرح اور کیوں آتی ہے۔ یہ منکرین خدا ڈینگیں مار مار کر تھکتے نہیں، مگر قدرت کے تکوینی نظام کے سامنے ہتھیار ڈالنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتے، اللہ تعالیٰ نے انہیں مہلت دے رکھی ہے، جب ان کی ہلاکت کا وقت آ پہنچے گا تو ان کی تباہی میں ان شاء اللہ دیر نہیں لگے گی۔

﴿ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ یہ ہے کفار ومشرکین کا گمان باطل، کافر جب اس کائنات کے خالق ومالک کا منکر ہے تو کائنات کے بارے میں جو بھی رائے قائم کرے وہ اپنے خیال وگمان میں آزاد ہے۔ ﴿فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ﴾ پس تباہی اور بربادی ہے آگ سے ان لوگوں کے لئے جنہوں نے کفر کیا یعنی دوزخ کے علاوہ ان کا اور کوئی علاج نہیں، یہ لوگ باغی ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے نظام میں بغاوت بڑا جرم ہے، فرمایا:

﴿اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ﴾ کیا ہم ایماندار اور اعمالِ صالحہ انجام دینے والوں کو فساد فی الارض اور بغاوت کرنے والوں کے ساتھ برابر کر دیں گے؟ سورۂ حشر میں فرمایا: ﴿لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ﴾ [الحشر: ۲۰] (برابر نہیں ہو سکتے آگ والے اور جنت والے)۔ سورۃ الانفطار میں فرمایا: ﴿اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ﴿۱۳﴾ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ ﴿۱۴﴾﴾ [الانفطار] (بیشک نیکوکار نعمتوں میں ہوں گے، اور بیشک بدکار جہنم میں ہوں گے)۔

الغرض یہ مضمون قرآن کریم میں ستر (۷۰) کے قریب مقامات میں مذکور ہے، ایک طرف متقی پرہیزگار، خدا پرست، ایماندار ہوں، دوسری طرف کافر، مشرک، بدعتی، بدکردار، قاتل وغارتگر، رشوت خور، بداخلاق، بدعمل لوگ ہوں، یہ دونوں فریق کیسے برابر ہو سکتے ہیں؟ فرمایا: ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا ہے، نیز فرمایا:

﴿اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ﴾ کیا ہم متقی اور پرہیزگار لوگوں کو فاسقوں اور فاجروں کے برابر لائیں گے؟ یہ پھر اندھیر نگری اور بے انصافی ہوگی، اس کو نہ عقل سلیم تسلیم کرتی ہے، اور نہ ہی انسانوں کا ناقص قانون، چہ

جائیکہ احکم الحاکمین ربّ العٰلمین جوانصاف کا خالق و مالک ہے، جس نے نیکی اور بدی اسی طرح حق اور باطل میں امتیاز کو واضح کرنے کے لئے ایک عظیم الشان کتاب نازل فرمائی ہے، جس کے متعلق ارشاد ہے:

﴿كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ﴾ اے نبی الانبیاء! ہم نے آپ کی طرف یہ بابرکت اور جامع کتاب نازل فرمائی ہے جوکہ بڑی ہی بابرکت ہے۔ ﴿لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ﴾ تا کہ لوگ اس کی آیتوں میں غور وفکر کریں۔ یہ تدبیر اتنا جامع لفظ ہے جس میں یہ پانچوں چیزیں آجاتی ہیں: اول یہ آدمی اسے دوسروں سے سنے، دوسرا درجہ یہ ہے کہ اسے سمجھنے کی کوشش کرے، تیسرا درجہ یہ ہے کہ اس کے اصولوں کو یاد کرے، چوتھا درجہ یہ ہے کہ اس پر عمل کرے، پانچواں درجہ یہ ہے کہ دوسروں کو اس کی تعلیم دے اور اس کی تبلیغ کرے، یہ سارے غور وفکر کے منازل اور مدارج ہیں، تب یہ کتاب: ﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾ [البقرة:۲] (ہدایت کا ذریعہ ہے پرہیزگاروں کے لیے)، اور ﴿وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ﴾ [یونس:۵۷] (شفا ہے ان بیماریوں کے لیے جو دلوں میں ہیں)، اور ﴿هُدًى وَّشِفَآءٌ﴾ [حم سجدة: ۴۴] (ہدایت اور شفاء کا ذریعہ ہے)، اور ﴿لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [النمل:۷۷] (ہدایت اور رحمت کا ذریعہ ہے مؤمنوں کے لیے) ثابت ہوگی، اور اپنے ماننے والوں کے قلوب میں انقلاب برپا کرے گی۔

﴿وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ تا کہ عقلمند لوگ نصیحت حاصل کریں۔ دراصل قرآن مجید قلوب کے لئے سوہان ہے، دنیا کی محبت وہ بنیادی ناپاک خصلت ہے، جس سے دلوں اور قلوب پر زنگ اور میل لگ جاتا ہے، اگر قرآن مجید پر غور وفکر کر کے وہ پانچوں مراتب ودرجات جو مرتب ہوئے ان پر عمل ہو تو دل صاف ہوں گے۔

……❁……❁……❁……

وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ۭ نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ۝۳۰ اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ۝۳۱ فَقَالَ اِنِّىْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ۝۳۲ رُدُّوْهَا عَلَيَّ ۭ فَطَفِقَ مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ۝۳۳

ترجمہ: اور ہم نے داؤد کو سلیمان بخشش کیا، وہ اچھا بندہ تھا، بلا شبہ وہ بہت رجوع کرنے والا تھا ۝۳۰ جب پیش کیے گئے اس پر شام کے وقت ایسے گھوڑے جو سامنے کے ایک پاؤں پر کھڑے ہونے والے تھے، عمدہ گھوڑے تھے ۝۳۱ سو انہوں نے کہا کہ میں نے مال کی محبت کو ترجیح دی، اور اپنے ربّ کے ذکر کو چھوڑ دیا، یہاں تک کہ پردے

میں چھپ گئے۳۲ انہیں مجھ پر واپس کرو، شروع کر دیا ان کی پنڈلیوں کا اور گردنوں کا چھونا۳۳

معارف ومنازل

حضرت داؤد علیہ السلام کے ۱۹ بیٹوں میں سے ان کے اصل جانشین حضرت سلیمان علیہ السلام ہوئے، جن کی ذات میں اللہ تعالیٰ نے نبوت اور بادشاہت دونوں کمالات جمع کر دیئے، اور انہیں وہ ملک عطا کیا جو ان سے قبل یا بعد کسی کو نہ ملا، تفصیل سورۃ النمل میں گزر چکی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھوڑوں کا آیت کریمہ میں بیان ہے، یعنی نہایت اصیل خوبصورت اور تیز وسبک رفتار گھوڑے، جو جہاد کے لئے پرورش کئے گئے تھے، ان کے سامنے پیش ہوئے، ان کا معائنہ کرتے ہوئے دیر لگ گئی، حتیٰ کہ آفتاب غروب ہو گیا، شاید اس پر کہنے لگے: کوئی مضائقہ نہیں، اگر ایک طرف ذکر اللہ (یاد خدا) سے بظاہر علیحدگی رہی تو دوسری جانب جہاد کے گھوڑوں کی محبت اور دیکھ بھال بھی اسی کی یاد کا حصہ ہے، جب جہاد کا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ ہے تو اس کے اسباب ومبادی کا تفقد کیسے ذکر اللہ کے تحت داخل نہ ہوگا، جب اللہ تعالیٰ نے جہاد سے محبت کا حکم دیا ہے تو یہ محبت جہاد کے اسباب میں بھی داخل ہے۔ جن گھوڑوں کو وہاں سے لے گئے تھے انہیں دوبارہ واپس لانے کا حکم دیا، جب وہ لائے گئے تو:

﴿فَطَفِقَ مَسْحًا﴾ تو وہ غایت اکرام ومحبت سے ان کی گردنوں اور پنڈلیوں پر ہاتھ پھیرتے رہے، اور ان سے پیار کرتے رہے، اور ہاتھوں سے ان کے گرد وغبار صاف کرتے رہے۔ یہ تفسیر بعض مفسرین نے کی ہے، جس میں مسح اپنے معنی اصلی پر ہوگا، ہاتھوں کا پھیرنا، اور لفظ حب الخیر سے اس کی تائید ہوتی ہے، جیسے ایک حدیث میں ارشاد ہے: اَلْخَیْلُ مَعْقُوْدٌ فِیْ نَوَاصِیْهَا الْخَیْرُ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ۔ گھوڑوں کی پیشانی میں خیر قیامت تک رکھی ہوئی ہے باندھ کر۔

مگر دوسرے علماء کرام نے اس کی تقریر یوں کی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گھوڑوں کے معائنہ میں مشغول ہو کر اس وقت کی نماز یا وظیفہ سے ذہول ہو گیا، اور ذہول ونسیان انبیاء علیہم السلام کے حق میں محال نہیں، فرمایا: دیکھو مال کی محبت نے مجھ کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کر دیا، حتیٰ کہ غروب آفتاب تک میں اپنا وظیفہ ادا نہ کر سکا، یہ درست ہے کہ اس مال کی محبت میں بھی ایک پہلو عبادت کا اور اللہ تعالیٰ کی یاد کا تھا جو کہ اسباب جہاد ہے، مگر خواص و مقربین کو یہ فکر بھی رہتی ہے کہ جس عبادت کا جو وقت مقرر ہے اس میں تخلّف نہ ہو، اور اگر ہوتا ہے تو ان کے لئے

باعثِ صدمہ ہے۔ دیکھو! غزوۂ خندق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی نمازیں قضاء ہوگئیں، باوجودیکہ آپ عین جہاد میں مشغول تھے، اور کسی قسم کا ذنب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نہ تھا، لیکن جن کفار کے سبب سے یہ پیش آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں: مَلَأَ اللّٰهُ بُيُوْتَهُمْ وَ قُبُوْرَهُمْ نَارًا وغیرہ الفاظ سے بددعا فرمائی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام ایک موقت عبادت کے فوت ہوجانے سے بیتاب ہوگئے، توحکم دیا کہ ان گھوڑوں کو واپس لاؤ (جو یادِ الٰہی کے فوت ہونے کا سبب بنے ہیں) جب لائے گئے تو شدتِ غیرت اور غلبۂ حبِ الٰہی میں تلوار لے کر ان کی گردنیں اور پنڈلیاں کاٹنا شروع کر دیں، تاکہ سببِ غفلت کو اپنے سے اس طرح علیحدہ کریں کہ وہ فی الجملہ غفلت کا کفارہ بن جائے، شاید ان کی شریعت میں گھوڑے کی قربانی جائز ہوگی، اور ان کے پاس گھوڑے اس کثرت سے ہوں گے کہ ان چند گھوڑوں کے قربان کرنے سے مقصدِ جہاد میں کوئی خلل نہ پڑتا ہوگا۔ اس تقریر کی تائید ایک حدیث مرفوع سے بھی ہوتی ہے جو طبرانی میں باسناد حسن حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ [روح المعاني وغيره]

پہلی تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، ابن جریرؒ اور امام رازیؒ نے راجح کہا ہے۔ واللہ اعلم

﴿وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ﴾ اور ہم نے بخشا داؤد علیہ السلام کو سلیمان علیہ السلام جیسا جلیل القدر فرزند نبی اور رسول۔ ﴿نِعْمَ الْعَبْدُ﴾ آپ اللہ تعالیٰ کے بہت ہی خوب بندے تھے۔ ﴿اِنَّهٗ اَوَّابٌ﴾ بیشک آپ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع رکھنے والے تھے، یہ صفت باپ بیٹے دونوں میں تھی، بلکہ سارے انبیاء کرام علیہم السلام اوّاب تھے۔ پوری تفصیل سورۂ نمل اور سورۂ سبا میں گزر چکی ہے۔

﴿اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ﴾ حضرت سلیمان علیہ السلام پر جب پچھلے پہر نہایت عمدہ اصیل اور تیز رفتار گھوڑے معائنہ کے لئے پیش کئے گئے۔ صفن ایسے عمدہ نسل کے گھوڑوں کو کہتے ہیں جو عام طور پر تین پاؤں پر کھڑے رہتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس اس قسم کے گھوڑوں کی تعداد ہزاروں میں تھی، یہ ایک آزمائش کا تذکرہ ہو رہا ہے کہ آپ علیہ السلام جہاد اور جہادی گھوڑوں کے معائنہ میں اتنے منہمک و مصروف ہوگئے کہ غروب آفتاب کا مرحلہ آپہنچا، اس دوران آپ علیہ السلام کی نماز یا دیگر عبادت کا جو وقت تھا وہ جاتا رہا، اس پر آپ علیہ السلام کو سخت صدمہ اور تشویش ہوئی، کیونکہ عبادت کا وقت گزر چکا، اس پریشانی میں کہا:

﴿فَقَالَ اِنِّیْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّیْ﴾ افسوس کہ میں نے اپنے پروردگار کے ذکر سے مال کی محبت کو پسند کیا ہے۔ ﴿حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ﴾ یہاں تک کہ سورج حجاب میں چلا گیا اور غروب ہوگیا، فرمایا:

﴿رُدُّوْهَا عَلَیَّ ؕ فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ﴾ ان گھوڑوں کو واپس میری طرف پلٹاؤ، جب انہیں لایا گیا تو سلیمان علیہ السلام ان کی گردنوں اور پنڈلیوں پر شفقت و مرحمت کے ساتھ ہاتھ پھیرنے لگے، چونکہ جہاد کی خاطر آپ علیہ السلام کو گھوڑوں سے محبت تھی تو عزّت واحترام کے ساتھ ان کی گردنوں اور پنڈلیوں پر ہاتھ پھیرتے رہے۔

یہ پہلی تفسیر والے مطلب و معنی کے اعتبار سے ہے، جبکہ دوسری تفسیر اول تفسیر کی ضد ہے، وہاں معنی یہ ہوگا: جب گھوڑے واپس لائے گئے تو آپ علیہ السلام نے غیرت کی بنیاد پر تلوار ہاتھ میں لے کر گھوڑوں کی گردنوں اور پنڈلیوں کو کاٹنا شروع کردیا، تاکہ ان کی قربانی قضا شدہ عبادت کا کفارہ بن جائے۔

خلاصہ:

پہلی تفسیر کا مطلب یہ ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے جہاد کے گھوڑوں کی تربیت اور دیکھ بال کو ذکر الٰہی کے منافی نہیں سمجھا، بلکہ نماز کے فوت ہوجانے پر گھوڑوں کی حوصلہ افزائی کے لئے ان کی گردنوں اور پنڈلیوں پر ہاتھ پھیرا، اور ان پر سے گرد وغبار دور کر کے صاف کرلیا۔ اور دوسری تفسیر کا مطلب یہ ہے کہ آپ علیہ السلام کو نماز کے قضاء ہونے پر سخت صدمہ ہوا، اور اس کا کفارہ ادا کرتے ہوئے گھوڑوں کی قربانی کی، اور ان کی گردنوں اور پاؤں کو کاٹنا شروع کردیا، اور انہیں اس طرح ذبح کر ڈالا تاکہ ان کی کوتاہی کی معافی ہو۔ بہر حال دونوں تفسیر صحیح ہیں۔ واللہ اعلم

آئندہ آیات میں سلیمان علیہ السلام کے دوسرے امتحان کا بیان ہوگا۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَیْمٰنَ وَاَلْقَیْنَا عَلٰی كُرْسِیِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ﴿۳۴﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَهَبْ لِیْ
مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۳۵﴾ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّیْحَ تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً
حَیْثُ اَصَابَ ﴿۳۶﴾ وَالشَّیٰطِیْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ ﴿۳۷﴾ وَّاٰخَرِیْنَ مُقَرَّنِیْنَ فِی الْاَصْفَادِ ﴿۳۸﴾ هٰذَا
عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۳۹﴾ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰی وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۴۰﴾

ترجمہ: اور یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے سلیمان کو امتحان میں ڈالا، اور ہم نے ان کی کرسی پر ایک جسم ڈال دیا، پھر انہوں نے رجوع کیا﴿۳۴﴾ عرض کیا: اے میرے ربّ! میری مغفرت فرما، اور مجھے ایسا ملک عطا کیجئے جو میرے بعد کسی دوسرے کو میسر نہ ہو، بلاشبہ آپ بڑے دینے والے ہیں﴿۳۵﴾ سو ہم نے ان کے لئے ہوا کو مسخر کردیا جو ان کے حکم

سے نرمی سے چلتی تھی جہاں ان کو جانا ہوتا تھا﴿۳۶﴾ اور ان کے لئے شیاطین مسخر کردیئے ہر بنانے والا اور غوطہ لگانے والا﴿۳۷﴾ اور ان کے علاوہ بھی جو زنجیروں میں جکڑے رہتے تھے﴿۳۸﴾ یہ ہماری بخشش ہے، سو آپ احسان کریں یا روک لیں، کوئی حساب نہیں﴿۳۹﴾ اور بلاشبہ ان کے لئے ہمارے پاس نزدیکی ہے، اور اچھا انجام ہے﴿۴۰﴾

معارف ومنازل

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ آج کی رات میں ستر ۷۰ بیویوں کے پاس جاؤں گا، یعنی ان سے صحبت کروں گا (یہ آپ کا معجزہ ہوگا) ان میں سے ہر عورت حاملہ ہوگی، اور ہر عورت سے ایک شہزادہ پیدا ہوگا جو فی سبیل اللہ جہاد کرے گا، وہاں جوان کے پاس فرشتہ موجود تھا اس نے کہا کہ ان شاء اللہ کہہ لیجئے، لیکن انہوں نے پھر بھی ان شاء اللہ نہ کہا، اور دل میں جو اعتقاد خالص تھا کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہوتا ہے اسی پر اکتفاء کیا۔ اس کے بعد یہ ہوا کہ ان عورتوں میں سے صرف ایک عورت کو حمل قرار پایا، اور اس سے ادھورا بچہ پیدا ہوا، جس کا ایک طرف کا دھڑ نہ تھا، یہ بیان فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر وہ ان شاء اللہ کہہ لیتے تو سب صحیح وسالم لڑکے پیدا ہوتے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے۔ [بخاري]

آیت بالا کی تفسیر میں مفسرین کرام نے یہ واقعہ نقل کیا ہے اور بتایا ہے کہ آیت کریمہ میں جو سلیمان علیہ السلام کے امتحان میں ڈالنے کا ذکر ہے اس سے یہی امتحان مراد ہے کہ انہوں نے ان شاء اللہ نہ کہا تھا، اور جو ادھورا (ناتمام) بچہ پیدا ہوا تھا اسی کے بارے میں فرمایا ہے کہ ہم نے ان کی کرسی پر ایک جسم ڈال دیا، پھر جب انہیں اپنی اس لغزش کا احساس ہوا (کہ ان شاء اللہ نہ کہا تھا) تو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوئے اور استغفار کیا، استغفار بھی کیا اور آئندہ کے لئے اللہ تعالیٰ سے ایک ایسی سلطنت اور عظیم بادشاہت کی دعا کی جو ان کے سوا کسی اور کو نہ ملے، اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی۔

پہلے تو گھوڑے تھے جن پر قابو پایا ہوا تھا، اب ان کی جگہ اللہ تعالیٰ نے ہوا کو مسخر فرمایا، اور ان کے حکم کا تابع بنا دیا، وہ جہاں جانا چاہتے بڑے تخت پر بیٹھ کر ہوا کو حکم دیتے اور ہوا کے کندھوں پر تخت پر بڑے عجیب شان وشوکت کے ساتھ سفر کرتے۔ سورۂ سبا میں فرمایا: ﴿غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ﴾ [سبأ: ۱۲] (یعنی یہ ہوا صبح بھی ایک مہینے

کی مسافت سے چلتی، اور شام کو بھی ایک مہینے کی مسافت چلتی)۔صبح بیت المقدس سے چلتے دوپہر کابل میں قیام کرتے ،ظہر کے بعد وہاں سے روانہ ہوتے کاشغر اور کبھی سمرقند یا تاشقند میں رات گزارتے۔

فائدہ:

دنیوی مقاصد اور خواہشات نفسانی کی بنیاد پر اقتدار طلب کرنا یا اقتدار کے لئے جدو جہد کرنا نہایت مذموم ہے، اور خواص کے لئے قطعاً جائز نہیں۔حضرت سلیمان علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ سے بادشاہت کے لئے دعا کرنا، اور حضرت یوسف علیہ السلام کا بادشاہ مصر سے وزارت طلب کرنا، یہ دنیوی اغراض و مقاصد اور ذاتی مفادات کے لئے نہ تھا، بلکہ خلق خدا کے بیشتر مفادات کے لئے تھا، چنانچہ انہوں نے ایسا کر کے دکھا دیا۔اور یہ بات بھی واضح ہو کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی کوئی بھی دعا اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر نہیں ہوتی، اِن پیغمبروں علیہم السلام نے بھی اللہ تعالیٰ کی اجازت ہی سے یہ چیزیں مانگی ہیں، تب تو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہی ہیں۔

﴿وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ﴾ البتہ تحقیق ہم نے سلیمان علیہ السلام کو آزمائش میں ڈالا، وہ یہ کہ جب اس کی فوج نے جہاد کے بارے میں کمزوری دکھائی تو انہوں نے بیویوں سے صحبت کرنے کا ارادہ کیا، اور ان شاء اللہ نہ کہنے کی وجہ سے کامیاب نہیں ہوئے، پس: ﴿وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا﴾ ہم نے اس کی کرسی پر نا تمام بچے کے دھڑ کو لا کر رکھ دیا، اس پر انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا، تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے استغفار کر لیا، اس کے بعد انہوں نے یہ دعا کی:

﴿قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ﴾ کہنے لگے: اے پروردگار! میری لغزش کو معاف فرما، اور مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو منفرد اور جامع اور ہمہ گیر ہو، جو میرے بعد کسی کے لئے لائق نہ ہو، تو بہت ہی بخشش کرنے والا ہے، اس عظیم الشان بادشاہت کی طلب سے مقصد ذاتی مفادات واغراض کی تکمیل نہیں تھی، بلکہ خلق خدا کی خدمت اور آنے والے بادشاہوں کے لئے عدل وانصاف کا نمونہ قائم کرنا مقصود تھا۔مؤرخین نے لکھا ہے کہ اتنی بڑی بے مثال سلطنت کے مالک بیت المال سے کوئی وظیفہ نہیں لیتے، بلکہ ذاتی اخراجات کے لئے مزدوری کرتے، ٹوکریاں بناتے اور ان کو فروخت کر کے اخراجات پورے کرتے، جیسے حضرت داؤد علیہ السلام زرہ بنا کر فروخت کرتے تھے، اور اپنے اخراجات پورے کرتے تھے۔ابنیاء کرام علیہم السلام کی شان یہی ہوتی ہے کہ ان کا ہر کام اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہوتا ہے، بغیر کسی کمی کے۔

﴿فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ﴾ پس ہم نے سلیمان علیہ السلام کے لئے گھوڑوں کے بدلے ہوا کو مسخر کردیا، جو آپ کے حکم سے نرم نرم چلتی تھی، اور جہاں کہیں آپ جانا چاہتے وہاں آپ کو پہنچاتی تھی، یہ آپ کے گھوڑوں کا نعم البدل ہوا کی صورت میں آپ کو عطا ہوا، اور آپ کے بہت بڑے تخت کو ہوا اپنے کندھوں پر اٹھا کر سفر طے کرتی، جب آپ کا بستیوں پر سے گزر ہوتا تھا تو لوگ ایسا محسوس کرتے کہ ہمارے اوپر سے پہاڑ گزر رہا ہے، بے اختیار سبحان اللہ پڑھتے۔

﴿وَالشَّيَاطِينَ كُلَّ بَنَّاءٍ وَغَوَّاصٍ﴾ اور ہم نے شیاطین یعنی جنات کو بھی آپ کا تابع بنادیا، اور آپ کے لئے مسخر کردیا، جو عمارتیں بنانے والے ہوتے تھے اور دریاؤں میں غوطہ خور بھی ہوتے تھے، جہاں وہ دریا سے بہت قیمتی چیزیں نکال لاتے تھے۔ ﴿وَآخَرِينَ مُقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ﴾ جنات میں سے بعض ایسے بھی تھے جو بیڑیوں میں جکڑے ہوتے تھے، یعنی شرارت کرنے والے جنات کو بیڑیوں میں جکڑ کر قید میں رکھتے تھے، مجال نہیں کوئی آپ کے حکم کے خلاف کوئی غلط حرکت کرے، یہ تھی تسخیر خداوندی کا نمونہ اور حقیقت نفس الامری، اسی کو فرمایا:

﴿هَٰذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ أَوْ أَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ یہ سب کچھ ہماری طرف سے تمہیں عطا ہوا ہے، اب آپ کو اختیار ہے کہ جس پر چاہیں تقسیم کر کے احسان کرلیں، یا جس سے چاہیں روک لیں اور کچھ نہ دیں، اس سلسلے میں آپ کا عمل بغیر حساب کے ہوگا، یعنی قیامت میں آپ سے دینے پر یا نہ دینے پر کسی قسم کی حساب و کتاب نہ ہوگا، یہ بہت ہی بڑا انعام ہے، فرمایا: ﴿وَإِنَّ لَهُ عِنْدَنَا لَزُلْفَىٰ وَحُسْنَ مَآبٍ﴾ آپ کے لئے ہمارے ہاں بہت بڑا مرتبہ ہے، آپ دنیا و آخرت دونوں میں فائز المرام، صاحب عزّت و شرف ہیں۔ اور حسنِ مآب سے مراد جنتی ٹھکانہ اور بلند مقام و مرتبہ ہے۔ بعض علماء نے ان باتوں سے مراد عظیم دولت اور عظیم سلطنت جس میں جنگلی جانوروں اور تمام چرند پرند پر اقتدار و حکمرانی مراد لیا ہے۔ اور منطق الطیر کے ساتھ تسخیر خلائق بھی مراد ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسی سلطنت کسی کو نہیں دی، اور ایسا مرتبہ و مقام کسی کو عطا نہیں ہوا۔ واللہ اعلم

وَاذْكُرْ عَبْدَنَا أَيُّوبَ ۘ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الشَّيْطَانُ بِنُصْبٍ وَعَذَابٍ ﴿٤١﴾ ارْكُضْ بِرِجْلِكَ ۖ هَٰذَا مُغْتَسَلٌ بَارِدٌ وَشَرَابٌ ﴿٤٢﴾ وَوَهَبْنَا لَهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُمْ مَعَهُمْ رَحْمَةً مِنَّا وَذِكْرَىٰ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿٤٣﴾ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِهِ وَلَا تَحْنَثْ ۗ إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا ۚ نِعْمَ الْعَبْدُ ۖ إِنَّهُ أَوَّابٌ ﴿٤٤﴾

ترجمہ: اور ہمارے بندے ایوب کو یاد کیجئے، جبکہ انہوں نے اپنے ربّ کو پکارا کہ بیشک مجھے شیطان نے دکھ اور آزار پہنچایا ہے ﴿۴۱﴾ اپنا پاؤں مارو، یہ غسل کرنے کا ٹھنڈا پانی ہے اور پینے کا ﴿۴۲﴾ اور ہم نے ان کو ان کا کنبہ اور ان کے ساتھ ان کے برابر عطا کئے، ہماری رحمت خاصہ کے سبب سے، اور عقل والوں کی یادگار کے لئے ﴿۴۳﴾ اور تم اپنے ہاتھ میں ایک مٹھا سینکوں کا لے لو، پھر اسے مار دو، اور قسم نہ توڑو، بلا شبہ ہم نے ان کو صابر پایا، اچھے بندہ تھے وہ، بیشک وہ بہت رجوع کرنے والے تھے ﴿۴۴﴾

معارف ومنازل

قرآن کریم میں اتنا تو بتایا گیا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کو ایک شدید قسم کا مرض لاحق ہو گیا تھا، لیکن اس مرض کی نوعیت نہیں بتائی گئی، احادیث میں بھی اس کی کوئی تفصیل سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول نہیں ہے، البتہ بعض آثار سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے جسم کے ہر حصے پر پھوڑے نکل آئے تھے، چنانچہ لوگ آپ علیہ السلام سے دوری اختیار کر کے آپ کے مرض سے اپنے لئے خطرہ محسوس کرنے لگے، چونکہ وہ زمانہ اسی قسم کا تھا کہ علاج ومعالجہ سے لوگ واقف نہ تھے۔ دراصل آپ کا مرض قدرت کا ایک سخت امتحان تھا، اور اتنی نوعیت کا بھی نہ تھا کہ لاعلاج ہو یا عصمت نبوت کے خلاف ہو، اسی وجہ سے محققین علماء مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آثار کسی طرح قابل اعتماد نہیں، یہ سب اسرئیلیات اور جھوٹے ہیں، لہٰذا مرض کی نوعیت کے بارے میں کوئی یقینی اور مستفید روایت نہیں، البتہ قران مجید کی تصریحات کے ضمن میں جو باتیں معلوم ہوتی ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) حضرت ایوب علیہ السلام شدید مرض میں مبتلا کئے گئے۔ (۲) شیطان نے انہیں تکلیف پہنچائی، اور پریشان کر دیا۔ (۳) آپ کی یہ تکلیف جانی بھی تھی اور مالی وخاندانی بھی۔ (۴) اس تکلیف میں امتحان کر کے آپ کے اہل وعیال بھی ختم ہوئے۔ (۵) ان مصائب پر آپ نے جو صبر کیا وہ بے مثال اور منفرد ہے۔

﴿وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ﴾ آپ ہمارے بندے ایوب کو یاد کرو۔ آپ کا زمانہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہے آپ بڑے مالدار تھے، اور آپ کے سات بیٹے تھے، آپ پر امتحان آیا سارے مویشی، باغات اور کھیتیاں تباہ ہو گئیں، بیٹے بیٹیاں بھی فوت ہو گئیں، صرف خدمت کے لئے ایک بیوی رہ گئی جو تندرستی تک ساتھ رہی۔ اس سلسلے میں اسرائیلی روایات بہت بکثرت اور عجیب وغریب ہیں مگر سب بے بنیاد اور جھوٹ ہیں، لہٰذا انہیں نقل کرنا مناسب نہیں۔

﴿اِذۡ نَادٰی رَبَّهٗۤ اَنِّیۡ مَسَّنِیَ الشَّیۡطٰنُ بِنُصۡبٍ وَّ عَذَابٍ﴾ جب انہوں نے اپنے ربّ کو پکارا، اورعرض کیا کہ بیشک پہنچائی ہے مجھے شیطان نے تکلیف اور ایذا، یعنی شیطان کی اس حرکت سے مجھے سخت دکھ ہوا ہے، پہلے تو جسمانی تکلیف میں مبتلا تھے، اب شیطان نے شرک پر آمادہ کر کے ذہنی اذیت میں بھی مبتلا کر دیا، وہ اس طرح کہ ایک دن ان کی بیوی محنت ومزدوری کر کے واپس آ رہی تھی کہ راستے میں شیطان نے اسے ایک معالج وحکیم کی صورت میں ملاقات کی، اوراس کے بیمار خاوند کے علاج کی پیش کش کی، اور معاوضہ میں یہ مقرر کیا کہ جب تندرست ہو جائے تو یہ کہہ دینا کہ اس کو حکیم نے شفا دی ہے، جب بیوی نے حضرت ایوب علیہ السلام سے یہ واقعہ بیان کیا تو انہوں نے بیوی کو بہت ڈانٹ پلائی کہ یہ ابلیس ہے جو تجھے شرک میں مبتلا کرنا چاہتا ہے، اورانہوں نے بیوی پر ناراضگی کی بنا پر قسم کھائی کہ اگر میں تندرست ہوا تو تمہیں سو ۱۰۰ چابک ماروں گا، جب وہ تندرست ہو گئے اور بیوی چونکہ بڑی وفادار تھی سو چابک مارنے سے اس کو بہت تکلیف ہوتی، تو اللہ تعالیٰ نے حیلہ بتا دیا کہ گھاسوں کے تنکوں کا ایک مٹھا جس میں سو تیلیاں ہوں ہاتھ میں لے کر اس کو مارو، اس کے ساتھ تمہاری قسم بھی پوری ہو جائے گی، اور وہ بھی تکلیف سے بچ جائے گی۔

اس آیت سے بعض لوگوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ شرعی احکام سے بچنے کے لئے حیلوں سے کام لینا جائز ہے، حالانکہ یہ ہرگز درست نہیں، اس طرح احکام شرعیہ بچوں کا کھیل بن جائیں گے، اور اسلام کے دشمنوں کو مذاق کا موقع مل جائے گا۔ اول تو یہ حیلہ صرف حضرت ایوب علیہ السلام کے ساتھ مخصوص ہے۔ دوم ہر نبی کی شریعت الگ ہے، ہماری شریعت میں اس طرح کے حیلوں کی اجازت نہیں مزید تفصیلات ومسائل اپنے مواقع میں بیان ہوں گے۔

جب ایوب علیہ السلام نے نہایت عجز وانکساری کے ساتھ اپنی اس دوہری اذیت کا ذکر کیا تو اللہ تعالیٰ کے دریائے رحمت میں جوش آ گیا، ایوب علیہ السلام آزمائش میں پورے اتر چکے تھے، اب اللہ تعالیٰ ان کی تمام پریشانیوں اور تکلیفوں کو دور کر کے انہیں اصلی حالت پر واپس لانا چاہتا تھا، چنانچہ اس کو حکم ہوا:

﴿اُرۡكُضۡ بِرِجۡلِكَ ۚ هٰذَا مُغۡتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ﴾ آپ اپنے پاؤں سے زمین پر ٹھوکر مارو، اس پر انہوں نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! اس کا فائدہ کیا ہوگا؟ فرمایا: میری قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کا کرشمہ تو دیکھو! جونہی آپ نے زمین پر پاؤں مارا تو صاف ستھرے ٹھنڈے پانی کا چشمہ ابل پڑا، فرمایا: یہ نہانے کے لئے اور پینے کے لئے ٹھنڈے پانی کا چشمہ ہے، چنانچہ آپ نے اس پانی سے پیا اور غسل بھی کیا، فوراً بیماری کے اثرات ایسے

ختم ہو گئے کہ بدن مبارک چاندی کی طرح صاف ہو گیا، اور پینے کے ساتھ اندرونی بیماریاں بھی ختم ہو گئیں، اور آپ جوانوں کی طرح تندرست ہو گئے۔

آب زمزم بھی اسی پاؤں مارنے کے صلہ میں دستیاب ہوا، جس کی برکت سب کے ہاں مسلم ہے۔ بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف ایوب علیہ السلام کو تندرستی واپس لوٹا دی بلکہ آسمان سے سونے کی ٹڈیاں بھی برسائیں، ایوب علیہ السلام نے ٹڈیوں کو کپڑے میں جمع کرنا شروع کیا، اوپر سے آواز آئی: ایوب! کیا تم قناعت نہیں کرتے؟ عرض کیا: میں تیری رحمت کا ہر وقت محتاج ہوں۔

﴿وَوَهَبۡنَا لَهٗۤ اَهۡلَهٗ﴾ اور ہم نے بخش دیئے ان کو ان کے اہل، آپ کے سات بیٹے جو امتحان کے شروع میں مکان کی چھت گرنے سے ہلاک ہو گئے تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کر لیا، جبکہ: ﴿وَمِثۡلَهُمۡ مَّعَهُمۡ﴾ کے مصداق اللہ تعالیٰ نے انہیں ڈبل کر دیا، یعنی پہلے سات بیٹے تھے اب چودہ ہو گئے، تو آیت شریفہ کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان کو ان کے اہل بھی بحال کر دیئے، اور ان جیسے مزید بھی عطا کئے۔

﴿رَحۡمَةً مِّنَّا﴾ یہ ہماری خاص رحمت ہے۔ ﴿وَذِكۡرٰى لِاُولِى الۡاَلۡبَابِ﴾ قیامت تک آنے والے عقلمندوں کے لئے نصیحت بھی ہے اور عبرت بھی۔ اس عرصہ میں انہوں نے صبر و استقامت اور توبہ و رجوع الی اللہ تعالیٰ کا جو سلسلہ جاری رکھا وہ ایک تاریخی حقیقت ہے، جسے انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ شاید کوئی دوسرا شخص جاری نہیں رکھ سکتا۔ ﴿وَخُذۡ بِيَدِكَ ضِغۡثًا فَاضۡرِبْ بِّهٖ﴾ اپنے ہاتھ سے تنکوں کا ایک گھٹا لیں جس میں سوتیلیاں ہوں، جیسے سوتنکوں کا جاڑو، اور ایک دفعہ بیوی کو مار دیں۔

﴿وَلَا تَحۡنَثۡ﴾ اور قسم میں جھوٹے نہ ہوں، جس سے دونوں کام پورے ہوں، فرمایا: ﴿اِنَّا وَجَدۡنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعۡمَ الۡعَبۡدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ﴾ ہم نے ایوب علیہ السلام کو صبر کرنے والا پایا، انہوں نے طویل عرصہ تک تکلیف اٹھائی مگر آدھا حرف شکایت زبان پر نہ لائے، وہ بہت ہی خوب بندہ تھے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے بندہ تھے۔

فتح الباری ج ۶ میں بحوالہ احمد و ابن حبان حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کو عافیت دیدی تو ان پر سونے کی ٹڈیاں برسا دیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹڈیوں کا برسنا مرض سے شفا ہونے کے بعد کی بات ہے۔ فتح الباری میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب ایوب علیہ السلام دکھ اور تکلیف میں مبتلا ہوئے تو ہر شخص

نے انہیں چھوڑ دیا، البتہ ان کے دوستوں میں سے دو شخص ان کے پاس صبح وشام آنا جانا رکھتے تھے: ایک دن ان دونوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا کہ ایوب (علیہ السلام) نے ضرور کوئی بڑا گناہ کیا ہے ایسی بات نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ ضرور ان کی اس مصیبت کو دور فرما دیتا، جس شخص سے یہ بات کہی تھی اس نے ایوب علیہ السلام سے اس کا تذکرہ کیا، اس پر وہ رنجیدہ ہو گئے، اور اللہ تعالیٰ سے اسی وقت دعا کی، پھر قضائے حاجت کے لئے باہر چلے گئے، اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ اپنا پاؤں زمین پر مارو، انہوں نے زمین پر پاؤں مارا، تو ایک چشمہ جاری ہو گیا، جس میں انہوں نے غسل کیا، اور بالکل صحیح اور تندرست ہو گئے۔

پھر جب ان کی بیوی آئی تو انہیں نہ پہچان سکی، اور خود انہی سے دریافت کیا کہ یہاں جو مریض تھا وہ کہاں گیا؟ ایسا تو نہیں کہ اسے بھیڑیا کھا گیا ہو؟ ایوب علیہ السلام نے فرمایا: وہ میں ہی ہوں، اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی تندرستی دی، اور ان کی بیوی پر بھی جوانی لوٹا دی، یہاں تک کہ اس کے بعد اس سے چھبیس ۲۶ لڑکے پیدا ہوئے۔

فتح الباری میں یہ بھی لکھا ہے کہ ایوب علیہ السلام کے دو کھلیاں تھے جن میں کھیتی کاٹنے کے بعد غلہ جمع کیا جاتا ہے، ایک کھلیاں گیہوں کا اور دوسرا کھلیاں جو کا تھا، اللہ تعالیٰ نے ایک بادل بھیجا جس نے گیہوں والے کھلیاں میں اتنا سونا برسایا کہ بہنے لگا، اور جو کے کھلیاں میں اتنی چاندی برسائی کہ بہہ پڑی۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایوب علیہ السلام نے اپنی سخت بیماری میں دعا کیوں نہیں کی؟

بات یہ ہے کہ کبھی بیماری کے لئے جو مدت مقرر ہوتی ہے وہ قضاء مبرم کے ساتھ ہوتی ہے، اور قضاء مبرم میں دعا، استغفار، صدقہ وغیرہ سے بیماری ختم نہیں ہوتی، جب تک وہ مدت پوری نہ ہو۔ دوم یہ کہ وہ اپنے مرض کو عام بیماری نہیں سمجھتے تھے، وہ جانتے تھے کہ یہ ابتلاء وآزمائش ہے، اس کے لئے وقت مقرر ہے۔ تیسرے یہ کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب انہیں یہ تکلیف پہنچی تھی تو اللہ تعالیٰ نے دعا کرنا انہیں بھلا دیا تھا، گو وہ بکثرت ذکر الٰہی میں مشغول رہتے تھے، لیکن دعا نہ کرتے تھے، اور اس دکھ کو رضاء الٰہی جانتے ہوئے اس میں راضی اور خوش رہتے، دعا کبھی نہ کرتے۔ [روح المعاني]

وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ ﴿۴۵﴾ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿۴۶﴾ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ﴿۴۷﴾ وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا

الْكِفْلِ ۖ وَكُلٌّ مِّنَ الْأَخْيَارِ ۝۴۸ هٰذَا ذِكْرٌ ۚ وَإِنَّ لِلْمُتَّقِينَ لَحُسْنَ مَآبٍ ۝۴۹ جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً
لَّهُمُ الْأَبْوَابُ ۝۵۰ مُتَّكِئِينَ فِيهَا يَدْعُونَ فِيهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ وَّشَرَابٍ ۝۵۱ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ
الطَّرْفِ أَتْرَابٌ ۝۵۲ هٰذَا مَا تُوعَدُونَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ۝۵۳ إِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهُ مِنْ نَّفَادٍ ۝۵۴

ترجمہ: اور یاد کیجئے ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب کو جو ہاتھوں والے اور آنکھوں والے تھے ۝۴۵ بیشک ہم نے انہیں ایک خاص بات کے ساتھ مخصوص کیا تھا جو آخرت کی یاد ہے ۝۴۶ اور بلاشبہ یہ بندے ہمارے نزدیک انتخاب کردہ اچھے لوگوں میں سے ہیں ۝۴۷ اور یاد کیجئے اسمٰعیل کو اور الیسع کو اور ذوالکفل کو، اور یہ سب اچھے لوگوں میں سے تھے ۝۴۸ یہ ایک نصیحت ہے، اور بلاشبہ پرہیزگاروں کے لئے اچھا ٹھکانہ ہے ۝۴۹ ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں، ان کے لئے دروازے کھلے ہوں گے ۝۵۰ وہ ان میں تکیہ لگائے ہوں گے، وہ وہاں بہت سے میوے اور پینے کی چیزیں طلب کریں گے ۝۵۱ اور ان کے پاس نیچی نگاہ والی ہم عمر بیویاں ہوں گی ۝۵۲ یہ وہ ہے جس کا تم سے روز حساب آنے پر وعدہ کیا جاتا تھا ۝۵۳ بلاشبہ یہ ہمارا رزق ہے جس کو ختم ہونا ہی نہیں ۝۵۴

معارف ومنازل

جیسے حضرت ایوب علیہ السلام اعلیٰ درجے کے صابرین میں ہوئے، اسی طرح دوسرے ارباب ہمت اور صبر و استقامت والے انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ ہوا، پھر انبیاء صابرین کے بعد متقین صابرین کا، اور ان سب کے لئے جنتوں اور دیگر نعمتوں کا تذکرہ ہوگا۔ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا تذکرہ صرف اجمالاً نشاندہی کے لئے ہے، اور تفصیلات اپنے اپنے مواقع میں متوقع ہیں۔

﴿وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ إِبْرٰهِيمَ وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ أُولِي الْأَيْدِي وَالْأَبْصَارِ﴾ یاد کرو ہمارے خاص بندوں ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب کو، جو ہاتھوں اور آنکھوں والے لوگ تھے، یعنی یہ لوگ قوت عملیہ اور قوت علمیہ کے جامع تھے، جن لوگوں میں یہ دونوں صفات علیٰ وجہ الاتم موجود ہوں وہ انسانیت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوں گے۔

ایدی سے ہاتھ اور قوت عملیہ مراد ہے، اور ابصار سے آنکھیں اور قوت علمیہ نظریہ مراد ہے۔

﴿إِنَّآ أَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ﴾ ہم نے ان کو ممتاز کیا ہے اور چنا ہے ایک خاص خصلت کے ساتھ جو کہ دار آخرت کی یاد ہے۔ یہ پیغمبروں کی خصوصی صفت ہے کہ وہ تارک دنیا ہوتے ہیں، ان کا ایک لمحہ بھی ایسا

نہیں ہوتا جو دنیا کی رغبت اور خیال میں صرف ہو، اور ان کی پوری توجہ آخرت کی طرف ہوتی ہے، جہاں لحہ بھر وہ آخرت سے غافل نہیں ہوتے، اور ان کی عملی اور علمی قوت واستعداد آخرت کے ساتھ مخصوص ہوتی ہے۔

﴿وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ﴾ اور وہ ہمارے نزدیک منتخب و چنے ہوئے اچھے لوگوں میں سے ہیں۔ نبوت ایک بہت بڑا اعلیٰ منصب ہے، یہ اللہ تعالیٰ کے انتخاب اور چناؤ ہی کے ذریعہ ثابت ہوتا ہے، یہ کوئی کسبی چیز نہیں کہ زہد وریاضت کی بنیاد پر کسی کو حاصل ہو۔ ﴿وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ؕ وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ﴾ آپ تذکرہ کریں اسماعیل اور الیسع اور ذوالکفل کا، یہ سب خوبیوں والے برگزیدہ انبیاء علیہم السلام تھے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر بار بار ہو چکا ہے، سورۃ البقرہ اور سورۂ طٰہٰ میں تفصیل کے ساتھ۔ حضرت الیاس علیہ السلام کا تذکرہ سورۂ صافات میں ہو چکا۔ حضرت الیسع علیہ السلام ان کے جانشین ہیں، اور بنی اسرائیلی انبیاء میں شمار ہیں، بے شمار تکلیفیں اٹھائی ہیں۔

اور حضرت ذوالکفل علیہ السلام حضرت ایوب علیہ السلام کے بیٹے ہیں، اور انبیاء بنی اسرائیل میں سے ہیں۔ آپ کا لقب ذوالکفل اس لئے ہے کہ آپ کے دور کے جبار بنی اسرائیلی بادشاہ حق گوئی کی وجہ سے انبیاء کو شہید کرتے تھے، مگر آپ نے ایک سو ۱۰۰ انبیاء کو پناہ دی، اور ان کی کفالت کی، اس لئے ذوالکفل کہلائے۔ علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام۔

﴿هٰذَا ذِكْرٌ﴾ یہ قرآن پاک نصیحت اور تذکرہ ہے، اور پورے جہاں کے لئے باعث شرف وبقاء ہے۔

﴿وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ﴾ بیشک متقین کے لئے بہت بہتر ٹھکانہ ہے، ہمیشہ ابدی بسنے کے اچھے اچھے مکانات ہیں جو ظاہری اور باطنی نعمتوں سے آراستہ ہیں۔ ﴿جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ﴾ ہمیشہ رہنے کے باغات ہیں، تمام سہولتوں سے آراستہ ہیں، جنہیں دیکھنے کے ساتھ اہل بہشت کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی، اور دنیا کی لاکھوں ہزاروں پریشانیاں بھول جائیں گی، اور دلوں سے محو ہو جائیں گی، ان باغات مکانات محلات کے دروازے متقیوں کے لئے کھلے ہوں گے جہاں نہ رکاوٹ نہ تھکاوٹ نہ جھنجٹ۔

﴿مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّشَرَابٍ﴾ متقی لوگ ان باغات میں تکیہ لگا کر بیٹھیں گے، اور ہر قسم کے بہت سے پھل اور طرح طرح کے مشروبات طلب کریں گے، جو جنتی غلمان فوراً انہیں پیش کریں گے۔ سورۂ طور میں فرمایا: ﴿وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ﴾ بہر حال! جنتی نعمتوں کی بڑی کثرت ہوگی، اور وہ اعلیٰ درجے کی نعمتوں میں ابدی خوشحال ہوں گے۔

﴿وَعِنۡدَهُمۡ قٰصِرٰتُ الطَّرۡفِ اَتۡرَابٌ﴾ اوران کے پاس عورتیں ہوں گی جونگاہوں کو نیچی رکھنے والی، ہم عمر ہوں گی، انسانی زندگی ہزاروں مسرتوں کے باوجود بغیر حسین وجمیل رفیقہ حیات کے بالکل نامکمل ہے، اسی بناء پر قرآن کریم جب بھی جنتوں کا تذکرہ کرتا ہےتو وہاں جنتی حوروں کا، اوران کے حسن وجمال کا ضرور تذکرہ ہوگا۔

﴿هٰذَا مَا تُوۡعَدُوۡنَ لِيَوۡمِ الۡحِسَابِ﴾ یہ وہ چیزیں اور نعمتیں ہیں جن کا حساب کے دن (قیامت) کے لئے تم سے وعدہ کیا گیا تھا، اورلطف یہ کہ یہ ابدی اوردائمی نعمتوں کے لئے نہ کوئی کمی ہے اورنہ ہی انقطاع، فرمایا:

﴿اِنَّ هٰذَا لَرِزۡقُنَا مَا لَهٗ مِنۡ نَّفَادٍ﴾ یہ ہماری طرف سے تمہارارزق ونصیب ہے، جس کے لئے نہ کمی ہے اورنہ ہی انقطاع، ابدُ الآباد تک لطف اندوز رہو، اور یہ کیسا اچھا سودا ہے، تم نے مٹی دے کر جواہرات خریدے، اور چند دن کی معمولی زندگی قربان کر کے ابدی جنت حاصل کی، اگرتم اپنے جیسے نافرمان انسانوں کا حال دیکھوتو پگھل جاؤ، وہ یہ ہے:

هٰذَا ؕ وَاِنَّ لِلطّٰغِيۡنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ﴿۵۵﴾ جَهَنَّمَ ۚ يَصۡلَوۡنَهَا ۚ فَبِئۡسَ الۡمِهَادُ ﴿۵۶﴾ هٰذَا ۙ فَلۡيَذُوۡقُوۡهُ حَمِيۡمٌ
وَّغَسَّاقٌ ﴿۵۷﴾ وَّاٰخَرُ مِنۡ شَكۡلِهٖۤ اَزۡوَاجٌ ﴿۵۸﴾ هٰذَا فَوۡجٌ مُّقۡتَحِمٌ مَّعَكُمۡ ۚ لَا مَرۡحَبًۢا بِهِمۡ ؕ اِنَّهُمۡ صَالُوا
النَّارِ ﴿۵۹﴾ قَالُوۡا بَلۡ اَنۡتُمۡ لَا مَرۡحَبًۢا بِكُمۡ ؕ اَنۡتُمۡ قَدَّمۡتُمُوۡهُ لَنَا ۚ فَبِئۡسَ الۡقَرَارُ ﴿۶۰﴾ قَالُوۡا رَبَّنَا
مَنۡ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدۡهُ عَذَابًا ضِعۡفًا فِى النَّارِ ﴿۶۱﴾ وَقَالُوۡا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمۡ مِّنَ
الۡاَشۡرَارِ ﴿۶۲﴾ اَتَّخَذۡنٰهُمۡ سِخۡرِيًّا اَمۡ زَاغَتۡ عَنۡهُمُ الۡاَبۡصَارُ ﴿۶۳﴾ اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهۡلِ النَّارِ ﴿۶۴﴾

ترجمہ: اس بات کو سمجھ لو اور بلاشبہ سرکشوں کے لئے براٹھکانہ ہے ﴿۵۵﴾ جہنم ہے جس میں وہ داخل ہوں گے، سووہ برا بچھونا ہے ﴿۵۶﴾ یہ عذاب ہے سوتم اس کو چکھ لو، حمیم ہے اور غساق ہے ﴿۵۷﴾ اوراس کے سوااسی طرح کے انواع عذاب ہیں ﴿۵۸﴾ یہ جماعت ہے جوتمہارے ساتھ داخل ہورہی ہے جن کے لئے کوئی مرحبا (خیر مقدم) نہیں ہے، بیشک یہ لوگ دوزخ میں داخل ہونے والے ہیں ﴿۵۹﴾ وہ کہیں گے: بلکہ تم ایسے ہوکہ تمہارے لئے مرحبانہیں ہے، تم نے اس کو ہمارے لئے آگے بڑھایا ہے، سو یہ بری جگہ ہے ٹھہرنے کی ﴿۶۰﴾ وہ کہیں گے کہ اے ہمارے ربّ! جس نے اس کو ہمارے آگے کیا اسے دوزخ میں دوگنا عذاب بڑھا دیجئے ﴿۶۱﴾ اور وہ کہیں گے: کیا بات ہے، ہم ان لوگوں کو نہیں دیکھتے جنہیں ہم اشرار یعنی برے لوگوں میں شمار کرتے تھے ﴿۶۲﴾ کیا ہم نے ان کا مذاق بنا رکھا تھا؟ یا ان کے دیکھنے سے آنکھیں چکرا رہی ہیں؟ ﴿۶۳﴾ بلاشبہ یہ حق ہے، دوزخ والوں کا جھگڑنا ﴿۶۴﴾

معارف ومنازل

پہلے اہل سعادت اور ان کی جنتی مسرتوں اور راحتوں کا بیان ہوا، ان کے ساتھ اہل شقاوت دوزخیوں کی ہلاکت اور ان کی تباہیوں کا بیان ہورہا ہے۔ ھٰذا یعنی یہ بات جو اوپر بیان ہو چکی اس کو محفوظ اور یاد رکھو، اب اہل شقاوت کا حال معلوم کرو، اور وہ یہ ہے کہ سرکشوں کا برا ٹھکانہ ہوگا، اور برا بچھونا ہوگا، اور پانی ان کا حمیم وغساق ہوگا، اور مختلف قسم کے عذاب مثلاً زقوم، ضریع، غسلین اور صعود اور مقامع من حدید ہوں گے۔

غساق کے بارے میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقات شرح مشکوٰۃ میں چار قول نقل کئے ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) وہ دوزخیوں کی پیپ اور ان کا دھواں مراد ہے۔ (۲) دوزخیوں کے آنسو مراد ہیں۔ (۳) زمہریر یعنی دوزخ کا ٹھنڈک والا عذاب مراد ہے۔ (۴) غساق سڑی ہوئی اور ٹھنڈی پیپ ہے جو ٹھنڈک کی وجہ سے پی نہ جا سکے گی، مگر بھوک کی وجہ سے مجبوراً اپنی پڑے گی، بہر حال نہایت گندہ اور بدبودار ہے۔ اللہ بچائے۔ آمین

اس کے بعد دوزخیوں کا ایک باہمی مکالمہ نقل فرمایا، ارشاد ہے: ﴿هٰذَا ۭ وَاِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ﴾ یہ بات تو ہوگئی کہ سعادت والے جنتی مسرتوں میں رہیں گے، اور سرکشوں ونافرمانوں کے لئے تو بدترین ٹھکانا ہوگا جو جہنم ہے۔ ﴿جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمِهَادُ﴾ وہ بدترین ٹھکانا جہنم ہے جس میں داخل ہوں گے، سو آرام کرنے کے اعتبار سے یہ بہت ہی بری جگہ ہوگی، جس میں لمحہ بھر کوئی سکون نہ ہوگا۔

﴿هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ﴾ اب چاہئے کہ یہ سرکش مجرمین اس عذاب کو چکھ لیں جو کھولتا ہوا گرم پانی ہے، اور پیپ ہے، بدبودار جن کے پینے سے پیٹ کی آنتیں کٹ کر نیچے گر پڑیں گی۔ ﴿وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖٓ اَزْوَاجٌ﴾ اور سزا کے طور پر اس شکل کی دیگر کئی چیزیں ہوں گی۔ ازواج سے مراد ہے اقسام یعنی صرف حمیم وغساق کا عذاب نہ ہوگا، بلکہ اس قسم کے دیگر کئی اقسام کے طرح طرح کے عذاب ہوں گے۔

اب آگے جہنم میں تابعین ومتبوعین کا مکالمہ ہوگا جو ایک دوسرے پر برس پڑیں گے۔ یہ مضمون مختلف سورتوں میں متعدد مقامات پر گزر چکا ہے، فرمایا:

﴿هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ﴾ یہ ایک فوج اور گروہ ہے جو تمہارے ساتھ گھستی دھنستی چلی آرہی ہے؛ متبوعین پہلے سے جہنم کے کنارے جمع کئے جا چکے ہیں، اب فرشتے جب تابعین کو لا کر ان کے ساتھ جہنم کے کنارہ جمع کریں گے تو دونوں فریق ایک دوسرے پر لعنت کرنے کے ساتھ طعن وتشنیع شروع کریں گے۔ فوج سے مراد یہی

دونوں گروہ ہیں، پھران پر فرشتے آواز لگا کر کہیں گے:

﴿لَا مَرْحَبًا بِهِمْ﴾ ان کے لئے کوئی خیر مقدم نہیں، کیونکہ: ﴿اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ﴾ یہ دوزخ میں داخل ہونے والے ہیں۔ یہ قول فرشتوں کا بھی ہے اور متبوعین کا بھی ہے جو اپنے تابعین سے کہیں گے۔ ﴿قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ ۔ لَا مَرْحَبًا بِكُمْ﴾ تابعین اپنے متبوعین سے کہیں گے: بلکہ تمہیں خوش آمدید نصیب نہ ہو۔

﴿اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا﴾ تم ہی بدنصیب ہو جس نے ہمارے لئے اس چیز کو آگے بھیجا ہے تم ہی نے تو ہمیں گمراہ کر کے جہنم کا راستہ دکھایا، اگر تم نہ ہوتے تو ہم جہنمی نہ ہوتے، فرمایا: ﴿فَبِئْسَ الْقَرَارُ﴾ یہ جہنم بہت بری جگہ ہے، اور ٹھہرنے کا برا مقام ہے۔ اب تابعین اللہ تعالیٰ کے حضور یہ عرض کریں گے:

﴿قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ﴾ اے ہمارے پروردگار! جس نے یہ مصیبت ہمارے لئے آگے بھیجی ہے ایسے شخص کو دوگنی سزا دے، جنہوں نے ہمارا بیڑا غرق کر کے ہمیں گمراہ کیا۔ سورۂ احزاب میں فرمایا: ﴿وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَ كُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ۝٦٧ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ۝٦٨﴾ [الأحزاب] (اور وہ کہیں گے کہ: اے ہمارے پروردگار! حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کا کہنا مانا، اور انہوں نے ہمیں راستے سے بھٹکا دیا۔ اے ہمارے پروردگار! ان کو دوگنا عذاب دے، اور ان پر ایسی لعنت کر جو بڑی بھاری لعنت ہو)۔

آئندہ آیت میں دوزخیوں کی ایک اور حیرانگی کا ذکر ہے:

﴿وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ﴾ اور کہیں گے یعنی اہل مکہ خاص کر کہ ہم یہاں ان مردوں کو جیسے بلال اور صہیب اور خباب وغیرہ رضی اللہ عنہم کو جہنم میں نہیں دیکھ رہے ہیں، جنہیں ہم شریر خیال کرتے تھے، اور انہیں دوزخی بھی کہتے تھے، آج وہ یہاں دوزخ میں نظر نہیں آرہے ہیں۔

﴿اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا﴾ دنیا میں ہم ان کا ٹھٹا اور مذاق کیا کرتے تھے، پھر خود ہی کہیں گے: کیا وہ لوگ یہاں آئے ہی نہیں؟ ﴿اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ﴾ یا ہماری آنکھیں چوک رہی ہیں، اور خیرہ ہو رہی ہیں، ان کو تلاش کرنے سے عاجز ہیں، کیونکہ کفار کبھی کہتے تھے: اول تو قیامت نہیں آئے گی، بالفرض اگر قیامت آ بھی گئی تو ہم جنت میں ہوں گے، اور یہ فقراء مؤمنین دوزخ میں ہوں گے، آج انہیں پتہ چلا کہ وہ جنت میں داخل ہو گئے، اور ہم دوزخ میں رسوا ہو گئے۔

﴿اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ﴾ بیشک یہ بات برحق ہے یعنی دوزخیوں کا آپس میں جھگڑنا کہ ایک دوسرے پر لعنت و ملامت کریں گے، اور دوسروں کے بارے میں کہیں گے کہ وہ کہاں ہیں؟

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿٦٥﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ﴿٦٦﴾ قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ﴿٦٧﴾ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ﴿٦٨﴾ مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ ۢ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰٓى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿٦٩﴾ اِنْ يُّوْحٰٓى اِلَيَّ اِلَّآ اَنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٧٠﴾

ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ میں تو صرف ڈرانے والا ہوں، اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں جو واحد ہے، قہار ہے ﴿٦٥﴾ وہ آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے اندر ہے ان سب کا رب ہے، عزیز ہے، غفار ہے ﴿٦٦﴾ آپ فرما دیجئے کہ یہ بڑی خبر ہے ﴿٦٧﴾ تم اس سے اعراض کئے ہوئے ہو ﴿٦٨﴾ مجھے ملاءِ اعلیٰ کا کچھ علم نہیں ہے، جبکہ وہ آپس میں گفتگو کرتے ہیں ﴿٦٩﴾ میری طرف تو صرف یہ وحی بھیجی گئی ہے کہ میں واضح طور پر ڈرانے والا ہوں ﴿٧٠﴾

معارف ومنازل

ابتداءِ سورت سے اصولِ اربعہ کا بیان ہوا، اس چیز کو تقویت دینے اور محکم کرنے کی خاطر انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ ہوتا رہا، پھر جنت ودوزخ اور مؤمنین وکافرین کا بیان ہوا، اب پھر اصولِ اربعہ یعنی توحید، رسالت، صداقتِ قرآن اور قیامت کا تذکرہ فرما رہے ہیں۔

﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ آپ مشرکین سے فرما دیجئے کہ میں تو عذابِ خداوندی سے تم کو ڈرانے والا ہوں، اور یہ سن لو: نہیں ہے کوئی معبود (عبادت کے لائق) سوائے اللہ تعالیٰ کے جو واحد و یکتا ہے اور قہر کرنے والا غالب ہے۔ ﴿رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ﴾ جو رب ہے آسمانوں کا اور زمین کا، اور ان تمام چیزوں کا جو ان کے درمیان ہیں جو زبردست ہے اور بہت بخشنے والا ہے۔

﴿قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ﴿٦٧﴾ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ﴿٦٨﴾﴾ آپ فرمائیے: یہ بہت بڑی عظیم الشان بلند پایہ کا مضمون ہے، لیکن افسوس ہے کہ تم بجائے ایمان لانے اور تصدیق کرنے کے اعراض کئے ہوئے ہو۔ **ھُو** کی ضمیر کے متعلق علامہ زمخشریؒ فرماتے ہیں کہ یہ ضمیر چاروں باتوں کی طرف راجع ہے جو سب کے سب عظیم ہیں، یعنی توحید،

رسالت، قرآن اور قیامت، یہ سب بڑی اور عظیم چیزیں ہیں۔فرمایا: تم پر افسوس ہے کہ ان اصول سے بالکل بے فکر اور اعراض کرنے والے ہو۔﴿مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ﴾ مجھے ملاء اعلیٰ کے متعلق کچھ علم نہیں تھا جبکہ وہ تکرار و بحث کررہے تھے۔

"ملاء أعلىٰ" اوپر کی مجلس، ملائکہ مقربین وغیرہم کی مجلس ہے جن کے توسط سے تدابیر الٰہیہ اور تصریفاتِ کونیہ ظہور پذیر ہوتی ہیں، یعنی ملاء اعلیٰ میں نظام عالم کے فناء و بقاء کے متعلق جو تدبیریں یا بحثیں اور قیل وقال ہوتی ہے، سرور عالم ﷺ نے فرمایا: مجھے اس کی کیا خبر تھی جو تم سے بیان کرتا، اللہ تعالیٰ نے جن اجزاء پر مطلع فرمادیا وہ بیان کردیئے، جو کچھ کہتا ہوں اسی کی وحی اور اعلام سے کہتا ہوں، مجھ کو یہ ہی حکم ملا ہے کہ سب کو اس آنے والے خوفناک مستقبل سے خوب کھول کھول کر آگاہ کردوں۔

رہا یہ کہ وہ وقت کب آئے گا، اور قیامت کب قائم ہوگی؟ نہ انذار کے لئے اس کی ضرورت ہے، نہ اس کی اطلاع کسی کو دی گئی ہے۔ایک حدیث میں ہے کہ چند انبیاء کرام علیہم السلام کے ایک اجتماع میں قیامت کا ذکر چلا کہ کب آئے گی؟ سب نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر حوالہ کیا، انہوں نے فرمایا: مجھے علم نہیں، پھر سب نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حوالہ کیا، ان کی طرف سے بھی وہی جواب ملا، آخر سب نے حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف رجوع کیا، فرمایا: "وجه الساعة" (عین قیامت کے وقوع کی گھڑی) تو مجھے بھی معلوم نہیں، البتہ حق تعالیٰ نے مجھ سے یہ وعدہ کیا ہے۔

اور ایک حدیث میں ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے قیامت کے آنے کا وقت دریافت کیا، فرمایا: "مَالْمَسْؤُلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ"۔یعنی میں تم سے زیادہ نہیں جانتا، معلوم ہوا کہ ملاء اعلیٰ میں قیامت کے متعلق اس قسم کی کچھ بحث و تکرار چلتی رہتی ہے، اور اس کے علاوہ اور بہت سے مسائل میں جن میں ایک طرح کی تکرار اور قیل وقال ہوتی ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں اللہ تعالیٰ کا آپ ﷺ سے کئی مرتبہ سوال کرنا: "فِيْمَ يَخْتَصِمُ الْمَلَاُ الْاَعْلٰى"، اور آپ ﷺ کا جواب دینا مذکور ہے، مگر وہاں کے مباحثات کا علم بجز وحی الٰہی کے اور کس طرح ہوسکتا ہے؟ یہ ہی ذریعہ ہے جس سے دوزخیوں کے تخاصم پر آپ ﷺ کو اطلاع ہوئی، اسی سے ملاء اعلیٰ کے اختصام کی خبر لگی۔

اور جو تخاصم ابلیس کا حضرت آدم علیہ السلام کے معاملہ میں ہوا جس کا ذکر آگے آنے والا ہے وہ بھی وحی کے ذریعہ سے معلوم ہوا، جو آپ ﷺ کی نبوت کی دلیل ہے۔﴿اِنْ يُّوْحٰى اِلَيَّ اِلَّآ اَنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ میری طرف تو یہی

وحی کی جاتی ہے کہ میں کھول کھول کر تم کو آخرت کے عذاب سے اور شرک و کفر کے برے انجام سے صاف صاف ڈرانے والا ہوں، میں نے نہ تو کتابیں پڑھیں اور نہ کسی انسان سے کچھ سیکھا، اور نہ شعراء و بلغاء و ادباء کی مجلسوں میں رہا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ جو علوم و معارف مجھے سکھائے میں بغیر کسی کمی بیشی کے تمہارے سامنے بیان کرتا ہوں، یہی میری نبوت کی حقانیت کی دلیل ہے۔ مشرکوں کے عقیدے کے برخلاف نہ تو میں خدا ہوں، اور نہ حاجت اور مشکل کشا ہوں، میں تو اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، اللہ تعالیٰ کی عنایات کی خوشخبری سنانے والا ہوں، اور اس کے عذاب سے ڈرانے والا ہوں، اور احکام الٰہی کی تبلیغ کرنے والا ہوں۔

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ ﴿٧١﴾ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ
سٰجِدِيْنَ ﴿٧٢﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿٧٣﴾ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٧٤﴾ قَالَ
يٰٓاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ؕ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ ﴿٧٥﴾ قَالَ اَنَا
خَيْرٌ مِّنْهُ ؕ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿٧٦﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴿٧٧﴾ وَّاِنَّ عَلَيْكَ
لَعْنَتِيْٓ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿٧٨﴾ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿٧٩﴾ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿٨٠﴾ اِلٰى
يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿٨١﴾ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٨٢﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿٨٣﴾
قَالَ فَالْحَقُّ ز وَالْحَقَّ اَقُوْلُ ﴿٨٤﴾ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٨٥﴾

ترجمہ: جبکہ آپ کے ربّ نے فرشتوں سے فرمایا کہ بیشک میں کیچڑ سے ایک بشر کو پیدا کرنے والا ہوں ﴿٧١﴾ سو جب میں اسے پوری طرح بنادوں، اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو اس کے لئے سجدہ میں تم گر پڑنا ﴿٧٢﴾ سو سارے فرشتوں نے سجدہ کیا ﴿٧٣﴾ مگر ابلیس نے سجدہ نہ کیا، اس نے تکبر کیا، اور وہ کافروں میں سے تھا ﴿٧٤﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابلیس! تجھے اس بات سے کس چیز نے روکا کہ تو اسے سجدہ کرے جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا کیا؟ تو نے تکبر کیا، یا یہ کہ تو بڑے درجے والوں میں سے ہے؟ ﴿٧٥﴾ ابلیس نے کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں، مجھے آپ نے آگ سے اور اسے کیچڑ سے پیدا کیا ہے ﴿٧٦﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سو تو یہاں سے نکل جا، کیونکہ بلاشبہ تو مردود ہے ﴿٧٧﴾ اور قیامت کے دن تک تجھ پر میری لعنت ہے ﴿٧٨﴾ ابلیس نے کہا: اے میرے ربّ! مجھے اس دن تک مہلت دیجئے جس

دن لوگ اٹھائے جائیں گے ﴿۷۹﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بیشک وقت معلوم کے دن تک ﴿۸۰﴾ تجھے مہلت دی گئی ﴿۸۱﴾ ابلیس نے کہا: سو آپ کی عزت کی قسم میں ضرور ان سب کو گمراہ کروں گا ﴿۸۲﴾ سوائے آپ کے ان بندوں کے جو منتخب ہوں گے ﴿۸۳﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں سچ کہتا ہوں، اور سچ ہی کہا کرتا ہوں ﴿۸۴﴾ میں جہنم کو تجھ سے اور ان سب لوگوں سے ضرور بھر دوں گا جو تیرے پیچھے چلیں گے ﴿۸۵﴾

معارف ومنازل

ان آیات میں تخلیق آدم علیہ السلام اور پھر فرشتوں کو انہیں سجدہ کرنے کا حکم اور ان کے سجدہ کرنے کا پورا واقعہ اور ابلیس کے انکار اور حکم عدولی کا تذکرہ فرمایا ہے۔ یہ مضمون سورۃ البقرہ رکوع ۴، اور سورۂ اعراف رکوع ۲، اور سورۂ حجر رکوع ۳، اور سورۂ اسراء رکوع ۷، اور سورۂ کہف رکوع ۷، اور سورۂ طٰہٰ رکوع ۷ میں گزر چکا ہے، وہاں تفصیل موجود ہے۔

﴿اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ﴾ اس واقعہ کو یاد کرو جب تیرے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں مٹی سے ایک انسان کو پیدا کرنے والا ہوں، لہٰذا تم تیار رہو۔

﴿فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ﴾ پھر جب میں اس کو برابر ٹھیک ٹھاک بناؤں اور اس کی تخلیق کو مکمل کرلوں، اور اس میں اپنی طرف سے روح پھونک دوں، تو تم اس کے سامنے سجدہ ریز ہوجاؤ، چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے جب حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق مکمل ہوئی تو: ﴿فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ﴾ تو سب کے سب فرشتے سجدہ ریز ہوگئے۔ ﴿اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ﴾ سوائے ابلیس کے کہ اس نے سجدہ نہ کیا، اس نے تکبر کیا، اور وہ کفر کرنے والوں میں تھا۔

یہ ابلیس جنات میں سے تھا، مگر وہ فرشتوں کے ساتھ اپنی عبادت کی وجہ سے رہتا تھا۔ حضرت شیخ یحییٰ منیریؒ نے اپنے مکتوبات میں لکھا ہے کہ ابلیس نے مردود ہونے سے پہلے فرشتوں میں شمولیت اختیار کی ہوئی تھی، اور اس نے سات لاکھ سال عبادت کی تھی، جب فرشتوں کو سجدہ کرنے کا امر ہوا تو اس کو بھی یہی امر ہوا، جب وہ منکر ہوا تو ہمیشہ کے لئے راندۂ درگاہ ٹھہرا۔

﴿قَالَ یٰٓاِبْلِیْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ابلیس! تجھے کس چیز نے سجدہ کرنے سے منع کیا؟ اس کے سامنے جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا۔ ﴿اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ

كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ﴾ کیا تو نے تکبر کیا یا تو نے اپنے آپ کو اونچے درجے والا سمجھا

﴿قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ؕ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ﴾ ابلیس نے جواب دیا کہ میں تو اس سے بہتر ہوں اس لیے کہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اس کو مٹی سے (کیچڑ سے)، پس آگ کی مخلوق افضل ہے اور مٹی سے پیدا شدہ مخلوق کمزور ہے، پس میں اس سے اعلیٰ ہوتے ہوئے کیسے اس کا سجدہ کروں؟ یہ تھا ابلیس کا مناظرہ۔

﴿قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ﴾ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ تم یہاں سے نکل جاؤ، دفع ہو جاؤ، تم مردود ہو۔ ﴿وَّاِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْۤ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ تم پر انصاف کے دن تک میری لعنت اور پھٹکار پڑتی رہے گی۔

﴿قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْۤ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ﴾ ابلیس نے کہا کہ اے پروردگار! مجھے مہلت دیدے، اس دن تک جب لوگ دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔ ﴿قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ﴾ اللہ تعالیٰ نے اس کی درخواست منظور کرتے ہوئے فرمایا: بیشک تم مہلت یافتہ لوگوں میں سے ہو۔ ﴿اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ﴾ ایک معلوم وقت کے دن تک یعنی قیامت تک۔ جب اس کی خواہش پوری ہوئی تو دندناتے ہوئے کہا:

﴿قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ﴾ کہنے لگا: تیری عزّت کی قسم، میں ان سب کو گمراہ کروں گا، تمام خیر کے راستوں سے ہٹا کر شر کے راستوں پر ڈالوں گا، ہاں! تیرے مخلص بندے مجھ سے محفوظ رہیں گے۔ اللّٰھم اجعلنا منھم

﴿قَالَ فَالْحَقُّ ؗ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ ۝ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ذرا سنو! کہ تیری بات ٹھیک ہے کہ میرے مخلص بندے تیرے اغواء میں نہیں آئیں گے، یہ ہے حق بات، اور میں بھی حق بات ہی کہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ جو لوگ تیری پیروی کریں گے میں تجھے اور تیرے تمام پیروکاروں کو جہنم میں ڈال کر جہنم کو تم سے بھر دوں گا۔

....

قُلْ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ۝
اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ۝

ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ میں تم سے اس پر کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا، اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں ۝ یہ تو صرف جہاں والوں کے لئے نصیحت ہے ۝ اور کچھ عرصہ کے بعد تم اس کا حال ضرور جان لوگے ۝

معارف ومنازل

آیات بالا سورت کی آخری آیات اور پیغامِ ہدایت ہیں کہ ابلیس کے کہنے پر بھروسہ نہ کرو، اللہ تعالیٰ کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کچھ تمہیں ہدایت دے اس پر عمل کرو، اس کو برحق اور معاوضہ لینے سے اور ہر قسم کے تکلّف و زیادتی سے پاک سمجھو۔ ﴿قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ﴾ آپ فرمادیجئے: اے مشرکین قریش! میں تم سے تبلیغ احکام الٰہی کے عوض نہ کچھ معاوضہ طلب کرتا ہوں، اور نہ میں بناوٹ اور تصنع کرنے والوں میں سے ہوں، بلکہ حقیقت پر چلتے ہوئے تم سے کہتا ہوں کہ:

﴿اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ یہ قرآن تو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اور تمام جہاں والوں کے لئے نصیحت اور پیغامِ ہدایت ہے، اس میں کوئی بھی بناوٹ اور تصنع نہیں، اور جولوگ جانتے ہوئے اس پر ایمان نہیں لاتے تو:

﴿وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ﴾ بیشک اس کے کچھ بعد ضرور تم کو اس کا حال معلوم ہوجائے گا، جب مروگے یا قیامت کے روز اٹھوگے، تو تمہیں اسلام کی حقانیت اور نبی اور اس کی کتاب کی صداقت کا اور تمہیں اپنے دین کے بطلان کا پورا پورا علم ہوجائے گا، مگر یہ چیز تمہارے لئے نفع بخش نہیں ہوگی۔

سُورَةُ الزُّمَر

مکیۃ آیاتہا ۷۵ رکوعاتہا ۸

سورۂ زمر مکی ہے، اس میں پچہتر (۷۵) آیتیں، اور آٹھ (۸) رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نام:

اس سورت کا نام سورۃ الزمر ہے، جو اس سورت کی آیت نمبر ۷۱ میں موجود ہے اسی سے یہ نام ماخوذ ہے۔
ترتیب تلاوت میں یہ ۳۹ ویں سورت ہے، اور ترتیب نزول میں ۵۹ ویں نمبر پر ہے۔

نزول:

ائمہ تفسیر کا اتفاق ہے کہ یہ سورت مکی ہے، سوائے تین آیات کے جو مدنی ہیں، اور اس کا نزول سورۂ صٓ کے بعد ہے۔

تعداد حروف وکلمات:

اس سورت میں ۸ رکوع، اور ۷۵ آیات ہیں، اور یہ ۱۱۷۴ کلمات، اور ۴۹۶۵ حروف پر مشتمل ہے۔

ربط ومناسبت:

(۱)- گزشتہ سورت کے آخر میں صداقتِ قرآن کا ذکر تھا، اور اس سورت کی ابتداء میں اس کا ذکر ہے۔

(۲)- دونوں سورتوں میں اصول اربعہ اور تذکیرات ثلاثہ کا یکساں بیان ہے۔

(۳)- دونوں سورتوں میں ایمان اور کفر کے انجام کا بدستور بیان ہے۔

مختصر موضوع:

ترغیب وترہیب کا بیان، حقانیت رسالت وصداقت قرآن، اور بعث بعد الموت، مشرکین کے سوالات کے جوابات، مجازات اعمال، ملائکہ کے مشاغل کا بیان، تذکیراتِ ثلاثہ، جنتیوں اور دوزخیوں کا بیان، نیز اعمالِ صالحہ کے فیوض وبرکات اور گناہوں کے برے نتائج کا بیان، اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت اور مغفرت کا بیان، اور اللہ تعالیٰ شانہ کی رحمتوں سے ناامیدی کی مذمت، وغیرہ۔

فضیلت سورت:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات سورۂ بنی اسرائیل اور سورۃ الزمر کو تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ [ابن کثیر]

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

تَنۡزِيۡلُ الۡكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَكِيۡمِ ① اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ فَاعۡبُدِ اللّٰهَ مُخۡلِصًا لَّهُ
الدِّيۡنَ ؕ ② اَلَا لِلّٰهِ الدِّيۡنُ الۡخَالِصُ ؕ وَالَّذِيۡنَ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اَوۡلِيَآءَ ۘ مَا نَعۡبُدُهُمۡ اِلَّا لِيُقَرِّبُوۡنَاۤ
اِلَى اللّٰهِ زُلۡفٰى ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَحۡكُمُ بَيۡنَهُمۡ فِىۡ مَا هُمۡ فِيۡهِ يَخۡتَلِفُوۡنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِىۡ مَنۡ هُوَ كٰذِبٌ
كَفَّارٌ ③ لَوۡ اَرَادَ اللّٰهُ اَنۡ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصۡطَفٰى مِمَّا يَخۡلُقُ مَا يَشَآءُ ۙ سُبۡحٰنَهٗ ؕ هُوَ اللّٰهُ الۡوَاحِدُ الۡقَهَّارُ ④

ترجمہ: یہ نازل کی ہوئی کتاب ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو غلبہ والا حکمت والا ہے① بلاشبہ ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ کتاب نازل کی، سو آپ اللہ تعالیٰ کی عبادت کیجئے اس طرح سے کہ اسی کے لئے دین خالص ہو ② خبردار! اللہ تعالیٰ ہی کے لئے دین خالص ہے، اور جن لوگوں نے اس کے علاوہ شرکاء بنالئے وہ کہتے ہیں کہ ہم ان کی عبادت صرف اسی لئے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا زیادہ مقرب بنادیں، جن باتوں میں یہ لوگ اختلاف کرتے ہیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کے درمیان فیصلہ فرمادے گا، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو جھوٹا ہو، کافر ہو③ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا کہ کسی کو اولاد بنائے تو جسے چاہتا اپنی مخلوق میں سے منتخب فرمالیتا، وہ پاک ہے، وہ اللہ

ہے، وہ تنہا ہے، زبردست ہے۞

معارف ومنازل

اس سورت کے بعد حوامیم سورتیں آرہی ہیں، جن میں سے ہرایک حروف مقطعات حٰمٓ سے شروع ہوتی ہے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ یہ سات سورتیں پورے قرآن کریم کا لب لباب اور مغز ہیں، اور سورۃ الزمر ان کی تمہید ہے، اس سورت میں دین کا خلاصہ اور نچوڑ بیان کیا گیا ہے، اور وہ یہ ہے: ﴿فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ۞ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ﴾۔ اس سورت مبارک میں توحید کے عقلی ونقلی دلائل بیان کئے گئے ہیں، اور شرک کی مکمل تردید ہے، ارشاد فرمایا:

﴿تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ﴾ کتاب کا نزول اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جو کمال قوت کا مالک عزیز ہے، اور تمام حکمتوں کا واحد مالک ہے۔ ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ﴾ بیشک ہم نے اس کتاب کو آپ کی طرف حق کے ساتھ نازل کیا ہے جس کی غرض وغایت یہ ہے کہ آپ: ﴿فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ﴾ کہ آپ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں، اس حال میں کہ آپ صرف اسی کی عبادت اور بندگی کرنے والے ہوں، کیونکہ توحید صرف اور خالص اللہ تعالیٰ کی بندگی کا نام ہے، جس میں غیر اللہ کا ذرہ بھر (برابر) اشتراک اور تصور نہ ہو، فرمایا:

﴿اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ﴾ خبردار رہو کہ خالص اطاعت وفرمانبرداری صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے، نہ کسی غیر کا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اخلاص کے بغیر کوئی عمل قبول نہیں، اور اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ عبادت واطاعت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہو، اس میں کسی غیر کا ذرہ برابر تصور اور خیال نہ ہو، اور عبادت ہر قسم کے شرک وریا سے وراء الوراء ہو، اسی کا نام اخلاص اور دین خالص ہے، سو ہر شخص پر لازم ہے کہ اسی اخلاص پر چلے۔

﴿وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾ اور جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادتِ خاصہ چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے سوا اور معبود تجویز کر رکھے ہیں، اور یہ کہتے ہیں کہ ہم نہیں عبادت کرتے ہیں ان معبودوں کی مگر صرف اس لئے کہ یہ معبود ہم کو اللہ تعالیٰ کے قریب کردیں گے۔ زلفٰی کے معنی ہیں: قرب ومرتبہ۔ شیطان نے کیسی پٹی پڑھائی؟ آج ہمارے زمانہ کے پیر پرست وقبر پرست بعینہٖ یہی کہتے ہیں، اور مشرکین کی طرح رٹ لگاتے ہیں۔ فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِي مَا هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ﴾ بیشک اللہ تعالیٰ فیصلہ کردے گا ان کے اور اہل ایمان کے درمیان قیامت کے دن ان چیزوں میں جن میں یہ اختلاف کرتے ہیں، تب انہیں پتہ چلے گا جب ان کے اعضاء وجوارح ان کے خلاف گواہی دیں گے، اور وہ جہنم میں داخل کئے جائیں گے۔

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَاذِبٌ كَفَّارٌ﴾ اللہ تعالیٰ ہرگز ایسے شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو جھوٹا اور نافرمان ہو، جب کوئی اپنے شرک وکفر پر مصر اور اپنے باطل عقیدہ پر جما ہوا ہو، اور ہدایت کا طالب بھی نہ ہو، تو اسے ہدایت کیونکر نصیب ہو؟ جیسے یہود نے شرک کے علاوہ عزیر علیہ السلام کو اور نصاریٰ نے مسیح علیہ السلام کو ابن اللہ کہہ کر ناشکری کی حد کردی، اسی طرح مشرکین نے فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہہ کر حد سے زیادہ سرکشی اختیار کی، اسی کا جواب دیا جارہا ہے:

﴿لَوْ أَرَادَ اللَّهُ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا لَاصْطَفَى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ﴾ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو اپنی اولاد بنانا چاہتا تو ظاہر ہے وہ اپنی مخلوق میں سے ہی جس کو چاہتا منتخب کرتا، کیونکہ کائنات کی ہر چیز اس کی مخلوق ہے، اور بیٹا ہونے کے لئے اگر کسی کو منتخب کرتا تو وہ بھی اس کی مخلوق ہوتا جو یقیناً اللہ تعالیٰ کی جنس سے نہ ہوتا، اور یہ بات ظاہر ہے کہ بیٹا باپ کی جنس سے ہوتا ہے، تو یہ کیونکر ممکن تھا کہ مخلوق اس کی اولاد ہوجائے؟

﴿سُبْحَانَهُ ۖ هُوَ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ وہ ذات پاک ہر عیب ونقصان ہر کمزوری اور اولاد سے پاک ہے، وہ یگانہ ہے اور قہار وزبردست ہے، اسے اولاد کی ضرورت ہی نہیں، عموماً مخلوق اس لئے اولاد کی آرزو کرتی ہے کہ آڑے وقت میں اور بڑھاپے میں کام آئے، اور کما کر اپنے والدین کو کھلائے پلائے، اللہ تعالیٰ ایسی چیزوں سے پاک ہے، کوئی اس کے مماثل ومجانس نہیں ہے، وہ پاک ہے۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ
وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۗ اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ۝۵ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ
مِنْهَا زَوْجَهَا وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ
خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ۚ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۝۶

ترجمہ: اس نے آسمانوں کو اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا، وہ رات کو دن پر لپیٹتا ہے، اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے، اور اس نے چاند اور سورج کو مسخر فرمایا ہے، ہر ایک وقت مقرر تک جاری رہے گا، خبردار! وہ زبردست ہے، بڑا بخشنے والا ہے۵ اس نے تمہیں ایک جان سے پیدا فرمایا، پھر اسی سے اس کا جوڑا بنایا، اور تمہارے لئے چوپایوں میں سے آٹھ قسم کے جوڑے بنائے، وہ تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں پیدا فرماتا ہے، ایک پیدائش دوسری پیدائش کے بعد ہوتی ہے، تین اندھیریوں میں، یہ اللہ تعالیٰ ہے، تمہارا ربّ ہے، اسی کے لئے ملک ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، سو تم کہاں پھرے جا رہے ہو؟۶

معارف ومنازل

دلائل توحید کے ساتھ مظاہر قدرت کا بیان ہو رہا ہے کہ علویات اور تمام سفلیات کو اسی ذات واحد لاشریک نے پیدا فرمایا، لیل ونہار اور شمس وقمر کا محیر العقول نظام اسی کے حکم وفرمان کا کرشمہ ہے، ارشاد ہوا:

﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ﴾ اسی نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا فرمایا، بلکہ اپنی وحدت، طاقت اور قدرت پر دلیل بنا کر پیدا فرمایا تاکہ ان کی تخلیق سے خالق کا وجود ثابت معلوم ہو، اور تمام کائنات کی تخلیق کا مقصد ومنشاء بھی معلوم ہو۔ ﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا﴾ [آل عمران: ۱۹۱] (اے ہمارے پروردگار! آپ نے یہ عبث پیدا نہیں کیا)۔

﴿يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ﴾ وہ رات کی تاریکی کو دن پر لپیٹ دیتا ہے کہ دن کی روشنی چھپ جاتی ہے، اور دن کی روشنی کو رات پر لپیٹ دیتا ہے تو رات کی تاریکی دور ہو جاتی ہے، یعنی لباس کی طرح ہر ایک کو دوسرے پر لپیٹ دیتا ہے۔ بعض مفسرین نے یہ معنیٰ کیا ہے کہ رات کو کم کرتا ہے، دن کو بڑھا دیتا ہے، اور دن کو کم کرتا ہے، اور رات کو بڑھاتا ہے۔ ﴿وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ اور اسی نے سورج اور چاند کو ان کی ڈیوٹی پر لگا رکھا ہے مسخر فرما کر، ان میں سے ہر ایک وقت مقرر (قیامت) تک چلتا رہے گا، اور دونوں اپنے اپنے دائرہ میں رواں دواں سفر کر رہے ہیں۔

﴿اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ﴾ خبردار! یاد رکھو! وہی ہے زبردست، بڑا بخشنے والا۔ ﴿خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾ اسی نے تم کو ایک نفس سے پیدا فرمایا، پھر اسی سے اس کا جوڑا بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے

سب سے پہلے نسلِ انسانی کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے تخلیق فرمایا، پھر ان کی پسلی سے حضرت حواءؓ کو پیدا فرمایا، پسلی چونکہ نازک اور ٹیڑھی ہوتی ہے اس لئے ہر عورت میں ضعف اور کجی فطرتاً پائی جاتی ہے، اور ضعف عقل بھی عورتوں میں پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے عورت اکثر شیطان کا شکار رہتی ہے۔

﴿وَاَنۡزَلَ لَكُمۡ مِّنَ الۡاَنۡعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزۡوَاجٍ﴾ اور پیدا فرمائے تمہارے لئے چوپایوں میں سے آٹھ جوڑے، ان سے مراد اونٹ نر و مادہ، گائے نر و مادہ، بھیڑ (دنبہ) نر و مادہ، اور بکری نر و مادہ جن کی پوری تفصیل سورۃ الانعام میں گزر چکی ہے۔ قرآن مجید نے کئی مقامات پر لفظ نزول سے مراد صرف پیدائش لیا ہے، یہاں بھی نزول سے مراد پیدائش ہے۔ ﴿يَخۡلُقُكُمۡ فِىۡ بُطُوۡنِ اُمَّهٰتِكُمۡ خَلۡقًا مِّنۡۢ بَعۡدِ خَلۡقٍ فِىۡ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ﴾ یہ قدرت کاملہ کا چوتھا نمونہ ہے، فرمایا: وہی اللہ تعالیٰ تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں پیدا کرتا ہے، ایک درجے کے بعد دوسرے درجے پر، پہلے نطفہ پھر علقہ، پھر مضغہ، یہ سارے مراحل تدریجی ہیں جو انسان کی نشو و نما کے لئے مقرر ہیں۔

تین اندھیروں میں اس سے مراد پیٹ، دوم رحم مادر اور تیسری اندھیری وہ جھلی جس میں بچہ پرورش پاتا ہے۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ شانہ کی ذات وہ ہے جو تمہیں تین اندھیروں میں حد کمال تک پہنچاتا ہے، سو یقین کرو کہ جو ذات تمہیں اندھیروں میں بنا کر روشنی پر لایا، اسی طرح جہالت کے اندھیروں سے نکال کر ایمان کی روشنی پر پہنچایا، یہ اس کا کرم اور ذرہ نوازی ہی ہے۔

﴿ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمۡ لَهُ الۡمُلۡكُ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ سن لو! یہ ہے اللہ تعالیٰ تمہارا ربّ جس کی یہ عظیم قدرتیں اور بلند و بالا حکمتیں تمہارے سامنے جلوہ گر ہیں، یہ سب کچھ اس کی حکمرانی اور سلطنت کے واضح دلائل اور آثار ہیں، جن کا نہ کوئی شریک ہے، نہ مشیر، نہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق ہے، مگر تم کہاں کہاں بھٹک رہے ہو؟

﴿فَاَنّٰى تُصۡرَفُوۡنَ﴾ تم کدھر پھیرے جا رہے ہو؟ تم پر فرض ہے کہ اس کی خالقیت و مالکیت پر ایمان لاؤ، اور نجات پاؤ۔

اِنۡ تَكۡفُرُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنۡكُمۡ ۟ وَلَا يَرۡضٰى لِعِبَادِهِ الۡكُفۡرَ ۚ وَاِنۡ تَشۡكُرُوۡا
يَرۡضَهُ لَكُمۡ ؕ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰى ؕ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمۡ مَّرۡجِعُكُمۡ فَيُنَبِّئُكُمۡ
بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ؕ اِنَّهٗ عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ۝

ترجمہ: اگر تم کفر کرو تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم سے بے نیاز ہے، اور وہ اپنے بندوں کے لئے کفر کو پسند نہیں فرماتا، اور اگر تم شکر کرو تو وہ اس کو تمہارے لئے پسند فرماتا ہے، اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، پھر تمہیں اپنے ربّ کی طرف لوٹ کر جانا ہے، سو وہ تمہیں تمہارے سب اعمال جتا دے گا، بلاشبہ وہ سینوں کی باتوں کا جاننے والا ہے۞

معارف ومنازل

ان آیات میں ایمان اور کفر کی حقیقت کا بیان ہے: ﴿اِنۡ تَكۡفُرُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنۡكُمۡ﴾ اگر تم کفر کرو گے تو اس کا وبال تم پر ہوگا، اور اللہ تعالیٰ بیشک تم سے بے نیاز ہے، تمہارے کفر سے اسے کوئی نقصان نہیں۔

﴿وَلَا يَرۡضٰى لِعِبَادِهِ الۡكُفۡرَ﴾ وہ اپنے بندوں کے لئے کفر کو پسند نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ ایمان اور ایمانیات کو اپنے بندوں کے لئے پسند فرماتے ہیں، اور تمام بھلائیوں کا امر کرتے ہیں، جبکہ کفر اور کفریات نیز تمام منکرات کو پسند نہیں کرتے، اور ان سے منع فرماتے ہیں۔ ﴿وَاِنۡ تَشۡكُرُوۡا يَرۡضَهُ لَكُمۡ﴾ اور اگر تم شکر کرو گے تو اللہ تعالیٰ اس کو تمہارے لئے پسند کرتا ہے، اور تم سے راضی ہو جائے گا، اور ایمان لانے پر تمہیں جنت عطا فرمائے گا۔ یہاں شکر سے مراد ایمان ہے۔ ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰى﴾ اور کوئی شخص بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، یہ قاعدہ کلیہ کے طور پر بار بار قرآن مجید میں ذکر ہوتا رہا ہے کہ قیامت کے روز کفار اپنا بوجھ خود اٹھائیں گے، اور ان کے کافر رہنے سے انبیاء علیہم السلام متاثر نہیں ہوں گے، جیسے فرمایا: ﴿وَّلَا تُسۡـَٔلُ عَنۡ اَصۡحٰبِ الۡجَحِيۡمِ﴾ [البقرة:۱۱۹] (اور تم سے جہنم والوں کا نہیں پوچھا جائے گا)۔ اور فرمایا: ﴿لَسۡتَ عَلَيۡهِمۡ بِمُصَيۡطِرٍ﴾ [الغاشية:۲۲] (آپ ان پر مسلّط نہیں ہیں)۔

﴿ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمۡ مَّرۡجِعُكُمۡ فَيُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ﴾ پھر اپنے پروردگار کے پاس تم کو لوٹ کر جانا ہوگا، پس وہ تم کو تمہارے سب اعمال جتلا دے گا، پھر حسنات پر جزا اور سیآت پر سزا دے گا۔

﴿اِنَّهٗ عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ﴾ بلاشبہ وہ دلوں کی پوشیدہ باتوں اور ارادوں تک کو جانتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ساتوں سمندروں کی نیچے فرش پر چلنے والی چیونٹیوں کے پاؤں کی آواز سنتا ہے۔

وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهُ مُنِيبًا إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا خَوَّلَهُ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوٓا
إِلَيْهِ مِن قَبْلُ وَجَعَلَ لِلَّهِ أَندَادًا لِّيُضِلَّ عَن سَبِيلِهِ ۚ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيلًا ۖ إِنَّكَ مِنْ
أَصْحَابِ النَّارِ ⑧ أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِدًا وَقَائِمًا يَحْذَرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُوا رَحْمَةَ رَبِّهِ ۗ
قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۗ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ ⑨

ترجمہ: اور انسان کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے ربّ کو پکارنے لگتا ہے، اس کی طرف متوجہ ہو کر، پھر جب وہ اسے اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا فرما دیتا ہے تو وہ اس بات کو بھول جاتا ہے جس کے لئے پہلے پکار رہا تھا، اور اللہ تعالیٰ کے لئے شریک تجویز کرنے لگتا ہے تاکہ اس کی راہ سے گمراہ کرے، آپ فرما دیجئے کہ تو اپنے کفر کے ذریعہ تھوڑا سا نفع حاصل کر لے، بلاشبہ تو دوزخ والوں میں سے ہے ⑧ کیا وہ شخص جو رات کے اوقات میں عبادت میں لگا ہوا ہوتا ہے حالت سجدہ میں، اور حالت قیام میں، آخرت سے ڈرتا ہے، اور اپنے ربّ کی رحمت کا امیدوار ہے، آپ فرما دیجئے: کیا وہ لوگ برابر ہیں جو جاننے والے ہیں اور جو جاننے والے نہیں ہیں؟ عقل والے ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں ⑨

معارف ومنازل

اس آیت میں انسان کی ناشکری اور فطری بے پرواہی اور دورخی کا بیان ہے کہ خوشحالی میں اللہ تعالیٰ کو پکارتا نہیں، اور غمی میں بہت الحاح وزاری کرتا ہے، جب اللہ تعالیٰ مصیبت سے نجات دیتا ہے تو پھر سب کچھ فراموش کرتا ہے۔ اس مضمون کو قرآن کریم نے مختلف پیرایہ میں متعدد مقامات پر بیان فرمایا ہے، سورۂ یونس میں اس طرح ارشاد ہے: ﴿وَإِذَا مَسَّ الْإِنسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنبِهِ أَوْ قَاعِدًا أَوْ قَائِمًا فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهُ مَرَّ كَأَن لَّمْ يَدْعُنَا إِلَىٰ ضُرٍّ مَّسَّهُ﴾ [یونس: ۱۲] (اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ لیٹے، بیٹے اور کھڑے ہوئے ہمیں پکارتے ہیں۔ پھر جب ہم اس کی تکلیف دور کر دیتے ہیں تو اس طرح چل کھڑا ہوتا ہے جیسے کبھی اپنے آپ کو پہنچنے والی کسی تکلیف میں ہمیں پکارا ہی نہ تھا)۔

یعنی انسان اول بیبا کی اور نادانی سے خود عذاب طلب کرتا ہے، اور برائی اپنی زبان سے مانگتا ہے، مگر کمزور اور بے حوصلہ اتنا ہے کہ جہاں ذرا تکلیف پہنچی گھبرا کر ہمیں پکارنا شروع کیا، جب تک مصیبت رہی کھڑے بیٹھے لیٹے ہر

حالت میں اللہ تعالیٰ کو پکارتا رہا، پھر جب تکلیف ہٹالی گئی سب کہا سنا بھول گیا، گویا خدا سے کبھی کوئی واسطہ نہ تھا، وہی شوخی وغرور، وہی سرکشی جس میں پہلے بتلا تھا۔ حدیث میں ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کو اپنے عیش وآرام میں یادرکھا کرو، وہ تجھ کو تیری سختی ومصیبت میں یاد فرمائے گا۔ مؤمن کی شان یہ ہے کہ کسی بھی وقت خدا کو نہ بھولے، سختی پر صبر اور فراخی پر شکر ادا کرتا رہے، یہی وہ صفت ہے جس کی توفیق مؤمن کے سوا کسی کو نصیب نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نصیب فرمائے۔ آمین۔ تو فرمایا:

﴿وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ﴾ اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو پکارتا ہے اپنے پروردگار کو اس کی طرف رجوع کرتے ہوئے، یہ ہر انسان کی فطرت میں مرکوز ہے۔ ﴿ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ﴾ پھر جب اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے اس کو نعمت بخشتا ہے، اور اس کی مصیبت دور فرمالیتا ہے، اور اسے راحت وتندرستی عطا فرمادیتا ہے، اور اس کی حاجت برآری کرتا ہے، تو: ﴿نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ﴾ تو پھر وہ اپنی حالت سابقہ کو بالکل بھول بیٹھتا ہے، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کو کبھی خدا کے ساتھ کوئی واسطہ تھا ہی نہیں۔ اگر اسے کوئی یاددہانی کرائی جائے تو وہ ماننے کے لئے بھی تیار ہی نہ ہو کہ میں کبھی بے سہارا یا تکلیف میں رہا۔ یہ ہے احسان فراموشی اور ناعاقبت اندیشی اور انسانی غرور وسرکشی کا حال۔ خَوَّلَهٗ کے معنی ہیں: خبر گیری کرنا، نگرانی کرنا، نعمت وبخشش کرنا، وغیرہ۔

﴿وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے شریک بنانے لگتا ہے تاکہ دوسروں کو بھی اللہ تعالیٰ کی راہ سے بھٹکا دے، یعنی اس کی مصیبت تو اللہ تعالیٰ نے دور کردی، اور وہ اس کی نسبت بجائے خدا تعالیٰ کے دوسروں کی طرف کرلیتا ہے، اور فلاں فلاں بزرگ نے میری مدد کی کارٹ لگالیتا ہے، اور اس کا یہ قول وعمل دوسرے لوگوں کی گمراہی کا سبب بنتا ہے، جس کا نتیجہ پھر یہ ہوگا:

﴿قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا ۖ اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ﴾ آپ انہیں کہہ دیجئے کہ اپنے اس کفر کا کچھ عرصہ مزہ چکھو، چند دن تک فائدہ اٹھالو، عیش کرو، آخر کار تو دوزخیوں میں سے ہوگا، اس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہ ہوگا۔ یہ حکم باعتبار نزول کے اگرچہ خاص ہے مگر قرآنی اصول کے مطابق قیامت تک آنے والے گمراہوں کے لئے عام ہے۔

﴿اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ﴾ بھلا جو شخص رات کے اوقات میں (مراد صلوٰۃ اللیل ہے) سجدہ اور قیام کی حالت میں عبادت کررہا ہو، اور آخرت سے ڈر رہا ہو، اور اپنے

پروردگار کی طلب میں مصروف ہو۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: قنوت سے مراد تلاوت قرآن اور طول قیام ہے۔ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کثرت سجود سے طول قیام افضل ہے۔ اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کثرت سجود کا ثواب زیادہ ہے طول قیام سے۔

﴿يَحۡذَرُ الۡاٰخِرَةَ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کے نیک بندے اپنے اعمال کی کوتاہی پر نظر کرتے ہیں، تو آخرت کے عذاب سے ڈرتے ہیں، ان کے اعمال بہت ہی اچھے ہوتے ہیں، مگر وہ اپنے اعمال پر اعتماد نہیں کرتے ہیں، اور مسلسل خوفزدہ رہتے ہیں، اور ساتھ ساتھ معبود حقیقی جل شانہ کی بے پناہ عنایات وکرم پر امید بھی رکھتے ہیں۔ دراصل ایمان کے لئے یہ دونوں باتیں ضروری ہیں یعنی خوف اور امید۔

﴿قُلۡ هَلۡ يَسۡتَوِي الَّذِيۡنَ يَعۡلَمُوۡنَ وَالَّذِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ﴾ اے پیغمبر! آپ کہہ دیں کہ جاننے والے عالم اور نہ جاننے والے جاہل برابر ہوسکتے ہیں؟ ہرگز نہیں، اسی طرح ایماندار اور فاجر برابر نہیں ہوسکتے، اگر ایسا ہو تو پھر نیکی اور بدی کا معیار باقی نہ رہے، اور انسانوں کا معاشرہ کتے گدھوں کا معاشرہ بن جائے، اور جزا وسزا نیز عدل وظلم کا فرق بھی ختم ہوجائے۔ ﴿اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ﴾ ایسی مثالوں سے وہی لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں جو صحیح اور عقل سلیم کے مالک ہوں۔

……✿……✿……✿……

قُلۡ يٰعِبَادِ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوۡا رَبَّكُمۡ ؕ لِلَّذِيۡنَ اَحۡسَنُوۡا فِيۡ هٰذِهِ الدُّنۡيَا حَسَنَةٌ ؕ وَاَرۡضُ اللّٰهِ
وَاسِعَةٌ ؕ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوۡنَ اَجۡرَهُمۡ بِغَيۡرِ حِسَابٍ ⑩ قُلۡ اِنِّيۡۤ اُمِرۡتُ اَنۡ اَعۡبُدَ اللّٰهَ مُخۡلِصًا لَّهُ
الدِّيۡنَ ⑪ وَاُمِرۡتُ لِاَنۡ اَكُوۡنَ اَوَّلَ الۡمُسۡلِمِيۡنَ ⑫ قُلۡ اِنِّيۡۤ اَخَافُ اِنۡ عَصَيۡتُ رَبِّيۡ عَذَابَ يَوۡمٍ
عَظِيۡمٍ ⑬ قُلِ اللّٰهَ اَعۡبُدُ مُخۡلِصًا لَّهٗ دِيۡنِيۡ ⑭ فَاعۡبُدُوۡا مَا شِئۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهٖ ؕ قُلۡ اِنَّ الۡخٰسِرِيۡنَ
الَّذِيۡنَ خَسِرُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ وَاَهۡلِيۡهِمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الۡخُسۡرَانُ الۡمُبِيۡنُ ⑮ لَهُمۡ مِّنۡ
فَوۡقِهِمۡ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنۡ تَحۡتِهِمۡ ظُلَلٌ ؕ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ؕ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوۡنِ ⑯

ترجمہ: آپ فرمادیجئے: اے میرے بندو جو ایمان لائے! اپنے ربّ سے ڈرو، یہی بات ہے کہ جن لوگوں نے اس دنیا میں اچھے کام کئے ان کے لئے اچھا بدلہ ہے، اور اللہ تعالیٰ کی زمین فراخ ہے، صبر کرنے والوں کو

ان کا پورا اجر بغیر حساب دیا جائے گا⑩ آپ فرما دیجئے کہ بلاشبہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اس طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو کہ عبادت اسی کے لئے خالص ہو⑪ اور مجھے حکم ہوا ہے کہ میں سب سے پہلا مسلمان بنوں⑫ آپ فرما دیجئے: بیشک میں خوف کھاتا ہوں اگر میں نے نافرمانی کی اپنے ربّ کی بڑے دن کے عذاب سے⑬ آپ فرما دیجئے کہ بیشک میں اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرتا ہوں، اس طرح سے کہ میری عبادت اسی کے لئے خالص ہے، سوا سے چھوڑ کر تم جس کی چاہو عبادت کرو⑭ آپ فرما دیجئے کہ بلاشبہ نقصان میں پڑنے والے وہی لوگ ہیں جو قیامت کے دن اپنی جانوں سے اور اپنے اہل وعیال سے خسارہ میں پڑ گئے، خبردار! یہ صریح خسارہ ہے⑮ ان کے لئے ان کے اوپر سے آگ کے شعلے ہوں گے، اور ان کے نیچے بھی شعلے ہوں گے، یہ وہ بات ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے، اور میرے بندو! سو تم مجھ سے ڈرو⑯

معارف ومنازل

ان آیات میں خوفِ الٰہی کی تلقین کے ساتھ جزائے اعمال کا بیان ہے: ﴿قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ﴾ آپ فرما دیجئے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہہ دیجئے: اے میرے بندو جو ایمان لے آئے! اپنے ربّ سے ڈرو، یعنی اپنے ربّ کی فرمانبرداری کرو، اور اس کی نافرمانی سے ڈرو، اور اچھے اعمال انجام دو، کیونکہ:

﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ﴾ جن لوگوں نے اس دنیا میں نیکی کو اختیار کیا ان کے لئے خیر وبھلائی ہے، اور ان کی نیکیوں کا اچھا بدلہ انہیں ملے گا، اور کوئی ذرہ برابر ان کی نیکی ضائع نہ ہوگی۔ البتہ یہ سوچو اگر کفار ومشرکین تمہارے اعمالِ صالحہ میں مزاحمت کریں تو: ﴿وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی زمین بڑی وسیع ہے، سو نامساعد حالات میں تم مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کر کے اپنے دین وایمان اور اعمالِ صالحہ کو مکمل تحفظ دے سکتے ہو، اور ہجرت جیسے عظیم عمل پر عامل رہو۔

﴿اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ بیشک صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب ملے گا، ہجرت کر کے دوستوں کی جدائی اور ترک وطن پر صبر کرنا یا دشمنوں کی اذیتوں اور تکلیفوں پر صبر کرنا، اسی طرح فرائض واحکامِ شریعت کے بجالانے پر صبر کرنا، یا مصیبتوں بیماریوں بھوک وپیاس ودیگر مصائب پر صبر کرنا، یا ارتکاب معاصی وغیرہ سے دور رہ کر ترک معاصی پر صبر کرنا، یہ سب اسی بے حساب اجر کے وعدہ الٰہی کے اسباب ہیں، کیونکہ مسلمان کی

پوری زندگی اور اس کے لمحات کی تعبیر صبر ہے، ہر نامساعد حالت پر صبر کرنا اسلامی تعلیمات کا خلاصہ ہے۔

﴿قُلْ اِنِّیْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ﴾ آپ لوگوں سے کہہ دیجئے: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کروں کہ اسی کے لئے عبادت کو خالص کرنے والا ہوں۔ سورت کے شروع میں بھی اخلاص عمل کا بیان تھا، کیوں نہیں جو عمل بغیر اخلاص کے ہوگا اس کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی، خواہ وہ پہاڑوں کے برابر کیوں نہ ہو، جبکہ ایک ذرہ برابر اخلاص والا عمل قیامت کے روز پہاڑوں جتنا ہوگا۔

﴿وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ﴾ اور مجھے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا اولین فرمانبردار اور اطاعت گزار بن جاؤں، یہ اولیت اگر زمانی ہو تو بھی صحیح ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک میں تو اس وقت بھی خاتم النبیین تھا جب کہ آدم علیہ السلام کا ابھی پانی اور مٹی سے ڈھانچہ تیار ہو رہا تھا، اور اگر اولیت باعتبار مقام و مرتبہ ہو تو یہ بھی مسلم ہے کہ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔ آپ رحمۃ للعلمین اور سید الاولین والآخرین ہیں، آپ ﷺ کا مرتبہ پورے جہاں کا شرف ہے اور سارے عالم سے پہلے آپ کی روح مبارک کی پیدائش ہے۔

﴿قُلْ اِنِّیْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ﴾ آپ کہہ دیں کہ اگر بالفرض میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے۔ سورۃ الانعام میں اٹھارہ پیغمبروں کا نام لے کر فرمایا ہے: ﴿وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ﴾[الأنعام:۸۸] (اگر وہ بھی شرک کرتے تو ان کے اعمال بھی ضائع کر دیئے جاتے)۔ انبیاء کرام علیہم السلام عام گناہوں سے جب معصوم ہیں تو، شرک جیسے کبیرہ سے بطریق اولیٰ، مگر یہ سب کچھ امت کے لوگوں کے سمجھانے اور انہیں بیدار کرنے کے لئے کہا جا رہا ہے، اسی مطلب کا مضمون اسی سورت کی آیت کے تحت آنے والا ہے:

﴿قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِیْنِیْ ﴿۱۴﴾ فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ﴾ آپ کہہ دیجئے کہ میں تو اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرتا ہوں، اس حالت میں کہ اس کی عبادت کو خالص بناتا ہوں، اور تم لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا جس کی چاہو پوجا کرو۔ پہلے کہا تھا کہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں خالص اسی کی عبادت کروں، اور اب اس آیت میں حکم کی تعمیل کے انداز میں فرمایا کہ اپنی عبادت کے خاص اللہ تعالیٰ کے لئے ہونے کی کافروں کو خبر کر دو، اور اپنی توحید کا مکمل اعلان کر دو، اور انہیں صاف بتا دو کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا جس کی چاہو عبادت کرو، تمہیں کوئی روکنے والا نہ ہوگا۔ اس سے پہلے مشرکین کچھ خام خیالی میں مبتلا تھے کہ شاید کسی وقت حضرت محمد ﷺ ہمارے ساتھ کسی طرح مصالحت پر آمادہ

ہو، اس آیت نے ان کی یہ امید منقطع کر دی، فرمایا:

﴿قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ﴾ آپ ان سے یہ بھی فرما دیں کہ دراصل نقصان اٹھانے والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی اور اپنے گھر والوں کی جانوں کو قیامت والے دن نقصان میں ڈالا۔ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اس دنیا میں بجائے توحید اور اتباع کتاب الٰہی کے اپنے اپنے مزاج اور اتباع نفس و شیطان کے ڈگر پر چلے، اور اپنے گھر والوں کو اور دوست واحباب کو بھی سبز باغ دکھا کر انہیں راستوں پر چلے اور چلائے، ایسے لوگ قیامت کے دن سب سے زیادہ گھاٹے میں رہیں گے، اور حد سے زیادہ نقصان اٹھا کر جہنم میں داخل ہوں گے، اور تمام متعلقین کو بھی جہنم پہنچائیں گے، ایسے لوگوں کو بتایا: ﴿اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا﴾ [الکھف: ۱۰۴] (جنہوں نے دنیا کی زندگی میں غلط راستے پر چل کر اپنی ساری محنت کو ضائع کر دیا، مگر سمجھتے یہ رہے کہ ہم بڑے نیکی کے کام کرتے رہے) اور بزرگوں کی قبروں پر چادر چڑھاتے رہے، نذر و نیاز پیش کرتے رہے، گائے بیل جانور ذبح کرتے رہے، اور بڑے دھوم دھام سے عرس مناتے رہے، اور ایسے ایسے کام کئے جن سے یہود و نصاریٰ اور ہندو و ہندوؤں و پارسیوں کے مذہبی اقداروں پر سبقت حاصل کر کے کفریہ عقائد کو نہایت اجاگر کیا۔ لاحول ولاقوۃ إلا باللہ

وضع میں تم ہو نصاریٰ اور تمدن میں ہنود ☆ یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کر شرمائے یہود

اولیاء کرام کے مزاروں پر کیا کچھ نہیں ہوتا، جنہیں دیکھ کر اسلامی شرم کی نگاہیں جھک جاتی ہیں۔ سورۂ ابراہیم میں فرمایا: ﴿وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ﴾ [ابراھیم: ۲۸] (اور انہوں نے اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں اتارا) کہ یہ لوگ خود بھی جہنم میں پہنچ گئے اور اپنے احباب و متبعین کو بھی وہیں پہنچا دیا۔

﴿لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ﴾ ان کے لئے ان کے اوپر سے بھی آگ کے سائبان ہوں گے، اور ان کے نیچے سے بھی ایسے شعلہ زن سائبان ہوں گے۔ مطلب یہ ہے کہ جہنم کے سائبان جیسے شعلے ان پر محیط ہوں گے۔ ﴿ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ۭ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ﴾ اللہ تعالیٰ اس چیز کے ذریعہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے، اور ان سے فرماتا ہے کہ میرے بندو! مجھ سے ڈرتے رہو، اور شرک و معاصی سے اجتناب کرتے رہو۔

وَالَّذِيۡنَ اجۡتَنَبُوا الطَّاغُوۡتَ اَنۡ يَّعۡبُدُوۡهَا وَاَنَابُوۡۤا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الۡبُشۡرٰى ۚ فَبَشِّرۡ عِبَادِ ۙ﴿۱۷﴾ الَّذِيۡنَ
يَسۡتَمِعُوۡنَ الۡقَوۡلَ فَيَتَّبِعُوۡنَ اَحۡسَنَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمۡ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ﴿۱۸﴾
اَفَمَنۡ حَقَّ عَلَيۡهِ كَلِمَةُ الۡعَذَابِ ؕ اَفَاَنۡتَ تُنۡقِذُ مَنۡ فِى النَّارِ ۚ﴿۱۹﴾ لٰكِنِ الَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا رَبَّهُمۡ لَهُمۡ
غُرَفٌ مِّنۡ فَوۡقِهَا غُرَفٌ مَّبۡنِيَّةٌ ۙ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ؕ وَعۡدَ اللّٰهِ ؕ لَا يُخۡلِفُ اللّٰهُ الۡمِيۡعَادَ ﴿۲۰﴾
اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيۡعَ فِى الۡاَرۡضِ ثُمَّ يُخۡرِجُ بِهٖ زَرۡعًا مُّخۡتَلِفًا
اَلۡوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيۡجُ فَتَرٰىهُ مُصۡفَرًّا ثُمَّ يَجۡعَلُهٗ حُطَامًا ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَذِكۡرٰى لِاُولِى الۡاَلۡبَابِ ﴿۲۱﴾

ترجمہ: اور جن لوگوں نے اس بات سے پرہیز کیا کہ شیطان کی عبادت کریں، اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے، ان کے لئے خوشخبری ہے، سو آپ میرے ان بندوں کو خوشخبری سنا دیجئے ﴿۱۷﴾ جو اس کلام کو کان لگا کر سنتے ہیں، پھر اس کی اچھی سے اچھی باتوں کا اتباع کرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی، اور یہی وہ لوگ ہیں جو عقل والے ہیں ﴿۱۸﴾ سو جس شخص کے بارے میں عذاب کی بات طے ہو چکی ہے، کیا آپ اسے چھڑا لیں گے جو دوزخ میں ہے؟ ﴿۱۹﴾ لیکن جو لوگ اپنے ربّ سے ڈرے ان کے لئے بالاخانے بنے ہوئے ہیں، ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، یہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ وعدہ خلاف نہیں فرماتا ﴿۲۰﴾ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی نازل فرمایا؟ پھر اس کو زمین کے چشموں میں داخل کر دیا پھر اس کے ذریعہ کھیتیاں نکالتا ہے جن کی قسمیں مختلف ہیں، پھر وہ کھیتی خشک ہو جاتی ہے، سو تو اسے دیکھتا ہے پہلے (زرد) رنگ کی حالت میں، پھر وہ اسے چورا چورا بنا دیتا ہے، بلاشبہ اس میں عقل والوں کے لئے نصیحت ہے ﴿۲۱﴾

معارف ومنازل

پہلے ان لوگوں کا بیان ہوا جنہوں نے کفر وشرک کیا، اور خسارہ میں رہے، اب ان پرہیزگاروں کا بیان فرمارہے ہیں جو ہر قسم کے خساروں سے پاک ہیں: ﴿وَالَّذِيۡنَ اجۡتَنَبُوا الطَّاغُوۡتَ اَنۡ يَّعۡبُدُوۡهَا وَاَنَابُوۡۤا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الۡبُشۡرٰى ۚ فَبَشِّرۡ عِبَادِ﴾ اور وہ لوگ جنہوں نے طاغوت کی عبادت کرنے سے اجتناب کیا اور بجائے طاغوت کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا، ایسے لوگوں کے لئے بشارت ہے، پس آپ میرے ایسے بندوں کو خوشخبری سنا دیں کہ وہ سعادت مند اور کامیاب رہیں گے، وہ کامیابی یہ ہے:

﴿الَّذِيۡنَ يَسۡتَمِعُوۡنَ الۡقَوۡلَ فَيَتَّبِعُوۡنَ اَحۡسَنَهٗ﴾ وہ لوگ جو بات سنتے ہیں یعنی اچھی بری ہر قسم کی بات ان کے کانوں میں پڑتی ہے، لیکن وہ صرف اچھی باتوں پر دھیان رکھتے ہیں، اور صرف اچھی باتوں کی پیروی کرتے ہیں: ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمۡ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ﴾ یہی لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہے، اور یہی لوگ عقلمند ودانا ہیں۔ واضح ہو کہ عقلمند وہ نہیں جو زمین کو چھان کر اس سے قیمتی اشیاء نکالے یا سیاروں تک پرواز کرکے چاند تک پہنچے، یا سمندروں اور فضاؤں میں تسخیری اسباب لگائے، یا دنیا میں لاکھوں ایجادات کرے، ان سب کے باوجود اپنے خالق ومالک کی پہچان اور اس پر ایمان لانے سے محروم رہے، یہ عقلمند نہیں، اس لئے کہ عذاب الیم اور قیامت کی تباہی سے اپنے تحفظ سے عاجز رہا، یہ عقلمند نہیں، بلکہ پرلے درجے کا بیوقوف اور ناداں ہے، جو اپنی جان کا دشمن رہا، اور پورے خاندان کے ساتھ تباہ ہوا۔ عقلمند وہ ہے جس نے ابدی سعادت حاصل کرکے خود کو اور اپنے پورے خاندان کو عذاب سے بچا کر جنت میں وہ مقام حاصل کیا جس کا بیان آنے والا ہے۔

آیت کریمہ میں طاغوت سے کنارہ کشی کا ذکر ہے، تو طاغوت سے مراد کیا ہے؟ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جبت کا معنی سحر ہے، اور طاغوت کا معنی شیطان ہے۔ امام ابن ہشامؒ اپنی سیرت میں لکھتے ہیں: كُلُ ما اَضَلَ عَنِ الۡحَقِ فَهُوَ طَاغُوۡت۔ جو بھی حق سے بیگانہ کرے اور گمراہ کرے وہ طاغوت ہے۔ یہ تعریف نہایت جامع ہے، شیطان ہو یا انسان، دوست ہو یا دشمن، مال ہو یا اولاد یا عہدہ، ان میں سے جو بھی تمہارے اور حق کے درمیان حائل یا رکاوٹ ہو وہ طاغوت ہے۔ پھر واضح ہو کہ کفار سارے طواغیت ہیں، اور بے دین وظالم مسلمان حکمران بھی طاغوت ہیں۔ طاغوت کا لفظی معنی ہے: سرکش، گمراہ، نافرمان وغیرہ۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب آیت: ﴿لَهَا سَبۡعَةُ اَبۡوَابٍ﴾ [الحجر: ۴۴] (جہنم کے سات دروازے ہیں) کا نزول ہوا، تو ایک انصاری نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ! میرے سات غلام ہیں، میں نے ایک ایک دروازہ میں داخلہ سے حفاظت کے لئے ایک ایک غلام کو علیحدہ آزاد کرلیا، اس پر یہ آیت: ﴿فَبَشِّرۡ عِبَادِ﴾ نازل ہوئی۔ [مظهري]

عطاءؒ نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بن عبید اللہ، حضرت زبیر بن العوام اور حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہم (یہ سارے ازلی خوش قسمت) سب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور مسلمان ہونے کی خبر معلوم کی،

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں! میں ایمان لے آیا، اس پر یہ حضرات بھی مسلمان ہوگئے، یہ ہے:

﴿فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ﴾ کی تفسیر، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت ابن زید فرماتے ہیں کہ ان آیات کا نزول تین آدمیوں کے متعلق ہوا جو عہد جاہلیت میں بھی لا الہ الا اللہ پڑھتے تھے: (١) زید بن عمرو بن نفیل یا سعید بن زید (٢) ابوذر غفاری (٣) سلمان فارسی رضی اللہ عنہم۔ اور أحسن القول سے مراد لا الہ الا اللہ ہے۔ [مظهري]

﴿اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ؕ اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِي النَّارِ﴾ بھلا وہ شخص جس پر عذاب کی بات ثابت ہو چکی ہے تو کیا ایسے شخص کو آپ چھڑا لیں گے جو دوزخ میں پڑ چکا ہے؟ یعنی جو شخص شرک وکفر اور دیگر معاصی کی وجہ سے دوزخی ہو چکا ہے، اور ابدی عذاب کا اس کے لئے فیصلہ ہو چکا ہے، تو کیا آپ اس کو ہدایت دے کر دوزخ سے چھڑا سکتے ہیں؟ بالکل نہیں، وہ کبھی عذاب الٰہی سے نہیں بچ سکتا۔

﴿لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ ۙ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ ہاں! جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے بالا خانے ہوں گے جن کے اوپر اور بالا خانے بنے ہوئے ہوں گے، ان رہائش گاہوں کی یہ خوبی ہوگی کہ ان کے سامنے نہریں جاری ہوں گی جہاں آسائش کے تمام ضروری لوازمات بکثرت مہیا ہوں گے۔ ﴿وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کا اہل ایمان کے ساتھ وعدہ ہو چکا ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔

﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا﴾ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کی طرف سے پانی نازل فرمایا؟ پھر اس پانی کو چشموں کی صورت میں زمین کے اندر چلا دیا، پھر اس پانی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ مختلف رنگ کی کھیتیاں اگاتا ہے، پھر وہ کھیتی خشک ہو جاتی ہے، اور تجھے زرد دکھائی دیتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ اسے چورا چورا کر دیتا ہے ہوا میں اڑ کر فنا ہو جاتا ہے، انسانی زندگی کی یہی مثال ہے جو آخر میں چورا چورا ہو کر نیست و نابود ہو جاتی ہے، پھر قیامت کے ساتھ دوبارہ اس کی تخلیق ہو جاتی ہے۔

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ﴾ اس میں عقلمندوں کے لئے بڑی نصیحت ہے، عقلمند وہ ہیں جو قدرت کے مظاہر و عجائبات میں تدبر اور غور و فکر کرتے ہیں، رنگ برنگ مصنوعات سے صانع جل جلالہ کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ تک رسائی حاصل کرتے ہیں۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ
فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۲﴾ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِىَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ
يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِىْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ
مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۲۳﴾ اَفَمَنْ يَّتَّقِىْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَقِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ
ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۲۴﴾ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۵﴾
فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْىَ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾

ترجمہ: سو اللہ تعالیٰ نے جس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیا، سو وہ اپنے ربّ کی طرف سے نور پر ہے، سو ہلاکت ہے ان لوگوں کے لئے جن کے دل ذکر اللہ کی جانب سے سخت ہیں، یہ لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں ﴿۲۲﴾ اللہ تعالیٰ نے بڑا اچھا کلام نازل فرمایا جو ایسی کتاب ہے جس کی باتیں آپس میں ملتی جلتی ہیں، جو بار بار دہرائی جاتی ہیں، اس سے ان لوگوں کے بدن کانپ اٹھتے ہیں جو اپنے ربّ سے ڈرتے ہیں، پھر ان کے بدن اور دل نرم ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے، اس کے ذریعہ وہ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ جسے گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ﴿۲۳﴾ کیا جو شخص قیامت کے دن اپنے چہرہ کو برے عذاب سے بچائے گا، اور ظالموں سے کہا جائے گا کہ جو کچھ تم کمائی کرتے تھے اسے چکھ لو ﴿۲۴﴾ ان لوگوں سے پہلے جو لوگ تھے انہوں نے جھٹلایا، سو ان کے پاس اس طور سے عذاب آیا کہ انہیں اس کا خیال بھی نہ تھا ﴿۲۵﴾ سو اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا والی زندگی میں رسوائی چکھادی، اور البتہ آخرت کا عذاب اس سے بڑا ہے، اگر وہ جانتے ہوتے ﴿۲۶﴾

معارف ومنازل

انسان کا وجود عالم اصغر ہے، عالم اکبر (کائنات) میں جو کچھ ہے وہ سب کچھ اختصار کے ساتھ انسان کے وجود میں موجود ہے، یہاں تک کہ عالم اکبر کا ہر نشیب وفراز اور ہر بلندی وپستی نیز ہر سختی ونرمی انسان میں موجود ہے، انسانی بدن کا بادشاہ وحکمران اس کا دل ہے، اگر یہ نورانی ہو اور نرم ہو تو اس کو شرح صدر سے تعبیر کرتے ہیں، اس کی صفت یہ ہے کہ اسلام کے لئے اس کا سینہ کھل جاتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے ہر حکم پر اطمینان نصیب ہو جاتا ہے، شکوک و

شبہات اور تمام خطرات ہمیشہ کے لئے محو ہو جاتے ہیں، اور حاضر وغائب کا فرق مٹ جاتا ہے، یہ اطمینان ویقین نورانی اس درجے کا ہوتا ہے کہ کسی بھی امر خداوندی اور حکم شرعی پر تنگی محسوس نہیں ہوتی، یہاں تک کہ احکامِ شریعت خواہ کتنے ہی سخت کیوں نہ ہوں طبیعت کے تقاضوں میں کوئی فرق نہیں رہتا۔[قرطبي، مظهري، عثماني، معارف وغيره]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے یہ آیت: ﴿أَفَمَن شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ﴾ تلاوت فرمائی تو ہم نے آپ ﷺ سے شرح صدر کا مطلب دریافت کیا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب نور ایمان انسان کے دل میں داخل ہوتا ہے تو اس کا دل کشادہ ہو جاتا ہے (جس سے احکام الٰہیہ کا سمجھنا اور ان پر عمل کرنا آسان ہو جاتا ہے) پھر ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس شرح صدر کی علامت کیا ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اَلَا نَابَةُاِلٰی دَارِ الْخُلُوْدِ وَالتَّجَافِي عَنْ دَارِ الغُرُوْرِ وَالتَّأَهُّبُ لِلْمَوْتِ قَبْلَ النُّزُوْلِ۔[حاكم، بيهقي، روح، مظهري، قرطبي، كشاف]

یعنی ہمیشہ رہنے والے گھر کی طرف راغب اور مائل ہونا، اور فریب ودھوکہ کے گھر یعنی دنیا کی لذتوں اور زینتوں سے کنارہ کش ہونا، اور مرنے سے پہلے اس کی تیاری کرنا، یعنی اعمالِ صالحہ بجالانا اور معاصی سے اجتناب کرنا۔ میں کہتا ہوں کہ آدمی (دل سے) مکمل تارک دنیا ہو تب یہ ممکن ہوگا، ورنہ بہت ہی مشکل ہے، کیونکہ دنیا کی محبت زہرِ قاتل ہے، اور شرح صدر کے حصول کے لئے مانع ہے، اور قساوۂ قلبی کے لئے علّت تامہ ہے، اور دینا وعقبیٰ میں تضاد ہے، یہ دونوں سوکن ہیں: ایک کی رضاء میں دوسری کی ناراضگی ہے، فتدبر۔

﴿أَفَمَن شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَىٰ نُورٍ مِّن رَّبِّهِ﴾ بھلا وہ شخص جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لئے کھول دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنے ربّ کے عطا کردہ نور روشنی پر ہے، اس میں ایمان اور تمام اعمالِ صالحہ (نورانی) آگئے، جبکہ اس کے مقابل کفر اور تمام معاصی ظلمانی والا شخص ہے، تو شرح صدر والے نورانی لوگوں کے ساتھ سخت دل اور ظلمانی لوگ کبھی بھی کسی صورت میں برابر نہیں ہو سکتے، اسی کو فرمایا:

﴿فَوَيْلٌ لِّلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُم مِّن ذِكْرِ اللَّهِ﴾ پس تباہی اور ہلاکت ہے ان لوگوں (اندھوں) کے لئے جن کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر سے سخت اور غیر متاثر اور غافل ہیں، خوب واضح ہے کہ مٹی والا پیدائشی دل تو تمام انسانوں کے سینوں میں بلکہ چوہے بلی تک جانوروں میں بھی ہے، مگر نورانی اور معرفت والا دل صرف خواص کے پاس ہے، آپ موسیٰ علیہ السلام کے اور فرعون کے دل میں وہ تفاوت محسوس کریں گے، جو دن اور رات کی روشنی اور تاریکی میں مرکوز

ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نبوت سے سرفراز ہونے کے ساتھ شرح صدر کا باری تعالیٰ سے سوال کیا تھا: ﴿قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ﴿٢٥﴾ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ ﴿٢٦﴾﴾ [طٰہٰ] (اے میرے پروردگار! میرے لیے میرا سینہ کھول دے، اور میرے لیے میرا کام آسان فرمادے)۔ اور یہ مقام علیٰ وجہ الکمال والتمام خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بغیر سوال کے عطا ہوا تھا، فرمایا: ﴿اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ﴾ [الانشراح: ۱] (کیا ہم نے آپ کے لیے آپ کا سینہ نہیں کھولا؟)۔

﴿اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ یہ لوگ کھلی گمراہی میں ہیں، کیونکہ جس دل میں ایمان اور نورِ ایمان اور ذکرِ الٰہی کا پیغام نہ ہو وہ ویران و تاریک مکان سے بھی کمتر اور بے قیمت ہے، وہاں ہدایت کی بجائے ضلالت ہے، اور روشنی کی بجائے تاریکی ہی ہے۔ ﴿اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا﴾ یہ ہے شرحِ صدر اور روشنیوں کا مرکز، اور بنیادی سبب جو شخص اسے حرزِ جان بنائے گا، وہ ملاءِ اعلیٰ سے بھی آگے پرواز کرے گا، اور جو اسے ترک کرے گا وہ ہر خیر سے محروم رہے گا، اور نہایت پستیوں میں گر کر بے نام و نشان رہے گا۔ حدیث میں ارشاد ہے: **عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: إن الله یرفع بهذا الکتاب أقواما ویضع به آخرین۔** [مشکوٰۃ]

فرمایا: قرآن مجید کے ذریعے بہت سی قوموں کو اللہ تعالیٰ ترقی وعروج عطا کریں گے، اور بہت سی بے عمل قوموں کو زوال اور پستی میں گرائیں گے، جب تک مسلمان قرآن پر عامل رہے تو عروج و بلندی میں رہے، چھ سو سال کے بعد جب قرآن مجید سے بیگانہ رہے تو ان پر زوال آیا، جو ابھی بھی جاری ہے۔

﴿كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ﴾ اللہ تعالیٰ نے سب سے اچھا کلام نازل فرمایا جو ایسی مبارک کتاب ہے کہ باہم ملتی جلتی ہے، اور بار بار دہرائی گئی ہے۔ ابن ماجہ کی روایت میں خیر الحدیث کلام اللہ دوسری روایات میں: **أحسن الحدیث کتاب الله** جیسا کہ آیت کریمہ میں ہے۔ آیت کریمہ میں تینوں باتیں واضح ہو گئیں کہ (۱) کلام اللہ کا نازل کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ (۲) اور یہ بہت عظیم کتاب ہے۔ (۳) اور اَحسن اور خیر اس کی حقیقت ہیں۔

مُتَشَابِهًا کے معنی ہیں کہ اس کی تمام آیات صحتِ معنیٰ، حسنِ عبارت اور افادۂ عام میں ایک جیسی ہیں، اور کوئی آیت دوسری کی تکذیب نہیں کرتی، اور نہ کسی قسم کا اس میں کوئی تعارض ہے، تمام آیات ایک منہج پر باہم ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں، اور یہ نہ سمجھنے والے لوگوں کی بے علمی اور بے فہمی نیز بے بضاعتی کا قصور ہے کہ وہ بعض آیات کو بعض کے خلاف سمجھتے ہیں۔ مَثَانِي بھی كِتٰبًا کی صفت ہے، بمعنی تکرار کے ہیں۔ قرآن مجید میں وعد، وعید، تذکیرات، امر ونہی، اخبار، احکام وغیرہ کا بار بار ذکر ہے، اس لئے اس کو مَثَانِي کہتے ہیں۔

یہ سب سے پہلے سورۃ الفاتحہ کی صفت ہے جو نمازوں کی رکعات میں مکرر ہے۔ علامہ محقق جزری رحمۃ اللہ علیہ نے "بصائر" میں قرآن مجید کے سونام (صفاتی) ذکر فرمائے ہیں۔

فائدہ:

پوری دنیا میں کوئی کتاب ایسی نہیں ہے جس کی تلاوت اس کثرت سے کی جاتی ہو جس قدر کثرت سے قرآن مجید پڑھا جاتا ہے، اس کے معانی یا مطالب سمجھ میں آئیں یا نہ آئیں ہر مسلمان اس کی تلاوت میں ہمیشہ لذّت اور حلاوت محسوس کرتا ہے۔ اس کی کثرت تلاوت کا آج یہ واضح ثبوت ہے کہ دنیا میں آج بھی اس کے لاکھوں حفاظ موجود ہیں، جنہیں یہ پاکیزہ کتاب لفظ بلفظ زبانی یاد ہے۔ اس کے علاوہ یہ بات نہایت حیرت اور باعث تعجب ہے کہ قرآن کے حفاظ وقراء کے لئے کوئی مقام و پذیرائی نہیں، نہ انہیں ملازمتوں میں لیا جاتا ہے، اور نہ دیگر سرکاری اداروں میں، اور نہ ان کو عوام الناس میں کوئی اعلیٰ مرتبہ وفضیلت حاصل ہے، گویا وہ پورے معاشرے پر بوجھ ہیں، مگر قرآنی معجزہ کا یہ حال ہے کہ مردوں، عورتوں، جوانوں، بوڑھوں، بچوں اور بچیوں میں قرآن خوانی اور حفظ قرآن کی نمایاں تڑپ اور جد وجہد موجود ہے۔

انڈونیشا، ملائیشیا، بنگلہ دیش، پاکستان اور بھارت پانچوں ممالک میں بائیس لاکھ کے قریب قرآن کے حافظ موجود ہیں، اور یہ ظالم وطاغوتی اور بے دین حکمرانوں کے لئے تازیانۂ عبرت ہے، اور روز قیامت ان کے لئے باعث محرومی وموجب ندامت ہے کہ انہوں نے خدا کے کلام کے ساتھ وہی سلوک کیا جو ابوجہل اور اس کے رفقاء نے اپنایا تھا، یہ ہنگامہ اس وقت برپا ہوگا جب واحد جبار کی عدالت میں کائنات کا سب سے بڑا گواہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے حکمرانوں کے خلاف گواہی دیں گے، اور کہیں گے: ﴿يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا﴾ [الفرقان: ۳۰] (اے میرے پروردگار! بیشک میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑے رکھا تھا)۔ قیامت کے روز پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سامنے شکایت کریں گے، اور کہیں گے کہ اے میرے ربّ! میری قوم نے اس کتاب قرآن مجید کو غیر ضروری قرار دے کر اسے ترک کیا۔

صدمہ اور افسوس تو یہ ہے کہ سوائے چند نہتے غریب مسلمانوں کے کوئی سرمایہ دار، سردار، نواب، وزیر، افسر وغیرہ اس قرآن کی خدمت کے لئے تیار نہیں، اور یہ قرآن ۵۷ اسلامی ملکوں میں کسی ملک کا باضابطہ قانون اور آئین بھی نہیں ہے، اور اس کے ماننے والے اور اس کی بدولت کھانے والے علماء پچاس فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں، ہر فرقہ

اپنے پیٹ کی خاطر قرآن کی تشریح اور اپنے مطلب کی تفسیر میں مصروف ہے، اِلاّ ماشاء اللہ، ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے ایمان کی حفاظت چاہتے ہیں، اور پوری امت کی ہدایت کے لئے دعا کرتے ہیں تاکہ تارکین قرآن میں شمار نہ ہوں۔

﴿تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ﴾ اپنے پروردگار سے ڈرنے والے جب تلاوت قرآن پاک سنتے ہیں تو ان کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ تَقْشَعِرُّ کا معنی خوف کی حالت میں بال کھڑے ہوجانا، اور ہیجان پیدا ہوجانا، یہ تلاوت قرآن کا اثر ہے، سلیم الفطرت مسلمان جو تعصب وعناد اور نجاست سے خالی ہوکر قرآن پاک کو پڑھے یا سنے گا اس کے دل پر ضرور اس کا اثر ہوگا، اور کبھی آنسو بہا کر روئے گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق احادیث میں آیا ہے کہ وہ قرآن پڑھتے یا سنتے تو اشکبار رہتے، آج بھی ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو: ﴿وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا﴾ [الأنفال: ۲] (اور جب ان پر اس کی آیتوں کی تلاوت کی جائے تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے) کے مصداق ہیں، جن کے قلب ودماغ اور آنکھیں قرآن مجید سننے کے ساتھ متاثر ہوجاتے ہیں، اور ان کی زندگی بدل جاتی ہے، جس طرح ناکارہ زمین پر بارش کا فائدہ نہیں ہوتا، اسی طرح ناکارہ دلوں پر بھی قرآن کا اثر نہیں ہوتا۔ تو فرمایا کہ اپنے پروردگار سے ڈرنے والے لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں:

﴿ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ پھر ان کی کھالیں یعنی جسم اور دل اللہ تعالیٰ کی یاد کی طرف نرم اور مائل ہوجاتے ہیں، ایسے لوگ کثرتِ ذکر اور کثرتِ طاعت کے باوجود اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں، اور پوری بیداری اور احتیاط سے قدم رکھتے ہیں۔ ﴿ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے، وہ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے، بشرطیکہ وہ ہدایت کا طالب ہو۔

﴿وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ﴾ اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کردے اور معاصی وگمراہی کی وجہ سے اس کے دل پر مہر لگ جائے، تو اس کے لئے کوئی راہ دکھانے والا ہادی نہیں ہوگا۔ ﴿اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ بھلا وہ شخص جو قیامت والے دن بچے گا اپنے چہرے کے ساتھ بڑے عذاب سے، کیا وہ ان لوگوں کے برابر ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے انعام واکرام میں ہوں گے؟ مطلب یہ ہے کہ جو شخص عذاب میں ہوگا، اور عذاب کی سختی سے اپنے چہرے کے ذریعہ بچے گا، یعنی کوشش بچنے کی کرے گا، اور اپنے چہرے کو سپر بنائے گا، جب اس کے ہاتھ بندھے ہوئے ہوں گے، اور عذاب سامنے سے آرہا ہے، اس کو اتنی بھی قدرت نہیں کہ ہاتھ سے عذاب کو دفع کرے، تو وہ بمجبوری اپنے چہرے کو سپر بنا کر آگ کو دفع کرنے کی تدبیر کرے گا، کیا یہ شخص اس آدمی کے برابر ہوگا جس کا اسلام

کے لئے شرح صدر ہو گیا تھا؟ اور وہ انعام واکرامِ الٰہی کے سایہ میں ہوگا، یہ دونوں کبھی بھی برابر تو کیا قریب بھی نہیں ہو سکتے، جیسے جنتی اور دوزخی۔

﴿وَقِيلَ لِلظّٰلِمِيْنَ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ﴾ اور اس وقت ظالموں سے کہا جائے گا کہ چکھ لو تم مزہ اپنے برے اعمال کا جو تم کیا کرتے تھے، دنیا میں کی ہوئی کمائی تمہارے سامنے ہے، اب منہ پر پڑنے والے شدید تھپیڑوں کو برداشت کرو۔ ﴿كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾ نزولِ قرآن کے زمانے کے مکذّبین سے پہلے بھی لوگ اللہ تعالیٰ کے رسولوں اور اس کی کتابوں کو جھٹلا چکے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان پر ایسی جگہ سے عذاب آیا کہ ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا، اور نہ وہ ایسا تصور کر سکتے تھے، پھر یہ ہوا:

﴿فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ اور چکھا دیا اللہ تعالیٰ نے ان کو رسوائی وذلت کا مزہ اسی دنیا ہی کی زندگی میں۔ ﴿وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴾ اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی بڑا ہے، کاش یہ لوگ جان لیتے تو یقیناً گزشتہ اقوام کی تباہی سے عبرت حاصل کرتے، اور انبیاء ورسل علیہم السلام اور اللہ تعالیٰ کی کتابوں کی تکذیب نہ کرتے، اور قیامت کے عذاب سے بچتے۔

❁ ❁ ❁

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ
ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۲۸﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا
لِّرَجُلٍ ۭ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ
مَّيِّتُوْنَ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ﴿۳۱﴾

ترجمہ: اور یہ بات واقعی ہے کہ ہم نے لوگوں کے لئے اس قرآن میں ہر قسم کے عمدہ مضامین بیان کر دیئے ہیں تاکہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں ﴿۲۷﴾ وہ قرآن ہے، عربی ہے جس میں کوئی کجی نہیں (عیب نہیں) تاکہ یہ لوگ ڈریں ﴿۲۸﴾ اللہ تعالیٰ نے ایک مثال بیان فرمائی ہے کہ ایک شخص ہے جس میں کئی شرکاء (ساجھی) ہیں جن میں آپس میں ضدا ضدی ہے، اور ایک وہ شخص ہے جو ایک ہی آدمی کے لئے سالم ہے، کیا یہ دونوں حالت کے اعتبار سے برابر ہیں؟ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں، بلکہ ان میں اکثر لوگ نہیں جانتے ﴿۲۹﴾ بلاشبہ آپ مرنے والے ہیں، اور بلاشبہ یہ لوگ بھی

مرنے والے ہیں ۳۰ پھر یقینی بات ہے کہ قیامت کے دن تم اپنے ربّ کے پاس پیش ہو کر مدّعی اور مدّعیٰ علیہ بنو گے ۳۱

معارف ومنازل

ان آیات میں قرآن کریم کی حقانیت اور اس کے اعجاز کا بیان ہے، پھر شرک اور توحید کی بات ایک مثال کے ذریعہ سمجھائی ہے، آخر میں مشرکین کا جواب ہے: ﴿وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ﴾ بیشک ہم نے بیان کر دی ہے لوگوں کی ہدایت وعبرت کے لئے ہر قسم کی عمدہ مثالوں میں سے عمدہ اور بلیغ مثال، امید ہے کہ شاید لوگ اس کے ذریعہ نصیحت حاصل کریں۔ ﴿قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا﴾ وہ قرآن پاک عربی زبان میں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جس پیغمبر اعظم خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ قرآن نازل ہوا، وہ عربی ہیں۔ سورۂ ابراہیم میں ارشاد ہے: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ﴾[ابراھیم: ۴] (اور کوئی رسول نہیں بھیجا ہم نے مگر بولی بولنے والا اپنی قوم کی) تاکہ ان کو انہی کی زبان میں آسانی سے سمجھائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت دعوت میں گو تمام جن وانس یعنی سارے عالم کے ہزاروں زبان بولنے والے قیامت تک کے لوگ شامل ہیں، تاہم جس قوم میں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھائے گئے ان کی زبان عربی تھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اولین شاگرد اور مخاطب یہی لوگ تھے، اس لئے قرآن حکیم عربی زبان میں اتارا گیا، اور تمام جہاں کی ہزاروں زبانوں پر چھا گیا، آج دنیا کی ہزاروں زبانوں میں اس کے تراجم حواشی اور تفسیر موجود ہیں جو کہ اس وقت تین لاکھ کے قریب ہیں، اس وقت ایک غیر مطبوعہ قلمی تفسیر بھی ترکی کے عجائب خانے میں موجود ہے جس کی ایک ہزار جلدیں ہیں، اور ہر جلد ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔[مقالات افغانی]

سورۂ حٰم سجدہ میں ہے: ﴿وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ﴾ [حم سجدہ: ۴۴] (اگر ہم اس قرآن کو عربی کے بغیر کسی عجمی زبان میں اتار دیتے تو یہ عربی بولنے والے اعتراض کرتے کہ اسے ہماری زبان میں کیوں کھول کر نہیں نازل کیا گیا؟) اس کے علاوہ اور بہت ساری دیگر وجوہات بھی ہیں۔

﴿غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ﴾ کہ اس میں کوئی کجی اور ٹیڑھا پن نہیں ہے، پوری انسانیت قیامت تک اس کی مختصری سورت کی مثال ونظیر لانے سے اسی لئے عاجز ہے: ﴿فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ﴾[البقرۃ: ۲۳] (اس کی مثل کوئی سورت پیش کرو)۔ قران حکیم ایک ایسی جامع کتاب ہے جس میں علوم ومعارف کے وہ وہ خزانے مخفی ہیں جن کی آج تک کھوج لگانے کی نوبت نہیں آئی، مگر بالفرض دنیا والے سارے مل کر ایک ایسا لائحہ عمل یا قانون بنانا چاہیں جس میں

پوری انسانیت کی خوشحالی اور بقاء مضمر ہو، اور پورے جہاں میں امن وسلامتی کا دور دورہ ہو، تو وہ پیغام وقانون قرآن مجید ہی ہے، جسے بدقسمتی سے غیروں سے کیا گلہ کریں اپنوں نے بھی نہیں اپنایا، اسی وجہ سے وہ ذلیل ہوئے۔

وہ معزز تھے زمانے میں مسلمان ہوکر ☆ تم خوار ہوئے تارک قرآن ہوکر

﴿لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ﴾ تا کہ لوگ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرلیں، اور برے انجام سے بچیں، اور اپنے عقیدہ و اعمال کی اصلاح پر غور وفکر کریں۔ فرمایا: ﴿ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ ایک مثال بیان کرتا ہے، ایک آدمی یعنی غلام ایسا ہے جس کی ملکیت میں کئی مالک شریک ہیں، وہ آپس میں ضد بازی بھی کرتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ چند جھگڑالو شریکوں کا مشترک غلام ہے۔ ﴿وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ﴾ اور ایک دوسرا غلام ایسا ہے جو بلا شرکت غیر مکمل طور پر ایک شخص کی ملکیت میں ہے، تو بتاؤ کہ:

﴿هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا﴾ تو کیا یہ دونوں غلام برابر ہو سکتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے، پس جس غلام کے کئی مالک ہیں وہ ہیں بھی ضدی اور جھگڑالو، تو ظاہر ہے کہ ان میں سے ہر ایک غلام سے زیادہ سے زیادہ خدمت لینے کی کوشش کرے گا، اور اس طرح وہ مختلف مالکوں کی رسہ کشی کا شکار ہو کر سخت مصیبت میں گرفتار ہوگا، اور دوسری طرف وہ غلام ہے جو ایک ہی مالک کی خدمت پر مقرر ہے، وہ ہر قسم کی کھینچا تانی سے آزاد ہے، اور ایک ہی مالک کی رضامندی کا طلبگار رہے، یہ غلام ہر طرح سے خوشحال رہے گا، جبکہ پہلا والا صبح وشام پریشان رہے گا۔

یہ ہے موحد، ایماندار اور کافر بے ایمان کی مثال۔ اس مقام میں حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ فرماتے ہیں کہ ایک غلام جو کئی مالکوں کا ہوگا اس کو کوئی بھی اپنا نہیں سمجھے گا، اور نہ ہی اس کی پوری طرح کوئی خبر گیری کرے گا، اس لئے وہ ہمیشہ تکالیف میں رہے گا۔ اور دوسری طرف وہ غلام ہے جو سارے کا سارا ایک ہی مالک کا ہے، وہ شخص اس کو اپنا ہی سمجھتا ہے، اور پورے طریقے سے اس کی خبر گیری بھی کرتا ہے۔ یہی مثال ایک موحد اور مشرک کی ہے، ایک ہی ربّ تعالیٰ کو پوجنے والوں کو اطمینان اور سکون حاصل ہوگا، جبکہ کئی معبودوں کے پجاری ہمیشہ پریشان رہیں گے۔ [موضح القرآن] اس وضاحت کے بعد فرمایا:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ سب خوبیاں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو اپنے بندوں پر بے حد مہربان ہے، جو انہیں ہر طرح کی مثالیں بیان فرما کر سمجھا دیتا ہے، مگر افسوس ہے کہ اکثر لوگ نہیں سمجھتے، بلکہ سمجھنے کی کوشش بھی نہیں کرتے، شقاوت پر جمے ہوئے ہیں۔ آنے والی آیت کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ

کی مسلسل حق گوئی اور تبلیغ سے کنارہ کشی کرتے ہوئے مشرکین مکہ آپس میں کہا کرتے تھے کہ تم گھبراؤ مت، انتظار کرو یہ ایک شخص ہے آخر ایک دن ضرور اس دنیا سے رخصت کر کے چلا جائے گا، اور اسی کے ساتھ اس کا مشن بھی بند ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ نے انہیں جواب دیا:

﴿اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ﴾ بیشک آپ بھی موت کا پیالہ پینے والے ہیں، اور یہ لوگ بھی مرنے والے ہیں، مرنا تو سب کو ہے مگر یہ بدنصیب جو آپ کی موت کا انتظار کر رہے ہیں یہ غلطی پر ہیں، آپ کی موت مبارک اور سرتاپا ایک عظیم کامیابی ہے جو آپ کو رفیق اعلیٰ سے ملانے والی ہے، جس کے لئے آپ نے دعا کی، اور اسی کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوئے، جبکہ ان کی موت حسرت ناک اور تباہی ہے ان کے لئے۔ اور دوسری یہ کہ آپ کا دین واسلام دائمی ہے، آپ کی موت کے بعد آپ کا مشن بدستور رہے گا، اور ترقی کرتے ہوئے چار دانگ عالم پر چھا جائے گا، جبکہ ان مشرکین کا مذہب وملت ہمیشہ کے لئے حرف غلط کی طرح مٹ ہی جائے گا۔ ﴿اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ﴾ [الکوثر: ۳] (بیشک تمہارا دشمن ہی وہ ہے جس کی جڑ کٹی ہوئی ہے)۔ لہٰذا ان کے طعن وتشنیع سے دلگیر نہ ہوں، جب قیامت قائم ہوگی تو ان کا یہ حال ہوگا کہ آپ اور آپ کے سارے متبعین شاہد عدل وصداقت بن کر ان کے خلاف گواہی دیں گے۔

﴿ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ﴾ پھر تم قیامت کے روز اپنے پروردگار کے پاس جھگڑا کرو گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہاں لفظ اِنَّكُمْ میں مؤمن اور کافر اور ظالم ومظلوم سب داخل ہیں، یہ سب اپنے اپنے مقدمات اور حقوق طلبی اپنے ربّ کی عدالت میں پیش کریں گے، اور اللہ تعالیٰ ظالم سے مظلوم کا حق دلوائیں گے، خواہ کافر ہو یا مؤمن۔ اور صورت ادائیگی حقوق کی وہ ہوگی جو صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے آئی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کے ذمہ کسی کا حق ہے اس کو چاہئے کہ دنیا ہی میں ادا کر کے یا معاف کرا کر حلال ہو جائے، کیونکہ آخرت میں درہم ودینار تو ہوں گے نہیں، اگر ظالم کے پاس کچھ اعمالِ صالحہ ہیں تو بمقدارِ ظلم یہ اعمال اس سے لے کر مظلوم کو دیدیئے جائیں گے، اگر اس کے پاس اعمالِ صالحہ نہیں ہیں یا کم ہیں جن سے حقوق کی ادائے گی نہیں ہو سکتی تو مظلوم کے گناہ اور معاصی کو اس سے لے کر ظالم پر ڈال دیا جائے گا۔ [بخاري]

اور صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

سے دریافت فرما کر: تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہمارے نزدیک مفلس وہ ہے جس کے پاس نہ کوئی نقد درہم ہو اور نہ سامان ضرورت ہو، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اصلی اور حقیقی مفلس میری امت میں وہ شخص ہے کہ روزِ قیامت بہت سے اعمال نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ لے کر آئے گا مگر اس کا حال یہ ہوگا کہ دنیا میں کسی کو گالی دی ہے، کسی پر تہمت باندھی ہے، کسی کا مال ناجائز ہڑپ کیا ہے، کسی کو ستایا ہے، کسی کی غیبت کی ہے، کسی کے قتل میں ملوث رہا ہے، یہ سارے مظلوم اور حقدار اللہ تعالیٰ کی عدالت عالیہ میں استغاثہ کریں گے، پس اس کی نیکیاں حقوق والوں پر تقسیم ہوں گی، یہاں تک کہ جب اس کے حسنات ختم ہو جائیں گی، اور کچھ حقوق باقی ہوں گے تو مظلوموں کے گناہ اس پر ڈال دیئے جائیں گے، اور اس کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا، یہ ہے میری امت کا مفلس جو پہاڑوں برابر عمل لے کر آیا، اور خالی ہاتھ ہو کر جہنم پہنچا گیا۔ یاد رکھو! یہ حقوق کا سلسلہ جو اللہ تعالیٰ کی عدالت میں چلے گا، یہ سب کے لئے عام ہے، شوہر اور بیوی مالک اور نوکر اور غلام پڑوسی وغیرہ وغیرہ سب اس کی لپیٹ میں آئیں گے۔ [طبراني]

فائدہ:

ظالم کے اعمالِ صالحہ جب مظلوموں کو دیئے جائیں گے تو اس کے پاس صرف ایمان رہ جائے گا، تو ایمان اس سے سلب نہیں کیا جائے گا، بلکہ مظلوموں کے گناہ اس پر ڈال کر حقوق کی ادائے گی کی جائے گی، جس کے نتیجے میں یہ گناہوں کا عذاب بھگتنے کے بعد پھر بالآخر جنت میں داخل ہوگا اور پھر یہ حال اس کا دائمی ہوگا۔ امام بیہقیؒ نے یہی فرمایا۔ [مظهري باختصار]

﴿الجزء الرابع والعشرون﴾

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَ كَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝۳۲ وَ
الَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝۳۳ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا
الْمُحْسِنِيْنَ ۝۳۴ لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ عَمِلُوْا وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۳۵

ترجمہ: سواس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا، اور سچ کو جھٹلایا؟ جبکہ وہ اس کے پاس آیا، کیا دوزخ میں کافروں کا ٹھکانہ نہیں ہے؟ ۝۳۲ اور جو شخص سچ کو لے کر آیا، اور سچ کی تصدیق کی، یہ وہ لوگ ہیں جو متقی ہیں ۝۳۳ ان کے لئے ان کے ربّ کے پاس وہی ہے جو وہ چاہیں، یہ بدلہ ہے اچھے کام کرنے والوں کا ۝۳۴ تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے برے کاموں کا کفارہ کردے، اور انہیں ان اعمال کا اچھے سے اچھا اجر دے جو وہ کیا کرتے تھے ۝۳۵

معارف ومنازل

گزشتہ آیات میں مؤمنین موحدین اور مشرکین معاندین اور کافرین مکذّبین کا ذکر تھا، اب ان آیات میں ہر دو فریق کے انجام کا تذکرہ ہے، فرمایا: ﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَ كَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ﴾ سو بتاؤ اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے، اور سچی بات کو جھٹلائے؟ جبکہ وہ سچی بات اس کے پاس پہنچ چکی ہے۔ مشرکین نے اللہ تعالیٰ پر کئی طرح کا جھوٹ بول کر، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے برحق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن مجید کا انکار اور تکذیب کر کے اتنے بڑے ظالم اور مجرم ٹھہرے کہ پوری کائنات کے ظالموں کے سرغنہ ٹھہرے، جنہیں ان کے بھاری ظلم کی بھاری سزا ملنی چاہئے جو یہ ہے:

﴿اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ﴾ تو کیا نہیں ہے جہنم میں ٹھکانہ منکروں کا، اور تکذیب کرنے والوں کا؟ پھر جھوٹ کے برخلاف آگے سچائی کا ذکر ہے: ﴿وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ﴾ جو سچی بات لے کر آیا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے، اور اس نے اس کی تصدیق کی بھی، تو بیشک وہ سب متقی ہیں، اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہیں۔ شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ ذات جو سچ لے کر آئی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، اور جنہوں نے اس سچی بات کی تصدیق کی ہے وہ مؤمنین ہیں،

گویا کہ دونوں جملوں کے مصداق الگ الگ ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تقویٰ کی پہلی سیڑھی یہ ہے کہ آدمی ہر طرح کے شرک سے بچے، پھر درجہ بدرجہ تمام گناہوں سے بچے، حتی کہ خلاف اولیٰ جائز چیزوں سے بھی بچے۔

﴿لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ ذٰلِكَ جَزٰٓءُ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ ان کے لئے ان کے پروردگار کے نزدیک ہر وہ چیز ہوگی جس کی وہ خواہش کریں گے، یہی بدلہ ہے احسان کرنے والے نیکوکاروں کا، پھر اس کا اثر یہ ہوگا کہ: ﴿لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ عَمِلُوْا وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ تاکہ کفارہ کردے اللہ تعالیٰ ان کے ان برے کاموں کا جو انہوں نے کئے (دنیا میں) اور اجر وثواب دے ان کو ان کے بہترین کاموں کا جو وہ اپنی دنیوی زندگی میں کیا کرتے تھے، آج روزِ قیامت وہ اپنے اچھے اعمال کا اچھا بدلہ پائیں گے۔

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ۭ وَيُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۶﴾ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ۭ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِي انْتِقَامٍ ﴿۳۷﴾

ترجمہ: کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو کافی نہیں ہے؟ اور وہ آپ کو ان سے ڈراتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہیں، اور اللہ تعالیٰ جسے گمراہ کردے تو اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ﴿۳۶﴾ اور جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دیدے سو اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں، کیا اللہ تعالیٰ عزت والا، بدلہ لینے والا نہیں ہے؟

معارف ومنازل

جب آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشرکین کو توحید کی دعوت دیتے تھے تو وہ لوگ برا مانتے تھے، ایک دن ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ دیکھو تم ہمارے معبودوں کو برا کہنا چھوڑ دو، ورنہ ہم اپنے معبودوں کو تم پر مسلط کریں گے، یہاں تک کہ وہ تمہیں ختم کردیں، اور تمہارے ہوش وحواس بھی قائم نہ رہیں، اس پر یہ آیت اتری: ﴿اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ﴾۔

اور بعض روایات میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کو بھیجا تھا کہ عزیٰ بت کو توڑ دیں، جب یہ وہاں پہنچے تو وہاں کے بت خانہ کا جو مجاور ذمہ دار تھا اس نے کہا کہ دیکھو! میں تمہیں آگاہ کرتا ہوں اس بات کی طرف کہ تمہیں اس بت سے سخت تکلیف پہنچ جائے گی، تم کیسے آدمی ہو جو اتنی بڑی جسارت کرنے آئے ہو؟

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اس کی بات نہ مانی، اور آگے بڑھے اور جو کلہاڑا لے کر گئے تھے وہ عزیٰ بت کی ناک اور چہرے پر زور سے مار کر اسے تباہ کر کے رکھ دیا، پھر اس کے جسم پر وار کر کے اسے چورا چورا کر دیا، اس پر آیت: ﴿وَيُخَوِّفُوْنَكَ﴾ کا نزول ہوا۔ [در منثور عن قتادہ علیہ الرحمۃ]

تو معنی یہ ہے: کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کے لئے کافی نہیں ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کے لئے کافی ہے، جو ہر مصیبت، شر اور فتنہ سے بچائے گا، پس مسلمان کا یہی عقیدہ ہونا چاہئے کہ میرا مددگار اور محافظ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے، اور اسی پر بھروسہ واعتماد کر کے حسبنا اللہ ونعم الوکیل اور اسی آیت کریمہ کا وظیفہ جاری رکھے، ان شاء اللہ تعالیٰ ہر مصیبت سے نجات پائے گا۔

﴿وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ﴾ ہر تصرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، حتیٰ کہ ہدایت وگمراہی بھی، تو جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں، اور: ﴿وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ﴾ اور جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دیدے تو اس کا کوئی گمراہ کرنے والا نہیں۔ ﴿اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِي انْتِقَامٍ﴾ کیا اللہ تعالیٰ عزت و غلبہ والا اور بدلہ لینے والا نہیں؟ بیشک وہ سب کچھ کرنے والا ہے۔

....

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۭ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ۭ قُلْ حَسْبِيَ
اللّٰهُ ۭ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۳۸﴾ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰي مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾
مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۴۰﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ
فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۴۱﴾

ترجمہ: اگر آپ ان سے سوال کریں کہ کس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو؟ تو ضرور یوں کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا، آپ فرمادیجئے کہ تم ہی بتاؤ جن کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے ہو اگر اللہ تعالیٰ مجھے کوئی ضرر پہنچانے کا ارادہ فرمائے تو کیا تمہارے معبود اللہ تعالیٰ کی پہنچائی ہوئی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں؟ یا اگر اللہ تعالیٰ مجھے رحمت سے نوازنے کا ارادہ فرمائے تو کیا تمہارے معبود اس کی رحمت کو روک سکتے ہیں؟ آپ فرمادیجئے کہ اللہ تعالیٰ

مجھے کافی ہے، اسی پر بھروسہ کرنے والے بھروسہ کرتے ہیں ۳۸ آپ فرما دیجئے کہ اے میری قوم! تم اپنی جگہ پر عمل کرتے رہو، بیشک میں عمل کر رہا ہوں، سو تم عنقریب جان لوگے ۳۹ کس کے پاس عذاب آتا ہے جو اس کو ذلیل کر دے گا، اور اس پر ایسا عذاب نازل ہوتا ہے جو ٹھہر کر رہ جائے ۴۰ بیشک ہم نے لوگوں کے لئے حق کے ساتھ آپ پر کتاب نازل کی ہے، سو جو ہدایت پر آجائے یہ اس کی اپنی جان کے لئے ہے، اور جو شخص گمراہی اختیار کرے سو وہ اپنی جان کو ضرر پہنچانے کے لئے گمراہی اختیار کرتا ہے، اور آپ ان پر مسلط بنا کر نہیں بھیجے گئے ۴۱

معارف ومنازل

سابقہ آیات میں مشرکین کے لئے اللہ تعالیٰ کے عذاب اور انتقام کا بیان ہوا، اب ان آیات میں ربّ العزّت اپنی قدرت وطاقت کا مظاہرہ فرما رہے ہیں، جس کا مشرکین نے اقرار کیا ہوا ہے، فرمایا:

﴿وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ مَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ لَيَقُوۡلُنَّ اللّٰهُ﴾ اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ تو لامحالہ یہی کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے، آج تک کسی بت پرست کافر نے یہ نہیں کہا کہ کائنات کا کوئی دوسرا خالق ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا۔ ﴿قُلۡ اَفَرَءَيۡتُمۡ مَّا تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ﴾ اس اقرار وتسلیم کے بعد چاہئے تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرتے، مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا، لہٰذا آپ ان سے اتمامِ حجت کے لئے پوچھیں کہ پھر تم مجھے یہ بتلاؤ سہی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا جن معبودوں کو تم پکارتے ہو، اور ان کی عبادت بھی کرتے ہو، اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے، وہ عاجز محض اور مردے ہیں، دیکھو:

﴿اِنۡ اَرَادَنِىَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلۡ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖۤ﴾ اگر اللہ تعالیٰ مجھے کوئی تکلیف پہنچانے کا ارادہ فرمائے، تو کیا تمہارے معبود اس کی دی ہوئی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں؟ ﴿اَوۡ اَرَادَنِىۡ بِرَحۡمَةٍ هَلۡ هُنَّ مُمۡسِكٰتُ رَحۡمَتِهٖ﴾ یا اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی رحمت کا ارادہ فرمائے تو کیا تمہارے معبود اس رحمت کو روک سکتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ دونوں سوالوں کا جواب نفی میں ہے، کہ نہ کوئی اس کی بھیجی ہوئی مصیبت کو دور کر سکتا ہے، اور نہ اس کی رحمت کو روک سکتا ہے۔

یہ بات صرف بتوں تک محدود نہیں، بلکہ سارے جہاں کے خیر وشر نفع ونقصان اسی قادر مطلق کے ہاتھ میں ہے، بڑے سے بڑے بادشاہ اور حکمران اس کے حکموں میں دخل اندازی نہیں کر سکتے، سب کچھ اسی کی مشیت وارادہ سے ہوتا ہے۔ ﴿وَمَا تَشَآءُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ يَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ [التکویر: ۲۹] (اور تم چاہو گے نہیں، مگر یہ کہ اللہ چاہے)۔ اگر

کسی کو مافوق الاسباب کوئی چیز مانگنا ہو تو اسی غنی مطلق سے مانگے، اس کے علاوہ کوئی بھی کسی کو کچھ دینے پر قادر نہیں ہے، اور نہ ہوگا، پس:

﴿قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ﴾ آپ صرف یہ کہہ دیں کہ مجھے اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے، یہ وہ ترانہ ہے جسے پیغمبروں کے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کی آگ میں گرتے ہوئے کہا تھا: ﴿حَسْبِيَ اللّٰهُ﴾۔ کیا پیارا وظیفہ ہے، سارے اسباب سے مستغنی ہو کر، سب سے کٹ کر اللہ تعالیٰ کے حریم میں آنا بڑا عجیب ہے۔ ؎

جلوہ حسنت نہ گنجد در زمین و آسمان ☆ در حریم سینہ حیرانم کہ چوں جا کردۂ

[امیر خسرو]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: مَنْ احَبَّ اَنْ يَّكُوْنَ اَقْوَى النَّاسِ فَلْيَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ۔ جو شخص دنیا میں طاقتور بننے کا خواہشمند ہے اسے چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ شانہ پر بھروسہ رکھے، کیونکہ قوتوں کا اصلی سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، اسی نسخۂ کیمیاء کے طفیل کمزور اور نہتے بے سروسامان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پورے جہاں کو فتح کیا۔ آج ہمارے زمانے میں بھی معدودے چند کمزور طالبان نے ایسی طاقتوں کے سرغنہ امریکہ اور اس کے پچاس کے قریب اتحادیوں کا غرور خاک میں ملا دیا، چونکہ حیا و شرم مسلمان کے ساتھ مخصوص ہے، اگر ان کے پاس حیاء کا ایک ادنیٰ ذرہ ہوتا تو مسلمانوں کا نام قیامت تک نہ لیتے۔ فرمایا:

﴿قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴾ آپ ان منکرین سے کہہ دیں کہ تم اپنی جگہ پر کام کرتے رہو، میں اپنے مقام پر کام کرتا رہوں گا، پھر نتیجہ جب سامنے آجائے تو عنقریب جان لو گے کہ ہم میں سے کون حق پر تھا، اور کون باطل پر، وہ اس طرح: ﴿مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ﴾ کہ رسوا کرنے والا عذاب کس کے پاس آئے گا؟ ﴿وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ﴾ اور ہمیشہ رہنے والا عذاب کس کے حصے میں آئے گا؟

مطلب یہ ہے کہ صرف مرنے کی دیر ہے، عنقریب تمہیں دائمی عذاب اپنی لپیٹ میں لے کر تباہ کرے گا؟ رسوا کن عذاب سے مراد دنیوی عذاب ہو، اور ہمیشگی والے عذاب سے آخرت کا عذاب ہو، یہ بھی درست ہے۔ آگے قرآن کریم کی حقانیت کا بیان ہے، فرمایا:

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ﴾ بے شک ہم نے یہ کتاب لوگوں کے لئے آپ پر حق کے ساتھ نازل کی ہے، اس کتاب برحق کے نزول کا مقصد یہ ہے کہ لوگ اس پر ایمان لا کر ابدی عذاب سے نجات

پائیں، آپ اپنے فریضہ تبلیغ کو جاری رکھتے ہوئے لوگوں تک بات پہنچائیں۔

﴿فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ﴾ پس جو شخص ہدایت قبول کرے گا تو یہ اسی کے نفع کے لئے ہوگا، جس کا میٹھا پھل جب اس کو حاصل ہوگا تو وہ بے حد خوشی منائے گا۔ ﴿وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا﴾ اور جو شخص گمراہ ہوگا تو گمراہی کا وبال اسی پر پڑے گا۔ ﴿وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ﴾ اور آپ ان پر ذمہ دار نہیں بنائے گئے ہیں، کسی بھی شخص کی گمراہی کی باز پرس قطعاً آپ سے نہیں ہوگی، آپ نے اپنا حق تو ادا کر دیا، اور بس۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کسی کے ایمان کے ذمہ دار نہیں ہیں کہ لوگوں کو زبردستی اسلام میں داخل کریں، اور اپنی بات ضرور منوائیں، آپ کے ذمہ صرف تبلیغ ہے، عمل کرنا نہ کرنا لوگوں کی اپنی ذمہ داری ہے، آپ پریشان ہرگز نہ ہوں۔

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ
وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ
اللّٰهِ شُفَعَآءَ ؕ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۳﴾ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ؕ لَهٗ مُلْكُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ
لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۵﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ قبض کر لیتا ہے جانوں کو ان کی موت کے وقت، اور ان جانوں کو بھی جن کی موت نہیں آئی ان کے سوتے وقت، پھر اُسے روک لیتا ہے جس کے بارے میں موت کا فیصلہ فرما دیا، اور دوسری کو اجل مقرر تک چھوڑ دیتا ہے، بلاشبہ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو فکر کرتے ہیں ﴿۴۲﴾ کیا ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا سفارش کرنے والے تجویز کر رکھے ہیں، آپ فرما دیجئے: اگر چہ وہ کچھ بھی قدرت نہ رکھتے ہوں؟ اور کچھ بھی نہ سمجھتے ہوں؟ ﴿۴۳﴾ آپ فرما دیجئے کہ سفارش تمام تر اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے، اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے ملک آسمانوں کا اور زمین کا، پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ﴿۴۴﴾ پھر جب تنہا اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان لوگوں کے دل منقبض ہو جاتے ہیں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے، اور جب اس کے سوا دوسروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو اچانک وہ خوش ہو جاتے ہیں ﴿۴۵﴾

معارف ومنازل

گزشتہ آیات میں منکرین کا انجام جو خود ان کے سامنے آجائے گا اس کا بیان تھا، اب ان آیات میں قیامت اور قیامت کے روز انسانوں کی پیشی کا بیان ہے۔ یہ بڑا عجیب منظر قیامت کے روز قابلِ دید وموجب غور وفکر ہوگا، اور یہ منظر ایک اعتبار سے شب وروز دنیا میں ہر انسان پر واقع ہوتا ہے، وہ ہے سونا جو کہ بمنزلہ موت ہے، اور بیدار ہونا جو بمنزلہ بعث بعد الموت کے۔

اس توفی کی دو قسمیں ہیں: ایک ہمیشہ کے لئے روح کو اپنے قبضہ میں کرنا، اس کا معنی موت ہے۔ دوسرا عارضی طور پر کچھ وقت کے لئے، اس کا معنی نیند ہے، آیت کریمہ میں دونوں کا بیان ہے، فرمایا:

﴿اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا﴾ اللہ تعالیٰ قبض کرتا ہے جانوں کو موت کے وقت، یا یوں ترجمہ کرو: وہ اللہ ہی ہے جو قبض کرتا ہے روحیں موت کے وقت، اور جو مرا نہیں ہے اس کی روح قبض کرتا ہے اس کی نیند میں، یعنی اللہ تعالیٰ کے فرشتے اس کے حکم سے مقررہ وقت پر انسان کی جان کھینچ لیتے ہیں۔ سورۂ انعام میں فرمایا: ﴿تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا﴾ [الأنعام:٦١] (ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اس کی روح کو من کل الوجوہ قبض کر لیتے ہیں)۔

﴿وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا﴾ اور ان جانوں کو بھی قبض فرماتا ہے حالتِ خواب میں جن کی موت نہیں آئی ہے، ان کے سونے کے وقت میں، اس طرح سے کہ ہوش وحواس تو معطل کر دیئے جاتے ہیں مگر حیات باقی رہتی ہے۔

﴿فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ﴾ پھر اس کے بعد ان جانوں کو تو ابدان کی طرف لوٹنے سے روک لیتا ہے جن پر موت کا فیصلہ فرمادیا۔ ﴿وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰۤى اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ اور باقی ان دوسری جانوں کو جن پر بحالتِ خواب صرف ادراک وشعور سے تعطل واقع فرمایا ہے، اور ابھی ان کی موت کا وقت نہیں آیا ان کو چھوڑ دیتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ موت کی دو صورتیں ہیں: روز مرہ کے مشاہدہ میں واقع ہے کہ کوئی گہری نیند سویا تو اس کی موت واقع ہوئی، یعنی سویا تو ابدی سویا، حواس کے معطل ہونے کے بعد نکلی ہوئی روح واپس بدن میں نہیں آئی، اور ابدی موت واقع ہوگئی، کیونکہ موت کا وقت یہی مقرر تھا، چنانچہ بے شمار اچھے اور برے ہر قسم کے لوگوں کی موت کی یہی کیفیت رہی ہے۔

دوسرا یہ کہ موت کا وقت نہیں آیا، آدمی سو گیا روح نکل گئی، حواس وہوش معطل ہو گئے، کچھ وقت کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم سے روح واپس آکر بدن میں داخل ہوگئی، اور آدمی بیدار ہوا۔ یہ دوسری قسم رات دن انسانوں کی نظروں

کے سامنے ہے، اور قدرت کی عظیم نشانیوں میں اس کا شمار ہے، اسی کو فرمایا:

﴿اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَفَكَّرُوۡنَ﴾ بیشک ان مجموعی احوال میں بڑی نشانیاں ہیں ایسے لوگوں کے لئے جو غور وفکر کرتے ہیں، اور ان نشانیوں کے توسط سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر استدلال کرتے ہیں کہ سونے کے بعد دوبارہ بیدار ہوکر زندہ ہونا حیاۃ بعث بعد الموت کا واضح ثبوت اور دلیل ہے، مگر جو لوگ عقل وفکر سے خالی ہیں اور نفس وخواہشات کے غلام ہیں تو ان کا حال یہ ہے:

﴿اَمِ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ﴾ کیا انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو سفارشی بنا رکھا ہے؟ اور ان پر اعتماد وبھروسہ کیا ہے کہ یہ ہماری سفارشی ہیں، اور ہمیں نجات دلائیں گے شفاعت کرکے۔ ﴿قُلۡ اَوَلَوۡ كَانُوۡا لَا یَمۡلِكُوۡنَ شَیۡـًٔا وَّلَا یَعۡقِلُوۡنَ﴾ آپ کہہ دیجئے کہ کیا یہ ممکن ہے کہ ان کے معبودان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچالیں گے، یہ ہے ان کے معبود، نہ کسی چیز کے مالک ہیں، نہ ان کو کوئی تصرف حاصل ہے، اور نہ ہی وہ ہوش وحواس کے مالک ہیں، اور نہ ہی سمجھدار ہیں، پھر یہ ان کے لئے کیا سفارش کریں گے؟ اور سفارش کے لئے اللہ تعالیٰ کا اذن اور اس کی اجازت الگ شرط ہے، جو باطل معبودوں کو حاصل نہیں ہے۔

﴿قُلۡ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِیۡعًا﴾ آپ فرمائیے کہ سفارش تو ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ ﴿لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ﴾ جس کی بادشاہی آسمانوں اور زمین پر ہے۔ ﴿ثُمَّ اِلَیۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ﴾ پھر تم سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، وہاں تمہارے معبود تم سے پہلے دوزخ پہنچ چکے ہوں گے، وہ تمہارے لئے کوئی بھی سفارش نہیں کرسکیں گے، اور یہ بھی یاد رکھو کہ مشرکین کے لئے کوئی سفارش نہیں ہوگی، کبھی جن کی ذہنیت اتنی گندی ہو جو یہ ہے:

﴿وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحۡدَهُ اشۡمَاَزَّتۡ قُلُوۡبُ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ﴾ جب ان کے پاس اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل منقبض ہوجاتے ہیں یا سکڑ جاتے ہیں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ اتنے بدنصیب ہیں کہ ربّ العزّت سبحانہ کا نام گوارہ نہیں کرتے۔ ﴿وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِیۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اِذَا هُمۡ یَسۡتَبۡشِرُوۡنَ﴾ اور جب اللہ تعالیٰ عزّ وجل کے سوا دوسروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو وہ بڑے خوش ہوتے ہیں۔

سبحان اللہ! یہ تھا حال خالص مشرکین وکفار اور بت پرستوں کا، مگر آج کے نام نہاد مسلمان ان سے بھی آگے ہیں، جب اللہ تعالیٰ کی قدرت، عظمت، جلال، کمال اور جمال کا مسلسل ذکر ہو تو ان کے چہروں پر انقباض ہوتا ہے، اور

ان کے قلوب سکڑنے لگتے ہیں، مگر جب کسی پیر، فقیر، سید، بادشاہ اور گدی نشین ہستی کا تذکرہ اور یاد ہو تو ان کا انقباض مسرتوں میں تبدیل ہو جاتا ہے، اور ان کا قبض بھی ٹوٹ جاتا ہے، ''واہ واہ مولانا'' کے نعرے بلند ہوتے ہیں، کہتے ہیں: کیا ہی بے مثال خطیب ہیں۔ ان بیچاروں قبر پرستوں، شجر و حجر والوں پر اللہ تعالیٰ کی پھٹکار ہے، انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر اور عظمتوں وقدرتوں کی یاد سے پھیر کر ابلیس کے حوالہ کیا ہوا ہے۔ اس مضمون کو سورۃ الاعراف کی آیت ۱۴۶ میں دیکھیں، وہاں تفصیل ہے۔

یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ براہ راست مافوق الاسباب امور میں نہ کسی نبی ورسول کو، اور نہ کسی فرشتہ ومقرب کو کوئی اختیار ہے، اور اس میں نہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک ہوسکتا ہے۔ البتہ شفاعت کے متعلق ہر قسم کا اختیار اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے، وہ جس کو چاہے اور جس کے لئے چاہے سفارش کی اجازت دیدے گا، اور اس کے یہاں کسی کافر ومشرک کے لئے نہ بخشش ہے اور نہ کسی کو سفارش کی اجازت ہے، حتیٰ کہ ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ مشرک کے لئے شفاعت نہیں کرسکیں گے، اور جن جن لوگوں کو اجازت ملنے کے بعد سفارش کرنے کی اجازت ہوگی وہ انبیاء علیہم السلام، فرشتے، مقرب بندے، شہداء، علماء، صالحین، نابالغ بچے وغیرہ سب شامل ہیں۔ سورۂ نبا اور سورۂ انشراح میں تفصیل دیکھیں۔

❁ ❁ ❁

قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ
فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا
بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَبَدَا
لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۸﴾

ترجمہ: آپ یوں کہئے کہ اے اللہ تعالیٰ! آسمانوں اور زمینوں کے پیدا فرمانے والے! غیب اور شہادت کے جاننے والے! آپ اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ فرمائیں گے، ان باتوں کے بارے میں جن وہ اختلاف کرتے ہیں ﴿۴۶﴾ اور جن لوگوں نے ظلم کیا اگر ان کے لئے وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے اور اس کے ساتھ اسی جیسا اور ہو تو قیامت کے دن عذاب کی بدحالی کی وجہ سے وہ اس سب کو جان کے بدلہ میں دیدیں گے، اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ ظاہر ہو جائے گا جو ان کے گمان میں نہ تھا ﴿۴۷﴾ اور انہوں نے جو عمل کئے تھے ان کے برے نتیجے ان کے

لئے ظاہر ہو جائیں گے، اور انہیں وہ چیز گھیر لے گی جس کا وہ مذاق بناتے تھے ﴿۴۸﴾

معارف ومنازل

گزشتہ آیات میں مجرمین ومنکرین کی سزا اور قیامت کے روز ان کی ذلت وندامت کا بیان تھا، اب ان آیات میں سرور عالم ﷺ کو ایک عظیم دعا کی تعلیم وتلقین کے ضمن میں تسلی دی جارہی ہے کہ آپ دشمنوں کی شرارتوں سے مغموم وپریشان نہ ہوں، ارشاد فرمایا:

﴿قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ﴾ آپ کہہ دیں: اے میرے ربّ! اے اللہ! آسمان اور زمینوں کے پیدا کرنے والے! ظاہر وباطن کے جاننے والے! آپ ہی قیامت کے روز اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ فرمائیں گے ان امور میں جن کے متعلق وہ باہم اختلاف کرتے تھے، اور یہ کہہ کر آپ ہر معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالہ کریں، اللہ تعالیٰ خود ہی فیصلہ فرمادے گا، اور یہ فیصلہ کوئی ایسا فیصلہ نہیں ہوگا کہ جس کو کسی تدبیر اور ذریعہ سے رد کر دیا جائے۔

یہاں ظاہر اور پوشیدہ چیزوں سے مراد وہ چیزیں ہیں جو مخلوق کے اعتبار سے پوشیدہ اور ظاہر ہیں، ورنہ اللہ تعالیٰ سے تو کوئی چیز پوشیدہ نہیں، اس کے لئے تو ہر چیز ظاہر ہے، پوشدہ کوئی نہیں۔ سورۂ یونس میں ارشاد ہے: ﴿وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ﴾ [یونس:۶۱] (تیرے پروردگار سے تو زمین آسمان میں ایک ذرے کے برابر بھی کوئی چیز مخفی نہیں ہے)۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ مخالفین ہزار مرتبہ آپ کی تکذیب کریں اور حق کا انکار کریں، آپ پریشان نہ ہوں، یہ دنیا دار العمل اور دار الغرور ہے، جب یہ لوگ دار الجزاء میں پہنچیں گے اور ان کے خلاف فیصلہ ہوگا تو آپ کی کامیابی اور ان کی ناکامی واضح ہو جائے گی۔

﴿وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ﴾ اور اگر ان لوگوں کے پاس جو کفر وشرک کر کے ظلم کرنے والے ہیں دنیا بھر کی تمام چیزیں ہوں، بلکہ ان کے ساتھ اتنی ہی چیزیں اور بھی ہوں، اور یہ لوگ اتنی ساری چیزوں کو فدیہ کرنے لگیں قیامت کے دن کے سخت عذاب سے بچنے کے لئے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ظاہر ہوگا ان کے لئے

ایسا معاملہ عذاب وذلّت کا جس کا وہ گمان بھی نہ کرتے تھے، یعنی ایسی گرفت آئے گی جس کے متعلق انہوں نے کبھی سوچا تک نہ تھا۔ سورۂ آل عمران میں فرمایا کہ زمین کی بھرائی جتنا سونا اگر فدیہ کے طور پر دیدیں تب بھی فائدہ مند اور قبول نہ ہوگا۔

﴿وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ اور ان کی وہ تمام برائیاں ظاہر ہوجائیں گی جو انہوں نے دنیا میں انجام دیں، اور جن کے ساتھ وہ استہزاء اور مذاق کرتے تھے، وہ سب ان کو چاروں طرف سے گھیر لیں گی، یعنی انہوں نے عذاب کا استہزاء کیا، اور قیامت کا بھی استہزاء کیا، تو عذاب ان کو گھیرے میں لے لیا، اور لے لے گا۔

فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ؗ ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَاۤ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ ؕ
بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۹﴾ قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَاۤ اَغْنٰى عَنْهُمْ
مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۵۰﴾ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ؕ وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰۤؤُلَآءِ سَيُصِيْبُهُمْ
سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ۙ وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۵۱﴾ اَوَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ
وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾

ترجمہ: سوجب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ ہمیں پکارتا ہے، پھر جب ہم اسے اپنی طرف سے نعمت یدیتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ یہ تو مجھے ہنر کی وجہ سے ملا ہے، بلکہ بات یہ ہے کہ وہ امتحان ہے، لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے ﴿۴۹﴾ یہ کلمہ ان سے پہلے لوگوں نے کہا، سو جو کچھ کمائی کرتے تھے اس نے انہیں کچھ بھی فائدہ نہ دیا ﴿۵۰﴾ سو انہوں نے جو برے اعمال کئے تھے ان کا بدلہ انہیں پہنچ گیا، اور ان میں سے جن لوگوں نے ظلم کیا عنقریب انہیں ان کے اعمال کا بدلہ پہنچ جائے گا، اور وہ عاجز کرنے والے نہیں ہیں ﴿۵۱﴾ کیا انہوں نے نہیں جانا کہ اللہ تعالیٰ رزق پھیلا دیتا ہے جس کے لئے چاہے؟ اور تنگ کر دیتا ہے جس کے لئے چاہے؟ بلاشبہ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں ﴿۵۲﴾

ان آیات میں انسان کی ناشکری اور کم ظرفی کا بیان ہے، یہ خصلت اکثر وبیشتر کافروں، منافقوں، فاسق اور فاجروں میں ہوتی ہے، متقی پرہیز گار مؤمن اس طرح کی ناشکریوں سے بہت دور رہتے ہیں، فرمایا:

﴿فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا﴾ جب ناشکر گزار انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہم کو پکارنے لگتا ہے، اور اپنے باطل معبودوں کو قصداً بھول جاتا ہے، وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ ان سے کچھ نہیں ہوتا، وہ دریا کے سفر میں بھی اسی نسخہ پر کار بند اور پائے بند رہتا ہے، لیکن: ﴿ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ﴾ پھر جب اس کو ہم اپنی طرف سے نعمت عطا کرتے ہیں اور اس کی تکلیف کو دور کر کے اسے راحت اور خوشی دیدیتے ہیں تو بجائے شکر گزاری کے اتراتے ہوئے غرور سے کہتا ہے کہ یہ مال ودولت تو مجھے میرے علم وہنر اور استعداد ولیاقت کی وجہ سے حاصل ہوا ہے۔ بڑے بڑے بے دین لوگ اللہ تعالیٰ کے انعامات کو اپنی قابلیت پر محمول کرتے ہیں، اور خود کو زمانہ کا افلاطون سمجھتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ یہ ہماری آزمائش ہے:

﴿بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ﴾ نہیں ہرگز نہیں، یہ تیرا کمال نہیں، تم خود بھی ہماری قدرت کی پیداوار ہو، یہ مال ودولت ہماری طرف سے ایک آزمائش ہے، اور یہ ہمارا قانون ہے کہ کبھی تنگدستی کے ذریعہ آزماتے ہیں اور کبھی خوشحالی کے ذریعہ، اور دیکھتے ہیں کہ لوگ کیا کرتے ہیں۔ ﴿وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ لیکن ان میں سے اکثر لوگ سمجھتے ہی نہیں۔ ﴿قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ بیشک ان سے پہلے لوگوں نے بھی یہی بات کہی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کر چکے ہیں، ان میں سرفہرست قارون ہے جس نے اتراتے اور دندناتے ہوئے کہا: ﴿قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ﴾ [القصص:۷۸] (اس نے کہا کہ مجھے یہ مال ودولت دیا گیا ہے میری دانائی کی وجہ سے)۔ پس ایسے کہنے والوں کا نتیجہ یہ ہے:

﴿فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ مگر ان کی کمائی کسی کام نہ آئی، اور ان کی تدبیر ان کے کام نہ آئی، اور بجائے انہیں بچانے کے انہیں مزید سزا میں مبتلا کر دیا۔ ﴿فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا﴾ بلکہ ان کی وہ تمام بداعمالیاں ان پر آپڑیں جو وہ کیا کرتے تھے، اور: ﴿وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰٓؤُلَاۗءِ سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا﴾ جس طرح ان کی بداعمالیوں کا انجام ان پر مسلط ہوا اسی طرح ان میں کے ظالموں کی بداعمالیاں بھی عنقریب ان پر پڑیں گی۔

﴿وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ﴾ وہ کسی صورت نہیں بچ سکتے، اور نہ بھاگ سکتے، اور نہ ہی ہمیں عاجز کر سکتے ہیں،

چنانچہ بدر اور دیگر غزوات میں انہیں مسلسل شکست سے دو چار ہونا پڑا، یہی سنت اللہ ہے جو موجودہ اور سابقہ تمام ناشکر لوگوں اور مشرکین کے لئے یکساں ہے، فرمایا: ﴿اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ۞ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ ۞ كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ۞﴾ [المرسلات] (کیا ہم نے نہیں ہلاک کیا پہلوں کو، پھر ان کے پیچھے تباہ کرتے ہیں پچھلوں کو، ہم ایسا ہی کرتے ہیں مجرم لوگوں کے ساتھ)۔ یہ موت و ہلاکت کا سلسلہ ہماری طرف سے جاری رہے گا، اور دورِ حاضر کے مجرموں پر بھی عذاب وعقاب کا قانون نافذ ہو جائے گا، پھر اسی امتحان و آمائش کو مزید محکم کرتے ہوئے فرمایا:

﴿اَوَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ﴾ کیا ان مشرکین کو اب تک یہ معلوم نہیں ہوا کہ اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہے رزق پھیلا دیتا ہے، فراخ کر دیتا ہے، اور جس کے لئے چاہے تنگ کر دیتا ہے، یہ محض امتحان کے لئے ہے، نہ اور کسی مقصد کے لئے، نہ اس کی کثرت رضائے الٰہی کی نشانی ہے، اور نہ اس کی تنگی خدا کی ناراضگی کی علامت ہے، یہ عجیب تقسیم ہے جو سراسر ربّ العزّت سبحانہ کی حکمت بالغہ کا شاہکار ہے، بڑے بڑے عقلمند فلاسفر متقی علماء وفضلاء فراخی رزق کی بدولت عیش کر رہے ہیں۔

اسپ تازی شدہ مجروح بزیر پالان ☆ طوق زرین ہمہ در گردن خرے بینم

ابلہاں راہمہ شربت زگلاب وقندست ☆ عاقلان راہمہ درخون جگرے بینم

[حافظ شیرازیؒ]

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ بیشک اس تقسیم میں بہت ہی بڑی نشانیاں ہیں مگر ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ غنا و دولت اور فقر و فاقہ ہر چیز اللہ پاک کے اختیار میں ہے۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ
جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۞ وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ
الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۞ وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ
يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۞ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ
جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ۞ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۞

اَوۡ تَقُوۡلَ حِيۡنَ تَرَى الۡعَذَابَ لَوۡ اَنَّ لِىۡ كَرَّةً فَاَكُوۡنَ مِنَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ۝ بَلٰى قَدۡ جَآءَتۡكَ
اٰيٰتِىۡ فَكَذَّبۡتَ بِهَا وَاسۡتَكۡبَرۡتَ وَكُنۡتَ مِنَ الۡكٰفِرِيۡنَ ۝ وَيَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيۡنَ كَذَبُوۡا
عَلَى اللّٰهِ وُجُوۡهُهُمۡ مُّسۡوَدَّةٌ ؕ اَلَيۡسَ فِىۡ جَهَنَّمَ مَثۡوًى لِّلۡمُتَكَبِّرِيۡنَ ۝

ترجمہ: آپ فرمادیجئے: اے میرے وہ بندو جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے! اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہوجاؤ، بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف فرمادے گا، بے شک وہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۝ اور اپنے ربّ کی طرف متوجہ ہوجاؤ، اور اس کے فرمانبردار بن جاؤ، اس سے پہلے کہ تمہارے پاس عذاب آئے، پھر تمہاری مدد نہ کی جائے۝ اور تم اپنے ربّ کے پاس سے آئے ہوئے اچھے اچھے حکموں پر چلو قبل اس کے کہ تم پر اچانک عذاب آپڑے، اور تم کو خیال بھی نہ ہو۝ کبھی کوئی جان یوں کہنے لگے: ہائے میری حسرت! اس چیز پر جو میں نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں تقصیر کی، اور بیشک بات یہ ہے کہ میں مذاق بنانے والوں میں سے تھا۝ کوئی جان یوں کہنے لگے کہ اگر میری واپسی ہوجاتی تو میں نیک کام کرنے والوں میں سے ہوجاتا۝ ہاں! بات یہ ہے کہ تیرے پاس میری آیتیں آئیں، تو نے انہیں جھٹلا دیا، اور تو نے تکبر اختیار کیا، اور تو کافروں میں سے تھا۝ اور اے مخاطب! تو قیامت کے دن دیکھے گا کہ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا ان کے چہرے سیاہ ہوں گے، کیا دوزخ میں تکبر والوں کا ٹھکانہ نہیں ہے۝

معارف ومنازل

اللہ تعالیٰ شانہ کی صفاتِ عالیہ اور کمالات وعنایات اتنے بے شمار ہیں کہ ساری مخلوقات ابد الآباد نہ انہیں شمار کرسکتے ہیں، اور نہ لکھ سکتے ہیں، اور نہ ہی تصور کرسکتے ہیں، اور اس کی رحمت وکرم اس کے قہر وغضب سے بہت مقدم ہے، اس آیت میں اسی رحمت وعنایت کا اعلان ہے، فرمایا:

﴿قُلۡ يٰعِبَادِىَ الَّذِيۡنَ اَسۡرَفُوۡا عَلٰٓى اَنۡفُسِهِمۡ لَا تَقۡنَطُوۡا مِنۡ رَّحۡمَةِ اللّٰهِ﴾ آپ میرے بندوں سے فرمادیجئے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہوں، کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ میں تو بہت بڑا گناہ گار ہوں، میری بخشش کیسے ہوگی؟ کوئی کتنا بڑا گنہگار کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ اپنی بے پایاں مغفرت ورحمت کے ساتھ اسے بخش دے گا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قرآن مجید میں اس آیت کریمہ سے بڑھ کر کوئی دوسری آیت نہیں ہے جس میں اللہ

تعالیٰ کی وسیع رحمت والطاف کا اعلان ہو۔ [روح المعاني]

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت کریمہ: ﴿يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ﴾ کی تلاوت فرمائی، پھر فرمایا: ولا يبالي کہ اللہ تعالیٰ کچھ پرواہ نہیں کرتا وہ جس کو چاہے بخش دے، اور جس بڑے گناہ کو بخش دے، اور جتنے بڑے گناہگار کو بخش دے، اس کے لئے کچھ مشکل نہیں ہے، اور اس کے کرم وفضل ورحمتِ عامہ اور وسیع مغفرت سے اسے کوئی روکنے والا نہیں۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ برابر توبہ کرتے رہیں، اگر توبہ ٹوٹ جائے پھر کرلیں، توبہ ٹوٹتی رہے بار بار کرلیں۔ ؎

باز آ باز آ ہر آنچہ کردی باز آ ☆ گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ

این درگاہ ما درگہ نا امیدی نیست ☆ صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

اللہ تعالیٰ شانہ کسی بڑی عبادت کے انجام دینے سے اتنا خوش نہیں ہوتا جتنا کسی گناہگار کی توبہ سے خوش ہوتا ہے، چھوٹے صغیرہ گناہ تو عبادت، طاعات اور ہر قسم کی حسنات سے معاف ہوتے رہتے ہیں، مگر کبیرہ گناہوں کے لئے توبہ شرط ہے، اور توبہ اس کا نام نہیں کہ زبان سے کہا: توبہ توبہ، توبہ کی پہلی شرط یہ ہے کہ دل میں پشیمانی اور ندامت اور گناہ سے نفرت ہو، دوسری شرط یہ ہے کہ اس گناہ کو فوراً ترک کرکے چھوڑ دے، تیسری شرط یہ ہے کہ آئندہ گناہ نہ کرنے کا پختہ عزم وارادہ کرلے۔

البتہ انسانوں کے حقوق توبہ سے معاف نہیں ہوتے، وہاں معاوضہ دینا یا صاحبِ حق سے صراحۃً حقوق کا نام لے کر معاف کرانا ضروری ہے، اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنی جس وسیع مغفرت ورحمت کا اعلان فرمایا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم لوگ دھڑا دھڑ گناہ کرتے چلیں اور اس کی عظیم مغفرت کی امید رکھیں، وفادار مخلص بندوں کا یہ شعار نہیں کہ مغفرت کا وعدہ سن کر بے خوف ہوجائیں، بلکہ مغفرتوں کی بشارتوں کے بعد اور زیادہ گناہوں سے بچنے پر اور نیکیوں میں ترقی کرنے پر زیادہ متوجہ ہوجائیں، یہی وفا شعاری کی علامت ہے، کتنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسے تھے کہ دنیا میں زبان نبوت سے ان کو جنتی ہونے کی خوشخبری سنائی گئی، جیسے عشرہ مبشرہ، اور ۳۱۳ شرکاء بدر رضی اللہ عنہم۔ ان حضرات کے علاوہ اور بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جنہیں جنتی ہونے کی بشارت ملی ہے، لیکن ان حضرات نے یہ اثر قطعاً نہیں لیا کہ گناہ کرتے جائیں، اور حسنات میں محنت نہ کریں، بلکہ انہوں نے شکر کے طور پر وہ وہ اعمال انجام دیئے کہ عام آدمی اس سے عاجز ہے، اور گناہوں سے اتنا اجتناب ودوری اختیار کی جو عام آدمی کے بس میں نہیں۔

شان نزول

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اہل شرک میں سے کچھ لوگ آنحضرت ﷺ کی خدمت گرامی میں حاضر ہوئے، یہ لوگ اسلام قبول کرنے پر رضا مند اور راغب تھے، وہ لوگ شرک، کفر، زنا اور دیگر اپنے گزشتہ جرائم سے خوفزدہ بھی تھے، سوانہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ جس اسلام کی دعوت دے رہے ہیں وہ نہایت ہی بہترین چیز ہے، تو کیا اگر ہم اسلام قبول کرلیں تو ہمارے سابقہ بڑے بڑے گناہ معاف ہوجائیں گے؟ اگر اسلام کے بعد بھی سابقہ بڑے بڑے گناہوں کی سزا ہمیں بھگتنا ہے تو اسلام لانے کا فائدہ نہ ہوگا، اس موقع پر سورۃ الفرقان کی آیت کا نزول ہوا، اور یہ آیت بھی نازل ہوئی۔ سورۃ الفرقان کی وہ آیت یہ ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ﴾ [الفرقان: ۶۸] (اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے، اور جس جان کو اللہ نے حرام کردیا ہے اس کو قتل نہیں کرتے مگر حق کے ساتھ، اور زنا نہیں کرتے)۔ مضمون و مطلب کی تفصیل وہاں دیکھیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی مغفرت کے لئے جو شرائط مقرر کی ہیں ان شرائط کی پابندی نہایت ضروری ہے، وہ شرائط اگلی آیت میں آنے والی ہیں۔ صحیح بخاری و مسلم میں حدیث ہے کہ شرائط موجود ہونے کی وجہ سے پورے ایک سو آدمیوں کا قاتل بخشا گیا، اور جنت میں داخل کیا گیا، جبکہ ایک بلی کی ہلاکت پر ایک عورت شرائط نہ ہونے کے سبب مغفرت سے محروم ہوئی، اور دوزخ میں ڈالی گئی۔ تو ارشاد ہوا:

﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا﴾ اے پیغمبر اعظم! آپ میری طرف سے میرے بندوں میں اعلان کردیں کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنے نفسوں پر زیادتی کی ہے، یعنی ہر قسم کے گناہوں اور جرائم کا ارتکاب کیا ہے، تم لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا، بیشک اللہ تعالیٰ سب کے سب گناہ معاف فرمائے گا۔

﴿اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ بیشک وہ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے۔ ہاں! البتہ مغفرت کے لئے یہ دو شرائط بہت ضروری ہیں، انہیں بجالاؤ، وہ یہ ہیں: ﴿وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ﴾ تم اپنے پروردگار کی طرف انابت اور رجوع کرو، یعنی گناہوں کو ترک کرکے توبہ کرو، اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری اختیار کرو، اور آئندہ عہد کرلو کہ گناہ نہیں کریں گے، اور اطاعت اختیار کریں گے، اور یہ سب کچھ:

﴿مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَکُمُ الۡعَذَابُ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب آنے سے پہلے پہلے، کیونکہ جب کسی قوم پر عذاب آ پہنچے تو پھر توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا، اور عذاب کسی طرح واپس نہ ہوگا، اور: ﴿ثُمَّ لَا تُنۡصَرُوۡنَ﴾ پھر تمہاری کسی طرح مدد و نصرت نہیں کی جاسکے گی، اور نہ ہی توبہ کارآمد ہوگی۔ ﴿وَاتَّبِعُوۡۤا اَحۡسَنَ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکُمۡ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَکُمُ الۡعَذَابُ بَغۡتَةً وَّاَنۡتُمۡ لَا تَشۡعُرُوۡنَ﴾ اور ان بہتر اور پسندیدہ باتوں کا اتباع کرو جو تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہاری طرف نازل کی گئی ہیں، قبل اس کے کہ اچانک تمہارے پاس عذاب آجائے اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔ اَحۡسَنَ سے مراد قرآن حکیم ہے جو کہ پہلے اَحۡسَنَ الۡحَدِیۡث کے تحت بیان ہوا۔ یہاں عذاب سے مراد اجتماعی موت اور وقوعِ قیامت دونوں مراد ہو سکتے ہیں، اور عام دنیاوی عذاب بھی ہو سکتا ہے، الایمانُ بَیۡنَ الۡخَوۡفِ وَالرَّجَاءِ کے مطابق مؤمن کو چاہئے کہ ہمیشہ محتاط رہے، اور شب و روز اپنے معاصی پر ندامت کے ساتھ تائب رہے، اور اللہ تعالیٰ کے ہر قسم عذابوں سے استعاذہ کرے، یہ اس لئے ضروری ہے کہ:

﴿اَنۡ تَقُوۡلَ نَفۡسٌ یّٰحَسۡرَتٰی عَلٰی مَا فَرَّطۡتُّ فِیۡ جَنۡۢبِ اللّٰهِ وَاِنۡ كُنۡتُ لَمِنَ السّٰخِرِیۡنَ﴾ کہ کل بروزِ قیامت یا دنیا میں کسی عذاب کے نزول کے وقت کوئی آدمی یہ نہ کہے (افسوس کرتے ہوئے) افسوس کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے حکموں کے بارے میں اس کے سامنے کوتاہی کی ہے، اور میں تو استہزاء کرنے والوں میں تھا، دنیا میں خواہشات پر چل کر اللہ تعالیٰ کے حکموں پر ٹھٹھا کرتا رہا، آج اپنے گناہوں کی سزا بھگت رہا ہوں۔

﴿اَوۡ تَقُوۡلَ لَوۡ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِیۡ لَكُنۡتُ مِنَ الۡمُتَّقِیۡنَ﴾ یا کوئی آدمی کفِ افسوس ملتے ہوئے یہ کہہ دے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے ہدایت دے دیتا تو میں متقیوں میں سے ہوتا، اور آج نجات یافتہ لوگوں میں ہوتا، یہ حسرت کرنے والے اپنے آپ کو ملامت کر رہے ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے ہدایت کے سارے راستے کھول دیئے، مگر ہم نے ناقدری کی، تکذیب کی، خواہشات کا اتباع کر کے جہنمی ہو گئے۔ قرآن کریم نے فرمایا: ﴿یٰۤاَیُّهَا الۡاِنۡسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الۡكَرِیۡمِ﴾ [الانفطار: ۶] (اے انسان! تجھے تیرے پروردگار کے بارے میں کس چیز نے دھوکہ میں ڈالا؟) تجھے محسن حقیقی ربّ کریم سے کس چیز نے بیگانہ کیا؟ اور دور رکھا، باوجود اس کے کہ اس نے ظاہری و باطنی تمام نعمتوں اور صلاحیتوں سے تجھے نوازا۔

﴿اَوۡ تَقُوۡلَ حِیۡنَ تَرَى الۡعَذَابَ﴾ کہ کوئی شخص عذاب الٰہی کو آتے ہوئے دیکھ کر یہ بھی نہ کہہ دے:

﴿لَوۡ اَنَّ لِیۡ كَرَّةً فَاَكُوۡنَ مِنَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ﴾ اے کاش کہ میرے لئے دنیا میں پلٹ کر جانا ممکن ہوتا، تو

اس مرتبہ میں نیکی کرنے والوں میں ہوتا، سارا وقت طاعات وعبادات میں مشغول ہوتا مگر اللہ تعالیٰ اس کی کبھی اجازت نہیں دیتا۔سورۃ المومنون میں تفصیل گزر چکی ہے،اور سورۃ ابراہیم میں بھی۔اب اتمامِ حجت فرمارہے ہیں:

﴿بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِىْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ کیوں نہیں، یہ حقیقت ہے، تحقیق میری آیتیں آپ کے پاس آچکی ہیں، مگر تو نے ان کو جھٹلادیا اور تکذیب کی، اور تو نے غرور وتکبر اختیار کیا، اور تو کفر کرنے والوں میں شامل ہوگیا، اور میرے رسولوں، قاصدوں، کتابوں اور صحیفوں کا زور وشور سے انکار کرتا رہا، اب ایسے سرکشوں کے انجام کا بیان سنو:

﴿وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ﴾ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے والوں کو تو دیکھے گا کہ ان کے چہرے سیاہ ہوں گے۔دوسری آیت میں ہے کہ وہ آنکھوں سے اندھے ہوں گے: ﴿وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى﴾ [طٰہٰ:۱۲۴] (اور جس نے میری یاد سے اعراض کیا تو اس کے لیے تنگ زندگی ہوگی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے)۔سارے کفار قیامت کے روز آنکھوں سے اندھے اٹھائے جائیں گے، اور ان کے چہرے سیاہ ہوں گے، اور سارے مسلمان سفید نورانی چہروں کے ساتھ اٹھائے جائیں گے۔

﴿اَلَيْسَ فِىْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ﴾ کیا متکبرین کا ٹھکانہ جہنم نہیں ہے؟ تکبر شیاطین کا شعار ہے جو کوئی اسے اختیار کرے گا لازماً وہ ابلیس کے پیروکاروں کے ساتھ دوزخ میں رہے گا، آئندہ متقین کا بیان ہے۔

وَيُنَجِّى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۡ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۱﴾ اَللّٰهُ
خَالِقُ كُلِّ شَىْءٍ ۡ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۶۲﴾ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۳﴾

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں کو ان کی کامیابی کے ساتھ نجات دے گا، انہیں تکلیف نہ پہنچے گی، اور نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿۶۱﴾ اللہ تعالیٰ جل جلالہ ہر چیز کا پیدا فرمانے والا ہے، اور وہ ہر چیز میں تصرف کرنے والا ہے ﴿۶۲﴾ اسی کے لئے آسمانوں اور زمین کی کنجیاں ہیں، اور جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کیا یہ لوگ تباہ ہونے والے

ہیں ﴿۶۳﴾

معارف ومنازل

فرمایا: جن لوگوں نے ایمان لایا، تقویٰ اختیار کیا، کفر اور شرک سے بھی بچے، اور گناہوں سے بھی بچے اپنے ربّ کی نعمتوں پر شکر ادا کر کے اس کے حکموں پر عمل کیا، تو اللہ تعالیٰ ان کو ان کی کامیابی کے ساتھ نجات دے گا، اور متکبرین کے ٹھکانے دوزخ سے انہیں بچائے گا، انہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی، اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔

﴿اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۫ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ﴾ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے، اور ہر چیز میں اسی کا تصرف ہے، وہ جسے چاہے نجات دیدے، اور جسے چاہے نجات نہ دے، اور وہ اپنے بندوں کے ایمان وکفر کے مطابق فیصلہ کرے گا۔ ﴿لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اسی کے لئے آسمانوں اور زمین کی کنجیاں ہیں، وہ تصرف بھی کرے گا اور محافظت بھی، کسی پر رحمتوں کا دروازہ کھولے گا جو اس کے فرمانبردار ہیں، اور نافرمانوں پر عنایتوں کا دروازہ بند کر کے قیامت کے روز انہیں اندھے اور سیاہ چہروں کے ساتھ اٹھائے گا۔

﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ اور جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کیا، یہ لوگ تباہ ہونے والے ہیں، اس میں انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا انکار بھی شامل ہے۔

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ
اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۵﴾ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۶﴾

ترجمہ: آپ فرمادیجئے کہ اے جاہلو! تم مجھے حکم دیتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی غیر کی عبادت کروں ﴿۶۴﴾ اور یہ واقعی بات ہے کہ آپ کی طرف اور آپ سے پہلے جو رسول تھے ان کی طرف یہ وحی بھیجی گئی کہ اے مخاطب! اگر تو نے شرک کیا تو تیرا عمل حبط ہوجائے گا، اور تو نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوجائے گا ﴿۶۵﴾ بلکہ اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کر، اور شکر گزار بندوں میں سے ہوجا ﴿۶۶﴾

☆☆☆

معارف ومنازل

مفسر ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ مشرکین نے اپنی جہالت کی وجہ سے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دی کہ اگر آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کرو گے تو ہم بھی تمہارے معبود کی عبادت کریں گے، اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی، اور اللہ تعالیٰ شانہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ ان مشرکین کو خبردار کر دیجئے کہ اے نادان جاہلو! کیا تم مجھے حکم دے رہے ہو کہ میں معبود حقیقی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت کروں؟ تم کتنے بے عقل اور بے شعور ہو جو مجھے شرک کی دعوت دیتے ہو، یہ دعوت دینا اصلی میرا کام ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا برحق نبی ہوں، تمہیں صدق ودیانت اور خالص توحید کی دعوت دینے پر مامور ہوں، غیر اللہ کی عبادت سراسر عقل ونقل کے خلاف ہے، جس کے ختم کرنے کے لئے میری بعثت ہوئی ہے، تو فرمایا:

﴿قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ﴾ اے جاہلو! کیا تم مجھے اس بات کا حکم دیتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کی عبادت کروں؟ ﴿وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ اور تحقیق وحی کی گئی ہے آپ کی طرف اور ان نبیوں کی طرف بھی جو آپ سے پہلے گزرے ہیں، اور وہ یہ ہے کہ اگر آپ نے بھی شرک کا ارتکاب کیا (بالفرض) تو آپ کے اعمال بھی ضائع ہو جائیں گے، یہ شرک اتنا قبیح اور برا ہے کہ اس کی مغفرت کا دروازہ بند ہے، سوائے اس کے کہ مشرک شرک سے توبہ کر کے توحید اختیار کرے، تو اس کی مغفرت ہوگی۔ سورۃ الانعام میں جہاں اللہ تعالیٰ نے اٹھارہ انبیاء کا اکٹھا ذکر کیا ہے آخر میں فرمایا: ﴿وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾[الأنعام:۸۸] (اگر اللہ تعالیٰ کے یہ مقربین بھی شرک کا ارتکاب کرتے تو ان کے اعمال بھی ضائع ہو جاتے)۔ تو فرمایا کہ حبط عمل کے ساتھ آپ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے، ظاہر ہے کہ جب اعمال حسنہ نہ ہوں تو نقصان ہی نقصان ہوگا۔

﴿بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ﴾ بلکہ صرف اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کرو، اور اس کے شکر گزار بندوں میں سے بن جاؤ، اور توحید پر قائم رہ کر شرک جلی وخفی سب سے کنارہ کش رہو۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ

بِيَمِيْنِهٖ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ
فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ﴿۶۸﴾ وَاَشْرَقَتِ
الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَ وُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَ
هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۰﴾

ترجمہ: اوران لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی عظمت نہیں کی جیسی عظمت کرنا لازم تھی، حالانکہ قیامت کے دن ساری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی، اورتمام آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے، وہ پاک ہے، اوراس سے برتر ہے جولوگ شرک کرتے ہیں ﴿۶۷﴾ اورصور میں پھونکا جائے گا تو جو بھی آسمانوں میں اور زمین میں ہوں گے سب بے کار ہوجائیں گے، مگر جنہیں اللہ تعالیٰ چاہے، پھر اس میں دوبارہ پھونکا جائے گا تو اچانک سب کھڑے ہوئے دیکھتے ہوں گے ﴿۶۸﴾ اور زمین اپنے ربّ کے نور سے روشن ہوجائے گی، اور اعمال نامے رکھ دیئے جائیں گے اور پیغمبروں کواور گواہوں کو لایا جائے گا، اورلوگوں کے سامنے حق کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا، اوران پرظلم نہ کیا جائے گا ﴿۶۹﴾ ہرجان کواس کے اعمال کا پورابدلہ دیا جائے گا، اوراللہ تعالیٰ ان کاموں کوخوب جانتا ہے جووہ کرتے ہیں ﴿۷۰﴾

معارف ومنازل

اللہ تعالیٰ کی ذات بہت بڑی ہے، اوراس پوری کائنات سے بھی عظیم ہے، اس کواس دنیا میں ان ناقص آنکھوں سے نہیں دیکھا جاسکتا، لیکن اس کی صفات کا مظاہرہ ہوتا رہتا ہے، اس کی ہزاروں صفات جمالی اور ہزاروں صفات جلالی ہیں، کائنات میں کوئی ایسی چیز نہیں جہاں اس میں اس کی صفات کا جلوہ اوررنگ نہ ہو، اس کی صفات سب پاکیزہ ہیں، اوروہ ہرعیب ونقصان اور ہرپستی سے پاک ہے، اگرکوئی اس کی ذات وصفات کواسی طرح مانے اور تسلیم کرے جیسا کہ اس کا حکم اورفرمان ہے، اوراس کے رسولوں علیہم السلام کا فرمان اور کہنا وتعلیم ہے، توسمجھو کہ اس شخص نے اس کی قدرو تعظیم کی، اوراس کا احترام بجالایا، اوراس نے اپنے ایمان وتصدیق کی حفاظت کی، یہ شخص صاحب ایمان و صاحب ادب کہلائے گا۔

اوراگرکسی بدنصیب نے ربّ العزّت کی ذات وصفات اوراس کی توحید میں کوئی کمی کی، یااس کی صفات میں کسی عیب وپستی کا مظاہرہ کیا، یااس کی صفات میں کسی مخلوق کوشریک وساجھی سمجھا، یا پیغمبروں علیہم السلام کی تعلیمات و

احکام میں کمی بیشی دکھائی، توسمجھو کہ اس نے اپنے خالق ومالک کی بے تعظیمی وبے احترامی کی، اور ناقدری کی، ایسے لوگوں کو نافرمان، بےادب اور بے ایمان کہنا بجاہے، جیسے یہود ونصاریٰ اور دیگر اقوام عالم۔

آیت کریمہ میں انہی لوگوں کی نشاندہی ہے، اور قسم اول کے لوگ صحابہ کرامؓ، تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین، محدثین ومفسرین، علماء، فقہاء اور قیامت تک آنے والے اہل حق کی جماعت ہے، اور وہ تقویٰ ووفاداری اور تعظیمِ الٰہی اور معبودِ حقیقی کی قدردانی اور اس کی صفاتِ عالیہ وکمالاتِ بالغہ کا کماحقہ تحفظ انہی کا طغرۂ امتیاز ہے، فرمایا:

﴿وَمَا قَدَرُوا اللهَ حَقَّ قَدْرِهٖ﴾ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ایسی عظمت نہیں کی جیسی عظمت اس کے لائق تھی، یا اس کی شایان شان تھی، یہ لوگ بڑے نالائق اور بے سمجھ وناداں ہوئے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اس کی ذاتی ومخصوص صفات میں اس کی مخلوقات کو شریک ٹھہرایا، اور بے جان اندھے، بہرے، گونگے مورتیوں کو معبود بنا کر ان کی پرستش شروع کی، اور انہیں حاجت رواومشکل کشا قرار دیا، پس للہ تعالیٰ کے لئے کوئی شریک ٹھہرانا ناپاک اور نجس ہے، خواہ وہ شریک کوئی بڑی ہستی ہو، جیسے انبیاء کرام علیہم السلام یا فرشتے، یا اولیاء کرام، یا کوئی ادنیٰ مخلوق ہو جیسے ستارے، آگ، بت اور مورتیاں، یہ سب حرام اور ممنوع ہیں۔

﴿وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ﴾ قیامت کے دن ساری کی ساری زمین اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہوگی، اور سارے آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔

واضح ہو کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیانی علوی وسفلی مخلوقات کو پیدا فرمایا، اسی روز سے آج تک اور آج سے نفخِ صور تک یہ سارا عالم اسی پاک ذات کے ہاتھ اور حفاظت میں ہے، چونکہ قیامت کے وقت کی کیفیت موجودہ کیفیت سے بالکل ممتاز ہے، اور وہ منظر عالم کی تباہی کا ہے، اس لئے اس کو یہاں خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا۔ اسی طرح سورۃ الانبیاء میں بھی ارشاد ہوا: ﴿يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ﴾ [الأنبياء: ۱۰۴] (جس دن ہم لپیٹ لیں گے آسمان کو جیسے طومار میں کاغذ کا لپیٹا جانا)۔

علماء ومفسرین کرام کے نزدیک اس مقام اور دیگر مقامات پر اللہ تعالیٰ شانہ کے متعلق داہنے ہاتھ، سمع، بصر اور دیگر جتنے بہت سارے الفاظ مستعمل ہیں یہ سارے متشابہات ہیں، بایں معنی کہ ان کے معانی معلوم ہیں اور کیفیت ومراد معلوم نہیں، سورۂ شوریٰ میں ارشاد ہے: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ﴾ [الشوریٰ:۱۱] (اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی چیز نہیں) اور وہ کسی چیز کی طرح نہیں، اس لئے سلف صالحین کا مذہب ایسے امور میں تفویض ہے کہ ایسے امور پر ایمان

لانا فرض ہے، اور کیفیت معلوم کرنا بدعت ہے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا جو بھی مطلب ہے وہ برحق ہے، اور اس پر ہمارا ایمان ہے۔ یہ بھی ایمان بالغیب کا ایک حصہ ہے، اس مسئلہ پر بار بار کلام ہو چکا ہے۔

ایک دفعہ ایک یہودی عالم سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خدمت گرامی میں حاضر ہوا، اور قیامت والے دن کی کیفیت کے متعلق کہنے لگا: اے ابوالقاسم! قیامت والے دن جب زمین ایک انگلی پر ہوگی، آسمان ایک انگلی پر اور دیگر مخلوقات ایک انگلی پر، تو اس وقت کیا کیفیت ہوگی؟ یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرائے، اور یہی آیت تلاوت فرمائی: ﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ﴾ دیکھو! ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر نہیں کی جیسا کہ اس کی قدر کرنے کا حق ہے۔

شرک کی تردید تو تورات میں بھی موجود ہے، اور اللہ تعالیٰ کی عظمت کا تورات میں بڑے زور و شور سے بیان ہے، مگر یہ یہودی سب کچھ جانتے ہوئے پھر بھی گمراہ ہیں، اور شرک میں مبتلا ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی عظمت کے منکر ہیں۔

﴿سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ پاک ہے اس کی ذات اور بلند و برتر ہے ان چیزوں سے جو یہ مشرک و ناداں اس کا شریک بناتے ہیں۔ ﴿وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ﴾ جمعہ کے دن اسرافیل علیہ السلام صور پھونکیں گے، اس میں تجلی جلالی کی ایسی پرزور قوت ہوگی کہ اس کے قہری اثر سے موجودہ نظام عالم درہم برہم ہو کر تباہ ہو جائے گا، یہ پہلا نفخہ ہوگا، یہ دراصل اللہ تعالیٰ کے وصف "ممیت" کا مظہر ہوگا، جس میں ہر چیز کی موت کا فیصلہ ہوگا، جس سے علوی و سفلی ہر چیز پر فنا و زوال طاری ہوگا، جیسے ارشاد ہے کہ جب صور پھونکا جائے گا تو آسمان اور زمین کی کائنات ہلاک ہو جائے گی۔

﴿اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ﴾ بجز ان کے جن کو اللہ تعالیٰ ہلاک ہونا نہ چاہے، اور وہ یہ ہیں: دوزخ کے کارندے، اور جنت، اور اس کے حور و غلمان کہ ان کی تخلیق بقاء کے لئے ہے نہ فناء کے لئے، اور چار ملائکہ مقربین، اور مدبرات الامر کہ ان سے کام لینا ہے، اور ارواح شہداء کہ ان کے ساتھ حیات کا وعدہ ہے۔ [البدور السافرة في أمور الآخرة لسيوطي رحمه الله]

﴿ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ﴾ پھر جب دوسری مرتبہ صور میں پھونکا جائے گا تو اچانک سب لوگ کھڑے دیکھ رہے ہوں گے۔ صور کے دوبارہ پھونک سے فوت شدہ انسان، جنات اور حیوانات سب زندہ ہو جائیں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی منقول ہے۔ [البدور السافرة]

علامہ طبرانیؒ حضرت مقدامؓ سے حسن سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ چھوٹے بچے سے بوڑھے تک سب زندہ

ہوجائیں گے، باقی جو بچہ قبل از وقت گر گیا ہو تو اگر اس کے اعضاء برابر تام ہوں اور روح پھونکی گئی ہو تو زندہ کیا جائے گا، ورنہ نہیں، سب کی عمر ۳۳ سال کی ہوگی، یہ نفخہ ثانیہ مظہر ہوگا، اللہ تعالیٰ کی صفت "محی" کا۔ دونوں پھونکوں میں چالیس سال کا وقفہ ہوگا۔

﴿وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا﴾ اس روز زمین اپنے ربّ کے نور سے چمک اٹھے گی، یہ تجلیات رحمانی کا منظر اور عجیب وغریب مظہر ہوگا، اور اس کے ساتھ: ﴿وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِایْٓءَ بِالنَّبِیّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ﴾ انبیاء کرام علیہم السلام اور ہر طرح کے گواہوں کو گواہی کے لئے حاضر کیا جائے گا۔ ﴿وَقُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْحَقِّ﴾ اور ان کے درمیان حق وانصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا۔ ﴿وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ﴾ اور ان میں سے کسی کے ساتھ کوئی ذرہ برابر زیادتی نہیں ہوگی، اور ذرہ برابر عمل چھپے گا نہیں۔ ﴿وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَیْنَا بِهَا﴾ [الأنبياء: ۴۷] (اگر رائی برابر کوئی چیز ہو تو ہم اسے بھی حاضر کریں گے)۔

﴿وَوُفِّیَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ﴾ پھر ہر نفس کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ ﴿وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا یَفْعَلُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمام باتوں کو خوب جانتا ہے، ان کو ہر شخص کے عمل کا ذرہ ذرہ اور مخفی اداروں کا بھی علم ہے۔

وَسِیْقَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ
خَزَنَتُهَآ اَلَمْ یَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ یَتْلُوْنَ عَلَیْكُمْ اٰیٰتِ رَبِّكُمْ وَیُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ
یَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ ۝۷۱ قِیْلَ ادْخُلُوْٓا
اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِیْنَ ۝۷۲

ترجمہ: اور کافر لوگ گروہ در گروہ بنا کر دوزخ کی طرف ہانکے جائیں گے، یہاں تک کہ جب وہ دوزخ کے پاس پہنچیں گے تو اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے، اور ان سے دوزخ کے محافظ (کارندے) کہیں گے: کیا تمہارے پاس پیغمبر نہیں آئے تھے؟ جو تم ہی میں سے تھے جو تمہیں تمہارے ربّ کی آیات سناتے تھے، اور تمہیں آج کے دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے، وہ کہیں گے کہ ہاں! آئے تو تھے، لیکن عذاب کا کلمہ کافروں پر ثابت ہو کر رہا۷۱ کہا جائے گا کہ جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ اس میں تم ہمیشہ رہو گے سو برا ٹھکانہ ہے تکبر کرنے والوں کا۷۲

معارف ومنازل

سورت کے اختتام پر متقین اور فاجرین کے اچھے اور برے انجام کا بیان ہے، پہلے جہنمیوں کے دوسرے نمبر پر اہل جنت کا تذکرہ ہے، فرمایا: ﴿وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا﴾ چلائے جائیں گے ہنکائے جائیں گے کفر کرنے والے جہنم کی طرف گروہ در گروہ فوج در فوج۔ گروہ کا مطلب یہ ہے کہ جرم ومعصیت اور اس کے درجے کے مطابق مجرمین الگ الگ ٹولیوں میں منقسم ہوں گے، اور یہ ٹولیاں قطار در قطار حسب مراتب جہنم میں داخل کئے جائیں گے، فرمایا:

﴿حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا﴾ یہاں تک جہنم کے کارندوں کا سوال ہے، معنی یہ ہے کہ جہنمی لوگ جب دوزخ کے قریب پہنچیں گے تو دوزخ کے دروازے کھولے جائیں گے، اور جہنم کے داروغے دروازوں پر مامور فرشتے جہنمیوں سے پوچھیں گے: کیا تمہارے پاس تم میں سے ڈرانے والے پیغمبر نہیں آئے تھے؟ یہ سوال ان سے بطور سرزنش ہے کہ وہ کفار سے پوچھیں گے کہ تم قیدی بن کر جہنم میں کیوں آئے؟ تمہاری ہدایت اور جنت کا راستہ بتانے کے لئے اللہ تعالیٰ کے رسول نہیں آئے تھے؟ جو تمہیں ہدایت کا راستہ بتا کر جہنم سے نجات دلاتا ہوتا۔

سورۂ ملک میں فرمایا: ﴿كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ۝٨ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ ۙ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۚ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ۝٩ وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝١٠﴾ [الملک] (جب بھی اس میں کوئی گروہ پھینکا جائے گا تو اس کے محافظ ان سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس کوئی خبردار کرنے والا نہیں آیا تھا؟ وہ کہیں گے کہ ہاں بیشک ہمارے پاس خبردار کرنے والا آیا تھا، مگر ہم نے جھٹلا دیا، اور کہا کہ: اللہ نے کچھ نازل نہیں کیا، تمہاری حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ تم بڑی بھاری گمراہی میں پڑے ہوئے ہو۔ اور وہ کہیں گے کہ: اگر ہم سن لیا کرتے اور سمجھ سے کام لیا کرتے تو دوزخ والوں میں شامل نہ ہوتے)۔

قرآن مجید کی ایک آیت دوسری آیت کی وضاحت کے لئے تفسیر کرتی ہے، یہ اس کا ایک واضح نمونہ ہے، اب سورۃ الزمر کی آیت کا بقیہ: ﴿قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾ جب فرشتے ان سے

سب کچھ پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس ڈرانے والے اللہ تعالیٰ کی آیات سنانے والے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے کے متعلق ڈرانے والے نہ آئے؟ وہ سب بیک زبان ہو کر کہیں گے: "بلیٰ" کیوں نہیں، وہ سب ڈرانے والے آئے، مگر ہم لوگوں نے اپنی بدبختی کی وجہ سے ان کی تکذیب کی، اگر ہم سننے والے اور عقلمند ہوتے اور اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی تکذیب نہ کرتے تو آج جہنم ہمارا ٹھکانہ نہ ہوتا، آج ہماری حسرتوں اور تباہیوں کا کوئی مداوا نہیں، جب وہ اپنے جرم کا اقرار کریں گے تو ان پر عذاب کا کلمہ ثابت ہو جائے گا۔

﴿قِيلَ ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ﴾ تو حکم ہوگا کہ جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ، اب تمہیں ہمیشہ کے لئے یہیں رہنا ہوگا، پس کتنا برا ٹھکانہ ہے تکبر کرنے والوں کا؟ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں کی ناشکری کرتے ہوئے ساری زندگی گمراہی اور خرمستی میں ضائع کردی، اور اللہ تعالیٰ کی توحید سے انحراف کیا، اور دنیا میں اللہ تعالیٰ نے انہیں اختیار دیا تھا کہ اپنی مرضی کے ساتھ جنت اور جہنم میں سے کسی ایک کا انتخاب کرو، انہوں نے اپنے لئے جہنم منتخب کیا تاکہ آج وہ یہ نہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے جہنم کا انتخاب کیا ہے۔ جہنمی نافرمانوں کے بعد جنتی فرمانبرداروں کا تذکرۂ خیر سن لیجئے:

وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا
سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ ﴿٧٣﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي صَدَقَنَا وَعْدَهُ وَأَوْرَثَنَا الْأَرْضَ
نَتَبَوَّأُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ ۖ فَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ﴿٧٤﴾ وَتَرَى الْمَلَائِكَةَ حَافِّينَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ
يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۖ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيلَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٧٥﴾

ترجمہ: اور جو لوگ اپنے ربّ سے ڈرے انہیں جنت کی طرف گروہ گروہ بنا کر روانہ کر دیا جائے گا، یہاں تک کہ جب جنت کے قریب پہنچ جائیں گے اس حال میں کہ اس کے دروازے پہلے سے کھلے ہوئے ہوں گے، اور ان سے جنت کے محافظ کہیں گے کہ تم پر سلام ہو، تم خوشی کے ساتھ رہو، سو تم اس میں ہمیشہ رہنے کے لئے داخل ہو جاؤ ﴿٧٣﴾ اور وہ کہیں گے: سب تعریف ہے اللہ تعالیٰ کے لئے جس نے ہم سے سچا وعدہ فرمایا، اور ہمیں زمین کا وارث بنا دیا، ہم جنت میں جہاں چاہیں قیام کریں، سو اچھا بدلہ ہے عمل کرنے والوں کا ﴿٧٤﴾ اور آپ فرشتوں کو دیکھیں گے کہ عرش کے گرداگرد حلقہ بنائے ہوئے ہیں، وہ اپنے ربّ کی تسبیح وتحمید میں مشغول ہوں گے، اور بندوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا، اور کہہ دیا جائے گا کہ سب تعریف ہے اللہ تعالیٰ کے لئے جو ربّ العٰلمین ہے ﴿٧٥﴾

معارف ومنازل

جنتیوں کا پرجوش استقبال ہوگا:

اوپر بدبختوں کا انجام اور ان کا حال بیان ہوا، یہاں سعادت مندوں کا نتیجہ بیان ہورہا ہے کہ یہ بہترین خوبصورت جنتی اونٹنیوں پر سوار ہوکر جنت کی طرف پہنچائے جائیں گے، ان کی بھی جماعتیں ہوں گی، مقربین خاص کی جماعت، پھر ابرار کی، پھر ان سے کم درجے والوں کی، پھر ان سے کم درجے والوں کی، ہر جماعت اپنے مناسب لوگوں کے ساتھ ہوگی، انبیاء انبیاء علیہم السلام کے ہمراہ، صدیقین اپنے جیسوں کے ساتھ، شہید شہیدوں کے ساتھ، علماء علماء کے ساتھ، غرض یہ کہ ہر شخص اپنے ہم جنس کے ساتھ، جب یہ جنت کے پاس پہنچیں گے، پل صراط سے پار ہوچکے ہوں گے، وہاں ایک پل پر ٹھہرائے جائیں گے، اور ان میں آپس میں جو مظالم ہوں گے ان کا قصاص اور بدلہ ہوجائے گا، جب پاک صاف ہوجائیں گے تو جنت میں جانے کی اجازت پائیں گے۔

صور کی مطول حدیث میں ہے کہ جنت کے دروازوں پر پہنچ کر یہ آپس میں مشورہ کریں گے کہ دیکھو سب سے پہلے کسے اجازت دی جاتی ہے، پھر وہ حضرت آدم علیہ السلام کا قصد کریں گے، پھر حضرت نوح علیہ السلام کا، پھر خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا، جیسے میدان محشر میں شفاعت کبریٰ کے موقع پر بھی کیا تھا، اس سے بڑا مقصد جناب احمد محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت کا موقعہ بموقعہ اظہار کرنا ہے۔

صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ سب سے پہلے میں جنت کا دروازہ کھٹ کھٹاؤں گا۔ مسند احمد میں ہے کہ میں قیامت کے دن جنت کا دروازہ کھلوانا چاہوں گا، تو وہاں کا داروغہ مجھ سے پوچھے گا کہ آپ کون ہیں؟ میں کہوں گا: محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ کہے گا: مجھے یہی حکم تھا کہ آپ کی تشریف آوری سے پہلے جنت کا دروازہ کسی کے لئے نہ کھولوں۔ [ابن کثیر]
اور میرے ساتھ ساتھ وہ مؤمنہ عفیفہ عورت بھی جنت میں داخل ہوگی جس نے یتیم بچوں کی پرورش کی خاطر دوسری شادی نہیں کی۔ [مسند أحمد وحاوي الأرواح]

جنتیوں کے حسن وجمال کا منظر:

مسند احمد میں ہے کہ پہلی جماعت جو جنت میں جائے گی ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند جیسے ہوں گے، تھوک، رینٹ، پیشاب، پاخانہ وہاں کچھ نہ ہوگا، ان کے برتن اور سامان آرائش سونے چاندی کا ہوگا، ان کی

انگیٹھیوں میں بہترین اگر خوشبو دے رہا ہوگا، ان کا پسینہ مشک ہوگا، ان میں سے ہر ایک کی دو بیویاں ہوں گی، جن کی پنڈلیوں کا گودا بوجہ حسن و نزاکت صفائی اور نفاست کے گوشت کے پیچھے سے نظر آ رہا ہوگا، کسی دو میں کوئی اختلاف اور حسد و بغض نہ ہوگا، سب کے دل مل کر ایسے ہوں گے جیسے ایک شخص کا دل، صبح و شام (سانس کی طرح) اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں گزرے گی۔

ابویعلیٰ میں ہے کہ پہلی جماعت جو جنت میں جائے گی ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن چمکدار ہوں گے، ان کے بعد والی جماعت کے چہرے ایسے ہوں گے جیسے بہترین چمکتا ستارہ، پھر قریب اوپر والی حدیث کا بیان ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ ان کے قد ساٹھ ہاتھ کے ہوں گے، جیسے حضرت آدم علیہ السلام کا قد تھا۔ اور حدیث میں ہے کہ میری امت کی ایک جماعت جو ستر ہزار کی تعداد میں ہوگی پہلے پہل بغیر حساب کے جنت میں جائے گی، ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمک رہے ہوں گے، یہ سن کر حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ بن محصن نے درخواست کی: یارسول اللہ! آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ مجھے انہی میں سے کردے، فرمایا: آپ انہی میں سے ہیں، پھر ایک انصاری (سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ) نے بھی یہی عرض کی، آپ نے فرمایا: عکاشہ تجھ پر سبقت لے گیا۔

ان ستر ہزار کا بے حساب جنت میں داخل ہونا بہت سی کتابوں میں بہت سی سندوں سے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ میری امت میں سے ستر ہزار یا سات سو جنت میں ایک ساتھ جائیں گے، ایک دوسرے کے ہاتھ تھامے ہوئے ہوں گے۔ ابن ابی شیبہ میں ہے کہ مجھ سے میرے ربّ کا وعدہ ہے کہ میری امت میں سے ستر ہزار شخص جنت میں جائیں گے، ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار اور ہوں گے (یعنی چار ارب نوے کروڑ) ان سے نہ حساب ہوگا، نہ عذاب ہوگا، ان کے علاوہ اور تین لپیں بھر کر جو اللہ تعالیٰ اپنے ہاتھوں سے لپ بھر کر جنت میں پہنچائے گا۔ [طبراني]

اس روایت میں ہے: پھر ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار ہوں گے، اس حدیث کے بہت سے شواہد ہیں، جب سعید و نیک بخت لوگ جنت کے پاس پہنچ جائیں گے تو ان کی عزّت و تعظیم ہوگی، وہاں کے محافظ فرشتے انہیں ابدی دخول جنت پر مبارک باد پیش کریں گے۔ [ابن کثیر]

﴿وَسِيۡقَ الَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا رَبَّهُمۡ اِلَى الۡجَـنَّةِ زُمَرًا﴾ چلائے جائیں گے وہ لوگ جو اپنے پروردگار سے

ڈرتے رہے جنت کی طرف گروہ درگروہ، یہ وہ لوگ ہیں جنہوں شرک نہیں کیا، اور پوری زندگی حدود اللہ پر قائم رہے۔

﴿حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا﴾ یہاں تک کہ وہ جب جنت کے قریب پہنچیں گے اور اس کے دروازے کھولے جائیں گے۔ ﴿وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ﴾ تو جنت کے داروغے ان سے کہیں گے: تم پر سلامتی ہو، خوش رہو اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جنت میں داخل ہو جاؤ۔

مطلب یہ ہے کہ جنت کے داروغے اور محافظ اس موقع پر جنتیوں کا استقبال کریں گے، اور انہیں خوش آمدید کہیں گے، جب جنتی اس عجیب وغریب محلات اور بے مثال ماحول کا ملاحظہ کریں گے تو بڑی مسرتوں کے ساتھ اپنے پروردگار کی حمد وثنا خوانی شروع کریں گے، اور کہیں گے: ﴿وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ﴾ اور کہیں گے: اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس واحد لاشریک نے ہمارے ساتھ جو وعدہ کیا تھا اسے احسن طریقہ پر پورا کیا، اور سچا کر دکھایا۔

﴿وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ﴾ اور اس ذات پاک نے ہمیں جنت کی سرزمین کا وارث بنایا کہ وہاں پر ٹھکانہ پکڑ کر رہتے ہیں، جہاں چاہیں۔ سرزمین جنت کی وراثت کا بیان قرآن کریم میں متعدد مقامات پر مذکور ہے۔ ﴿فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ﴾ پس کتنا اچھا بدلہ ہے نیک عمل کرنے والوں کا جنہوں نے دنیاوی زندگی کو قیمتی بنایا اپنے اعمال سے، پھر یہ اعمال سبب بنے جنتی نعمتوں کے۔

﴿وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ﴾ اور تو دیکھے گا ان فرشتوں کو جو عرش کے گرداگرد کھڑے ہیں اس حال میں: ﴿يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ﴾ کہ وہ اپنے پروردگار کی تسبیح کا بیان کرتے ہیں، تعریف کے ساتھ۔

﴿وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ﴾ اور سب لوگوں کے درمیان عدل وانصاف کا فیصلہ صرف انسانوں کے بارے میں نہیں، بلکہ جانوروں نے آپس میں جو زیادتیاں کی ہیں، یا انسانوں نے جانوروں پر جو ظلم کیا ہے ان سب کا فیصلہ ہوگا، پھر یہ ہوگا: ﴿وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ آخر میں کہا جائے گا کہ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا پروردگار ہے۔ سورۂ یونس میں فرمایا: ﴿وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ [یونس:۱۰] (اور ان کی آخری پکار یہ ہوگی: تمام تعریفیں اللہ کی ہیں جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے)۔

بہر حال! جنتی جنت میں ہمیشہ بلا تکلف اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کریں گے، جس طرح بلا تکلیف سانس لیتے رہتے ہیں۔ اے ہمارے ربّ! ہم پر رحم فرما۔ آمین

سُورَةُ الْمُؤمِن

مكية آياتها ٨٥ ركوعاتها ٩

سورۂ مؤمن مکی ہے، اس میں پچاسی (۸۵) آیتیں، اورنو (۹) رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام:

اس سورت کا نام سورۃ المؤمن ہے، اس سورت کے چوتھے رکوع میں فرعون کے خاندان کے ایک مؤمن شخص کا ذکر ہے سورت کا نام اسی سے ماخوذ ہے۔ اس سورت کا نام الغافر اور الطول بھی ہے۔ یہ سورت ترتیب تلاوت میں چالیسویں (۴۰) نمبر پر ہے، اور ترتیب نزول میں (۶۰) نمبر پر ہے۔

نزول:

یہ سورت مکی ہے، اس کا نزول سورۃ الزمر کے بعد ہے۔

تعداد کلمات وحروف:

اس سورت میں ۹ رکوع، اور ۸۵ آیات ہیں، اور یہ ۱۲۴۲ کلمات، اور ۵۲۱۳ حروف پر مشتمل ہے۔

ربط ومناسبت:

(۱)- سورۃ الزمر کے آخر میں متقین اور مجرمین کے نتائج کا ذکر تھا، اس سورت کی ابتداء میں بھی انہی دو چیزوں کا بیان ہے۔ (۲)- دونوں سورتوں میں توحید، رسالت اور قیامت کا یکساں بیان ہے۔ (۳)- دونوں

سورتوں میں تذکیراتِ ثلاثہ کا یکساں طور پر بیان ہے۔

مختصر موضوع:

کفار ومشرکین کو بتایا جا رہا ہے کہ جو کچھ تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کرنا چاہتے ہو یہی کچھ اپنی زبردست طاقت کے بھروسے پر فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کرنا چاہتا تھا، اب کیا یہ حرکتیں کر کے تم بھی اسی انجام سے دوچار ہونا چاہتے ہو جس سے وہ دوچار ہوا؟ اور پورے جرار لشکر کے ساتھ غرق ہوا۔ ساتھ ساتھ مسلمانوں سے بھی کہا جا رہا ہے کہ تمہارے دشمن کتنے ہی چیرہ دست ہوں اس کے مقابلے میں تم کتنے ہی کمزور اور بے بس ہو مگر تمہیں یقین رکھنا چاہئے کہ جس خدا کے دین کے اعلاء وسربلندی کے لئے تم کام کر رہے ہو، وہ ساری طاقتوں کا خالق ومالک ہے، اس کی نصرت تمہارے ساتھ ہے، اور تم اس کے سپائی ہو، اور تم آخری امت بھی ہو، تمہارا اشرف بنی اسرائیل پر مقدم ہے۔ اس کے علاوہ یہ سورت ان باتوں پر مشتمل ہے:

صداقت قرآن، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت، تذکیراتِ ثلاثہ، مجرمین کے لئے مہلت، مجازاتِ اعمال، تسلیات خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، تخویفاتِ کفار ومشرکین، عظمت واُلوہیت خداوندی، عجز ماسوی اللہ، ملائکہ سے اُلوہیت کی نفی، فرائضِ رسالت، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا مقابلہ، مردِ مؤمن کی تبلیغ، مشرکین کے ساتھ طریقِ مناظرہ، منکرین کے شبہات اور ان کے جوابات، **حصر النداء والاستغاثة في ذات الله عز وجل سبحانه۔**

فضیلتِ سورت:

یہ پہلی سورت ہے جو "حٰم" سے شروع ہے اس کے بعد سورۃ حم السجدہ، سورۃ الشوریٰ، سورۃ الزخرف، سورۃ الدخان، سورۃ الجاثیہ اور سورۃ الاحقاف بھی حٰم سے شروع ہے، ان سورتوں کو حوامیم سبعہ کہا جاتا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہر چیز کا ایک خلاصہ ہوتا ہے، اور بلاشبہ قرآن کریم کا خلاصہ وہ سورتیں ہیں جو حٰم سے شروع ہوتی ہیں۔ [ابن كثير، روح المعاني]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حوامیم سبعہ زینت القرآن اور دیباجۃ القرآن ہیں، جو ان کی تلاوت پر پابندی کرے گا وہ جہنم کے ساتوں دروازوں سے محفوظ رہے گا، یہ حدیث مرفوع ہے۔ [بيهقي]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے صبح کو سورۃ المؤمن شروع سے لے کر تا اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ تک تلاوت کی، اور ساتھ آیت الکرسی بھی پڑھ لی، تو وہ شام تک ہر تکلیف اور ہر مصیبت سے محفوظ رہے گا،

اور جو شخص یہ عمل شام کو کرے گا تو صبح تک مصائب سے محفوظ رہے گا، اس کو ترمذی نے بھی روایت کیا ہے، جس کی سند میں ایک راوی متکلم فیہ ہے۔ [ابن کثیر]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ① تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ② غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ
التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ③

ترجمہ: حٰمٓ ① یہ کتاب اتاری گئی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو زبردست ہے، سب کچھ جاننے والا ہے ② گناہ کا بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے، سخت سزا دینے والا ہے، قدرت والا ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ③

معارف ومنازل

حٰمٓ ① حروف مقطعات میں سے ہے، سورۂ بقرہ کے شروع میں حروف مقطعات پر مفصل کلام گزر چکا ہے، وہاں دیکھا جائے۔ ﴿تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ﴾ میں صداقت قرآن اور اس کی حقانیت کا اثبات ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی چھ صفات بیان فرمائی ہیں، اس کے بعد دو حکم بیان ہوئے: ایک حصر الألوهية في ذات الله، دوم اثبات قیامت۔ ربّ العزّت سبحانہ کی یہ صفات جو آخری دونوں حکموں کے لئے علت ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جس پاک ذات کی یہ صفات ہوں تو عبادت کا لائق صرف وہی ہوگا، اور قیامِ قیامت اسی کے اختیار وقدرت میں ہوگا۔

جاننا چاہئے کہ صفاتِ الٰہیہ دو قسم پر ہیں: ۱- صفاتِ جلالیہ ۲- صفاتِ جمالیہ۔

صفاتِ جلالیہ وہ ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے عذاب اور ناراضگی وغضب کا ذکر ہے، جیسے الجبار، القهار، المنتقم، شديد، العقاب وغیرہ۔ اور صفاتِ جمالیہ وہ ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی رحمت، مغفرت، انعام وغیرہ کا ذکر ہو، جیسے الرحمٰن، الرحيم، الكريم، غافر الذنب وغیرہ۔ یہاں اس مقام پر چھ عظیم صفات کا ذکر ہے: دو جلالی اور چار جمالی۔ پہلی صفت یہ ہے: العزيز، بمعنی زبردست وغالب، یہ جلالی ہے۔ دوسری صفت ہے: العليم سب کچھ جاننے والا، یہ جمالی ہے۔ تیسری غافر الذنب گناہوں کو بخشنے والا ہے م یہ بھی جمالی ہے۔ چوتھی صفت قابل

التوب توبہ قبول کرنے والا، یہ بھی جمالی ہے۔ پانچویں صفت شدید العقاب سخت عذاب دینے والا، یہ جلالی ہے۔ چھٹی صفت ذی الطول کشادہ دست، غنی اور فیاض ہے۔ یہاں غَافِرِ الذَّنۢبِ وَقَابِلِ التَّوۡبِ کے درمیان واؤاس لئے ذکر فرمایا تاکہ دونوں ایک صفت شمار نہ ہوں، اور یہ وسیع مطلب معلوم ہو کہ وہ ذات پاک بغیر توبہ کے بھی کبیرہ گناہوں کی (بغیر شرک) مغفرت فرماتے ہیں، البتہ شرک اس سے مستثنیٰ ہے۔

.......❀.......❀.......❀.......

مَا يُجَادِلُ فِيۡۤ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فَلَا يَغۡرُرۡكَ تَقَلُّبُهُمۡ فِى الۡبِلَادِ ۞ كَذَّبَتۡ
قَبۡلَهُمۡ قَوۡمُ نُوۡحٍ وَّالۡاَحۡزَابُ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ‌ وَهَمَّتۡ كُلُّ اُمَّةٍۢ بِرَسُوۡلِهِمۡ لِيَاۡخُذُوۡهُ‌ وَ
جٰدَلُوۡا بِالۡبَاطِلِ لِيُدۡحِضُوۡا بِهِ الۡحَقَّ فَاَخَذۡتُهُمۡ‌ فَكَيۡفَ كَانَ عِقَابِ ۞ وَكَذٰلِكَ
حَقَّتۡ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اَنَّهُمۡ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۞

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی آیات میں جھگڑا نہیں کرتے مگر وہی لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا، سو آپ کو دھوکہ میں نہ ڈالے ان کا شہروں میں چلنا پھرنا ۞ ان سے پہلے نوحؑ کی قوم نے، اور ان کے بعد دوسری جماعتوں نے جھٹلایا، اور ہر امت نے ارادہ کیا کہ اپنے رسول کو پکڑ لیں، اور باطل کے ذریعہ جھگڑا کریں تاکہ اس کے ذریعہ حق کو باطل کر دیں، سو میں نے ان کو پکڑ لیا، سو کیسا تھا میرا عذاب؟ ۞ اور اسی طرح آپ کے ربّ کا قول کافروں پر ثابت ہو چکا کہ وہ دوزخ والے ہیں ۞

معارف ومنازل

صداقت قرآن کے بعد اس میں شکوک وشبہات پیدا کرنے والے جھگڑالو لوگوں کا بیان اور ان کی شرارتوں اور شرارتوں کے نتیجے اور ان کے برے انجام کا بیان ہو رہا ہے، فرمایا:

﴿مَا يُجَادِلُ فِيۡۤ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فَلَا يَغۡرُرۡكَ تَقَلُّبُهُمۡ فِى الۡبِلَادِ﴾ نہیں جھگڑا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی آیات میں مگر وہی لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا۔ اس جھگڑے سے مراد یہ ہے کہ وہ لوگ حق کو جھٹلاتے ہیں، اور اسے مغلوب کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اور باطل کی سرپرستی کرتے ہوئے اس کو غالب کرنا چاہتے ہیں، اور اہلِ حق کو طرح طرح کی اذیتیں دے کر انہیں تکلیف پہنچاتے ہیں۔ فرمایا: یہ لوگ بظاہر بڑے خوشحال نظر آتے ہیں،

اور شہروں میں چلتے پھرتے عیاشیاں کرتے ہیں، مگر ان کا شہروں میں چلنا پھرنا آپ کو دھوکہ میں نہ ڈالے اور پریشان نہ کرے، یہ سہولتیں ان کے لئے کبھی بہتر اور فائدہ مند نہیں، بلکہ یہ ان کے پکڑنے اور تباہ کرنے کے اسباب اور ذرائع ہیں، فی الحال یہ لوگ مہلت میں ہیں تا کہ ان کی گرفت پر اتمامِ حجت ہو، نمونہ کے لئے دیکھو:

﴿كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّالْأَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ﴾ ان سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم نے تکذیب کی، اور بہت سی جماعتوں اور گروہوں نے قوم نوح کے بعد اپنے اپنے رسولوں علیہم السلام کی تکذیب کی جیسے قوم عاد اور ثمود وغیرہ۔ ﴿وَهَمَّتْ كُلُّ أُمَّةٍۭ بِرَسُولِهِمْ لِيَأْخُذُوهُ﴾ اور ہر امت نے اپنے رسول کے متعلق ارادہ کیا کہ اسے پکڑ کر ہلاک کر دیں، چنانچہ بنی اسرائیل والوں نے بکثرت انبیاء کرام علیہم السلام کو شہید کیا۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ لِيَأْخُذُوا سے مراد قتل ہے۔

﴿وَجٰدَلُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ﴾ اور انہوں نے باطل کی سرپرستی کی تا کہ اس کے ذریعہ حق کو کمزور کر کے گرا دیں، کسی دلیل کے باطل اور کمزور کرنے کا نام دحض ہے۔ ﴿فَأَخَذْتُهُمْ ۖ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ﴾ پس میں نے ان کو گرفت میں لے لیا، اور وہ تباہ و برباد ہوئے، پھر میرا عذاب کیسا ثابت ہوا جس نے جھٹلانے والوں کی جڑ اور بنیاد ہی اکھاڑ کر رکھ دی، اور وہ صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹ گئے۔ ﴿وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوٓا أَنَّهُمْ أَصْحٰبُ النَّارِ﴾ اسی طرح ثابت ہو گئی تیرے ربّ کی بات ان لوگوں پر جنھوں نے کفر اختیار کیا، بلا شبہ یہ لوگ پہلے مجرمین کی طرح جہنم کا شکار ہونے والے ہیں۔

...... ✿ ...... ✿ ...... ✿ ......

اَلَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُونَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُونَ
لِلَّذِينَ اٰمَنُوا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِينَ تَابُوا وَاتَّبَعُوا سَبِيلَكَ
وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ۞ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ الَّتِي وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ
اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۞ وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ۭ وَمَنْ
تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۞

ترجمہ: جو فرشتے عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو فرشتے ان کے گرد اگرد ہیں وہ اپنے ربّ کی حمد کے ساتھ

تسبیح بیان کرتے ہیں، اوراس پر ایمان رکھتے ہیں، اوران لوگوں کے لئے استغفار کرتے ہیں جو ایمان لائے، اے ہمارے ربّ! آپ کی رحمت اور آپ کا علم ہر چیز کو شامل ہے، سوان لوگوں کو بخش دیجئے جنہوں نے توبہ کی، اورآپ کے راستے کا اتباع کیا، اور انہیں دوزخ کے عذاب سے بچالیجئے ⑦ اے ہمارے ربّ! اور انہیں ہمیشہ رہنے کی بہشتوں میں داخل فرمایئے، جن کا آپ نے ان سے وعدہ فرمایا ہے، اوران کے آباء اور ازواج اور ذریتوں میں جو صالح ہوئے ان کو بھی داخل فرمایئے، بلاشبہ آپ زبردست ہیں، حکمت والے ہیں⑧ اوران کو تکلیفوں سے بچایئے، اور اس دن جسے آپ نے تکلیفوں بچالیا، سوآپ نے اس پر رحم فرمادیا، اور یہ بڑی کامیابی ہے⑨

معارف ومنازل

حضرت ابومالک فرماتے ہیں: مخلوقات کے نیچے یعنی تمام زمینوں سے نیچے ایک بہت طویل وعریض چٹان ہے، اس کے کناروں پر چار عظیم الجثہ فرشتے ہیں، ان میں سے ہر ایک کے چار چہرے ہیں: ایک انسان کا، ایک شیر کا، ایک بیل کا اور ایک گدھ کا، یہ اس پر قائم ہیں، انہوں نے آسمانوں اور زمینوں کا احاطہ کیا ہوا ہے، ان کے سر عرش الٰہی کے نیچے ہیں۔[الحبائک لسیوطي]

حدیث میں ارشاد ہے: حاملینِ عرش چار فرشتے ہیں: ایک فرشتہ اعلیٰ ترین شکل وصورت میں ہے، یہ صورت انسان کی ہے، ایک فرشتہ درندوں کے سردار شیر کی صورت میں ہے، ایک فرشتہ حلال جانوروں کے سردار بیل کی شکل میں ہے، اور ایک فرشتہ پرندوں کے سردار گدھ کی شکل وصورت میں ہے۔[الحبائک درمنثور لسیوطي]

ایک حدیث میں ارشاد فرمایا: ° آج عرش کے اٹھانے والے فرشتے چار ہیں، اور قیامت کے روز آٹھ ہوں گے، کمافي سورة الحاقة۔[حبائک]

یہ فرشتے حاملین عرش اور دیگر فرشتے جو عرش کے اردگرد حلقہ باندھ کر کھڑے ہیں ہر وقت بغیر توقف کے اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور تحمید بیان کرتے ہیں، اور اہل ایمان مؤمنوں اوران کے مؤمن آباء واجداد اوران کے دیگر مؤمن رشتہ داروں اور بیوی بچوں کے لئے ہمیشہ جنت اور مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔ الحمد للہ ایمان کا کتنا بڑا مقام ہے اور مؤمن کا کتنا بڑا مرتبہ ہے کہ حاملینِ عرشِ الٰہی بھی ان کے لئے دعا گو ہیں، فرشتوں میں سب سے بڑا مقام ومرتبہ حاملینِ عرشِ الٰہی کا ہے، اور حضرت اسرافیل علیہ السلام انہیں میں سے ہیں۔[درمنثور] فرمایا:

﴿اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَیُؤْمِنُوْنَ بِهٖ﴾ اور جو فرشتے عرشِ خداوندی کو اٹھائے ہوئے ہیں، اور جو عرش کے اردگرد طواف کررہے ہیں، اور یہ سارے فرشتے اپنے پروردگار کی تسبیح پڑھتے ہیں، اس کی تقدیس اور عظمت بیان کرتے ہیں، سبُوحٌ قُدُوسٌ اور سبحانَ المَلِکِ القُدُوس کا ورد پڑھتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر پورا پورا ایمان اور یقین رکھتے ہیں، سبحان اللہ وبحمدہ عدد خلقه ورضا نفسه وزنة عرشه پڑھا کرتے ہیں۔

عرشِ عظیم کا ذکر قرآن مجید میں کئی مقامات پر موجود ہے، یہ اللہ پاک کی سب سے بڑی مخلوق ہے، پورے جہاں پر محیط ہے، تمام کائنات اس کے سامنے ایسی ہے جیسے ایک بڑے صحرا کے اندر ایک انگشتری ہو، اگر کوئی تیز رفتار پرندہ عرش کے پائے کے ساتھ اسی ۸۰ ہزار سال تک اڑتا رہے تو اس ایک پائے کی مسافت بھی طے نہیں کرسکتا۔

صاحب روح المعانی فرماتے ہیں: بعض آثار میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرش کو ایک سبز جوہر سے پیدا فرمایا، پڑھو: ﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِیَ اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ﴾ [التوبة:۱۲۹] (پس اگر وہ روگردانی کریں تو آپ کہہ دیں: میرے لیے اللہ ہی کافی ہے، نہیں ہے معبود سوائے اس کے، اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے، اور وہ عرشِ عظیم کا پروردگار ہے)۔

﴿وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ کہ یہ فرشتے اہل ایمان کے لئے دعا اور استغفار کرتے ہیں۔ سورۃ الشوریٰ میں فرمایا: ﴿وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِی الْاَرْضِ﴾ سارے زمین والوں کے لئے دعا کرتے ہیں، وہ یہ کہتے ہیں: ﴿رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا﴾ اے ہمارے پروردگار! تیری رحمت اور تیرا علم ہر چیز پر وسیع ہے، کیوں نہ ہو، بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سو رحمتیں ہیں، ایک دنیا کے لئے اور باقی ۹۹ آخرت کے لئے۔ ﴿فَاغْفِرْ لِلَّذِیْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِیْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ﴾ آپ ان لوگوں کو جنہوں نے شرک وکفر سے توبہ کرلی، اور تیرے راستے صراط مستقیم پر چلے ان کی مغفرت فرما کر انہیں جہنم کے عذاب سے بچالیجئے، اور فرشتے یہ بھی دعا کرتے ہیں:

﴿رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ﹰالَّتِیْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّیّٰتِهِمْ﴾ اے اللہ تعالیٰ! ہمارے ربّ! ان کو دائمی جنتوں میں داخل فرما جن کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے اور ان کے ماں باپ اور اہل وعیال کو بھی جو جنت میں داخل ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ دراصل ہر مؤمن جس نے شرک نہ کیا ہو خواہ کتنا

گناہگار ہو اور کبیرہ گناہوں کا مرتکب بھی ہو مگر جنت کی صلاحیت اس میں ہے، جو کہ ایمان ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ﴾ [الطور: ۲۱] (اور جنہوں نے ایمان لایا اور ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی، تو ہم ان کے ساتھ ان کی اولاد کو ملادیں گے)۔

مؤمنین کاملین کی اولاد اور متعلقین اگر ایمان اور اعمالِ صالحہ پر قائم ہوں تو ان کے اعمال اگرچہ کاملین کے اعمال سے کم ہوں مگر اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل وکرم سے ان کو جنت میں انہیں کے ساتھ شامل فرمائے گا۔

﴿اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ بلاشبہ تو زبردست اور حکمت والا ہے۔ ﴿وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ۭ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ﴾ اے ربّ! اپنے ان نیک بندوں کو گناہوں سے محفوظ رکھ، اور ہر قسم کی برائیوں سے ان کی حفاظت فرما، کیونکہ جس کو تو نے آج برائیوں سے بچالیا بیشک تو نے اس پر مہربانی فرمائی، اور وہ تیری رحمتوں کی آغوش میں آگیا۔ ﴿وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے کہ دنیا میں ایمان اور اعمالِ صالحہ نصیب ہوئے، اور ہر قسم کے گناہوں سے بچے۔

.......❀.......❀.......❀.......

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ
اِلَى الْاِيْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ ۝۱۰ قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا
بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝۱۱ ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗٓ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ
وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ۭ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ۝۱۲

ترجمہ: بلاشبہ جنہوں نے کفر کیا انہیں پکارا جائے گا کہ یہ بات واقعی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جو تم سے بغض ہے وہ اس بغض سے بہت بڑا ہے جو تمہیں خود اپنی جانوں سے ہے، تم ایمان کی طرف بلائے جاتے تھے تو کفر اختیار کرتے تھے ۝۱۰ وہ لوگ کہیں گے: اے ہمارے ربّ! آپ نے ہمیں دو بار موت دی، اور دو بار زندگی دی، سو ہم نے اپنے گناہوں کا اقرار کرلیا، تو کیا نکلنے کی کوئی راہ ہے؟ ۝۱۱ یہ اس وجہ سے کہ جب صرف اللہ تعالیٰ کا نام لیا جاتا تھا تو تم انکار کرتے تھے، اور اگر اس کے ساتھ کسی کو شریک بنایا جاتا تھا تو اسے مان لیتے تھے، سو فیصلہ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے، جو بلند ہے، بڑا ہے ۝۱۲

☆☆☆

معارف ومنازل

دنیا میں اہل کفر اپنے کو اچھا جانتے ہیں، تقریباً یہ خاصیت آج کل کفار کے تمام طبقوں میں ہے، وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم سب سے اچھے ہیں، اور ایمان والوں سے بہتر ہیں، لیکن قیامت کے روز جب اپنی بدحالی دیکھیں گے تو خود اپنے نفسوں اور اپنی جانوں سے بغض کرنے لگیں گے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ تمہیں جتنا اپنے نفسوں سے آج بغض ہے اللہ تعالیٰ کو تمہارے نفسوں سے اس بغض سے بھی زیادہ بغض ہے، اور یہ بغض اب سے نہیں، بلکہ جب تم دنیا میں تھے اور کفر و تکذیب حق میں مبتلا تھے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض تھے، کیونکہ تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں علیہم السلام کی دعوت مسترد کر کے کفر پر جمے رہے۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِيْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ﴾ بیشک وہ لوگ جو کافر ہوئے قیامت کے دن انہیں پکار کر کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی زیادہ بڑی ہے تمہاری اپنی جانوں پر ناراضگی سے، یا تمہاری آپس کی ناراضگی سے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تمہیں ایمان کی دعوت دی جاتی تھی تو اسے قبول کرنے سے انکار کر دیتے تھے، اور حق کے مغلوب کرنے پر اور باطل کی سربلندی پر تلے ہوئے تھے، جیسا کہ پہلے آیت نمبر (۴) بیان ہوا: ﴿مَا يُجَادِلُ فِيْۤ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ﴾۔ جب کفار و مشرکین یہ بات سنیں گے تو یہ کہیں گے:

﴿قَالُوْا رَبَّنَاۤ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ﴾ افسوس کرتے ہوئے جواب دیں گے: اے ہمارے پروردگار! تو نے ہمیں دو دفعہ موت دی، اور دو دفعہ زندگی بخشی، اب: ﴿فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا﴾ پس ہم اپنے کفر و معاصی کا اعتراف کرتے ہیں کہ ہم نے واقعۃً غلطی اور ناشکری کی، اور حق کی تکذیب کر کے اپنا منہ کالا کیا۔

﴿فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ﴾ تو کیا اعتراف جرم کے بعد ہمارے لئے نکلنے کا کوئی راستہ ہے؟ مطلب یہ ہے کہ کسی طرح ہم واپس دنیا میں جا کر اپنے سابقہ اعمال کی تلافی کر لیں، اور نیک اعمال انجام دیں، تو کیا ہماری دنیا میں واپسی ممکن ہے؟ پس ظاہر ہے کہ ناممکن ہی ہوگا۔

دو موت اور دو زندگی:

جمہور مفسرین حضرات فرماتے ہیں کہ پہلی موت سے مراد وہ موت ہے جب انسان پیدائش سے پہلے بے جان لوتھڑا تھا، پھر حمل کے چوتھے مہینے ایک سو بیس دن کے بعد شکمِ مادر میں اللہ تعالیٰ نے اس ڈھانچے میں روح ڈال

کراس مردہ کو زندگی بخشی، پیدائش کے بعد جب مقررہ مدت عمر کا اختتام ہوجاتا ہے تو اس پر دوسری موت آجاتی ہے، پھر دوسرے صور پھونکنے پر دوسری اور ابدی زندگی شروع ہوجاتی ہے۔ سورۂ بقرہ آیت ۲۸ اسی تفسیر کی تائید میں ہے: ﴿كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ [البقرة: ۲۸] (تم کس طرح اللہ کے ساتھ کفر اختیار کرلیتے ہو، حالانکہ تم بے جان تھے، اسی نے تمہیں زندگی بخشی، پھر وہی تمہیں موت دے گا، پھر وہی تم کو زندہ کرے گا، اور پھر تم اسی کے پاس لوٹ کر جاؤ گے)۔ پس واضح ہوا کہ دو دفعہ کی موت اور دو دفعہ کی حیات صحیح اور برحق ہے۔ یاد رہے کہ اس میں ازلی زندگی اور پھر فناء شامل نہیں کماھو الظاھر۔

﴿ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗٓ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا﴾ یہ تمہاری بدحالی اس وجہ سے ہے کہ دنیا میں جب تمہیں اللہ وحدہ لاشریک کی وحدانیت کی طرف بلایا جاتا تھا تو تم اس کی وحدانیت کا انکار کرتے تھے، اور اگر اس کے ساتھ شریک مانتے اور سفارشی کہتے تو تم ایمان لاتے، یعنی ان باتوں پر یقین کرتے اور خوش ہوجاتے، اب تمہارے لئے ابدی جہنم کے علاوہ کچھ نہیں، نہ دنیا میں واپسی اور نہ جہنم سے خلاصی۔

﴿فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ﴾ آج فیصلہ اللہ تعالیٰ مالک یوم الدین کے ہاتھ میں ہے، جو بلند و برتر ہے، اور بڑائی وعظمت کا مالک ہے، جس نے دوزخ کو اپنے نافرمان کافروں سے بھر دینے کا فیصلہ کیا ہوا ہے، اور جنت کو فرمانبرداروں سے۔ الحمد للہ

هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا ۭ وَمَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ ⑬ فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ⑭ رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ⑮ يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ڬ لَا يَخْفٰى عَلَي اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۭ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ⑯ اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ ۭ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ⑰

ترجمہ: وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے، اور تمہارے لئے آسمان سے رزق اتارتا ہے، اور نصیحت حاصل نہیں کرتے مگر وہی لوگ جو رجوع کرتے ہیں ⑬ سو تم اللہ تعالیٰ کو پکارو، دین کو اسی کے لئے خاص کرتے ہوئے، اگرچہ

کافروں کو نا گوار ہو⑭ وہ رفیع الدرجات ہے، عرش والا ہے، وہ اپنے حکم سے وحی نازل فرماتا ہے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے، تاکہ وہ ملاقات کے دن سے ڈرائے⑮ جس دن وہ لوگ ظاہر ہوں گے اللہ تعالیٰ پر ان میں سے کوئی چیز بھی پوشیدہ نہ ہوگی، آج کس کے لئے ملک ہے؟ اللہ تعالیٰ واحد قہار کے لئے ہے⑯ آج کے دن ہر جان کو اس کا بدلہ دیا جائے گا جو اس نے کمایا، آج کے دن ظلم نہیں ہے، بیشک اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے⑰

معارف ومنازل

پہلے نقمتوں کا بیان ہوا، اب نعمتوں کا، اور پاک ذات کی عظمتوں کا، اور کچھ قیامت کی سختیوں کا بیان ہورہا ہے، تاکہ تذکیر وعبرت حاصل ہو۔ ﴿هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جو تمہیں اپنی قدرت کی نشانیاں دکھاتا ہے، اس کی مخلوق میں بے شمار نشانیاں ہیں جو اس کے قادر مطلق اور وحدہٗ لاشریک ہونے پر گواہ ہیں، اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ تمہارے لئے بلکہ تمام کائنات کے لئے آسمان سے رزق اُتارتا ہے، مجال نہیں اس کے ارزاق میں کمی ہو، ہاں! حکمت کے ساتھ فراخی وتنگی ہوسکتی ہے۔

﴿وَمَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ﴾ نشانیوں کو دیکھ کر وہی لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں جو عقل وفکر سے کام لے کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں، اور حق تک رسائی پالیتے ہیں، اور قبول کرتے ہیں، اس لئے یہ ضروری ہے کہ تم: ﴿فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ پھر تم اللہ تعالیٰ کو پکارو، اسی کی عبادت کرو، اور عبادت واطاعت کو صرف اسی کے لئے خالص رکھو، کسی بھی عبادت میں کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ۔

﴿وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ﴾ اگرچہ کافروں کو ناگوار ہو، یعنی جو لوگ تمہارے ایمان اور عقائدِ دینیہ اور اعمالِ صالحہ سے ناراض ہوں تو انہیں ناراض ہونے دو، اور ان کی ناراضگی کی کوئی پرواہ نہ کرو، اور اپنے پروردگار سمیع وبصیر وخبیر پر بھروسہ کرو۔ اللہ تعالیٰ نے جب موسیٰ وہارون علیہما السلام کو فرعون کے پاس جانے کا حکم دے کر روانہ فرمایا تو وہ کہنے لگے: ﴿اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى﴾ [طٰه:۴۵] (اے ہمارے ربّ! ہمیں ڈر لگتا ہے کہیں فرعون ہم پر زیادتی نہ کرے، اور ہمارے خلاف سرکشی نہ کرے) اس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں مطمئن کر کے فرمایا: ﴿لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى﴾ [طٰه:۴۶] (تم دونوں کسی طرح خوف نہ کرو، میں تمہارے ساتھ ہوں، دیکھتا اور سنتا ہوں، مجال نہیں تمہارا کوئی بال بیکا ہو۔ پس ہوا بھی ایسا کہ چالیس سال تک فرعون کو تبلیغ کرتے رہے، مگر

فرعون باوجود اپنے تکبر وغرور کے ان کے ساتھ کچھ نہ کرسکا۔ وہ ذات یہ ہے:

﴿رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ﴾ رفیع الدرجات، یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ مفسرین نے اس کے دو معنی بیان کئے ہیں: اول یہ کہ وہ درجات کو بلند فرمانے والا ہے، جو بندے مؤمن ہیں اور نیک کاموں میں لگے ہوئے ہیں قیامت کے دن ان کے درجات کو بلند فرمائے گا، اور اس دنیا میں بھی نیک لوگوں کے درجات بلند فرماتے ہیں، فرمایا: ﴿يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ﴾ [المجادلة:۱۱] (جنہوں نے ایمان لایا ہے، اور جن کو علم دیا گیا ہے اللہ ان کے درجات کو بلند فرمائے گا)۔ فرمایا: ﴿وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا﴾ [الأحقاف:۱۹] (اور ہر ایک کے اپنے اعمال کی وجہ سے مختلف درجے ہیں)۔

یہ معنی بہت ہی عمدہ اور قریب الی الفہم ہے، اور دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مرتفع الدرجات ہے، یعنی اکبرو عظیم ہے، اور عظیم الصفات ہے، اس کی تمام صفات کامل درجے کی ہیں، اور وہ ہر عیب ونقصان سے پاک ہے، اس کی صفات میں کوئی نقص نہیں، وہ بلند وبالا صفات کا مالک ہے۔ صاحب روح المعانی کا یہی پسندیدہ معنی ہے۔ بہر حال! دونوں معنوں میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء ہے، لہٰذا دونوں معنی صحیح اور برحق ہیں، کوئی اجتماع ضدین کا مسئلہ نہیں ہے۔

﴿ذُو الْعَرْشِ﴾ کے معنی ہیں: عرش کا مالک ہے، عرش پر شب وروز ہر لمحہ اس کی تجلیات کی بارش ہوتی ہے، پھر وہاں سے پوری کائنات پر تجلیات کا نزول ہوتا ہے، کہیں زیادہ کہیں کم علیٰ حسب المراتب۔

﴿يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ﴾ وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے روح اتارتا ہے۔ روح سے مراد وحی ہے جو کہ روح کی طرح سبب حیات قلوب ہے، اور روح سے مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام بھی ہے، اور امر سے مراد حکم ہے۔ اور بعض نے کہا کہ امرہ روح کے لئے بیان ہے۔ واللہ اعلم

مِنْ عِبَادِهٖ سے مراد حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک سارے انبیاء کرام علیہم السلام ہیں، اور وحی کے نزول کا مقصد یہ ہے: ﴿لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ﴾ تا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ بندہ جس کی طرف وحی بھیجی گئی ہے لوگوں کو ملاقات کے دن کی سختی سے ڈرائے۔ تلاق کا لغوی معنی ہے: آپس میں مل جانا، آمنے سامنے ملاقات کرنا، اس سے مراد قیامت اور اس کا اجتماع ہے، جہاں سب لوگ اکٹھے ہوجائیں گے، اور سب کی حاضری ہوگی، اور وہ اس طرح:

﴿يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ﴾ جس دن وہ میدانِ محشر میں ظاہر ہوئے ہوں گے،

یعنی قبروں سے نکل کر کھلے میدان میں کھڑے ہوں گے، اور حساب وکتاب کے لئے اپنی باری کا انتظار کر رہے ہوں گے، وہ ایسا مرحلہ ہوگا جہاں کچھ بھی نہ چھپے گا، ہر اچھا برا مثقال ذرۃ خیر اور شر سامنے ہوگا، جہاں اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مخفی نہیں ہوگی، اس وقت آواز آئے گی جسے تمام محشر والے سنیں گے:

﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ﴾ آج بادشاہی کس کی ہے؟ کہاں ہیں دنیا کے عارضی بادشاہ؟ یہ سن کر پورے اجتماع میں کوئی ایک جواب دینے والا نہ ہوگا، جواب کیا دیں گے ہر ایک اپنے بارے میں کیا سوچ رہا ہوگا، اور بیہوشی کے عالم میں ہوگا، پھر اللہ تعالیٰ خود ہی فرمائے گا: ﴿لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ آج بادشاہی صرف خدائے یکتا کی ہے، جو قہر والا ہے، ہر چیز اس کے سامنے مغلوب ہے، اور وہ غالب وقہار ہے۔ بخاری میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اَنَا الْمَلِکُ اَنَا الدَّیَانُ اَیْنَ مُلُوْکُ الْاَرْضِ؟ میں ہی بادشاہ اور فیصلہ کرنے والا ہوں، کہاں گئے دنیا کے عارضی چار روزہ مجازی حکمران؟ شاید آج ان پر سب کو ترس آئے، جو اپنی بادشاہتوں کے گھمنڈ میں خدا بنے ہوئے تھے، آج ان کا ایسا محاسبہ ہوگا کہ ان پر گدھے کتے بھی ترس کھائیں گے، جو اللہ تعالیٰ کی کتاب کو پس پشت ڈال کر یہود ونصاریٰ کی جمہوریت پر ناچ رہے تھے، آج عظیم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور خود قرآن بھی ان کے خلاف گواہی دیں گے، اور فیصلہ ان کے خلاف صادر ہو کر سب سے نچلے جہنم کے طبقہ هاوية میں داخل ہوں گے۔ یہ ہوں گے قرآن کے مارے ہوئے باغی بمطابق:

﴿اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۭ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ﴾ آج ہر نفس کو اس کی کمائی کا ٹھیک بدلہ ملے گا، آج کے دن کسی پر زیادتی نہیں ہوگی، آج خیر وشر اپنے اصلی معیار پر اتریں گے، دودھ اور پانی ایک دوسرے سے جدا ہوں گے، کیوں نہیں، بات اصلی یہ ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ﴾ اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے، وہ ایک وقت میں سب کے حساب لینے پر قادر ہے۔

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ ڛ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ
وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ۝۱۸ يَعْلَمُ خَاۗىِٕنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ۝۱۹ وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ ۭ
وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝۲۰

ترجمہ: اور آپ ان کو قریب آنے والی مصیبت کے دن سے ڈرائیے جس وقت قلوب گلوں کے پاس ہوں

گے، گھٹن میں پڑے ہوئے ہوں گے، ظالموں کے لئے نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارش کرنے والا ہوگا جس کی بات مانی جائے ⑱ وہ جانتا ہے آنکھوں کی خیانت کو، اور ان چیزوں کو جنہیں سینے پوشیدہ رکھتے ہیں ⑲ اور اللہ تعالیٰ حق کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا، اور اللہ تعالیٰ کے سوا جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں وہ کچھ بھی فیصلہ نہیں کر سکتے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ سننے والا ہے، دیکھنے والا ہے ⑳

معارف ومنازل

﴿وَاَنۡذِرۡهُمۡ يَوۡمَ الۡاٰزِفَةِ﴾ آپ انہیں قریب آنے والے دن سے ڈرا دیں۔ آزفۃ قیامت کے ناموں میں سے ہے، بمعنی قرب ونزدیکی کے۔ وہ دن کتنا سخت ہوگا؟ فرمایا: ﴿اِذِ الۡقُلُوۡبُ لَدَى الۡحَنَاجِرِ كٰظِمِيۡنَ﴾ کہ خوف ودہشت کی وجہ سے دل اچھل کر حناجر وگلوں تک آجائیں گے، یعنی عام طور پر کہتے ہیں: کلیجے کا منہ میں آنا۔ حناجر گلے کو کہتے ہیں، اور کٰظِمِیۡنَ کظم سے مشتق ہے، بمعنی غم، بے چینی اور غصہ۔ مطلب یہ ہے کہ دل منہ میں آکر شدتِ غم سے لوگ اپنی جگہ سے ہٹ کر منہ اور گلے میں آجائیں گے، اور شدت غم سے لوگ بے خود ہوکر نشہ میں مست ہوجائیں گے۔ سورۂ حج میں ارشاد ہے: ﴿وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمۡ بِسُكٰرٰى وَلٰـكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيۡدٌ﴾ [الحج:۲] (آپ لوگوں کو دیکھیں گے جیسے وہ نشہ میں ہیں، مگر وہ نشہ میں نہیں، اللہ تعالیٰ کے عذاب کی شدت نے انہیں نشہ میں رکھا)۔

﴿مَا لِلظّٰلِمِيۡنَ مِنۡ حَمِيۡمٍ وَّلَا شَفِيۡعٍ يُّطَاعُ﴾ ظالموں کا نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارشی ہوگا کہ جس کی سفارش مانی جائے، دنیا میں ایسے ظالموں کے لئے سب کچھ ہوتا تھا، بلکہ یہ لوگ دنیا میں بڑے خوشحال ہوتے تھے، کیونکہ دنیا بے انصافیوں کا گھر ہوتا تھا۔ ﴿يَعۡلَمُ خَآئِنَةَ الۡاَعۡيُنِ وَمَا تُخۡفِى الصُّدُوۡرُ﴾ اللہ تعالیٰ آنکھوں کی خیانت اور دلوں میں پوشیدہ چیزوں کو خوب جانتا ہے، وہ کان ومایکون کے ہر ہر ذرہ سے باخبر ہے۔ دراصل آنکھوں اور دلوں کی خیانت منافقوں کی علامات میں شمار ہے، متقی پرہیزگار لوگ ان جرائم سے پاک ہوتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ بکثرت یہ دعا پڑھا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ طَهِّرۡ قَلۡبِىۡ مِنَ النِّفَاقِ وَعَمَلِىۡ مِنَ الرِّيَاءِ وَلِسَانِىۡ مِنَ الۡكَذِبِ وَعَيۡنِىۡ مِنَ الۡخِيَانَةِ فَاِنَّكَ تَعۡلَمُ خَائِنَةَ الۡاَعۡيُنِ وَمَا تُخۡفِى الصُّدُوۡرُ۔ [رواہ البیھقي، مشکوۃ]

﴿وَاللّٰهُ يَقۡضِىۡ بِالۡحَـقِّ‌ؕ وَالَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ لَا يَقۡضُوۡنَ بِشَىۡءٍ﴾ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن حق

اعظم! کیا جولوگ آپ کی تکذیب کر رہے ہیں یہ نہیں چلے پھرے ہیں زمین میں کہ اپنے سفروں میں دیکھ لیتے کہ کیسا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے؟ وہ لوگ جو ان سے زیادہ مضبوط تھے زور اور قوت کے لحاظ اور مال وافراد کے لحاظ سے، اور ایسی نشانیوں کے لحاظ سے جو زمین میں یادگار چھوڑ گئے ہیں، جیسے ان کے قلعے، عمارات اور پہاڑوں سے تراشیدہ مکانات، تو انجام یہ ہوا کہ ان کے گناہوں اور نافرمانیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں پکڑ لیا، پس اللہ تعالیٰ کے عذاب سے انہیں بچانے والا کوئی نہ تھا۔

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ یہ زبردست مواخذہ ان پر اس وجہ سے ہوا کہ ان کے پاس ان کے رسول کھلی ہوئی نشانیاں اور دلائل لے کر آئے، لیکن انہوں نے نہ مانا، اور کفر پر جمے رہے، نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو پکڑ لیا، اور ان پر عذاب نازل فرما کر انہیں ہمیشہ کے لئے ہلاک فرما کر تباہ کیا، سو بیشک اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا، سخت سزا دینے والا ہے۔ اس اجمال کی اگر تفصیل چاہتے ہو تو ذرا موسیٰ علیہ السلام کی طرف رخ کرو، جن کا بیان اگلی آیات میں ہے:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝۲۳ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا
سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝۲۴ فَلَمَّا جَاۗءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَاۗءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ
وَاسْتَحْيُوْا نِسَاۗءَهُمْ ۭ وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۝۲۵ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ
مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ ۝۲۶
وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنِّىْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ۝۲۷

ترجمہ: اور یہ بات واقعی ہے کہ ہم نے موسیٰ کو اپنی آیات اور واضح دلیل کے ساتھ بھیجا ۝۲۳ فرعون اور ہامان اور قارون کے پاس، سو ان لوگوں نے کہا کہ یہ جادوگر ہے، بڑا جھوٹا ہے ۝۲۴ سو جب ان کے پاس ہمارے پاس سے حق لے کر آیا تو کہنے لگے کہ جو لوگ اس کے ساتھ ایمان لائے ان کے بیٹوں کو قتل کر دو، اور ان کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دو، اور کافروں کی تدبیر محض بے اثر رہی ۝۲۵ اور فرعون نے کہا: مجھے چھوڑ دو، میں موسیٰ کو قتل کر دوں، اور وہ اپنے رب کو پکارے، بلاشبہ میں ڈرتا ہوں کہ وہ تمہارے دین کو بدل دے، یا زمین میں فساد پھیلا دے ۝۲۶ اور موسیٰ نے کہا: بلاشبہ میں اپنے رب کی پناہ لیتا ہوں جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی ہر متکبر سے، جو حساب کے دن پر ایمان نہیں لاتا ۝۲۷

معارف ومنازل

گزشتہ آیات میں اجمالی طور پر بعض اقوام کی تکذیب اور ہلاکت وتعذیب کا تذکرہ فرمایا، آیاتِ بالا میں اور آئندہ ڈیڑھ رکوع تک فرعون اوراس کی قوم کی تکذیب، پھران کی غرقابی وہلاکت کا بیان ہوگا، درمیان میں ایک مردِ مؤمن اوراس کی نصیحتوں کا تذکرہ ہے، اللہ تعالیٰ کی اس پر رحمت ہو۔

﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ﴾ اور بے شک ہم نے بھیجا موسیٰ علیہ السلام کو اپنے احکام دے کر اور کھلی نشانیوں کے ساتھ جو ان کی نبوت ورسالت کی واضح دلیل تھیں۔ ﴿اِلٰی فِرْعَوْنَ وَھَامٰنَ وَ قَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ کَذَّابٌ﴾ فرعون اور ہامان اور قارون کے پاس، یعنی ان بڑے بڑے گمراہوں کی طرف، سو انہوں نے بجائے تصدیق کے تکذیب کی، اور کہنے لگے: یہ تو جادوگر ہے، بڑا ہی جھوٹا ہے، انہوں نے معجزات یعنی عصائے مبارک اور آپ کے ہاتھ مبارک کی چمک دمک اور روشنی کو جو کہ ید بیضاء سے مشہور ہے جادو کہا، اور موسیٰ علیہ السلام کو بڑا جادوگر شمار کیا، جس کا اعلان پورے ملک میں ہوا، اور سارے لوگوں میں اس کی شہرت ہوئی۔

یہ ایک فرعونی چال تھی تا کہ لوگ ان معجزات کو دیکھ کر ایمان لانے پر آمادہ نہ ہوں، فرعون کون تھا؟ وہ ایک محدود ملک کا جابر وظالم ڈکٹیٹر تھا، جو خدا بنا ہوا تھا (العیاذ باللہ)، اور ﴿اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی﴾ [النازعات: ۲۴] (میں تمہارے اعلیٰ درجے کا پروردگار ہوں) کہتا تھا، اور اس کا وزیر ومشیر ہامان ہوتا تھا، یہی اصلی شریر اور خبیث آدمی تھا، دنیا کے بڑے بڑے حکمران کون ہوتے ہیں؟ اِلّا ماشاء اللہ ان میں تو بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو عقلمند، دور اندیش، تجربہ کار، منصف مزاج اور رحمدل ومہربان ہوتے ہیں، مگر زیادہ تر حکمران جاہل، عیاش، بدکردار، مغرور اور ظالم وناعاقبت اندیش ہوتے ہیں، وہ برائے نام حاکم کہلاتے ہیں، وہ شب وروز لہو ولعب، شراب وکباب اور زِنا جیسے جرائم میں مست ہوتے ہیں۔

دراصل نظامِ حکومت ان کے پاس نہیں ہوتا، اور وہ عیاشی کے بغیر کچھ جانتے بھی نہیں، اصلی حکمرانی ان کے وزیروں اور مشیروں اور نوکر شاہی کے پاس ہوتی ہے، یہ لوگ بڑے عیار، چالاک، خوشامدی اور مکاری کے ماہر اور امام ہوتے ہیں، وہ طرح طرح کے نظام اور قواعد وقوانین بنا بنا کر برسراقتدار بادشاہ یا صدر یا وزیراعظم یا دوسرے تیسرے درجے کے بڑے بڑے سرکردہ لوگوں کے سامنے رکھتے ہیں، اور ایسے ایسے نقشے ان کے سامنے میز پر رکھ کر چرب زبانی سے منصوبے بیان کرتے ہیں جنہیں ابلیس کے سوا کوئی نہیں سمجھتا، پس حکمران بے چارے جو منصوبوں کی

ابجد سے بھی ناواقف ہوتے ہیں آنکھیں بند کر کے اس پر دستخط کر لیتے ہیں، اور وہ حکم پورے ملک میں نافذ ہوجاتا ہے، اور ظلم وستم کا بازار گرم ہوجاتا ہے۔

تو ہامان جو کہ فرعون کا وزیر ونوکر شاہی تھا اسی نے فرعون سے خدا بننے کا شوق وہوس منظور کروا کر اسے تباہ کیا، یہ پرانا اور قدیم بوسیدہ سلسلہ آج بھی بڑے زور وشور اور طمطراق کے ساتھ تمام جمہوری ملکوں میں عروج پر ہے، اللہ تعالیٰ ہی مسلمان قوم پر رحم فرمائے۔ آمین

البتہ قارون بنی اسرائیل کا فرد تھا، موسیٰ علیہ السلام کا قریبی رشتہ دار اور چچا زاد بھائی تھا، مگر وہ فرعون کے مخصوص ومعتمد لوگوں میں شمار ہوتا تھا، وہ فرعون کے پورے ملک کا سب سے بڑا سرکاری ٹھیکیدار تھا، بے حد مالدار تھا، اکثر اوقات فرعون اس سے قرض لیتا تھا۔ تفصیل سورۂ قصص میں گزر چکی ہے۔

﴿فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ﴾ جب موسی علیہ السلام ہماری طرف سے حق کا پیغام لے کر آئے تو فرعون اور اس کے حواری گھبرا کر کہنے لگے کہ جو بنی اسرائیلی لوگ موسیٰ پر ایمان لے آئے ہیں ان کے لڑکوں کو پیدا ہوتے ہی قتل کرو (یہ سلسلہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے جاری ہو چکا تھا) اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دو تا کہ ہماری قوم ان کو لونڈیاں بنا کر ان سے خدمت لے۔ روایات میں آیا ہے اس عرصہ میں نوے ہزار نومولود بچے بنی اسرائیلیوں کے مارے گئے۔

﴿وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ﴾ اور نہیں تدبیر کافروں کی مگر بربادی اور ناکامی، کیونکہ وہ یہی چاہتے تھے کہ بنی اسرائیل والوں سے ہمارا تخت الٹ کر کہیں تباہ نہ ہو، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی تدبیر الٹ کر بنی اسرائیلی پیغمبر کو فرعون کے گھر میں پالا، اور اس سے پرورش کی خدمت لی، پھر اس کے ہاتھ سے غرقاب کرا کر جہنم رسید کیا۔ سورۂ بقرہ اور سورۂ قصص میں دیکھا جائے۔

﴿وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ﴾ فرعون دربار والوں سے مشورہ کر کے اس نتیجہ پر پہنچا کہ موسیٰ علیہ السلام کو قتل کئے بغیر نظام درست نہیں رہے گا، تب اس نے دربار والوں سے کہا کہ مجھے اجازت دو میں موسیٰ کو قتل کردوں، اور یہ اپنے پروردگار کو پکار لے، جس کو اپنا حمایتی سمجھتا ہے، پھر ہم دیکھ لیں گے کہ کون اس کو بچاتا ہے۔ شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں کہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو خود قتل کرنے کا فیصلہ اس لئے کیا کہ اس کے درباری آپ کے معجزات کو دیکھ چکے تھے، اور خوفزدہ تھے (مگر فرعون کی ہاں میں ہاں ملا کر مجبور تھے) کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم پر

قتل کی صورت میں گرفت اور نزول عذاب ہو۔ کہتے ہیں فرعون خود بھی خوفزدہ تھا، مگر لوگوں پر رعب جمانے اور انہیں یرغمال بنانے پر ڈینگیں مارتا تھا، تا کہ لوگ موسیٰ علیہ السلام کی حمایت نہ کریں، اور اس کے حامی نہ بنیں، پھر کہنے لگا: ﴿اِنِّیۡۤ اَخَافُ اَنۡ یُّبَدِّلَ دِیۡنَکُمۡ اَوۡ اَنۡ یُّظۡهِرَ فِی الۡاَرۡضِ الۡفَسَادَ﴾ اے اہل دربار سنو! اس موسیٰ کے کردار و گفتار سے مجھے یہ اندیشہ ہے کہ وہ تمہارا دین ہی ل ڈالے، یا ملک میں کوئی فتنہ وفساد ہی نہ پھیلائے، اور مجھے دونوں باتوں کا خطرہ ہے۔ یہ تھا فرعون کا کہنا، مگر اللہ تعالیٰ ان دونوں بھائیوں کی حفاظت کا وعدہ کر چکے تھے، تو جس کو "خدا رکھے اس کو کون چکھے"۔ آگے آنے والا ہے کہ اس کی تمام تدبیریں ناکام اور بے اثر ہو کر رہ گئیں۔

کافر اور کافرانہ نظریات رکھنے والے یہودی اور نصرانی اور ان کے حواری کاسہ لیس اور پروردہ اولاد کے نزدیک پیغمبرِ خدا کی ہدایات اور تعلیمات کی اشاعت وترویج اور لوگوں کے اعمال واخلاق کی درستگی کا نام انہوں نے زور وقوت کے ساتھ فساد اور دہشت گردی رکھا ہے، اور ایک حد تک نام نہاد سرسری مسلمانوں کو بھی باور کرایا ہے، یہ وہ نظریہ ہے جس کا بانی اور موجد ان کا محسن وپیشوا فرعون ہے۔ کہتے ہیں کہ سفید جھوٹ بول کر اس کو پروپیگنڈا کے زور سے سچ کر دا کر دکھاؤ اور یقین کراؤ۔

مطلب یہ ہے کہ جو لوگ مسلسل غیر اخلاقی اعمال کے دلدادہ ہیں شب وروز شراب و بے حیائی اور مخرب اخلاق کرداروں میں مبتلا ہیں، یا ان کی کوئی شہنشاہیت اور اقتدار ہے جس کے ذریعہ وہ ہر قسم کی خرمستی کر سکتے ہیں، یا ان کا فرعون کی طرح کوئی عقیدہ واقتدار ہے جس کے ذریعہ وہ ہر قسم کے سیاہ وسفید کے مالک ہیں، اب اگر کوئی مصلح ہادی عالم تبلیغی یا کوئی بھی مسلمان اس طرز زندگی اور اس غیر مہذب رویہ یا اس غیر اسلامی نظریہ وفکر کی اصلاح اور تبدیلی کی کوشش کرے گا، اور یہ چاہے گا کہ یہ غیر اسلامی معاشرہ کتاب وسنت کے معیار پر ہو، اور اسلامی ہو، تو یہ لوگ یہود ونصاریٰ کے نمائندہ ایجنٹ انہیں فسادی اور دہشت گرد قرار دیتے ہیں۔

جب فرعون موسیٰ علیہ السلام کو دہشت گرد کہنے سے نہ شرمائے تو یہ فرعون کے حواری ہمارے علماء وطلباء کو دہشت گرد کہنے سے کیا شرمائیں گے۔ یورپ نے بہت سوچ سمجھ کے بعد یہ کارآمد ہتھیار ایجاد کر کے لوگوں میں مفت تقسیم کیا، اب اگر کوئی عالم کسی کو زنا سے، شراب سے، سود سے منع کرتا ہے تو وہ فوراً کہنا شروع کرتا ہے کہ یہ فساد اور دہشت گردی ہے، آج سے آٹھ سو سال پہلے حافظ شیرازی نے کہا تھا:

یارب چہ موسم ست کہ ناکس کسان شدند ☆ دہقان موش گیر شہ وخسروان شدند

خوبان پردہ شین ہمہ بے پردہ گشتہ اند☆ بازاریان کہنہ ہمہ بی بیان شدند
آن نامدار علم وادب وارثان دین ☆ در کنج قید وطعنہ چرا مفسدان شدند
حیف ست براین کہ زاغ وزغن خور جاہلان ☆ در مرغزار علم وہنر قاضیان شدند
آن خسروان کج وکلاہ وارثان تخت ☆ در سنگلاخ کوہ و بیابان زیان شدند
آنانکہ فرق پشم وپنبہ ندانند در جہان ☆ آنان شہان تاجدار ولی جہان شدند
(حافظ)

پھر یہ بات جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معلوم ہوئی تو آپ نے یہ دعا کی:
﴿وَقَالَ مُوْسٰٓی اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّکُمْ مِّنْ کُلِّ مُتَکَبِّرٍ لَّا یُؤْمِنُ بِیَوْمِ الْحِسَابِ﴾ بیشک میں پناہ حاصل کرتا ہوں اپنے ربّ کی، ہر مغرور ومتکبر شخص کے شر سے جو حساب کے دن پر ایمان نہ لاتا ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ دعا قبول ہوئی، اللہ تعالیٰ نے انہیں فرعون جیسے جابر اور اس کے حواریوں کے شر سے محفوظ رکھا۔ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جو شخص دشمنوں سے خوفزدہ ہو وہ اس وِرد کو روزانہ سو مرتبہ پڑھے، ان شاء اللہ وہ اللہ تعالیٰ کی پناہ میں محفوظ رہے گا، باذن اللہ۔

.......❁.......❁.......❁.......

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَکْتُمُ اِیْمَانَهٗۤ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَکُمْ بِالْبَیِّنٰتِ مِنْ رَّبِّکُمْ ؕ وَاِنْ یَّکُ کَاذِبًا فَعَلَیْهِ کَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ یَّکُ صَادِقًا یُّصِبْکُمْ بَعْضُ الَّذِیْ یَعِدُکُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ کَذَّابٌ ﴿۲۸﴾ یٰقَوْمِ لَکُمُ الْمُلْکُ الْیَوْمَ ظٰهِرِیْنَ فِی الْاَرْضِ ۫ فَمَنْ یَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا ؕ قَالَ فِرْعَوْنُ مَاۤ اُرِیْکُمْ اِلَّا مَاۤ اَرٰی وَمَاۤ اَهْدِیْکُمْ اِلَّا سَبِیْلَ الرَّشَادِ ﴿۲۹﴾

ترجمہ: اور آل فرعون میں سے ایک مؤمن نے کہا جو اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا: کیا تم ایسے شخص کو قتل کرتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا ربّ اللہ تعالیٰ ہے؟ حالانکہ تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے دلیلیں لے کر آیا ہے، اور اگر وہ جھوٹا ہوگا تو اس کا جھوٹ اسی پر پڑے گا، اور اگر وہ سچا ہوگا تو تمہیں بعض وہ مصائب پہنچ جائیں گے

جن کی وہ بطور پیشین گوئی خبر دے رہا ہے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو ہدایت نہیں دیتا ہے جو حد سے گزر جانے والا ہو، بہت جھوٹا ہو ﴿۲۸﴾ اے میری قوم! آج زمین میں تمہاری حکومت ہے، تم غلبہ پائے ہوئے ہو، سو اگر اللہ تعالیٰ کا عذاب ہم تک آپہنچا تو ہمیں اس سے بچانے کے لئے کون مدد کرے گا؟ فرعون نے کہا: میں تو تمہیں وہی رائے دوں گا جسے میں خود ٹھیک سمجھ رہا ہوں، اور میں تمہیں وہی رائے بتاؤں گا جو ہدایت کا راستہ ہے ﴿۲۹﴾

معارف ومنازل

آیات بالا میں جس مردِ مؤمن کا ذکر ہے یہ وہی مرد مؤمن ہے جس کے نام پر اس سورت کا نام المؤمن ہے۔
مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ فرعون کی قبطی قوم میں ہزاروں جادوگروں کے سوا صرف تین آدمی مشرف بایمان ہوئے:
ایک فرعون کی بیوی حضرت آسیہؓ جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے، یہ بہت بلند مرتبہ خاتون تھیں، دیکھیں: سورۃ التحریم پارہ ۲۸، دوسرا ایماندار شخص وہ ہے جس نے شہر کے دوسرے حصے سے آکر موسیٰ علیہ السلام کو اطلاع دی کہ ایک قبطی کے قتل کے بدلے میں لوگ تمہارے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں، آپ فوراً یہاں سے نکل جائیں۔ [القصص]

تیسرا ایماندار شخص یہی مردِ مؤمن تھا، یہ قبطی تھا، فرعون کا چچازاد بھائی بقول بعض، اس کا ولی عہد تھا، یا فرعون کے محافظ فوجی دستہ کا اعلیٰ سربراہ تھا، تب ہی تو بڑی جرأت و دلیری کے ساتھ فرعون اور اس کے درباریوں کو بہت بڑا لمبا چوڑا مشورہ دیا، اور اسے موسیٰ علیہ السلام کے قتل کے ارادے سے باز رکھا، اور کتنی بڑی مؤثر نصیحت فرمائی، جس پر عام آدمی قادر نہیں ہوسکتا، چنانچہ انہوں نے اپنی بات خوب وضاحت کے ساتھ منوائی۔ اس کے نام کے متعلق کئی اقوال ہیں: کسی نے شمعون بتایا، سہیلی نے شمعان بتایا، سدی نے حزقیل بتایا، وغیرہ۔

﴿وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَكْتُمُ اِیْمَانَهٗۤ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰهُ﴾ اور کہا ایک مردِ مؤمن نے جو فرعون کے خاندان سے تھا، مگر اپنے ایمان کو چھپائے رکھا تھا: کیا تم لوگ ایک شخص کو قتل کر رہے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ تعالیٰ ہے؟ یقیناً یہ بات ایسی نہیں ہے کہ اس پر کسی کے قتل کا منصوبہ بنایا جائے، اور یہ شخص محض زبانی طور پر اس کا دعویدار نہیں، بلکہ:

﴿وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَیِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ﴾ حالانکہ وہ تمہارے پاس کھلی نشانیاں معجزات اور دلائل لے کر آیا ہے، تمہارے رب کے پاس سے تم اپنی آنکھوں سے اس کے معجزات عصا اور ید بیضاء دیکھ چکے ہو، جن کا تمہارے

پاس کوئی جواب نہیں ہے، اس کے باوجود اس کے قتل کے درپے ہو، یہ بہت برا ہے، اور اگر بالفرض وہ جھوٹا ہوگا تو اس کا جھوٹ اسی پر پڑے گا:

﴿وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ﴾ اگر وہ سچا ہے، اور یقیناً سچا ہے، اس کے معجزات اس کی سچائی کی نشانیاں اور علامات ہیں، تو تمہیں وہ چیزیں پہنچ کر رہیں گی جن کا وہ وعدہ اور پیشین گوئی کر رہا ہے، کیونکہ وہ تمہیں اپنے ربّ کا حکم سنا رہا ہے۔ ﴿اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى﴾ اگر تم لوگوں نے اس کی دعوت کو مسترد کیا اور اس کو اذیت پہنچائی، تو پھر خدا کا عذاب یقیناً تم پر آجائے گا۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ﴾ بیشک اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والے سخت جھوٹے آدمی کو ہدایت نہیں دیتا، اور ایسا شخص صراط مستقیم سے محروم رہتا ہے، لہٰذا تم لوگ اپنے انجام کے بارمیں خوب سوچو، اور کوئی ایسا اقدام نہ کرو جو تمہارے لئے نقصان دہ ہو۔

﴿يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۫ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا﴾ اے میری قوم کے لوگو! ذرا یہ سوچو تمہارے لئے آج حکمرانی اور بادشاہی ہے، اقتدار و سلطنت ہے، آج اس سرزمین میں تم غالب و حکمران ہو، لیکن یہ بتاؤ کون ہماری مدد کرے گا اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہونے کی صورت میں، اگر وہ ہم پر آگیا؟ آج تم صاحب سلطنت ہو، تمہارے پاس مال و اسباب کی کثرت ہے، تمہارے پاس اسلحہ اور فوج ہے جس کو چاہتے ہو قتل کر دیتے ہو، اور جس کو چاہتے ہو قید کر دیتے ہو، لیکن سوچو یہ تمام اختیارات زمینی اور محدود ہیں، جب کسی آسمانی عذاب کا نزول ہوگا تو یہ سارے ناکارہ اور غیر مؤثر ہو جائیں گے، جس کے نتیجے میں تم سب ہلاک ہو جاؤ گے، اور تمہارا بچانے والا کوئی نہ ہوگا۔ اس مؤثر اور بےلوث تقریر کے جواب میں فرعون نے کہا:

﴿قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ﴾ فرعون نے کہا: میں تم کو وہی رائے دوں گا جو میں بہتر سمجھتا ہوں، اور میں تم کو وہی راستہ بتا رہا ہوں جو عین مصلحت اور بھلا ہے، اور وہ یہی ہے کہ یہ شخص ہمارے ملک، اقتدار، سلطنت اور ہمارے دین اور معاشرہ سب کے لئے خطرناک اور تباہ کن ہے، اس کے عزائم بہت دور اور ہماری دسترس سے باہر ہیں، یہ ہمارے ملک میں فساد اور دہشت گردی پھیلا کر ہمارے اقتدار پر قبضہ کرنے کا مصمم عزم رکھنے والا شخص ہے، میرے گھر میں پلا ہے، جتنا میں اس کے بارے میں سنجیدہ ہوں اور کوئی نہیں، لہٰذا بہتر اور ملک و قوم کے حق میں مفید و بہتر یہ ہے کہ اسے فساد پھیلانے سے پہلے قتل کیا جائے، اور پورے ملک

کو بچایا جائے، اور دین کو بھی۔

وَقَالَ الَّذِیْٓ اٰمَنَ یٰقَوْمِ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ مِّثْلَ یَوْمِ الْاَحْزَابِ ﴿۳۰﴾ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ
وَّثَمُوْدَ وَالَّذِیْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ یُرِیْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ﴿۳۱﴾ وَیٰقَوْمِ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ یَوْمَ
التَّنَادِ ﴿۳۲﴾ یَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِیْنَ ۚ مَا لَکُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾

ترجمہ: اور اس شخص نے کہا جو ایمان لایا تھا کہ اے میری قوم! میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ تم پر سابقہ جماعتوں جیسا دن نہ آپڑے ﴿۳۰﴾ جیسا کہ قوم نوح اور عاد اور ثمود اور ان کے بعد والوں کا حال ہوا، اور اللہ تعالیٰ بندوں پر کسی طرح بھی ظلم کا ارادہ نہیں فرماتا ﴿۳۱﴾ اور اے میری قوم! بلاشبہ میں تمہارے بارے میں یَوْمَ التَّنَادِ کا اندیشہ رکھتا ہوں ﴿۳۲﴾ جس دن تم پشت پھیر کر واپس لوٹو گے، تمہارے لیے اللہ تعالیٰ سے بچانے والا کوئی بھی نہ ہوگا، اور اللہ تعالیٰ جسے گمراہ کرے اسے کوئی بھی ہدایت دینے والا نہیں ہوگا ﴿۳۳﴾

معارف ومنازل

بندۂ مؤمن کا سلسلۂ کلام جاری ہے، مردِ مؤمن نے جب دیکھا کہ قوم پر میری نصیحتوں کا اثر نہیں ہو رہا ہے تو کلام کا رخ تبدیل کرتے ہوئے انہیں ڈرانے کی کوشش کی، اور کہا:

﴿وَقَالَ الَّذِیْٓ اٰمَنَ یٰقَوْمِ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ مِّثْلَ یَوْمِ الْاَحْزَابِ﴾ اور کہا اس مردِ مؤمن نے: اے میری قوم! مجھے تو ڈر لگ رہا ہے تمہارے متعلق ایسے برے دن کا جو تم سے پہلی جماعتوں پر عذاب کا نزول ہوا تھا، پس وہ سب کے سب لقمۂ عذاب بن کر ہمیشہ کے لئے ہلاک ہو گئے، وہ یہ ہیں: ﴿مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِیْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ﴾ جیسا کہ قوم نوح اور عاد اور ثمود پر آیا ہے، اور ان کے بعد والے لوگوں پر بھی آیا، کیونکہ انہوں نے غرور وتکبر کر کے اپنے اپنے پیغمبروں کو جھٹلایا، جس کے نتیجے میں ہلاک ہو گئے، اب مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ اگر تم ان کے نقش قدم چلو گے تو تمہارا حشر بھی ان جیسا ہوگا۔ یاد رکھو! سنت اللہ میں تبدیلی نہیں آئے گی، اور بلاوجہ کسی پر عذاب بھی نہیں آئے گا۔

﴿وَمَا اللّٰهُ یُرِیْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ﴾ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر زیادتی نہیں کرتا، اور صرف جرائم

وکفر پر سزا دیتا ہے۔ ﴿وَيٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ﴾ اے میری قوم کے لوگو! میں تمہیں چیخ وپکار (قیامت) کے دن سے ڈراتا ہوں، وہ دن سخت افراتفری، آہ وفغان کا ہوگا، کافروں کے لئے سخت پریشان کن ہوگا، اور مؤمنوں کے لئے رحمت ہوگا۔ ﴿يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ﴾ جس دن تم پشت پھیر کر بھاگو گے، مگر اس دن تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا، مجال نہیں کوئی تمہارے متعلق ادنیٰ ذرہ برابر سفارش کرے۔

﴿وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ﴾ ہدایت وضلالت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، سو جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کرے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں، ویسے تو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی صلاحیت واستعداد سب لوگوں کو عطا کی ہوئی ہے، مگر اکثر لوگ کبر وغرور اور سرکشی اختیار کر کے اپنی فطری ہدایت واستعداد کو ضائع کرتے ہیں، پھر ہمیشہ کے لئے گمراہ ہو جاتے ہیں۔

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ۭ حَتّٰٓى
اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ
مُّرْتَابُۨ ۝ۚۖ۳۴ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۭ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ
وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ۝۳۵

ترجمہ: اور یہ بات واقعی ہے کہ یوسف تمہارے پاس اس سے پہلے واضح معجزات لے کر آئے، سو وہ جو کچھ تمہارے پاس لائے تم اس میں برابر شک کرتے رہے، یہاں تک کہ جب ان کی وفات ہوگئی تو تم نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ان کے بعد کسی رسول کو مبعوث نہ فرمائے گا اللہ تعالیٰ ہی ایسے گمراہ کر دیتا ہے اس شخص کو جو حد سے بڑھ جانے والا ہو، شک میں پڑنے والا ہو ۳۴ جو اللہ تعالیٰ کی آیات میں بغیر دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو جھگڑے بازی کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور اہل ایمان کے نزدیک یہ بڑے بغض کی چیز ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ مہر لگا دیتا ہے ہر متکبر جبار کے دل پر ۳۵

معارف ومنازل

مرد مؤمن کا سلسلہ کلام جاری ہے، فرمایا: ﴿وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ﴾ بیشک

تمہارے پاس اس سے پہلے حضرت یوسف علیہ السلام بینات اور معجزات اور دلائل لے کر آئے۔ ﴿فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ﴾ مگر تم برابر شک میں رہے اس چیز کے بارہ میں جو وہ لے کر آئے تھے۔

﴿حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا﴾ حتیٰ کہ جب وہ فوت ہو گئے تو تم کہنے لگے کہ بس اب اللہ تعالیٰ ان کے بعد کوئی رسول نہیں بھیجے گا۔ بعض مفسرین کرام نے کہا ہے کہ یہ حضرت یوسف بن یعقوب علیہما السلام نہیں تھے، بلکہ یوسف بن افراہیم تھے، اور یہ حضرت یوسف علیہ السلام کے پوتے ہیں، مگر حضرت شاہ عبدالقادرؒ دہلوی یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ حضرت یوسف بن یعقوب علیہما السلام ہی ہیں، اہل مصر نے آپ کی نبوت کو تسلیم نہیں کیا، آپ عرصہ تک مصر کے سیاہ وسفید کے مالک رہے، اور اس دوران میں انہوں نے نظامِ سلطنت کو احسن طریقہ سے چلایا، اور بہت عمدہ طریقے پر، خاص طور پر قحط کے سات سالوں میں آپ نے غلہ کی فراہمی کا جو بندوبست کیا وہ نہایت ہی عمدہ تھا، جس کی وجہ سے دیگر ممالک کے برخلاف اہل مصر کو کوئی دقت پیش نہ آئی، پھر جب آپ کی وفات ہو گئی تو نظامِ سلطنت میں بگاڑ پیدا ہونے لگا، تو اس وقت لوگوں کو آپ کی نبوت اور استعداد کی قدر معلوم ہو گئی، تو پھر انہوں نے افسوس کا اظہار کیا کہ ان کی زندگی میں ہم ان کو تسلیم نہ کر سکے اور کہنے لگے کہ اب آئندہ ایسا عظیم المرتبت نبی کہاں آئے گا؟ [موضح القرآن]

﴿كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُ﴾ اسی طرح اللہ تعالیٰ مسرف اور شک کرنے والے کو گمراہ کرتا ہے، یعنی ایسے لوگ ہدایت سے محروم رہتے ہیں۔ آگے مسرف اور مرتاب لوگوں کے انجام کا بیان ہے:

﴿الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ﴾ وہ مسرف اور شکی لوگ جو اللہ تعالیٰ کی آیات میں بغیر کسی سند کے جھگڑا کرتے ہیں۔ ﴿كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ ان کا یہ جھگڑا اللہ تعالیٰ اور اہل ایمان کے نزدیک بہت بڑی ناراضگی کی بات ہے، ایسے جھگڑالو انسان بہت برے ہوں گے، وہ یہ کہ:

﴿كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ﴾ اسی طرح اللہ تعالیٰ مہر لگاتا ہے ہر مغرور اور سرکش دل پر، جو لوگ حق کی تسلیم سے انکار کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی آیات احکام میں جھگڑا اور حجت بازی کرتے ہیں، اور کبر وغرور کے ساتھ حق باتوں سے انکار کرتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ اپنے قانون کے مطابق: ﴿خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ﴾ [البقرة:۷] (اللہ ان کے قلوب پر مہر لگا دیتے ہیں)۔ اسی طرح ان کے کانوں اور آنکھوں پر بھی، پس ایسے لوگ ہمیشہ کے لئے ہدایت سے محروم ہو جاتے ہیں، ان کی ہر استعداد سلب ہو جاتی ہے، وہ حیوانوں اور جانوروں کی طرح

عقل ومعرفت سے محروم ہوجاتے ہیں۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ﴿۳۶﴾ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ۭ وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْۗءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ ۭ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ﴿۳۷﴾

ترجمہ: اورفرعون نے کہا کہ اے ہامان! میرے لئے ایک محل بنادے، ہوسکتا ہے کہ میں راستوں میں پہنچ جاؤں، یعنی آسمان کے راستوں تک میری رسائی ہوجائے، پھر میں موسیٰ کے معبود کا پتہ چلاؤں، اور بیشک میں تو اسے جھوٹا ہی سمجھتا ہوں﴿۳۶﴾ اوراسی طرح فرعون کے لئے اس کا براعمل مزین کردیا گیا، اور وہ راستہ سے روک دیا گیا، اورفرعون کی تدبیر ہلاکت ہی میں لے جانے والی تھی ﴿۳۷﴾

معارف ومنازل

مردِمؤمن کا سلسلۂ کلام جاری رہا، درمیان میں فرعون کی ایک تدبیر کا تذکرہ ہورہا ہے، وہ یہ کہ فرعون نے اپنی فرعونیت کا اعلیٰ مظاہرہ کرتے ہوئے بے شرمی اورحماقت کا ایک اوررخ اختیار کیا، تاکہ عوام کی توجہ اصل باتوں سے ہٹ کر دوسرے رخ پر مرکوز ہو، یہ شیطانی سیاست کا ایک بہت بڑا حربہ ہے جوکہ آج بھی جاری ہے۔

﴿وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ﴾ اور کہا فرعون نے: اے ہامان! میرے لئے ایک اونچا مینار بناؤ، شاید کہ میں راستوں کو پہنچ جاؤں۔ ﴿اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا﴾ یعنی آسمانوں کے راستوں (برجوں) پرپہنچ کرموسیٰ علیہ السلام کے معبود کو جھانک کردیکھ سکوں کہ موسیٰ علیہ السلام کا خدا کیسا ہے، وہ ہرروز اپنے خدا اوراس کی قدرت کا تذکرہ کرکے ہمیں ڈراتا ہے، جہاں تک میرا گمان ہے وہ جھوٹا ہے۔سورۂ قصص میں فرعون کے مینار اور اینٹوں کی بھٹی کا واقعہ گزرچکا ہے، وہاں دیکھا جائے۔

یہ فرعون کا استہزاء تھا، وگرنہ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ بڑے بڑے فلک بوس پہاڑوں پر چڑھنے والے لوگ ابھی تک خدا تعالیٰ کو جھانک کرنہیں دیکھ سکے تو وہ کیا دیکھ سکے گا، اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ آسمان اتنے اونچے بلند ہیں کہ وہاں تک کسی مخلوق کی رسائی نہیں ہوسکتی۔ بہرحال! فرعون نے لوگوں کی توجہ مردِمؤمن کی باتوں سے ہٹاکر

دوسرے رخ پر ڈال دی، کیونکہ اس کے پیشرو نمرود نے بھی ایسا منصوبہ شروع کیا تھا جو تباہ ہوا، اس کے علاوہ اہرام مصر بھی فرعون کے سامنے تھے جو کہ فرعون سے دو ہزار سال پہلے کے تھے، جن کے معمار اللہ تعالیٰ تک رسائی نہ کر سکے تھے۔ یہ اہرام قوم عاد کے زمانے کے ہیں۔ بہر حال! فرعون نے اپنے وزیر ہامان کو حکم دیا کہ ایک اونچا مینار تعمیر کرو تاکہ اس پر چڑھ کر موسیٰ علیہ السلام کے خدا تک پہنچ سکوں۔ تاہم بعض مفسرین نے کہا: ایسا منارہ تیار نہیں ہوا، امام قرطبی نے ذکر کیا ہے کہ یہ بلند عمارت تعمیر کرائی گئی لیکن بلندی پر پہنچتے ہی منہدم ہوگئی۔ واللہ اعلم

﴿وَ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ﴾ اسی طریقے سے فرعون کا برا عمل اس کے لئے مزین کر دیا گیا تھا، وہ سیدھے راستے سے روک دیا گیا تھا، مگر فرعون کی ہر تدبیر غارت ہو کر ہلاکت کے گڑھے میں جا گری، یہاں تک کہ اسے کبھی چین اور سکون نصیب نہیں ہوا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رعب اس پر غالب رہا اور چھایا رہا، یہاں تک کہ جہنم رسید ہو کر دریائے قلزم میں غرق ہوا، جس کا مردار جسد خاکی عبرت کے لئے آج بھی عجائب خانے میں رکھا ہوا ہے۔ لعنة اللہ علیہ

وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ ۳۸ يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا
مَتَاعٌ ۫ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ۳۹ مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ
صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ۴۰
وَيٰقَوْمِ مَا لِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى النَّارِ ۴۱ تَدْعُوْنَنِيْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ
بِهٖ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۫ وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ ۴۲ لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ
لَيْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَى اللّٰهِ وَاَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحٰبُ
النَّارِ ۴۳ فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ ؕ وَاُفَوِّضُ اَمْرِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۴۴
فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ۴۵ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا
غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۫ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ۴۶

ترجمہ: اور جو شخص ایمان لایا (مردِ مؤمن) اس نے کہا کہ اے میری قوم! میرا اتباع کرو، میں تمہیں

ہدایت والا راستہ بتاؤں گا۳۸ اے میری قوم! یہ دنیا والی زندگی تھوڑے سے نفع کی زندگی ہے، اور بلا شبہ آخرت ہی رہنے کی جگہ ہے۳۹ جس نے کوئی بھی برائی کی تو اس کا بدلہ صرف اسی قدر دیا جائے گا، اور جس نے نیک عمل کیا مرد ہو یا عورت اور حال یہ ہو کہ وہ مؤمن ہو تو یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے، اس میں انہیں بے حساب رزق دیا جائے گا۴۰ اور اے میری قوم! کیا بات ہے میں تمہیں نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے دوزخ کی طرف بلاتے ہو۴۱ تم مجھے اس بات کی دعوت دیتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کروں، اور اس چیز کو اس کا شریک بناؤں جس کی میرے پاس کوئی دلیل نہیں ہے، اور میں تمہیں عزیز غفار کی طرف بلاتا ہوں۴۲ یہ یقینی بات ہے کہ تم مجھے جس چیز کی دعوت دیتے ہو اس کی دعوت نہ دنیا میں ہے اور نہ آخرت میں، اور بلا شبہ ہمارا لوٹنا اللہ تعالیٰ کی طرف ہے، اور بلا شبہ جو لوگ حد سے بڑھ جانے والے ہیں وہ دوزخ والے ہیں۴۳ سو تم یاد کرو گے جو میں تم سے کہتا ہوں، اور میں اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں، بیشک اللہ تعالیٰ بندوں کو دیکھنے والا ہے۴۴ سو اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو ان لوگوں کی تدبیروں کی مضرتوں سے بچالیا، اور آل فرعون پر برا عذاب نازل ہوا۴۵ صبح و شام یہ لوگ آگ کے سامنے لائے جاتے ہیں، اور جس دن قیامت قائم ہوگی حکم ہوگا کہ آل فرعون کو سخت ترین عذاب میں داخل کردو۴۶

معارف ومنازل

سلسلہ کلام جاری ہے، مردِ مؤمن نے کہا: ﴿وَقَالَ الَّذِيٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ﴾ اور کہا اس شخص نے جو ایمان لا چکا تھا: اے میری قوم کے لوگو! میری بات کا اتباع کرو، میں نیکی اور ہدایت کی طرف تمہاری راہنمائی کرتا ہوں، فرعون نے تمہیں جس راستہ پر لگایا ہے وہ سراسر گمراہی کا راستہ ہے، تم اس کو چھوڑ کر میری اتباع کرو۔ ﴿يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ ۡ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ﴾ اے میری قوم کے لوگو! یہ دنیا کی زندگی تھوڑے سے نفع کی زندگی ہے، یہ چند روزہ حقیر زندگی ہے، اور آخرت کا گھر ہمیشہ ٹھہرنے کی جگہ ہے۔

سورۃ العنکبوت میں ارشاد ہے: ﴿وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ۭ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ﴾ [العنکبوت: ۶۴] (اور یہ دنیوی زندگی کھیل کود کے سوا کچھ بھی نہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ دار آخرت ہی اصل زندگی ہے، اگر یہ لوگ جانتے ہوتے)۔ پس عقلمند وہ لوگ ہیں جو ابدی اور خوشحالی کے گھر کی طلب کرتے ہیں۔

﴿مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰى اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ تو جس شخص نے برا عمل انجام دیا اس کا بدلہ اس برائی کے برابر ہوگا، اور مرد یا عورت میں سے جس کسی نے نیکی کا عمل انجام دیا بشرطیکہ وہ مؤمن ہو پس وہ جنت میں داخل ہوں گے، اور بے حساب رزق پائیں گے۔ جنتیوں کا رزق ابدالآباد بے شمار و بے حساب ہے، چونکہ مرد اور عورت دونوں مکلّف ہیں تو ایمان و اعمالِ صالحہ کے طفیل عیش و خوشحالی میں برابر ہیں۔

﴿وَيٰقَوْمِ مَا لِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى النَّارِ﴾ اے میری قوم کے لوگو! کیا ہے مجھے کہ میں تمہیں نجات کی طرف دعوت دے رہا ہوں، اور تم مجھے دوزخ کی آگ کی طرف بلا رہے ہو؟ میرا راستہ ایمان کا ہے، اور عذاب سے نجات کا ہے، جبکہ تمہارا راستہ کفر و شرک کا ہے جس کا نتیجہ دوزخ کی آگ ہے۔

﴿تَدْعُوْنَنِيْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۫ وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ﴾ تم مجھے اس بات کی دعوت دیتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک اور کفر کا ارتکاب کروں، اور شرک بھی ایسا کہ جس کا مجھے علم نہیں، اور نہ ہی اس کے لئے کوئی دلیل ہے، اور میری دعوت تمہارے لئے اس ذات پاک کی طرف ہے جو کہ عزیز اور قوی ہے، غفار اور بخشش والا ہے۔

﴿لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ لَيْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْاٰخِرَةِ﴾ یہ بالکل قطعی اور پکی بات ہے کہ تم مجھے جس کی طرف دعوت دیتے ہو اس کی دنیا اور آخرت میں کوئی دعوت نہیں، وہ نہ تو خود کوئی کام کر سکتے ہیں، اور نہ وہ کسی سے قبول کروا سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے سوا جتنے باطل معبود ہیں وہ بہرے گونگے اندھے بے جان بے حرکت ہیں، وہ کسی بھی چیز پر قدرت نہیں رکھتے۔ ﴿وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَى اللّٰهِ﴾ اور ہمارا پھرنا تو اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کی طرف ہے، ہر انسان مرنے کے بعد اسی کے پاس جائے گا۔

﴿وَاَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ﴾ اور حد درجہ زیادتی کرنے والے ہی دوزخ میں جائیں گے، پس یاد رکھو! تمہارے ائمہ کفر فرعون و ہامان اور قارون دوزخیوں کے لیڈر رہوں گے۔ ﴿فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ ۭ وَاُفَوِّضُ اَمْرِيْٓ اِلَى اللّٰهِ﴾ جو باتیں آج بطور نصیحت و خیر خواہی تمہیں بتلا رہا ہوں ان کو آگے چل کر دنیا اور آخرت دونوں مقامات میں یاد کرو گے، اگر آج میری نصیحت پر عمل کرو گے تو فلاح پاؤ گے، سرخرو ہو جاؤ گے، ورنہ اگر تم پر کسی بلا و مصیبت کا نزول ہوا تو میری باتوں کو بطور ندامت یاد کرو گے، تو تمہیں فائدہ نہ ہوگا، اور تم پر وہ آیا ہوا عذاب نہیں ٹل

سکتا۔

﴿وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ﴾ اب میں اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں، وہ جو چاہے گا میرے ساتھ وہی فرمائے گا۔ ﴿اِنَّ اللّٰہَ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ﴾ بیشک اللہ تعالیٰ بندوں پر نگاہ رکھنے والا ہے، دانا بینا ہے۔ ﴿فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس مخلص بندہ کو کافروں کی بری تدبیروں سے بچالیا، اس کی حفاظت فرمائی۔ اگر اس ضمیر کو موسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع کیا جائے تو یہ بھی درست ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو فرعون اور اس کے حواریوں کے شر سے بچالیا، اور ان کی تدبیر ناکام رہی۔

صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ اس مردِ مؤمن نے جب اس پر جوش و پر مغز حکمت و معرفت کے مفید نصائح بیان کئے تو فرعون نے اس کے قتل کا منصوبہ بنایا، تو وہ وہاں سے نکل کر جنگل کی طرف ایک پہاڑ پر چلے گئے، ان کے پیچھے فرعون نے ہزار آدمیوں کے لشکر بھیج دیئے تاکہ اسے پکڑ لائیں، ان لوگوں نے پہاڑ میں انہیں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت فرمائی، اور ان لوگوں پر جنگلی درندے مسلط ہو گئے جنہوں نے انہیں تباہ کردیا، اور کچھ بھاگ کر واپس فرعون کے پاس آگئے، اس نے ان کو یہ کہہ کر قتل کردیا کہ تم قصداً اس شخص کو لے کر نہیں آئے۔ یہ واقعہ تفسیر مدارک میں بھی اسی طرح درج ہے۔

﴿وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ﴾ اور گھیر لیا آل فرعون کو برے عذاب نے، چنانچہ وہ ستر لاکھ آدمیوں کے ساتھ بحر قلزم کی موجوں کی نذر ہوگئے، اور سب غرق ہوگئے۔ ﴿اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِیًّا﴾ ان کو غرق ہونے کے بعد صبح و شام جہنم کی آگ پر پیش کیا جاتا ہے، کیونکہ برزخی زندگی میں دوزخ کا مستقل داخلہ نہیں ہوتا، صرف پیشی ہوتی رہتی ہے، اسی طرح نیک لوگوں کی صبح و شام پیشی جنت میں ہوتی رہتی ہے، مستقل دخول جنت قیامت کے دن حساب و کتاب اور پل صراط کے بعد ہوگا۔

﴿وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۛ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ﴾ یہ ہے مستقل دخولِ جہنم کا احوال کہ جب قیامت قائم ہوجائے گی اس وقت اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیں گے کہ آل فرعون کو سخت عذاب میں داخل کردو۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے لئے قبر کے عارضی عذاب اور پھر آخرت کے دائمی عذاب کا ذکر فرمایا ہے۔

عذاب قبر کا بیان اور ذکر کم از کم ستر احادیثِ صحیحہ میں آتا ہے۔ اسی طرح مؤمنین کی راحت کے متعلق بھی، اسی پر اہلسنت والجماعت اہل حق کا اجماع ہے، جبکہ گمراہ فرقے اس اجماع اور ثواب عقاب قبر کے منکر ہیں، جیسے

خوارج، رافضی اور معتزلہ وغیرہ۔

❁ ❁ ❁

وَاِذۡ یَتَحَآجُّوۡنَ فِی النَّارِ فَیَقُوۡلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِیۡنَ اسۡتَکۡبَرُوۡۤا اِنَّا کُنَّا لَکُمۡ تَبَعًا فَہَلۡ اَنۡتُمۡ مُّغۡنُوۡنَ
عَنَّا نَصِیۡبًا مِّنَ النَّارِ ﴿۴۷﴾ قَالَ الَّذِیۡنَ اسۡتَکۡبَرُوۡۤا اِنَّا کُلٌّ فِیۡہَاۤ ۙ اِنَّ اللّٰہَ قَدۡ حَکَمَ بَیۡنَ الۡعِبَادِ ﴿۴۸﴾ وَ
قَالَ الَّذِیۡنَ فِی النَّارِ لِخَزَنَۃِ جَہَنَّمَ ادۡعُوۡا رَبَّکُمۡ یُخَفِّفۡ عَنَّا یَوۡمًا مِّنَ الۡعَذَابِ ﴿۴۹﴾ قَالُوۡۤا اَوَلَمۡ تَکُ
تَاۡتِیۡکُمۡ رُسُلُکُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ ؕ قَالُوۡا بَلٰی ؕ قَالُوۡا فَادۡعُوۡا ۚ وَمَا دُعٰٓؤُا الۡکٰفِرِیۡنَ اِلَّا فِیۡ ضَلٰلٍ ﴿۵۰﴾

ترجمہ: اور اس وقت کو یاد کرو جبکہ کافر لوگ دوزخ میں ایک دوسرے سے جھگڑا کریں گے، سو جو لوگ کمزور تھے وہ ان لوگوں سے کہیں گے جو بڑے بنے ہوئے تھے: بیشک ہم تمہارے تابع تھے (تم ہی نے ہم کو کفر سکھایا) تو کیا تم ہم سے آگ کا کوئی حصہ ہٹا سکتے ہو؟﴿۴۷﴾ جو لوگ بڑے تھے وہ کہیں گے کہ بیشک ہم سب دوزخ میں ہیں، بیشک اللہ تعالیٰ نے بندوں کے درمیان فیصلہ فرما دیا (تابع و متبوع سب جہنمی ہوئے)﴿۴۸﴾ اور جو لوگ دوزخ میں ہوں گے وہ دوزخ کے داروغاؤں سے کہیں گے کہ تم اپنے ربّ سے دعا کردو، وہ ہم سے ایک دن عذاب کا کچھ حصہ ہلکا کردے﴿۴۹﴾ وہ جواب دیں گے: کیا تمہارے پاس تمہارے رسول کھلے ہوئے دلائل لے کر نہیں آئے تھے؟ وہ لوگ کہیں گے: ہاں آئے تو تھے، اس پر داروغہائے دوزخ جواب دیں گے کہ پھر تو تم ہی دعا کردو، اور کافروں کی دعا محض بے اثر ہے﴿۵۰﴾

معارف ومنازل

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے دوزخ میں جانے والے کمزور اور تابع لوگوں کا، اور ان کے متبوع بڑے سرداروں کا آپس میں مکالمے کا تذکرہ فرمایا ہے، اس قسم کے مکالمے متعدد مقامات میں مذکور ہیں، ارشاد فرمایا:

﴿وَاِذۡ یَتَحَآجُّوۡنَ فِی النَّارِ فَیَقُوۡلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِیۡنَ اسۡتَکۡبَرُوۡۤا اِنَّا کُنَّا لَکُمۡ تَبَعًا﴾ جب دوزخ میں پہنچنے والے آپس میں جھگڑا کریں گے پس کمزور لوگ۔ متکبر اور مغرور سرداروں سے کہیں گے، ہم تو دنیا میں تمہارے تابع تھے، تمہارا ہر حکم مانتے تھے، تمہارے کہنے اور فرمائشوں پر چل کر آج دوزخ میں پہنچے۔ ﴿فَہَلۡ اَنۡتُمۡ مُّغۡنُوۡنَ عَنَّا نَصِیۡبًا مِّنَ النَّارِ﴾ تو کیا آج تم دوزخ کے کچھ حصے سے ہمیں بچا سکتے ہو؟ ہمارا تم پر حق ہے کہ تمہاری بات مان

کر ہم یہاں خوار ہوئے، آج کچھ ہماری مدد کر کے عذاب ذرا کم کرادو۔

﴿قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ ۙ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ﴾ اس وقت متکبر سردار جواب دیں گے: بھلا ہم تمہاری کیا مدد کر سکتے ہیں؟ آج ہم اور تم سب دوزخ میں پڑے ہیں، بلکہ ہمارا عذاب تم سے دہرا زیادہ ہے، اب اللہ تعالیٰ نے بندوں کے درمیان فیصلہ کر دیا ہے کہ تابع اور متبوع سب جہنم میں ہوں گے، اور ان کے عذابوں میں کسی قسم کی تخفیف ممکن نہیں، اور یہ عذاب دائمی ہے۔

﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ﴾ جب تابع اپنے متبوعین سے مایوس ہو گئے تو جہنم کے داروغوں سے التجاء کرنے لگے: اے جہنم کے داروغے! ذرا ہم پر مہربانی کرلو، اپنے ربّ سے ہمارے لئے سفارش کرو، دعا کرلو کہ وہ ہمارے عذاب میں ایک دن کی تخفیف کر دے، کم از کم ایک دن ہمیں آزادی دلاؤ، جواب: ﴿قَالُوْٓا اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۭ قَالُوْا بَلٰى﴾ کیا تمہارے پاس تمہارے رسول تم ہی میں سے اور تمہاری بولی و زبان میں کھلی نشانیاں اور معجزات لے کر نہیں آئے؟ جن پر ایمان لا کر تم ہمیشہ کے لئے فلاح پا جاتے۔ وہ بدنصیب کہیں گے: ہاں اللہ تعالیٰ کے رسول تو آئے تھے، انہوں نے جنت اور دوزخ دونوں کا راستہ واضح کیا تھا، مگر ہماری بدبختی ہوئی، ہم نے ان کی تکذیب کی، اور اپنے بڑوں کے اور ابلیس کے حکموں پر چلے اور گمراہ رہے۔

﴿قَالُوْا فَادْعُوْا﴾ فرشتے انہیں کہیں گے: اب چیختے چلاتے رہو، آہ و فغان کرتے رہو، دائمی عذاب میں مبتلا رہو، کہیں تمہاری فریاد رسی نہیں ہوگی۔ ﴿وَمَا دُعٰۗؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ﴾ چیختے چلاتے رہو، تمہارے آہ و فغان اور فریادوں کا کوئی اثر نہ ہوگا، کوئی شنوائی نہ ہوگی۔ سورۃ المؤمنون میں تفصیل گزر چکی ہے، اور مزید تفصیل سورۃ الزخرف میں آنے والی ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ۝ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْۗءُ الدَّارِ ۝ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى وَاَوْرَثْنَا بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ الْكِتٰبَ ۝ هُدًى وَّذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ۝ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ

اَتٰىهُمْ ۙ اِنْ فِیْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِیْهِ ۚ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ﴿۵۶﴾
لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَمَا
یَسْتَوِی الْاَعْمٰى وَالْبَصِیْرُ ۙ۬ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِیْٓءُ ؕ قَلِیْلًا مَّا
تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾ اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِیَةٌ لَّا رَیْبَ فِیْهَا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۹﴾

ترجمہ: بلاشبہ ہم رسولوں کی اور ان لوگوں کی جو ایمان لائے دنیا والی زندگی میں مدد کرتے ہیں، اور جس دن گواہی دینے والے کھڑے ہوں گے ﴿۵۱﴾ جس دن ظالموں کو ان کی معذرت کام نہ دے گی، اور ان کے لئے لعنت ہے، اور ان کے لئے برے گھر میں رہنا ہے ﴿۵۲﴾ اور یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے موسیٰ کو ہدایت دی، اور بنی اسرائیل کو کتاب کا وارث بنایا، یہ کتاب ہدایت اور نصیحت تھی عقل والوں کے لئے ﴿۵۴﴾ سو آپ صبر کیجئے، اور صبح و شام اپنے رب کی تسبیح بیان کیجئے، جو حمد کے ساتھ ہو ﴿۵۵﴾ بلاشبہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں بغیر دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو، ان کے سینوں میں تکبر ہی ہے، وہ کبھی بھی اس تک پہنچنے والے نہیں ہیں، سو آپ اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کیجئے، بلاشبہ وہ سننے والا ہے، دیکھنے والا ہے ﴿۵۶﴾ البتہ آسمانوں کا اور زمین کا پیدا فرمانا لوگوں کے پیدا کرنے سے زیادہ بڑی بات ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ﴿۵۷﴾ اور برابر نہیں نابینا اور دیکھنے والا، اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے برے لوگوں کے برابر نہیں ہیں، مگر لوگ کم نصیحت حاصل کرتے ہیں ﴿۵۸﴾ بلاشبہ قیامت ضرور آنے والی ہے، اس میں کوئی شک نہیں، لیکن بہت سے لوگ ایمان نہیں لاتے ﴿۵۹﴾

معارف و منازل

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں علیہم السلام کی اور اہل ایمان کی نصرت اور کامیابی کا وعدہ فرمایا ہے۔ معلوم ہونا چاہئے کہ اس نصرت کے دو مطلب ہیں: اول یہ کہ پیغمبر اور اس کی امت کو کافروں پر غلبہ اور فتح حاصل ہو۔ دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ کفار کو تکذیبِ حق اور مخالفتِ حق کی پاداش میں کلی طور پر یا جزوی طور پر ہلاک و تباہ کردے، یہ بھی نصرت کہلائے گا۔

﴿اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَیَوْمَ یَقُوْمُ الْاَشْهَادُ﴾ بیشک ہم مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور ایمان لانے والوں کی دنیا کی زندگی میں بھی اور قیامت کے روز بھی، جب گواہی دینے والے

گواہی دینے کے لئے کھڑے ہوجائیں گے۔ یہ بہت قسم کی گواہیاں ہوں گی جن کی روشنی میں اقوام، امم، افراد وغیرہ کے بارے میں فیصلے ہوں گے۔

﴿يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ﴾ وہ دن اتنا سخت ہوگا کہ ظالموں کو ان کی معذرت کوئی نفع نہیں دے گی، اوران کے واسطے لعنت ہوگی، اوران کے لئے بہت ہی براٹھکانہ ہوگا، جس کے چاروں طرف عذاب ہوگا۔ دراصل یہ ظالم ومشرک جب بے انتہاء تباہ کن عذاب میں مبتلا ہوجائیں گےتو سمجھو کہ پیغمبروں علیہم السلام کی نصرت ہوگئی۔ ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى وَاَوْرَثْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ﴾ اور بیشک ہم نے موسیٰ کو ہدایت دی، اور بنی اسرائیل کو وارث بنایا کتاب کا۔اس سے مراد تورات شریف ہے۔

﴿هُدًى وَّذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ﴾ یہ تورات ہدایت اور نصیحت ہے عقل والوں کے لئے۔ ﴿فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ﴾ جیسے موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی ایذاؤں پر، پھراپنی قوم بنی اسرائیل کی ایذاؤں پر صبر کیا تو آپ بھی اہل مکہ اور عرب قبائل کی ایذاؤں پر صبر کیجئے، بیشک اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق ہے، اوراپنی فروگزاشت سہو ونسیان کے لئے اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کیجئے، اوراپنے ربّ کی تسبیح بیان کیجئے، اس کی حمد وثناء کے ساتھ صبح وشام، یعنی ہر وقت، پس یادرہے تسبیح وتحمید قلبی غذا ہے، اوراسباب قرب الٰہی میں سے سب سے بڑا سبب ہے، حتیٰ کہ ذاکرین کا درجہ ومرتبہ مجاہدین پر بھی بھاری اور مقدم ہے۔ تفصیل سورۂ احزاب میں گزرچکی ہے، وہاں دیکھیں۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۙ اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ﴾ بیشک جولوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں جھگڑا کررہے ہیں بغیراس کے کہ ان کے پاس کوئی دلیل وحجت آچکی ہو، ان کی یہ خصومت وجھگڑا تو بس غرور وتکبر ہی ہے ان کے سینوں میں کہ وہ کبھی بھی اس بڑائی تک نہیں پہنچنے والے ہیں، یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ اوراس کے رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ٹکر لینے اور مخالفت کرنے میں جس بڑائی ونام آوری تک پہنچنے کا خیال اور تمنار کھتے ہیں وہ اس تک نہیں پہنچ سکیں گے، بلکہ بحکم الٰہی خوار ورسوا ہوکر اور دونوں جہانوں میں ذلیل ہوں گے۔

﴿فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾ تو آپ پناہ مانگتے رہئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ، بلاشبہ وہ سب کچھ سننے والا، دیکھنے والا ہے۔ ﴿لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ

لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا لوگوں کی پیدائش سے بہت بڑا کام ہے، لیکن اکثر لوگ سمجھ سے کام نہیں لیتے جو کہتے ہیں: دوبارہ انسانوں کو زندہ کرنا ممکن نہیں، یہ ان کی بے عقلی ہے، جو خدا آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش پر قادر ہے وہ اس چھوٹے قد کے انسان کی دوبارہ پیدائش پر بھی قادر ہے۔

﴿وَمَا یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ ۙ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِیْٓءُ﴾ ایک اندھا اور بینا برابر نہیں ہو سکتے، اسی طرح ایمان لانے کے بعد نیک اعمال انجام دینے والے اور بدکار لوگ بھی برابر نہیں ہو سکتے۔ ﴿قَلِیْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ﴾ بہت کم لوگ نصیحت قبول کرتے ہیں، اکثر لوگ گمراہ ہی رہتے ہیں۔ ﴿اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِیَةٌ لَّا رَیْبَ فِیْهَا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یُؤْمِنُوْنَ﴾ بلاشبہ قیامت ضرور برپا ہونے والی ہے، جس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے، مگر اکثر لوگ وقوع قیامت اور دوبارہ زندگی پر ایمان نہیں لاتے یعنی قیامت کے منکر ہیں۔

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ
عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِیْنَ ﴿۶۰﴾

ترجمہ: اور تیرے پروردگار کا فرمان ہے کہ مجھے پکارو، میں تمہاری دعا قبول کروں گا، جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب جہنم میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے ﴿۶۰﴾

معارف ومنازل

اس آیت کریمہ میں اتنی بڑی بشارت ہے کہ سارا جہاں ایک طرف اور یہ بشارت دوسری طرف، فرمایا: تم مجھے پکارو، میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: اعبدوني أثيبكم، تم میری عبادت کرو میں تمہیں اس کا ثواب اور اجر عطا کروں گا۔ یہ قول ضحاکؒ اور مجاہدؒ ودیگر حضرات سے مروی ہے۔ عام علماء اور اکثر مفسرین کرامؒ نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے: اسئلونی اُعطِکم، تم مجھ سے مانگو اور ہر سختی کے موقع پر مجھے پکارو، میں تمہاری درخواست قبول کروں گا۔

درحقیقت یہ دونوں تفسیریں ہم معنی ہیں، ان میں کوئی تفاوت نہیں۔ دعا عبادت کی روح اور اس کا مغز ہے، کیونکہ انتہا درجہ کی عاجزی اور نیازمندی کو عبادت کہتے ہیں، اور اس کا ظہور صحیح معنوں میں اسی وقت ہوتا ہے جب

انسان مصائب و پریشانیوں میں مبتلا ہو، دوست ساتھ چھوڑ گئے ہوں، ہر تدبیر ناکام ہو چکی ہو، ہر امکانی دروازے بند ہو چکے ہوں، سر پر اضطراری کیفیت کا نزول ہو، حالات کی سنگینی نے اس کی قوت وطاقت کو پارہ پارہ کر ڈالا ہو، جب ہر طرف سے امیدیں منقطع کر کے اپنے ربّ رحمٰن ورحیم وہاب وکریم کے درِاقدس پر آکر صرف اسی کو حاجت روا مشکل کشا جانتے ہوئے اور یقین کرتے ہوئے سرِ تسلیم جھکا دے، اور نیاز کا اظہار کرے، تو کیفیت رونے کی ہو، زبان گنگ ہو، دلِ دردمند کی داستان اشکبار آنکھیں سنا رہی ہوں، اور پورے عزم ویقین اور امیدوں کے ساتھ زبانِ قال وحال کے ساتھ اظہارِ غم واندوہ کر رہا ہو، اور اس صورت حال سے پہلے مکمل توبہ بھی کر چکا ہو، نیز یہ بھی عقیدہ ہو کہ یہاں میری ہر مشکل کا حل موجود ہے، اور یہاں سے کبھی کوئی سائل خالی ہاتھ نہیں گیا، اور میں بھی خالی ہاتھ ومحروم نہیں لوٹایا جاؤں گا، جو عجز ونیاز جو غایت تذلل، خشوع وخضوع اس وقت ظہور پزیر ہوتا ہے اس کی مثال کہاں ملے گی؟ اسی لئے رحمۃ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ، دعا عبادت کا مغز ہے، اور یہ بھی فرمایا: اَلدُّعَاءُ سِلَاحُ الْمُؤْمِنِ وَعِمَادُ الدِّینِ وَنُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ [رواہ الحاکم] یعنی دعا مؤمن کا ہتھیار ہے، دعا دین کا ستون ہے، اور زمین وآسمان اس کے نور سے روشن ہیں۔

ایک دوسری حدیث میں ہے: عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ فُتِحَ لَهٗ مِنْكُمْ بَابُ الدُّعَاءِ فُتِحَتْ لَهٗ اَبْوَابُ الرَّحْمَةِ وَمَا سَاَلَ اللهُ شَیْئًا اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ اَنْ یَسْاَلَ الْعَافِیَةَ۔ [ترمذي] یعنی رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کے لئے دعا کا دروازہ کھول دیا گیا گویا کہ اس کے لئے رحمت کے دروازے کھول دیئے گئے، اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرنا بہت ہی پسندیدہ ہے (عافیت دینی و دنیوی اور بدنی وغیرہ)

دعا ایک قلبی عجز وانکساری اور توبہ کے ساتھ ہو، پھر قادر مطلق کی اجابت اور بخشش پر یقین ہو، تو اجابت یقینی ہے، ورنہ لفاظی اور غفلت سے اجابت ممکن نہیں، پس اللہ تعالیٰ سے ناامید ہونا فسق ہے، اور قصور اپنا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اُدْعُوا اللهَ وَاَنْتُمْ مُوْقِنُوْنَ بِالْاِجَابَةِ فَاعْلَمُوْا اَنَّ اللهَ تَعَالٰی لَا یَسْتَجِیْبُ دُعَاءً مِنْ قَلْبٍ لَاهٍ۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو تو اس یقین سے مانگو کہ وہ قبول فرمائے گا، اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ اس دعا کو قبول نہیں کرتا جو غافل دل سے مانگی جائے۔ [ترمذي، مظهري]

بہر حال! دعا مؤمن کے لئے ہتھیار بھی ہے، اور نور وروشنی بھی ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی بھی ہے،

جولوگ صبح وشام بکثرت دعا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوتا ہے، اور انہیں کبر وغرور سے پاک وصاف رکھتا ہے، اور انہیں اپنا قرب نصیب کرتا ہے، اس لئے سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: لَیۡسَ شَیۡئٌ اَکۡرَمَ عَلَی اللّٰہِ مِنَ الدُّعَاءِ۔ [مشکوٰۃ]

دعا سے بڑھ کر کوئی چیز بزرگ و برتر نہیں، اور آنحضرت ﷺ نے یہ بھی فرمایا: مَنۡ لَّمۡ یَسۡئَلِ اللّٰہَ یَغۡضَبۡ عَلَیۡہِ۔ [مشکوٰۃ والترھیب] جو شخص اللہ تعالیٰ سے سوال نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوتا ہے۔

دراصل جولوگ دعا سے غافل ہوتے ہیں گو یا وہ خود کو اللہ تعالیٰ کا محتاج ہی نہیں سمجھتے ہیں، یا وہ کبر وغرور اور شیطانی خیالات کا شکار رہتے ہیں، اور دعا وتضرع عجز وانکساری کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں۔ آیت کریمہ میں ایسے لوگوں کے بارہ میں فرمایا کہ جولوگ میری عبادت میں اور مجھ سے مانگنے میں میرے آگے زاری نہیں کرتے اور تکبر وخود پسندی کرتے ہیں ایسے لوگ ذلت کے ساتھ جہنم میں داخل ہوں گے۔

بہر حال! دعا بہت بڑی عبادت ہے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک عظیم روحانی تعلق اور جوڑ ہے، دیگر عبادات کی طرح اس کے لئے شرائط اور احکام ہیں، بیس کے قریب آداب ہیں، اسی طرح اوقات اور مقامات ہیں، سینکڑوں الفاظ وکلمات اور ماثورہ صیغے اور کلمات ہیں، اس بارے میں علماء امت کی جامع اور گرانقدر تالیفات ہیں، چاہئے کہ ہر مسلمان اس مبارک عمل کے تحفظ اور اپنانے کے لئے ان کتابوں کا اوراد وار، اذکار اور دعاؤں کا مطالعہ کر کے اپنی زندگی کو بابرکت وقیمتی بنائے، اور دوسروں کو فائدہ پہنچائے۔

اَللّٰہُ الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الَّیۡلَ لِتَسۡکُنُوۡا فِیۡہِ وَالنَّہَارَ مُبۡصِرًا ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَذُوۡ فَضۡلٍ عَلَی النَّاسِ وَلٰکِنَّ
اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَشۡکُرُوۡنَ ﴿۶۱﴾ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمۡ خَالِقُ کُلِّ شَیۡءٍ ۘ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ۫ فَاَنّٰی تُؤۡفَکُوۡنَ ﴿۶۲﴾
کَذٰلِکَ یُؤۡفَکُ الَّذِیۡنَ کَانُوۡا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ یَجۡحَدُوۡنَ ﴿۶۳﴾ اَللّٰہُ الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الۡاَرۡضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ
بِنَآءً وَّصَوَّرَکُمۡ فَاَحۡسَنَ صُوَرَکُمۡ وَرَزَقَکُمۡ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ؕ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمۡ ۚۖ فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ
رَبُّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۶۴﴾ ہُوَ الۡحَیُّ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ فَادۡعُوۡہُ مُخۡلِصِیۡنَ لَہُ الدِّیۡنَ ؕ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۶۵﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے رات کو پیدا فرمایا تا کہ تم اس میں آرام کرو، اور دن کو ایسی چیز بنایا جس

میں دیکھتے بھالتے ہیں، بلاشبہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر فضل فرمانے والا ہے، اور لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے ۶۱ یہ اللہ تعالیٰ ہے، تمہارا ربّ ہے، ہر چیز کا پیدا فرمانے والا ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، تم کہاں الٹ کر جا رہے ہو؟ ۶۲ اسی طرح الٹے چلائے جاتے ہیں، وہ لوگ جو ہماری آیات کا انکار کرتے ہیں ۶۳ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے زمین کو تمہارے لئے ٹھہری ہوئی چیز بنا دیا، اور آسمان کو چھت بنا دیا، اور تمہاری اچھی صورتیں بنا دیں، اور تمہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا، یہ اللہ تعالیٰ ہے جل شانہ تمہارا ربّ ہے، سو بابرکت ہے اللہ تعالیٰ جو ربّ العلمین ہے ۶۴ وہ زندہ ہے، کوئی معبود نہیں اس کے سوا، تم اسے پکارو اس طرح سے کہ خالص اس کی فرمانبرداری کرنے والے ہو، سب تعریف ہے اللہ تعالیٰ کے لئے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے ۶۵

معارف ومنازل

ان آیات میں اللہ تعالیٰ کے انعاماتِ کبیرہ خاصہ وعامہ اور اس کی صفاتِ جلیلہ اور قدرتِ کاملہ کا بیان ہے، تاکہ اس کی معرفت حاصل ہو، فرمایا: ﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے تمہارے لئے رات کو بنایا ہے تاکہ تم اس میں سکون حاصل کرو، انسان اور جانوروں سب کے لئے رات عمدہ آرام وسکون کے لئے ہے۔ ﴿وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا﴾ اور اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے دن کو روشن اور دیکھنے والا بنایا جس میں تمام جاندار اپنے رزق وروزی اور معاش کے لئے رواں دواں ہوتے ہیں، ہر قسم کے کام کاج، علم، ہنر، تجارت، زراعت، مزدوری اور ملازمت اکثر دن کو انجام دیتے ہیں۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ﴾ بیشک اللہ تعالیٰ بڑے فضل و انعام والا ہے لوگوں پر، لیکن اکثر لوگ ان نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتے، ان عظیم نعمتوں کا تقاضا تو یہ ہے کہ انسان ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے، اور ہر نعمت پر زبان سے اور عملی طور پر اس کا شکر ادا کرے، لیکن عام انسان اللہ تعالیٰ کا ناشکرا ہے۔ ﴿ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ ۘ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۫ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ﴾ یہی ہے اللہ تعالیٰ تمہارا پروردگار جو ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے، اس کے سوا معبود بھی کوئی نہیں، مگر تم خدائے وحدہٗ لاشریک کو چھوڑ کدھر پھیرے جاتے ہو؟ جب خالق وہ ہے، نعمتوں کا عطا کرنے والا وہ ہے، کائنات میں متصرف اور نظام چلانے والا وہ ہے، تو پھر تم کس کی عبادت کرتے ہو؟ اور واضح حق سے منحرف ہو کر کہاں کہاں الٹے پھیرے جاتے ہو؟

﴿كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِيْنَ كَانُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ﴾ اسی طرح وہ لوگ بھی پھیرے جاتے تھے (بھٹکتے رہتے) جو اللہ تعالیٰ کی آیات اور نشانیوں کا انکار کرتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ تم سے پہلے لوگ بھی بھٹکتے رہے، اور تکذیب کرتے رہے، ناکام ہوکر ہلاک ہوئے، تم بھی انہی کا حصہ ہو، عنقریب تمہارا انجام ان جیسا ہوگا۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تسلی بھی ہے۔

﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا﴾ وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو قرارگاہ ٹھہرنے اور گھومنے و بیٹھنے کی جگہ بنا دیا۔ ﴿وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً﴾ اور آسمان کو چھت کی طرح سائبان بنایا۔ سورۃ الانبیاء میں فرمایا: ﴿وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا﴾ [الأنبياء: ۳۲] (اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا)۔ اور سورۃ النباء میں ارشاد ہے: ﴿وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا﴾ [النبأ: ۱۲] (اور ہم نے ہی تمہارے اوپر سات مضبوط وجود تعمیر کیے)۔

جب تم خاص کر رات کو جب گرد و غبار اور بادل نہ ہو اوپر آسمان کا نظارہ کروگے تو جگمگاتے ستاروں کے دیکھنے سے تمہیں ربّ العزّت کی صنعت و کاریگری اور قوت و قدرت یاد آجائے گی، اور عالمتاب نقشے سے تم اپنے وجود کا نقشہ یاد کر کے اس کی وحدانیت کا اقرار کروگے، وہ یہ کہ: ﴿وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ﴾ اور تمہارا نقشہ وصورت بنایا اور بہترین و بے مثال شکل وصورت عطا فرمائی۔ سورۃ التین میں فرمایا: ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ﴾ [التين: ۴] (اور ہم نے انسان کو بہترین سانچے میں ڈھال کر بنایا)۔ سورۂ آل عمران میں ہے: ﴿هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاۗءُ﴾ [آل عمران: ۶] (اللہ وہ ذات ہے جو تمہیں ماں کے پیٹ میں شکل وصورت دیتا ہے جس طرح چاہے)۔ تصویر سازی اور مصوری آپ کی صفت مختصہ ہے، اسماء حسنیٰ میں ہے المُصوِّر۔

اگرچہ انسانوں میں خوبصورت اور بدصورت ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں مگر مجموعی لحاظ سے بنسبت دوسری مخلوقات کے انسان خوبصورت ترین مخلوق ہے۔ پھر فرمایا:

﴿وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ﴾ اے انسانو! اللہ تعالیٰ نے تمہیں عمدہ عمدہ اور پاکیزہ رزق عطا فرمائے، کائنات میں تمام جاندار اور مخلوقات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق مل رہا ہے، مگر ان کا رزق عام رزق ہے، لیکن خوبصورت انسان کا رزق بھی خوبصورت ہے، اور اس کے ساتھ طیب و پاکیزہ بھی ہے، انسان چونکہ مکلف ہے پس

اسے چاہئے کہ پاکیزہ رزق کمائے، حلال روزی حاصل کرے، اللہ تعالیٰ کی حلال کی ہوئی روزی استعمال کرے، اور حرام سے اور حرام ذرائع سے آئے ہوئے مال سے اجتناب کرے، حدیث شریف میں ارشاد ہے: لَایَدْخُلُ الْجَنَّةَ جَسَدٌ غُذِیَ بِالْحَرَامِ۔ جس کسی کی پرورش حرام سے ہو وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ [مشکوٰۃ] پس کتنے ظالم اور بے رحم ہیں وہ لوگ جو اپنے بچوں کو حرام کھلا کر جنت سے محروم کرتے ہیں؟

﴿ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۖ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ یہ ہے اللہ تعالیٰ تمہارا پروردگار جس نے تم پر بے حساب نعمتوں کی بارش برسائی، سو بڑی برکت والا ہے اللہ تعالیٰ جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔ ﴿هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ وہی زندہ ہے جو ازلی بھی ہے اور ابدی بھی، ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، جس کے سوا نہ کوئی معبود ہے نہ کوئی منعم، اور نہ کوئی مصور اور نہ کوئی رازق، اور نہ کوئی خالق و مالک، اور نہ کوئی متصرف، وہ یکتا ہے، یگانہ ہے، اکیلا ہے، ہر عیب ونقصان اور ہر کمی سے پاک ہے، پاک ہے، پاک ہے، اپنی مشکلات میں صرف اسی کو پکارو، خالص دین اختیار کرو، شرک وناشکری سے بچو، اور پرہیز کرو، اور صبح وشام کہتے رہو: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ سب تعریفیں اور تمام خوبیاں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں جو رب ہے تمام جہانوں کا۔

❁ ❁ ❁

قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِيَ الْبَيِّنٰتُ مِنْ رَّبِّيْ ۡ وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۶﴾ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّى وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ هُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ فَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۶۸﴾

ترجمہ: آپ فرمادیجئے: بلاشبہ میں اس سے منع کیا گیا ہوں کہ ان کی عبادت کروں جن کی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر تم عبادت کرتے ہو، جبکہ میرے رب کی طرف سے میرے پاس واضح نشانیاں آچکی ہیں، اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ رب العلمین ہی کا فرمانبردار بنوں ﴿۶۶﴾ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے تمہیں مٹی سے، پھر نطفہ سے، پھر جمے ہوئے خون سے پیدا فرمایا، پھر تمہیں اس حالت میں نکالتا ہے کہ تم بچے ہوتے ہو، پھر تاکہ تم اپنی طاقت کو پہنچ جاؤ پھر تاکہ تم بوڑھے ہو جاؤ، اور تم میں سے بعض کو اس سے پہلے اٹھالیتا ہے، اور تاکہ تم اجل مسمی کو پہنچ جاؤ، اور تاکہ تم سمجھ حاصل کرو ﴿۶۷﴾ اللہ

تعالیٰ وہی ہے جو زندہ فرماتا ہے، اور موت دیتا ہے، پھر جب وہ کسی حکم کا فیصلہ کرتا ہے تو یہی فرما دیتا ہے ہوجا، لہٰذا وہ ہو جاتا ہے۶۸

معارف ومنازل

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ولید بن مغیرہ اور شیبہ بن ربیعہ وغیرہ نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ اے محمد (ﷺ) تم اپنے قول کو چھوڑ دو، باپ دادے کے مذہب پر چلو، اس پر یہ آیت نازل ہوئی [مظهري]

﴿قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِيَ الْبَيِّنٰتُ مِنْ رَّبِّيْ وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ آپ ان مشرکوں سے کہہ دیجئے کہ مجھے تو منع کر دیا گیا ہے کہ میں ان باطل معبودوں کی عبادت کروں جن کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے ہو، جبکہ میرے رب کی طرف سے میرے پاس توحید وربوبیت کی کھلی ہوئی نشانیاں یعنی معجزات اور دلائل آچکے ہیں، اور مجھے حکم ہوا ہے کہ میں صرف ربّ العٰلمین کے حضور سر جھکا لوں، اور تابع بن جاؤں۔ آگے اللہ تعالیٰ کی صفات اور قدرتوں کا بیان ہے جو اس کی وحدانیت اور عظمت کے دلائل ہیں:

﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ﴾ خدا کی ذات وہی ہے جس نے تمہیں بے قیمت مٹی سے پیدا فرمایا، پھر حقیر وناپاک قطرہ منی سے، پھر جمے ہوئے خون بستہ سے، یہ سلسلہ چلتے چلتے نو ماہ میں بچہ مکمل ہوجاتا ہے تو: ﴿ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا﴾ پھر زندہ سلامت شکمِ مادر سے تمہیں نکال کر باہر دنیا میں لے آتا ہے۔ ﴿ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ﴾ پھر آہستہ بڑھتے بڑھتے طفولیت کے مراحل طے کر کے جوانی کو پہنچ جاتے ہو۔

﴿ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا﴾ پھر آہستہ آہستہ بڑھاپے اور کمزوری کو پہنچ جاتے ہو۔ ﴿وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ﴾ اور تم میں سے کچھ جوانی تک پہنچنے سے پہلے مر جاتے ہیں، ہر ایک کے لئے شکمِ مادر میں جو عمر مقرر ہو چکی اسی کے اختتام پر اسے لازماً مرنا ہے۔

﴿وَلِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّى﴾ اور تاکہ تم پورا کر لو مقررہ مدت کو جس کے بعد یہاں دار الفرار سے دار القرار روانہ ہو جاؤ، بس قصہ ختم۔ ﴿وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ تاکہ عقل سے کام لو، سوچو اور مراحل زندگی کو اللہ تعالیٰ کی قدرت وحکمت بالغہ کا شاہکار سمجھ کر اس کی وحدانیت کا اقرار کر کے آنے والے جہاں کی راحت پاؤ۔ ﴿هُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ

وَيُمِيْتُ ۚ فَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات وہی ہے جو تمام جانداروں کو زندہ کرتا ہے، اور موت دیتا ہے، اور جب وہ کسی چیز کے متعلق فیصلہ کر لیتا ہے خواہ وہ چیز چھوٹی ہو یا بہت بڑی تو حکم دیتا ہے کہ ہو جاؤ تو وہ چیز فوراً ہو جاتی ہے، پس انسان اپنی تدریجی تخلیق سے اندازہ لگائے کہ اس میں کتنی حکمتیں مخفی ہیں، جبکہ وہ صرف ایک کلمہ کن سے بھی پیدا ہو سکتا تھا۔ یہ کلمہ کن ہمارے سمجھانے کے لئے ہے، ورنہ صرف ارادۂ ربانی ہر چیز کے وجود اور عدم کے لئے کافی ہے۔ قیامت جو کہ اس بڑی کائنات کی تباہی کا نام ہے صرف ایک آنکھ جھپکنے کے مقدار میں برپا ہو جائے گی۔

✿ ✿ ✿

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ اَنّٰى يُصْرَفُوْنَ ﴿۶۹﴾ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَبِمَآ
اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا ۫ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۰﴾ اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ؕ يُسْحَبُوْنَ ﴿۷۱﴾
فِى الْحَمِيْمِ ۙ ثُمَّ فِى النَّارِ يُسْجَرُوْنَ ﴿۷۲﴾ ثُمَّ قِيْلَ لَهُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۳﴾ مِنْ دُوْنِ
اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَيْئًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۴﴾
ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ﴿۷۵﴾ اُدْخُلُوْٓا اَبْوَابَ
جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۷۶﴾ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ
بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۷۷﴾

ترجمہ: اے مخاطب! کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اللہ تعالیٰ کی آیات میں جھگڑا کرتے ہیں کہاں الٹے پھرے جا رہے ہیں؟ ﴿۶۹﴾ وہ لوگ جنہوں نے اس کتاب کو جھٹلایا اور اس چیز کو جھٹلایا جس کو ہم نے رسولوں کے واسطہ سے بھیجا، سو عنقریب وہ لوگ جان لیں گے ﴿۷۰﴾ جبکہ ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے، اور زنجیریں ہوں گی، وہ گھسیٹے جائیں گے ﴿۷۱﴾ گرم پانی میں، پھر ان کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا ﴿۷۲﴾ پھر ان سے کہا جائے گا کہ وہ معبود غیر اللہ کہاں گئے جنہیں تم شریک بناتے تھے؟ ﴿۷۳﴾ وہ جواب دیں گے کہ وہ تو ہم سے غائب ہو گئے، بلکہ ہم تو اس سے پہلے کسی چیز کی عبادت کرتے ہی نہ تھے، اللہ تعالیٰ اسی طرح کافروں کو گمراہ فرماتا ہے ﴿۷۴﴾ یہ اس وجہ سے کہ تم زمین میں ناحق اتراتے تھے، اور اس وجہ سے کہ تم اکڑ مکڑ کرتے تھے ﴿۷۵﴾ داخل ہو جاؤ جہنم کے دروازوں میں، اس میں ہمیشہ

رہو گے، سو برا ٹھکانہ ہے تکبر کرنے والوں کا۷۶ سو آپ صبر کیجئے، بیشک اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق ہے، سو اگر ہم آپ کو اس میں سے بعض چیزیں دکھا دیں جس کے بارے میں ہم نے انہیں پہلے سے بتا دیا ہے، یا ہم آپ کو وفات دیدیں تو ہماری ہی طرف سب لوٹائے جائیں گے۷۷

معارف ومنازل

اس مضمون کو نہایت اہمیت کی وجہ سے دوبارہ تکرار فرما کر بیان فرما رہے ہیں: ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ کیا آپ نے ان نافرمان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں جھگڑا کرتے ہیں؟ وہ آیات یہ ہیں: قدرت کے دلائل، احکام، معجزات جو روزِ روشن کی طرح ان کے سامنے واضح ہیں، جنہیں وہ جانتے اور سمجھتے ہوئے بغض وعناد اور ہٹ دھرمی وتکبر کی بنیاد پر جھٹلا رہے ہیں۔ اور پہلے گزر چکا کہ ان کا مقصد یہ ہے کہ حق مغلوب ہو اور باطل کو غلبہ حاصل ہو۔

﴿اَنّٰى يُصْرَفُوْنَ﴾ یہ لوگ شتر بے مہار کی طرح کدھر پھرے جا رہے ہیں؟ صراط مستقیم کو چھوڑ کر گمراہی پر ڈٹے ہوئے ہیں، وہ لوگ یہ ہیں: ﴿الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَبِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا﴾ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو جھٹلایا، قرآن حکیم کو اساطیر الاولین کہہ کر اس کا انکار کیا، اور ان سب چیزوں کو بھی جھٹلایا جو ہم نے اپنے رسولوں کو دے کر بھیجا ہے، مثلاً دین، شریعت، معجزات اور سارے احکام، ان مشرکین نے ان سب باتوں کی تکذیب کی، پس اس کا نتیجہ عنقریب انہیں معلوم ہوگا۔

﴿فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ﴾ سو عنقریب یہ جان لیں گے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، وہ اس طرح: ﴿اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ۭ يُسْحَبُوْنَ۷۱ فِي الْحَمِيْمِ ڏ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ۷۲﴾ جبکہ جہنمی طوق ان کی گردنوں میں ہوں گے، اور پاؤں میں بیڑیاں ہوں گی۔ سورۃ الحاقۃ میں فرمایا: ﴿خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ۳۰ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ۳۱ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ۳۲﴾ [الحاقۃ] (پکڑو اُسے، اور اس کے گلے میں طوق ڈال دو۔ پھر اُسے دوزخ میں جھونک دو۔ پھر اُسے ایسی زنجیر میں پرودو جس کی پیمائش ستر ہاتھ کے برابر ہو)۔ یہ طوق اور زنجیر جنہیں جہنم کی آگ میں ڈال کر سرخ اور گرم کیا گیا ہو، ان کے گلوں اور پاؤں میں ڈال کر ان کو فرشتے جہنم کی طرف گھسیٹتے ہوئے چلیں گے جہاں کھولتا ہوا پانی حمیم ان کے انتظار میں ہوگا، تب ان کو آگ میں جھونک دیا جائے گا۔

جب یہ صورت حال ان کے سامنے آئے گی تو اب انہیں پتہ چلے گا کہ ان بدبختوں نے کیوں آیات الرحمٰن کی تکذیب کی، اور اپنا بیڑا کیوں غرق کیا۔

﴿ثُمَّ قِيلَ لَهُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ﴾ پھر ان سے کہا جائے گا کہ آج کہاں ہیں جو نظر نہیں آتے ہیں، اور تمہاری مدد نہیں کرتے ہیں تمہارے وہ معبود جنہیں تم نے اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا، اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کی؟ ذرا ان کو بلاؤ تا کہ تمہاری نصرت کریں۔ وہ جواب یہ دیں گے:

﴿قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا﴾ ہمارے وہ دیوی اور دیوتا وہ جعلی اور مصنوعی معبود آج ہم سے گم ہو گئے، لگتا ہے کہ وہ ہم سے پہلے جہنم کے سپرد ہو چکے ہیں، اب گمراہ لوگوں کو پتہ چل جائے گا کہ جن بے حقیقت کروڑوں بتوں کی ہم پوجا کرتے تھے وہ کسی کام کے نہ رہے، تو کہیں گے:

﴿بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَيْئًا﴾ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس سے قبل ہم کسی چیز کو نہیں پکارتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ جن کی ہم پرستش کرتے تھے ان کا وجود تک نہیں، گویا کہ ہم نے کسی موجود چیز کی عبادت نہیں کی، بلکہ غیر موجود وہمی چیزوں کی پرستش کی۔ آسان مطلب یہ ہے کہ جن معبودانِ باطلہ پر تکیہ کر کے بیٹھے تھے آج پتہ چلا کہ ان کی تو کوئی حیثیت ہی نہیں ہے، دراصل ہم کسی چیز کو نہیں پکارتے تھے۔

﴿كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللهُ الْكٰفِرِيْنَ﴾ اسی طرح اللہ تعالیٰ دنیا میں کافروں کو گمراہ کر دیتا ہے، اس سلسلے میں اگر کوئی ادنیٰ علم والا سکھوں، ہندوؤں اور دیگر بت پرست قوموں کے عقائد و مذاہب کا مطالعہ کرے تو دماغ چکرائے گا، اور آدمی بے حد پریشان ہوگا، لہٰذا ان مخرب اخلاق باتوں کو یہاں تحریر کرنا مناسب نہیں۔ ﴿ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ﴾ یہ عذاب اور گلوں میں طوق اور پاؤں میں بیڑیاں اور جہنم کا گرم پانی یہ سب کچھ اس لئے کہ تم لوگ دنیا کو آخری اور اصلی منزل سمجھ کر دنیا میں عیش و عشرت کرتے ہوئے خوشیاں مناتے رہتے تھے، اور اتراتے ہوئے کبر و غرور کرتے تھے۔

﴿اُدْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ﴾ آج اپنے گندے اور برے اعمال کے بدلے میں دوزخ کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ۔ آگے تسلی کا فرمان ہو رہا ہے، ارشاد ہے:

﴿فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللهِ حَقٌّ﴾ پس آپ صبر کیجئے، بیشک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے، وہ بالیقین پورا ہو کر رہے گا۔ ﴿فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ﴾ پھر جس عذاب کا ہم وعدہ کر رہے

ہیں تو اس میں سے کچھ آپ کو دکھلا دیں گے آپ کی زندگی میں، تاہم آپ کو اس جہاں سے اپنے پاس بلائیں گے آپ کو وفات دے کر اور اس کے بعد یہ وعدہ پورا کریں گے، بالآخر یہ لوگ سب ہماری طرف لوٹائے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا وعدہ:

اللہ تعالیٰ شانہ نے انبیاء کرام علیہم السلام سے اور مؤمنین سے نصرت کا وعدہ کیا ہوا ہے، اور کفار و مشرکین سے ہلاکت و تباہی اور شکست کا وعدہ ہے، اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ وعدہ یا تو ہم آپ کی زندگی ہی میں پورا کردیں گے، اور آپ اسے پورا ہوتے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے یا آپ کو وفات دے کر اس کے بعد یہ وعدہ پورا کریں گے۔

تاریخ شاہد ہے کہ عرب کا خطہ خود حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ میں اسلام کے زیر نگین آ گیا، کفر کے بڑے بڑے ائمہ و سردار مارے گئے، یہ نظارہ ۲ سنہ ھ رمضان میں غزوۂ بدر کے موقع پر دنیا والوں نے دیکھا، اور عجیب دیکھا، ۳۱۳ نے آٹھ تلواروں سے تقریباً ایک ہزار کے لشکر کو جو سب مسلح تھے وہ تاریخی شکست دیدی جسے ابلیسی قوتیں ببانگ دہل تسلیم کرنے پر مجبور ہوگئیں۔ یہ واقعہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دکھا دیا، پھر آہستہ آہستہ سارا عرب کفار و مشرکین سے پاک ہوگیا، البتہ دوسرے ممالک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات حسرت آیات کے بعد خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں حلقہ بگوش اسلام ہوگئے، شام، روم، فلسطین، عراق، فارس اور افریقہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد فتح ہوئے۔ بہر حال! اللہ تعالیٰ جل شانہ نے جو وعدہ کیا تھا اس کا کچھ حصہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ میں پورا ہوگیا، اور کچھ حصہ بعد میں پورا ہوگیا۔ الحمد للہ رب العلمین

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ؕ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝۷۸

ترجمہ: اور یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے آپ سے پہلے رسول بھیجے، جن میں سے بعض کا تذکرہ ہم نے آپ سے بیان کردیا، اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جن کا تذکرہ ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا، اور کسی رسول کو یہ قدرت نہیں کہ کوئی نشانی لے کر آئے مگر اللہ تعالیٰ کے اذن سے، پھر جب اللہ تعالیٰ کا حکم آجائے گا تو حق کے ساتھ فیصلہ کردیا

جائے گا، اور اس وقت باطل والے خسارہ میں رہ جائیں گے ﴿۷۸﴾

معارف ومنازل

ان آیات میں آنحضرت خاتم الانبیاء ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے، جیسے دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

﴿وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ﴾ [ھود:۱۲۰] انبیاء علیہم الصلوٰۃ و السلام کے سارے حالات وواقعات اجمالاً یا تفصیلاً آپ ﷺ کو سنانے کا اصلی مقصد آپ ﷺ کے قلب مبارک کی تسکین ہے، فرمایا:

﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ مِنْهُم مَّن قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُم مَّن لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ﴾ آپ یہ بات ذہن نشین فرمالیں کہ آپ سے پہلے بہت سے پیغمبر بھیجے جن میں سے بعضے تو وہ تھے کہ جن قصہ ہم نے آپ کو سنایا، اور بعضے وہ تھے کہ جن کا ہم نے آپ کو کوئی ذکر نہیں سنایا۔ اس مضمون کو سورۂ نساء میں دیکھیں، وہاں مکمل تفصیل ہے۔

﴿وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَن يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ اور کسی رسول کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ کوئی نشانی لے کر آئے بغیر اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی مرضی کے، اور لوگوں کی یہ حماقت اور نادانی ہے کہ پیغمبروں سے فرمائشی معجزات طلب کرتے ہیں، واقعہ میں ان لوگوں کا مقصد ایمان لانا نہیں بلکہ محض بہانہ بنا کر اور محض انبیاء علیہم السلام کو تنگ اور پریشان کرنا ان کا مقصد ہوتا تھا، لہٰذا انہیں خبردار فرمایا کہ معجزہ کا اظہار پیغمبر کے اختیار سے باہر ہے، اور تمہارے لئے نقصان ہے، کیونکہ فرمائشی معجزہ کا اگر صدور ہوا، اور لوگ اس پر ایمان نہ لائیں تو عذاب کا نزول ضروری ہوگا۔ ﴿فَإِذَا جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُونَ﴾ پھر جب اللہ تعالیٰ کا حکم آجائے گا خواہ دنیا میں یا آخرت میں تو فیصلہ کر دیا جائے گا حق کے ساتھ، پس باطل پرست خسارہ میں اور ہر طرح تباہی میں رہ جائیں گے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوْا عَلَيْهَا حَاجَةً فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ ۖ فَاَيَّ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ ﴿۸۱﴾ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَ

اَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِی الْاَرْضِ فَمَآ اَغْنٰی عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۸۲ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ
فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۸۳ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا
اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ۝۸۴ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ؕ
سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ فِیْ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ۝۸۵

ترجمہ: اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے تمہارے لئے مویشی بنائے تا کہ تم ان میں سے بعض پر سوار ہو، اور ان سے بعض کو کھاتے ہو۝۷۹ اور تمہارے لئے ان میں منافع ہیں، اور تا کہ تم ان پر سوار ہو کر اپنی حاجت پر پہنچو جو تمہارے سینوں میں ہے، اور ان پر اور کشتیوں پر لدے ہوئے پھرتے ہو۝۸۰ اور وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے، سو اللہ تعالیٰ کی کون کونسی نشانیوں کا انکار کرو گے؟۝۸۱ کیا وہ لوگ زمین میں نہیں چلے پھرے؟ سو وہ دیکھ لیتے کہ کیا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے، وہ ان سے زیادہ تھے، اور ان سے قوت میں بھی سخت تھے، اور زمین میں بھی ان کے نشانات بہت زیادہ ہیں، سو ان کی کمائی ان کے کچھ کام نہ آئی۝۸۲ سو جب ان کے پاس ہمارے رسول دلیلیں لے کر آئے تو جو علم ان کے پاس تھا اس کی وجہ سے وہ بڑے اترائے، اور ان پر وہ عذاب نازل ہو گیا جس کا مذاق بنایا کرتے تھے۝۸۳ سو جب انہوں نے ہمارے عذاب کو دیکھا تو کہنے لگے: ہم ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر جو تنہا ہے، واحد لاشریک ہے، اور ہم جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بناتے تھے ان کے منکر ہیں۝۸۴ سو ان کے ایمان نے ان کو کچھ نفع نہ دیا جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھا، اللہ تعالیٰ کی سنت ہے جو اس کے بندوں میں گزر چکی ہے، اور اس موقع پر کفر کرنے والے خسارہ میں رہ گئے۝۸۵

معارف ومنازل

سورۃ المؤمن کے دلکش وایمان افروز مضامین کا سورت کے اختتام پر نہایت عمدہ پیرایہ میں خلاصہ بیان ہو رہا ہے، جس میں تقریباً پوری سورت کے مضامین سمٹ کر بیان ہو چکے ہیں، ارشاد فرمایا:

﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ﴾ اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے تمہارے لئے مویشی پیدا کئے۔

﴿لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ﴾ تا کہ ان میں سے بعض سے تم سواری کا کام لو، اور ان میں سے بعض کو کھاؤ، یہ آٹھ قسم کے جانور ہیں جن کا مفصل بیان سورۃ الانعام میں گزر چکا۔ اونٹ نر و مادہ، گائے بھینس نر و مادہ، بھیڑ

نر و مادہ، بکری نر و مادہ۔ ﴿وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ﴾ سواری اور گوشت کے علاوہ تمہارے ان مویشیوں میں دیگر بہت سے فوائد ہیں جیسے ان کے دودھ، لسی، پنیر، مکھن، اون، بال، چمڑے وغیرہ۔

﴿وَلِتَبْلُغُوا عَلَيْهَا حَاجَةً فِي صُدُورِكُمْ﴾ اور تمہارے دلوں میں جو کام ہیں ان تک تم ان جانوروں پر سوار ہو کر پہنچ سکو، آج ترقی یافتہ دنیا میں سواری اور بار برداری کے لئے طرح طرح کی سہولتیں ہیں، اور مہینوں کا سفر گھنٹوں میں طے ہوتا ہے، جبکہ پہلے یہ چیزیں نہیں ہوتی تھیں، تو مختلف مقاصد کے لئے اونٹوں، خچروں اور گھوڑوں سے کام لے کر قافلوں کی شکل میں لوگ سفر کرتے تھے، اور اپنا دلی مقصد پورا کرتے تھے، اسی نعمت کو ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ان جانوروں پر سوار ہو کر اپنے اس مقصد تک پہنچ جاتے ہو، جو تمہارے دلوں میں ہے، کبھی تجارت، کبھی دوستوں کی ملاقات، حج و عمرہ، شادی، جہاد اور دیگر مقاصد کے لئے۔

﴿وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ﴾ تمہیں ان جانوروں پر خشکی میں اور کشتیوں پر دریا میں سواری مہیا کی جاتی ہے تم اور تمہارے بہت سے سامان کا نقل وحمل انہی ذرائع سے ایک علاقے سے دوسرے علاقے تک پہنچانے کا انتظام ہوتا ہے۔ ﴿وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ فَأَيَّ آيَاتِ اللَّهِ تُنكِرُونَ﴾ اور بھی قدرت کی نشانیاں اللہ تعالیٰ تم کو دکھاتا ہے، سو تم اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے کون کون سی نشانیوں کا انکار کرو گے؟ اللہ تعالیٰ کی جس طرح نعمتوں اور عنایتوں کا احاطہ نہیں ہو سکتا اسی طرح دلائلِ قدرت اور نشانیوں کا بھی احاطہ ممکن نہیں، پس کتنی ناشکری اور ہٹ دھرمی ہوگی کہ ناداں انسان بغیر دلیل وحجت کے ان سب کا انکار کر بیٹھے۔

﴿أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْهُمْ وَأَشَدَّ قُوَّةً وَآثَارًا فِي الْأَرْضِ﴾ کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں؟ تا کہ وہ دیکھتے کہ ان سے پہلے لوگوں کا کیا انجام ہوا، یہ لوگ تو ان گزشتہ اقوام کے مقابلے میں کچھ نہیں، اور وہ پہلے لوگ تعداد میں بھی ان سے زیادہ تھے، اور قد و قامت طاقت وقوت میں بھی ان سے بڑھے ہوئے تھے، اور زمین میں اپنے نشانات چھوڑنے کے اعتبار سے بھی بہت آگے تھے، مال و دولت، قلعے، مکانات، تعمیرات اور دیگر بہت سے عجائبات چھوڑ گئے جنہیں دیکھ کر انسانی عقل حیران ہو جاتی ہے، جیسے دیوارِ چین اور اہرامِ مصر اور اسکندریہ اور قوم ثمود کے پہاڑی مکانات، وغیرہ وغیرہ۔

﴿فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾ سو ان کی یہ کمائی اور قوت وترقی ان کے کچھ کام نہ آئی، جب ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا تو خس و خاشاک کی طرح بہہ گئے، اور ہمیشہ کے لئے صفحۂ

ہستی مٹ گئے۔ یہ کیوں ایسا ہوا؟ جواب یہ ہے:

﴿جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ فَرِحُوۡا بِمَا عِنۡدَهُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ﴾ جب ان کے پاس ان کے پیغمبر اللہ تعالیٰ کی کھلے ہوئے واضح نشانات لے کر آئے تو وہ اپنے اس علم پر خوش ہونے اور ناز کرنے لگے، جو ان کے پاس تھا، کیونکہ وہ بڑے صناع وانجینئر اور معمار تھے، وہ اپنے فن کے اور ہنر وصناعت کے بل بوتے پر کبر وغرور میں مبتلا ہوئے، اور انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی جس کا نتیجہ یہ ہوا:

﴿وَحَاقَ بِهِمۡ مَّا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ﴾ اور انہیں اسی چیز نے گھیر لیا جس کو وہ معمولی سمجھ کر اس کا مذاق اڑاتے تھے، یعنی جس عذاب کا انہوں نے مذاق اڑایا اور استہزاء کیا اسی عذاب نے انہیں گھیر کر تباہ کیا۔

﴿فَلَمَّا رَاَوۡا بَاۡسَنَا قَالُوۡۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحۡدَهٗ﴾ جب انہوں نے اپنی آنکھوں سے نازل ہوتے ہوئے ہمارے عذاب کو دیکھا تو کہنے لگے: ہم ایمان لے آئے اللہ تعالیٰ واحد لاشریک پر جو اکیلا ہے۔ ﴿وَ كَفَرۡنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشۡرِكِيۡنَ﴾ اور ہم نے ان سب معبودوں کا انکار کیا جن کو ہم اللہ تعالیٰ کے شریک ٹھہراتے تھے، اب ہم موحد ہیں، شرک سے تائب ہو کر باطل معبودوں کا انکار کرتے ہیں۔ فرمایا: تم لوگوں نے دیر لگا کر بے مقصد اعلان کیا۔

﴿فَلَمۡ يَكُ يَنۡفَعُهُمۡ اِيۡمَانُهُمۡ لَمَّا رَاَوۡا بَاۡسَنَا﴾ پس ان کا ایمان لانا ان کے واسطے کسی درجہ میں نافع نہیں ہوا، جبکہ انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا، کیونکہ اب ایمان بالغیب نہ رہا جب عذاب کا مشاہدہ ہو گیا، اب ایسا ایمان مقبول نہیں ہوگا، ایسے وقت میں ہر مجرم ایمان لاتا ہے جو کہ اضطراری ہے اختیاری نہیں، چنانچہ فرعون بھی چیخ چیخ کر ایمان لایا جسے اللہ تعالیٰ نے مسترد فرمایا، چنانچہ ارشاد ہے: ﴿آٰلۡـٰٔنَ وَقَدۡ عَصَيۡتَ قَبۡلُ﴾ [یونس: ۹۱] (ابھی؟ حالانکہ اس سے پہلے تو نے نافرمانی کی)۔

﴿سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيۡ قَدۡ خَلَتۡ فِيۡ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الۡكٰفِرُوۡنَ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کا اس کے بندوں میں دستور ہے، یعنی قانون وطریقہ ہے جس میں کسی قسم کی تبدیلی ممکن نہیں کہ وقت عذاب پر کسی کی توبہ قبول ہو، یہ نہیں ہوسکتا، پس باطل والے لوگ خسارہ میں رہیں گے، ان کے لئے معافی نہیں ہوگی۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کفار ومشرکین کے پاس علم معاش یعنی دنیوی زندگی گزارنے کا علم تو تھا، مگر ان کے پاس علم معاد نہیں تھا۔ آج کل تمام غیر مسلم اقوام کا یہی حال ہے، اور چند نام نہاد مسلمانوں کا بھی، صرف دنیوی علم وہنر، دنیاوی زندگی کے اچھے مراحل اگرچہ حل کرسکتا ہے، مگر علم معاد وہ اصلی اور یقینی علم ہے جس سے

دونوں جہانوں کی کامیابیاں حاصل ہوسکتی ہیں، اور اصلی علم وہ ہے کہ کائنات کی ہر چیز اور ہر سعادت اور اعمال و اخلاق کے لئے راہنما ہے وہ انبیاء کرام علیہم السلام کا علم ہے، اور علم کہلانے کا حقدار بھی یہی ہے، دنیاوی علوم کو علم نہیں کہنا چاہئے، ان کی حیثیت پیشے اور ہنر کی ہے، مزید کچھ نہیں۔

کہتے ہیں کہ افلاطون نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دریافت کیا کہ اگر زمین و آسمان ایک کمان کی شکل اختیار کرلیں، اور دنیا میں ظاہر ہونے والے تمام حادثات کو تیر تصور کیا جائے، اور ان تیروں کو چلانے والا خود پروردگار ہو تو بچاؤ کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ بچاؤ کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ دوڑ کر تیر چلانے والے خدا کے دامن میں پناہ حاصل کرلی جائے، قرآن کریم کا بھی یہی فرمان ہے: ﴿فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ﴾ [الذاریات: ۵۰] (اللہ تعالیٰ کی طرف دوڑ کر جاؤ) اس کا قرب حاصل کرو، یہی نجات کا راستہ ہے جو ہر شر سے بچائے گا۔ افلاطون حکیم نے یہ جواب سن کر اقرار کیا کہ ایسے مشکل سوال کا جواب پیغمبر کے بغیر کوئی نہیں دے سکتا۔ [معالم العرفان: ج ۱۶]

سُورَۃُ حٰمٓ السَّجدۃِ

مکیۃٌ آیاتہا ۵۴ رکوعاتہا ۶

سورۂ حمٓ سجدہ مکی ہے، اس میں چون (۵۴) آیتیں، اور چھ (۶) رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نام:

اس سورت کا نام حٰمٓ السجدہ ہے، اس نام کے علاوہ اس کو سورۂ فصلت، اور سورۂ اقوات بھی کہتے ہیں، تاہم زیادہ مشہور حٰمٓ السجدہ ہے۔ یہ سورت حوامیم سبعہ میں سے دوسری سورت ہے۔ یہ سورت ترتیب تلاوت میں ۴۱ ویں نمبر پر ہے، اور ترتیب نزول میں ۶۱ نمبر پر ہے۔

نزول:

یہ سورت مکی ہے، یہ ساتوں حوامیم سبعہ مکی سورتیں ہیں، مکی دور میں اسی ترتیب سے نازل ہوئی ہیں۔

تعداد کلمات وحروف وآیات:

اس سورت میں ۵۴ آیات، چھ رکوع اور ۷۰۹ کلمات ہیں، اور یہ سورت تین ہزار چار سو چھ (۳۴۰۶) حروف پر مشتمل ہے۔

ربط ومناسبت:

یہ سورت ان تمام مضامین پر مشتمل ہے جن پر سورۃ المؤمن مشتمل تھی، اور چند ایک دیگر مسائل پر بھی، جیسا

کہ آئندہ معلوم ہوجائے گا۔

مختصر موضوع:

توحید باری تعالیٰ، تخلیقِ کائنات، صداقتِ قرآن، اثباتِ قیامت، علم غیب، مؤمنین اور کفار کے اعمال کے نتائج، مخزن اخلاق، ہلاک شدہ اقوام کی سرگزشت، تذکیراتِ ثلاثہ، شان وصداقتِ رسالت، معاندین کی سرکشی اور شرارتوں کا بیان، اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے مناقب وفضائل وغیرہ کا بیان۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حٰمٓ ۝١ تَنۡزِيۡلٌ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝٢ كِتٰبٌ فُصِّلَتۡ اٰيٰتُهٗ قُرۡاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ ۝٣
بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا ۚ فَاَعۡرَضَ اَكۡثَرُهُمۡ فَهُمۡ لَا يَسۡمَعُوۡنَ ۝٤ وَقَالُوۡا قُلُوۡبُنَا فِيۡۤ اَكِنَّةٍ مِّمَّا
تَدۡعُوۡنَاۤ اِلَيۡهِ وَفِيۡۤ اٰذَانِنَا وَقۡرٌ وَّمِنۡۢ بَيۡنِنَا وَبَيۡنِكَ حِجَابٌ فَاعۡمَلۡ اِنَّنَا عٰمِلُوۡنَ ۝٥

ترجمہ: حم ① یہ کلام ہے نازل کیا گیا ہے رحمٰن رحیم کی طرف سے ② یہ کتاب ہے جس کی آیتیں مفصل طریقے پر بیان کی گئی ہیں، یعنی یہ قرآن ہے جو عربی ہے، ان لوگوں کے لئے جو جانتے ہیں ③ بشارت دینے والا اور ڈرانے والا ہے، سو ان میں سے اکثر لوگوں نے اعراض کیا، سو وہ لوگ نہیں سنتے ④ اور انہوں نے کہا: جس چیز کی طرف آپ ہمیں بلاتے ہیں اس کے بارے میں ہمارے دل پردوں میں ہیں، اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ ہے، اور ہمارے اور تمہارے درمیان پردہ ہے، سو تم کام کئے جاؤ، بیشک ہم کام کرنے والے ہیں ⑤

معارف ومنازل

حٰمٓ ① حروف مقطعات کی تفصیل سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ یہاں سورت کے شروع میں صداقت قرآن کا بیان ہے، پہلی صفت اس کی یہ ہے کہ وہ رحمٰن ورحیم جل شانہ کا نازل کردہ ہے، دوسری یہ کہ اس کی آیات کی تفصیل بیان کردی گئی ہے، تیسری صفت یہ کہ وہ خالص عربی زبان میں ہے، چوتھی صفت یہ کہ بشیر بھی ہے اور نذیر بھی ہے، فرمایا: ﴿تَنۡزِيۡلٌ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ﴾ یہ قرآن حکیم بڑے مہربان اور نہایت رحم کرنے والے خداوند قدوس

کی طرف سے نازل کردہ ہے، جیسے سورۃ الرحمٰن کے شروع میں فرمایا: ﴿اَلرَّحْمٰنُ ۝۱ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝۲﴾ [الرحمن] (وہ رحمٰن ہی ہے۔ جس نے قرآن کی تعلیم دی)۔ اشارہ ہے اس اہم بات پر کہ قرآن مجید کا نزول خالص اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے جو کہ تمام سعادتوں اور کامیابیوں کا سرچشمہ ہے۔ ﴿كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ﴾ یہ ایسی واضح کتاب ہے جس کی آیات کی تفصیل کردی گئی ہے، عقائد سے لے کر اعمال تک دنیا و آخرت کے احوال، الغرض کوئی ایسا مسئلہ نہیں جس کو بیان نہ کیا ہو۔

جميع العلم في القرآن لكن ★ تقاصر عنه أفهام الرجال

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: قرآن مجید میں ہر مسئلہ کا حل موجود ہے، مگر علماء راسخین کے لئے۔ ﴿قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا﴾ یہ قرآن کریم عربی زبان میں نازل ہوا ہے جو کہ تمام زبانوں کی ماں ہے، اور جنت میں جنتیوں کی زبان ہے۔ ﴿لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ﴾ ان لوگوں کے لئے جو سمجھ اور علم رکھتے ہیں، جیسے فرمایا: ﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾ [البقرۃ: ۲] (ہدایت کا ذریعہ پرہیزگاروں کے لیے) کیونکہ قرآن مجید سے استفادہ کرنے والے متقی اور علم والے ہی ہوتے ہیں، فساق و فجار اور بے سمجھ لوگوں نے ہر زمانہ میں اعراض کے سوا کچھ بھی نہیں کیا، جس طرح نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے بشیر و نذیر کا مقدس لقب عطا فرمایا ہے، اسی طرح قرآن کریم کو بھی:

﴿بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا﴾ فرمایا کہ یہ بھی خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا ہے۔ ﴿فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ﴾ پس اکثر لوگوں نے اس سے اعراض کیا ہے، اور وہ سنتے نہیں جیسے ان کے کانوں اور قلوب و ابصار پر ہلاکت و تباہی کی مہر لگ جائے، بلکہ وہ فخریہ طور پر کہتے رہتے ہیں:

﴿وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ﴾ وہ کہتے ہیں کہ آپ جس چیز کی طرف ہمیں بلاتے ہیں اس چیز کی طرف سے ہمارے دل پردے میں پڑے ہوئے ہیں، اور ہمارے کانوں میں بوجھ ہے، اور تمہاری کوئی بات ہمارے کانوں میں داخل نہیں ہوتی، اور ہمارے اور تمہارے درمیان اختلاف کا پردہ حائل ہے، ہم ایک دوسرے کا نظریہ قبول نہیں کرسکتے، لہٰذا ہم سے توقع ہرگز نہ رکھو کہ ہم آپ کی باتوں کو تسلیم کریں گے، آپ اپنا کام کرتے رہیے، ہم اپنے طور وطریقے پر چلتے ہیں اور چلیں گے۔ قرآن کریم جب بھی کوئی خطاب کرتا ہے اس کا خطاب خاص زمانہ اور مخصوص لوگوں کے لئے نہیں ہوتا، اس کا ہر خطاب بطور پیشین گوئی اور اخبار قیامت تک آنے والے سب لوگوں کے لئے ہوتا ہے۔

اس آیت میں مشرکین معاندین اور یہود ونصاریٰ کے جن تینوں عیوب کی نشاندہی ہوئی ہے آج وہ تینوں عیوب ہمارے معاشرے کے لازمی حصے ہیں، جہاں ہر شخص الّا ماشاء اللہ حق بات سننے اور اس پر عمل کرنے اور ماننے کے لئے تیار نہیں، آمادہ نہیں ہے، آج مسلمان بھی اُسی پرانے طرز وطریقے پر اسی طرح گامزن ہے جیسا کہ گزشتہ لوگوں کا طریقہ رہا، ایسا لگتا ہے کہ قرآن سے دوری میں سب ایک جیسے ہیں۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ؕ
وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۙ۝۶ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝۷ اِنَّ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝۸

ترجمہ: آپ فرمادیجئے: میں تو تمہارا ہی جیسا بشر ہوں، میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک ہی معبود ہے، لہٰذا تم ٹھیک طریقہ پر اس کی طرف متوجہ ہوجاؤ، اور اس سے استغفار کرو، اور ہلاکت ہے ان لوگوں کے لئے جو شرک کرنے والے ہیں۝۶ وہ جو زکوٰۃ نہیں دیتے، اور وہ آخرت کے منکر ہیں۝۷ بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان کے لئے اجر ہے جو ختم ہونے والا نہیں ہے۝۸

معارف ومنازل

مشرکین جو یہ کہتے تھے کہ ہم تمہیں کیسے اللہ تعالیٰ کا نبی تسلیم کریں، تم تو ہماری ہی طرح کے آدمی ہو، اس کا جواب دے دیا کہ انبیاء علیہم السّلام سارے بشر ہی ہوتے ہیں، میں بھی تو تمہارا ہی جیسا بشر ہوں، لیکن مجھے اللہ تعالیٰ شانہ نے ایک ایسی فضیلت اور خصوصیت عطا فرمائی ہے جو تم میں نہیں ہے، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبوت ورسالت سے نوازا ہے، اور مجھے وحی کے ذریعہ حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہیں تبلیغ کروں، ہدایت دوں کہ ہمارا تمہارا اور سارے جہاں کا معبود برحق ایک ہی معبود حقیقی ہے، جس کا نہ کوئی شریک ہے اور نہ کوئی ہمسر یا وزیر یا مشیر، کوئی اس کا ساجھی نہیں، لہٰذا تم سارے اس کی عبادت کرو، اسی کی طرف متوجہ ہوجاؤ، اور اسی سے مغفرت اور بخشش طلب کرو، اور خوب سمجھو کہ شرک کرنے والوں کے لئے ابدی ہلاکت وتباہی کے سوا کچھ نہیں۔ کفار ومشرکین کے جواب میں فرمایا:

﴿اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ﴾ آپ فرمادیجئے: بیشک میں تو تمہارے جیسا انسان ہی ہوں، میری

طرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کی جاتی ہے۔﴿اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾[الکھف:۱۱۰] (بیشک تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے) اس کا کوئی شریک نہیں، نہ ذات میں اور نہ صفات و کمالات میں، وہی ہر قسم کی بدنی اور مالی عبادات کا مستحق ہے، لہٰذا:

﴿فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ﴾ تو اسی کی طرف سیدھ باندلو، اور پوری طرح متوجہ ہوجاؤ، اور اسی سے مغفرت و بخشش طلب کرو، اور آگاہ رہو کہ مشرکین کے لئے ہلاکت کے سوا کچھ نہیں، فرمایا:

﴿وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ﴾ تو مشرکین کے لئے ہلاکت اور تباہی ہے جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور آخرت کا انکار کرتے ہیں، یہاں زکوٰۃ سے متعلق مفسرین نے دو باتیں ذکر فرمائی ہیں: پہلی بات یہ ہے کہ یہاں زکوٰۃ اپنے اصلی معنی پر ہے، کیونکہ اس کی فرضیت مکی زندگی میں ہوئی، البتہ نصاب اور دیگر احکام مدینہ منورہ میں مقرر ہوئے، اور یہ سورت مکی ہے، کیونکہ سورۃ المزمل مکی ہے، اور اس کا نزول بہت پہلے ہے جہاں زکوٰۃ کا حکم موجود ہے، فرمایا: ﴿وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ [المزمل:۲۰] (اور نماز قائم کرو، اور زکوٰۃ ادا کرو، اور اللہ کو اچھا قرض دو)۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ خطاب چونکہ مشرکین سے ہے وہ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے تو مراد فرضی مالی زکوٰۃ نہیں، بلکہ دل کی زکوٰۃ مراد ہے، یعنی طہارت قلب اور ایمان مراد ہے، چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ زکوٰۃ سے مراد یہ ہے کہ وہ لا إله إلا الله کا اقرار نہیں کرتے ہیں۔[مظهري ومعالم]

آگے زکوٰۃ دینے والوں کی تعریف و کامیابی کا بیان ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ﴾ بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کیا، پیغمبروں علیہم السلام اور آسمانی کتابوں کی تصدیق کی، اور قیامت کا بھی اقرار کیا، اور نیک اعمال انجام دیئے، اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے لئے ختم نہ ہونے والا دائمی اجر ہے، اور لامتناہی ثواب و اجر ہے۔

اے مہربان ذات! ہمیں نصیب فرما۔ آمین

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۹
وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ۭ سَوَاۗءً لِّلسَّاۗىِٕلِيْنَ ۱۰

ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ وَهِىَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَيْنَا
طَآئِعِيْنَ ﴿۱۱﴾ فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِىْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِىْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا
بِمَصَابِيْحَ ۖ وَحِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۱۲﴾

ترجمہ: آپ فرما دیجئے: کیا تم ایسی ذات کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو دن میں پیدا فرمایا؟ اور تم اس کے لئے شریک تجویز کرتے ہو، وہ سارے جہانوں کا ربّ ہے ﴿۹﴾ اور اس نے زمین میں پہاڑ بنا دیئے جو اس کے اوپر موجود ہیں، اور اس نے زمین میں برکت دی، اور اس نے زمین میں اس کی غذائیں مقرر کر دیں چار دن میں، یہ پورے ہیں پوچھنے والوں کے لئے ﴿۱۰﴾ پھر اس نے آسمان کی طرف توجہ فرمائی اس حال میں کہ وہ دھواں تھا، سو اس نے آسمان اور زمین سے فرمایا: تم دونوں خوشی سے آؤ یا زبردستی سے، دونوں نے عرض کیا کہ ہم خوشی کے ساتھ حاضر ہیں ﴿۱۱﴾ سو اس نے دو دن میں سات آسمان بنا دیئے، اور ہر آسمان میں اس کے مناسب حکم بھیج دیا، اور ہم نے قریب والے آسمان کو ستاروں سے زینت دیدی، اور حفاظت کی چیز بنا دی، یہ تقدیر ہے عزیز و علیم کی ﴿۱۲﴾

معارف ومنازل

ان آیات میں کفار و مشرکین کی ناشکری کے بیان کے ساتھ آسمان و زمین کی ترتیب پیدائش کا بیان ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کا جلوہ اور اس کی عظمت کی نشاندہی ہے کہ وہ ہر چیز کا خالق ہے، ہر چیز کا مالک ہے، ہر چیز پر حاکم، ہر چیز پر عالم، اور ہر چیز پر قادر ہے، پس ہر طرح کی عبادتوں کا صرف وہی مستحق اور حقدار ہے، اس نے زمین جیسی عظیم مخلوق کو صرف دو دن میں پیدا کیا، اور پھر ساتوں آسمانوں کو اتنی بلندی میں بغیر کسی ستون کے بھی دو دن میں تخلیق فرمائی، وہ واحد لاشریک ہے، تمہیں نہ اس کے ساتھ کفر کرنا جائز ہے نہ شرک، جس طرح سب کا پالنے والا وہی ایک ہے اسی طرح سب کی عبادت کا حقدار بھی وہی ایک ہے۔ اور یہ یاد رہے کہ زمین اور آسمانوں کی پیدائش صرف چھ دن میں ہوئی ہے، اور یہاں ان کی پیدائش کا وقت الگ بیان ہو رہا ہے، پس معلوم ہوا کہ پہلے زمین بنائی گئی، عمارت کا قاعدہ یہی ہے کہ پہلے بنیادیں اور نیچے کا حصہ تیار کیا جاتا ہے، پھر اوپر کا حصہ اور چھت بنائی جاتی ہے۔ حافظ ابن کثیر اور دوسرے مفسرین رحمۃ اللہ علیہم نے یہی فرمایا ہے۔ مزید تفصیل یہ ہے:

آسمان و زمین کی تخلیق میں ترتیب اور ایام کی تعیین:

حکیم الامت قدس سرہ نے تفسیر بیان القرآن سورۂ بقرہ رکوع ۳ میں یہ ارشاد فرمایا کہ یوں تو زمین وآسمان کی پیدائش کا ذکر مفصل ومختصر قرآن کریم میں سیکڑوں جگہ آیا ہے، مگر ان میں ترتیب کا بیان کہ پہلے کیا بنا پیچھے کیا بنا یہ غالباً صرف تین ہی آیتوں میں آیا ہے: ایک یہ آیت حٰمٓ السجدة کی، اور دوسری سورۂ بقرہ کی آیت: ﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۗ ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ﴾ [البقرة:۲۹] (وہی ہے جس نے زمین میں جو کچھ ہے تمہارے لیے پیدا کیا، پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا چنانچہ ان کو سات آسمانوں کی شکل میں ٹھیک ٹھیک بنایا، اور وہ ہر چیز کا پورا علم رکھنے والا ہے)۔

اور تیسری سورۂ نازعات کی یہ آیات: ﴿ءَ اَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ بَنٰىهَا ﴿۲۷﴾ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ﴿۲۸﴾ وَاَغْطَشَ لَیْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ﴿۲۹﴾ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ﴿۳۰﴾ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰىهَا ﴿۳۱﴾ وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا ﴿۳۲﴾﴾ [النازعات] (کیا تمہیں پیدا کرنا زیادہ مشکل ہے یا آسمان کو؟ اس کو اللہ نے بنایا ہے۔ اس کی بلندی اٹھائی ہوئی ہے، پھر اسے ٹھیک کیا ہے۔ اور اس کی رات کو اندھیری بنایا ہے، اور اس کے دن کی دھوپ باہر نکال دی ہے۔ اور زمین کو اس کے بعد بچھا دیا ہے۔ اس میں سے اس کا پانی اور اس کا چارہ نکالا ہے۔ اور پہاڑوں کو گاڑ دیا ہے)۔

اور سرسری نظر میں ان سب مضامین میں کچھ اختلاف سا بھی معلوم ہوتا ہے، کیونکہ سورۂ بقرہ اور سورۂ حٰم سجدہ کی آیات سے زمین کی تخلیق آسمان کی تخلیق سے مقدم ہونا معلوم ہوتا ہے، اور سورۂ نازعات کی آیات سے اس کے برعکس۔ بظاہر زمین کی تخلیق آسمان کے بعد معلوم ہوتی ہے، حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سب آیات میں غور کرنے سے میرے خیال میں تو یہ آتا ہے کہ یوں کہا جاوے کہ اول زمین کا مادہ بنا، اور ہنوز اس کی موجودہ ہیئت وصورت نہ بنی تھی کہ اسی حالت میں آسمان کا مادہ بنا جو دخان یعنی دھوئیں کی شکل میں تھا، اس کے بعد زمین موجودہ ہیئت پر پھیلا دی گئی، پھر اس پر پہاڑ اور درخت اور دیگر ہزاروں مخلوقات پیدا کئے گئے، پھر آسمان کے مادۂ دخانیہ سیالہ سے سات آسمان بنا دئے گئے، امید ہے کہ سب آیتیں اس تقریر پر منطبق ہوجاویں گی، آگے حقیقتِ حال سے اللہ تعالیٰ ہی خوب واقف ہیں۔ [معارف القرآن: ج ۷]

صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی آیت کے تحت چند سوالات وجوابات مذکور ہیں، ان میں سے اس آیت کی جو تشریح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو دو دن میں پیدا

فرمایا، پھر آسمان کی تخلیق فرمائی دو دن میں، پھر زمین کو پھیلایا۔ ﴿دَحٰهَا﴾ وہ اس طرح کہ اس کے پانی، چراگاہ، پہاڑ، مٹی، ریت، جمادات، ٹیلے، وادی اور بہت سی دیگر مخلوقات پیدا فرمائی دو دن میں، یہ چار دن زمین کے، اور دو دن آسمانوں کی پیدائش پر صرف ہوئے، یہ ہیں ستة ایام۔ معالم، مظہری ابن کثیر، روح المعانی بلکہ تمام تفاسیر کا یہی خلاصہ ہے۔

﴿قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا﴾ آپ ان مشرکوں سے کہہ دیں: کیا تم اس پاک ذات کے ساتھ کفر کرتے ہو جس نے زمین کو دو دن میں پیدا کیا؟ یہ زمین اتنا بڑا کرہ ہے جس میں سات حصے پانی اور صرف ایک حصہ خشکی ہے، اس وقت اس پر چھوٹے بڑے دو سو چورانوے ملک آباد ہیں۔ اور تم اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو، یہ کتنے بے انصاف اور ناسمجھ ہو۔

﴿ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ تمام جہانوں کا پروردگار تو وہ ہے جو کہ سب کا خالق و مالک ہے، تم اتنے بے عقل ہو کہ اس کی مخلوق اور مملوک کو اس کا شریک قرار دیتے ہو۔ ﴿وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا﴾ اور اس نے زمین میں بڑے بوجھل پہاڑ پیدا کئے جو زمین میں گڑے ہوئے اور جمے ہوئے ہیں، اور ہر قسم کے اضطراب کو روکے ہوئے ہیں۔ ﴿وَبٰرَكَ فِيْهَا﴾ اور زمین میں برکت رکھ دی کہ ہزاروں لاکھوں چیزیں زمین سے پیدا ہوتی ہیں، اور ابتداء تخلیق عالم سے قیامت تک یہ عظیم الشان زمینی پیداوار میں نہ کمی آتی ہے اور نہ ہی انقطاع، یہ تمام مخلوقات کے لئے مقرر شدہ رزق و روزی ہے جو کہ نفخ صور تک جاری رہے گا، وہ اس لئے کہ:

﴿وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا﴾ کہ اللہ تعالیٰ نے جانداروں کے لئے خوراک کا سامان زمین ہی میں رکھ دیا ہے، پھر ایک حکیمانہ منظم تدبیر کے ساتھ زمین کے مختلف خطوں میں مختلف و متفرق اشیاء خورد و نوش اور مختلف آب و ہوا، اور مختلف موسموں کے ذریعہ ایک ایسا پائیدار اور جامع نظام رکھا ہے کہ ایک خطہ کی پیداوار ختم ہوتے ہی دوسرے خطے کی پیداوار شروع ہو جاتی ہے، چنانچہ موجودہ دنیا میں جب کہ حمل و نقل اور سامانوں کی ترسیل ہر طرح ممکن ہے تو ہر چیز اور تمام غذائی چیزیں پورے سال دستیاب ہیں، یہ سارا نظام ربّ العٰلمین جل جلالہ کی حکیمانہ قدرتوں کا بے مثال کرشمہ ہے، تو معبود برحق ہونے کا وہی حقدار ہے جو ان مخلوقات کا پروردگار ہے۔

﴿فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ۭ سَوَاۗءً لِّلسَّاۗىِٕلِيْنَ﴾ اور یہ سب کچھ چار دنوں میں پایۂ تکمیل کو پہنچا، یہ برابر ہو گیا پوچھنے والوں کے لئے، یعنی ان کے سوال کا جواب مکمل ہو گیا۔ امام قتادہؒ اور سدیؒ نے کہا: اس کا تعلق فعل محذوف سے ہے،

یعنی جولوگ دریافت کریں کہ زمین اور کائنات زمین کی تخلیق کتنی مدت میں ہوئی؟ تو یہ ان کے لئے پوری گنتی بیان کی گئی۔ اور اگر سائلین سے مراد محتاج اور اللہ تعالیٰ سے مانگنے والی مخلوقات ہوں تو معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے محتاج مخلوقات کے لئے زمین میں یہ سب کچھ برابر پورا پورا رکھ دیا ہے، ابھی ابھی بتادیا کہ زمین باعتبار مادہ کے اس کی پیدائش آسمان سے پہلے اور پر مقدم ہے دو دنوں میں، پھر دو دنوں میں آسمان کی دوسرے مرحلے پر پیدائش ہے، آخر میں زمین کی ہیئت اور اس پر ہزاروں مخلوقات کی تیسرے مرحلے پر پیدائش ہے دو دنوں میں، پس زمین پر چار دن اور آسمان پر دو دن صرف ہوئے۔

﴿ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ وَهِیَ دُخَانٌ﴾ پھر آسمان کے بنانے کی طرف توجہ فرمائی، اور وہ اس وقت دھواں سا تھا۔ استویٰ کے معنی ہیں: براہ راست قصد وارادہ کرنا، یہاں دخان سے مراد آبی بخارات ہیں۔ [بغوی]

﴿فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا﴾ اللہ تعالیٰ نے زمین اور آسمان دونوں سے فرمایا: تم دونوں آؤ اور تعمیلِ حکم کرو، خوشی سے آؤ یا زبردستی سے۔ ﴿قَالَتَاۤ اَتَیْنَا طَآىِٕعِیْنَ﴾ انہوں نے کہا: ہم دونوں خوشی سے اطاعت گزاری کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان سے فرمایا کہ ہمارے احکام تکوینیہ جو تم دونوں میں جاری ہوں گے ان کے مطابق ہی تمہیں رہنا ضروری اور لازم ہوگا۔

صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ طَوْعًا اور كَرْهًا کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے جو تمہارے اندر تاثیر ہوگی اسی کے مطابق ہوگا، تم اس کے خلاف نہیں کرسکتے، اور یہ مقصد نہیں ہے کہ انہیں ماننے نہ ماننے کا اختیار دے دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین سے ارشاد فرمایا: میں نے جو حکم تم کو دیا ہے اس کی تعمیل کرو، ورنہ میں تم کو مجبور کروں گا اپنے حکم کی تعمیل کرنے پر، اس پر آسمان وزمین نے بسروچشم قبول کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے طاؤس نے نقل کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین سے فرمایا کہ میں نے بندوں کی مصلحت کے لئے جو منافع تم دونوں کے اندر پیدا کئے ہیں ان کو ظاہر کرو پورا کرو۔ چنانچہ کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ آسمان وزمین غیر ذی روح ہوتے ہوئے کیسے ان کو خطاب ہوتا ہے، اور وہ کیسے جواب دیتے ہیں؟ کیونکہ تمام موجودات جاندار، جمادات، نباتات وغیرہ ہمارے ساتھ ان کا جو تعلق ہے وہ جدا حیثیت کا ہے، یہی چیزیں سب کی سب اللہ تعالیٰ کے ہاں زندہ بھی ہیں اور مکلف بھی، اور یہ تمام مخلوقات مٹی کے ذرات تک اور پانی کے قطرات تک ذکر وتسبیح پڑھتے ہیں، اسی بنیاد پر پہاڑ، درخت، چرند وپرند سب شامل ہوتے رہتے تھے، ﴿وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ

قَدِيْرٌ﴾[البقرة:٢٨٤] (اوراللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے)۔﴿وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ﴾ [الرحمٰن:٦] (اور بیلیں اور درخت سب اس کے آگے سجدہ کرتے ہیں)۔

﴿فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ﴾ پھر ان کو سات آسمان بنادیا دو دن میں۔سورۂ ملک میں ارشاد ہے: ﴿الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا﴾[الملک:٣] (جس نے سات آسمانوں کو تہ بر تہ بنادیا)۔یہ بات بہت بڑی حکمتوں پر مبنی ہے کہ تخلیق کائنات میں چھ دن صرف ہوئے، جبکہ اللہ تعالیٰ سبحانہ پورے عالم کے پیدا کرنے میں صرف لفظ "کن" سے سب کچھ کرنے پر بھی قادر ہے۔

﴿وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا﴾ اور ہر آسمان میں اس کے کام کے مطابق احکام جاری فرمائے، اور تمام آسمانی مخلوق فرشتوں کو ان کے کام اور عمل کا حکم پہنچایا جس میں تمام عالم کا تدبیری نظام شامل ہے۔﴿وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ۖ وَحِفْظًا﴾ اور ہم نے اس قریبی آسمان کو زینت بخشی ستاروں سے اور شیاطین کی شرارت اور اوپر جانے سے ذریعہ حفاظت بنادیا، جیسے ارشاد ہے: ﴿اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ِۨالْكَوَاكِبِ ۝ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ۝﴾[صٰفّٰت] (بیشک ہم نے نزدیک والے آسمان کو ستاروں کی شکل میں ایک سجاوٹ عطا کی ہے۔اور ہر شریر شیطان سے حفاظت کا ذریعہ بنایا ہے)۔

﴿ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ﴾ یہ اندازہ ٹھہرا ہوا ہے اللہ تعالیٰ کا جو کمال قدرت کا مالک ہے اور ہر چیز پر غالب ہے اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ۝١٣ اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَيْنِ
اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰۗىِٕكَةً فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ
بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝١٤ فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ۭ اَوَلَمْ
يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۭ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ۝١٥ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ
رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ
اَخْزٰى وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝١٦ وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ

صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸﴾

ترجمہ: پھر اگر وہ اعراض کریں تو آپ فرما دیجئے کہ میں تمہیں ایسی آفت سے ڈراتا ہوں جیسی آفت عاد وثمود پر آئی ﴿۱۳﴾ جبکہ ان کے پاس ان کے آگے سے اور پیچھے سے رسول آئے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، انہوں نے کہا کہ اگر ہمارا ربّ چاہتا تو فرشتے نازل فرما دیتا، سو بلاشبہ ہم اس چیز کے منکر ہیں جو تم دے کر بھیجے گئے ہو ﴿۱۴﴾ پھر وہ لوگ جو عاد والے تھے انہوں نے زمین میں ناحق تکبر کیا، اور کہنے لگے کہ قوت میں ہم سے زیادہ کون ہے؟ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ جس ذات نے انہیں پیدا فرمایا وہ قوت میں ان سے زیادہ ہے، اور وہ ہماری آیات کا انکار کرتے تھے ﴿۱۵﴾ سو ہم نے ان کے اوپر منحوس دنوں میں تیز ہوا بھیج دی تاکہ ہم انہیں دنیا والی زندگی میں ذلت کا عذاب چکھا دیں، اور یہ بات واقعی ہے کہ آخرت کا عذاب اس سے بڑھ کر رسوائی والا ہے، اور ان کی مدد نہ کی جائے گی ﴿۱۶﴾ اور وہ لوگ جو قوم ثمود والے تھے سو ہم نے انہیں ہدایت دی تو انہوں نے ہدایت کے مقابلہ میں اندھے پن کو پسند کیا، سو انہیں عذاب کی آفت نے پکڑ لیا جو سراپا ذلت تھا، ان کی بدکرداریوں کی وجہ سے ﴿۱۷﴾ اور ہم نے ان لوگوں کو نجات دی جو ایمان لائے اور ڈرا کرتے تھے ﴿۱۸﴾

معارف ومنازل

سابق مضمون تخلیق کائنات، پھر کرۂ ارض پر لاکھوں موسمی اور غیر موسمی نعمتوں کا وجود اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے بڑے دلائل ہیں، انہیں دیکھ کر خاص کر مشرکین مکہ کو چاہیے کہ بلا تاخیر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کریں، اور ایمان لائیں، اگر وہ ایسا کرنے سے اعراض کرتے ہیں تو انہیں عاد وثمود کی طرح ذلت وہلاکت کے لئے تیار رہنا چاہیے۔ فرمایا:

﴿فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ﴾ اگر یہ مشرکین دلائل توحید سے اعراض کریں تو آپ واضح طور پر ان سے کہہ دیں کہ میں تمہیں ڈراتا ہوں اور خبردار کرتا ہوں اس سخت آفت اور عذاب سے جیسا کہ وہ قوم عاد اور ثمود پر آیا تھا، اگر تم ان کے نقش قدم پر چلو گے تو تمہارا حشر بھی ان سے مختلف نہ ہوگا۔

مفسرین حضرات نے مؤرخ محمد ابن اسحاق اور بعض محدثین کے حوالے سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک موقعہ پر ابوجہل اور دیگر سرداران قریش جمع تھے انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہم میں تفریق

ڈال دی ہے، یہ ہمارے دین کو گمراہی قرار دیتا ہے، اور ہمیں بیوقوف کہتا ہے، ابھی جو شخص شعر و شاعری کہانت اور جادو گری میں دسترس رکھتا ہو چاہئے وہ ان کے پاس جا کر انہیں مغلوب اور ملامت کر دے تو بہت اچھا ہوگا، چنانچہ اس مقصد کے لئے انہوں نے عتبہ بن ربیعہ کو موزون ترین آدمی قرار دیا، اور اسے روانہ کیا، عتبہ جب خدمت گرامی میں حاضر ہوا تو سب سے پہلے یہ سوال کیا کہ تو اچھا ہے یا تیرا باپ عبداللہ؟ پھر کہا کہ تم بہتر ہو یا تمہارا جدامجد عبدالمطلب اور ہاشم؟ آپ ﷺ خاموش رہے، وہ شخص کہنے لگا کہ اگر تو اپنے آباء واجداد کو اچھا سمجھتا ہے تو پھر وہ تو انہی معبودوں کی پوجا کرتے تھے جن کی ہم پوجا کر رہے ہیں، اور اگر تو اپنے آپ کو بہتر سمجھتا ہے تو بات کرو کہ ہم تیری بات بھی سنیں، پھر کہنے لگا کہ خدا کی قسم اپنی قوم کے لئے تجھ سے زیادہ ضرر رساں کوئی نہیں ہوا جس نے ہماری شیرازہ بندی کو توڑ کر ہمارے اتفاق کو نفاق میں بدل دیا ہے۔

سنو! اگر تجھے مال کی ضرورت ہے تو ہم تمہیں عرب کا امیر ترین آدمی بنا سکتے ہیں، اگر تجھے اچھے نکاح کی رغبت ہے تو ہم میں سے جس کی بیٹی اور جتنی عورتیں چاہو تجھے نکاح میں دیدیں گے، اگر تجھے قوم کی سرداری کی خواہش ہے تو یہ بھی آپ کو دینے کے لئے تیار ہیں۔

جب یہ کہہ کر عتبہ بن ربیعہ قدرے خاموش ہوا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: بس جو کچھ کہنا تھا کہہ لیا؟ کہنے لگا: ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا: اب میری بات سنو! چنانچہ آپ نے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھ کر اسی حٰمٓ السجدہ کی تلاوت شروع کی، اور اس کی تیرہویں آیت: ﴿مِّثۡلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوۡدَ﴾ تک پڑھ دیا۔ عتبہ سے نہ رہا گیا اس نے بے ساختہ اپنا ہاتھ سرور عالم ﷺ کے منہ پر رکھ دیا، اور کہا: خدا کے لئے اپنی قوم پر رحم کرو۔

پھر عتبہ نے سردارانِ قریش سے سخت اور تیز لہجے میں بات کی اور کہا: میں نے کاہنوں اور شاعروں کا کلام سنا ہے، ساحروں کی باتوں سے واقف ہوں، مگر محمد (ﷺ) ان سب سے وراء الوراء کچھ اور ہی ہیں، تم جانتے ہو کہ محمد (ﷺ) نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، اب مجھے خطرہ لاحق ہو گیا ہے کہ وہ جس قوم عاد اور ثمود کے عذاب سے ڈراتا ہے وہ عذاب کہیں تم پر بھی نہ آجائے، اب تمہاری مرضی کہ اس کو مانو یا نہ مانو۔ [ابن هشام کتب تفسیر]

البتہ یہ واقعہ کہیں تفصیل اور کہیں اختصار کے ساتھ الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ درج ہے، مگر نفس واقعہ درست ہے، اس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہے۔ آگے رسولوں کی آمد کا یوں بیان ہوا:

﴿اِذۡ جَآءَتۡهُمُ الرُّسُلُ مِنۡۢ بَيۡنِ اَيۡدِيۡهِمۡ وَمِنۡ خَلۡفِهِمۡ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّا اللّٰهَ﴾ جب ان کے پاس

اللہ تعالیٰ کے رسول آئے ان کے آگے سے بھی اور ان کے پیچھے سے بھی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، کیونکہ تمہارا اور سارے جہاں کا خالق و مالک و رازق حاجت روا مشکل کشا صرف وہی واحد لاشریک معبود حقیقی ہے، کفار نے اس دعوت کا یوں جواب دے کر اعتراض کیا:

﴿قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ﴾ اگر ہمارے ربّ کو یہ منظور ہوتا کہ کسی کو پیغمبر بنا کر بھیجے تو نصیحت کرنے کے لئے کسی فرشتے کو بھیج دیتے، اور ہم اسے بسر و چشم تسلیم کرتے، مگر جو چیز تم لے کر آئے ہم اس کو کبھی نہیں مانتے۔ یہ مشرکین کا سب سے بڑا بہانہ ہوتا تھا کہ ہم اپنے جیسے آدمی کی بات کبھی نہیں مانتے، ہاں! اگر کوئی فرشتہ آجائے تو اس پر ایمان لے آئیں گے۔ یہ مضمون سورۃ الانعام میں مفصل گزر چکا ہے، وہاں دیکھا جائے۔ آگے ہلاک شدہ اقوام کا مختصر بیان ہے:

﴿فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ پس قوم عاد نے زمین میں بغیر حق تکبر شروع کیا، چنانچہ انہوں نے سرکشی کر کے یہاں تک کہہ دیا: ﴿وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً﴾ ہم سے زیادہ طاقتور کون ہے؟ یعنی ہم طاقت میں سب سے زیادہ ہیں، دنیا کی کوئی طاقت ہمیں اپنے نظریہ سے نہیں ہٹا سکتی، اور ہم پر مسلط نہیں ہو سکتی۔ دراصل یہ لوگ مالدار اور کاریگر اور بہت بڑے قد آور تھے، ان کا ادنیٰ آدمی اٹھارہ فٹ قد والا ہوتا تھا، بعضوں نے اس سے بھی زیادہ قد کا ذکر کیا ہے، پس ان کے اس غرور کا جواب آگیا:

﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً﴾ کیا ان کو یہ نظر نہ آیا کہ جس خدا نے ان کو پیدا کیا وہ ان سے طاقت میں بہت زیادہ ہے، اور انہیں اگر کوئی طاقت حاصل ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی امانت ہے، نہ ان کی ذاتی، مگر: ﴿وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ﴾ اور وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے، اور ان کا انکار محض بغض و حسد پر مبنی تھا، تو اس کا نتیجہ یہ ہوا: ﴿فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ﴾ پس ہم نے ان پر ایک طوفانی آندھی بھیج دی نحوست کے دنوں میں۔

﴿لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى﴾ تا کہ ہم ان کو دنیا کی زندگی میں رسوا کن عذاب کا مزہ چکھائیں، اور آخرت میں ملنے والا عذاب تو بہت ہی رسوا کن ہے، اور وہاں ان کا کوئی حمایتی اور شفاعت بھی ممکن نہیں۔ ﴿وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ﴾ پھر کسی جانب سے بھی ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔

﴿وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى﴾ بہر حال! قوم ثمود کو ہم نے ہدایت کا راستہ

بتلایا، مگرانہوں نے ہدایت کی بجائے اندھاپن یعنی گمراہی کو پسند کیا، وہ لوگ ہدایت کے راستے سے آنکھیں بند کر کے گمراہی کے تاریک راستے پر چل پڑے۔

﴿فَاَخَذَتۡهُمۡ صٰعِقَةُ الۡعَذَابِ الۡهُوۡنِ﴾ پس ان کو ذلت ناک رسوا کن عذاب کی کڑک نے پکڑ لیا، اوپر سے فرشتے کی تباہ کن چیخ نے اور نیچے سے شدید زلزلہ نے انہیں ایسا تباہ کیا کہ بیٹھے لیٹے چلتے پھرتے ان کے کلیجے پھٹ گئے، اور سارے مرگئے تباہ ہو گئے۔ سورۂ ہود میں فرمایا: ﴿فَاَصۡبَحُوۡا فِىۡ دِيَارِهِمۡ جٰثِمِيۡنَ﴾ [ہود: ٦٧] (وہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل پڑے ہوئے تھے)۔ ﴿بِمَا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ﴾ یہ ان کی ہلاکت ان کے برے اعمال کی وجہ سے ہوئی جو وہ کیا کرتے تھے۔

﴿وَنَجَّيۡنَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَكَانُوۡا يَتَّقُوۡنَ﴾ اور ہم نے نجات دی ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور ڈرتے رہے، اور کفر و معاصی سے بچتے رہے، وہ لوگ تقریباً چھ ہزار کی تعداد میں تھے جنہوں نے صالح علیہ السلام کا دین قبول کیا تھا، اور ہر وقت اپنے پیغمبر علیہ السلام کا تحفظ و نگرانی کرتے رہتے تھے۔

وَيَوۡمَ يُحۡشَرُ اَعۡدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمۡ يُوۡزَعُوۡنَ ﴿۱۹﴾ حَتّٰۤى اِذَا مَا جَآءُوۡهَا شَهِدَ عَلَيۡهِمۡ سَمۡعُهُمۡ وَاَبۡصَارُهُمۡ وَجُلُوۡدُهُمۡ بِمَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۲۰﴾ وَقَالُوۡا لِجُلُوۡدِهِمۡ لِمَ شَهِدۡتُّمۡ عَلَيۡنَا ؕ قَالُوۡۤا اَنۡطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِىۡۤ اَنۡطَقَ كُلَّ شَىۡءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمۡ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۲۱﴾ وَمَا كُنۡتُمۡ تَسۡتَتِرُوۡنَ اَنۡ يَّشۡهَدَ عَلَيۡكُمۡ سَمۡعُكُمۡ وَلَاۤ اَبۡصَارُكُمۡ وَلَا جُلُوۡدُكُمۡ وَلٰـكِنۡ ظَنَنۡتُمۡ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعۡلَمُ كَثِيۡرًا مِّمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۲۲﴾ وَذٰلِكُمۡ ظَنُّكُمُ الَّذِىۡ ظَنَنۡتُمۡ بِرَبِّكُمۡ اَرۡدٰٮكُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ مِّنَ الۡخٰسِرِيۡنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنۡ يَّصۡبِرُوۡا فَالنَّارُ مَثۡوًى لَّهُمۡ ۚ وَاِنۡ يَّسۡتَعۡتِبُوۡا فَمَا هُمۡ مِّنَ الۡمُعۡتَبِيۡنَ ﴿۲۴﴾ وَقَيَّضۡنَا لَهُمۡ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوۡا لَهُمۡ مَّا بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَمَا خَلۡفَهُمۡ وَحَقَّ عَلَيۡهِمُ الۡقَوۡلُ فِىۡۤ اُمَمٍ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ مِّنَ الۡجِنِّ وَالۡاِنۡسِ ۚ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا خٰسِرِيۡنَ ﴿۲۵﴾

ترجمہ: اور جس دن اللہ تعالیٰ کے دشمن دوزخ کی طرف جمع کیے جائیں گے ﴿۱۹﴾ یہاں تک کہ جب وہ دوزخ کے پاس آجائیں گے تو ان کے کان اور آنکھیں اور کھالیں ان کے خلاف ان کاموں کی گواہی دیں گے جو وہ کیا

کرتے تھے ⑳اور وہ اپنی کھالوں سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی؟ وہ جواب میں کہیں گے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے بولنے والا بنا دیا جس نے ہر چیز کو بولنے والا بنایا ہے، اور اس نے تمہیں پہلی بار پیدا فرمایا، اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ㉑اور تم اس وجہ سے پوشیدہ نہیں ہوتے تھے کہ تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں اور تمہاری کھالیں تمہارے خلاف گواہی دیں گے، اور لیکن تم نے یہ خیال کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ بہت سے ان اعمال کو نہیں جانتا جنہیں تم کرتے ہو ㉒اور تمہارا یہ گمان جو تم نے اپنے ربّ کے بارے میں کیا اس نے تمہیں ہلاک کر دیا، سو تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گئے ㉓سو اگر صبر کریں تو آگ ٹھکانہ ہے، ان کے لئے اور اگر راضی کرنا چاہیں تو ان کی درخواست قبول نہیں کی جائے گی ㉔اور ہم نے ان کے لئے ساتھیوں کو مسلط کر دیا، سو انہوں نے ان کے لئے ان چیزوں کو مزین کر دیا جو ان کے آگے اور پیچھے ہیں، اور ان پر بات ثابت ہوگئی ان جماعتوں میں شامل ہو کر جو ان سے پہلے جنات میں سے اور انسانوں میں سے گزر چکی ہیں، بیشک وہ خسارہ والے ہیں ㉕

معارف ومنازل

امام مسلمؒ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک موقعہ پر ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت گرامی میں حاضر تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرائے اور پھر خود ہی صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ تم دریافت کیوں نہیں کرتے کہ میں کس بات پر مسکرا رہا ہوں؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: حضور! آپ ہی ارشاد فرمائیں، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح کیا کہ قیامت والے دن آدم کا بیٹا اپنے اعمال بد کا انکار کرے گا، اور انسانوں، فرشتوں، شجر و حجر اور زمین و آسمان کی گواہی اپنے خلاف تسلیم نہیں کرے گا، اور عرض کرے گا: اے پروردگار! یہ تو میرے دشمن ہیں، کیا تو نے مجھے ظلم سے پناہ نہیں دی؟ اور تیرا وعدہ ہے کہ میں کسی پر کوئی ظلم نہیں کروں گا، آج تو میں اپنی ذات کے سوا کسی کو گواہ نہیں مانتا، لہٰذا میرا ٹھیک فیصلہ کیا جائے، اور مجھ پر کسی قسم کی زیادتی نہیں ہونی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ فرمائے گا: بیشک میرا وعدہ برحق ہے، اور میں کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا، اگر تو اپنی ذات کے سوا کوئی گواہ قبول نہیں کرتا تو پھر میں تیرے عقائد و اعمال کے متعلق خود تیرے اعضاء و جوارح کو گواہی کے لئے پیش کرتا ہوں، اس موقع پر اللہ تعالیٰ ان کی زبانوں پر مہر لگا دے گا، اور انسان کے ہاتھ، پاؤں، کان، آنکھیں اور کھال وبال وغیرہ بولنے لگیں گے، جیسا کہ سورہ یٰس میں ارشاد ہے: ﴿اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ

﴿وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ [یس:۶۵] (اس دن ہم مجرموں کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے، اور ان کے ہاتھ پاؤں بول کر ہمیں ان کے کرتوتوں سے آگاہ کریں گے)۔ اب انسانوں کے پاس کوئی عذر باقی نہیں رہے گا، اور ان سارے مجرموں پر فرد جرم ثابت ہو کر انہیں جہنم بھیج دیا جائے گا۔

﴿وَيَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ﴾ جس دن اللہ تعالیٰ کے دشمن یعنی کفار و مشرکین اور منافقین دوزخ پر اکٹھے اور جمع کئے جائیں گے، تو وہ وہاں پر روک دیئے جائیں گے۔ وَزَع کے تین معنی ہیں، یہاں تینوں معانی درست ہیں: (۱) تقسیم کرنا، یعنی اعمال کے اعتبار سے ان کے مختلف گروہ ہوں گے۔ (۲) ہانکنا، یعنی فرشتے انہیں جانوروں کی طرح ہانکتے ہوئے جہنم پہنچائیں گے۔ (۳) روکنا، یعنی ان مجرموں کو تھوڑی دیر کے لئے روک لیا جائے گا تا کہ اگلے پچھلے جمع ہو جائیں، اور تا کہ ہر ایک کے جرم کی نوعیت کے اعتبار سے سب کی الگ الگ قطار بندی کر دی جائے، یہ معنی سب سے زیادہ موزوں ہے۔

﴿حَتّٰى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ یہاں تک کہ وہ جب دوزخ کے قریب پہنچ جائیں گے، اور محاسبہ اعمال کے مراحل میں داخل ہو جائیں گے، اور وہ اپنے ہر قسم کے اعمالِ خبیثہ اور عقائدِ سیئہ کا شد و مد سے انکار کریں گے، اور اپنے تمام گناہوں سے انکاری ہو جائیں گے، تو ان کے خلاف ان کے کان آنکھیں اور کھالیں گواہی دیں گی، جو اعمال بد وہ دنیا میں کیا کرتے تھے، جب مجرموں کے اپنے اعضاء ان کے خلاف گواہی دیں گے تو وہ حیرت زدہ اور پریشان ہو کر اپنے اعضاء سے شکایت کریں گے۔

﴿وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا﴾ تو وہ اپنی کھالوں سے کہیں گے کہ ہم نے تم ہی کو سزا سے بچانے کے لئے تو بداعمالیوں کا انکار کیا تھا، پھر تم نے ہی ہمارے خلاف گواہی کیوں دیدی؟

﴿قَالُوْۤا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْۤ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ﴾ انسانی اعضاء کہیں گے کہ ہم نے اپنی مرضی سے گواہی نہیں دی ہے، بلکہ جس ربّ جل شانہ نے ہر چیز کو بولنے کی قدرت دی ہے اسی نے ہمیں بولنے کا حکم دے کر تکوینی طور پر بولنے پر مجبور کر دیا ہے، یہ ہے اعضاء انسانی کا جواب۔ ﴿وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ اور وہی ذات ہے جس نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا، اور عمر پوری کرنے کے بعد پھر اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے، پس کسی کو کیا مجال کہ اس کے حکم کے خلاف کرے؟ پھر یہی اعضاء یہ بھی کہیں گے:

﴿وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَاۤ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ﴾ تم اسی بات

سے تو پردہ نہیں کرتے تھے، یعنی یہ اعضاء کی گواہی تمہارے تصور میں بھی نہیں تھی کہ تمہارے خلاف تمہارے کان اور، تمہاری آنکھیں اور تمہاری کھالیں گواہی دیں گی، تم نے تو دوسروں سے چھپنے کی گناہ کرتے وقت ضرور کوشش کی تاکہ تمہارے خلاف گواہی نہ دیں، مگر اپنے اعضاء سے چھپنے کی کوشش اس لئے نہیں کی کہ تمہارے وہم وگمان میں بھی یہ نہ تھا کہ کبھی یہ اعضاء ہمارے خلاف گواہی دیں گے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ انسان اگر چھپ کر کوئی جرم وگناہ کرنا چاہے تو دوسرے لوگوں سے تو چھپا سکتا ہے خود اپنے ہی اعضاء وجوارح سے کیسے چھپائے؟ یہ ممکن نہیں، جب یہ معلوم ہوجائے کہ ہمارے کان، آنکھ، ہاتھ، پاؤں اور بدن کی کھال اور بال سب ہمارے نہیں بلکہ سرکاری گواہ ہیں، اور جب ان سے ہمارے اعمال کے متعلق سوال ہوگا تو سچی گواہی دیدیں گے، اور ہمارا الحاظ کچھ بھی نہیں کریں گے، تو پھر چھپا کر کوئی جرم وگناہ کرنے کا کوئی راستہ ہی نہیں رہتا، اس رسوائی سے بچنے کا اس کے سوا کوئی علاج نہیں کہ گناہ کو ہی چھوڑ اجائے، مگر تم منکرین توحید ورسالت کا ذہن ادھر تو کیا جاتا کہ ہمارے اعضاء وجوارح بھی قیامت کے دن بولنے لگیں گے، اور اللہ تعالیٰ کے سامنے ہمارے خلاف گواہی دیں گے۔

مگر اتنی بات ہر عقلمند انسان کی سمجھ میں آسکتی تھی کہ جس قادر مطلق نے ہمیں مٹی اور حقیر نطفہ سے پیدا کر کے سمیع وبصیر عقلمند انسان بنایا اور پالا جوان کیا، تو کیا اس کا علم ہمارے اعمال واحوال پر محیط نہیں ہوگا؟ مگر تم نادانوں نے اس بدیہی چیز کے خلاف یہ غلط گمان کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارے بہت سے اعمال کی کچھ خبر نہیں، اسی غلط خیال تمہیں لے ڈوبا اور جہنم کے راستے پر تمہیں ڈال دیا، تم نے اپنے گناہوں کو لوگوں سے تو چھپایا، مگر اصل دیکھنے والے سے شرم نہیں کی، اور یہ غلط سمجھا کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارے معاصی کا پتہ ہی نہیں۔

﴿وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ یہی وہ تمہارا غلط گمان ہے جو تم نے اپنے پروردگار کے متعلق کر رکھا تھا، اسی بدگمانی نے تمہیں تباہی میں ڈالا، اور نتیجہ یہ ہوا کہ تم نقصان اٹھانے والوں میں ہو گئے، اب صبر کرو یا نہ کرو جہنم ہر حال تمہارا ٹھکانہ ہی ہوگا، فرمایا:

﴿فَاِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ﴾ سورۃ الطور میں یوں ارشاد ہے: ﴿فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ [الطور:۱۶] (اب صبر کرو یا نہ کرو تمہارے لئے برابر ہے، بیشک تمہیں بدلہ دیا جائے گا ان اعمال کا جو تم کیا کرتے تھے) اور تمہیں ہر حال جہنم میں جانا ہوگا۔

﴿وَإِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ﴾ اور اگر یہ مجرم لوگ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی دور کرنے کی اور اس کی خوشنودی اور رضا حاصل کرنے کی کوشش اور طلب کریں گے تو انہیں ایسا کرنے کا موقع نہیں ملے گا، وہ لاکھوں مرتبہ آزمائیں، منانے اور راضی کرنے کی سعی کریں، مگر انہیں میدانِ محشر میں کامیابی نہیں ہوگی، یہ کام دنیا میں بآسانی ممکن تھا مگر انہوں نے وقت ضائع کیا۔ استعتب کے معنی ہیں: راضی کرنا، منانا۔

﴿وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَاءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ أَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ﴾ وہ دنیا میں اس وجہ سے گمراہ ہوئے کہ ہم نے ان کے برے اعمال کی وجہ سے ان کے ساتھ ایسے برے ساتھی (شیاطین الانس والجن) لگا دیئے تھے کہ انہوں نے ان کے اگلے اور پچھلے اعمال مزین کر کے انہیں دکھائے، اور وہ ان پر چل پڑے۔ سورۃ الانعام میں ارشاد ہے: ﴿وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ [الأنعام: ۴۳] (اور ان کے لیے شیطان نے خوبصورت بنائے ان کے وہ اعمال جو وہ کرتے تھے)۔ اور اس طرح کی آیات متعدد مقامات میں مذکور ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ ہر انسان کے ساتھ اس کا قرینِ خیر یعنی فرشتہ اور قرینِ شر شیطان مقرر ہے، فرشتہ اس کو خیر اور نیکیوں پر آمادہ کرے گا، جبکہ شیطان اسے برائیوں کی پٹی پڑھائے گا، یہ سلسلہ شب و روز زندگی بھر جاری رہے گا۔ [مشکوٰۃ]

﴿وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ﴾ بس ثابت ہوگئی ان پر بات (جیسے چور رنگے ہاتھوں پکڑا جائے) ان امتوں میں جو ان سے پہلے گزری ہیں جنوں میں سے اور انسانوں میں سے۔ جنوں اور انسانوں کی سابقہ اقوام نے بھی توحید اور نیک اعمال کے خلاف کام کیا، اور اسی کفر و شرک اور معاصی کو اپنی معراج اور کامیابی سمجھا، پھر ان برائیوں کے نتیجے میں ہلاک ہوئے، اور ﴿خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ﴾ [الحج: ۱۱] (دنیا اور آخرت کھو گیا) کی گرفت میں آگئے، تو جس طرح سابقہ اقوام پر یہ بات ثابت ہوگئی اسی طرح اہل مکہ او دیگر مشرک اقوام پر بھی بات ثابت ہوگئی، جو یہ ہے کہ یہ سارے نقصان اٹھانے والے بن گئے، خاسرین میں شامل ہو گئے، اور برباد ہی ہوئے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ﴿۲۶﴾ فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ

كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٧﴾ ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ ۚ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ ۭ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿٢٨﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿٢٩﴾

ترجمہ: اور جن لوگوں نے کفر کیا انہوں نے کہا کہ اس قرآن کو مت سنو، اور اس کے درمیان شور مچایا کرو، شاید تم غالب رہو ﴿۲۶﴾ سو جن لوگوں نے کفر کیا ہم انہیں ضرور ضرور سخت عذاب چکھادیں گے، اور ضرور ضرور انہیں برے کاموں کی سزا دیں گے جنہیں وہ کیا کرتے تھے ﴿۲۷﴾ یہ سزا ہے اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کی جو آگ ہے، ان کے لئے اس میں ہمیشہ کا رہنا ہے، اس بات کے بدلہ میں کہ وہ ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے ﴿۲۸﴾ اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! جنات میں سے اور انسانوں میں سے جن لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا ہم کو انہیں دکھا دیجئے، ہم انہیں اپنے قدموں کے نیچے کرلیں تا کہ یہ دونوں گروہ خوب زیادہ ذلیلوں میں سے ہو جائیں ﴿۲۹﴾

معارف ومنازل

ان چار آیات میں کافروں کی شرارت، قرآن دشمنی اور حماقت کا، اور اس کے نتیجے میں قیامت کے دن ان کے عذاب کا تذکرہ فرمایا ہے، اور آپس میں جو وہاں بڑوں اور چھوٹوں میں دشمنی کا مظاہرہ ہوگا اس کا ذکر فرمایا ہے۔

سرور عالم ﷺ جب قرآن مجید تلاوت کرتے تھے، اور لوگوں کو سناتے تھے تو مشرکین مکہ کے بڑے بڑے لوگ اپنے ماتحت لوگوں اور بچوں نوجوانوں سے کہتے تھے کہ اس قرآن کو نہ خود سنو، اور نہ دوسروں کو سننے دو، اور جب محمد (ﷺ) تلاوت شروع کرے تو تم لوگ خوب شور وغل مچاؤ، اور زور زور سے چیخو چلاؤ، اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ قرآن کی آواز اور اس کی صدائے گنج بخش دب جائے، چنانچہ وہ لوگ اس تدبیر پر عمل پیرا رہے، اور اتنا شور مچاتے اور اونچی آواز میں سیٹیاں بجاتے اور وہ وہ حرکتیں کرتے پناہ بخدا، اسی کو فرمایا:

﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ﴾ اور کافر لوگ کہنے لگے (کہا کرتے تھے) کہ اس قرآن کو نہ سنو، کان لگا کر اس کو سننے کی کوشش نہ کرو، اور اس کی تلاوت کے درمیان شور وشغب برپا کرو، اونچے اشعار پڑھو تا کہ اس کی آواز دب جائے، اور تم لوگ اپنی شرارت میں غالب آجاؤ، جب لوگ اسے نہ سن سکیں گے تو اس پر کیسے ایمان لائیں گے، اس طرح تم اپنے منصوبے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ سورۃ الصف میں ارشاد

ہے: ﴿يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ﴾ [الصف: ۸] (یہ چاہتے ہیں کہ بجھا دیں اللہ تعالیٰ کی روشنی اپنے منہوں سے، اور اللہ تعالیٰ سبحانہ نے پوری کرنی ہے اپنی روشنی اگرچہ برا مانیں کافر)۔ سورۂ توبہ آیت نمبر (۳۲) میں بھی یہی مضمون ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نور کو پورا کر کے رہے گا، اور اپنے قرآن کی آواز پورے عالم میں پہنچائے گا، اگر اس کے خلاف کوئی احمق کوئی ناکام کوشش کرے گا تو یہ اس کی نادانی ہوگی، آفتاب عالمتاب کا نور نہ چھپا ہے اور نہ ہی چھپ سکے گا، شاعر نے کیا خوب کہا: ؎

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن ☆ پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

﴿فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا﴾ ہم ایسے کافروں اور قرآن کریم کے دشمنوں کو سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ ﴿وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ اور ہم ان کو ان کے کفر وشرک اور برے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیں گے جو وہ کیا کرتے تھے۔ ﴿ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ ۚ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ﴾ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کا بدلہ جہنم ہی کی آگ ہے، اور یہ ان کے لئے ہمیشہ کا گھر ہوگا۔

﴿جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ﴾ یہ بدلہ ہے اس جرم اور معصیتوں کا جو وہ ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے، یہ ابدی دوزخ ان کے بڑے بڑے جرائم کا بدلہ اور ان کے کفر کی سزا ہے، آج دنیا میں ان کا عمل وقول الٹا ہے، جب جہنم میں داخل ہو جائیں گے تو اب سمجھ جائیں گے اور درخواست کریں گے: ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ﴾ اور قیامت کے روز کافر لوگ کہیں گے: اے ہمارے پروردگار! ہمیں وہ لوگ دکھا دے جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا، جو جنوں اور انسانوں دونوں انواع میں سے ہیں تاکہ ہم انہیں آج اپنے پاؤں کے نیچے روند ڈالیں گے تاکہ یہ پست اور ذلیل لوگوں میں سے ہو جائیں۔ سورۂ ص میں فرمایا: ﴿اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ﴾ قرآن کریم میں یہ مضمون بار بار نقل ہوتا رہا ہے، جہاں تابعین ومتبوعین کا مناظرہ ہوتا رہے گا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَ
اَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝۳۰ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ

فِيهَا مَا تَشْتَهِيٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ ﴿۳۱﴾ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ﴿۳۲﴾

ترجمہ: بلاشبہ جن لوگوں نے یوں کہا: ہمارا ربّ اللہ تعالیٰ ہے، پھر مستقیم (ثابت قدم) رہے، ان پر فرشتے نازل ہوں گے کہ تم خوف نہ کرو، اور پریشان نہ ہو، اور خوش ہو جاؤ جنت کی خبر سے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا ﴿۳۰﴾ ہم دنیا والی زندگی میں تمہارے رفیق ہیں، اور آخرت میں بھی، اور تمہارے لئے اس میں ہر وہ چیز ہے جس کی تمہارے نفوں کو خواہش ہوگی، اور تمہارے لئے اس میں ہر وہ چیز ہے جو تم طلب کرو گے ﴿۳۱﴾ یہ مہمانی کے طور پر ہے غفور رحیم کی طرف سے ﴿۳۲﴾

معارف ومنازل

ان آیات میں صاحب استقامت مؤمنین صادقین کے منازل و مراتب اور جنتوں میں ان کی خوشحالی اور بے حساب راحتوں کا تذکرہ ہے، فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ بیشک وہ لوگ جنہوں نے کہا: ہمارا ربّ اللہ تعالیٰ ہے، پھر اس پر استقامت اور پختگی کے ساتھ رہے، ان پر فرشتے اترتے ہیں، اور انہیں بشارت سناتے ہیں۔ استقامت کے متعلق مفسرین کرام فرماتے ہیں اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا فرمان نقل کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ استقامت قول اور فعل دونوں سے ہوتی ہے، اور وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر مستقیم الحال رہے، اور کسی دوسرے الٰہ پر یعنی کسی غیر کی طرف توجہ بھی نہ کرے، اللہ تعالیٰ کی توحید میں شرک کا ذرہ بھر شائبہ نہ ہو۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آدمی ایمان و توحید اور سنت کے راستے پر قائم رہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو ماننا اور عمل میں اخلاص پیدا کرنا، اور شرک و ریا سے بچنا ہی استقامت ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی توحید کو ماننا، ایمان کو صحیح طریقے سے اختیار کرنا اور فرائض کو ادا کرنا یہ استقامت ہے۔ ان کے علاوہ بہت سے اقوال بزرگوں اور علماء کرام سے منقول ہیں، تعبیرات اگرچہ مختلف ہیں مگر مقصد و مراد سب کا ایک ہی ہے کہ غمی ہو یا خوشی ہو، مالداری ہو یا فقر، بیماری ہو یا تندرستی ان تمام مراحل میں توحید خالص کے ساتھ مرتے دم تک پوری شریعت پر اور اتباعِ سنت پر ثابت قدمی ہو، کوئی ادنیٰ سا عمل بھی خلاف شریعت نہ ہو۔

البتہ یہ یاد رہے کہ یہ استقامت نہ افراط کے ساتھ ہو نہ تفریط کے ساتھ، بلکہ درمیانہ اور اعتدال کے ساتھ ہو، جس طرح اس آخری امت کا شعار ہے۔ سورۂ ہود میں ارشاد ہے: ﴿فَاسْتَقِمْ كَمَآ أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ﴾ [هود: ۱۱۲] (جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے اسی کے مطابق سیدھے راستے پر ثابت قدم رہیں)۔ ایمان لانا، توحید کا اقرار کرنا اور اعمالِ صالحہ میں پورے شوق سے حصہ لینا، اور طاعات وعبادات بجالانا، اور ہر قسم کے معاصی سے اجتناب کرنا، یہ سب کچھ آسان ہے، مگر استقامت پر پورا پورا اترنا بہت ہی مشکل ہے، اسی خاطر نمازوں کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ شریف پڑھنے کا حکم ہے، کیونکہ: ﴿اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾ سے آخر تک استقامت ہی کا مطالبہ اور درخواست ہے۔ سرور عالم ﷺ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا: یارسول اللہ! آپ کیوں جلدی بوڑھے ہو گئے؟ جواب میں ارشاد فرمایا: شَيَّبَتْنِي هُوْدٌ، وَأَخَوَاتُهَا۔ [ترمذي وبيهقي] مجھے سورۂ ہود کی استقامت والی آیت، اور موجودہ سورۂ حٰمٓ السجدہ کی آیت نے بوڑھا کر دیا، ان دونوں آیتوں میں استقامت کا حکم ہے جسے پورا کرنا اور ساری شریعت پر آخر عمر تک پختہ رہنا جمے رہنا بہت ہی مشکل ہے۔

یہ چیز آپ ﷺ کے لئے مشکل نہ تھی، آپ بوڑھے جو ہوئے وہ امت کے غم میں ہوئے کہ یہ مشکل کام ان کے لئے باعثِ پریشانی ہے۔ حضرت سفیان بن عبداللہ الثقفی رضی اللہ عنہ نے خدمت اقدس میں عرض کیا: یارسول اللہ! اسلام میں مجھے ایسی بات بتا دیجئے کہ آپ کے بعد پھر مجھے کسی اور سے پوچھنے کی ضرورت نہ رہے، ارشاد فرمایا: کہو: أٰمَنْتُ بِاللهِ میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا، ثُمَّ اسْتَقِمْ پھر اس پر جمے رہو، استقامت اختیار کرو۔ [مسلم]

﴿إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا﴾ جن لوگوں نے کہا: اللہ تعالیٰ ہمارا ربّ ہے، پھر ساری عمر اس پر قائم رہے، اس کے خلاف کوئی دوسرا عقیدہ اختیار نہ کیا، نہ اس عقیدے کے ساتھ باطل عقیدے کی کوئی آمیزش کی، بلکہ پوری زندگی عقیدہ توحید کے تقاضوں کو پورا کرتے رہے۔

﴿تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ﴾ ان پر فرشتے اترتے ہیں جو ان کو کہتے ہیں کہ خوف نہ کرو، اور نہ غمگین ہو جاؤ، اور اس جنت کی بشارت حاصل کرلو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا، یہ فرشتے موت کے وقت اور برزخ میں اور قیامت کے دن جب صراط مستقیم والے قبروں سے اٹھ کر میدانِ محشر کی طرف روانہ ہو جائیں گے تینوں مقامات پر بشارت دیتے ہوئے انہیں تسلی دیتے ہیں، اور جنت کی خوشخبری سناتے رہتے ہیں۔

﴿نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ﴾ ہم اس دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی تمہارے ساتھی ہیں، دنیا میں اہل حق کے جہادی معرکوں میں مدد اور کمک کرتے ہیں، اور بہت سارے خواص کو رشد وہدایت کی تلقین اور القاء کرتے ہیں، اور موت کے وقت برزخی خوشیوں کی اطلاع دیتے ہیں، اور میدانِ محشر میں جنت کی بشارت دیتے ہیں، اور یہ کہتے ہیں:

﴿وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ﴾ جس جنت کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے اس میں ہر وہ نعمت وراحت کا سامان مہیا ہوگا جو تمہارا دل چاہے، من پسند چیزوں کی اتنی فراوانی اور کثرت ہوگی کہ جن کا شمار ممکن نہیں، پس جتنی چیزوں کی خواہش ہوگی وہ سب حاضر ہوں گی۔ ﴿وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ﴾ وہاں تمہیں ہر وہ چیز میسر ہوگی جس کو تم طلب کروگے، جنت تمہاری تمام مرادوں اور چاہتوں کا صحیح مرکز ہے۔اور طلب کے ساتھ ہر چیز دستیاب ہے، پھر کرم بالائے کرم یہ اعزاز ہوگا کہ تم مہمان ہوگے اور کائنات کا خالق ومالک تمہارا میزبان ہوگا۔زہے سعادت!

﴿نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ﴾ بہت بخشش کرنے والے نہایت مہربان اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہمان نوازی ہوگی، تمہارا ربّ کتنا بڑا قدردان ہے، حقیر مٹی اور مردار نطفہ سے انسان کو پیدا فرما کر ایمان کے نور وشرف سے نوازا، اور وہ بلند وبالا اونچا مقام اس خاکی انسان کو عطا فرمایا کہ جسے نورانی فرشتوں نے بھی نہیں پایا، جو لاکھوں سالوں میں عبادات میں ہر لمحہ مشغول رہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اور ساری امت کے افراد کو نصیب کرے۔آمین

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ وَلَا تَسْتَوِي
الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ۝
وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۝ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ
نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

ترجمہ: اور اس سے اچھی کس کی بات ہوگی جس نے اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا، اور نیک عمل کئے، اور یوں کہا: بلاشبہ میں مسلمین میں سے ہوں ۝ اور اچھائی اور برائی برابر نہیں ہوتی، آپ ایسے برتاؤ کے ساتھ دفع کیجئے جو اچھا طریقہ ہو، پھر یکایک ایسا ہوگا کہ جس شخص کو آپ سے دشمنی تھی گویا کہ وہ خالص دوست ہے ۝ اور اس بات کا صرف

انہیں لوگوں کو القاء کیا جاتا ہے جو صبر والے ہیں، اور اس بات کا القاء اسی شخص کو ہوتا ہے جو بڑے نصیب والا ہو۳۵اور اگر آپ کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آنے لگے تو اللہ تعالیٰ کی پناہ لیجئے، بیشک وہ سننے والا جاننے والا ہے۳۶

معارف ومنازل

ان آیات میں دعوت الی اللہ کی تلقین ہے، اور جو لوگ اس دعوت کو عام کرنے کی کوشش کرتے ہیں ان کی عزت وشرف اور اجر عظیم کا بیان ہے۔ ﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ﴾ اس سے بہتر بات کس شخص کی ہوسکتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتا ہے؟ ﴿وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ اور خود نیک عمل کرتا ہے، اور زبان سے اقرار کرتا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی بات کو ساری باتوں سے افضل اور بہترین بات قرار دیا ہے جس میں یہ تین خصلتیں پائی جائیں: یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتا ہو، خود اچھے اعمال انجام دیتا ہو، اور اللہ تعالیٰ کا مطیع وفرمانبردار ہونے کا اقرار کرتا ہو، دراصل یہ استقامت حاصل کرنے کی تدبیر وتعلیم ہے۔

دعوت الی اللہ تمام اعمال سے افضل عمل ہے، اس لئے کہ یہ انبیاء علیہم السلام کا بنیادی عمل ہے، پھر ان کے نائبین علماء ومشائخ کا عمل ہے، پھر وہ عام لوگ جو تبلیغ ودعوت کا عمل کرتے ہیں۔ احادیث کی رو سے ایسے لوگوں کی نیند اور سونا عوام کی عبادات کے برابر ہے، بلکہ افضل ہے، اس سلسلے میں پانچ نمازوں کے لئے بلانے والے مؤذن کا بہت ہی بڑی فضیلت اور درجہ ہے، چونکہ دعوت الی اللہ کا سب سے بڑا ذریعہ قرآن حکیم ہے، اور قرآن کے ذریعہ عوام الناس کو خیر کی دعوت دینا علماء کرام کے ساتھ مخصوص ہے، اسی بنیاد پر وہ انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں، پس جس طرح دعوت الی اللہ سب سے بہترین عمل ہے تو جو شخص دعوت کا کام کرتا ہو وہ سب انسانوں سے بہتر انسان سمجھا جائے گا۔ آگے فرمایا:

﴿وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ﴾ نیکی اور بدی برابر نہیں ہیں۔ ﴿اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ آپ بری چیز کو اچھائی سے دور کرو، فارسی میں مشہور ہے: نیکی بہ بدی کار مردان ست، بدی بہ بدی کار خران ست۔

مطلب یہ ہے کہ دعوت الی اللہ کے کام میں: ﴿وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ پر عمل ہونا چاہئے، اگر عوام الناس جہلاء سختی اور بداخلاقی کا رویہ اختیار کریں تو داعی کو چاہئے کہ انہیں نرمی وشفقت اور رواداری سے جواب

دے، جس کا نتیجہ بہت ہی بہتر ہوگا، جو یہ ہے: فرمایا: ﴿فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ﴾ کہ اگر تمہارے اور اس شخص کے درمیان کوئی عداوت واختلاف ہوتو وہ دوست اور قرابتدار جیسا بن جائے گا، اور آئندہ برائی والا سلوک نہیں کرے گا۔ مطلب یہ ہے کہ الانسان عبدالاحسان یعنی احسان کرنے سے دشمن کی دشمنی یا تو ہمیشہ کے لئے ختم ہوجائے گی، یا ضرور اس میں نمایاں کمی آجائے گی، اور اگر دشمن کچھ عقلمند ہوتو اس کی برائی کے بدلہ میں تم نے جو احسان اور نیکی اختیار کی تو دشمن قرابتداروں کی طرح تمہارا دوست اور ساتھی بن جائے گا، اور برائی کا جواب بھلائی سے دینا ہر شخص کی قسمت میں نہیں ہوگا۔ ہاں! وہ لوگ جو عقلمند اور صابر ہوں۔

﴿وَمَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ﴾ یہ اچھی خصلت تو ان ہی لوگوں میں پیدا ہوتی ہے جو صابر ہوتے ہیں، تحمل و بردباری اختیار کرتے ہیں، اور یہ اچھی خصلت نہیں دی جاتی مگر ایسے شخص کو جو بڑا ہی خوش قسمت ہو، اور نصیب والا ہو۔ دراصل یہ پہاڑوں سے بھی بڑی عظیم اور اچھی خصلت حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی مخصوص صفت ہے۔ حضرت حفیظؒ نے حضور کی شان میں کہا:

سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں

آگے ایک عمدہ تدبیر کی تعلیم ہورہی ہے: ﴿وَاِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ﴾ اور اگر کبھی شیطان کی طرف سے کوئی چھیڑ چھاڑ ہو، اور غصہ وغضب کی کیفیت پیدا ہو، اور آدمی سختی پر آمادہ ہو، تو ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آجاؤ، اور شیطان کے شر سے خدا کی مضبوط اور بے پناہ وعظیم الشان پناہ میں آنے کی کوشش کرو، ان شاء اللہ تمہارے أعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم پڑھتے ہی ابلیس بھاگ جائے گا دم دبا کر۔

﴿اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ﴾ بیشک وہ سب کچھ سننے والا، جاننے والا ہے۔

وَمِنْ اٰیٰتِهِ الَّیْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ؕ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۳۷﴾ فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّكَ یُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا یَسْـَٔمُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ؕ اِنَّ الَّذِیْۤ اَحْیَاهَا لَمُحْیِ الْمَوْتٰى ؕ اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۳۹﴾

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے رات ہے اور دن ہے اور سورج ہے اور چاند ہے، مت سجدہ کرو سورج کو، اور نہ چاند کو، اور سجدہ کرو اللہ تعالیٰ کو جس نے ان کو پیدا فرمایا، اگر تم اس کی عبادت کرتے ہو۝۳۷ سو اگر وہ تکبر کریں تو جو تیرے ربّ کے مقرب ہیں، وہ رات دن اس کی پاکی بیان کرتے ہیں، اور اکتاتے نہیں ہیں۝۳۸ اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ تو زمین کو دبی ہوئی حالت میں دیکھتا ہے، پھر جب ہم اس پر پانی نازل کر دیتے ہیں تو وہ ابھر آتی ہے اور بڑھتی ہے بلاشبہ جس نے اس کو زندہ فرمایا وہی مردوں کو (بروز قیامت دوبارہ) زندہ کرنے والا ہے۝۳۹

معارف ومنازل

ویسے تو کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی توحید اور قدرتِ کاملہ کی نشانی اور دلیل ہے، کائناتی مخلوقات کے ہر ہر ذرہ سے ان کے خالق ومالک کی توحید کی آواز سنائی دیتی ہے، مگر یہ ایسے عقلمند، سمجھنے، سوچنے اور دیکھنے والوں کے لئے ہیں، اور جو اندھے اور بہرے گونگے ہوں تو ان کو سمجھانے کے لئے بڑی بڑی عالمگیر اور ہر لمحہ ظاہر ہونے والی چیزوں کی ضرورت ہے، اس لئے ان آیات میں رات دن اور چاند وسورج کی مثال پیش فرمائی، اور یہ چاروں سب کے سامنے ظاہر ہیں۔

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ﴾ اور اس کی وحدانیت اور قدرت کی نشانیوں میں سے ہیں رات دن چاند اور سورج، یہ چاروں چیزیں ہر لمحہ باری باری کے ساتھ ایک عجیب وغریب نظام کے تحت تمہارے سامنے جلوہ افروز اور رواں دواں ہیں، اور انہیں چاروں کے نظام سے تم اور تمہارے جہاں کی خوشحالی اور بقا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کے مخلوق اور محکوم وتابع ہیں، اور اس کی تسخیر سے چل رہے ہیں، مگر بدنصیبی سے تمہارے ناداں ان ہی کی عبادت اور سجدہ میں مشغول ہیں، اور نظامِ کائنات میں ان کو متصرف اور خود مختار سمجھتے ہیں، یہی عقیدہ صابی قوم کا ہے، جن سے ہندومت اور بدھ مت اور مجوسیت پیدا ہوئے۔

﴿لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ﴾ تم نہ سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو، اور جو لوگ کواکب پرستی کرتے ہیں وہ سراسر گمراہ اور جہنمی ہیں، بلکہ: ﴿وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ﴾ اور صرف اس ربّ تعالیٰ خالق ومالک کا سجدہ کرو جس نے سورج اور چاند اور ان کے ذریعہ آنے والے رات دن کو پیدا فرمایا ہے۔

﴿اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ﴾ اگر تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لاکر اسی کی عبات کرتے ہو پس یہ خوب یاد رکھو کہ

سجدۂ عبادت اور سجدۂ تعظیمی دونوں غیر اللہ کے لئے حرام اور شرک میں داخل ہیں۔ ﴿فَاِنِ اسۡتَكۡبَرُوۡا فَالَّذِيۡنَ عِنۡدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُوۡنَ لَهٗ بِالَّيۡلِ وَالنَّهَارِ﴾ اگر وہ لوگ غرور وتکبر کا اظہار کریں، اور اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ نہ کرنے کا مظاہرہ کریں، اور غیر اللہ کے سجدہ پر جمے رہیں، تو اس سے ربّ تعالیٰ کی عظمت واُلوہیت میں بال برابر فرق نہیں پڑتا، کیونکہ کائنات کا ہر ذرہ شب وروز ہر لمحہ اس کے حضور میں سجدہ ریز رہتا ہے، خاص کر وہ مخلوق یعنی فرشتے جو تیرے ربّ کے پاس ہے، وہ ہر لمحہ اس کی تسبیح اور پاکی بیان کرنے میں بغیر کسی وقفہ کے مصروف رہتی ہے، اور وہ اس طرح کہ:

﴿وَهُمۡ لَا يَسۡـَٔمُوۡنَ﴾ اور وہ تسبیح وتحمید بیان کرنے سے نہیں تھکتے اور تنگدل نہیں ہوتے، بلکہ جتنی کثرت سے تسبیح بیان کرتے ہیں ان کی رغبت میں اتنا اور اضافہ ہوتا ہے۔ اس مقام پر سجدۂ تلاوت واجب ہے، اور سجدہ کا مقام: ﴿لَا يَسۡـَٔمُوۡن﴾ کا کلمہ ہے عند أبي حنيفة رحمة الله عليه۔ پس سجدہ کا حقدار اللہ تعالیٰ کی ذات ہے فقط، مگر جو سجدہ نہ کرے تو نقصان اس کا ہوگا، اللہ تعالیٰ ہر قسم کے لوگوں کی عبادتوں سے مستغنی ہے۔

﴿وَمِنۡ اٰيٰتِهٖۤ اَنَّكَ تَرَى الۡاَرۡضَ خَاشِعَةً﴾ اور اس کی آیتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ تم کبھی کسی موسم میں زمین کو دبی ہوئی خشک غیر آباد دیکھتے ہو، اور اس میں سبزہ کا نام ونشان نہیں ہوتا۔ ﴿فَاِذَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡهَا الۡمَآءَ﴾ پھر جب ہم آسمان سے اس پر پانی نازل کرتے ہیں تو وہ مردہ زمین لہلہاتے ہوئے زندہ ہوجاتی ہے، اور: ﴿اهۡتَزَّتۡ وَرَبَتۡ﴾ تو یہی خشک زمین تروتازہ ہوجاتی ہے، اور ابھرنے لگتی ہے۔ اهتزاز کے معنی ہیں: حرکت کرنا، لہلہانا، تروتازہ ہونا۔ وربت کے معنی ہیں: ابھرنا، اونچا ہونا، بڑھ جانا وغیرہ۔

﴿اِنَّ الَّذِيۡۤ اَحۡيَاهَا لَمُحۡىِ الۡمَوۡتٰى﴾ تو جس قادر مطلق نے اس خشک اور مردہ زمین کو زندہ کرکے گلستان بنایا ہے وہ روز قیامت اسی طرح تمام مُردوں کو دوبارہ زندہ کرے گا۔ ﴿اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ﴾ بیشک وہ ذات عالی صفات ہر ہر چیز پر قادر اور توانا ہے۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ يُلۡحِدُوۡنَ فِىۡۤ اٰيٰتِنَا لَا يَخۡفَوۡنَ عَلَيۡنَا ؕ اَفَمَنۡ يُّلۡقٰى فِى النَّارِ خَيۡرٌ اَمۡ مَّنۡ يَّاۡتِىۡۤ اٰمِنًا يَّوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ اِعۡمَلُوۡا مَا شِئۡتُمۡ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ ۝۴۰ اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِالذِّكۡرِ لَمَّا جَآءَهُمۡ ۚ وَ

اِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ﴿۴۱﴾ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ﴿۴۲﴾
مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۴۳﴾ وَلَوْ
جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ؕ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ ؕ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّ
شِفَآءٌ ؕ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ؕ اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ ﴿۴۴﴾

ترجمہ: بلاشبہ جو لوگ ہماری آیتوں میں کجروی اختیار کرتے ہیں وہ ہم پر پوشیدہ نہیں ہیں، کیا جو شخص آگ میں ڈالا جائے گا وہ بہتر ہے یا وہ شخص جو قیامت کے دن امن کی حالت میں آئے گا؟ تم کرلو جو چاہو، بیشک وہ تمہارے کاموں کو دیکھنے والا ہے ﴿۴۰﴾ بیشک جن لوگوں نے ذکر کے ساتھ کفر کیا جب وہ ان کے پاس آگیا، اور بیشک حال یہ ہے کہ وہ کتاب عزیز ہے ﴿۴۱﴾ اس کے پاس باطل نہیں آتا نہ آگے سے نہ پیچھے سے، وہ اتاری ہوئی ہے حکمت والے کی طرف سے جو ستودہ پاکیزہ اوصاف والے ہیں ﴿۴۲﴾ آپ سے نہیں کہا جاتا مگر وہی جو آپ سے پہلے رسولوں کے لئے کہا گیا، بلاشبہ آپ کا رب مغفرت والا ہے، اور دردناک عذاب والا ہے ﴿۴۳﴾ اور اگر ہم اس کو عجمی قرآن بنادیتے تو یہ لوگ کہتے کہ اس کی آیات کو کیوں واضح طور پر بیان نہیں کیا گیا؟ یہ کیا بات ہے کہ رسول عربی ہے اور کتاب عجمی ہے؟ آپ فرمادیجئے کہ وہ ایمان والوں کے لئے ہدایت ہے اور شفاء ہے، اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں ڈاٹ ہے، اور وہ ان پر گمراہی کا سبب بنا ہوا ہے، یہ وہ لوگ ہیں جنہیں دور سے پکارا جاتا ہے ﴿۴۴﴾

معارف ومنازل

قرآن حکیم سے نفع حاصل کرنے والے صرف اہل ایمان ہیں، اور دو جماعتیں دنیا میں ایسی ہیں جو قرآن کی دشمن ہیں: ایک جماعت تو وہ ہے جو قرآن کو اللہ تعالیٰ کی کتاب ماننے کے لئے تیار نہیں، یہ لوگ منکرین ہیں، اور دوسری جماعت وہ ہے جو یوں نہیں کہتے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی کتاب نہیں ہے، لیکن ان کی دشمنی اس طرح ظاہر ہوتی ہے کہ وہ قرآن مجید کا مطلب اپنی طرف سے تجویز کرتے ہیں، جو تحریف قرآن مجید کے زمرے میں آتا ہے، یہ لوگ اپنے مطلب اور خواہشات کے مطابق قرآنی آیات کا مطلب تجویز کرتے ہیں، متشابہات کے پیچھے پڑنا، اپنی کفریات کو قرآن سے ثابت کرنے کی کوشش کرنا، یہ سب الحاد کی وہ ناروا صورتیں ہیں جو قطعی حرام ہیں۔

خیر القرون کے بعد ایسے ملحد وزندیق بکثرت پیدا ہوئے، غالی اور خشک صوفیاء، روافض، نیز معتزلہ وخوارج

اور قریبی زمانہ کے قادیانی، پرویزی، روافض اور سرسید احمد خان جیسے ملحد سب اسی ڈگر کے لوگ ہیں۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا﴾ بیشک جو لوگ ہماری آیتوں میں الحاد کرتے ہیں یعنی کجروی اختیار کرتے ہیں وہ ہم سے پوشیدہ نہیں ہیں، ہم انہیں عملِ بد کا پورا پورا بدلہ دیں گے۔ اللحد کے معنی ہیں: ٹیڑھا، ترچھا۔ قرآن کریم کے الفاظ کو باقی رکھ کر معانی و مطالب کو ٹیڑھا کرنے یا بدل کرنے کا نام الحاد ہے، اور یہ کفر کی ایک بدترین قسم ہے، ایسے لوگوں کا انجام یہ ہے:

﴿اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْٓ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ بھلا وہ شخص بہتر ہے جو دوزخ میں ڈالا جائے گا، یا وہ بہتر ہے جو قیامت کے دن امن و سلامتی کی حالت میں آئے گا؟ تو ظاہر ہے کہ امن کے ساتھ آنے والا بہتر ہے، یہ مؤمن صادق کی مثال ہے، اور جو دوزخ میں ڈالا جائے گا وہ الحاد کرنے والے ملحد کی مثال ہے۔

﴿اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ﴾ سو جو چاہو عمل کرو، تمہاری مرضی کہ اللہ تعالیٰ کے حکموں کو صحیح معنی میں تسلیم کر کے آخرت کی کامیابی اور امن حاصل کر لو یا الحاد و کجروی کر کے جہنم کا ایندھن بنو، ہر شخص اپنے مستقبل کے بارے میں خود مختار ہے۔ ﴿اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے، ہر شخص کو اسی کے اچھے اور برے عمل کا پورا پورا بدلہ دے گا۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ﴾ بیشک وہ لوگ جنہوں نے نصیحت کا انکار کیا جبکہ وہ ان کے پاس آگئی۔ یہاں ذکر سے مراد قرآن پاک ہے۔ سورۂ حجر میں ارشاد ہے: ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ [الحجر: ۹] (بیشک ہم ہی نے قرآن کو اتارا ہے، اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں)۔ قرآن کریم کے ایک سو ناموں میں سے ایک "الذکر" ہے۔

﴿وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ﴾ اور بلاشبہ یہ عزّت والی کتاب ہے، اور ایک محفوظ کتاب ہے۔ ﴿لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ﴾ باطل اس کے پاس نہیں آتا، نہ آگے سے اور نہ پیچھے سے، باطل سے مراد شیاطین الانس والجن ہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو روح الامین کے ذریعہ سرور عالم ﷺ کے قلب مبارک پر اتارا، اور شیاطین سے اس کی پوری حفاظت فرمائی، اب یہ قرآن قیامت تک ہر قسم کے ملحدوں، زندیقوں، منافقوں کافروں اور شیاطین وغیرہ کے ہر مکر و فریب سے محفوظ رہے گا۔ شیعوں نے قرآن مجید میں دس پارے کا اضافہ کیا، مگر کامیاب نہ ہوئے۔ [مظہری]

آگے سے باطل کے نہ آنے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم میں سابقہ اقوام کے جو حالات بیان کئے گئے ہیں کوئی شخص ان کو باطل ثابت نہیں کرسکتا، کسی کی مجال نہیں کہ قرآنی حقائق کو باطل قرار دے سکے، اور پیچھے سے مراد ہے کہ قران مجید میں جو آئندہ کے لئے پیشین گوئیاں کی گئی ہیں ان میں خلاف واقعہ یا کوئی تبدیلی نہیں ہوسکے گی۔ یا یہ کہا جائے کہ آگے پیچھے سے جمیع جہات مراد ہیں، اور ہر قسم کا اعتبار بھی، تو مطلب یہ ہوگا کہ قرآن مجید وہ محفوظ کتاب ہے جس میں کسی بھی اعتبار سے باطل اور خلافِ حقیقت کوئی عیب اور نقص کا امکان تک نہیں ہے، اور نہ ہوگا۔

﴿تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ﴾ یہ کتاب خدائے حکیم محمود کی طرف سے اتاری ہوئی ہے۔ آگے تسلی کا مضمون ہے: ﴿مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ﴾ نہیں کہا گیا آپ سے مگر وہی کچھ جو آپ سے پہلے رسولوں سے کہا گیا ہے۔ یہ منکرین ومشرکین کا پرانا طریقہ ہے، آپ سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کو لوگوں نے ساحر کہا، اور شاعر ومجنون اور کاہن تک کہا، اور آپ کی قوم بھی ان اقوام کے نقش قدم پر چل کر آپ کو یہی کچھ کہتی ہے، لہٰذا آپ دل برداشتہ نہ ہوں، ہر معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر کے صبر کریں، جیسے ان انبیاء کرام علیہم السلام نے صبر کیا۔

﴿اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ﴾ بلاشبہ آپ کا پروردگار بخشش کرنے والا ہے، اور دردناک عذاب دینے والا بھی ہے، معافی طلب کرنے والوں کی بخشش فرماتے ہیں، اور سرکش ظالموں کو دردناک عذاب دیتے ہیں۔ آگے قرآن مجید کے عربی ہونے کا بیان اور حکمت کا تذکرہ ہے۔ دراصل اللہ تعالیٰ کا یہ طریقہ رہا ہے کہ ہر رسول کو اس کی قوم کی زبان میں بھیجا گیا ہے تا کہ احکامِ الٰہی کے افہام وتفہیم اور تبلیغ دین میں آسانی ہو، اگر نبی کی زبان قوم کی زبان سے مختلف ہوتی تو ہر طرح دقت پیش آجاتی۔ سورۂ ابراہیم میں فرمایا: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ﴾ [ابراهیم: ۴] (ہم نے رسول کو اس کی قوم کی زبان میں بھیجا ہے تا کہ وہ احکامِ شریعت کو وضاحت کے ساتھ بیان کرسکے)۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جو بھی کتاب نازل کی ہے تو اس کو اس نبی کی زبان میں اتارا ہے، یعنی نبی اور قوم دونوں کی زبان میں، اسی اصول کے تحت اللہ تعالیٰ نے اپنا آخری کلام اپنے آخری رسول خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ کی اور آپ کی قوم کی زبان عربی میں نازل فرمایا۔ یہ زبان اپنی جامعیت اور فصاحت وبلاغت کے اعتبار سے تمام مروجہ عالمی زبانوں کی سردار بھی ہے اور سرتاج بھی، اور یہی اہل جنت کی زبان بھی ہے۔ فرمایا:

﴿وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا﴾ اگر کسی غیر عربی عجمی زبان میں ہم اس قرآن کو اتارتے، ﴿لَّقَالُوْا لَوْلَا

﴿فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ﴾ تو یہ لوگ اعتراض کر کے کہتے کہ اس کی آیات کی تفصیل کیوں بیان نہیں کی گئی؟ مطلب یہ کہ اگر قرآن ہماری اپنی عربی زبان میں ہوتا تو ہم اس کی تفصیلات کو آسانی سے جان سکتے، اور ان کا یہ اعتراض بجا ہوتا۔

﴿ءَاَعْجَمِیٌّ وَّعَرَبِیٌّ﴾ کہ قرآن تو عجمی زبان میں ہے جبکہ ہم عربی لوگ ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے اس قرآن کو عربی زبان میں نازل کر کے مفروضہ اعتراض کا دروازہ بند کر دیا ہے، اب ان پر حجت تمام ہو چکی ہے، اور یہ لوگ اس کتاب کی عدمِ تفہیم کا اعتراض اور بہانہ پیش نہیں کر سکتے۔

خلاصہ یہ ہے کہ قریش مکہ نے شیطان کے ورغلانے پر یہ شوشہ چھوڑا کہ یہ قرآن عربی میں کیوں ہے؟ اگر یہ عجمی میں ہوتا تو اس کا معجزہ ہونا اور زیادہ ظاہر اور واضح ہو جاتا، اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید میں ارشاد فرمایا کہ گر ہم قرآن کو عجمی زبان میں نازل کرتے تو یہ لوگ ایمان نہ لانے کا یہ بہانہ بناتے کہ ہم تو عرب ہیں عجمی زبان کیا جانتے، اگر یہ قرآن عربی ہوتا تو سمجھ جاتے اور ایمان لاتے اور یہ اعتراض بھی اٹھاتے کہ:

﴿ءَاَعْجَمِیٌّ وَّعَرَبِیٌّ﴾ کیا بات ہے کتاب عجمی ہے اور رسول عربی، اور قوم بھی عربی؟ اب جو قرآن عربی میں ہے تو کہتے ہیں کہ عربی کیوں ہے، عجمی کیوں نہیں؟ اگر عجمی ہوتا تو کہتے کہ عربی کیوں نہیں؟ ان کا مقصد قبولِ حق اور تلاشِ حق نہیں، محض اعتراض اور دشمنی حق ہی ہے۔ ﴿قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ﴾ آپ ان سے کہہ دیں کہ یہ قرآن حکیم اہل ایمان کے لئے سراسر ہدایت اور شفاء ہے، یہ اپنے ماننے والوں کے لئے روحانی اور جسمانی اور اخلاقی بیماریوں کے لئے اکسیرِ اعظم اور نسخہ شفاء ہے، تاریخ گواہ ہے کہ اس پر صحیح ایمان لانے والوں کو فرشتوں پر سبقت حاصل ہوئی، اور اقوامِ عالم کے لئے نمونہ بن گئے، جن کے کردار و اعمال و اخلاق نے غیر مسلموں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کر دیا۔

﴿وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى﴾ اور جو لوگ اس پر ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں پر ڈاٹ کی وجہ سے قرآن مجید بوجھ بن جاتا ہے، اور یہی قرآن ایسے لوگوں کے لئے اندھا پن ہے یعنی یہ بہرے ہیں سنتے نہیں، اور اندھے ہیں دیکھتے نہیں، تو کیسے ہدایت پائیں گے؟ ہدایت کا مرکز قلب اور دماغ ہیں، وہ باطنی غلاف میں ہیں، اس لئے ہدایت باطن تک نہیں پہنچتی۔ ﴿اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ﴾ گویا وہ کسی دور کے مقام سے پکارے جا رہے ہوں انہیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کوئی شخص انہیں آواز دے رہا ہے اور بلا رہا ہے، مگر اتنے دور سے کہ انہیں سمجھ نہیں آ رہا ہے کہ وہ کہنے والا کیا کہتا ہے، یہ ان کی لاپرواہی اور غفلت کی نشانی ہے۔

سورۂ بقرہ میں اسی کو فرمایا: ﴿ كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ﴾ [البقرة:۱۷۱] (جیسے وہ شخص جو کسی ایسی چیز کو آواز دے جو پکار اور آواز کے سوا کچھ نہ سن سکے) جب کوئی جانور کو آواز دے رہا ہو وہ تو اس کی زبان ہی نہیں سمجھتا، وہ آواز کو تو سنے گا مگر مطلب نہیں سمجھے گا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے، یہی مثال کافر کی ہے، پس جاننا چاہئے کہ سننا دو قسم کا ہے: ایک وہ جو کان لگا کر سنے اور عمل کرے، دوسری یہ کہ سننے پر راغب نہ ہو، بے اعتنائی سے بات ہی نہیں سنتا، اور اس پر عمل ہی نہیں کرتا، گویا اس نے سنا ہی نہیں۔

........❀........❀........❀........

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ
لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ۝۴۵ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَاۗءَ فَعَلَيْهَا ۭ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝۴۶

ترجمہ: اور یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی، سو اس میں اختلاف کیا گیا، اور اگر ایک بات نہ ہوتی جو آپ کے ربّ کی طرف سے طے ہو چکی ہے تو ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا، اور بلاشبہ یہ لوگ اس کی طرف سے شک میں پڑے ہوئے ہیں ۝۴۵ جس نے نیک عمل کیا سو وہ اس کی جان کے لئے ہے، اور جس نے برا عمل کیا تو اس کا وبال اسی پر ہے، اور آپ کا ربّ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے ۝۴۶

معارف ومنازل

اوپر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ آپ سے پہلے رسولوں سے وہی کہا گیا تھا جو آپ سے کہا جا رہا ہے، اس بارے میں موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ فرما کر مزید آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دینا مقصود ہے، فرمایا:

﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ﴾ قرآن کریم سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کو ہم نے تورات جیسی عظیم الشان کتاب عطا فرمائی، مگر اس میں اختلاف کیا گیا، جس کے نتیجے میں معاندین تباہ و برباد ہو گئے، اسی طرح اس آخری کتاب قرآن مجید کے نہ ماننے والے بھی تباہ ہی ہو جائیں گے۔ ﴿وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ﴾ اگر ایک بات تیرے پروردگار کی طرف سے پہلے سے طے نہ ہوتی تو ان کا فوراً فیصلہ کر دیا جاتا، وہ طے شدہ بات یہ ہے:

﴿اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ﴾ جن جن چیزوں میں یہ لوگ

اختلاف کرتے ہیں ان کا فیصلہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کردے گا، اس دنیا میں اکثر چیزوں کا قطعی فیصلہ نہیں ہوتا، بلکہ آخرت میں ہوگا۔

﴿وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ﴾ اور بیشک یہ لوگ قرآن پاک کی طرف سے تردد میں ڈالنے والے شک میں مبتلا ہیں، اسی طرح یہ لوگ تمام آسمانی کتابوں کے منکر ہیں، پھر فرمایا: ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ﴾ جس کسی نے کوئی اچھا عمل کیا تو اس نے اپنی جان کے فائدہ میں کیا، اس کا ثواب اسی کو ملے گا۔

﴿وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا﴾ اور جس نے کسی گناہ کا ارتکاب کیا تو اس کا وبال اسی پر پڑے گا۔ مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کی نیکی کا فائدہ اور گناہ کا نقصان صرف اسی کے ساتھ وابستہ ہے۔ ﴿وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ﴾ اور تیرا پروردگار ہرگز بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں، وہ ہر طرح کے ظلم و زیادتی سے پاک ہے۔

﴿الجزء الخامس والعشرون﴾

اِلَيۡهِ يُرَدُّ عِلۡمُ السَّاعَةِ ؕ وَمَا تَخۡرُجُ مِنۡ ثَمَرٰتٍ مِّنۡ اَكۡمَامِهَا وَمَا تَحۡمِلُ مِنۡ اُنۡثٰى وَلَا تَضَعُ
اِلَّا بِعِلۡمِهٖ ؕ وَيَوۡمَ يُنَادِيۡهِمۡ اَيۡنَ شُرَكَآءِىۡ ۙ قَالُوۡۤا اٰذَنّٰكَ ۙ مَا مِنَّا مِنۡ شَهِيۡدٍ ﴿۴۷﴾ وَضَلَّ عَنۡهُمۡ
مَّا كَانُوۡا يَدۡعُوۡنَ مِنۡ قَبۡلُ وَظَنُّوۡا مَا لَهُمۡ مِّنۡ مَّحِيۡصٍ ﴿۴۸﴾ لَا يَسۡـَٔمُ الۡاِنۡسَانُ مِنۡ دُعَآءِ الۡخَيۡرِ ۡ
وَاِنۡ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَـُٔوۡسٌ قَنُوۡطٌ ﴿۴۹﴾ وَلَئِنۡ اَذَقۡنٰهُ رَحۡمَةً مِّنَّا مِنۡۢ بَعۡدِ ضَرَّآءَ مَسَّتۡهُ لَيَقُوۡلَنَّ
هٰذَا لِىۡ ۙ وَمَاۤ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنۡ رُّجِعۡتُ اِلٰى رَبِّىۡۤ اِنَّ لِىۡ عِنۡدَهٗ لَلۡحُسۡنٰى ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ
الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِمَا عَمِلُوۡا ۙ وَلَنُذِيۡقَنَّهُمۡ مِّنۡ عَذَابٍ غَلِيۡظٍ ﴿۵۰﴾

ترجمہ: اسی کی طرف قیامت کا علم حوالہ کیا جاتا ہے، اور جو پھل اپنے خولوں سے نکلتے ہیں، اور جو کوئی عورت حاملہ ہوتی ہے، اور جو عورت بچہ جنتی ہے، یہ سب اس کے علم میں ہے، اور جس دن وہ پکارے گا: کہاں ہیں میرے شرکاء؟ وہ کہیں گے کہ ہم اعلان کے ساتھ آپ سے عرض کرتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی دعویدار نہیں ہے﴿۴۷﴾ اور اس سے پہلے وہ جن کو پکارا کرتے تھے وہ سب غائب ہوجائیں گے، اور یہ لوگ یقین کرلیں گے کہ ان کے چھوٹنے کی کوئی صورت نہیں ہے﴿۴۸﴾ انسان خیر کی دعا کرنے سے نہیں اکتاتا، اور اگر اسے تکلیف پہنچ جائے تو پوری طرح ناامید ہوجاتا ہے﴿۴۹﴾ اور تکلیف پہنچ جانے کے بعد اگر ہم اسے اپنی رحمت چکھادیں تو وہ کہتا ہے کہ مجھے یہ چاہیئے تھا (میں حقدار ہوں) اور میں یہ گمان نہیں کرتا کہ قیامت قائم ہونے والی ہے، اور اگر میں اپنے ربّ کی طرف لوٹا دیا گیا تو میرے لئے اس کے پاس بہتری ہوگی، سو جن لوگوں نے کفر کیا ہم ضرور ضرور ان کے اعمال سے انہیں باخبر کردیں گے، اور انہیں ضرور سخت عذاب چکھادیں گے﴿۵۰﴾

معارف ومنازل

قیامت پر ایمان لانا فرض ہے، قیامت کا منکر دائرۂ اسلام سے خارج اور کافر ہے، قیامت کب آئے گی؟ اس کا علم مخصوص ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ، اس بات کو اللہ تعالیٰ نے سارے انبیاء ومرسلین علیہم السلام سے اور ملائکہ مقربین سے ہمیشہ کے لئے مخفی رکھا ہے، تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی مخلوق کو قیامت کا وقت معلوم نہیں۔ البتہ احادیثِ صحیحہ میں تواتر

کے ساتھ قیامت کی نشانیوں اور علامات کا بیان ہے، جنہیں علماء کرام نے مستند تالیفات میں جمع کیا ہوا ہے، بایدکہ اہل علم ان کا مطالعہ کریں، اور لوگوں کو بتائیں۔

سورۂ اعراف میں فرمایا: ﴿یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰىهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ ۚ لَا یُجَلِّیْهَا لِوَقْتِهَاۤ اِلَّا هُوَ﴾[الأعراف:۱۸۷] (آپ سے قیامت کے بارے میں دریافت کرتے ہیں کہ کب آئے گی اور کب ہے اس کا واقع ہونا؟ آپ فرمادیجئے کہ اس کا علم صرف میرے ربّ کے پاس ہے، اس کو ظاہر نہیں فرمائے گا مگر وہی ذات پاک جل جلالہ)۔

﴿اِلَیْهِ یُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ قیامت کا علم اللہ تعالیٰ کے حوالہ کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے وقوعِ قیامت کا علم اپنے پاس رکھا، اور کسی کو معلوم نہیں کیا، البتہ قیامت سے پہلے ظہور پزیر ہونے والی بہت سی نشانیوں کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کے ذریعہ ضرور کیا ہے۔ ﴿وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا﴾ اور کوئی پھل اپنے غلافوں اور یا ڈوڈیوں اور خولوں سے نہیں نکلتا۔ ﴿وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ﴾ اور نہ کسی عورت کو حمل رہتا ہے، اور نہ وہ بچہ جنتی ہے مگر سب اللہ تعالیٰ کے علم کے ساتھ۔

مطلب یہ ہے کہ بیج بونے سے لے کر پھل اور میوے کی تیاری تک، اور حمل قرار پانے سے لے کر بچوں کی پیدائش تک کے تمام مراحل کو صرف وہی جل شانہ جانتا ہے جس کا علم سارے جہانوں کی خشکیوں پر اور سمندروں کی گہرائیوں پر اور تمام فضاؤں پر اور عالم بالا و عالم سفلی کے ہر ہر ذرات پر محیط ہے، جب قیامت کا دن ہوگا تو بت پرستوں، ستارہ پرستوں، زندہ و مردہ پرستوں اور قبر پرستوں سے یہ خطاب ہوگا:

﴿وَیَوْمَ یُنَادِیْهِمْ اَیْنَ شُرَكَآءِیْ﴾ قیامت کے روز وہ لوگوں کو منادی کرکے فرمائے گا: کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کی تم دنیا میں پرستش کرتے تھے؟ اور انہیں روزی رساں اولاد دینے والا، مشکل کشا اور حاجت روا سمجھتے تھے، آج انہیں کیوں نہیں پکارتے ہوتا کہ تمہاری مدد کریں؟ وہ جواب دیں گے: ﴿قَالُوْۤا اٰذَنّٰكَ ۙ مَا مِنَّا مِنْ شَهِیْدٍ﴾ اب تو ہم آپ سے عرض کرتے ہیں کہ آج اس عقیدہ کا ہم میں کوئی نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی اقرار نہیں کرتا کہ آج تیرے سوا کوئی ہمیں بچاسکتا ہے یا ہماری مدد کرسکتا ہے، آج ہر کافر و مشرک یہی کہے گا کہ بادشاہی صرف اللہ تعالیٰ کی ہے، وہی ہے: ﴿مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ﴾ [الفاتحة:۳] (روز جزا کا مالک ہے) اس دن مختار کل اسی کی ذات ہے۔ فرمایا:

﴿وَضَلَّ عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يَدۡعُوۡنَ مِنۡ قَبۡلُ وَظَنُّوۡا مَا لَهُمۡ مِّنۡ مَّحِيۡصٍ﴾ اور وہ سب معبودانِ باطلہ گم ہو جائیں گے جن کو یہ مشرک اپنی مشکلات میں پکارا کرتے تھے، اور ان مشرکین کو یقین آجائے گا کہ آج عذابِ الٰہی سے خلاصی اور نجات کی کوئی صورت نہیں نکل سکتی، یہ ہے بے حواصلہ ناداں انسان کا حال۔ آگے سنئے، فرمایا:

﴿لَا يَسۡـَٔمُ الۡاِنۡسَانُ مِنۡ دُعَآءِ الۡخَيۡرِ وَاِنۡ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَـُٔوۡسٌ قَنُوۡطٌ﴾ انسان کتنا خودغرض ہے، وہ اپنے لئے بھلائی کی دعا کرتے ہوئے تھکتا نہیں، اور ہر لمحہ اپنے لئے خیر کی طلب میں لگا ہوا ہے، پھر اگر کبھی اس کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو مایوس ہو کر ناامید ہو جاتا ہے، اور شکوہ شروع کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے مقدر میں مصائب کے سوا کچھ نہیں لکھا ہے۔

﴿وَلَئِنۡ اَذَقۡنٰهُ رَحۡمَةً مِّنَّا مِنۡۢ بَعۡدِ ضَرَّآءَ مَسَّتۡهُ لَيَقُوۡلَنَّ هٰذَا لِيۡ﴾ اور اگر ہم اس کو اپنی مہربانی کا مزہ چکھائیں اس تکلیف کے بعد کہ جو اس کو پہنچی تھی تو کہتا ہے کہ میرے لئے یہی مناسب حال ہے، یعنی یہ نعمت مجھے میرے علم و ہنر اور لیاقت واستعداد کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے۔ ﴿قَالَ اِنَّمَاۤ اُوۡتِيۡتُهٗ عَلٰى عِلۡمٍ عِنۡدِيۡ﴾ وہ اس نعمت کو اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم نہیں سمجھتا، بلکہ اپنی استعداد کا ثمرہ سمجھتا ہے، اور اس پر غرور وسرکشی میں اضافہ کر کے کہتا ہے: ﴿وَّمَاۤ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً﴾ یہ سب عیش وعشرت اسی دنیاوی زندگی تک محدود ہے، میں نہیں سمجھتا کہ مرنے کے بعد کوئی قیامت برپا ہونے والی ہے، نہ کوئی قیامت ہے، نہ دوبارہ زندگی اور نہ حساب وکتاب، کچھ بھی نہیں، اور اگر بالفرض قیامت قائم ہوگئی:

﴿وَّلَئِنۡ رُّجِعۡتُ اِلٰى رَبِّيۡۤ اِنَّ لِيۡ عِنۡدَهٗ لَلۡحُسۡنٰى﴾ اگر بفرض محال مجھے اپنے پروردگار کے پاس لوٹا دیا گیا تو وہاں بھی میرے لئے بہتری ہوگی، جس طرح یہاں عیش وآرام سے رہ رہے ہیں وہاں بھی یہی نقشہ ہوگا، اور سہولت ہوگی۔ ﴿فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِمَا عَمِلُوۡا وَلَنُذِيۡقَنَّهُمۡ مِّنۡ عَذَابٍ غَلِيۡظٍ﴾ سو ہم کافروں کو ان کے کردہ اعمال کے متعلق آگاہ کر دیں گے، اور انہیں ان کے دنیوی اعمال کا نتیجہ بھی بتلا دیں گے، اور پھر انہیں سخت عذاب کا مزہ چکھا دیں گے ضرور بالضرور۔

یاد ہو کہ یہ بہت بڑی جانگداز تنبیہ ہے، جس میں دو مرتبہ دونوں صیغوں میں لام تاکید کے ساتھ نون تاکید بھی موجود ہے، اللہ تعالیٰ رحمٰن ورحیم وہاب وکریم سے مطالبہ ہے، اور اس کے حضور عاجزانہ نہایت بیکسی کے عالم میں التجاء اور دعا ہے کہ ہمیں استقامت عطا فرمائے، خاتمہ بالخیر کی سعادت سے نوازے، جو ایمان اپنے کرم سے عطا کیا ہے

اس کا تحفظ بھی فرما کر لا إلٰہ إلا اللہ محمد رسول اللہ کے ساتھ خاتمہ بالخیر نصیب کرے۔ آمین

وَ اِذَآ اَنۡعَمۡنَا عَلَی الۡاِنۡسَانِ اَعۡرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِہٖ ۚ وَ اِذَا مَسَّہُ الشَّرُّ فَذُوۡ دُعَآءٍ عَرِیۡضٍ ﴿۵۱﴾ قُلۡ
اَرَءَیۡتُمۡ اِنۡ کَانَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ ثُمَّ کَفَرۡتُمۡ بِہٖ مَنۡ اَضَلُّ مِمَّنۡ ہُوَ فِیۡ شِقَاقٍۭ بَعِیۡدٍ ﴿۵۲﴾ سَنُرِیۡہِمۡ
اٰیٰتِنَا فِی الۡاٰفَاقِ وَ فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَہُمۡ اَنَّہُ الۡحَقُّ ؕ اَوَلَمۡ یَکۡفِ بِرَبِّکَ اَنَّہٗ عَلٰی کُلِّ
شَیۡءٍ شَہِیۡدٌ ﴿۵۳﴾ اَلَاۤ اِنَّہُمۡ فِیۡ مِرۡیَۃٍ مِّنۡ لِّقَآءِ رَبِّہِمۡ ؕ اَلَاۤ اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیۡءٍ مُّحِیۡطٌ ﴿۵۴﴾

ترجمہ: اور جب ہم انسان کو نعمت عطا کرتے ہیں تو وہ اعراض کرتا ہے، اور ایک جانب کو دور چلا جاتا ہے، اور جب اسے تکلیف پہنچ جاتی ہے تو لمبی چوڑی دعا والا ہو جاتا ہے ﴿۵۱﴾ آپ فرما دیجئے کہ تم بتاؤ اگر یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو، پھر تم نے اس کا انکار کیا، تو اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہوگا جو دور کی مخالفت میں پڑ گیا؟ ﴿۵۲﴾ ہم عنقریب انہیں آفاق میں اور ان کے نفسوں میں نشانیاں دکھائیں گے، یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے کہ بلاشبہ وہ حق ہے، کیا آپ کے ربّ کی یہ بات کافی نہیں ہے کہ وہ ہر چیز پر شاہد ہے؟ ﴿۵۳﴾ خبردار! وہ لوگ اپنے ربّ کی ملاقات کی طرف سے شک میں ہیں، خبردار! اس میں شک نہیں کہ وہ ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے ﴿۵۴﴾

معارف ومنازل

پہلی آیت میں انسان کے عمومی مزاج کا ذکر ہے، فرمایا: جب ہم انسان پر انعام کرتے ہیں اور اسے نعمتیں عطا کرتے ہیں، تو تکبر کے انداز میں صحیح راستے سے ہٹ کر دور چلا جاتا ہے، اور نعمت کے عطا کرنے والے ربّ کو اور اس کی بخشش کو بھول جاتا ہے، اور شکر ادا نہیں کرتا، اور جب اسے کوئی تکلیف پہنچ جاتی ہے تو یہ بہت لمبی چوڑی دعائیں کرتا ہے کہ کاش وہ خوشحالی کے دنوں میں بجائے تکبر و ناشکری کے تواضع اختیار کرتا، اور شکر کرتا، دعاؤں کا التزام کرتا، تو کیا ہی اچھا ہوتا۔ فرمایا:

﴿وَاِذَآ اَنۡعَمۡنَا عَلَی الۡاِنۡسَانِ اَعۡرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِہٖ﴾ اور جب ہم انسان پر انعام کرتے ہیں تو وہ بجائے قدردانی اور شکر کے اعراض اور پہلوتہی کرتا ہے، اور غرور میں آتا ہے، یعنی سب کچھ بھول جاتا ہے۔

﴿وَاِذَا مَسَّہُ الشَّرُّ فَذُوۡ دُعَآءٍ عَرِیۡضٍ﴾ اور جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو پھر لمبی لمبی دعائیں مانگتا رہتا

ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نعمت پر شکر نہیں کرتا، اور زحمت پر صبر نہیں کرتا، مفاد پرستی اور خودغرضی اس کی فطرت ومزاج ہے۔ اس کے بعد اختتامِ سورت پر پھر اسی طرح کا بیان تھا، اور درمیان سورت میں بھی فرمایا:

﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ﴾ آپ ان منکرین سے کہہ دیں کہ یہ قرآن واقعی اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو (اور حقیقت بھی یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے) اور تم اس کا انکار کردو تو اس شخص سے (یعنی تم سے) زیادہ گمراہ کون ہوگا جو مخالفت میں دور جا پڑا؟ مطلب یہ ہے کہ قرآن واقعی اللہ تعالیٰ کی برحق کتاب ہے، اس کے باوجود تم لوگ جو اس کی حقانیت کا انکار کرتے ہو، تو تمہاری گمراہی سب سے زیادہ بھی ہے اور دور بھی، جس کا نتیجہ تمہارے لئے تباہ کن ہوگا، پس غور کرو۔

﴿سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ﴾ سو اتمامِ حجت کی خاطر ہم عنقریب ان کو نشانیاں دکھائیں گے آفاق یعنی بیرونی دنیا میں بھی، اور اندرونی طور پر ان کی اپنی جانوں میں بھی جن سے ان کے شکوک وشبہات کو دور کریں گے تاکہ وہ سمجھ لیں، یہاں تک کہ ان پر واضح ہوجائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے جو قرآن نازل فرمایا ہے وہ برحق ہے، اس میں کوئی شک نہیں، بلکہ وہ وقت دور نہیں کہ آج کا بت پرست کل بت شکن ہوگا، اور آج کا منکرِ قرآن کل حافظِ قرآن ہوگا، اور آج کا دشمنِ نبوت کل فدائیوں میں نام لکھوا کر نبوت کے اشاروں پر جان کی بازی لگانے پر سعادت اور فخر محسوس کرے گا۔ غزوۂ حدیبیہ کے موقع پر سہیل رضی اللہ عنہ بن عمرو نے جو رویہ اپنایا اس کا آئندہ حالات کے ساتھ موازنہ کرو تو صاف واضح ہوجائے گا کہ قرآن حکیم کی پیشینگوئی برحق اور سچی ہے۔

فرمایا: ہم انہیں اکنافِ عالمِ کبیر میں، اور خود ان کی اپنی ذات عالمِ صغیر میں ایسی نشانیاں دکھائیں گے جن کے بعد جس حق کا وہ آج انکار کر رہے ہیں انہیں مختصر وقت میں پکا یقین ہوجائے گا کہ یہی قرآن حق اور سچ ہے، اور اس کا لانے والا تمام جہاں کے سچے لوگوں میں سب سے بڑا سچا ہے، پھر سالہا سال عناد وضد وحسد پر قائم رہنے کے بعد انقیاد وتسلیم کے بغیر ان کے لئے کوئی چارہ نہ رہ جائے گا، تعصب کی پٹی اتر جائے گی، آنکھیں انوارِ اسلام سے روشن ہوجائیں گی، دلوں پر لگے ہوئے قفل ٹوٹ جائیں گے، اور تاریک سینے نورِ توحید سے جگمگانے لگیں گے، وہ دن آنے والا ہے اور عنقریب آنے والا ہے جب ان کے ہاتھوں میں ہتھوڑے ہوں گے، اور وہ اپنے ہی باطل معبودوں کو ریزہ ریزہ کرنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جا رہے ہوں گے، ان بتوں کو وہ اپنے ہاتھوں سے پاش پاش کریں گے جنہیں ان کے آباء واجداد صدیوں سے سجدہ کرتے آئے تھے، اور ان سے اپنی حاجتوں کو مانگتے رہے، اور انہیں خدا

کا شریک بناتے، ویسے تو کائنات کا ہر ہر ذرہ آیات بینات کا مصداق ہے، آخر وہ کونسی چیز ہے جو ربّ العزّت کی وحدت اور خالقیت پر علامت اور دلیل نہ ہو۔

فَفِیْ کُلِّ شَیْءٍ لَهٗ اٰیَةٌ ٭ تَدُلُّ عَلٰی اَنَّهٗ وَاحِدٌ

مگر علماء ومفسرین حضرات کے اس مقام پر آیات بینات کے بارے میں دو قول ہیں: اول وہ قرآنی انقلاب جس نے دنیا کا رخ تبدیل کیا، جس نے کائنات میں ایک مختصر مدت میں وہ روحانی اخلاقی تبدیلی لائی جسے چشمِ فلک نے ابتدائی پیدائش کائنات سے آج تک نہ دیکھا تھا، اور نہ سوچا تھا سَنُرِيْهِمْ مستقبل کا صیغہ ہے، اور سین استقبالِ قریب کے لئے ہے، تو معلوم ہوا کہ آفاقی اور انفسی آیات وہ نہیں جو پہلے سے موجود ہیں، بلکہ وہ آئندہ آنے والی نشانیاں ہیں جنہیں عنقریب اللہ تعالیٰ جل جلالہ پیدا فرمائیں گے، اور ان کے ذریعہ منکرینِ توحید ورسالت کا رخ باطل سے ہٹا کر حق کی طرف موڑ لیں گے۔

وہ اکثر فتوحات کے نام سے مشہور ہیں، وہ فتوحات جوان بے سروسامانوں اور اپنے گھروں سے نکالے ہوئے لوگوں کو اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک حاصل ہوئیں۔ مکہ مکرمہ کے متکبر اور مغرور سردار غزوۂ بدر کے موقعہ پر جس شرمناک شکست سے دوچار ہوئے، کیا اس کا ان کے دلوں میں کبھی خیال تک بھی آیا تھا، وہ تو چند نہتے بے سروسامان مسلمانوں کا شکار کھیلنے کے لئے بدر تک چلے آئے تھے، انہیں تو یہ شوق یہاں کھینچ لایا تھا کہ وہ ایک ایک مسلمان کو پکڑیں گے، اور مرغ بسمل کی طرح اس کا رقص دیکھیں گے، اور انہیں تڑپا کر بکریوں کی طرح ذبح کریں گے، اور دنیا والوں کو تماشا دکھائیں گے، لیکن قدرت نے جو کرشمہ سازی اور جو حیرت انگیز لطف وکرم کا مظاہرہ کرایا وہ انسانی سوچ سے بالاتر ہے، اس خونی معرکہ نے مشرکین مکہ کو ایک بار پھر سوچنے پر مجبور کر دیا، یہاں تک کہ وہ پاگلوں کی طرح حواس باختہ ہو کر بھاگ گئے۔

بھلا کوئی یہ بھی سوچ سکتا تھا کہ یہ چند لوگ اپنے متاع ایمان کو بچاتے ہوئے چھپ کر مکہ سے مدینہ ہجرت کر کے پھر مستقبل قریب میں دوبارہ مکہ کے شہری بن کر کعبۃ اللہ کے سایہ میں ڈیرہ ڈالیں گے؟ لیکن چند ہی سالوں میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں جان نثاروں کا لشکر جرار لے کر ماہ رمضان ۸ھ میں مکہ فتح کرنے وہاں پہنچے تھے، لشکر کے مختلف دستوں کے پرچم تھامنے والے وہی مکہ کے قریشی تھے جنہوں نے چند سال پہلے مسلمانوں کو مکہ سے نکالا تھا، آج کفر وشرک میں اتنی طاقت بھی نہیں کہ اس لشکر کی پیشقدمی کو روک سکے، یہاں تک کہ کعبۃ اللہ جو صدیوں سے (العیاذ

باللہ) بتوں کا گھر بنا ہوا تھا آج وہ قریشیوں کے ہاتھوں سے ہمیشہ کے لئے پاک ہوا، الحمدللہ۔

پھر یہی بے سروسامان لوگ مشرق ومغرب اور جنوب وشمال میں جور وستم اور کفر وشرک کے قلعوں پر جب حملہ آور ہوئے تو نہ کسریٰ اور نہ اس کے رستم واسفندیاران کا راستہ روک سکے، اور نہ قیصر اپنے نولاکھ جنگجوؤں کے ذریعہ ان کا مقابلہ کرسکا، وہ اپنے چھتیس ہزار لشکر کے ذریعہ دشمن کی فوجوں کو مولی گاجر کی طرح کاٹتے رہے، پھر نہ صرف یہ کہ انہوں نے میدانِ جنگ میں دشمن کو پے درپے شکست دی، اور بہت سے ممالک فتح کئے، بلکہ یہ فرشتہ صفت انسان جہاں گئے وہاں ابرِ رحمت بن کر برسے، انسانی چہرہ صدیوں سے پتھر کے اور لکڑی پیتل کے بتوں کے سامنے ذلیل ہوکر سجدہ ریز ہوتا تھا، اس کو عزت وشرف کی بلندیوں پر بٹھا کر صرف واحد جبار جل شانہ کے حضور سجدہ کرایا، بالفاظ دیگر ہزاروں ناپاک سجدوں سے انسانی چہرے کو بچا کر نجات دیدی، ظلم وستم اور شرک وکفر کی زنجیروں کو پارہ پارہ کیا، اور غیر اللہ کی خدائی کو قلوب واذہان سے نکال کر سب کو حقیقی خالق ومالک کا گرویدہ وغلام بنایا، دنیا میں عدل وانصاف اور مساوات کے وہ تاریخی یادگار کارنامے انجام دیئے جن پر فرشتوں کو رشک آیا۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود وایاز ☆ نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

جلیل القدر صحابی عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مصر فتح کرنے کے بعد میدان میں کیمپ لگایا، جب وہاں سے لشکر کو جانے کا حکم ہوا تو ان کے خیمے میں کبوتری نے انڈے دیئے تھے، انہوں نے اپنے خیمے کے اکھیڑنے سے منع فرمایا، اور اسے کبوتری کے لئے چھوڑ دیا، یہ ہے: ﴿سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا﴾ کی ایک جھلک۔ ان تمام خیر وبرکت امن وسلامتی، بندہ نوازی، عدل وانصاف، حق پرستی، تواضع وانکساری اور خوش اخلاقیوں کا حامل وہ قرآنی انقلاب ہی تھا۔

﴿أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ﴾ کیا یہ بات کافی نہیں ہے کہ تیرا پروردگار ہر چیز پر نگران ہے، اور گواہ بھی ہے۔ ﴿أَلَا إِنَّهُمْ فِي مِرْيَةٍ مِّن لِّقَاءِ رَبِّهِمْ﴾ خبردار! یہ لوگ اپنے پروردگار کی ملاقات سے متعلق شک میں پڑے ہوئے ہیں، یہ لوگ ہر طرح قیامت کے اور دوبارہ زندگی اور حساب وکتاب کے سختی سے منکر ہیں، اور وہ دنیا کو اپنی آخری منزل سمجھتے ہیں، تو فرمایا: ﴿أَلَا إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ﴾ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر محیط ہے، کوئی چیز اس کے علم اور قدرت سے باہر نہیں، وہ علم محیط کا مالک ہے۔

سُورَةُ الشُّورىٰ

مکیۃ آیاتہا ۵۳ رکوعاتہا ۵

سورۂ شوریٰ مکی ہے، اس میں ترپن (۵۳) آیتیں، اور پانچ (۵) رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام:

اس سورت کا نام سورۃ الشوریٰ ہے، اس سورت کی آیت ۳۸ میں مسلمانوں کی آپس میں مشاورت کا جوذکر ہے اسی سے یہ نام ماخوذ ہے۔ یہ سورت ترتیب تلاوت میں ۴۲ ویں نمبر پر ہے، اور ترتیب نزول میں ۶۲ نمبر پر ہے۔

نزول:

یہ سورت مکی زندگی میں نازل ہوئی ہے، اور حوامیم سبعہ میں شامل ہے، اس کا نزول سورۂ حم السجدۃ کے بعد ہے۔ البتہ حضرت ابن عباس اور قتادہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ اس کی چار آیات مدنی ہیں: ﴿قُل لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى﴾ سے چوتھی آیت تک۔

تعدادِ حروف وکلمات:

اس سورت میں ۵ رکوع، ۵۳ آیات، ۸۶۹ کلمات ہیں، اور یہ ۳۵۸۵ حروف پر مشتمل ہے۔

ربط ومناسبت:

(۱) گزشتہ سورت کے آخر میں دلائل عقلیہ کے ساتھ توحید کا بیان تھا، اس سورت کے شروع میں دلائل

عقلیہ سے توحید کا بیان ہے۔(۲) دونوں سورتوں کے شروع میں صداقت قرآن کا یکساں بیان ہے۔(۳) تذکیراتِ ثلاثہ، اور اسلام وکفر کے نتائج کا دونوں جگہ بیان ہے۔(۴) ایمان واعمال کے حسن وفوائد کا دونوں جگہ تذکرہ ہے، وغیرہ۔

مختصر موضوع:

توحید، رسالت، اثباتِ قیامت، صداقتِ قرآن، حقانیتِ اسلام، مسلمانوں کی صفات، نیک اعمال کے ثواب واچھے نتائج، کفروشرک کے برے نتائج کا بیان، تسلی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم، دنیا دارالامتحان ہے، آخرت دار الجزاء ہے، وحدت ملّت انبیاء علیہم السلام، قرآن کریم دل وانصاف کا ترازو ہے، مشورہ کے آداب اورفوائد کا بیان، انفاق فی سبیل اللہ تعالیٰ، وحی الٰہی کا بیان اور بعض اقسام وغیرہ۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حٰمٓ ﴿۱﴾ عٓسٓقٓ ﴿۲﴾ كَذٰلِكَ يُوۡحِىۡۤ اِلَيۡكَ وَاِلَى الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكَ ۙ اللّٰهُ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ﴿۳﴾ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ ؕ وَهُوَ الۡعَلِىُّ الۡعَظِيۡمُ ﴿۴﴾ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرۡنَ مِنۡ فَوۡقِهِنَّ وَالۡمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوۡنَ بِحَمۡدِ رَبِّهِمۡ وَيَسۡتَغۡفِرُوۡنَ لِمَنۡ فِى الۡاَرۡضِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِيۡمُ ﴿۵﴾ وَالَّذِيۡنَ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اَوۡلِيَآءَ اللّٰهُ حَفِيۡظٌ عَلَيۡهِمۡ ۖ وَمَاۤ اَنۡتَ عَلَيۡهِمۡ بِوَكِيۡلٍ ﴿۶﴾ وَكَذٰلِكَ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ قُرۡاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنۡذِرَ اُمَّ الۡقُرٰى وَمَنۡ حَوۡلَهَا وَتُنۡذِرَ يَوۡمَ الۡجَمۡعِ لَا رَيۡبَ فِيۡهِ ؕ فَرِيۡقٌ فِى الۡجَنَّةِ وَفَرِيۡقٌ فِى السَّعِيۡرِ ﴿۷﴾ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمۡ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنۡ يُّدۡخِلُ مَنۡ يَّشَآءُ فِىۡ رَحۡمَتِهٖ ؕ وَالظّٰلِمُوۡنَ مَا لَهُمۡ مِّنۡ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيۡرٍ ﴿۸﴾ اَمِ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اَوۡلِيَآءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الۡوَلِىُّ وَهُوَ يُحۡىِ الۡمَوۡتٰى ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۹﴾

ترجمہ: حٰمٓ ﴿۱﴾ عٓسٓقٓ ﴿۲﴾ اسی طرح وحی بھیجتا ہے آپ کی طرف اور ان کی طرف جو آپ سے پہلے تھے اللہ تعالیٰ جو عزیز ہے، حکیم ہے ﴿۳﴾ اسی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور وہ برتر ہے، بڑا ہے ﴿۴﴾ کچھ بعید نہیں کہ آسمان اوپر سے پھٹ پڑیں، اور فرشتے اپنے ربّ کی تسبیح بیان کرتے ہیں، اور اہل زمین کے

لئے مغفرت طلب کرتے ہیں، خبردار! اللہ تعالیٰ ہی مغفرت کرنے والا رحیم ہے۵ اور جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کارساز تجویز کرر کھے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہیں، آپ ان کے ذمہ دار نہیں۶ اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف قرآن عربی کی وحی بھیجی تا کہ آپ اُم القریٰ اور اس کے آس پاس کے رہنے والوں کو ڈرائیں، اور جمع ہونے کے دن سے ڈرائیں، جس میں کوئی شک نہیں ایک فریق جنت میں ہوگا اور ایک فریق دوزخ میں۷ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان سب کو ایک ہی جماعت بنا دیتا، اور وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل فرماتا ہے، اور ظالموں کے لئے کوئی دوست ہے، اور نہ کوئی مددگار۸ کیا ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا کارساز بنا رکھے ہیں؟ سو اللہ تعالیٰ ہی کارساز ہے، وہ مردوں کو زندہ کرے گا، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۹

معارف ومنازل

اللہ تعالیٰ شانہ نے سورت کی ابتداء وحی سے فرمائی، اس لئے کہ وحی تمام احکام اور علوم ومعارف کا سرچشمہ اور بنیاد ہے، اور اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کی عظمت وجلال کی معرفت وشناخت کا ذریعہ بھی وحی ہے، تو ارشاد ہوا:

﴿حٰمٓ ① عٓسٓقٓ ②﴾ یہ حروف بڑے بابرکت ہیں، ان کی مراد صرف اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے، دیکھیں سورۃ البقرہ کا شروع۔ ﴿كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ اسی طرح ہم آپ پر وحی اتارتے ہیں، اور ان پیغمبروں پر بھی جو آپ سے پہلے گزرے، یہ وحی اس واحد لاشریک کی طرف سے ہے جو زبردست عزّت والا، حکمت والا ہے، اس کی یہ عظمت وشان ہے:

﴿لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ﴾ اسی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے، اور جو کچھ زمین میں ہے، وہی سب کا خالق بھی ہے مالک بھی ہے، اور چلانے والا بھی ہے، وہ برتر اور عظیم شان والا ہے، اس کی شان وعظمت کا حال یہ ہے: ﴿تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ﴾ قریب ہے کہ اس کی عظمت وجلال کی وجہ سے آسمان پھٹ پڑیں، یا تو اس وجہ سے کہ ساتوں آسمانوں میں چار انگل برابر جگہ ایسی نہیں کہ وہاں کوئی فرشتہ رکوع، سجود یا قیام میں نہ ہو، یہ بھی اس کی عظمت ہے، یا اس لئے کہ آسمان پھٹ پڑیں کہ نادانوں اور احمقوں نے اس کی صحیح معنی میں نہ عبادت کی، اور نہ قدر ومنزلت پہچانی، جیسے سورۂ مریم میں گزرا: ﴿تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۹۰ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۹۱﴾

[مریم] (قریب ہے کہ آسمان پھٹ جائیں، زمین شق ہوجائے، اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہوجائیں، اس بات سے کہ مشرکین کہتے ہیں کہ خدانے بیٹا بنالیا ہے) یہ بات فوری نزول عذاب کا سبب ہے، مگر وہ ذات پاک مہلت سے کام لیتا ہے، جلدی عذاب نازل نہیں کرتا ہے۔

﴿وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ﴾ اوروہ فرشتے جوآسمانوں میں ہیں پاکی بیان کرتے ہیں اپنے ربّ کی حمد وثناء کے ساتھ، سرور عالم ﷺ نے ارشادفرمایا کہ آسمان پرایک بالشت بھر جگہ بھی ایسی نہیں جہاں اللہ تعالیٰ کا کوئی فرشتہ رکوع وسجوداور تسبیح وتحمید میں مصروف نہ ہو، فرشتے ہرلمحہ عبادات میں مشغول رہتے ہیں۔[فرشتوں کے حالات]

﴿وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ﴾ اورفرشتے استغفار کرتے رہتے ہیں زمین والوں کے لئے۔ سورۃ المؤمنون میں فرمایا: ﴿اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ [المؤمنون:۷] (حاملین عرش اوراس کے اردگرد طواف کرنے والے فرشتے اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں اس کی حمد کے ساتھ، اوراس پر ایمان رکھتے ہیں، اوراہل ایمان کے لئے اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرتے ہیں)۔ دراصل یہ بکثرت مقرب فرشتوں کی دعاؤں کا اثر ہے کہ زمین والے اللہ تعالیٰ کے عذابوں سے محفوظ ہیں۔

﴿ اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ خبردار! بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشش والا بڑامہربان ہے جو فرشتوں کی دعاؤں کوقبول فرماتا ہے، اپنے بندوں سے درگزرفرماتا ہے، اور انہیں ڈھیل دیتا ہے۔ ﴿وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ اللّٰهُ﴾ اوروہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوادوسروں کوکارساز بنالیا ہے۔

﴿حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ ۡ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ﴾ اورجن لوگوں نے خداکوچھوڑکردوسروں کوکارساز بنالیا ہے اللہ تعالیٰ ان پرنگران ہے، ان کی دیکھ بھال کررہاہے، ان کے مخفی حالات سے باخبر ہے، جب وہ مخصوص وقت آئے گاتوانہیں انتقام کانشانہ بنائے گا، آپ ان کے ذمہ دارنہیں ہیں، آپ کا کام بلاغ ہے، خیرخواہی کرنا ہے، ان کوہدایت کاراستہ دبتاناہے، جومانے گاتوفلاح پائے گااور جونہیں مانے گاوہ عذاب کامستحق ہوگا، اس کے متعلق آپ سے بازپرس نہ ہوگی۔ ﴿ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ﴾[المائدۃ:۹۹] (رسول پرپہنچادیناہی ہے)۔ ﴿لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ﴾[الغاشیۃ:۲۲] (آپ ان پرمسلط نہیں ہیں)۔ آپ کا کام صرف تبلیغ ہے، اورآپ

کسی کا داروغہ اور ذمہ دار نہیں ہیں۔

﴿وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا﴾ اسی طرح جیسا کہ تمام احکامِ خداوندی آپ کے سامنے ہیں ہم نے وحی نازل کی ہے آپ کی طرف، قرآن کریم جو عربی زبان میں ہے تاکہ آپ ڈرائیں مکہ میں بسنے والوں کو، اور اس کے آس پاس رہنے والوں کو۔ اس مقام پر شہر مکہ کے لئے اُم القریٰ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، جس کے معنی ہیں: تمام بستیوں کی جڑ اور بنیاد۔ ابتداء میں کرۂ ارض مکمل پانی میں ڈوبا ہوا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے خانہ کعبہ کی جگہ پر خشکی کا ابھار پیدا کیا، پھر اسی کو پھیلا کر ساری زمین بنائی گئی۔ تفصیل سورۂ قریش میں دیکھیں۔

اور اُم القریٰ کی وجہ تسمیہ یہ بھی ہے کہ پورا سال ہر ملک اور تمام اطراف سے لوگ بڑی بیتابی کے ساتھ جمع ہوتے ہیں اور سکون حاصل کرتے ہیں، نیز یہ وجہ بھی ہے کہ دنیا کی آبادی میں سب سے پہلا گھر خانہ کعبہ ہے جو شہر مکہ اور پورے جہاں کی زینت و برکت ہے، جہاں تجلیات رحمانی کا ہر لحہ بکثرت نزول ہوتا ہے، روزانہ ایک سو بیس (۱۲۰) رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔

﴿وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾ قیامت کے اسی (۸۰) ناموں میں سے ایک نام یوم الجمع بھی ہے، فرمایا: تاکہ آپ یوم الجمع کے حساب و کتاب اور ہولناک پریشانیوں سے لوگوں کو ڈرائیں، جس دن کے وقوع میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں، اور وہاں پوری دنیاوی زندگی کے نتائج سامنے آئیں گے، تو:

﴿فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ﴾ ایک گروہ جنت میں جائے گا، اور ایک گروہ بھڑکتی ہوئی آگ (سعیر) میں جائے گا۔ ایک دفعہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: میرے دائیں ہاتھ میں ایک کتاب ہے جس میں تمام جنتیوں کے نام لکھے ہوئے ہیں جن میں کسی زیادتی کمی کا امکان نہیں، اور میرے بائیں ہاتھ میں جو کتاب ہے اس میں تمام دوزخیوں کے نام لکھے ہوئے ہیں جس میں کسی قسم کی زیادتی اور کمی نہیں ہوسکتی۔ [مشكوة، ترمذي، مظهري]

یہ مسئلہ تقدیر کا ہے، اور جنتی اور دوزخیوں کا فیصلہ بہت پہلے ہو چکا ہے جو جنتی لوگ ہیں وہ دنیاوی زندگی میں جنتی اعمال میں مصروف نظر آتے ہیں، اور دوزخی اعمال سے دور رہتے ہیں، اور جو لوگ دوزخی ہیں وہ کفر وشرک اور دیگر معاصی میں مشغول نظر آتے ہیں، اور اعمال صالحہ سے بہت دور رہتے ہیں، یہ ایک پہچان ہے۔

﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم سب لوگوں کو ایک ہی امت بنا دیتا، اور ان میں ایمان وکفر اور نیکی وبدی کا اور جنت ودوزخ کا بالکل اختلاف وفرق نہ ہوتا، مگر یہ ایک جبری حکم ہوتا جو اس کی حکمت کے خلاف ہوتا، اور انسانی اختیارات سلب ہو جاتے، اس کا یہ عام اعلان ہے: ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ [الکہف: ۲۹] (جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر اختیار کرے)۔ فرمایا:

﴿وَلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ﴾ بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اس کو اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے۔ ﴿وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ﴾ اور جو لوگ ظالم ہیں کافر ومشرک ہیں روز قیامت ان کا کوئی دوست اور کارساز نہ ہوگا، اور نہ مددگار۔ پہلا گروہ ہدایت والوں کا ہوگا، اور دوسرا گمراہوں کا ہوگا، یہ سارا فیصلہ یوم الجمع کے روز ہوگا۔ ﴿اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ﴾ کیا انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو مددگار بنا لیا ہے؟

﴿فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ﴾ حالانکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو مددگار وکارساز ہے، اور کوئی نہیں۔

﴿وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى﴾ اور وہی مردوں کو قیامت کے دن زندہ کرتا ہے، اور دنیا میں مردہ دلوں کو نور قرآن کی بدولت حیات بخشتا ہے۔ ﴿وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ اور وہی ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، پس صرف اسی کا بنو اور اسی کی عبادت کرو، اور اسی سے مانگو، اور خوب مانگو، ہر وقت مانگو، اور اس سے اس کو بھی مانگو جس سے کائنات کا ہر ذرہ ہر وقت مانگتا رہتا ہے۔ الحمد للہ

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّيْ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ڰ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ۝۱۰
فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا ۚ
يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ ۭ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝۱۱ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضِ ۚ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۱۲

ترجمہ: اور جس کسی چیز میں تم اختلاف کرو تو اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ ہی کے سپرد ہے، وہ اللہ تعالیٰ میرا ربّ ہے، میں نے اسی پر بھروسہ کیا، اور اسی کی طرف رجوع ہوتا ہوں ۝۱۰ وہ آسمانوں کا اور زمین کا پیدا فرمانے والا ہے، اس نے تمہارے نفسوں میں سے جوڑے بنائے، اور مویشیوں میں سے جوڑے بنائے، اور تمہیں رحمِ مادر میں پیدا

فرماتا ہے، اس جیسی کوئی چیز بھی نہیں ہے، وہ سننے والا، دیکھنے والا ہے⑪ اسی کے اختیار میں ہیں آسمانوں کی اور زمین کی کنجیاں، وہ رزق بڑھا دیتا ہے جس کے لئے چاہے، اور کم کر دیتا ہے، بیشک وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے⑫

معارف ومنازل

ان آیات میں اللہ تعالیٰ جل شانہ کی صفاتِ جلیلہ عظیمہ بیان فرمائی ہیں، پہلے تو یہ فرمایا کہ تم جن چیزوں میں اختلاف کرتے ہو انہیں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹا دو، یعنی اس کی کتاب جو فیصلہ دے اسے تسلیم کرو، اور اس کے مطابق عمل کرو، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ فرما دیں کہ اللہ تعالیٰ ہی میرا ربّ ہے، اسی پر میں نے بھروسہ کیا، اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ آگے مزید اس کی نعمتوں کا تذکرہ ہے:

﴿وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ﴾ اگر کسی چیز میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اس کا حکم یعنی فیصلہ اللہ تعالیٰ کی طرف سونپ دینا چاہئے، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک بہت بڑا اہم اصول ہے، اگر لوگ اجتماعی یا انفرادی، شہری اور ملکی نیز گھریلو تمام معاملات میں اس پر عمل پیرا ہوں تو تمام دینی اور دنیاوی عقدے خوش اسلوبی سے حل ہوں گے، اور تمام مصائب سے نجات پائیں گے، اور ان کا معاشرہ جنت نظیر بن جائے گا۔ آج پورے عالمِ اسلام میں جو چپقلش اور نا مساعد حالات کا انبار لگا ہوا ہے اس کی پہلی اور بڑی وجہ یہی ہے کہ ہم اپنے ربّ پر ایمان لانے کے باوجود خودسری میں مبتلا ہیں، اور قرآن حکیم کے احکام سے میلوں دور ہیں۔

آج نام نہاد مسلمان محض یہ نہیں کہ قرآن سے بے خبر ہے، بلکہ برملا اقرار کرتے ہوئے قرآن کا منکر ہے، اور قرآنی فیصلے کو ماننے کے لئے تیار نہیں۔ عیسائیوں اور یہودیوں اور ابلیسی قوتوں نے جو کالا قانون بنایا ہے اسی پر چل رہا ہے، تب ہی تو قرآن نے ایسوں کو کافر، فاسق اور ظالم قرار دیدیا۔ [المائدة]

﴿ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبِّي عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ﴾ یہ ہے اللہ تعالیٰ، میرا پروردگار، میں تو اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

﴿فَاطِرُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا﴾ اس نے بنائے ہیں تمہارے لئے تمہارے نفسوں میں سے جوڑے تاکہ ان سے راحت وسکون اور محبت حاصل کرو۔ ﴿وَمِنَ الْأَنْعَامِ أَزْوَاجًا﴾ اور جانوروں کے لئے بھی جوڑے جوڑے بنائے تاکہ سلسلہ تناسل وتوالد جاری رہے، اور:

﴿يَذْرَؤُكُمْ فِيهِ﴾ اوراس میں تم کو پھیلاتا ہے۔فیہ کی ضمیر زمین کی طرف راجع ہے باعتبار تضمین معنی مقام کے۔سورۂ ملک میں ارشاد ہے: ﴿هُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ﴾[الملک:۲۴](وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلایا)۔اور مشاہدہ اس پر واضح دلیل ہے کہ انسانوں اور جانوروں کا مستقر اور پھیلاو زمین پر ہے۔

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ اس کی مثل کوئی چیز نہیں، وہ بے مثل اور بے مثال ہے، اس وسیع وعریض کائنات میں کوئی ایسی چیز نہیں جس کی کوئی شکل وصورت اور ساخت نہ ہو، مگر ربّ العزّت ان تمام چیزوں سے پاک ہے، اور اس کا وجود حقیقی ہے، وہ ہمیشہ سے ہے جس کی کوئی ابتداء نہیں، اور ہمیشہ رہے گا جس کی کوئی انتہاء نہیں، وہ اپنی ذات و صفات میں تنہا اور یکتا ہے، بے مثال ہے، اس کی ذات کی طرح کوئی ذات نہیں، اور اس کی صفات کی طرح کسی کی صفات نہیں، وہ ذات وصفات دونوں میں واحد ویکتا ہے، وہ ہر تشبیہ ونمونہ ومثال سے بلند وبالا ہے، وہ لامکان ہے، اور تمام جہات سے منزہ ہے، وہ کسی فکر اور غور وتصور سے باہر ہے، اس کی صفات، قدرت، مخلوقات اور مصنوعات میں غور وفکر کرنا بہتر اور اقرب الی الصواب ہے، مگر اس کی ذات میں یہ غور وفکر حرام اور موجب گمراہی ہے، اس لئے کہ اس کی ذات ہر طرح سمجھ سے بالاتر ہے۔﴿وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ وہی ہے ہر چیز کا سننے والا اور دیکھنے والا۔

﴿لَهُ مَقَالِيدُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ﴾ آسمان اور زمین اور درمیانی فضاؤں کی دولتوں نعمتوں اور خزانوں کی تمام کنجیاں اسی کی ملکیت اور اختیار میں ہیں۔﴿يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ﴾ کشادہ اور فراخ کرتا ہے روزی جس کی چاہے، اور تنگ کر دیتا ہے جس کی چاہے، یہی حال اولاد، عزّت اور دیگر چیزوں کا بھی ہے، وہ اپنی حکمت کے مطابق دیتا بھی ہے، اور روکتا بھی ہے۔

﴿إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ بیشک وہی ہے ہر چیز کا جاننے والا۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ؕ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ﴿۱۳﴾ وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ

بَيْنَهُمْ ۚ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے وہی دین مشروع فرمایا ہے جس کی اس نے نوح کو وصیت فرمائی، اور جس کو ہم نے آپ کی طرف وحی کے ذریعے بھیجا، اور ہم نے جس کی وصیت کی ابراہیم کو اور موسیٰ کو اور عیسیٰ کو کہ تم دین کو قائم کرو، اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو۔ مشرکین کو وہ بات گراں گزرتی ہے جس کی طرف آپ انہیں بلاتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اسے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے، اور جو شخص رجوع کرتا ہے اسے اپنی طرف ہدایت دے دیتا ہے ﴿۱۳﴾ اور یہ لوگ متفرق نہیں ہوئے مگر ضدا ضدی میں اپنے درمیان علم آجانے کے بعد، اور اگر آپ کے ربّ کی طرف سے وقت معین تک ایک بات پہلے سے طے شدہ نہ ہوتی تو ان کے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا، اور بلاشبہ ان کے بعد جنہیں کتاب دی گئی وہ اس کی طرف سے شک میں پڑے ہیں جو تردد میں ڈالنے والا ہے ﴿۱۴﴾

معارف ومنازل

اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی مکمل اطاعت اور اس کے رسولوں اور کتابوں اور فرشتوں اور قیامت کے دن پر اور تقدیر پر ایمان لانا، یہ اصل دین ہے، اور یہی تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا دین ہے، ان امور پر متفق ہوتے ہوئے مسائلِ فرعیہ متعلقہ عبادات اور معاشرت اور معاملات وغیرہ میں اختلاف رہا ہے، اس بات کو بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ہم نے تمہارے لئے اسی دین کو مشروع یعنی مقرر فرمایا جس کی حضرت نوح علیہ السلام کو وصیت کی، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کو وصیت کی، اور یہی دین آپ خاتم الانبیاء ﷺ کی طرف وحی کے ذریعے بھیجا، اسی دین کو قائم رکھو، اسی دین کی انبیاء کرام علیہم السلام دعوت دیتے رہے حتی کہ خاتم الانبیاء ﷺ کی تشریف آوری ہوئی، اللہ تعالیٰ نے آپ کو دین کامل عطا فرمایا ہے جو کہ تمام ادیان وشرائع اور انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کا جامع ہے۔ فرمایا:

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا﴾ اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیا ہے تمہارے لئے وہی دین جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو کیا تھا۔ ﴿وَالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ﴾ یہ وہی دین ہے جس کی وحی ہم نے آپ کو بھیجی۔ ﴿وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى﴾ جس کا ہم نے حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کو حکم دیا تھا اور تاکید کی تھی، آپ اور ان چاروں اولوالعزم پیغمبروں علیہم السلام کو یہی تاکیدی

حکم دیدیا کہ تم سب:

﴿اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ﴾ اللہ تعالیٰ کا یہ دین قائم رکھو، اور اس میں اختلاف نہ کرو، اور تفرقہ نہ ڈالو۔ تفریق کا معنی یہ ہے کہ دین کے کسی اصول کو مان لے اور کسی کو نہ مانے، یا کسی نبی کی نبوت کو مانے اور کسی کی نبوت کا انکار کرے، بلکہ بلاتفریق تمام اصول دین اور تمام انبیاء علیہم السلام پر ایک جیسے ایمان لانا فرض ہے۔ البتہ اطاعت صرف سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت و احکام اور سنت کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور تفرقہ میں یہ بھی شامل ہے کہ احکامِ شرعیہ میں جمہور علماء اہل حق کے خلاف فتویٰ دینا اور مسائل میں تاویل کرنا جیسے اہل بدعت و باطل فرقوں کا غلط طریقہ ہے جو کہ شیطان سے سبق سیکھ کر اسلامی اور اجماعی مسائل میں اختلاف کرتے ہیں۔

﴿كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ﴾ مگر مشرکین پر دعوت توحید بہت گران اور ناگوار ہوتی ہے، آپ انہیں جس پاکیزہ دین کی طرف دعوت دیتے ہیں، وہ اپنے خبث باطن کی وجہ سے بہتر نہیں سمجھتے ہیں، اور بہت ہی ناپسند کرتے ہیں۔ دراصل بات یہ ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ چاہتا ہی نہیں۔

﴿اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ﴾ اللہ تعالیٰ چن لیتا ہے اور کھینچ کر لے آتا ہے اپنی طرف جس کو چاہتا ہے، اور اپنی طرف راہنمائی کرتا ہے اس کو جو اس کی طرف رجوع رکھتا ہے، یعنی اس میں ہدایت کی طلب اور جذبہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ تا نگرید کودک حلوا فروش رحمت حق در نمی آید بجوش۔ پس جو شخص محتاج ہو کر ہدایت و تقویٰ کا طلبگار ہو گا وہ قربِ ایزدی کے انوار و برکات سے مستفید ہو گا، اور جو عنایات رحمانی سے مستغنی رہے گا وہ ابلیس کا شکار ہو گا۔

﴿وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ﴾ ان گمراہ لوگوں نے نہیں تفرقہ کیا مگر بعد اس کے کہ ان کے پاس علم آگیا اپنے درمیان سرکشی کرتے ہوئے۔ یہاں روئے سخن اگرچہ اہل کتاب یہود و نصاریٰ کی طرف ہے جو بہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئے تھے مگر یہ حکم قیامت تک آنے والی اس آخری خیرامت کے بدنصیب ان بہتر (۷۲) باطل فرقوں کو بھی شامل ہے، صرف ایک فرقہ سعیدہ رشیدہ اور ناجیہ اس تفرقہ سے اور جہنمی فرقوں کی فہرست سے مستثنیٰ ہے، اور یہ خوش قسمت علماء دیوبند ہی تو ہیں۔

﴿وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ﴾ اگر تیرے پروردگار کی طرف سے پہلے سے ایک طے شدہ بات نہ ہوتی تو ایک مقررہ وقت تک ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا، اور طے شدہ

بات یہ ہے کہ ہر چیز کا قطعی اور آخری فیصلہ قیامت کے دن ہوگا، کیونکہ دنیا دار العمل ہے، البتہ کبھی کوئی جزئی فیصلہ دنیا میں بھی ہوسکتا ہے، مگر بڑے فیصلے آخرت میں ہوں گے۔

﴿وَاِنَّ الَّذِیْنَ اُوْرِثُوا الْکِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِیْبٍ﴾ اور بیشک ان گزشتہ امتوں کے بعد اب جن لوگوں کو کتاب الٰہی کا وارث بنایا گیا یعنی وہ سرور عالم ﷺ کے زمانہ کے مشرکین جنہیں یہود و نصاریٰ کے بعد قرآن حکیم ورثہ میں ملا، وہ البتہ تردد انگیز شک میں پڑے ہیں۔

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَاۤ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ؕ لَنَاۤ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ؕ لَا حُجَّةَ بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ یَجْمَعُ بَیْنَنَا ۚ وَاِلَیْهِ الْمَصِیْرُ ﴿۱۵﴾ وَالَّذِیْنَ یُحَآجُّوْنَ فِی اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِیْبَ لَهٗ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَیْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ﴿۱۶﴾

ترجمہ: سو آپ اسی کی طرف بلائیے، اور جیسا کہ آپ کو حکم ہوا ہے مستقیم رہئے، اور ان کی خواہشوں کا اتباع نہ کیجئے، اور آپ فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کتابیں نازل فرمائی ہیں میں ان سب پر ایمان لایا، اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے درمیان عدل رکھوں، اللہ تعالیٰ ہمارا ربّ ہے، اور تمہارا ربّ ہے، ہمارے لئے ہمارے اعمال اور تمہارے لئے تمہارے اعمال ہیں، ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی حجت بازی نہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں جمع فرمائے گا، اسی کی طرف جانا ہے ﴿۱۵﴾ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑتے ہیں اس کے بعد کہ اس کی دعوت کو مان لیا گیا ہے ان کی حجت ان کے ربّ کے نزدیک باطل ہے، اور ان پر غضب اور ان کے لئے سخت عذاب ہے ﴿۱۶﴾

معارف ومنازل

چونکہ اہل کتاب نے ضد اور عناد کی وجہ سے دین میں تفرقہ پیدا کیا تھا تو انہیں پوری استقامت کے ساتھ دین اور توحید کی طرف دعوت دیں۔ ﴿فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَاۤ اُمِرْتَ﴾ پس دین اور توحید کی طرف اہل کتاب اور مشرکین کو دعوت دیں، جس طرح آپ سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام نے دعوت دی ہے، اس سلسلے میں آپ مکمل استقامت اختیار کریں جیسے آپ کو حکم ہوا ہے۔ استقامت کا مطلب یہی ہے کہ تبلیغ دین میں جو مصائب

آئیں گے انہیں برداشت کر کے صبر جمیل پر کاربند رہنا ہوگا، اور تمام مشکلات پر ثابت قدمی کا ثبوت دینا ہوگا۔

﴿وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ﴾ آپ ان مخالفین کی خواہشات کی پیروی نہ کریں، اور ان کی باتیں نہ مانیں، اگر وہ کوئی لالچ اور پیشکش کا مظاہرہ کریں تو آپ انہیں صاف جواب دیں اور مستغنی رہیں۔ ﴿وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ﴾ آپ کہہ دیں کہ میں ایمان لایا ہوں اس کتاب پر جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی، اور میں اس کے احکام و فرمودات کا مبلغ ہوں، مجھے حکم ہے کہ اس کے حکموں کو تم پر اور سارے جہاں والوں پر واضح کرلوں، اور تمہارے اختلافات کا پورے عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرلوں۔

﴿وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ﴾ مجھے یہی حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے درمیان انصاف کروں، اور میرے ساتھ جو تمہارا اختلاف چل رہا ہے اس کا بھی انصاف کے ساتھ فیصلہ کر کے تمہیں ایمان کی دعوت دوں، اور جہنم کے عذاب سے تمہیں نجات دلاؤں، اس کی صورت یہ ہے: ﴿اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ؕ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ؕ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ﴾ ہمارا اور تمہارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہی ہے، جیسے فرمایا: ﴿اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ آؤ اس عقیدہ پر ہمارے ساتھ اتفاق کر کے توحید کا اقرار کرو، پھر ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لئے۔

مگر یادرکھو! ہمارے اعمال اللہ تعالیٰ کے حکموں کے مطابق شرعی ہیں، اور موجب نجات بھی، جبکہ تمہارے اعمال غیر شرعی ہیں، اور موجب ہلاکت ہیں، لہٰذا تم ایمان لاکر ہمارے اعمال اختیار کرلو، جس کا نتیجہ یہی ہوگا کہ تم ہر عذاب سے نجات پاؤ گے، چنانچہ فرمایا کہ ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی حجت (متنازعہ بات) نہیں ہے۔

﴿لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ﴾ مطلب یہ ہے کہ ہمارا تمہارا کوئی جھگڑا نہیں، کوئی بحث نہیں، ہمارے اعمال سے تم کو ضرر نہیں پہنچے گا، اور تمہارے اعمال سے ہمارا کچھ بھی نقصان نہیں ہوگا، ہم محض خیر خواہی کے طور پر تم کو اسلام کی دعوت دے رہے ہیں، خصومت اور عداوت کی کوئی وجہ نہیں۔

﴿اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا﴾ قیامت کے روز ہم اور تم سب کو اللہ تعالیٰ اکٹھا کرے گا اور فیصلہ فرمائے گا، تب پتہ چلے گا کہ کون حق پر تھا اور کون باطل پر۔ ﴿وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ﴾ سب کو اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے اور حساب دینا ہے۔ ﴿وَالَّذِيْنَ يُحَآجُّوْنَ فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ﴾ اور وہ لوگ جو خدا کے دین اور قیامت اور دیگر اصول دین میں حجت بازی اور جھگڑا کرتے ہیں بعد اس کے اللہ تعالیٰ کی بات کو قبول کرلیا گیا ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ کی

توحید پر ایمان لاچکے ہیں، اس کے باوجود کچھ لوگ مسلسل انکار کررہے ہیں۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی نے جو توحید کی دعوت دی بہت سے عقلمندوں نے اس کو قبول کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات دیکھ کر وہ لوگ دین اسلام میں داخل ہوگئے، یہ ہے معنیٰ:

﴿اسْتُجِيْبَ لَهٗ﴾ کا اب معاندین کو بھی غور کرنا چاہئے اور ایمان لانا چاہئے، اور حجت بازی ترک کرنا چاہئے، اور سوچنا چاہئے کہ جن لوگون نے توحید کی دعوت قبول کرلی ہے وہ کوئی دیوانے تونہیں، لہٰذا جھگڑا کرنے والے ان لوگوں کی دلیلیں غلط اور باطل ہیں، فرمایا: ﴿حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ ان کی دلیل ان کے پروردگار کے نزدیک لغو اور بے بنیاد ہے، اور ان کے پاس کوئی دلیل ہے ہی نہیں، محض اتباع نفس وشیطان ہے، تو یہ بڑے مجرم ہوئے اور جھوٹے ثابت ہوئے۔ ﴿وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ﴾ ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب اور ناراضگی ہے، اور ان کے لئے سخت عذاب ہے، یہ غضب وعذاب شدید اہل کتاب اور مشرکین سب کے لئے ہے، کیونکہ دونوں کٹ حجتی میں برابر کے شریک ہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ ۭ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ ﴿۱۷﴾
يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَيَعْلَمُوْنَ
اَنَّهَا الْحَقُّ ۭ اَلَآ اِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ فِي السَّاعَةِ لَفِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۱۸﴾ اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ
يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿۱۹﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے حق کے ساتھ کتاب کو اور میزان کو نازل فرمایا، اور آپ کو کیا پتہ ہے عجب نہیں کہ قیامت قریب ہو ﴿۱۷﴾ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ اس کے جلدی آنے کا تقاضہ کرتے ہیں، اور جو لوگ ایمان لائے وہ اس سے ڈرتے ہیں، اور وہ جانتے ہیں کہ وہ حق ہے، خبردار! اس میں شک نہیں کہ جو لوگ قیامت کے بارے میں شک کرتے ہیں وہ دور کی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں ﴿۱۸﴾ اللہ تعالیٰ جل شانہ بندوں پر مہربان ہے، وہ رزق دیتا ہے جسے چاہے، اور وہ قوی ہے، عزیز ہے ﴿۱۹﴾

معارف ومنازل

﴿اَللّٰهُ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِیْزَانَ﴾ اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے حق کے ساتھ کتابیں نازل فرمائیں، اور میزان کو نازل فرمایا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اور اکثر مفسرین نے فرمایا کہ میزان سے عدل اور انصاف مراد ہے، کیونکہ میزان یعنی ترازو عدل وانصاف کا آلہ ہے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے جزا وسزا مراد ہے، یعنی طاعت پر جو ثواب ملے گا اور معصیت پر جو عذاب ہوگا اسے میزان سے تعبیر فرمایا۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ میزان سے ترازو ہی مراد ہے، کیونکہ اس کے ذریعے وزن کیا جاتا ہے، اور کمی بیشی معلوم کی جاتی ہے۔ [أنوار البیان]

﴿وَمَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِیْبٌ﴾ اور آپ کو کیا خبر عجب نہیں کہ قیامت قریب ہو۔ اس میں بظاہر حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب ہے، لیکن درحقیقت ہر مکلّف اس کا مخاطب ہے، ہر شخص کو فکر مند ہونا چاہئے کہ قیامت کے آنے پر میرا کیا بنے گا، جب عقائد واعمال کا حساب ہوگا تو میرا شمار کن لوگوں میں ہوگا، قیامت کی تاریخ نہیں، معلوم مگر اس کی آمد اچانک اور یقینی ہے، لہٰذا ہر وقت اس کی تیاری میں رہنا ضروری ہے۔

﴿یَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ﴾ عجیب بات ہے جو لوگ قیامت پر ایمان نہیں لاتے وہ قیامت آنے کی جلدی مچاتے ہیں، چونکہ اس کے آنے کا یقین نہیں ہے، اس لئے بار بار یوں کہتے ہیں کہ وہ قیامت کیوں جلدی نہیں آتی؟ اس کو جلدی آنا چاہئے، آپ اسے جلدی کیوں نہیں لاتے؟ وغیرہ، اور جو لوگ ایمان لائے وہ وقوعِ قیامت سے خوفزدہ ہیں ڈرتے ہیں، اور وہ جانتے ہیں کہ وہ حق ہے، اور نہایت ہی ہولناک اور پریشان کن ہے۔

﴿اَلَآ اِنَّ الَّذِیْنَ یُمَارُوْنَ فِی السَّاعَةِ لَفِیْ ضَلٰلٍۭ بَعِیْدٍ﴾ خبردار! جو لوگ شک کرتے ہیں قیامت کے بارے میں وہ دور کی گمراہی میں ہیں، وہ دلائل کے باوجود انکار کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے:

﴿اَللّٰهُ لَطِیْفٌۢ بِعِبَادِهٖ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ﴾ اللہ تعالیٰ شانہ اپنے بندوں پر مہربان ہے، وہ رزق دیتا ہے جسے چاہتا ہے، اور وہ قوی ہے، عزیز ہے۔ اس آیت کریمہ میں یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے، وہ جسے

چاہتا ہے رزق دیتا ہے، رزق وروزی، مال واقتدار عزّت وشرف تندرستی اور صحت، شکل وحسن صورت طویل عمر اور اولاد وغیرہ چیزوں کے عطا کرنے میں مومن وکافر فاسق وفاجر اور متقی وپرہیزگار سب یکساں برابر ہیں، اور بسا اوقات رحمت وکرم کا سایہ دشمنوں پر وسیع اور گہرا ہوتا ہے، البتہ یہ معاملہ آخرت میں نہیں ہوگا، وہاں انعامات کا حقدار صرف مؤمن ہی ہوگا۔ علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے لطیف کی تشریح کرتے ہوئے آٹھ دس معانی لکھے ہیں: ایک یہ کہ وہ تھوڑے عمل پر بہت ثواب دیتا ہے، ایک یہ کہ طاقت سے زیادہ اعمال کا مکلف نہیں بنایا، ایک یہ کہ سوال رد نہیں فرماتا، ایک یہ کہ معذرت قبول کرتا ہے، ایک یہ کہ بندوں کے عیوب پر پردہ ڈالتا ہے، وغیرہ۔

ایک مجرّب عمل:

اگر کسی کو کوئی سخت حاجت درپیش ہو تو عشاء کے بعد دو رکعت نمازِ حاجت ادا کرے، سلام کے بعد اول وآخر گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف پڑھے، درمیان میں سولہ ہزار چھ سو اکتالیس مرتبہ "یا لطیف" پڑھے، یہ عمل تین روز جاری رکھے، ہر حاجت کے لئے مجرّب ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ﴿۲۰﴾ اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾ تَرَى الظّٰلِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا كَسَبُوْا وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا يَشَاۗءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿۲۲﴾ ذٰلِكَ الَّذِيْ يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ قُلْ لَّآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ۭ وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۲۳﴾

ترجمہ: جو شخص آخرت کی کھیتی کا ارادہ کرتا ہے ہم اس کے لئے اس کی کھیتی میں اضافہ کردیں گے، اور جو شخص دنیا کی کھیتی کا ارادہ کرتا ہے ہم اس میں سے اسے دے دیں گے، اور آخرت میں اس کے لئے کوئی حصہ نہیں ﴿۲۰﴾ کیا ان کے لئے شرکاء ہیں جنہوں نے ان کے لئے دین میں وہ چیزیں مشروع کردی ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے اجازت

نہیں دی، اگر فیصلہ کی بات طے شدہ نہ ہوتی تو ان کے درمیان فیصلہ کردیا جاتا، اور بلاشبہ ظالموں کے لئے دردناک عذاب ہے (۲۱) آپ ظالموں کو دیکھیں گے کہ وہ اپنے اعمال کی وجہ سے ڈر رہے ہوں گے، حالانکہ وہ ان پر واقع ہوکر رہے گا، اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے وہ جنتوں کے باغیچوں میں ہوں گے، وہ جو کچھ چاہیں گے ان کے لئے ان کے ربّ کے پاس وہ سب کچھ ہوگا، یہ بڑا فضل ہے (۲۲) یہ وہی ہے جس کی بشارت اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دیتا ہے، جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے، آپ فرما دیجئے کہ میں اس پر تم سے کسی عوض کا سوال نہیں کرتا بجز رشتہ داری کی محبت کے، اور جو کوئی شخص کوئی نیکی کرے گا ہم اس کے لئے زیادہ خوبی کردیں گے، اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا قدرداں ہے (۲۳)

معارف ومنازل

اس فانی دنیا میں جو بھی آتا ہے وہ اپنا وقت تو بہرحال پورا کرتا ہے، اور دورانِ زندگی محنت بھی کرتا ہے، مگر آگے ان میں دو گروہ پیدا ہوجاتے ہیں: ایک گروہ وہ ہے جو آخرت کے لئے محنت کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے حکموں پر چلتا ہے، وہ یہی سوچتا اور عقیدہ رکھتا ہے کہ اس محنت اور جدوجہد کا بدلہ اسے آخرت میں مل جائے گا، ایسے ہی لوگوں کے متعلق فرمایا:

﴿مَنۡ کَانَ یُرِیۡدُ حَرۡثَ الۡاٰخِرَۃِ نَزِدۡ لَہٗ فِیۡ حَرۡثِہٖ﴾ کہ جو شخص آخرت کی کھیتی چاہتا ہے ہم اس کے لئے اس کی کھیتی میں اور کھیتی کے پھلوں میں اضافہ کردیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا یہ عام قانون ہے کہ نیکی کرنے والے شخص کو ہر نیکی کا بدلہ کم از کم دس گنا ملتا ہے۔ ﴿مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَۃِ فَلَہٗ عَشۡرُ اَمۡثَالِہَا﴾ [الأنعام: ۱۶۰] (جو شخص کوئی نیکی لے کر آئے گا اس کے لیے اس جیسی دس نیکوں کا ثواب ہے)۔ مگر زیادہ کا وعدہ بھی ہے جس کی تحدید نہیں، اللہ تعالیٰ چاہے اپنے کرم سے لاکھوں اور کروڑوں بدلہ عطا فرمادے، اور یہی اس کی شان ہے۔ آگے دوسرے گروہ کے متعلق فرمایا:

﴿وَمَنۡ کَانَ یُرِیۡدُ حَرۡثَ الدُّنۡیَا نُؤۡتِہٖ مِنۡہَا وَمَا لَہٗ فِی الۡاٰخِرَۃِ مِنۡ نَّصِیۡبٍ﴾ اور جو شخص دنیا کی کھیتی کا طلبگار رہے اس کا کرتا دھرتا صرف دنیا کے لئے ہے، اور آخرت اس کے دل میں ہے نہیں کہ وہ اسے یاد کرے، تو ہم اس کو اسی دنیا میں کچھ دیدیتے ہیں، اور طرح طرح کی نعمتوں سے مالا مال کرتے ہیں، مگر آخرت میں

اس کے لئے کچھ بھی نہ ہوگا۔ ﴿اَمۡ لَهُمۡ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوۡا لَهُمۡ مِّنَ الدِّيۡنِ مَا لَمۡ يَاۡذَنۡۢ بِهِ اللّٰهُ﴾ کیا ان کے کوئی شریک ہیں (خدائی میں) جنہوں نے ان کے لئے ایسا دین مقرر کر رکھا ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی ہے؟ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دین صرف اسلام ہے، باقی سارے ادیان ابلیس اور اس کے حواریوں کے خودساختہ اور منگھڑت اور بے بنیاد ہیں، ایسے باطل ادیان کی اجازت اللہ تعالیٰ شانہ نے نہیں دی ہے، اور نہ ہی وہ اس قابل ہیں کہ ان کو دین کہا جائے۔

﴿وَلَوۡلَا كَلِمَةُ الۡفَصۡلِ لَقُضِىَ بَيۡنَهُمۡ﴾ اگر پہلے سے ایک طے شدہ بات نہ ہوتی تو ان کے درمیان فوری فیصلہ کر دیا جاتا، وہ فیصلہ شدہ بات یہ ہے کہ قیامت آنے سے پہلے پوری سزا مجرموں کو نہیں دی جاتی، اور فیصلے قیامت کو ہوں گے، یہ بات اس امت کے افراد اور امتِ دعوت کے ہی متعلق ہے، ورنہ بہت سی بڑی بڑی اقوام کو قیامت سے پہلے اسی دنیا میں وہ وہ سخت سزائیں ملیں جن سے وہ صفحہ ہستی سے مٹ گئیں، جیسے قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود وغیرہ۔ ﴿وَاِنَّ الظّٰلِمِيۡنَ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ﴾ بلاشبہ ظالموں یعنی مشرکوں کے لئے قیامت میں دردناک عذاب ہے۔

﴿تَرَى الظّٰلِمِيۡنَ مُشۡفِقِيۡنَ مِمَّا كَسَبُوۡا وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمۡ﴾ ان ظالموں کو دیکھیں گے (قیامت کے دن) کہ وہ اپنے کئے ہوئے برے اعمال سے ڈر رہے ہوں گے، مگر ان کے شرک ومعاصی کا وبال ان پر پڑ کر رہے گا، ان کے لئے نجات کی کوئی صورت ممکن نہ ہوگی، اور وہ بچ نہیں سکیں گے۔ ﴿وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِىۡ رَوۡضٰتِ الۡجَـنّٰتِ ۚ لَهُمۡ مَّا يَشَآءُوۡنَ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے وہ جنتوں کے باغیچوں میں ہوں گے، ان کو اپنے ربّ کے پاس وہ سب کچھ ملے گا جس کے وہ خواہشمند ہوں گے، جن لوگوں نے دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اپنی خواہشات کو پامال کیا آج ان کی ہر خواہش محض ارادے کے ساتھ پوری ہوگی۔

﴿ذٰلِكَ هُوَ الۡفَضۡلُ الۡكَبِيۡرُ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہوگا۔ ﴿ذٰلِكَ الَّذِىۡ يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ یہ وہ فوز وفلاح ہے جس کی خوشخبری اللہ تعالیٰ اپنے ایمان والے اور نیک عمل والے بندوں کو دیتا ہے کہ انہیں جنت اور اس کی دائمی راحتیں ہر وقت مہیا رہیں گی۔

﴿قُلۡ لَّاۤ اَسۡـئَلُكُمۡ عَلَيۡهِ اَجۡرًا اِلَّا الۡمَوَدَّةَ فِى الۡقُرۡبٰى﴾ یعنی تم سے کوئی اجر نہیں چاہتا مگر ''قربیٰ'' کی

محبت ضرور چاہتا ہوں۔ اس لفظ ''قربیٰ'' کی تفسیر میں مفسرین حضرات کے درمیان بڑا اختلاف واقع ہو گیا، اور جو مشہور و معتبر اقوال ہیں وہ تین ہیں، ہم تینوں کو افادہ واستفادہ کی خاطر بیان کرتے ہیں، پھر تیسرے قول کی خامیوں کا بھی ذکر کرتے ہیں، اور اسے ساقط قرار دیتے ہیں کہ وہ صحیح نہیں ہے۔

پہلا قول:

اس کو قرابت اور رشتہ داری کے معنی میں لیا گیا ہے، تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ: ''میں تم سے اس کام پر کوئی اجر نہیں چاہتا، مگر یہ ضرور چاہتا ہوں کہ تم لوگ یعنی اہل قریش کم از کم اس رشتہ داری کا تو لحاظ کرو جو میرے اور تمہارے درمیان ہے''، چاہئے تو یہ تھا کہ تم میری بات مان لیتے، لیکن اگر تم نہیں مانتے تو یہ ستم نہ کرو کہ سارے عرب میں سب سے بڑھ کر تم ہی میری دشمنی پر جم گئے ہو۔ یہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر ہے جسے بکثرت راویوں کے حوالہ سے امام احمد، بخاری، مسلم، ترمذی، ابن جریر، طبرانی، بیہقی اور ابن سعد رحمۃ اللہ علیہم وغیرہم نے نقل کیا ہے، اور یہی تفسیر مجاہد، عکرمہ، قتادہ، سدی، عبدالرحمن بن زید، ابو مالک عطاء اور دوسرے اکابر مفسرین رحمۃ اللہ علیہم نے بیان کی ہے۔

دوسرا قول:

یہ گروہ ''قربیٰ'' کو قرب اور تقرب کے معنی میں لیتا ہے، اور آیت کا مطلب یہ بیان کرتا ہے کہ میں تم سے اس کام پر کوئی اجر اس کے سوا نہیں چاہتا کہ تمہارے اندر اللہ تعالیٰ کے قرب کی چاہت اور طلب پیدا ہو جائے، یعنی اللہ تعالیٰ کا قرب چاہو اور حاصل کرو، بس یہی میرا مدعا و مقصد ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بخوشی ایمان قبول کرو۔ یہ تفسیر حضرت حسن بصریؒ سے منقول ہے، اور ایک قول قتادہؒ کا بھی ہے، بلکہ طبرانی کی ایک روایت میں ابن عباسؓ کی طرف بھی یہ قول منسوب کیا گیا ہے۔ خود قرآن مجید میں ایک دوسرے مقام پر یہی مضمون ان الفاظ میں ارشاد ہوا ہے:
﴿قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا﴾ [الفرقان:۵۷] (ان سے کہہ دو کہ میں اس کام پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا، میری اجرت بس یہی ہے کہ جس کا جی چاہے وہ اپنے ربّ کا راستہ اختیار کرے) یہ معنی کتنا واضح ہے، اور قرآن کی ایک آیت جو دوسری آیت کی تفسیر کرتی ہے، بالکل یہ اسی کا مقصداق اور نمونہ ہے۔

تیسرا قول:

ایک تیسرے گروہ کی طرف منسوب ہے، یہ گروہ ''قربیٰ'' کو اقارب خاندان (رشتہ داروں) کے معنی میں

لیتا ہے، اور آیت کا معنی یہ بیان کرتا ہے کہ میں تم سے اس کام پر کوئی اجر اس کے سوا نہیں چاہتا کہ تم میرے اقارب سے محبت کرو۔ پھر اس گروہ کے بعض حضرات اقارب سے تمام بنی عبد المطلب مراد لیتے ہیں، اور بعض اسے صرف حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم تک محدود رکھتے ہیں۔ یہ تفسیر سعید بن جبیر اور عمرو بن شعیبؒ سے منقول ہے۔ اور بعض روایات میں یہی تفسیر حضرت ابن عباسؓ اور حضرت علی بن حسین (امام زین العابدین) کی طرف بھی منسوب کی گئی، اور شیعہ روافض نے اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے، یعنی دوم شق کے اعتبار سے جو خاص ہے۔

لیکن متعدد وجوہ سے یہ تفسیر کسی طرح بھی قابل قبول نہیں ہوسکتی: اول تو جس وقت مکہ مکرمہ میں سورۂ شوریٰ نازل ہوئی ہے اس وقت حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کی شادی تک نہیں ہوئی تھی اولاد کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اور بنی عبد المطلب میں سب کے سب آنحضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ نہیں دے رہے تھے، بلکہ ان میں سے بعض کھلم کھلا دشمنوں کے ساتھی تھے، اور ابولہب کی عداوت کو تو ساری دنیا جانتی ہے۔

دوسرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رشتہ دار صرف بنی عبد المطلب ہی نہ تھے، آپ کی والدہ ماجدہ کے والد ماجد اور آپ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے واسطے سے قریش کے تمام گھرانوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رشتہ داریاں تھیں، اور ان سب گھرانوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہترین صحابی تھے، اور بدترین دشمن بھی تھے، آخر حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے یہ کس طرح ممکن تھا کہ ان سب اقرباء میں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف بنی عبد المطلب کو اپنا رشتہ دار قرار دے کر اس مطالبہ محبت کو انہی کے لئے مخصوص رکھتے۔

تیسری بات جو ان سب سے زیادہ اہم ہے وہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک بلند مقام پر کھڑے ہو کر دعوت الی اللہ کی پکار کو بلند کرتے ہیں، اس مقام سے اس کارِ عظیم پر یہ اجر مانگنا اور طلب کرنا کہ تم میرے رشتہ داروں سے محبت کرو یہ بہت ہی کمزور بات ہے، کوئی صاحب ذوق سلیم اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو یہ بات سکھائی ہوگی، اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کے لوگوں میں کھڑے ہو کر یہ بات کہی ہوگی۔ قرآن مجید میں بکثرت اور متعدد مقامات میں انبیاء علیہم السلام کے جو قصے آئے ہیں ان میں صراحتاً موجود ہے کہ ہر نبی اپنی قوم سے بار بار یہی کہتا رہا کہ میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر تو اللہ رب العٰلمین کے ذمہ ہے، اور سورۂ یٰس میں نبی کی صداقت جانچنے کا معیار بتایا گیا ہے کہ وہ اپنی دعوت میں مکمل طور پر بے غرض ہوتا ہے، فرمایا: ﴿اتَّبِعُوا مَنْ لَّا يَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّ

هُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ [یس:۲۱] (پیروی کرو ان لوگوں کی جو نہیں مانگتے تم سے کوئی معاوضہ، اور ہدایت یافتہ ہیں)۔

صاحب مظہری نے لکھا ہے کہ ابن ابی حاتم، طبرانی اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا گیا: یارسول اللہ! آپ کے قرابت داروں سے کون لوگ مراد ہیں؟ فرمایا: علی اور فاطمہ اور ان کی اولاد۔ صاحب مظہری فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے، اس میں حسین اشعری راوی پکا شیعہ ہے، لہٰذا یہ حدیث ہی نہیں۔ اس روایت پر کلام کرتے ہوئے حضرت علامہ کاندھلویؒ معارف القرآن میں فرماتے ہیں کہ اس روایت میں قرابتداروں کو چار بتایا گیا: حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن، حضرت حسین رضی اللہ عنہم، یہ عجیب فلسفہ ہے کہ قرابت کے تمام رشتوں کو خارج قرار دیدیا گیا حتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تینوں صاحبزادیاں: حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہن بھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباس اور حضرت حمزہ اور ان کی اولاد رضی اللہ عنہم بھی اس فہرست سے خارج ہوگئے۔ مزید تفصیل وہاں دیکھیں۔

بہرحال! یہ تیسرا قول سیاق وسباق کے ساتھ متصادم ہے، اور اس میں بہت سی خامیاں ہیں، بلکہ ایک خاص فرقہ کا اختراع اور منگھڑت قول ہے جسے نقل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اہلسنت والجماعت کے لوگ بیدار ہوں۔ **الحمد للہ علی ذلک۔**

حضرت سعید بن جبیرؒ اور امام زین العابدینؒ کے اقوال کے مطابق سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت اور تمام قرابتداروں کے ساتھ محبت رکھنا، اور ان کا ادب اور احترام اپنی جگہ تمام ائمہ کے نزدیک مسلم اور ضروری ہے، اگرچہ اس آیت کا یہ مصداق نہ ہو، اور پھر اہلسنت والجماعت کا یہ بھی مسلک ہے کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرابتداروں سے محبت رکھنا ایمان کی علامت ہے اسی طرح اہل بیت ازواج مطہرات اور تمام صحابہ کرام مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم کی محبت بھی ایمان کی علامت ہے، اور ان سے بغض رکھنا منافقت و گمراہی کی علامت ہے۔ اور جو شخص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض رکھے سمجھو اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بغض رکھا، اور آپؐ سے بغض رکھنے والا اللہ تعالیٰ سے بغض رکھنے والا شمار ہوگا، پھر ایسے لوگوں کے کفر میں کسی کو شک نہیں ہوگا، اگرچہ وہ ظاہراً کلمہ بھی پڑھتے ہوں، اور نماز بھی ادا کرتے، اور روزہ بھی رکھتے ہوں، پس مسلمان عورتوں کا ان سے نکاح قطعاً جائز نہیں، وبالعکس بھی۔

خلاصہ یہ ہے کہ آیت کریمہ کے متعلق پہلا قول راجح ہے، دوسرا قول بھی صحیح ہے، مگر مرجوح ہے، اور تیسرا قول صحیح نہیں ہے، بلکہ فاسد ہے غلط ہے۔

یاد رہے یہاں: ﴿لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى﴾ میں استثناء منقطع ہے، یعنی مستثنیٰ ﴿الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى﴾ مستثنیٰ منہ کی جنس میں سے نہیں، اور کلمہ "اِلَّا" "لٰکن" کے معنی میں ہے، تو معنی یہ ہوگا: میں تم سے اس کام پر کوئی اجرت نہیں مانگتا لیکن یہ چاہتا ہوں کہ رشتہ داری اور قرابتداری کا لحاظ رکھتے ہوئے تکلیف تو نہ پہنچاؤ۔

﴿وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا﴾ اور جو شخص نیکی اور بھلائی کا ارتکاب کرے گا یا کارِ خیر کی کمائی کرے گا ہم اس کی اچھائی اور خوبی زیادہ کریں گے، جیسے دوسرے مقام پر: ﴿وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ [البقرة: ۲۶۱] (اور اللہ بڑھا دیتا ہے جس کے لیے چاہے) میں اس کی تصریح ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ﴾ بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے، قدرداں ہے، ادنیٰ نیکیوں پر اخلاص کی وجہ سے بہت بڑا ثواب اور بہت بڑا انعام دینے والا ہے۔

❁ ❁ ❁

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۚ فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ ۭ وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَ
يُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۲۴ وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ
وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۲۵ وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۲۶ وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ
لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ ۭ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ۲۷ وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ
الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ۭ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ ۲۸ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ۭ وَهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ ۲۹

ترجمہ: کیا وہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا ہے، سو اگر اللہ تعالیٰ چاہے آپ کے دل پر مہر لگا دے، اور اللہ تعالیٰ باطل کو مٹاتا ہے، اور حق کو اپنے کلمات کے ذریعہ ثابت کرتا ہے، بلاشبہ وہ سینوں کی چیزوں کا جاننے والا ہے ۲۴ اور وہ ایسا ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے، اور برائیوں کو معاف فرماتا ہے، اور وہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو ۲۵ اور جو لوگ ایمان لائے اور اعمالِ صالحہ کیے وہ ان کی دعاء قبول فرماتا ہے، اور اپنے فضل

سے ان کے اعمال میں اضافہ فرماتا ہے، اور جو کافر ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے ۲۶ اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے روزی فراخ کردے تو وہ زمین میں بغاوت کرنے لگیں، اور لیکن وہ نازل فرماتا ہے ایک اندازہ کے ساتھ جو وہ چاہتا ہے، بلاشبہ وہ اپنے بندوں سے باخبر ہے، دیکھنے والا ہے ۲۷ اور وہ ایسا ہے جو لوگوں کے ناامید ہونے کے بعد بارش برساتا ہے، اور اپنی رحمت کو پھیلا دیتا ہے، اور وہ ولی ہے، مستحق حمد ہے ۲۸ اور اس کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں کا اور زمین کا پیدا فرمانا، اور ان جانوروں کا پیدا فرمانا جو اس نے ان دونوں میں پھیلا دیئے ہیں، اور وہ ان کے جمع اور اکٹھا کرنے پر جب چاہے قادر ہے ۲۹

معارف ومنازل

ان آیات میں ایسے متکبرین اور معاندین کا ذکر ہے جو عناد و تکبر میں اس قدر غرق تھے کہ قبول حق تو در کنار وہ اللہ تعالیٰ رب العلمین پر افتراء و بہتان پردازی سے بھی باز نہیں آئے، اس کے ساتھ حق و باطل کی حقیقت کا بھی بیان ہوگا، فرمایا:

﴿اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا﴾ کیا یہ مشرکین یوں کہتے ہیں کہ اس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا ہے؟ یہ استفہام تقریری ہے، یعنی واقعی یہ لوگ ایسا کہتے ہیں۔ جواب میں فرمایا: ﴿فَاِنۡ یَّشَاِ اللّٰهُ یَخۡتِمۡ عَلٰی قَلۡبِكَ﴾ سو اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو آپ کے دل پر بند لگا دے، یعنی آپ کو قرآن بھلا دے، اور وحی موقوف کردے۔ جب اللہ تعالیٰ برابر بلا توقف آپ پر قرآن مجید نازل فرما رہا ہے، اور وحی کا تواتر کے ساتھ نزول ہو رہا ہے، ابتداء نبوت سے جو سلسلہ جاری ہوا ہے اب بھی جاری ہے، تو یہ اسی کی نشانی ہے کہ آپ کی رسالت برحق ہے، ورنہ یہ سلسلہ بند ہو جاتا، جو لوگ آپ کو جھوٹا کہتے ہیں وہ خود جھوٹے اور بہتان تراش و مفتری ہیں۔

اسی مضمون کو سورۃ الحاقۃ میں یوں بیان فرمایا: ﴿وَلَوۡ تَقَوَّلَ عَلَیۡنَا بَعۡضَ الۡاَقَاوِیۡلِ ۴۴ لَاَخَذۡنَا مِنۡهُ بِالۡیَمِیۡنِ ۴۵ ثُمَّ لَقَطَعۡنَا مِنۡهُ الۡوَتِیۡنَ ۴۶﴾ [الحاقة] (اور اگر یہ پیغمبر کچھ باتیں بنا کر ہماری طرف منسوب کر دیتے۔ تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑتے۔ پھر ہم ان کی شہ رگ کاٹ دیتے)، تو مطلب واضح ہے۔ فرمایا کہ ہم نے کمال مہربانی سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنی کتاب بصورت وحی نازل کی ہے، اور جس طرح یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مبارک پر نازل کی ہے اسی طرح ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل کو سربمہر بھی کر سکتے ہیں کہ اس میں کوئی چیز داخل ہی نہ ہونے

پائے، جیسے سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا: ﴿وَلَئِن شِئۡنَا لَنَذۡهَبَنَّ بِالَّذِیٓ اَوۡحَیۡنَآ اِلَیۡكَ﴾ [الإسراء:۸۶] (اگر ہم چاہیں تو آپ کی طرف نازل کی گئی وحی کو آپ سے ہٹادیں)۔ جولوگ پیغمبروں کو مختارِکُل مانتے ہیں انہیں سوچنا چاہئے کہ:

﴿وَیَمۡحُ اللّٰهُ الۡبَاطِلَ وَیُحِقُّ الۡحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ﴾ اور مٹاتا ہے اللہ تعالیٰ باطل کو، اور ثابت کرتا ہے حق کو اپنے کلمات کے ذریعہ، پس اگر یہ کلام خداوند تعالیٰ کا نازل کیا ہوا نہ ہوتا، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گھڑا ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کا نام ونشان بھی مٹادیتا، اور اس کو یہ ترقی اور بے مثال عروج ہرگز حاصل نہ ہوتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ وہ باطل کو آخر کار مٹادیتا ہے، اور سخت سے سخت سنگین حالات میں حق کو عروج بخشتا ہے۔ یہاں کلمات سے مراد قرآن اور وحی الٰہی ہے جس کے ذریعہ باطل مٹ جاتا ہے۔

﴿اِنَّهٗ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ﴾ بیشک وہ دلوں کے مخفی خیالات اور سینوں کے چھپے ہوئے رازوں کو جانتا ہے۔ ﴿وَهُوَ الَّذِیۡ یَقۡبَلُ التَّوۡبَةَ عَنۡ عِبَادِهٖ وَیَعۡفُوۡا عَنِ السَّیِّاٰتِ وَیَعۡلَمُ مَا تَفۡعَلُوۡنَ﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جو اپنے بندوں سے توبہ قبول کرتا ہے، اور گناہوں کو معاف کرتا ہے، اور جو کچھ تم کرتے ہو اس کو جانتا ہے، اس ذات پاک کی صفت خاصہ ہے "اَلتَّوَّاب"، جب بندہ گناہ کرنے کے بعد اس کی طرف رجوع کرتا ہے تو قبولیت توبہ کے ساتھ بڑے سے بڑے گناہوں کو معاف فرماتا ہے، اور توبہ کرنے والے سے خوش بھی ہوتا ہے، کتنے خوش نصیب ہیں توبہ کرنے والے جو گناہوں کی معافی کے ساتھ مالک الملک کی رضا بھی حاصل کر پاتے ہیں۔

سچی توبہ کا طریقہ اور شرائط:

تفسیر کشاف، مظہری اور بیضاوی نے بیان کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں ایک دیہاتی آدمی مسجد میں آیا، اور جلدی جلدی استغفر اللہ استغفر اللہ کہنے لگا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو بلا کر کہا کہ استغفار کا یہ طریقہ صحیح نہیں ہے، بلکہ یہ تو منافقوں کا طریقہ ہے، اس شخص نے عرض کیا: حضرت! مجھے صحیح طریقہ بتادیجئے، تو آپؓ نے فرمایا کہ سچی توبہ کے لئے چھ شرائط ضروری ہیں، جو یہ ہیں:

(۱) سابقہ گناہوں پر نادم ہونا۔ (۲) دورانِ گناہ جو فرائض ترک کئے ہیں ان کو قضا کر کے لوٹایا جائے۔ (۳) کسی دوسرے پر ظلم وزیادتی کی ہے تو اس کی تلافی کرے۔ (۴) جس طرح گناہ کے زمانے میں اپنے نفس کو گناہ پر آمادہ کرتا ہے، اب توبہ کے بعد نفس کو اسی طریقے سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لئے آمادہ کرے۔ (۵) جس طرح

گناہ کے ارتکاب سے گناہ کی لذت اٹھاتا تھا اب اطاعت کرکے اطاعت کی لذت بھی حاصل کرے۔ (٦) گناہ کے زمانے میں ہنستا تھا، اب اسی قدر رونے کی کوشش کرے۔

جو انسان ان شرائط کی پابندی کرے اس کا کوئی گناہ بغیر معافی کے باقی نہیں رہے گا، یہ صالحین ومخلصین کی توبہ کا طریقہ ہے، جبکہ صرف زبان سے دلی ندامت وشرمندگی کے بغیر توبہ کرنا نفاق کا حصہ ہے۔

﴿وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ﴾ اور ان لوگوں کی دعائیں سنتا اور قبول کرتا ہے، اسی طرح ان کی عبادات کو بھی قبول کرتا ہے جو ایمان لائے اور نیک اعمال انجام دیئے، اور انہیں اپنے فضل سے زیادہ بھی عطا کرتا ہے۔ اس زیادتی کا تعلق حسنِ نیت اور اخلاق کے ساتھ ہے، جس کی کوئی تحدید نہیں ہے۔ ﴿وَالْكٰفِرُوْنَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ﴾ اور کافروں کے لئے بڑا ہی سخت عذاب ہے۔

﴿وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ﴾ اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے روزی کشادہ کردے تو وہ زمین میں بغاوت وسرکشی کرنے لگیں، نہ اللہ تعالیٰ کو پہنچانیں اور نہ آپس میں اچھا ساز باز کریں، بلکہ شتر بے مہار کی طرح بے رحمی کے ساتھ زندگی کریں۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان بے شمار رنگوں کے جہاں میں اشرف المخلوقات انسان اور اس کی صلاحیتوں میں مساوات نہیں رکھی، اور ہر شخص کی طبعی، ذہنی اور جسمانی قویٰ یکساں نہیں رکھے، کوئی عقلمند ہے، کوئی بے عقل، پھر کوئی بڑا مضبوط، کوئی کمزور، کوئی باصلاحیت، کوئی نہایت ضعیف، کوئی صحتمند، کوئی بیمار، کوئی جفاکش، کوئی تیار خور، کوئی عالم، کوئی جاہل۔ الغرض ان متضاد صفات میں مساوات کا کوئی امکان نہیں، اور یہ سب کچھ ربّ العزّت کی حکمتِ بالغہ کا تقاضا ہے جس کے بغیر نظامِ عالم نہ برقرار رہ سکتا ہے اور نہ خوشحال۔

جس اللہ تعالیٰ نے عدمِ مساوات خود قائم کی ہے اور اس کی دلیل یہ دی ہے کہ اگر وہ سب کے لئے روزی کے دروازے یکساں کشادہ کردیتا تو لوگ دنیا میں سرکشی کرنے لگتے، اور سارا نظام درہم برہم ہوکر رہ جاتا۔

﴿وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ﴾ بلکہ وہ ایک خاص انداز کے مطابق بندوں کے لئے رزق نازل کرتا ہے، اور اپنی حکمت کے تحت جس کے لئے جو مناسب جانتا ہے اسی قدر اس کو روزی عطا کرتا ہے۔

﴿اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ﴾ بیشک وہ اپنے بندوں کے حالات سے اچھی طرح واقف ہے، دیکھنے والا ہے۔ ﴿وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جو بارش کو نازل کرتا ہے، جبکہ لوگ مایوس وناامید ہوجاتے ہیں، اور اپنی رحمت کو پھیلا دیتا ہے۔

﴿وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ﴾ اللہ تعالیٰ ہی کارساز لائق حمد وستائش ہے۔﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ آسمانوں اور زمین کی تخلیق اللہ تعالیٰ شانہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے، یہ عظیم کارخانہ اس کی اُلوہیت اور قدرتِ کاملہ کا عجیب شاہکار ہے جو اس کی قدرت کی نشانی ہے، اور اُلوہیت وتصرف کی بھی۔

﴿وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ﴾ اور آسمانوں اور زمین کے درمیان ہزاروں جانداروں کو بکھیر دینا اور پھیلانا بھی اس کی قدرت کی نشانی ہے، آسمانوں فضاؤں، زمینوں، خشکیوں اور سمندروں میں اتنی قسم اور اجناس و انواع کی مخلوقات ہیں جن کا شمار اور احاطہ اس کے بغیر کسی کے بس میں نہیں۔ فرمایا: ﴿وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ﴾[المدثر: ۳۱] (تیرے ربّ کے لشکروں کو کوئی نہیں جانتا سوائے اس کے)۔

﴿وَهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ﴾ وہ جب چاہے ان تمام جانداروں کے جمع کرنے ایک جگہ اکٹھا کرنے پر قادر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اجتماع کا دن قیامت برحق ہے، اور وہاں ساری مخلوقات کا دوسرا بڑا عظیم اجتماع ہوگا، حساب وکتاب کے مراحل مختلف ہوں گے، ایک ایک ذرہ کا حساب لیا جائے گا، حتیٰ کہ حیوانات سے بھی، اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل وکرم سے بغیر حساب وکتاب جنت عطا فرمائیں۔ آمین

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۝٣٠ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝٣١ وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ۝٣٢ اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝٣٣ اَوْ يُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا وَيَعْفُ عَنْ كَثِيْرٍ ۝٣٤ وَّيَعْلَمَ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا ۭ مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ۝٣٥ فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝٣٦

ترجمہ: اور تمہیں جو بھی کوئی مصیبت پہنچ جائے سو وہ تمہارے اپنے اعمال کی وجہ سے ہے، اور وہ بہت کچھ معاف فرمادیتا ہے ۝۳۰ اور تم زمین میں عاجز بنانے والے نہیں ہو، اور تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ولی اور مددگار نہیں ہے ۝۳۱ اور اس کی نشانیوں میں سے کشتیاں ہیں جو سمندر میں پہاڑوں کی طرح ہیں ۝۳۲ اگر وہ چاہے تو ہوا کو روک

دے، سو یہ کشتیاں سمندر کی پشت پر رکی ہوئی رہ جائیں، بلاشبہ اس میں نشانیاں ہیں ہر صبر کرنے والے شکر کرنے والے کے لئے ۳۳ یا وہ انہیں کے اعمال کی وجہ سے ان کو ہلاک فرمادے، اور بہت سوں کو معاف کردے ۳۴ اور وہ ان لوگوں کو جانتا ہے جو ہماری آیات میں جھگڑا کرتے ہیں، ان کے لئے کوئی بھی بچنے کی جگہ نہیں ہے ۳۵ اور تم کو جو بھی چیز دی گئی ہے سو وہ دنیا والی زندگی کا سامان ہے، اور جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ بہتر ہے، اور زیادہ باقی رہنے والا ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے اور اپنے ربّ پر بھروسہ کرتے ہیں ۳۶

معارف ومنازل

فرمایا: دنیا اگرچہ پریشانیوں اور تکلیفوں کی جگہ ہے مگر اکثر دنیاوی رنج والم اور پریشانیاں انسانوں کے اعمال کی وجہ سے ہیں، پھر مؤمن کے لئے بشرطیکہ صبر کرے یہ پریشانیاں رحمت سے کم نہیں، اس کے گناہ ان سے معاف ہوجاتے ہیں۔ البتہ انبیاء علیہم السلام پر آنے والی مصیبتیں گناہوں کی وجہ سے نہیں، کیونکہ وہ گناہوں سے بالکل پاک ہوتے ہیں، ان کی مصیبتیں درجات کی بلندی کے لئے ہوتی ہیں، اور کافروں پر جو پریشانیاں آتی ہیں وہ خالص شامتِ اعمال کی وجہ سے ہیں، انہیں کسی قسم کا فائدہ نہ ہوگا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی بھی بندہ کو اگر کوئی ذرا سی تکلیف یا بڑی تکلیف پہنچ جاتی ہے تو وہ گناہوں کی وجہ سے ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ جن گناہوں کو معاف فرمادیتا ہے وہ ان گناہوں سے زیادہ ہوتے ہیں جن پر مواخذہ ہوتا ہے۔ [ترمذي]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مؤمن مرد اور مؤمن عورت کو جان اور مال اور اولاد میں اگر تکلیف پہنچتی ہے یہاں تک کہ جب وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا تو اس کا کوئی گناہ باقی نہ ہوگا۔ [ترمذي]

سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کے لئے کوئی بلند مرتبہ دینے کا فیصلہ فرماتا ہے، لیکن وہ اپنے عمل سے اس مرتبہ تک پہنچنے سے قاصر رہ جاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اسے تکلیفوں میں مبتلا فرمادیتا ہے، یہ تکلیف اس کے مال وجان اور اولاد میں پہنچ جاتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ اسے صبر عطا فرماتا ہے، یہاں تک کہ وہ اس بلند مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے جو اس کے لئے مقرر ہوچکا تھا۔ [أبو داؤد، أحمد، مشكوٰة]

معلوم ہوا کہ اہلِ ایمان پر جو تکلیفیں آتی ہیں ان سے گناہ معاف ہوتے رہتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ قیامت کے روز جب مصیبت زدگان کو درجے اور انعامات ملتے ہیں تو خوشحال لوگ افسوس کریں گے اور کہیں گے: کاش دنیا میں ہم مصیبتوں میں مبتلا ہو جاتے، آج ہم بھی انعام پاتے۔ [ترمذي، مشكوة]

﴿وَمَآ اَصَابَكُمۡ مِّنۡ مُّصِيۡبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتۡ اَيۡدِيۡكُمۡ﴾ تم کو جو بھی مصیبت پہنچتی ہے وہ انہیں اعمال کی وجہ سے ہے جو تمہارے ہاتھ انجام دیتے ہیں۔ یہ مصائب بطور تنبیہ، یا مکافاتِ عمل، یا مکفرات الذنوب کے ہیں، اور یہ تمہاری تمام برائیوں کا نتیجہ نہیں، وہ اس لئے کہ: ﴿وَيَعۡفُوۡا عَنۡ كَثِيۡرٍ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہاری بہت سی برائیوں سے درگزر فرماتے ہیں، اور انہیں معاف فرماتے ہیں، اور ہر گناہ پر مصیبت نہیں بھیجتا، اگر ہر گناہ کی وجہ سے تکلیف بھیجی جائے تو ہوسکتا ہے کہ آرام وراحت اور خوشی کا نمبر ہی نہ آئے، اور ساری زندگی رنج والم میں گزر جائے، اس لئے وہ رحیم وکریم اکثر وبیشتر گناہوں سے درگزر فرماتے ہیں، اور پردہ پوشی کرتے ہیں۔

﴿وَمَآ اَنۡتُمۡ بِمُعۡجِزِيۡنَ فِى الۡاَرۡضِ ۖ وَمَا لَـكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيۡرٍ﴾ اور نہیں ہو تم اللہ تعالیٰ کو عاجز کرنے والے زمین میں، اور نہیں ہے تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی کارساز اور نہ کوئی مددگار، اگر کوئی مجرم اللہ تعالیٰ سے بھاگ کر جان بچانا چاہے تو ایسا ہرگز ممکن نہیں، کیونکہ پورے کرۂ ارض پر اور ساری کائنات پر اس کی سلطنت اور اقتدار مستحکم ہے، تو وہ جہاں جائے خدا تعالیٰ ہی کے پاس ہوگا، اسی بنیاد پر وہ اپنے مجرم کو جلدی نہیں پکڑتا۔ بخلاف دنیا والوں کے کہ وہ اپنے مجرم کو اگر جلدی گرفتار نہیں کریں گے تو وہ بھاگ کر کسی اور ملک میں چلا جائے گا، جہاں اسے پکڑنا آسان نہ ہوگا۔

﴿وَمِنۡ اٰيٰتِهِ الۡجَوَارِ فِى الۡبَحۡرِ كَالۡاَعۡلَامِ﴾ اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے سمندر میں چلنے والے جہاز اور کشتیاں ہیں، جو پہاڑوں کی طرح سمندر میں بلند اور نمایاں نظر آتی ہین، ظاہر ہے کہ اتنی بڑی بھاری وزن دار کشتیوں کا سمندر کی سطح پر چلنا اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے عظیم تر نشانی ہے۔

یہ بادبانی کشتیوں کا تذکرہ ہے، آج کی ترقی یافتہ دنیا کے عظیم بحری جنگی بیڑے اور سامان بردار جہاز اتنے بڑے اور بکثرت ہیں جنہیں دیکھ کر یقین نہیں آتا کہ یہ انسان کے ہاتھ کے بنے ہوئے جہاز ہیں۔

بہرحال! پہاڑوں جیسے بڑے بڑے جہاز ہوا کی مدد سے چلتے ہوں یا مشنری اور انجنوں کی مدد سے چلتے ہوں یہ تسخیری نظام ربّ العزّت سبحانہ کے حکم سے چل رہے ہیں، مجال نہیں کہ اس کے حکم کے بغیر کوئی ادنیٰ کام بھی

انجام پائے، کوئی مظاہر قدرت کا ملاحظہ کرے کہ ایک سوئی جیسی چھوٹی چیز تو پانی میں ڈوب جاتی ہے، مگر اللہ تعالیٰ کی تسخیری شان دیکھیے کہ لاکھوں ٹن وزنی جہاز، لاکھوں ٹن سامان لے کر ہزاروں میل کا سفر کرتے ہیں۔ ہمارے ہی زمانے میں پاکستانی جہاز جو حاجیوں کے لئے مخصوص تھا سفید براق رنگ کا گیارہ منزلہ جہاز تھا، اس کی چار منزلیں پانی میں، اور سات منزلیں اوپر تھیں، یہ اتنا خوبصورت جرمنی کا بنایا ہوا جہاز تھا جس کے دیکھنے سے آدمی سیر نہیں ہوتا تھا، ۱۹۷۰ء میں یہ جہاز قصداً ناکارہ بنایا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس جہاز کا نام تھا سفینۃ الحجاج۔ واقعی میں جب اس کے پاس آیا تو مجھے اونچا سفید رنگ کا پہاڑ معلوم ہوا، میں نے سورۂ رحمٰن کی آیت تلاوت کی: ﴿وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ﴾ [الرحمٰن: ۲۴] (اور اسی کے قبضے میں وہ جہاز ہیں جو سمندر میں پہاڑوں کی طرح اونچے کھڑے کیے گئے ہیں) صدق اللہ ربّ العٰلمین۔

﴿إِنْ يَشَأْ يُسْكِنِ الرِّيحَ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ہوا کو ٹھہرادے، تو: ﴿فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلَىٰ ظَهْرِهِ﴾ پس وہ سب جہاز اور کشتیاں سمندر کی سطح پر ٹھہرے ہوئے ہو جائیں۔ بادبانی کشتیوں کی رفتار کا انحصار ہوا پر ہے، جب ہوا چلتی ہے اور موافق چلتی ہے تو ان کا سفر جاری رہتا ہے۔

﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ﴾ بیشک اس میں قدرت کی نشانیاں ہیں ہر صبر کرنے والے اور شکر کرنے والے مؤمن کے لئے۔ ﴿أَوْ يُوبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوا﴾ اور اگر چاہے تو ان جہازوں کو ہلاک وتباہ کردے ان بُرے اعمال کی وجہ سے جو انہوں نے یعنی انسانوں نے کئے ہیں۔ ﴿وَيَعْفُ عَنْ كَثِيرٍ﴾ اور وہ تو بہت سے لوگوں سے درگزر فرماتا ہے۔ اس کا مطلب وہی ہے جو شروع میں فرمایا: ﴿وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ﴾۔ گویا کہ یہاں اس پہلی بات کا اعادہ فرمایا تاکید کے لئے۔ آگے سزا دینے کے مقصد کا بیان ہے:

﴿وَيَعْلَمَ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِنَا مَا لَهُمْ مِنْ مَحِيصٍ﴾ اور تاکہ جان لیں ان بدمزاج لوگوں کو جو ہماری آیتوں میں جھگڑا کرتے ہیں کہ ان کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں ہے، نہ دنیا میں مؤاخذہ سے بچ سکتے ہیں اور نہ آخرت میں ابدی عذاب سے نجات پاسکتے ہیں۔ ﴿فَمَا أُوتِيتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ﴾ سوائے لوگو سن لو! تم کو جو کچھ بھی یہاں اس دنیا میں دیا گیا ہے وہ محض چندروزہ دنیوی زندگی کا سامان ہے جو فانی بھی ہے اور حقیر بھی ہے، اور جو کچھ اجر وثواب اور

نعمتیں اللہ تعالیٰ کے یہاں ہیں وہی بہتر ہیں اور پائیدار وابدی بھی ،ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے اور اپنے پروردگار پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بے حد و بے حساب مہربان ہے، وہ انہیں ہر ہر فائدہ اور نقصان سے آگاہ فرمایا، اسی طرح ہر چیز کے خواص وفوائد بھی معلوم فرمائے، نیکیوں کی بقاء وخوشحالی اور برائیوں کے زوال اور پریشانی سے بار بار تاکید کے ساتھ مطلع فرمائے، اب ہر شخص اپنی مرضی اور اختیار سے جو چاہے اپنے لئے انتخاب کرے۔

وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ۝٣٧ وَالَّذِيْنَ
اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۠ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۠ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝٣٨
وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ۝٣٩ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا
وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝٤٠ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰۗئِكَ مَا
عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝٤١ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ
بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ اُولٰۗئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝٤٢ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝٤٣

ترجمہ: اور جو لوگ کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائی سے بچتے ہیں، اور جب انہیں غصہ آجائے تو معاف کردیتے ہیں ۝۳۷ اور جنہوں نے اپنے ربّ کے حکم کو مانا، اور نماز قائم کی اور ان کے کام آپس کے مشورے سے ہوتے ہیں، اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا اس میں سے خرچ کرتے ہیں ۝۳۸ اور جن کا حال یہ ہے کہ جب ان کو ظلم پہنچ جاتا ہے تو وہ بدلہ لے لیتے ہیں ۝۳۹ اور برائی کا بدلہ برائی ہے اسی جیسی، سو جو شخص معاف کردے اور صلح کرلے تو اس کا ثواب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے، بلاشبہ وہ ظالموں کو پسند نہیں فرماتا ۝۴۰ اور البتہ جو شخص مظلوم ہوجانے کے بعد بدلہ لے سو یہ ایسے لوگ ہیں جن پر کوئی الزام نہیں ۝۴۱ الزام انہیں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں، اور دنیا میں ناحق سرکشی کرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے دردناک عذاب ہے ۝۴۲ اور البتہ جس نے صبر کیا اور معاف کردیا، بلاشبہ یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے ۝۴۳

معارف ومنازل

یہاں اہل ایمان کے اوصافِ ثمانیہ اور پسندیدہ کردار کا تذکرہ ہو رہا ہے: (۱) پہلی صفت سابقہ آیت میں بیان فرمائی کہ وہ اپنے پروردگار پر بھروسہ کرتے ہیں۔ (۲) کبیرہ گناہوں سے اور فحش وبیحیائی سے پرہیز کرتے ہیں۔ (۳) اور جب ان کو غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں۔ (۴) اور یہ لوگ اپنے پروردگار کا حکم مانتے ہیں، یعنی دل وجان سے قبول کرتے ہیں، اور اس پر عمل کرتے ہیں۔ (۵) اور نماز قائم کرتے ہیں۔ (۶) وہ اپنے امور کو باہمی مشورے سے طے کرتے ہیں۔ (۷) وہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال میں سے خرچ کرتے ہیں۔ (۸) اور جب ان پر ظلم ہوتا ہے تو اسی قدر بدلہ لے لیتے ہیں، ذرا بھی تجاوز نہیں کرتے ہیں۔

یہ ہیں اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کی خاص اور پسندیدہ صفات، تو جو کوئی ان صفات کے ساتھ متصف ہو وہی آخرت کی کامیابی اور عزّت وشرف کا حقدار ہوگا۔

﴿وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ﴾ اور وہ لوگ جو ایمان وتوکل کی صفت سے متصف ہونے کے ساتھ پرہیز کرتے ہیں بڑے گناہوں سے، اور بے حیائی کی باتوں سے، اور جب ان کو غصہ آئے تو درگزر کرتے ہیں، جیسے ارشاد ہے: ﴿وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ [آل عمران: ۱۳۴] (جو بدلہ کی طاقت رکھنے کے باوجود غصے کو پی جاتے ہیں، اور لوگوں سے درگزر کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ایسے محسنوں سے محبت کرتا ہے)۔

﴿وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾ اور حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں نے اپنے ربّ کے حکم پر لبیک کہتے ہوئے فرمانبرداری کی، اور نماز کی پابندی کی، اور ان کے معاملات آپس کے مشورہ سے طے ہوتے ہیں، اور وہ ہماری عطا کردہ روزی میں سے خرچ کرتے رہتے ہیں، فرضی زکوٰۃ اور نفلی صدقات مراد ہیں۔

شوریٰ کی اہمیت اور اس کا مقام وفائدہ:

شوریٰ بروزنِ بُشریٰ، مصدر ہے، مراد یہ ہے کہ مہمات امور اور پیش آمدہ مسائل جن میں کتاب وسنت اور اجماع امت نے کوئی خاص حکم متعین نہیں کیا ہے، یا یہ کہ حکم متعین ہے مگر وقت، حالات اور طریق کار میں پیچیدگیاں ہیں، ان کے طے کرنے میں باہمی غور وخوض اور مشورہ سے کام لیا جائے۔ سورۂ آل عمران اور مختلف دیگر مقامات میں اسی طرح بکثرت احادیث اور اجماع امت سے مہمات اور پیچیدہ مسائل میں باہمی مشورہ سے فیصلہ اور اقدام کرنا

بسا اوقات وجوب کے درجہ میں ہوتا ہے، اور بعض اوقات استحسان کے درجہ میں بہتر ہوتا ہے۔

خطیب بغدادیؒ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے سرور عالم ﷺ سے عرض کیا کہ آپ کے بعد اگر ہمیں ایسا مسئلہ پیش آجائے جس میں قرآن حکیم نے کوئی فیصلہ نہیں کیا، اور آپ سے بھی اس کا کوئی واضح حکم نہیں ملا، تو ہم کیسے عمل کریں؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس کے لئے میری امت کے عبادت گزاروں کو جمع کرلو، اور آپس میں مشورہ کر کے طے کرلو، اور کسی کی تنہا رائے سے فیصلہ نہ کرو۔ [روح المعاني]

معلوم ہوا کہ مشورہ ایسے لوگوں سے لینا چاہئے جو تجربہ کار ہوں، مخلص ہوں، امانتدار متقی ہوں، خیر خواہ ہوں، خودغرض اور حاسد نہ ہوں، اور دین و دنیا دونوں کے معاملات سے واقف اور سمجھنے والے ہوشیار ہوں۔ صاحب روح المعانی نے فرمایا کہ جو مشورہ اس طریق پر نہ ہو، بلکہ بے علم، بے دین، بے شعور اور بے تجربہ لوگوں میں دائر ہو، اس کا فساد و نقصان اس کی صلاح و فائدہ پر غالب رہے گا۔ امام طبرانیؒ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کی ہے کہ جس آدمی سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امین ہے، وہی مشورہ دے جو اپنے لئے اختیار کرنے والا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ جو چیز اپنے لئے پسند کرتا ہو دوسروں کو ایسا مشورہ دیدے اور جو چیز اپنے لئے نہیں چاہتا تو دوسرے لوگوں کے لئے نہ چاہے اور خیانت نہ کرے۔

بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی کام کا ارادہ کیا، اور اس میں مشورہ لے کر عمل کیا، تو اللہ تعالیٰ اس کو ارشد امور کی طرف ہدایت فرمادے گا، یعنی اس کا رخ اسی طرف پھیر دے گا جہاں اس کے لئے خیر اور بہتری ہو۔ نیز امام بخاریؒ نے الادب المفرد میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جو لوگ مشورہ سے کام کرتے ہیں تو ضرور ان کو صحیح راستہ کی طرف ہدایت کردی جاتی ہے۔

سرور عالم ﷺ اکثر و بیشتر معاملات، غزوات اور دیگر امور میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کرتے تھے، حتی کہ اپنے گھریلو معاملات میں بھی، چنانچہ مسئلۂ افک میں حضرت علی، حضرت اسامہ بن زید اور حضرت بریرہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا، اور پھر مسجد میں موجود تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے اجتماعی مشورہ طلب فرمایا۔ تو واضح ہوا کہ مشورہ ایک اہم اور پسندیدہ عمل ہے، اور اس سے کامیابی کے بہت بڑے امکانات ہیں۔ علامہ ابن جریر طبریؒ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کا یہ دستور تھا کہ جب بھی کوئی مشکل مسئلہ پیش آتا تو سب اکٹھے ہو کر اس کے ہر پہلو پر گفتگو کرتے، اور آخر

کار ایک نتیجے پر پہنچتے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک مجلس شوریٰ مقرر کی ہوئی تھی جو عشرہ مبشرہ اور جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مشتمل تھی، اور تمام ملکی، سیاسی، جنگی اور قانونی معاملات زیر بحث آتے تھے، اور مجلس کے فیصلہ کے مطابق اقدام فرماتے اور عمل کرتے تھے۔

الغرض مشورہ اسلامی ریاست اور اسلامی سیاست کا ایک اہم ترین دستوری اصول ہے، جو آمریت، خودسری اور ملوکیت کے گھوڑے کے لئے لگام کا کام دیتا ہے، بشرطیکہ اس کے ارکان اور شرائط پر عمل ہو، اگر کسی ملک یا کسی تنظیم یا جماعت کی مجلس شوریٰ برائے نام خانہ پری یا دکھاوے کے لئے ہو، جیسے آج کل مغربی طرز کی جمہوریتوں میں ہوتا ہے، وہ محض حزب اختلاف کو خاموش کرنے کے لئے تو اللہ حافظ کہئے۔

یہاں رحمۃ للعٰلمین سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (فداہ أرواحنا) کا فرمان مبارک پیش کرتے ہیں جو اپنی نظیر آپ ہے، فرمایا: جب تمہارے حکام اچھے لوگ ہوں، اور تمہارے مالدار غریب پرور سخی لوگ ہوں، اور تمہارے امور باہمی مشورہ سے طے کئے جاتے ہوں، تو تمہارا زمین پر زندہ رہنا بہ نسبت مرنے کے بہتر ہے، اور جب تمہارے حکام برے لوگ ہوں، اور تمہارے مالدار کنجوس و بخیل ہوں، اور تمہارے امور عورتوں کے سپرد ہوں، تو زمین کا اندر والا حصہ تمہارے لئے اوپر کے حصے سے بہتر ہوگا۔ یعنی ایسی زندگی سے موت تمہارے لئے بہتر ہوگی۔ [مشکوٰۃ، روح المعاني]

یہی وہ زمانہ ہے جس میں اچھے لوگ بجائے زندہ رہنے کے اپنی موت پر راضی ہیں، کیونکہ سینکڑوں اسلامی اقدار و شعائر دنیا سے اٹھ چکے ہیں، آج سارے جہاں پر اور زندگی کے تمام شعبوں اور جماعتوں اور تنظیموں پر اور بیشتر افراد پر کفر و بے دینی کا راج ہے، محض تعارف کے طور پر لوگ اسلام کا رٹ لگاتے ہیں، جبکہ اسلام پورے عالم سے اٹھ چکا ہے اور اٹھ رہا ہے، شاید اپنے مرکز مدینہ منورہ کی طرف کوچ کر رہا ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے۔ کمافي المشکوٰۃ

﴿وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾ وہ ہمارے عطا کردہ رزق میں سے خرچ کرتے ہیں، اس میں فرضی زکوٰۃ، نوافل، صدقات اور اخراجات سب آگئے۔ ﴿وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ﴾ اور وہ لوگ کہ جب ان پر ظلم وزیادتی یا سرکشی ہو تو وہ مناسب بدلہ لے لیتے ہیں۔ دراصل موقع اور مقام کو دیکھنا ہوگا، اگر ظالم ظلم کے

باوجود لاپرواہ اور مغرور ہے تو ایسے وقت میں برابر انتقام لینا بہتر ہے، اور معاف کرنا اچھا نہیں، اور اگر ظالم پشیمان اور تائب ہے تو ایسے وقت میں انتقام لینے سے معاف کرنا بہتر ہے۔ دونوں آیتوں کا مطلب یہی ہے، تعارض کوئی نہیں ہے۔ ﴿وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا﴾ برائی کا بدلہ برائی کے مثل ہی ہے، یعنی اس سے زائد نہیں، ورنہ ظلم شمار ہوگا۔ یہ عام قانون ہے جو کہ عوام کے لئے ہے خواص کے لئے پہلے گزر چکا۔ ﴿اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ [حم سجدہ:۹۶] (ایسے طریقے سے دفع کرو جو بہترین ہو)۔ اور یہاں یہ ہے:

﴿فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ﴾ اور جو شخص بجائے انتقام لینے کے معاف کرے اور صلح کرے تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ اس کی تطبیق ابھی بیان ہوئی کہ موقع دیکھ کر فیصلہ کرلو۔ ﴿اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ﴾ اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا، کسی کا جتنا قصور ہے اسی کے برابر سزا دو یا معاف کرلو، اور قصور سے زیادہ سزا دینا ظلم ہے، جسے اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا، کیونکہ معاملہ الٹا ہوگیا، مظلوم ظالم بن گیا اور ظالم مظلوم، یہ بڑی حماقت اور نادانی ہے۔

﴿وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ﴾ جس شخص نے بدلہ لیا اس پر ظلم کئے جانے کے بعد: ﴿فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ﴾ تو ایسے لوگوں پر کوئی الزام نہیں ہے، کیونکہ اس نے کوئی زیادتی نہیں کی، اپنا قصاص لے لیا۔ ﴿اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ﴾ الزام تو ان لوگوں پر ہے جو ابتداءً ظلم کرتے ہیں، یا بدلہ لینے میں حد سے تجاوز کرتے ہیں۔ ﴿وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ جو زمین میں ناحق بغاوت کرتے ہیں، لوگوں کو ستاتے یا تنگ کرتے ہیں، ان کی بے عزتی کرتے ہیں، وغیرہ۔

﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ ایسے لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے۔ ﴿وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ﴾ اور اگر مظلوم نے صبر کیا اور ظالم کو معاف کر دیا تو: ﴿اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾ بلاشبہ یہ بڑے عزم و ہمت اور پختگی کے کاموں میں سے ہے، اور ایسے لوگوں کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہوگا، وہ اپنے کرم اور شان کے مطابق اجر عطا کرے گا۔

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ يَقُوْلُوْنَ
هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۴﴾ وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ
طَرْفٍ خَفِيٍّ ؕ وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ

الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَآ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ﴿۴۵﴾ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۶﴾

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ جس کو گمراہ کرے اس کے لئے اس کے بعد کوئی چارہ ساز نہیں، اور جب ظالم لوگ عذاب کو دیکھیں گے تو اے مخاطب! تو انہیں اس حال میں دیکھے گا کہ یوں کہہ رہے ہوں گے: کیا واپس کئے جانے کا کوئی راستہ ہے؟ ﴿۴۴﴾ اور تو انہیں اس حال میں دیکھے گا کہ وہ دوزخ پر پیش کئے جا رہے ہوں گے، ذلت کی وجہ سے جھکے ہوئے، چھپی ہوئی نظر سے دیکھتے ہوں گے، اور ایمان والے کہیں گے: بلاشبہ پورے خسارہ میں پڑ جانے والے وہ ہیں جو اپنی جانوں سے اور اپنے گھر والوں سے قیامت کے دن خسارہ میں پڑ گئے، خبردار! اس میں شک نہیں کہ ظالم لوگ دائمی عذاب میں رہیں گے ﴿۴۵﴾ اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ شانہ کے سوا کوئی مددگار نہ ہوں گے جو ان کی مدد کریں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر، اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اس کے لئے کوئی راستہ ہی نہیں ﴿۴۶﴾

معارف ومنازل

اس سے پہلے اہل ایمان وتقویٰ کے اوصاف حمیدہ کا بیان تھا، اب مجرمین ومحرومین کی بدنصیبی کا بیان ہوگا:

﴿وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ﴾ اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اس کے لئے اس کے سوا کوئی کارساز نہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہدایت اور سعادت کے لئے حواس ظاہرہ وباطنہ سے راہنمائی کا راستہ مہیا فرمایا، عقل وفہم کی دولت عطا فرمائی، پھر انبیاء ورسل علیہم السلام اور آسمانی کتب کے ذریعہ راہنمائی فرمائی، ان کے باوجود جس شخص نے ہدایت حاصل نہ کی تو اس کا قصور اور بدنصیبی ہوگی، تب اس کے دل پر مہر لگ گئی، اور ہدایت سے محروم رہا، ورنہ زبردستی اللہ تعالیٰ کسی کو گمراہ نہیں کرتا۔

﴿وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ﴾ اور تو ایسے ظالموں کو دیکھے گا کہ وہ جب اس عذاب پر نگاہ ڈالیں گے جس میں وہ بھسم ہوں گے۔ ﴿يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ﴾ تو افسوس کرتے ہوئے کہیں گے: کیا دنیا میں واپس لوٹ کر جانے کی کوئی صورت ہے؟ سورۃ المنافقون میں یوں فرمایا: ﴿رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ [المنافقون: ۱۰] (اے پروردگار! اگر تو مجھے تھوڑی سی مہلت دے دیتا تو میں تصدیق کر کے صدقہ وخیرات کر کے تیرے نیک ومؤمن بندوں میں شامل ہو جاتا)۔

دوسرے مقام پر ہے: ﴿رَبَّنَآ اَخۡرِجۡنَا نَعۡمَلۡ صَالِحًا غَيۡرَ الَّذِيۡ كُنَّا نَعۡمَلُ﴾ [فاطر:۳۷] (اے ہمارے پروردگار! ہمیں یہاں سے نکال دے، ہم اچھا عمل کریں گے، اس کے برخلاف جو کیا کرتے تھے)۔ سورۂ ابراہیم میں اس مضمون پر مفصل کلام ہو چکا ہے۔

﴿وَتَرٰىهُمۡ يُعۡرَضُوۡنَ عَلَيۡهَا خٰشِعِيۡنَ مِنَ الذُّلِّ﴾ آپ ان کو دیکھیں گے وہ ذلت کی وجہ سے: ﴿يَنۡظُرُوۡنَ مِنۡ طَرۡفٍ خَفِيٍّ﴾ وہ سرنگوں جھکی ہوئی نگاہ سے دوزخ کے عذاب پر پیش کئے جائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن شرمندگی اور ندامت کی وجہ سے مشرکین سرنگوں رہیں گے، ان کی آنکھیں خجالت کی وجہ سے نیچی رہیں گی، وہ اوپر آنکھیں نہیں اٹھا سکیں گے۔ ''الطرف'' کے معنی ہیں: آنکھیں۔ ''خفي'' کے معنی ہیں: پوشیدہ اور ذلیل۔ ﴿وَقَالَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّ الۡخٰسِرِيۡنَ الَّذِيۡنَ خَسِرُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ وَاَهۡلِيۡهِمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ﴾ اس دن اہل ایمان کہیں گے کہ بیشک نقصان اٹھانے والے لوگ وہ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو قیامت والے دن خسارے میں ڈال دیا، اس لئے کہ انہوں نے اپنے ربّ کی رضا و خوشنودی پر اس کے قہر و غضب کو ترجیح دے کر اپنے لئے ہمیشہ کے لئے جہنم خریدی۔

﴿فَمَا رَبِحَتۡ تِّجَارَتُهُمۡ وَمَا كَانُوۡا مُهۡتَدِيۡنَ﴾ سو ان کی تجارت بجائے نفع کے خسارے کی نذر ہوگئی، وہ ہدایت سے محروم ہوگئے۔ ﴿اَلَاۤ اِنَّ الظّٰلِمِيۡنَ فِيۡ عَذَابٍ مُّقِيۡمٍ﴾ خبردار! ظالم لوگ ایسے دائمی عذاب میں مبتلا رہیں گے جس سے کبھی باہر نہیں نکل سکیں گے۔ ﴿وَمَا كَانَ لَهُمۡ مِّنۡ اَوۡلِيَآءَ يَنۡصُرُوۡنَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ﴾ ان کے لئے کوئی کارساز نہیں ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے سوا ان کی مدد کر سکے، کیونکہ ظالم لوگ روزِ قیامت ہر طرح سے بے یار و مددگار رہیں گے۔ ﴿وَمَنۡ يُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنۡ سَبِيۡلٍ﴾ درحقیقت بات یہ ہے کہ جس کسی کو اللہ تعالیٰ اس کی سرکشی اور ضد و عناد کی وجہ سے گمراہ کرے اس کے لئے کوئی راستہ ہی نہیں، وہ دونوں جہاں کا بدنصیب ہی ہوگا۔

اِسۡتَجِيۡبُوۡا لِرَبِّكُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِيَ يَوۡمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ مَا لَكُمۡ مِّنۡ مَّلۡجَاٍ يَّوۡمَئِذٍ وَّمَا
لَكُمۡ مِّنۡ نَّكِيۡرٍ ۴۷ فَاِنۡ اَعۡرَضُوۡا فَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ عَلَيۡهِمۡ حَفِيۡظًا ؕ اِنۡ عَلَيۡكَ اِلَّا الۡبَلٰغُ ؕ وَاِنَّاۤ اِذَاۤ
اَذَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنَّا رَحۡمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ سَيِّئَةٌ ۢ بِمَا قَدَّمَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ فَاِنَّ الۡاِنۡسَانَ
كَفُوۡرٌ ۴۸ لِلّٰهِ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ يَخۡلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ يَهَبُ لِمَنۡ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنۡ

يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ﴿٤٩﴾ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴿٥٠﴾

ترجمہ: تم اپنے ربّ کا حکم مانو اس سے پہلے کہ وہ دن آجائے جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے واپس کرنا نہ ہوگا، تمہارے لئے اس دن پناہ لینے کی جگہ نہ ہوگی، اور نہ کوئی نکیر کرنے والا ہوگا ﴿۴۷﴾ پس اگر وہ اعراض کریں تو ہم نے آپ کو ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجا، آپ کے ذمہ صرف پہنچانا ہے، اور بلاشبہ بات یہ ہے کہ جب ہم انسان کو اپنی طرف سے رحمت چکھا دیتے ہیں تو اس پر وہ خوش ہوتا ہے، اور اگر ان کے کرتوتوں کی وجہ سے انہیں کوئی مصیبت پہنچ جائے تو بلاشبہ انسان ناشکری کرنے لگتا ہے ﴿۴۸﴾ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے آسمانوں کا اور زمین کا ملک (سلطنت) وہ پیدا فرماتا ہے جو چاہے، جسے چاہے بیٹیاں عطا فرماتا ہے اور جسے چاہے بیٹے دیتا ہے ﴿۴۹﴾ یا بیٹے اور بیٹیاں دونوں جنسوں کو جمع کر دیتا ہے، اور جسے چاہے بانجھ بنا دیتا ہے، بلاشبہ وہ جاننے والا ہے، اور قدرت والا ہے ﴿۵۰﴾

معارف ومنازل

ان آیات میں نیک اعمال کے اچھے نتائج اور برے اعمال کے برے نتائج کا بیان ہے، اور لوگوں کے لئے تنبیہ ہے کہ جب قیامت کا دن آئے گا تو واپس نہیں کیا جائے گا، وہ واقع ہوگیا سو ہوگیا۔ فرمایا: اس ہولناک دن کے آنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کا حکم مان لو، اور ایمان قبول کرلو، اس طرح اپنی خلاصی اور نجات کے لئے راستہ ہموار کرو، یعنی خوب اعمالِ صالحہ بجالاؤ، پھر جب قیامت کا دن ہوگا تو کسی کے لئے کوئی پناہ نہ ہوگی، اللہ تعالیٰ جس کو پناہ دے اسی کو پناہ مل سکے گی، اور کافروں کے لئے کوئی پناہ کی جگہ نہیں ہوگی، اس دن جس شخص کے ساتھ اس کے نامہ اعمال کے مطابق جو بھی معاملہ ہوگا اس میں کسی کو کچھ بھی کسی کے بارے میں یہ کہنے کا اختیار نہ ہوگا کہ یہ کیوں ہوا، اور کیوں ہو رہا ہے؟ اور جو کچھ ہوگا وہ سب عدل وانصاف کے ساتھ اعلیٰ پیمانہ پر ہوگا، اور اطمینان سے ہوگا۔

﴿اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ﴾ اپنے پروردگار کے حکم کو تسلیم کر کے اس پر مضبوطی سے عمل پیرا ہو قبل اس سے کہ وہ دن آجائے جو اٹل اور پختہ ہے، اور کبھی ٹلنے والا نہیں، لہٰذا تم اس کے آنے سے پہلے اپنے لئے کچھ کرلو، یعنی ایمان لاؤ اور اعمال صالحہ بجالاؤ۔

﴿مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَىِٕذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ﴾ اس دن تمہارے لئے کوئی جائے پناہ نہیں ہوگی، اور نہ تمہارے لئے انکار کی کوئی گنجائش ہوگی، وہ دن اتنا سخت ہوگا کہ اگر کوئی انکار کرے تو اس کے اپنے سارے

اعضاء اس کے خلاف گواہی دیں گے، اور اس کو مجرم ثابت کریں گے۔ ﴿فَاِنۡ اَعۡرَضُوۡا فَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ عَلَيۡهِمۡ حَفِيۡظًا﴾ اگر یہ لوگ ایمان لانے سے اعراض کریں تو ہم نے آپ کو ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا، خواہ مخواہ ان کی ہدایت آپ کے ذمہ نہیں، اور کسی کے ایمان نہ لانے کی باز پرس آپ سے نہیں ہوگی، لہٰذا ان کے انکار سے دل برداشتہ نہ ہوں۔

﴿اِنۡ عَلَيۡكَ اِلَّا الۡبَلٰغُ﴾ آپ کے ذمہ تو صرف پہنچانا ہی ہے۔ سورۂ رعد میں فرمایا: ﴿فَاِنَّمَا عَلَيۡكَ الۡبَلٰغُ وَعَلَيۡنَا الۡحِسَابُ﴾ [الرعد: ۴۰] (بیشک آپ کے ذمہ پیغام پہنچا دینا ہے، اور ہمارے ذمہ ان سے حساب لینا ہے)۔ مطلب یہ ہے کہ پیغمبروں علیہم السلام کے ذمہ صرف پیغامِ الٰہی لوگوں تک پہنچانا ہے، باقی ہدایت دینا تو یہ ان کے اختیار میں نہیں، یہ صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، دیکھو! فرعون کی بیوی جنت میں ہے، اور نوح علیہ السلام کی بیوی دوزخ میں۔

﴿وَاِنَّاۤ اِذَاۤ اَذَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنَّا رَحۡمَةً فَرِحَ بِهَا﴾ بیشک جب ہم انسان کو اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں وہ خوش ہو جاتا ہے، جب بیچارے انسان پر ظاہری اور باطنی رحمتوں کی بارش ہوتی ہے تو یہ تنگدل خوشی کے مارے پھولے نہیں سماتا، اور کہتا ہے کہ یہ سب کچھ میرے علم و ہنر اور لیاقت واستعداد کا ثمرہ ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و نوازش کا نام تک نہیں لیتا، اور نہ ہی شکر کا سوچتا ہے۔ ﴿وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ سَيِّئَةٌ ۢ بِمَا قَدَّمَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ فَاِنَّ الۡاِنۡسَانَ كَفُوۡرٌ﴾ اور اگر ان کو ان کے برے اعمال یعنی ان کے ہاتھوں کی کمائی کی وجہ سے تکلیف پہنچتی ہے، اپنے برے کرتوتوں کی وجہ سے کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاتے ہیں تو ناشکر گزار بن کر جزع فزع شروع کر کے اللہ تعالیٰ کی شکایت شروع کرتے ہیں۔ حق تو یہ تھا کہ ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا، اپنے برے اعمال کی معافی مانگتا، اور آئندہ کے لئے شکرگزاری کا عہد کرتا۔ آئندہ آیات میں پوری کائنات کو اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کی یاد دہانی فرما رہے ہیں:

﴿لِلّٰهِ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ يَخۡلُقُ مَا يَشَآءُ﴾ آسمانوں کی بلندیوں میں اور زمین کی پستیوں میں، بلکہ یہ کہیے کہ ان کے ساتھ فضاؤں کی ہمواریوں اور وسعتوں میں اللہ تعالیٰ سبحانہ ہی کی بادشاہی ہے، وہ پیدا کرتا ہے جو کچھ چاہتا ہے یہ عمومی حکم کے ساتھ صرف انسان پر توجہ ہے جو کہ اشرف المخلوقات ہے۔ فرمایا: ﴿يَهَبُ لِمَنۡ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنۡ يَّشَآءُ الذُّكُوۡرَ﴾ وہ جس کو چاہے صرف بیٹیاں عطا کرتا ہے، گھر لڑکیوں سے بھرا رہتا

ہے، والدین اور بچیاں ایک لڑکے کی پیدائش کے لئے شب وروز دست بدعا ہیں، مگر حکمت کے تحت شنوائی نہیں ہوتی، اور دعائیں قبول نہیں ہوتیں، اور جس کو چاہے بیٹے عطا کرتا ہے، سارا گھر لڑکوں سے بھرا رہتا ہے، والدین اور یہ لڑکے ایک لڑکی کے لئے دست بدعا ہیں، مگر حکمت ایزدی کچھ اور ہے، دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔

﴿اَوۡ یُزَوِّجُهُمۡ ذُكۡرَانًا وَّاِنَاثًا﴾ دو درجہ انفرادی کے بعد تیسرا درجہ اجتماعی کا ہے، فرمایا: یا ان کو بیٹے اور بیٹیاں جوڑوں کی شکل عطا کرتا ہے، ایک گھر بیٹے اور بیٹیوں دونوں سے بھرا ہوا ہے، چوتھا درجہ یہ ہے:

﴿وَيَجۡعَلُ مَنۡ يَّشَآءُ عَقِيۡمًا﴾ اور جس کو چاہتا ہے بانجھ بنا دیتا ہے، نہ لڑکا نہ لڑکی، دونوں کا فقدان، زندگی بھر میاں بیوی آنسوں بہا بہا کر تھک گئے، دعائیں کرائیں، نوافل پڑھیں، روزے رکھے، صدقات دیئے، مزاروں اور قبروں پر سالہا سال جھاڑو لگائے، کیا کچھ نہیں کیا، جو جو تدبیریں بتانے والوں نے بتائیں سب پر عمل ہوتا رہا، مگر تقدیر نہیں بدلی۔ ہم نے دیکھا ہے کہ بہت بڑے شاہ ویار سرمایہ دار اور صاحب اقتدار اولاد سے محروم ہیں، یا صرف ایک دو بچے کے باپ ہیں، وہ بچے بدصورت بدشکل نکمے بے کمال، دوسری طرف سڑکوں کے کناروں پر جھونپڑیوں میں آباد غریب لوگ جن کے پاس زندگی کی سہولتوں کا نام تک نہیں دس بارہ سرخ وسفید بچوں کے باپ اور سرپرست ہیں، بتاؤ سہی! یہ کس کا نظام ہے؟ اور یہ عطا کرنے والا کون ہے؟ وہ یہ ذات عالی صفات ہے۔

﴿اِنَّهٗ عَلِيۡمٌ قَدِيۡرٌ﴾ بیشک وہ جاننے والا قدرت والا ہے۔

تو وہ داتا ہے کہ جو چاہے کرے ☆ جس کو چاہے دے جسے چاہے نہ دے

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنۡ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحۡيًا اَوۡ مِنۡ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوۡ يُرۡسِلَ رَسُوۡلًا فَيُوۡحِىَ بِاِذۡنِهٖ مَا
يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِىٌّ حَكِيۡمٌ ﴿۵۱﴾ وَكَذٰلِكَ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ رُوۡحًا مِّنۡ اَمۡرِنَا ؕ مَا كُنۡتَ تَدۡرِىۡ مَا الۡكِتٰبُ
وَلَا الۡاِيۡمَانُ وَلٰكِنۡ جَعَلۡنٰهُ نُوۡرًا نَّهۡدِىۡ بِهٖ مَنۡ نَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِنَا ؕ وَاِنَّكَ لَتَهۡدِىۡۤ اِلٰى صِرَاطٍ
مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿۵۲﴾ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِىۡ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ ؕ اَلَاۤ اِلَى اللّٰهِ تَصِيۡرُ الۡاُمُوۡرُ ﴿۵۳﴾

ترجمہ: اور کسی بشر کے لئے یہ موقع نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے بات کرے، ہاں اوحی کے ذریعہ یا پردہ کے پیچھے سے، یا اس طرح بات ہوسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی رسول کو بھیج دے، پھر وہ رسول اس کی اجازت سے اس کی مشیت کے مطابق وحی پہنچا دے، بیشک وہ برتر ہے، حکمت والا ہے ﴿۵۱﴾ اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم

سے قرآن کی وحی کی، آپ نہیں جانتے تھے کہ کیا ہے کتاب اور کیا ہے ایمان؟ اور لیکن ہم نے اسے نور بنادیا ہے، اس کے ذریعہ ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں، اور بلاشبہ آپ صراط مستقیم کی طرف ہدایت دیتے ہیں ﴿۵۲﴾ جو اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے جس کے لئے وہ سب کچھ ہے جو آسمانوں میں ہے، اور جو زمین میں ہے، خبردار! اللہ تعالیٰ ہی کی طرف تمام امور لوٹتے ہیں ﴿۵۳﴾

معارف ومنازل

مذکورہ آیات میں سے پہلی آیت: ﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ﴾ یہود کے ایک معاندانہ مطالبہ کے جواب میں نازل ہوئی ہے، جیسا کہ بغویؒ اور قرطبیؒ وغیرہ نے لکھا ہے کہ یہود نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ آپ پر کیسے ایمان لے آئیں جبکہ آپ نہ اللہ تعالیٰ کو دیکھتے ہیں، اور نہ اس سے بالمشافہہ کلام کرتے ہیں؟ جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کلام کرتے اور اللہ تعالیٰ کو دیکھتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا یہ کہنا غلط ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو بالمشافہ دیکھا ہے، اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی، جس کا حاصل یہ ہے کہ کسی انسان کے لئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ بالمشافہ کلام کرنا اس دنیا میں ممکن نہیں، خود حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مشافہۃً کلام نہیں سنا، بلکہ پسِ پردہ آواز سنی۔

اس آیت میں یہ بھی بتلادیا گیا کہ کسی بشر سے اللہ تعالیٰ کے کلام کرنے کی صرف تین صورتیں ہوسکتی ہیں:

ایک وَحْيًا، یعنی کسی مضمون کو قلب میں ڈال دینا، یہ جاگتے ہوئے بھی ہوسکتا ہے اور نیند میں بصورتِ خواب بھی، جیسا کہ بہت سی احادیث میں منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''ألقي في روعي'' یعنی یہ بات میرے دل میں القاء کی گئی ہے، اور انبیاء علیہم السلام کے خواب بھی وحی ہوتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى﴾ [الصافات: ۱۰۲] (اے میرے بیٹے! میں نے خواب میں دیکھا کہ آپ کو ذبح کر کے قربانی کروں، دیکھو! تمہاری کیا رائے ہے؟) تو انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہی ہے۔ وہ آنکھوں سے سوتے ہیں اور دل میں بیدار رہتے ہیں، اور ہر قسم کے شیطانی تصرفات سے محفوظ رہتے ہیں۔ اس صورت میں یقیناً الفاظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوتے جیسا کہ عام طور پر وحی خفی کا حال ہے، اس مضمون کو پھر اپنے الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں۔

دوسری صورت ''مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ'' ہے، یعنی جاگتے ہوئے کوئی کلام پسِ پردہ سنے، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر پیش آیا کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھے بغیر اس کا کلام سنا، پس زیارت کی درخواست کی: ﴿رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْكَ﴾ [الأعراف: ۱۴۳] (اے میرے پروردگار! مجھے اپنی زیارت کراؤ) جواب ملا: ﴿لَنْ تَرٰىنِیْ﴾ [الأعراف: ۱۴۳] (تم ہرگز مجھے دیکھ نہیں سکتے)۔ اور یہ حجاب جو دنیا میں انسان کو اللہ تعالیٰ کی زیارت سے مانع ہے، وہ کوئی ایسی چیز نہیں جو حق تعالیٰ کو چھپا سکے، کیونکہ اس کے نورِ محیط کو کوئی چیز نہیں چھپا سکتی، بلکہ انسان کی قوت بینائی کا ضعف ہی اس کے لئے زیارت حق تعالیٰ کے درمیان حجاب ہوتا ہے۔ اسی لئے جنت میں اس کی بینائی قوی کردی جائے گی، تو وہاں ہر جنتی حق تعالیٰ کی زیارت سے مشرف ہوگا، جیسا کہ احادیثِ صحیحہ کثیرہ کی تصریح کے مطابق اہلسنت والجماعت کا مذہب ہے۔

یہ قانون جو آیت کریمہ میں ارشاد ہے دنیا کے متعلق ہے کہ دنیا میں کوئی انسان (یا بڑے سے بڑا فرشتہ) اللہ تعالیٰ شانہ سے کلام مشافہۃً یعنی بغیر حجاب کے نہیں کرسکتا، اور انسان کی تخصیص کلام میں اس لئے ہے کہ گفتگو انسان ہی کے متعلق تھی، ورنہ ظاہر یہ ہے کہ فرشتوں سے بھی حق تعالیٰ شانہ کا کلام مشافہۃً نہیں ہوتا، جیسا کہ ترمذی کی روایت میں حضرت جبریل علیہ السلام سے منقول ہے کہ میں بہت قریب ہوگیا تھا، اور پھر بھی ستر ہزار نورانی حجاب درمیان میں حائل تھے۔ اور شب معراج آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حق تعالیٰ سے بالمشافہہ کلام اگر ثابت ہوجائے جیسا کہ بعض علماء کا قول ہے تو وہ اس کے منافی نہیں ہے، کیونکہ وہ کلام اس عالم میں نہیں تھا، وہ فوق السموات ملاء اعلیٰ میں تھا، شیخ ابن عربی نے یہی فرمایا ہے۔ واللہ اعلم

تیسری صورت ''اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا'' یعنی کسی فرشتہ حضرت جبرئیل علیہ السلام وغیرہ کو اپنا کلام دے کر بھیجا جائے، اور وہ پیغمبر کو پڑھ کر سنادے، اور یہی طریقہ عام رہا ہے، اور پورا قرآن مجید اسی کے ساتھ اترا ہے، بواسطۂ فرشتہ۔ مذکورہ تفصیل میں ''وَحیاً'' کو صرف القاء فی القلب کے معنی میں لیا گیا ہے، مگر اکثر یہ لفظ تمام اقسام کلامِ ربانی کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے، جیسا کہ صحیح بخاری کے شروع میں کتاب الوحی کی ابتدائی حدیثوں میں اس کا بیان ہے، اور ان احادیث کے شارحین نے وحی الٰہی کی سات اقسام بیان کی ہیں۔ اور یہ مبارک لفظ ''وحی'' اپنے جمیع مشتقات کے ساتھ قرآن مجید میں اکیاسی (۸۱) مرتبہ مذکور ہے۔ وہاں یہ بھی مذکور ہے کہ فرشتے کے ذریعہ جو وحی آتی ہے اس کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ فرشتہ اپنی اصلی ہیئت میں آتا ہے، اور مثل صلصلۃ الجرس گھنٹی کی آواز کی طرح وحی القاء کرتا

ہے، دوم یہ کہ انسانی شکل میں آتا ہے، اکثر و بیشتر وہ حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں آتے تھے۔

﴿اِنَّهٗ عَلِیٌّ حَكِیْمٌ﴾ بیشک وہ بڑی شان والا ہے، بڑی حکمت والا ہے۔ ﴿وَ كَذٰلِكَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ وَ لَا الْاِیْمَانُ﴾ اور اسی طریقے سے ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی، اپنے حکم سے ایک روح، یہاں روح سے مراد قرآن پاک ہو یا حضرت جبرئیل علیہ السلام دونوں صحیح ہیں، فرمایا: آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب اور اس کی تفصیلات کیا ہیں؟ اور ایمان اور اس کی تفصیلات مؤمن بہ اور شرائط و لوازمات کیا ہیں؟ مفسرین کرام نے فرمایا کہ یہ تو درست ہے کہ نزولِ کتاب سے پہلے آپ اس کتاب سے متعلق تفصیلات نہیں جانتے تھے، مگر ایمان کی نفی تو محال معلوم ہوتی ہے، کیونکہ ہر نبی نزولِ وحی سے پہلے بھی مؤمن ہی ہوتا ہے، کیونکہ ہر نبی پیدائشی طور پر مؤمن اور معصوم ہی ہوتا ہے۔

ہاں! یہ بات درست ہے کہ وحی سے پہلے جو نبی کا ایمان ہوتا ہے وہ اجمالی ہوتا ہے، اور وحی کے بعد والا ایمان تفصیلی ہوتا ہے، چنانچہ ''وَلَا الْاِیْمَانُ'' میں نفی تفصیلی کی ہے، نہ کہ اجمالی کی۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہ نے فرمایا کہ نزولِ وحی سے پہلے اللہ تعالیٰ کے نبی قطب باطنی کے درجے میں ہوتے ہیں، نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ایمان، توحید، شرک اور کفر معلوم تو تھے یعنی ان سے واقف تھے، مگر ان کی تفصیلات سے واقف نہیں تھے، جو بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ نے بتادیا، اس لئے فرمایا کہ آپ کتاب اور ایمان سے واقف نہیں تھے۔

﴿وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا﴾ بلکہ ہم نے قرآن کریم کو ایسا نور بنا کر بھیجا ہے کہ جس کے ذریعے ہم ہدایت دیتے ہیں اپنے بندوں میں سے جسے چاہیں اسی طرح: ﴿وَاِنَّكَ لَتَهْدِیْۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ﴾ آپ بھی لوگوں کو صراط مستقیم کی طرف راہنمائی فرماتے ہیں۔ ﴿صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ﴾ اور وہ راستہ اس وحدہٗ لاشریک پاک ذات کا ہے جو آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کا مالک ہے۔ ﴿اَلَاۤ اِلَی اللّٰهِ تَصِیْرُ الْاُمُوْرُ﴾ خبردار! تمام کاموں کا انجام آخر کار اسی پاک ذات ہی کی طرف پہنچنے والا ہے جیسے فرمایا: ﴿اِلٰی رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا﴾ [النازعات: ۴۴] (اس کا علم تو تمہارے پروردگار پر ختم ہے)۔

الحمدللہ تعالیٰ وبعونہ وحسن توفیقہ قدتم تفسیر سورۃ الشوریٰ

سُورَةُ الزُّخْرُفِ

مکیۃٌ آیاتہا ۸۹ رکوعاتہا ۷

سورۂ زخرف مکی ہے، اس میں نواسی (۸۹) آیتیں، اور سات (۷) رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام:

اس سورت کا نام سورۃ الزخرف ہے جو اس کی آیت ۳۵ کے لفظ زخرف سے ماخوذ ہے۔ یہ سورت ترتیب تلاوت میں ۴۳ ویں نمبر پر ہے، اور ترتیب نزول میں ۶۳ ویں نمبر پر ہے۔

نزول:

یہ سورت مکی ہے، اور حوامیم سبعہ میں سے ہے، اس کا نزول سورۃ الشوریٰ کے بعد ہے۔ اس سورت کی وجہ تسمیہ اپنے مقام پر آئے گی، مختصر یہ کہ حقیقت میں زخرف سونے کی ملمع سازی کا نام ہے۔

تعداد حروف وکلمات:

اس سورت میں ۷ رکوع، ۸۹ آیات، ۸۴۳ کلمات، اور تین ہزار چھ سو چھپن (۳۶۵۶) حروف ہیں۔

ربط ومناسبت:

گزشتہ سورت کا اختتام وحی الٰہی کی عظمت کے ساتھ ہوا، اس سورت کی ابتداء عظمت واہمیت وحی کے ساتھ ہے، اور دونوں حوامیم سبعہ میں سے ہیں، نیز اصولِ ایمان، توحید، رسالت، صداقتِ قرآن اور اثباتِ قیامت، نیز

نتائجِ اہل ایمان واہل شرک کا دونوں سورتوں میں یکساں بیان ہے، نیز جنت ودوزخ اوران کے اہل کا بیان بھی ہے۔

مختصر موضوع:

اس سورت میں عقائدِ حقہ کا اچھا خاصا بیان ہے، چنانچہ اثباتِ توحید اور ابطالِ شرک، اثباتِ وحی، اثباتِ رسالت، اثباتِ قیامت، تہدیدِ کفار ومشرکین اور یہود ونصاریٰ، ازالہ شبہات معاندین اور تسلّی حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم، تحقیرِ متاع دنیا وغیرہ، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے واقعات، نیز فرعون کے غرور وتکبر اور سرکشی وغیرہ بہت سے امور کا بیان ہے، آخر میں صفات باری تعالیٰ جل شانہ کا بیان ہے، اور قیامت کی سختی وہولناکی کا بھی۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

حٰمٓ ۞ۚ ﴿۱﴾ وَالۡكِتٰبِ الۡمُبِيۡنِ ۞ۙ ﴿۲﴾ اِنَّا جَعَلۡنٰهُ قُرۡءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ۞ۚ ﴿۳﴾ وَاِنَّهٗ فِىۡۤ اُمِّ الۡكِتٰبِ لَدَيۡنَا لَعَلِىٌّ حَكِيۡمٌ ۞ؕ ﴿۴﴾ اَفَنَضۡرِبُ عَنۡكُمُ الذِّكۡرَ صَفۡحًا اَنۡ كُنۡتُمۡ قَوۡمًا مُّسۡرِفِيۡنَ ﴿۵﴾ وَكَمۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ نَّبِىٍّ فِى الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿۶﴾ وَمَا يَاۡتِيۡهِمۡ مِّنۡ نَّبِىٍّ اِلَّا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ﴿۷﴾ فَاَهۡلَكۡنَاۤ اَشَدَّ مِنۡهُمۡ بَطۡشًا وَّمَضٰى مَثَلُ الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿۸﴾

ترجمہ: حٰمٓ ﴿۱﴾ قسم ہے واضح کتاب کی ﴿۲﴾ بلاشبہ ہم نے اس کو قرآن عربی بنایا ہے تاکہ تم سمجھو ﴿۳﴾ اور بلاشبہ اُم الکتاب میں ہمارے پاس ہے بلند ہے، حکمت والا ہے ﴿۴﴾ کیا ہم نصیحت کو تم سے اس وجہ سے ہٹالیں گے کہ تم حد سے بڑھ جانے والے ہو؟ ﴿۵﴾ اور ہم نے پہلے لوگوں میں کتنے ہی نبی بھیجے ﴿۶﴾ اور ان کے پاس جو بھی کوئی نبی آتا تھا وہ اس کا مذاق بناتے تھے ﴿۷﴾ پھر ہم نے ان میں سے ان لوگوں کو ہلاک کردیا جو زور آوری میں خوب بڑھ کر تھے، اور پہلے لوگوں کی یہ حالت گزر چکی ہے ﴿۸﴾

معارف ومنازل

حٰمٓ: حروف مقطعات پر سورۂ بقرہ کے شروع میں مفصل کلام گزر چکا ہے۔ شروع سورت سے قرآن حکیم

کی حقانیت کا زوردار الفاظ میں بیان فرمارہے ہیں، اور اس کی بلندی و برتری کی تعریف ہورہی ہے، فرمایا:

﴿وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ﴾ قسم ہے کھول کر بیان کرنے والی کتاب کی۔ کتاب سے مراد قرآن حکیم ہے۔ کائنات بلکہ آخرت کے متعلق کوئی ایسا مسئلہ نہیں جس کا جواب اور حل قرآن حکیم میں نہ ہو۔ سورۃ المائدہ میں فرمایا: ﴿قَدْ جَاءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ﴾[المائدة:۱۵] (تحقیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس ایک نوراور ایک واضح کتاب آگئی ہے) چمکدار روشنی جو تمہیں ظلمتوں سے نکال کر ہدایت کی طرف لانے والی ہے، اور کھول کر وضاحت کے ساتھ بیان کرنے والی کتاب آگئی ہے، یہ گلدستہ حکمت وانوار ہے جو کہ: ﴿لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾ [البقرة: ۲] (اس میں کوئی شک نہیں ہے) وہ اس لئے کہ: ﴿تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ﴾ [یٰس:۵] (اتارا ہوا ہے زبردست اقتدار والی ذات رحیم ذات کی طرف سے) اور ﴿تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ﴾[حم سجدة:۴۲] (اتارا ہوا ہے کہ حکمت والی ذات تعریفوں والی ذات کی طرف سے) تمام جہانوں کے خالق و مالک جل شانہ کا نازل کیا ہوا ہے، اور وہی ہے: ﴿بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ﴿۲۱﴾ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ﴾ [البروج] (بلکہ وہ قرآن مجید ہے، لوح میں محفوظ ہے)۔

﴿اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ بیشک ہم نے اس کتاب مبین کو عربی زبان میں نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگ اس کو بخوبی سمجھ سکیں، اور اس پر ایمان لاکر اس کا پیغام پورے جہاں میں پھیلائیں۔

﴿وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ﴾ اور بیشک یہ کتاب ہمارے پاس لوح محفوظ میں بہت برتر اور مستحکم ہے اور حکمتوں سے لبریز ہے، بلند ہے۔ ﴿اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ﴾ تو کیا ہم تم سے اعراض کریں ذکر ونصیحت کرنے سے اس بناء پر کہ تم لوگ حد سے گزر جانے والے ہو؟

مطلب یہ ہے کہ اس نبی اور قرآن کو تسلیم کرنے کے لئے تم تیار نہیں ہو، تو کیا ہم تمہیں نصیحت نہ کریں؟ اور تمہاری برائیوں پر وعید نازل نہ کریں؟ ایسا ہرگز نہیں ہوگا، بلکہ ہم زجر وتنبیہ بھی کریں گے، اور وعظ ونصیحت بھی کریں گے، خواہ تم کچھ بھی ہو تاکہ تم پر مکمل اتمامِ حجت ہو، اور قیامت کے دن یہ نہ کہو کہ: ﴿مَا جَاءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ﴾[المائدة:۱۹] (ہمارے پاس نہ کوئی خوشخبری سنانے والا اور نہ ڈرانے والا آیا)۔ اے کفار تم جھوٹ بولتے ہو، ہماری طرف سے تمہارے پاس بشیر بھی آئے اور نذیر بھی آئے۔

﴿وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ﴾ اے مشرکین مکہ! یہ کوئی نئی بات نہیں، بلکہ یہ دستور بہت قدیم زمانوں سے چلا آرہا ہے، اور ہم نے کتنے ہی رسول بھیجے پہلی قوموں میں، مگر وہ لوگ بھی تمہاری طرح منکر ہوتے رہے۔ ﴿وَمَا يَأْتِيْهِمْ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ مگر ان کے پاس جو بھی نبی آئے ان بدنصیبوں نے ان پیغمبروں کا مذاق اڑایا، اور ان کی تکذیب کر کے انہیں پریشان کر دیا اور تکلیف پہنچائی۔ سورۂ یٰسں میں فرمایا: ﴿يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ﴾[یس:۳۰] (کتنا افسوس ہے لوگوں پر جب بھی آیا ان کے پاس کوئی رسول انہوں نے اس کے ساتھ ٹھٹا کیا، مذاق بنایا)۔

﴿فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا﴾ پھر ہم نے ہلاک کر ڈالا ان میں سے سخت زور والوں کو، یہی انجام تمہارے مکے والوں کا بھی ہوگا۔ ﴿وَمَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ پہلے لوگوں کی تباہی کی اس قسم کی مثالیں گزر چکی ہیں، تاریخ کے اوراق اس پر شاہد ہیں پس موجودہ اور آئندہ کے متکبرین اگر عبرت نہیں سیکھتے تو وہ بھی ہلاک ہو جائیں گے۔

فائدہ:

گزشتہ اقوام کی تباہی کی داستان ہمارے سامنے ہے، وہ لوگ یا تو خالص مشرک تھے فقط، یا شرک کے ساتھ کوئی خاص کبیرہ گناہ ان کے معاشرہ کا حصہ ہوتا تھا، کبھی ایک کبھی دو، وہ لوگ اپنے ان خاص جرائم کی پاداش میں ایسے ہلاک کئے گئے کہ صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دیئے گئے۔ ہمارے موجودہ زمانہ کے یہود ونصاریٰ، ہندو اور بدھ مت والے لوگ اور کمیونسٹ دہریہ اقوام شر کے علاوہ ایک دو گناہ نہیں بلکہ ہزاروں مخرب اخلاق گناہوں میں مبتلا ہیں جو گزشتہ ہلاک شدہ اقوام کے گناہوں سے ہزاروں لاکھوں مرتبہ یہ گناہ بدتر اور سخت ہیں۔

قوم عاد وثمود کے ایک سال بھر کے گناہ اتنے نہیں تھے جتنے گناہ امریکہ اور دیگر مغربی اقوام کے ایک گھنٹہ میں رونما ہوتے ہیں، ۔ وط کا عمل ں تک محدود تھا، اور اس گناہ میں ملوث لوگ مشکل سے پانچ ہزار لوگ تھے، اور آج اس ناروا عمل میں جو لوگ ملوث ہیں ان کی تعداد کم از کم ایک ارب تک ہے۔

بعض سنجیدہ دیندار لوگ سوال کرتے ہیں کہ اس زمانہ کے مجرمین پر آخر عذاب کیوں نہیں آتا؟ یہ سوال بالکل برحق اور صحیح ہے۔ الجواب: کفار ومشرکین کی دنیا میں ہلاکت کے لئے دو شرطیں ہیں، اگر یہ دونوں شرطیں موجود ہوں تو ہلاکت یقینی ہے ورنہ نہیں، اگر صرف ایک ہی شرط موجود ہو تو ہلاکت نہیں ہوگی: پہلی شرط تو کفر وشرک ہے، جبکہ اس

کے ساتھ حقوق العباد بھی بڑے پیمانہ پر متاثر ہوں۔ دوسری شرط یہ ہے کہ اس ہلاک شدہ قوم کا پیغمبر اس امت کی ہلاکت پر راضی ہو، اور اس امت کی ہلاکت کے لئے بار بار اللہ تعالیٰ سے مطالبہ اور درخواست بھی کر رہا ہو، موجودہ زمانہ میں مشرق سے مغرب تک اور جنوب سے شمال تک دنیا کی پوری آبادی خواہ وہ کسی بھی عقیدہ کے لوگ ہوں آنحضرت سرور عالم ﷺ کی امت اور آپ کے امتی کہلائیں گے، جو مومن ہیں وہ امت اجابت کہلائیں گے، اور جو غیر مسلم ہیں وہ امت دعوت کے نام سے موسوم ہیں، پس امت دعوت کی ہلاکت اور تباہی کے لئے آپ ﷺ کی رضامندی اور اللہ تعالیٰ سے مطالبہ شرط ہے جو کہ یہاں مفقود ہے، آپ ﷺ رحمۃ للعلمین کے مخصوص عظیم لقب سے موصوف ہیں، آپ ﷺ نے مشرکین و کفار کی ہلاکت کی عمومی تباہی کی دعا کبھی نہیں مانگی، اور نہ ہی اس پر راضی رہے، بلکہ اللہ تعالیٰ سے یہی درخواست کرتے رہے کہ میری امت کو گزشتہ اقوام کی طرح ہلاک نہ کیا جائے۔ حدیث شریف میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر نبی کے لئے ایک مخصوص دعا ہوتی ہے، پس ہر نبی نے عجلت کی اپنی وہ مخصوص دعا دنیا میں طلب کی (وہ قوموں کی ہلاکت کی دعا ہے) جبکہ میں نے وہ مخصوص دعا دنیا میں نہیں مانگی، آخرت کے لئے اس کو ذخیرہ بنایا، قیامت کے دن سب کے لئے شفاعت کروں گا۔ [بخاري ومسلم]

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ﴿۹﴾ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا وَّجَعَلَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۱۰﴾ وَالَّذِي نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ ۚ فَأَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۚ كَذٰلِكَ تُخْرَجُونَ ﴿۱۱﴾ وَالَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْأَنْعَامِ مَا تَرْكَبُونَ ﴿۱۲﴾ لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ إِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُولُوْا سُبْحٰنَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِينَ ﴿۱۳﴾ وَإِنَّآ إِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ۚ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَكَفُورٌ مُّبِينٌ ﴿۱۵﴾

ترجمہ: اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں کو اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ تو ضرور کہیں گے کہ انہیں عزیز علیم نے پیدا کیا ﴿۹﴾ جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا بنا دیا، اور تمہارے لئے اس نے راستے بنا دیئے تاکہ تم ہدایت پاؤ ﴿۱۰﴾ اور جس نے ایک انداز سے آسمان سے پانی برسایا، پھر ہم نے اس کے ذریعے مردہ زمین کو زندہ

کر دیا، اسی طرح تم نکالے جاؤ گے ⑪ اور جس نے تمام اقسام کو پیدا فرمایا، اور تمہارے لئے کشتیاں اور جانوروں میں سے وہ چیزیں پیدا فرمائیں جن پر تم سوار ہوتے ہو⑫ تاکہ تم ان کی پشتوں پر بیٹھ جاؤ، اور پھر اپنے ربّ کی نعمت کو یاد کرو جب تم اس پر بیٹھ جاؤ، اور تم یوں کہو: پاک ہے وہ ذات جس نے ہمارے لئے اس کو مسخر فرما دیا، اور ہم اس کو قابو میں کرنے والے نہ تھے ⑬ اور بیشک ہم اپنے ربّ کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں ⑭ اور ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے لئے اس کے بندوں میں سے جزو ٹھہرا دیا، بلاشبہ انسان واضح طور پر ناشکرا ہے ⑮

معارف ومنازل

ان آیات میں دلائل قدرت کا بیان ہوگا، پھر شرک کی مختلف قسموں کا رد ہوگا۔ فرمایا:

﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ اگر آپ ان کافروں اور مشرکوں سے پوچھیں کہ کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ مطلب یہ کہ علویات اور سفلیات پوری کائنات کا خالق کون ہے؟

﴿لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ﴾ تو لازماً وہ یہی کہیں گے کہ ان اشیاء کا خالق وہی ذات ہے کہ زبردست غالب جاننے والا ہے۔ ﴿الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّجَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾ وہ ذات پاک خالق کائنات جس نے زمین کو تمہارے لئے بچھونا بنا دیا، اور اس میں جگہ جگہ تمہارے لئے راستے بنا دیئے تاکہ تمہیں زمین پر چلنے اور سفر کرنے میں کوئی مشکل پیش نہ آئے، اور تم ہر طرف جانے آنے میں بخوشی سہولت کے ساتھ راستہ پاؤ، اور چلو پھرو اپنی زندگی کے مقاصد پورا کرتے رہو۔

﴿وَالَّذِيْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ ۚ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۚ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ﴾ یہ نہیں کہ زمین کو تمہارے لئے بچھونا بنا کر یوں ہی مہمل چھوڑ دیا، بلکہ تمہاری زندگی اور معاش کا ایک ایسا زبردست نظام متعارف کرایا کہ آسمان کی طرف سے ایک خاص اندازے کے ساتھ پانی نازل فرمایا، پھر اس کے ذریعہ مردہ شہروں اور ان کے متعلقہ زمینوں کو خشکی اور ویرانی کے بعد زندہ فرمایا، اور سرسبز وآباد فرمایا، تو جس طرح مردہ زمین کو زندہ کرنے پر قادر ہے اسی طرح مرنے کے بعد دوبارہ تمہیں زندہ کرنے پر بھی قادر ہے، پس تم بھی اسی طرح نکالے جاؤ گے۔

﴿وَالَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ

کی ذات وہ ہے جس نے ہر چیز کے جوڑے بنائے تمام جانداروں میں، اور بعض درختوں اور جڑی بوٹیوں میں نر و مادہ کا سلسلہ قائم فرمایا تاکہ ان کی نسل ترقی کرے اور باقی رہے۔ یا یہ معنی ہو کہ دنیا کے اکثر و بیشتر چیزوں میں اضداد پیدا کیے، یعنی سیاہ و سفید، گرم و سرد، خشک و تر، مفید و مضر، اچھا و برا وغیرہ وغیرہ۔ یہ دونوں باتیں قدرت کی نمایاں نشانیوں میں سے ہیں، اور تمہارے دریائی اور خشکی پر سفر کے لئے کشتیاں اور جانور پیدا فرمائے، جن پر تم سواری کرتے ہو اور حمل و نقل، نیز تجارت و کاروباری امور سارے کے سارے انہیں کشتیوں اور جانوروں کے ذریعہ انجام دیتے رہتے ہو۔

دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ۚ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ [النحل:۸] (اور گھوڑے، خچر اور گدھے اسی نے پیدا کیے ہیں تاکہ تم ان پر سواری کرو، اور وہ زینت کا سامان بنیں)۔ اور سورۂ یٰسین میں فرمایا: ﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ۝ وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ ۝ وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ﴾ [یٰس] (اور کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم نے اپنے ہاتھوں کی بنائی ہوئی چیزوں میں سے ان کے لیے مویشی پیدا کیے، اور یہ ان کے مالک بنے ہوئے ہیں؟ اور ہم نے ان مویشیوں کو ان کے قابو میں دے دیا ہے، چنانچہ ان میں سے کچھ وہ ہیں جو ان کی سواری بنے ہوئے ہیں، اور کچھ وہ ہیں جنہیں یہ کھاتے ہیں۔ نیز ان کو ان مویشیوں سے اور بھی فوائد حاصل ہوتے ہیں)۔

ابھی بھی پورے عالم میں جہاں ناہموار علاقے ہیں یا پہاڑی درے ہیں یا ریگستانی خطے ہیں، تو وہاں کے فوجی اور غیر فوجی کام سفر اور ہر قسم کے حمل و نقل کا ذریعہ یہی جانور اونٹ، گھوڑے، خچر اور گدھے ہیں، جن کے ذریعہ تمام سفری پریشانیاں دور ہو جاتی ہیں، ہوسکتا ہے کہ قرب قیامت میں دوبارہ انہی کا راج و رواج عام ہو۔

﴿لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ﴾ تاکہ تم برابر ہو کر بیٹھو ان کی پشت پر، پھر اپنے پروردگار کی اس نعمت کو یاد کرو کہ اس نے تمہارے لئے ان بھاری بھرکم دیوہیکل طاقتور جانوروں کو مسخر و فرمانبردار بنایا، جب تم ان پر آرام سے سیدھا سوار ہو جاؤ تو اپنے پروردگار کا شکر ادا کرو، اور یوں کہو:

﴿وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ﴾ اور تم کہو: پاک ہے وہ ذات عالی صفات جس نے ہمارے لئے اس سواری کو مسخر فرمایا، ورنہ ہم تو اسے قابو کرنے والے نہ تھے۔ یہ امر ہر شخص کی ہمت و

استطاعت سے باہر ہے کہ وہ ان بڑے جانوروں کو قابو میں رکھ کر ان پر سواری کرے، یہ سب اللہ تعالیٰ کا کرم اور ذرہ نوازی ہے کہ اس نے انسان کے لئے ہر چیز کو مسخر فرمایا۔ مگر کاش یہ ناشکرا انسان شریعت کا تابع ہو کر مسخر ہو جائے۔ لیکن اس نے بغاوت کر کے اپنے مستقبل کو ہمیشہ کے لئے تاریک کر دیا۔

یہ اسلام کی جامعیت اور فیض و برکات کا واضح ثبوت ہے کہ زندگی کے تمام مراحل اور ترقی کے تمام مدارج اور انوار و برکات کے حصول کے لئے ہمیں ہر قدم پر انابت اور رجوع سکھایا، اٹھنے بیٹھنے چلنے پھرنے کھانے پینے سونے جاگنے، الغرض تین سو مقامات میں قدم رکھنے کے لئے زرّیں اصول کے تحت دعاؤں کا سلسلہ جاری فرمایا، اور یہاں تک کہ بول و براز اور بیت الخلاء کے آداب بھی سکھائے، علماء کرام نے ان تمام مقامات کی دعاؤں کو عوام الناس کی سہولت کی خاطر کتابوں اور رسالوں میں جمع فرما کر ہم پر احسان فرمایا ہے، ہمیں چاہئے کہ ان رسالوں کا مطالعہ کر کے تمام ادعیات کی برکات سے مستفیض ہوں۔ تو فرمایا کہ جانوروں پر سواری کے وقت یہ دعا پڑھو:

﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ﴾۔ آج کل سواریاں موٹر سائیکل، بس، جیپ، کار، ویگن، ٹرک، ٹرین، ہوائی جہاز وغیرہ سب کے لئے یہی دعا ہے، البتہ کشتی اور بحری جہاز کے لئے: ﴿بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ [ھود:۴۱] (اس کا چلنا بھی اللہ کے نام سے ہے، اور لنگر ڈالنا بھی، بیشک میرا پروردگار بہت بخشنے والا، مہربان ہے) پڑھنا چاہئے۔

یاد رکھو! سواریوں پر سوار ہوتے وقت اگر پابندی کے ساتھ دعاؤں کا اہتمام ہوگا تو سفر امن و امان و سہولت کے ساتھ گزر جائے گا، حادثات سے محفوظ ہوں گے، اور یہ تجربہ ہے۔

﴿وَاِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ﴾ بیشک ہم اپنے پروردگار کی طرف ہی پھر کر جانے والے ہیں، اور اپنے اچھے اور برے اعمال کا بدلہ اور جزا و سزا پانے والے ہیں، کاش ہم ہدایت پر چلنے والے ہوتے، اور ایسے خبیث عقائد سے دور ہو جاتے جن کا بیان آنے والا ہے۔ ﴿وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِیْنٌ﴾ مشرکین نے اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے اس کے لئے ایک جز ٹھہرایا ہے، انسان کس قدر کھلا ناشکر گزار ہے، جیسے یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کو، اور نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو، اور مشرکین نے فرشتوں کو اللہ تعالیٰ واحد لاشریک ﴿لَمْ یَلِدْ ۙ وَلَمْ یُوْلَدْ ۝۳ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝۴﴾ [الإخلاص] (نہ اس نے اولاد جنی، اور نہ اس کو کسی نے جنا ہے، اور اس کے لیے کوئی ہمسر نہیں ہے) کا (العیاذ باللہ) جز و اولاد قرار دے کر اتنا

بڑا ظلم کیا جسے آسمان بھی نہ اٹھا سکے۔

اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا یَخۡلُقُ بَنٰتٍ وَّ اَصۡفٰىكُمۡ بِالۡبَنِیۡنَ ﴿۱۶﴾ وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمۡ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحۡمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ
وَجۡهُهٗ مُسۡوَدًّا وَّ هُوَ كَظِیۡمٌ ﴿۱۷﴾ اَوَ مَنۡ یُّنَشَّؤُا فِی الۡحِلۡیَةِ وَ هُوَ فِی الۡخِصَامِ غَیۡرُ مُبِیۡنٍ ﴿۱۸﴾ وَ جَعَلُوا الۡمَلٰٓئِكَةَ
الَّذِیۡنَ هُمۡ عِبٰدُ الرَّحۡمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوۡا خَلۡقَهُمۡ ؕ سَتُكۡتَبُ شَهَادَتُهُمۡ وَ یُسۡـَٔلُوۡنَ ﴿۱۹﴾ وَ قَالُوۡا لَوۡ شَآءَ
الرَّحۡمٰنُ مَا عَبَدۡنٰهُمۡ ؕ مَا لَهُمۡ بِذٰلِكَ مِنۡ عِلۡمٍ ٭ اِنۡ هُمۡ اِلَّا یَخۡرُصُوۡنَ ﴿۲۰﴾ اَمۡ اٰتَیۡنٰهُمۡ كِتٰبًا مِّنۡ
قَبۡلِهٖ فَهُمۡ بِهٖ مُسۡتَمۡسِكُوۡنَ ﴿۲۱﴾ بَلۡ قَالُوۡۤا اِنَّا وَجَدۡنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰۤی اُمَّةٍ وَّ اِنَّا عَلٰۤی اٰثٰرِهِمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ ﴿۲۲﴾ وَ
كَذٰلِكَ مَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ فِیۡ قَرۡیَةٍ مِّنۡ نَّذِیۡرٍ اِلَّا قَالَ مُتۡرَفُوۡهَاۤ ۙ اِنَّا وَجَدۡنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰۤی اُمَّةٍ وَّ اِنَّا
عَلٰۤی اٰثٰرِهِمۡ مُّقۡتَدُوۡنَ ﴿۲۳﴾ قٰلَ اَوَ لَوۡ جِئۡتُكُمۡ بِاَهۡدٰی مِمَّا وَجَدۡتُّمۡ عَلَیۡهِ اٰبَآءَكُمۡ ؕ قَالُوۡۤا اِنَّا بِمَاۤ
اُرۡسِلۡتُمۡ بِهٖ كٰفِرُوۡنَ ﴿۲۴﴾ فَانۡتَقَمۡنَا مِنۡهُمۡ فَانۡظُرۡ كَیۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُكَذِّبِیۡنَ ﴿۲۵﴾

ترجمہ: کیا اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے بیٹیاں پسند کیں اور تمہیں بیٹوں کے ساتھ مخصوص کر دیا؟ ﴿۱۶﴾ اور جب ان میں سے کسی ایک کو اس کی بشارت دی جاتی ہے جسے اس نے بطور اولاد رحمٰن کے لئے تجویز کیا ہے، تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے، اور وہ دل میں گھٹتا ہے ﴿۱۷﴾ کیا جو زیور میں نشو ونما پائے اور وہ بحث ومباحثہ میں واضح بیان نہ دے سکے؟ ﴿۱۸﴾ اور ان لوگوں نے فرشتوں کو عورتیں قرار دیدیا جو اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں، کیا یہ ان کی پیدائش کے وقت موجود تھے؟ ان کا یہ دعویٰ لکھ لیا جاتا ہے، اور ان سے باز پرس ہوگی ﴿۱۹﴾ اور ان لوگوں نے کہا کہ اگر رحمٰن چاہتا تو ہم غیر اللہ کی عبادت نہ کرتے، انہیں اس بات کی کچھ بھی تحقیق وعلم نہیں ہے، وہ محض اٹکل سے بات کرتے ہیں ﴿۲۰﴾ کیا ہم نے انہیں اس سے پہلے کتاب دی ہے جس سے وہ دلیل پکڑتے ہیں؟ ﴿۲۱﴾ بلکہ انہوں نے یوں کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ پر پایا ہے، اور ہم ان کے طریقوں کے مطابق راہ یاب ہیں ﴿۲۲﴾ اور اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے جس کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا بھیجا تو اس کے خوشحال لوگوں نے یوں کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ پر پایا ہے، اور ہم ان کے طریقوں کا اقتدا کرنے والے ہیں ﴿۲۳﴾ ان کے پیغمبر نے کہا: کیا اگر چہ میں تمہارے

پاس اس سے بڑھ کر ہدایت والی چیز لایا ہوں جس پر تم نے اپنے دادوں کو پایا ہے، انہوں نے جواب دیا کہ جس چیز کو دے کر تم بھیجے گئے ہو ہم اس کے منکر ہیں ۲۴ سو ہم نے ان سے انتقام لے لیا، سو دیکھ لیجئے جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا ۲۵

معارف ومنازل

کفار ومشرکین کی گستاخی اور جھوٹ وافتراء کا بیان جاری ہے، اور یہ وہ گستاخیاں ہیں جو کسی طرح قابل معافی نہیں۔ فرمایا: ﴿اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّاَصْفٰىكُمْ بِالْبَنِيْنَ﴾ کیا اللہ تعالیٰ علیم وحکیم نے اپنی مخلوقات میں سے اختیار کیا ہے اپنے لئے بیٹیوں کو، اور تم کو چن لیا اور مخصوص کیا ہے بیٹوں کے ساتھ؟ یہ تمہاری حماقت نہیں اور کیا ہے کہ لڑکیوں سے نفرت کر کے انہیں زندہ درگور کرتے ہو، اور اللہ تعالیٰ کو آسمانوں اور زمین کا خالق ومالک مانتے ہوئے اس کے لئے اولاد اور پھر کمزور اولاد لڑکیاں ثابت کرتے ہو؟

﴿وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ﴾ حالانکہ جب کبھی ان میں سے کسی کو بشارت سنائی جائے اس چیز کی جس کو انہوں نے رحمٰن کے واسطے نمونہ بنا رکھا ہے تو غصہ کے مارے اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے، اور وہ غم وشرمندگی میں ڈوب کر گھٹنے لگتا ہے، اور پیچ وتاب کھا کر لوگوں سے چھپنے کی کوشش کرتا ہے، لگتا ہے کہ اس پر تباہی آگئی ہے۔ سورۃ النحل میں ارشاد ہے: ﴿وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ۝ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۝ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ۭ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰي هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ﴾ [النحل] (ٹھہراتے ہیں اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹیاں، وہ ان چیزوں سے پاک ہے، اور اپنے لئے جو دل چاہتا ہے یعنی بیٹے۔ اور ان میں سے کسی کو لڑکی کی خوشخبری ملتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے، اور دل میں گھٹتا رہتا ہے، لوگوں سے چھپ کر پھرتا ہے اس بری خبر کی وجہ سے جو سنی ہے، اب سوچتا ہے کہ اس کو رہنے دے ذلت کے ساتھ یا اس کو دبا دے مٹی میں)۔

یہ ان کا ظالمانہ فیصلہ تھا، یہ انسان کتنا کم ظرف اور احمق ہے کہ جس چیز کو اپنے لئے عار سمجھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے لئے تجویز کرنے سے نہیں شرماتا۔ امام جاحظؒ نے اپنی کتاب البیان والتبیین میں ایک شخص ابوحمزہ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ اس کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی، وہ بیوی اور گھر دونوں سے جدا ہو کر اپنے پڑوسی کے گھر چھپ گیا، اس کی بیوی نے

ہر چند انہیں سمجھایا مگر وہ اپنے گھر نہیں آیا، اس کی بیوی شاعرہ عالمہ تھی، اس نے یہ کہا:

مَالِاَبِیْ حَمْزَۃَ لَا یَاْتِیْنَا ★ یَبِیْتُ فِیْ بَیْتِ الَّتِیْ تَلِیْنَا

غَضْبَانَ اَنْ لَّا نَلِدَ الْبَنِیْنَا ★ تَاللّٰہِ وَمَاذَاکَ بِاَیْدِیْنَا

نَحْنُ کَزَرْعٍ لِمَا قَدْ زَرَعُوا فِیْنَا

ترجمہ: ابو حمزہ کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ گھر نہیں آتا، بلکہ اپنے پڑوسی کے ہاں رات گزارتا ہے، وہ اس بات سے ناراض ہے کہ ہم بیٹے نہیں جنتیں، اللہ تعالیٰ کی قسم یہ تو ہمارے اختیار میں نہیں ہے، ہماری مثال تو ایک کھیتی کی ہے کہ اس میں جیسا بیج ڈالا جاتا ہے ویسی اس کی پیداوار ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ﴾ بھلا وہ مخلوق (عورت بیٹی) جو زیور میں نشو و نما پاتی ہے، اور وہ بات چیت اور بحث و مباحثہ میں غیر واضح ہوتی ہے، جس طرح مرد قادر الکلام متکلم و خطیب ہوتا ہے ایسی قدرت عورت نہیں ہوتی۔ ہاں! زرق و برق لباس اور کشیدہ کاری، سونے چاندی، ہیرے جواہرات، زیب و زینت جو عورتوں کی مخصوص علامت و شناخت ہے، ان چیزوں میں ان کو مہارت حاصل ہے، وہ انہیں چیزوں میں نشو و نما پاتی ہیں، اور اعلیٰ اقدار تک رسائی حاصل نہیں کر سکتی ہیں۔

﴿وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا﴾ ان ناداں مشرکوں نے اللہ تعالیٰ کے بندوں فرشتوں کو عورتیں بنا رکھا ہے۔ ﴿اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ۭ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْـَٔلُوْنَ﴾ کیا یہ لوگ فرشتوں کی تخلیق کے وقت موجود تھے جو ان کو دیکھ چکے ہوں کہ وہ عورتیں ہیں؟ ہرگز نہیں، ان کی یہ گواہی لکھ لی جائے گی، پھر ان سے اس کی باز پرس بھی ہوگی، انہیں تمام گستاخیوں کا جواب دینا ہی ہوگا۔

﴿وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ﴾ انہوں نے گستاخی میں یہ بھی کہا کہ اگر رحمٰن چاہتا تو ہم ان باطل معبودوں کی عبادت نہ کرتے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر غیر اللہ کی عبادت اور نذر و نیاز اور ان کے سامنے سجدہ ریزی اتنی ہی معیوب ہوتو پھر اللہ تعالیٰ انہیں ان کاموں سے زبردستی تکوینی امر اور فرشتوں کے ذریعہ کیوں نہیں روکتا؟ اگر وہ رکتا نہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ راضی ہے، اس زعم باطل کا جواب بار بار دیا جا چکا ہے کہ: ﴿قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ﴾ [الأعراف:۲۸] (آپ فرمائیے! بیشک اللہ تعالیٰ کبھی برائیوں کا امر نہیں کرتا) اور برائیوں کو پسند نہیں کرتا، اس نے انبیاء و رسل علیہم السلام کو دنیا میں بھیجا ہے تو اسی مقصد کے لئے کہ دنیا سے تمام برائیوں کا ہمیشہ

کے لئے خاتمہ ہو۔

﴿مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ﴾ انہیں کچھ بھی علم نہیں، وہ جہالت کی تاریکیوں حیران و سرگرداں ہوتے ہوئے بے بنیاد باتیں کہہ رہے ہیں، اور جس طرح دیگر امور میں اللہ تعالیٰ پر افترا اور بہتان سے نہیں شرماتے تو اب کیا شرمائیں گے؟ وہ اپنے ہر باطل عمل کے لئے جو غلط تاویل پیش کرتے ہیں وہ نہایت فرسودہ اور ناکارہ ہوتی ہیں جن کو کوئی تسلیم نہیں کرتا۔ ﴿اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ﴾ کیا ہم نے ان کو اس قرآن سے پہلے کوئی کتاب دے رکھی ہے کہ یہ لوگ اس کو پکڑے ہوئے ہیں، اس آیت کا ربط: ﴿اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ﴾ کے ساتھ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کیا ان فرشتوں کی پیدائش پر یہ لوگ موجود تھے؟ یا قرآن سے پہلے ہم نے ان کو کوئی آسمانی کتاب عطا کی تھی جس سے وہ استدلال کرتے ہیں؟ استفہام انکاری ہے، یعنی ایسی کوئی بات نہیں، بلکہ یہ لوگ محض افترا پردازی پر جی رہے ہیں، بلکہ بات یہ ہے:

﴿بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ پر پایا ہے، اور ہم ان کے پیچھے ان کے راستے پر چل رہے ہیں، یعنی یہ کسی کتاب کے مقلد نہیں ہیں، محض اپنے آبا و اجداد کی اندھی تقلید پر چل رہے ہیں۔ اُمَّة سے مراد طریقہ اور دین ہے۔

﴿وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ﴾ اور اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے جس بھی بستی میں کوئی پیغمبر بھیجا تو وہاں کے مالدار اور عیش پرست لوگوں نے یہی کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ پر پایا ہے، اور ہم بھی ان کے پیچھے اقتدا کر کے چلے جا رہے ہیں۔ اس میں سید کائنات ﷺ کے لئے پیامِ تسکین ہے کہ ان لوگوں کی گمراہی پرانی چلی آتی ہے، ان کے اسلاف کو بھی اپنے مذہب کا کوئی عقلی و نقلی علم نہ تھا، وہ بھی وہی کہتے تھے جو یہ لوگ کہہ رہے ہیں۔

﴿قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ ۭ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ﴾ اس پر ان کے پیغمبر نے کہا کہ کیا تم لوگ اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلتے رہو گے، خواہ میں اس راستہ سے جس پر تم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے زیادہ صحیح طریقہ تمہارے سامنے لاؤں، وہ کہنے لگے کہ ہم اس دین کو نہیں مانتے جس کے ساتھ تم کو بھیجا گیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان کے باپ دادوں کے باطل مذہب کے مقابلہ میں ان کے

انبیاء علیہم السلام بہتر اور برحق دین الٰہی لے کر آئے، اور انہیں قبول کرنے کی دعوت دی، مگر ان بدنصیبوں نے کفر اختیار کر کے دین حق کے قبول کرنے سے انکار کیا، پس فیصلہ آ گیا سو آ گیا:

﴿فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ﴾ پھر ہم نے ان سے بدلہ لیا، یہ انتقام مختلف نافرمانوں پر ایک جیسا نہیں آیا، سورۃ العنکبوت میں ارشاد ہے: ﴿فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا﴾ [العنکبوت: ۴۰] (ہم نے ان سب کو ان کے گناہوں کی وجہ سے پکڑ میں لیا، چنانچہ ان میں سے کچھ وہ تھے جن پر ہم نے پتھراؤ کرنے والی ہوا بھیجی، اور کچھ وہ تھے جن کو ایک چنگھاڑ نے آ پکڑا، اور کچھ وہ تھے جن کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا، اور کچھ وہ جنہیں ہم نے پانی میں غرق کر دیا)۔ اس آخری جملہ سے مراد قوم نوح اور قوم فرعون دونوں مراد ہیں، جنہیں پانی کے ذریعہ غرق کیا گیا۔

فرمایا: پھر دیکھو ان جھٹلانے والوں کا کیا عبرتناک انجام ہوا، یہ سب کے سب صفحہ ہستی سے ہمیشہ کے لئے مٹ کر ناپید ہو گئے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۶﴾ اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ ﴿۲۷﴾ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾ بَلْ مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۹﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۰﴾

ترجمہ: اور جب ابراہیم نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہا کہ بلاشبہ میں ان چیزوں سے بیزار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو ﴿۲۶﴾ سوائے اس ذات کے جس نے مجھے پیدا فرمایا، سو اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ مجھے ہدایت دیتا ہے ﴿۲۷﴾ اور اس نے اپنے بعد میں آنے والی اولاد میں باقی رہنے والا کلمہ چھوڑ دیا تا کہ وہ باز آئیں ﴿۲۸﴾ بلکہ میں نے انہیں اور ان کے باپ دادوں کو سامان دیدیا، یہاں تک کہ ان کے پاس حق اور رسول مبین آ گیا ﴿۲۹﴾ اور جب ان کے پاس حق آیا تو کہنے لگے کہ یہ جادو ہے، اور بیشک ہم اس کے منکر ہیں ﴿۳۰﴾

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ سورۂ بقرہ، سورۂ انعام، سورۂ ہود، سورۃ الانبیاء، سورۃ الشعراء، سورۃ العنکبوت اور سورۂ صافات میں تفصیلاً گزر چکا، وہاں دیکھا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ توحید وشرک، طہارت ونجاست کی طرح دو متضاد چیزیں ہیں جن کا آپس میں کبھی اجتماع نہیں ہوسکتا، پس ظاہر ہے کہ جس کا دل توحید اور اعلیٰ درجے کے ایمان کے ساتھ معمور ہو، اور وہ مسلم بھی ہو، اور حنیف بھی، تو اس کے دل میں کفروشرک سے کتنی بیزاری ہوگی؟ یہاں تک کہ باپ اور پورے خاندان سے جب مایوس ہوگا تو انہیں چھوڑ کر اپنی بیوی کے ساتھ بابل سے ملک شام کی طرف ہجرت کرے گا، اور پورے معاشرہ سے براءت کا اعلان کرے گا، ارشاد ہے:

﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ﴾ اور جبکہ کہا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو جن کا نام سورۃ الانعام میں آزر بتایا گیا، اور توراۃ نے تارخ بتا دیا، لہٰذا دونوں صحیح ہیں، ایک نام ہوگا دوسرا لقب ہوگا، اور اپنی قوم سے کہا کہ میں بیشک بیزار ہوں ان چیزوں سے جن کی تم عبادت کرتے ہو۔ اس کی قوم بیک وقت بت پرست بھی تھی اور ستارہ پرست بھی۔

﴿اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ﴾ مگر اس ذات سے کہ مجھ کو پیدا فرمایا، میں صرف اسی کی عبادت کرتا ہوں، بیشک وہی مجھے ہدایت کی راہ دکھاتا۔ ہے طبقات ابن سعد میں لکھا ہے کہ یہ اعلان کوئی معمولی تو ہرگز نہ تھا، آگے متکبر وجبار مدعیٔ اُلوہیت نمرود بن کنعان کا اقتدار تھا، تو اس پر انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سات سال تک قید میں رکھا، پھر تاریخی آگ میں ڈالنے کی نوبت آئی، سورۂ انبیاء میں تفصیل گزر چکی ہے۔

﴿وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴾ اور کردیا اس کو ایک کلمہ باقی رہنے والا اپنی اولاد میں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے رہیں۔ مطلب یہ کہ ابراہیم علیہ السلام نے اس کلمۂ توحید کو اپنی ذات تک محدود نہیں رکھا، بلکہ اس کو اپنی اولاد میں بھی جاری کردیا، فرمایا: ﴿وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ﴾ [البقرۃ: ۱۳۲] (اور اسی کی وصیت کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب نے)۔

پھر یہ سلسلہ بحمدہٖ تعالیٰ عام ہوتا رہا، یہاں تک کہ پوری ملّتِ ابراہیمی پر سایہ افگن ہوا، جس میں یہ آخری امت محمدیہ شامل ہوکر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کہلانے لگی، فرمایا: ﴿مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا﴾ [الحج: ۷۸] (اپنے باپ ابراہیم کی ملّت پر قائم ہوجاؤ، اللہ تعالیٰ ہی نے تمہارا نام رکھا ہے "مسلم" پہلے بھی اور اس قرآن میں بھی)۔ فرمایا:

﴿بَلْ مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ﴾ بلکہ میں نے فائدہ پہنچایا ان مشرکین مکہ کو، اوران کے باپ دادوں کو، یہاں تک کہ حق (قرآن مجید) آ گیا، اور ایسا رسول آیا جو ہر بات کھول کر بیان کرنے والا ہے، یعنی ان کے پاس آخری تاجدار نبوت ﷺ تشریف لائے تاکہ انہیں ظلمات سے نکال کر نور روشنی کی طرف لے آئے، اور جہنم سے نکال کر انہیں جنت کی سیر کرائے، پس ان ناشکرے لوگوں نے بجائے حق قبول کرنے کے آپ ﷺ کو ساحر، شاعر اور کاہن کہا، اور اس طرح ابدی فوز وفلاح سے محروم رہے۔

﴿وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ﴾ اور جب ان کے پاس حق آ گیا تو کہنے لگے: یہ تو جادو ہے۔

﴿وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ﴾ اور ہم اس کو ماننے والے نہیں ہیں، ہم اپنے باپ دادوں کا طریقہ چھوڑ کر گمراہ بننا نہیں چاہتے، اور کسی جادو کا اتباع کر کے اپنے آباء واجداد کے ساتھ غداری نہیں کرتے، کیونکہ نبوت اور آسمانی کتاب کا اصول ہونا چاہئے جو لوگ قومی اور مالی حیثیت سے ممتاز ہوں وہی نبوت اور نزولِ کتاب کے حقدار ہیں۔ آنے والی آیت اسی زعمِ باطل اور گھٹیا ذہن کی تردید میں ہے۔

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ۝۳۱ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ
رَبِّكَ ۭ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ
دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ۭ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝۳۲ وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ
النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا
يَظْهَرُوْنَ ۝۳۳ وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِـــُٔوْنَ ۝۳۴ وَزُخْرُفًا ۭ وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝۳۵

ترجمہ: اور ان لوگوں نے کہا کہ یہ قرآن دونوں بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل نہیں کیا گیا ؟۳۱ کیا وہ آپ کے ربّ کی رحمت کو تقسیم کرتے ہیں؟ ہم نے ان کے درمیان دنیا والی زندگی میں ان کی معیشت تقسیم کر رکھی ہے، اور ہم نے بعض کو بعض پر درجات کے اعتبار سے فوقیت دی ہے تاکہ ان میں سے ایک دوسرے سے کام لیتا رہے، اور آپ کے ربّ کی رحمت اس سے بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۳۲ اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ سب لوگ ایک ہی

طریقہ پر ہو جائیں گے تو ہم ان لوگوں کے لئے جو رحمٰن کے ساتھ کفر کرتے ہیں ان کے گھروں کی چھتوں کو چاندی کی کر دیتے، اور زینے بھی جن پر وہ چڑھتے ہیں ﴿۳۳﴾ اور گھروں کے لئے دروازے بھی اور تخت بھی جن پر وہ تکیہ لگاتے ہیں، اور سونے کے بھی، اور یہ سب کچھ دنیا والی زندگی کا سامان ہے، اور آپ کے ربّ کے پاس آخرت متقیوں کے لئے بہتر ہے ﴿۳۵﴾

معارف ومنازل

حق وباطل کا جھگڑا روزِ ازل سے جو چلا ہے وہ قیامت تک جاری رہے گا، اسی طرح اہل دنیا اور دیندار طبقہ کا اختلاف بھی کوئی ختم ہونے والا نہیں، دنیادار طبقہ کے خیالات ونظریات صرف مال دولت، ریاست، سرمایہ، دنیاوی کر وفر کے اردگرد گھومتے ہیں، وہ انہی چیزوں کو آدمیت کا معیار سمجھتے ہیں خواہ اس میں علم وادب کے کمالات، اخلاق حمیدہ، شرافت اور اعمالِ صالحہ، سخاوت وغیرہ صفاتِ فاضلہ کا وجود تک نہ ہو، وہ ناپاک سے ناپاک، بے دین، بداخلاق، ظالم، کنجوس، مکھی چوس مالداروں کو آدمی اور قابلِ احترام سمجھتے ہیں، جبکہ علماء، فضلاء، پابند صوم وصلوٰۃ، صاحب اخلاق حمیدہ لوگ ان کے نزدیک قابلِ احترام نہیں ہوتے۔ اہل مکہ بھی اسی چیز کے پیش نظر کہتے رہتے تھے کہ نبوت ورسالت کا منصب ایسے شخص کو ملنا چاہئے جو دنیاوی لحاظ سے آسودہ حال ہو، اس کے پاس مال ودولت، باغات، سرمایہ، تجارت، کاروبار، عزّت اور سرداری ہو، وغیرہ۔ جب انہوں نے سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیاوی لحاظ سے کمزور پایا تو کہنے لگے:

﴿وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ﴾ یہ قرآن مکے اور طائف کی بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل نہ ہوا؟ وہ بڑے آدمی سے یہ مراد لیا کرتے تھے کہ قوم کا سردار ہو، مالدار ہو، سرمایہ دار تاجر ہو، مال ومویشیوں کا اور غلام وکنیزوں کا مالک ہو، جیسے مکہ کے ولید بن مغیرہ، عتبہ وشیبہ، ابوجہل وغیرہ (یہ چاروں جہنم پہنچے)، اور طائف کے ابن عبد یالیل، حبیب اور عروہ بن مسعود (آخر الذکر کو اسلام نصیب ہوا)۔ اور وہ یہ بھی کہنے سے نہیں شرمائے کہ کیا نبوت کے لئے ابو طالب کا یتیم بھتیجا رہ گیا تھا؟ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ ایک عام آدمی جو سردار، مالدار اور تاجر وغیرہ نہ ہو اس کی نبوت کی تصدیق کرنے میں لوگوں کی تذلیل ہے۔

دراصل اندر وہ سب کچھ جانتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چالیس سالہ حیاتِ طیبہ ان سے مخفی نہیں رہی، مگر وہ بدقسمت تھے اور ازلی بدبخت بھی۔

﴿أَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ﴾ تو کیا یہ لوگ تقسیم کرتے ہیں آپ کے ربّ کی رحمت کو، یعنی نبوت اور رسالت کو یہ لوگ تقسیم کرتے ہیں کہ یہ منصب عالی اس شخص کے حصے میں آئے جو بڑا مالدار اور قوم کا سردار ہو جس کی زندگی لہو ولعب، شراب نوشی، بدکاری اور بتوں کے سجدہ وعبادت میں گزری ہو۔ ولا حول ولا قوة إلا باللہ۔

دراصل وہ یہی چاہتے تھے کہ نبوت کے متعلق ہم سے رائے لے کر اس کو کسی ایسے شخص کے سپرد کرنا چاہیے جو ہمارے زعمِ باطل کے معیار پر اترتا ہو، اللہ تعالیٰ شانہ نے ارشاد فرمایا؟

﴿نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ ان کے درمیان ہم نے دنیا کی معمولی معیشت بھی تقسیم کی ہے، یہ دنیا کا مال وسامان جس کی کوئی حیثیت نہیں اس کی تقسیم میں ہم نے ان سے رائے نہیں لی، پھر نبوت تو ہماری تمام نعمتوں کا سرچشمہ ہے، اس کے متعلق کیوں کسی سے مشورہ یا رائے طلب کی جائے؟ یا کسی کے مزعومہ باطلہ کو اہمیت دی جائے؟ ﴿وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا﴾ اور بلند کر دیئے بعضوں کے درجے بعضوں پر تاکہ ان میں سے بعض بعض کو خدمتگار بنالیں، اور یہ ایک دوسرے پر محض حکمت الٰہی کا کرشمہ ہے، اور اسی سے دنیاوی نظام مستحکم اور استوار ہے، اگر سارے لوگ ایک جیسے ہوں تو دنیا کا نظام درہم برہم ہوگا۔

﴿وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ﴾ تیرے ربّ کی رحمت ان چیزوں سے بہتر ہے جو یہ جمع کر رہے ہیں۔ اس سے مراد نبوت ورسالت ہی ہے جو کہ سب سے بڑی رحمت ہے، اور تمام دینی رحمتوں اور نعمتوں کا سرچشمہ ہے، اور یہ خاص وہبی اور عطائی بخشش وانتخاب ہے، فرمایا: ﴿اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ﴾ [الأنعام: ۱۲۴] (اللہ خوب جانتا ہے کہ کہاں اپنی رسالت رکھے)۔ جن مشرکین جہلاء نے اسے کسبی سمجھا ہے اور اس کا حقدار اپنے بت پرست خبیث ومنحوس سرداروں کو سمجھا ہے یہ ان کے خبثِ باطن اور باطنی نجاست کی آواز اور غلط پیغام ہے، آئندہ آیات میں متاعِ دنیا اور متاعِ آخرت کے تقابل کا بیان ہے، اور متاعِ دنیا کے زوال اور متاعِ آخرت کے دوام کا تذکرہ ہے، فرمایا:

﴿وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ﴾ اگر اس چیز کا خطرہ نہ ہوتا کہ تمام لوگ ایک دین پر ہو جائیں گے تو ہم رحمٰن کے ساتھ کفر کرنے والوں کے گھروں کی چھتوں اور سیڑھیوں کو چاندی کا بنا دیتے، جن کے ذریعے وہ اوپر چڑھتے

ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ نبوت ورسالت اللہ تعالیٰ کی رحمت ہیں، اور ایمان وعملِ صالح نبوت کی پیداوار ہیں، آخرت پر جولوگ ایمان لاتے ہیں وہ نبی ہی کی تعلیم کی برکت سے اسلام کے حلقہ بگوش اور غلام بن جاتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ کی رضا جو کہ سب چیزوں سے بہتر وافضل ہے انہیں نصیب ہوجاتی ہے۔ رہا دنیا کا متاع، مال وسامان اور اسباب اور سونا چاندی، یہ سب فانی اور زوال پذیر چیزیں ہیں، اگر رحمٰن کے دشمنوں کے گھروں کی چھتیں اور ان پر چڑھنے کی سیڑھیاں سونے چاندی کے بنیں، اور اللہ تعالیٰ انہیں اس قدر مال کی بخشش کرے تو اس کی کوئی بھی حیثیت نہیں ہوگی، اور یہ سب کچھ بجائے خیر کے شر ہی ہوں گے کہ ان کا انجام جہنم ہی ہوگا۔

﴿وَلِبُيُوتِهِمْ أَبْوَابًا وَسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِئُونَ ۝٣٤ وَزُخْرُفًا﴾ بلکہ ان کے گھروں کے دروازے اور تخت جن پر وہ آرام کرتے ہیں صرف چاندی کے نہیں، بلکہ زخرف یعنی سونے کے۔

یہاں پر أُمَّةً وَّاحِدَةً سے مراد دین ہے، اور دین سے مراد کافروں کا دین ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کافروں کو اس قدر سونا چاندی دے دیا جائے تو خطرہ ہے کہ سب لوگ کفر کی طرف مائل ہوجائیں گے، اور کفر کو سچا سمجھ کر لوگ اپنی خواہش وہوس کی خاطر اسلام سے برگشتہ ہوجائیں گے۔ آپ آج بخوبی دیکھ رہے ہیں کہ لاکھوں مسلمان صرف مال کی خاطر اسلام چھوڑ کر دوسرے باطل مذاہب قبول کر رہے ہیں۔

﴿وَإِن كُلُّ ذَٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْآخِرَةُ عِندَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِينَ﴾ کیونکہ یہ سب کچھ دنیا کی زندگی کا سامان ہے، اور تیرے پروردگار کے نزدیک آخرت کی کامیابی وفلاح صرف متقیوں کے لئے ہے، دنیا کی شادابی اور بہار میں سب شریک ہیں، مگر آخرت کی ابدی اور لازوال وبے مثال نعمتیں ایمان وتقویٰ والوں کے ساتھ مخصوص ہیں۔ حدیث شریف میں سرور عالم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: اگر دنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے پَر کے برابر بھی حیثیت ومنزلت رکھتی تو اللہ تعالیٰ کافر کو اس میں سے پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ چکھاتا۔ [مشکوٰۃ]

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس دنیوی مال ودولت کی کوئی قدر نہیں، اور نہ یہ چیزیں رضائے الٰہی کے لیے دلیل ہیں، پس اگر خاص حکمت ومصلحت مانع نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ کافروں کے مکانوں کی چھتیں، زینے، دروازے، چوکھٹ، قفل، تخت اور چوکیاں سب سونے اور چاندی، جواہرات کی بنا دیتا، مگر اس صورت میں لوگ یہ دیکھ کر عموماً کفر کا راستہ اختیار کر لیتے (اِلّا ماشاء اللہ) اور یہ چیز مصلحت خداوندی کے خلاف ہوتی، اس لئے ایسا نہیں کیا گیا۔

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴿۳۶﴾ وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ
وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۷﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَنَا قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ
الْقَرِيْنُ ﴿۳۸﴾ وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِى الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۹﴾ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ
اَوْ تَهْدِى الْعُمْىَ وَمَنْ كَانَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۰﴾ فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ﴿۴۱﴾ اَوْ نُرِيَنَّكَ
الَّذِىْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ ﴿۴۲﴾ فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِىْٓ اُوْحِىَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ
مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۳﴾ وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ
رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ﴿۴۵﴾

ترجمہ: اور جو شخص رحمٰن کی نصیحت سے اندھا بن جائے ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں، سو وہ اس کے ساتھ رہتا ہے ﴿۳۶﴾ اور بلاشبہ وہ ان کو راستہ سے روکتے ہیں، اور یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں ﴿۳۷﴾ یہاں تک کہ جب ہمارے پاس آئے گا تو کہے گا کہ اے کاش میرے اور تیرے درمیان مشرق اور مغرب والی دوری ہوتی! سو تو برا ساتھی تھا ﴿۳۸﴾ اور جب تم نے ظلم کیا تو آج تمہیں یہ بات ہرگز نفع نہ دے گی کہ تم عذاب میں شریک ہو ﴿۳۹﴾ کیا آپ بہروں کو سنا دیں گے یا اندھوں کو ہدایت دیدیں گے، اور ان لوگوں کو جو صریح گمراہی میں ہیں ﴿۴۰﴾ سو اگر ہم آپ کو لے جائیں تو بھی ہم ان سے بدلہ لینے والے ہیں ﴿۴۱﴾ یا ہم آپ کو وہ چیز دکھا دیں جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے، سو بلاشبہ ہم ان پر قدرت رکھنے والے ہیں ﴿۴۲﴾ سو آپ کی طرف جو وحی کی گئی ہے اس پر مضبوطی سے قائم رہئے، بلاشبہ آپ صراط مستقیم پر ہیں ﴿۴۳﴾ اور بلاشبہ یہ قرآن نصیحت ہے آپ کے لئے اور آپ کی قوم کے لئے، اور عنقریب تم سے سوال کیا جائے گا ﴿۴۴﴾ اور اپنے رسولوں میں سے جنہیں ہم نے آپ سے پہلے بھیجا ہے ان سے دریافت کر لیجئے: کیا ہم نے رحمٰن کے سوا دوسرے معبود تجویز کئے ہیں جن کی عبادت کی جائے؟ ﴿۴۵﴾

معارف ومنازل

یعشُ اصل میں یعشو ہے، واو حرف شرط مَن کی وجہ سے مجزوم ہو کر گر گیا، جیسے وَمَنْ یَّدْعُ۔ اس کا لغوی معنی یہ ہے کہ آنکھوں میں کوئی بھی بیماری نہ ہو، تب بھی کوئی چیز نظر نہ آئے، کفار مکہ کا یہی حال رہا کہ ان کے پاس

حق آ گیا مگر وہ قصداً وارادۃً اندھے بن گئے، جو لوگ اس طریقے کو اختیار کر لیتے ہیں تو ان پر شیطان مسلط ہو جاتا ہے، اور زندگی بھر اس کا ساتھی وقرین بنا رہتا ہے، حق ودیانت سے اسے محروم رکھتا ہے، اور معاصی کو اس کی نگاہ میں بہت ہی خوبصورت کر کے اسے مکمل گمراہ کرتا ہے، اور اس کے باوجود وہ سمجھتا ہے کہ میں حق پر ہوں، جب قیامت کے دن حاضر ہوگا اور عذاب کو سامنے ملاحظہ کرے گا اب گمراہی کا نشہ دماغ سے اتر جائے گا، اور ﴿بِئْسَ الْقَرِيْنُ﴾ کا ﴿يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ﴾ کا وظیفہ پڑھنا شروع کرے گا، جب پانی سر سے اوپر گزر چکا ہو گا، اب تو ندامت وپشیمانی کام نہیں آئے گی، اس کا وقت گزر چکا ہے۔

﴿وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نصیحت قرآن کریم اور وحی الٰہی سے قصداً اندھا بن جائے، یہی حال کفار مکہ کا رہا، اور اہل کتاب تو اس طرز فکر کے امام اور داعی رہتے تھے، فرمایا: تو ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں جو ہر وقت اس کا ساتھی اور قرین رہے گا۔

﴿وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ حق سے اعراض کرنے والوں کو شیاطین صراط مستقیم سے روکتے ہیں، اور اس کے باوجود وہ گمان کرتے ہیں کہ وہ راست پر ہیں اور ہدایت یافتہ ہیں، وہ جہل مرکب میں ایسے مبتلا ہیں کہ ہدایت سے کوسوں دور ہیں۔ ﴿حَتّٰى اِذَا جَآءَنَا قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ﴾ یہاں تک کہ ایسا گمراہ شخص جب ہمارے پاس آئے گا تب گمراہی کا نشہ اس کے دماغ سے اتر جائے گا، اور وہ کف افسوس ملتے ہوئے کہے گا شیطان سے مخاطب ہو کر: کاش میرے اور تیرے درمیان دنیا میں مشرق ومغرب کے برابر دوری ہوتی تو کتنا اچھا ہوتا کہ میں تمہارے کے بہکانے سے محفوظ رہتا، تو بہت ہی برا ساتھی تھا۔ مگر یہ حسرت کہاں کام آئے گی؟

﴿وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ﴾ اب ان تابعین اور متبوعین سب کو جہنم میں داخل کر کے کہا جائے گا: اے ظالمو! گمراہو! تمہارا افسوس کرنا اور ندامت وپشیمانی کا رٹ لگانا آج تمہیں ہرگز کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گا، کیونکہ تم نے دنیا میں حق کی تکذیب اور شیطان کا اتباع کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا، آج عذاب میں تم اور وہ برابر کے شریک ہو، اور یہ عذاب تمہارے اندھاپن کا بدلہ ہے جسے خوب چکھو۔

﴿اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِي الْعُمْيَ وَمَنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ کیا آپ بہروں کو سنا

سکیں گے، یا اندھوں کو راہ دکھا سکیں گے، یا اس شخص کو راہ راست پر لا سکیں گے جو کھلی گمراہی میں پڑا ہوا ہے؟

مطلب یہ ہے کہ کافر و مشرک گمراہ لوگ اندھے بہرے اور گمراہ ہیں، آپ ان کو کیسے راہ راست پر لائیں گے؟ ہرگز نہیں، جبکہ ہدایت آپ کے اختیار میں نہیں، صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، اور آپ انہیں حق کہتے ہوئے اپنا حق ادا کریں، اور پریشان نہ ہوں، آپ کی تکذیب کرنے والوں پر عذاب ضرور آئے گا، یا آپ کی حیات میں یا آپ کی وفات کے بعد، جیسے پہلے بیان ہوا، اسی کو فرمایا:

﴿فَاِمَّا نَذۡهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنۡهُمۡ مُّنۡتَقِمُوۡنَ﴾ پھر یا تو ہم آپ کو لے جائیں گے یعنی اپنے پاس بلالیں گے، اس صورت میں ہم خود ان بدبختوں سے انتقام لینے والے ہیں، وہ ہر حال ہمارے انتقام کا نشانہ بنیں گے۔

﴿اَوۡ نُرِيَنَّكَ الَّذِىۡ وَعَدۡنٰهُمۡ فَاِنَّا عَلَيۡهِمۡ مُّقۡتَدِرُوۡنَ﴾ یا ہم آپ کو دکھا دیں گے جو وعدہ ہم نے ان لوگوں کے ساتھ کیا ہوا ہے، وہ وعدہ یہ ہے کہ جو کوئی بھی شخص توحید و رسالت اور قیامت کا انکار کرے گا وہ ضرور عذاب میں مبتلا ہوگا، کیونکہ ہم ان پر قدرت رکھتے ہیں، وہ کسی صورت ہماری گرفت سے نہیں بچ سکتے۔

﴿فَاسۡتَمۡسِكۡ بِالَّذِىۡۤ اُوۡحِىَ اِلَيۡكَ‌ ۚ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ﴾ آپ مضبوطی سے پکڑے رکھیں اس چیز کو جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے، بیشک آپ صراط مستقیم پر ہیں جو اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے، یہ وہی استقامت والی بات ہے جس کا حکم بار بار آتا رہا ہے جو کہ تمام کامیابیوں کی کنجی ہے۔ ﴿وَاِنَّهٗ لَذِكۡرٌ لَّكَ وَلِقَوۡمِكَ‌ۚ﴾ اور بلاشبہ یہ قرآن حکیم نصیحت ہے آپ کے لئے اور آپ کی قوم کے لئے بھی۔ مفسرین کرام نے فرمایا کہ یہاں ذکر سے عزّت و شرف مراد ہے، یہی معنی سورۂ ص میں بھی استعمال ہوا ہے۔ ﴿صٓ‌ وَالۡقُرۡاٰنِ ذِى الذِّكۡرِ﴾ [ص: ۱] (قسم ہے عزّت و شرف والے قرآن کی)۔ زہے سعادت!

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے آخری نبی حضرت سید الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حیثیتیں ہیں: ایک حیثیت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم قومی نبی ہیں، اور قریش کی سعادت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وابستہ ہے، اور دوسری حیثیت سے آپ کی بین الاقوامی عالمگیری نبی کی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پورے عالم انس و جن سب کے لئے قیامت تک برحق نبی ہیں۔ سورۂ اعراف میں ارشاد ہے: ﴿قُلۡ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَيۡكُمۡ جَمِيۡعًا﴾ [الأعراف: ۱۵۸] (کہہ دیں: اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا ہوں)۔

قریش کے لئے یہ بھی یہ شرف وعزت رہی کہ ساڑھے چھ سو سال تک خلافت کا قلمدان انہی کے پاس رہا، بنو امیہ اور بنو عباس دونوں قریش ہی تھے، جب یہ لوگ دین وشریعت کے اہتمام سے کنارہ کش ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے چنگیز خان وہلاکو خان جیسے جابروں کے ہاتھوں ان کا خاتمہ کر دیا۔

﴿وَسَوۡفَ تُسۡـَٔلُوۡنَ﴾ اور عنقریب قرآن کے بارے میں تم سے سوال کیا جائے گا، قیامت کے روز سرور عالم ﷺ بھی بارگاہ ایزدی میں شکایت پیش کریں گے: ﴿وَقَالَ الرَّسُوۡلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوۡمِی اتَّخَذُوۡا ہٰذَا الۡقُرۡاٰنَ مَہۡجُوۡرًا﴾ [الفرقان: ۳۰] (پروردگار! میری اس قوم نے قرآن حکیم کو پس پشت ڈال دیا تھا)۔

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس وقت ساٹھ ممالک اسلامیہ میں کوئی بھی قرآن کا نظام نافذ کرنے کے لئے تیار نہیں، مزید صدمہ یہ کہ جو لوگ اسلامی قانون کے لئے ظاہراً اپنے مفاد میں جدوجہد کر رہے ہیں وہ بھی قرآن کے ساتھ مخلص نہیں۔ ؎

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

﴿وَسۡـَٔلۡ مَنۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ مِنۡ رُّسُلِنَاۤ اَجَعَلۡنَا مِنۡ دُوۡنِ الرَّحۡمٰنِ اٰلِـہَۃً یُّعۡبَدُوۡنَ﴾

ذرا ان سے پوچھ لیں جن کو ہم نے آپ سے پہلے رسول بنا کر بھیجا۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سوال کے مصداق سابقہ کتب سماویہ تورات، انجیل اور زبور کے قاری ہیں، قاریوں سے مراد وہ علماء جو ایمان لائے کہ ان سے پوچھ لیں کیا ہم نے رحمٰن کے سوا دوسرے معبود مقرر کئے ہیں کہ جن کی عبادت کی جائے؟ مطلب یہ ہے کہ ہم نے تو اپنے سوا کسی کو معبود بنانے کا کبھی حکم نہیں دیا، پھر یہ لوگ کیوں اور کس طرح اللہ تعالیٰ کے لئے شریک تجویز کر کے شرک میں مبتلا ہو گئے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں آتا ہے کہ شب معراج جب تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا اجتماع ہوا، اور سید الانبیاء ﷺ نے سب کو نماز پڑھائی تو اس وقت آپ ﷺ نے تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے دریافت فرمایا کہ تمہیں کس مقصد کے لئے دنیا میں بھیجا گیا؟ تو سب نے یہی جواب دیا: بُعِثۡنَا بِالتَّوۡحِیۡدِ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَمَا یُعۡبَدُ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ بَاطِلٌ۔ [طبقات ابن سعد] کہ ہماری سب کی مشترکہ دعوت کلمہ توحید تھی، اور یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا جس کی بھی عبادت کی جائے وہ باطل اور گمراہی ہے۔ اس وقت انہوں نے یہ بھی کہا کہ: أنت خاتم النبین وسید المرسلین۔ آپ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد قیامت تک کوئی نبی اور رسول نہیں آئے گا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انبیاء ورسل علیہم السلام کے سردار ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد قرب قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کے فتنہ کو ختم کرنے کے لئے اور اس کو باب الد میں جہنم رسید اور قتل کرنے کے لئے آئیں گے، مگر وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کے اتباع پر ہوں گے، اپنی شریعت جاری نہیں کریں گے۔ بہرحال! تخلیق کائنات کے وقت سے یہ متفق علیہ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت جائز نہیں، اور ہر طرح بدنی ومالی عبادات کا مستحق صرف اس کی ذات ہے، اس کے ساتھ ذرہ برابر شریک کرنا باطل ہے اور موجب لعنت واستحقاق جہنم بھی ہے، سارے انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت اسی مقصد کے لئے ہے: لا الٰہ إلا اللہ۔ اگلی آیات میں اسی بنیادی مسئلہ توحید کے اثبات کا نمونہ بیان ہوگا، وہ یہ ہے:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَقَالَ اِنِّیْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٤٦﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ
بِاٰيٰتِنَاۤ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ ﴿٤٧﴾ وَمَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ اِلَّا هِیَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا ۫ وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ
لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿٤٨﴾ وَقَالُوْا يٰۤاَيُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ﴿٤٩﴾ فَلَمَّا
كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿٥٠﴾ وَنَادٰى فِرْعَوْنُ فِیْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِیْ مُلْكُ
مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿٥١﴾ اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ مَهِيْنٌ ۙ وَّلَا
يَكَادُ يُبِيْنُ ﴿٥٢﴾ فَلَوْلَاۤ اُلْقِیَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ﴿٥٣﴾ فَاسْتَخَفَّ
قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿٥٤﴾ فَلَمَّاۤ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٥٥﴾
فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ﴿٥٦﴾

ترجمہ: اور یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے موسیٰ کو فرعون اور اس کی قوم کے بڑے لوگوں کے پاس اپنی نشانیاں
دے کر بھیجا، لہٰذا موسیٰ نے کہا: بیشک میں رب العلمین کا رسول ہوں ﴿٤٦﴾ سو جب وہ ان کے پاس ہماری نشانیاں لے کر
آئے تو یکایک وہ ان نشانیوں پر ہنسنے لگے ﴿٤٧﴾ اور ہم انہیں جو بھی کوئی نشانی دیتے تھے وہ دوسری نشانی سے بڑھ کر ہوتی
تھی، اور ہم نے عذاب کے ساتھ پکڑا تا کہ وہ باز آجائیں ﴿٤٨﴾ اور انہوں نے کہا کہ اے جادوگر! تو ہمارے لئے اپنے
رب سے اس بات کی دعا کر کہ جس کا اس نے تجھ سے عہد کیا ہے، بلاشبہ ہم ہدایت پانے والے بن جائیں گے ﴿٤٩﴾ پھر
جب ہم نے ان سے عذاب کو دور کر دیا تو انہوں نے عہد توڑ دیا ﴿٥٠﴾ اور فرعون نے اپنی قوم میں منادی کرادی اس نے

کہا کہ اے میری قوم! کیا میرے لئے مصر کا ملک نہیں ہے؟ اور یہ نہریں جاری ہیں میرے نیچے، کیا تم نہیں دیکھتے؟
۵۱ بلکہ میں اس شخص سے بہتر ہوں جو ذلت والا ہے، اور وہ واضح طور پر بات بھی نہیں کر سکتا ۵۲ سو اس پر سونے کے کنگن
کیوں نہیں ڈالے گئے؟ یا اس کے ساتھ فرشتے آجاتے لگاتار جماعتیں بنا کر ۵۳ سو اس نے اپنی قوم کو مغلوب کرلیا، سو
انہوں نے اس کی اطاعت کی، بلاشبہ وہ لوگ فاسقین تھے ۵۴ سو جب انہوں نے ہمیں غصہ دلایا تو ہم نے ان سے
انتقام لے لیا، سو ہم نے ان سب کو غرق کردیا ۵۵ پھر ہم نے انہیں آئندہ آنے والوں کے لئے سلف اور نمونہ بنادیا ۵۶

معارف ومنازل

حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت بڑے جلیل القدر صاحب کتاب پیغمبر ہیں، قرآن حکیم میں ۱۳۶ مرتبہ ان کا نام مذکور ہے، پیغمبروں میں ایک خاص شان و مقام کے مالک ہیں، بہت کثرت کے ساتھ آپ کا تذکرہ ہوتا رہا ہے، اس امت پر آپ کا بڑا احسان ہے، جبکہ شب معراج میں نمازوں میں تخفیف کا مشورہ آپ نے دیا تھا۔

﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَقَالَ اِنِّيْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ اور تحقیق بھیجا ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیاں دے کر (عصا، ید بیضاء) فرعون اور اس کے سرداروں اور سربرآوردہ مشیروں کی طرف، سو موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا کہ میں تمہاری طرف رب العلمین جل شانہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، میں تمہیں توحید و ایمان کی دعوت دیتا ہوں، اور کفر و شرک سے منع کرتا ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تسع آیات بینات کی تفصیل سورۂ اعراف میں گزر چکی ہے۔

﴿فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ﴾ جب وہ فرعون اور اس کی قوم کے پاس آئے اور ان کے سامنے توحید بیان کی تو وہ لوگ ان نشانیوں کا مذاق اڑاتے ہوئے ہنسنے لگے، اور طرح طرح کی بولیاں بولنے لگے۔ ﴿وَمَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ اِلَّا هِيَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا﴾ ہم ان لوگوں کو جو بھی نشانی دکھاتے تھے وہ پہلی نشانی سے بڑھی ہوئی ہوتی تھی، تمام معجزات ایک دوسرے سے بڑھ کر ہوتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر معجزہ کو دیکھنے والے ہی سمجھتے تھے کہ یہ پہلے والے معجزہ سے بڑا ہے، کیونکہ ہر معجزہ انتہائی بڑا تھا، مگر وہ لوگ مسلسل مذاق اڑاتے رہے جس کا انجام یہ ہوا:

﴿وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴾ سو ہم نے ان کو عذاب میں پکڑ لیا تاکہ وہ کفر و عناد سے

باز آجائیں، ان کی یہ گرفت معمولی نوعیت کی تھی، اور محض تنبیہ کے لئے تھی، سورۂ اعراف میں ارشاد ہے: ﴿فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ﴾ [الأعراف: ۱۳۳] (ہم نے فرعونیوں پر طوفان ،ٹڈی دل، جوئیں، مینڈک اور خون جیسی نشانیاں بھیجیں) تا کہ وہ راہ راست پر آجائیں، مگر وہ تکبر کر کے مزید گمراہ ہو گئے، اور موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر کہتے ہوئے کہنے لگے:

﴿وَقَالُوا يَا أَيُّهَ السَّاحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ إِنَّنَا لَمُهْتَدُونَ﴾ اور انہوں نے کہا: اے جادوگر! اپنے ربّ سے ہمارے لئے دعا کرو اس عہد کے ساتھ جو اس نے تمہارے کے ساتھ کر رکھا ہے، پس اگر تمہاری دعا سے ہماری مشکل حل ہوگئی تو ہم تم پر ایمان لائیں گے، اور ہدایت قبول کریں گے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی اور قبطیوں کے سروں سے عذاب ٹل گیا۔

﴿فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ إِذَا هُمْ يَنْكُثُونَ﴾ پھر جب ہم نے ان سے عذاب کو دور کر دیا تو انہوں نے اپنا عہد توڑ دیا، اور اپنے کفر و بے ایمانی پر جمے رہے، اور حسب سابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت اور ایذ ارسانی پر کمر بستہ ہو گئے۔ ادھر فرعون نے اپنے غرور و سرکشی پر آ کر پورے ملک میں منادی کرائی، اور کہا:

﴿وَنَادَىٰ فِرْعَوْنُ فِي قَوْمِهِ قَالَ يَا قَوْمِ أَلَيْسَ لِي مُلْكُ مِصْرَ وَهَٰذِهِ الْأَنْهَارُ تَجْرِي مِنْ تَحْتِي ۖ أَفَلَا تُبْصِرُونَ﴾ اور فرعون نے اپنی قوم کو پکارا کہنے لگا: اے میری قوم! کیا مصر کی سلطنت میرے ہاتھ میں نہیں ہے؟ اور کیا یہ نہریں میری نہیں ہیں جو میرے محلات کے سامنے میرے حکم سے چل رہی ہیں؟ دریائے نیل جو کہ مصر میں بہہ رہا ہے دنیا کے تمام دریاؤں میں سب سے بڑا دریا ہے، احادیث میں اس کے فضائل بھی وارد ہیں، دریائے نیل سے متعدد نہریں نکلی تھیں جن سے ملک میں خوب آبپاشی ہوتی تھی جن میں چار بڑی تھیں: (۱) نہر شاہی (۲) نہر طولون (۳) نہر دمیاط (۴) نہر تینس، یہ سب نہریں فرعون کے زیر حکم جاری رہتی تھیں، انہی کی وجہ سے وہ اُلوہیت کا مدّعی رہا، اور لوگوں سے کہا کہ یہ سب کچھ کیا تم نہیں دیکھ رہے ہو کہ میں کتنا بڑا بادشاہ ہوں؟

﴿أَمْ أَنَا خَيْرٌ مِّنْ هَٰذَا الَّذِي هُوَ مَهِينٌ ۙ وَلَا يَكَادُ يُبِينُ﴾ کیا بھلا میں اس حقیر شخص سے بہتر نہیں ہوں؟ اور وہ بات بھی (اپنا مدّعیٰ) واضح طور پر فصاحت وبلاغت سے نہیں بیان کر سکتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان ثقیل تھی، اور اس میں لکنت تھی، جب لمبی بات کرتے یا کوئی خطبہ پڑھتے یا وعظ فرماتے تو اظہار مافی الضمیر میں انہیں دقت پیش آجاتی، اسی چیز کو فرعون منکرِ رسالت نے اچھالا اور بطور نقص وعیب لوگوں کے سامنے بیان کیا۔ دراصل

کوہ طور کے کلام کے موقع پر جب انہوں نے بارگاہ الٰہی میں التجاء کی تھی: ﴿رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ﴿٢٥﴾ وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي ﴿٢٦﴾ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي ﴿٢٧﴾ يَفْقَهُوا قَوْلِي ﴿٢٨﴾﴾ [طٰہٰ] (اے میرے پروردگار! میرا سینہ کھول دے، اور میرا کام میرے لیے آسان کر دے، اور میری زبان کی گرہ کھول دے، تا کہ وہ لوگ میری بات سمجھ سکیں)۔

اس دعا سے زبان کا عقدہ کھل تو گیا مگر معمولی بندش پھر بھی باقی رہی، اس کی حکمت خالق حکمت ہی کو معلوم ہے، اور وہ تو اپنی حکمت کے تحت اپنے دشمنوں کو بھی وہ قوت گویائی اور صفائی زبان عطا کرتا ہے، جس کی مثال نہ ہو۔

﴿فَلَوْلَا أُلْقِيَ عَلَيْهِ أَسْوِرَةٌ مِّن ذَهَبٍ أَوْ جَاءَ مَعَهُ الْمَلَائِكَةُ مُقْتَرِنِينَ﴾ تو سونے کے کنگن اس پر کیوں نہیں ڈالے گئے؟ یا کم از کم اس کے ساتھ لگاتار پر باندھ کر فرشتے آئے ہوتے۔ امام مجاہدؒ نے فرمایا کہ اہل مصر کا دستور تھا کہ جب کسی شخص کو اپنا سردار بناتے تھے تو اس کو سونے کے کنگن اور طوق پہناتے تھے، یہ سرفرازی کی علامت ونشانی تھی، فرعون نے کہا کہ موسیٰ کے ربّ نے اسے سردار بنا کر اہل مصر کے پاس بھیجا تو اسے سونے کے کنگن کیوں نہیں پہنائے؟ اس سے یہی معلوم ہوا کہ وہ خدا کا فرستادہ نہیں ہے۔

﴿مُقْتَرِنِينَ﴾ کے معنی ہیں: پے در پے، یعنی موسیٰ علیہ السلام اگر واقعی نبی ہیں تو فرشتے اس کے ساتھ پے در پے کیوں نہیں آئے؟ جو اس کی تصدیق اور مدد کرتے، اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا:

﴿فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهُ فَأَطَاعُوهُ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ﴾ اس نے ایسی باتوں سے اپنی قوم کو بیوقوف بنایا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کرنے کا راستہ بند کر کے انہیں باور کرایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نبی نہیں ہیں، اور مجھ سے بہتر بھی نہیں ہیں، تو لوگوں نے اس کی اطاعت کی، اور موسیٰ علیہ السلام کو نبی ماننے سے انکار کیا، کیونکہ وہ لوگ فاسق اور نافرمان تھے۔ بہر حال! فرعون نے اپنی چرب زبانی سے قوم کو بیوقوف بنایا، اور موسیٰ علیہ السلام کا دشمن بنا دیا، اور اپنا اقتدار مزید مستحکم کرنے کی خوب کوشش کی۔

﴿فَلَمَّا آسَفُونَا انتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَاهُمْ أَجْمَعِينَ﴾ جب قوم فرعون نے ہمیں غصہ دلایا تو ہم نے ان سے انتقام لیا، اور سب کو دریائے قلزم میں غرق کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عمر ایکسو بیس سال ہے، چالیس سال مصر اور مدین میں گزارے، درمیانے چالیس سال مصر میں رہے، فرعون اور اس کی قوم پر محنت اور تبلیغ ودعوت میں گزارے، آخری چالیس سال بنی اسرائیل کی دعوت وتعلیم اور اصلاح کے سلسلے میں میدان تیہ میں گزارے، اسی عرصہ میں آپ علیہ السلام کا وصال ہوا۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلی جمیع إخوانہ من النبیین والمرسلین

﴿فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ﴾ پھر ہم نے انہیں آئندہ آنے والوں کیلئے نمونہ عبرت بنادیا تاکہ آئندہ آنے والے دیکھ کر عبرت حاصل کریں۔سورۂ یونس میں ارشاد ہے: ﴿فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً﴾ [یونس:۹۲] (سوآج بچائے دیتے ہیں ہم تیرے ناپاک بدن کوتاکہ توہوجائے اپنے پچھلے والوں کے لئے نشانِ عبرت) جدید تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ فرعون کی لاش آج تک محفوظ چلی آئی ہے، اور وہ اب بھی مصر کے عجائب خانہ میں موجود ہے، یہ ہے ایک ظالم وجابر اور بہت بڑے کافر کا انجام، سو خوب عبرت حاصل کرو۔

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ﴿۵۷﴾ وَقَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ ۭ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ۭ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ﴿۵۸﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ﴿۵۹﴾ وَلَوْ نَشَاۗءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰۗىِٕكَةً فِي الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۱﴾ وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۶۲﴾

ترجمہ: اور جب ان کے سامنے ابن مریم کے متعلق ایک عجیب مضمون بیان کیا گیا تو اچانک آپ کی قوم کے لوگ اس کی وجہ سے چیخ رہے ہیں ﴿۵۷﴾ اور انہوں نے کہا: ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ؟۔ان لوگوں نے یہ بات جوآپ سے بیان کی ہے صرف جھگڑنے کے طور پر ہے، بلکہ بات یہ ہے کہ یہ لوگ جھگڑالو ہیں ﴿۵۸﴾ وہ نہیں ہے مگر ایک ایسا بندہ جس پر ہم نے انعام کیا، اور ہم نے اسے بنی اسرئیل کے لئے ایک نمونہ بنادیا ﴿۵۹﴾ اور اگر ہم چاہتے تو زمین میں تم سے فرشتے پیدا کردیتے جو یکے بعد دیگرے جوآگے پیچھے آجاتے ﴿۶۰﴾ اور بیشک وہ قیامت کے علم کا ذریعہ ہیں، سوتم لوگ اس میں شک نہ کرو، اور میرا اتباع کرو، یہ سیدھا راستہ ہے ﴿۶۱﴾ اور شیطان تمہیں ہرگز نہ روک دے، بلاشبہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے ﴿۶۲﴾

معارف ومنازل

تفسیر قرطبی میں لکھا ہے کہ قریش نے عبداللہ ابن زبعری سے کہا، اس وقت اس نے اسلام قبول نہیں کیا تھا کہ

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ سناتے ہیں: ﴿اِنَّكُمۡ وَمَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ﴾ [الأنبياء:۹۸] (بیشک تم لوگ اور وہ معبود جن کی تم عبادت کرتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا دوزخ کا ایندھن ہو)۔ تو عبد اللہ بن زبعری یہ سن کر کہنے لگا کہ میں موجود ہوتا تو اس کی تردید کر دیتا، قریش نے کہا کہ تو کیا کہتا؟ اس پر عبد اللہ نے کہا کہ میں یوں کہتا: یہ مسیح عیسیٰ علیہ السلام ہیں، جن کی نصاریٰ عبادت کرتے ہیں، اور یہ عزیر ہیں جن کی یہود عبادت کرتے ہیں، تو کیا یہ دونوں بھی دوزخ کا ایندھن ہیں؟ قریش کو یہ بات پسند آئی، اور انہوں نے خیال کیا کہ یہ لاجواب کرنے والا سوال ہے، یہ بات سن کر وہ خوشی میں چیخنے لگے۔ سورۃ الانبیاء میں ان کا جواب گزر چکا ہے، وہ یہ کہ: ﴿اِنَّ الَّذِيۡنَ سَبَقَتۡ لَهُمۡ مِّنَّا الۡحُسۡنٰٓى اُولٰٓئِكَ عَنۡهَا مُبۡعَدُوۡنَ﴾ [الأنبياء:۱۰۱] (بلاشبہ جن کے لئے ہماری طرف سے بھلائی مقدر ہو چکی ہے وہ جہنم سے دور رکھے جائیں گے)۔

اور قریش نے یہ بھی کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا جن لوگوں کی عبادت کی گئی اگر وہ سب دوزخ میں ہوں گے تو ہم اس پر راضی ہیں کہ ہمارے معبود بھی عیسیٰ اور عزیر علیہما السلام اور ملائکہ علیہم السلام کے ساتھ ہو جائیں، یعنی ان حضرات کا انجام اور ہمارے معبودوں کا انجام ایک ہوگا، اور یہ ہمارے لئے باعثِ مسرت وخوشی ہے۔

فرمایا کہ ان لوگوں کا مقصد صرف جھگڑا کرنا اور الزام دینا تھا، انہیں حقیقت اور حق سے کوئی واسطہ نہیں تھا، وہ خوب جانتے تھے کہ جن انبیاء علیہم السلام نے ساری انسانیت کو جہنم سے بچانے کا بیڑا اٹھایا، اور غیر اللہ کی عبادت کا سختی سے انکار فرما کر اسے حرام بتایا، وہ کیسے خود دوزخ کے ایندھن بنیں گے؟ وہ یہ سب کچھ جانتے ہوئے الزام دیتے تھے اور اپنے خبثِ باطن کا اظہار کرتے تھے جس طرح ان کا مزاج فاسد ہوتا تھا۔

﴿وَلَمَّا ضُرِبَ ابۡنُ مَرۡيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوۡمُكَ مِنۡهُ يَصِدُّوۡنَ﴾ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال بیان کی گئی تو یکایک آپ کی قوم خوشی کے مارے چلانے لگی: ﴿وَقَالُوۡٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيۡرٌ اَمۡ هُوَ﴾ مشرکین مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: کیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا عیسیٰ؟ ان کا مطلب یہ تھا کہ جب عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کی گئی پھر بھی وہ خیر ہی ہے، تو ہمارے معبود کیوں خیر نہیں ہو سکتے؟ فرمایا:

﴿مَا ضَرَبُوۡهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا﴾ کہ ان لوگوں نے جو آپ کے سامنے ابن مریم علیہ السلام کی بات کی ہے یہ محض جھگڑے کی غرض سے ہے۔ ﴿بَلۡ هُمۡ قَوۡمٌ خَصِمُوۡنَ﴾ ان کا جھگڑہ کرنا صرف اسی بات کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ یہ لوگ جھگڑالو ہیں، ہمیشہ حق کی باتوں میں جھگڑنا ان کا مزاج بنا ہوا ہے۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے

روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہدایت کے بعد جن لوگوں نے بھی گمراہی اختیار کی انہیں (بطور عذاب) جھگڑے دیدیئے گئے، یعنی ان کا مزاج جھگڑے بازی کا بن گیا، اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ۭ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ﴾۔ [ترمذي]

مخلص مسلمان کی خصلت وفطرت میں تسلیم ورضا کی صفت رکھی ہوئی ہے، جبکہ کافر ملحد منافق بدعتی وغیرہ کا مزاج جھگڑا بازی، مخاصمت اور اختلاف کا ہوتا ہے، ان کی قسمت شرافت وتقویٰ سے خالی ہے۔ ﴿اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ﴾ نہیں تھے وہ مگر ایک بندے جن پر ہم نے انعام کیا، اور ہم نے آپ کو بنی سرائیل کے لئے نمونہ بنادیا۔

پہلا انعام یہ کہ اللہ تعالیٰ نے بغیر باپ کے آپ کو پیدا فرمایا۔ دوسرا انعام پیدائش کے ساتھ آپ کی زبان کو کھول دیا، چنانچہ خرق عادت کے ساتھ آپ نے بات کی اور اپنی والدہ ماجدہ کی براءت وصفائی بیان کی۔ تیسرا انعام آپ کو نبوت ورسالت عطا کی گئی۔ چوتھا انعام بچپن صغرسنی گہوارے میں آپ کو نبوت عطا ہوئی۔ پانچواں انعام انجیل جیسی عظیم کتاب آپ کو عطا کی گئی۔ چھٹا انعام آپ کو زندگی ہی میں ملاء اعلیٰ کی جماعت میں فوق السمٰوٰت شامل کرلیا گیا۔ آٹھواں انعام آپ کو تمام کائنات میں سب سے لمبی عمر عطا ہوئی، آپ ابھی بھی زندہ ہیں۔ نواں انعام آپ قرب قیامت خروج دجال کے ساتھ جامع ولید دمشق کے مشرقی منارے پر آسمان سے نزول فرمائیں گے۔ دسواں انعام آپ دجال لعین کو قتل کرلیں گے، اور اس کے فتنے کو ختم فرما کر خلقِ خدا کو نجات دیں گے۔ گیارہواں انعام آپ چالیس سال تک دنیا کو عزت وشرف دین وایمان عدل وانصاف کا وہ اصلی اور فطری سبق پڑھائیں گے کہ اس کی نظیر نہ ہو، اس عرصہ میں کفر وشرک اور نفاق والحاد وزندقہ کا مکمل خاتمہ فرما کر: ﴿كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ کا مظاہرہ فرمائیں گے۔ آپ آسمانوں پر جانے سے پہلے صرف بنی اسرائیل کے لئے نمونہ تھے، اور آسمانوں سے نزول اور قتل دجال کے بعد سارے جہاں کے لئے نمونہ ثابت ہوں گے۔

﴿وَلَوْ نَشَاۗءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰۗىِٕكَةً فِي الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ﴾ اور اگر ہم چاہیں تو تمہاری جگہ زمین میں فرشتے بنادیں جو آگے پیچھے آجاتے۔ علامہ بغویؒ نے معالم میں اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اگر ہم چاہیں تو تمہیں ہلاک کردیں، اور تمہارے بدلے زمین میں فرشتے پیدا کردیں، جو زمین کے آباد کرنے میں تمہارے خلیفہ ہوجائیں، اور میری عبادت وفرمانبرداری کریں۔

بعض مفسرین نے اس آیت کا یہ مطلب بتایا کہ یہ نصاریٰ کے اس مغالطہ کا جواب ہے جس کی بناء پر انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معبود قرار دیا تھا، انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کے بغیر باپ پیدا ہونے سے ان کی خدائی پر استدلال کیا تھا، حق تعالیٰ جل شانہ ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ تو محض ہماری قدرت کا ایک مظاہرہ تھا، اور ہم تو اس سے بھی بڑھ کر خلاف عادت کاموں پر قادر ہیں، بغیر باپ کے پیدا ہونا تو کوئی بہت زیادہ خلاف عادت نہیں، کیونکہ آدم علیہ السلام بغیر ماں باپ کے تو پیدا ہوئے تھے، اگر ہم چاہیں تو ایسا کام بھی کر سکتے ہیں جس کی ابتک نظیر نہیں، وہ یہ کہ انسانوں سے فرشتے پیدا کریں، اس میں تعجب کی کونسی بات ہے؟ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ بیشک عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی ایک نشانی ہیں۔ اس کی دو تفسیریں کی گئی ہیں: ایک یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونا یہ خلاف عادت پیدائش اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ بغیر ظاہری اسباب کے بھی لوگوں کو پیدا کر سکتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ مرنے کے بعد لوگوں کو دوبارہ زندہ کرنا اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی مشکل نہیں، اس سے اثباتِ قیامت ہو جائے گا۔

دوسری تفسیر جو کہ عام بھی ہے اور راجح و مشہور بھی ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے دوبارہ نازل ہونا یہ قیامت کی علامت ہے، چنانچہ آپ کا آخری زمانے میں دوبارہ تشریف لانا اور دجال کو قتل کرنا احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، عنقریب تمہارے اندر عیسیٰ ابن مریم حاکم عادل ہو کر اتریں گے، صلیب کو توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ کو ساقط کر دیں گے، مال کو بہائیں گے تو کوئی مال قبول نہیں کرے گا، اس وقت ایک سجدہ دنیا اور اس کے تمام مال و متاع سے بہتر ہوگا۔ [بخاري ومسلم]

حضرت حسن بصریؒ اور بعض مفسرین کا قول ہے کہ: ﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ میں اِنَّهٗ کی ضمیر قرآن مجید کی طرف راجع ہے، اور معنی یہ بنتا ہے کہ قرآن مجید علمِ قیامت ہے، اس نے قیامت کے احوال اور ہولناکیاں تمہیں بتائی ہیں، بلکہ قیامت کے احوال پر قرآن مجید نے جس کثرت سے تنبیہ کی ہے، وہ قرآن مجید کا ایک تہائی حصہ ہے۔

﴿فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ﴾ تم قیامت کے بارے میں شک نہ کرو، اور میرا اتباع کرو۔

﴿هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ﴾ یہی سیدھا راستہ ہے۔ سورۃ الفاتحہ میں جس صراط مستقیم کا اللہ تعالیٰ سے مطالبہ کرتے ہو وہ یہی ہے کہ اس کی بنیاد دراصل توحید رسالت، قرآن پاک، عقیدۂ قیامت اور نزولِ مسیح علیہ السلام وغیرہ

امور پر قائم ہے۔ ﴿وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ ۚ إِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾ کہیں تمہیں اس صراط مستقیم سے شیطان روک نہ دے، بلا شبہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے، اور ازل سے ابد تک تمہارا بدخواہ رہے گا، لہٰذا اس کے مکر ودھوکہ سے خبردار رہو، اوراس کی بات ہرگز نہ مانو۔

وَلَمَّا جَآءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِأُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۶۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۴﴾ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿۶۵﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۶﴾ اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ﴿۶۷﴾

ترجمہ: اور جب عیسیٰ واضح معجزات لے کر آئے تو انہوں نے کہا کہ میں تمہارے پاس حکمت لے کر آیا ہوں، اور تاکہ میں تمہارے لئے بعض وہ باتیں بیان کروں جن میں تم اختلاف کرتے ہو، سوتم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو﴿۶۳﴾ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی میرا ربّ ہے اور تمہارا ربّ ہے، سوتم اس کی عبادت کرو، یہ سیدھا راستہ ہے﴿۶۴﴾ سو جماعتوں نے آپس میں اپنے درمیان اختلاف کرلیا، سوجن لوگوں نے ظلم کیا ان کے لئے ہلاکت ہے اس دن کے عذاب سے جو دردناک ہوگا﴿۶۵﴾ یہ لوگ بس قیامت کا انتظار کررہے ہیں کہ وہ اِن کے پاس اچانک آجائے، اور انہیں خبر بھی نہ ہو﴿۶۶﴾ دوست اس دن بعض بعض کے لئے دشمن ہوں گے مگر متقی لوگ﴿۶۷﴾

معارف ومنازل

اور جب عیسیٰ علیہ السلام واضح معجزات لے کر آئے تو بنی اسرائیلیوں سے کہا کہ میں تمہارے پاس حکمت یعنی نبوت اور اللہ تعالیٰ کی عظیم کتاب انجیل لے کر آیا ہوں، اور تمہارے اختلافات کو ختم کرنے آیا ہوں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب یہود کے احبار وسرکش سودخور رشوت خور علماء نے توریت شریف میں تحریف کر کے اس کا حلیہ بگاڑ دیا تھا، کسی منصف شخص کو ہرگز یقین ہی نہیں آتا تھا کہ یہ ایک آسمانی صحیفۂ رحمت ہے، یا یہ وہی کتاب ہدایت ہے جس کا نزول سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر ہوا تھا۔

مزید برآں چند مسائل جو کہ نزولِ انجیل کے وقت اختلافی رہے، اور یہودیوں نے اپنی خواہشات کے بل بوتے پر انہیں مٹانا چاہا، اور کچھ خدا پرستوں نے انہیں ایسا کرنے سے منع کیا جس سے ان کی صفوں میں کشمکش اور اختلافات پیدا ہوئے۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے انہیں اختلافات کو ختم کرنے کا مکمل تہیہ اور قصد کیا جس سے یہود مزید بگڑ گئے۔ اس مضمون کا قرآن مجید نے متعدد مقامات پر تذکرہ اور ان لوگوں کی پیغمبر دشمنی پر تنبیہ فرمائی۔ واللہ اعلم

﴿وَلَمَّا جَآءَ عِيسَىٰ بِالْبَيِّنَٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُم بِالْحِكْمَةِ﴾ اور جب عیسیٰ علیہ السلام واضح نشانیاں (معجزات) لے کر آئے تو فرمایا کہ میں تمہارے پاس حکمت لے کر آیا ہوں۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی زندگی کے اعمال خیر وبرکت اور احکام پر حکمت کا اطلاق ہوتا ہے، یہاں معجزات اور احکام دونوں مراد ہیں۔

﴿وَلِأُبَيِّنَ لَكُم بَعْضَ الَّذِي تَخْتَلِفُونَ فِيهِ﴾ اور تاکہ میں تمہیں بعض وہ باتیں بتلادوں جن میں تم اختلاف کرتے ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد اس کی امت اکہتر (۷۱) فرقوں میں تقسیم ہوگئی، اور تورات میں تحریفات کے بے شمار اختلافی مسائل رونما ہوئے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تو آپ نے یہودیوں کی غلطی اور تحریفات کی نشاندہی فرما کر انہیں غلط عقائد واعمال سے منع فرمایا، اور راہ حق پر چلنے کی ہدایت کی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہودی اکہتر (۷۱) فرقوں میں بٹ گئے، اور نصاریٰ کے بہتر (۷۲) فرقے بن گئے، اور میری امت تہتر (۷۳) فرقوں میں بٹ جائے گی۔

[أبو داؤد، ترمذي، نسائي، ابن ماجة]

﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ﴾ تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ هُوَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۚ هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ﴾ بیشک میرا اور تمہارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے، تو پھر تم عبادت اسی کی کرو، اس میں کسی دوسرے کو شریک نہ کرو، یہی سیدھا راستہ ہے۔ ﴿فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِن بَيْنِهِمْ ۖ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ أَلِيمٍ﴾ سو مختلف گروہوں نے آپس میں اختلاف کرلیا، پس ہلاکت اور بربادی ہے ان لوگوں کے لئے جنہوں نے ظلم کیا دردناک دن کے عذب سے، اس سے قیامت کا عذاب مراد ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قدم بقدم میری امت پر وہی بات آئے گی جو بنی اسرائیل پر آئی، اگر بنی اسرائیل میں سے کسی نے علی الاعلان اپنی ماں سے زنا کیا تو میری امت میں سے بھی کوئی ایسا کام کرے گا، بنی اسرائیل بہتر (۷۲) بہتر فرقوں میں بٹ گئے میری امت تہتر ۷۳ فرقوں میں

بٹ جائے گی، سوائے ایک فرقہ کے سب دوزخ میں جائیں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ برحق نجات یافتہ گروہ کونسا ہوگا؟ فرمایا: جو اس راستہ پر چلتا ہوگا جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔ [ترمذي]

اور امام احمد اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ بہتر فرقے دوزخ میں جائیں گے، اور ایک فرقہ جنت میں جائے گا، یہ فرقہ جماعت کا ہوگا۔

﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾ یہ لوگ بس قیامت کا انتظار کر رہے ہیں کہ وہ آئے ان کے پاس اچانک، اور ان کو خبر بھی نہ ہو۔ فرمایا: اب تمام دلائل نشانیاں اور معجزات ہدایات واحکام سب آچکے ہیں، اور انہیں اللہ تعالیٰ نے قدرت واختیارات بھی دیدیئے، مگر یہ لوگ راہ راست پر نہ آئے، اب صرف قیامت کا آنا باقی ہے جس کے ساتھ توبہ کا دروازہ بند ہوجائے گا، اور یہ ہمیشہ کے لئے جہنم کا ایندھن بنیں گے، اور وہاں یہ ہوگا: ﴿اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ﴾ وہاں دنیا والے دوست دشمن بنیں گے، اور ایک دوسرے سے چھپ جائیں گے، کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکے گا، رشتے ناطے اور تعلقات منقطع ہو جائیں گے، نفسی نفسی کا دور دورہ ہوگا۔

ہاں! البتہ ایماندار لوگ ابتدائی سخت مراحل سے گزر کر جب اطمینان وسکون پائیں گے تو اپنے دنیا والے دوست واحباب اور متعلقین ومنسلکین کو یاد کریں گے، اور ان کے لئے سفارش کریں گے، اور کہیں گے: اے پروردگار! ہم گواہی دیتے ہیں کہ یہ لوگ ہمارے مسلمان بھائی ہیں، ہمارے ساتھ نماز پڑھتے تھے، صدقہ کرتے تھے اور نیک اعمال میں حصہ لیتے تھے، یہ خیر کے لوگ تھے، آج اپنے اعمال کی کمزوری کے باعث پیچھے رہ گئے ہیں، آپ ان کو معاف فرمادے، ان کی مغفرت کا فیصلہ صادر فرمائیں، انہیں جنت میں داخل فرمائیں، پس اللہ تعالیٰ غفور رحیم ان متقیوں کی سفارش قبول کریں گے، اور ان لوگوں کی مغفرت فرمائیں گے۔

محبت کی چار قسمیں ہیں:

شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ محبت کی چار قسمیں ہیں: روحانی، قلبی، عقلی اور نفسانی۔ قیامت کے دن روحانی اور قلبی قائم رہیں گی، جبکہ عقلی اور نفسانی ختم ہوکر دشمنی میں تبدیل ہوجائیں گی، فرماتے ہیں: محبت روحانی یہ ہے کہ جو روحیں عالمِ ارواح میں ایک دوسرے کے ساتھ متعارف تھیں وہ دنیا میں آکر بھی ایک دوسرے کے ساتھ آپس میں محبت اور الفت کا سلوک ہی کریں گی، اور ان کی یہ روحانی محبت برزخ اور آخرت تک قائم رہے گی۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: اَلْاَرْوَاحُ جُنُوْدٌ مُجَنَّدَةٌ۔ [بخاري]

روحیں ایک لشکر ہیں جو عالمِ ارواح میں متعارف تھیں، ان کے حاملین دنیا میں بھی آپس میں محبت کریں گے، اوران کی دوستی عالمِ برزخ اور قیامت کے دن بھی قائم رہے گی، ان میں انبیاء علیہم السلام اولیاء صلحاء اصفیاء شہداء اور علماء کی روحیں شامل ہیں، اور یہ وہ حضرات ہیں جو دنیوی اغراض سے بالکل پاک اور صاف ہیں، اور رحمانی انوار و برکات میں مستغرق و مصروف ہیں۔ دوم قلبی محبت، تقویٰ، اچھے اخلاق، صحیح اعتقاد، اچھی سیرت، اعلیٰ کردار اور اعمالِ صالحہ پر مبنی ہوتی ہے جو ایماندار، متقی، نیک اور صالح آدمی محض اللہ تعالیٰ کی خاطر (الحب للہ کے جذبہ کے تحت) ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں، ان کے پیش نظر کوئی دنیوی لالچ اور غرض نہیں ہوتا، ان کی محبت میں بھی قیامت والے دن کوئی فرق نہیں آئے گا، اور وہ اپنی جگہ قائم و دائم رہے گی، اور کام آئے گی۔

تیسری محبت عقلی محبت ہے جس کا دارو مدار امور معاش پر ہوتا ہے، اس محبت کا دارو مدار کاروبار کی شراکت پر ہوتا ہے، لوگ ایک جگہ کام کرتے ہیں، ایک کارخانہ میں مزدور ہیں، یا کسی دفتر میں، یا کسی مارکیٹ میں، یا کسی ہسپتال میں، یا کسی زراعت میں، یا کسی مشترکہ کاروبار میں، یا کسی اور اجتماعی شعبہ میں، وہ آپس میں محبت کرنے لگتے ہیں، فرمایا: یہ سرسری اور عارضی وقتی محبت ہے، اس کی جڑیں مضبوط نہیں، قیامت کے دن یہ محبت دشمنی میں تبدیل ہو جائے گی۔ فرماتے ہیں: چوتھی محبت نفسانی ہے، اس کی بنیاد خواہشات نفسانیہ پر ہوتی ہے، لوگ محض اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے دنیا میں مسلم اور غیر مسلم سب کے ساتھ محبت کرتے ہیں، اور ایک دوسرے سے مفاد حاصل کرتے ہیں، اس میں میاں بیوی کی محبت آجاتی ہے، فساق و فجار و کفار کی محبت بھی محبت نفسانی ہوتی ہے۔

غرض یہ ہے کہ ایسی محبت کی بنیاد نیکی اور اعمالِ صالحہ پر نہیں ہوتی (بلکہ بہیمیت پر ہوتی ہے) لہٰذا ایسی محبت بھی قیامت کے دن دشمنی میں بدل جائے گی۔ شیخ ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ تیسری اور چوتھی قسم کی محبت والے لوگ اکثریت میں ہوتے ہیں، البتہ پہلی اور دوسری قسم کی محبت جو متقیوں میں پائی جاتی ہے وہ اصلی اور حقیقی ہے جو قیامت کے روز کام آئے گی۔ [معالم العرفان]

بیہقی شریف میں حدیث ہے کہ آپس میں اللہ تعالیٰ کی رضا عظمت اور نیکیوں کی خاطر محبت کرنے والے اگر مشرق و مغرب میں بھی ہوں گے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس محبت کی وجہ سے ان کو اکٹھا کرے گا، اور فرمائے گا: یہی وہ شخص ہے جس سے تو میرے لئے محبت کرتا تھا۔ [مظهري]

مسند احمد میں حدیث ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اعلان فرمائیں گے: أَيْنَ الْمُتَحَابُّونَ بِجَلَالِي أُظِلُّهُمْ فِي ظِلِّي۔ میری بزرگی کی وجہ سے محبت کرنے والے لوگ کہاں ہیں؟ وہ آئیں تا کہ میں انہیں اپنے سایۂ رحمت میں (عرش کے نیچے جگہ دوں) جگہ دوں، جس دن میرے سایے کے سوا کوئی سایہ نہیں ہوگا، یہ لوگ وہی ابرار صلحاء علماء اور شہداء ہوں گے جنہوں نے مجموعی طور پر محض اللہ تعالیٰ کی رضاء کی خاطر ساری امت کی خیر خواہی کی نیکوں سے محبت رکھی، اور برے لوگوں کی ہدایت کے لئے دعائیں کیں اور یہ سب کچھ عظمت وجلال باری تعالیٰ کے تحت ہوا۔

❁ ❁ ❁

يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۶۸﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ﴿۶۹﴾
اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ ﴿۷۰﴾ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ ۚ وَفِيْهَا
مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ ۚ وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا
كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۲﴾ لَكُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ كَثِيْرَةٌ مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۷۳﴾

ترجمہ: اے میرے بندو! آج تم پر کوئی خوف نہیں، اور نہ تم رنجیدہ ہو گے ﴿۶۸﴾ جو لوگ ہماری آیتوں پر ایمان لائے اور وہ فرمانبردار تھے ﴿۶۹﴾ تم اور تمہاری بیویاں جنت میں خوشی خوشی داخل ہو جاؤ ﴿۷۰﴾ ان پر سونے کی رکابیاں اور آبخورے لائے جائیں گے، اور اس میں وہ چیزیں ہوں گی جنہیں نفس چاہتے ہوں گے، اور جن سے آنکھیں لذت پائیں گی، اور تم اس میں ہمیشہ رہنے والے ہو ﴿۷۱﴾ اور یہ جنت جس کے تم وارث بنائے گئے ہو، تمہارے اعمال کے بدلہ میں ہے جو تم کرتے تھے ﴿۷۲﴾ تمہارے لے اس میں بہت میوے ہیں ان میں سے تم کھا رہے ہو ﴿۷۳﴾

معارف ومنازل

پہلے فرمایا کہ دنیا داروں کی دوستی دنیا تک محدود رہے گی، جب قیامت قائم ہوگی تو ان کی دوستیاں دشمنی میں تبدیل ہو جائیں گی۔ ہاں! البتہ اہلِ تقویٰ ایمانداروں کی دوستی وہاں بھی قائم رہے گی، اور انہیں ہر قسم کی راحتیں اور مسرتیں حاصل رہیں گی، اور جنتوں میں ان کو وہ مسرتیں اور ابدی راحتیں نصیب ہوں گی جن سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی، اور وہ دنیاوی تمام مصائب وآلام کو بھول جائیں گے۔

﴿یٰعِبَادِ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡکُمُ الۡیَوۡمَ وَلَاۤ اَنۡتُمۡ تَحۡزَنُوۡنَ﴾ اے میرے بندو! تم پر آج کوئی خوف نہیں، اور نہ تم غمگین ہوں گے۔ خوف اور غم میں یہ فرق ہے کہ خوف کسی آنے والی مشکل کی وجہ سے لاحق ہوتا ہے، جبکہ غم کسی سابقہ کارکردگی کی بنا پر ہوتا ہے، یہ لوگ کون ہیں؟ فرمایا:

﴿اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاٰیٰتِنَا وَکَانُوۡا مُسۡلِمِیۡنَ﴾ یعنی وہ لوگ جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے تھے، اور ہمارے فرمانبردار تھے۔ ﴿اُدۡخُلُوا الۡجَنَّۃَ اَنۡتُمۡ وَاَزۡوَاجُکُمۡ تُحۡبَرُوۡنَ۝﴾ تم اور تمہاری ایماندار بیویاں جنت میں داخل ہو جاؤ خوشی خوشی اور عزّت افزائی کے ساتھ۔ بعض علماء نے تُحۡبَرُوۡنَ کا معنی آراستہ اور سجاوٹ بتایا ہے جس میں روشنی اور تروتازگی ظاہر ہو۔ ﴿یُطَافُ عَلَیۡہِمۡ بِصِحَافٍ مِّنۡ ذَہَبٍ وَّاَکۡوَابٍ﴾ پھیرے جائیں گے ان پر سونے کے پیالے اور آبخورے (گلاس)۔ صحاف کے معنی ہیں: پلیٹ، رکابی، پیالے، اور اکواب گلاس آبخورے جو مشروبات کے لئے ہو۔

﴿وَفِیۡہَا مَا تَشۡتَہِیۡہِ الۡاَنۡفُسُ وَتَلَذُّ الۡاَعۡیُنُ ۚ وَاَنۡتُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ﴾ اور وہاں وہ چیزیں ملیں گی جن کو دل چاہے گا (یعنی دل پسند چیزیں) اور جن سے آنکھیں لطف اندوز ہوں گی۔ اے ایمان والو! تم خوشیوں کے اس مقام میں ہمیشہ رہو گے۔ ﴿وَتِلۡکَ الۡجَنَّۃُ الَّتِیۡۤ اُوۡرِثۡتُمُوۡہَا بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ﴾ یہ وہ جنت ہے جس کے تم وارث بنا دیئے گئے ہو اپنے نیک اعمال کے بدلہ میں جو تم کیا کرتے تھے۔

﴿لَکُمۡ فِیۡہَا فَاکِہَۃٌ کَثِیۡرَۃٌ مِّنۡہَا تَاۡکُلُوۡنَ﴾ وہاں جنت میں تمہارے لئے بہت سے پھل ہوں گے جن میں سے تم کھاؤ گے۔ بزار اور طبرانی نے بیان کیا کہ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جنتی جس پھل کو توڑے گا اس کی جگہ ویسا ہی پھل دوبارہ پیدا کیا جائے گا۔ [مظهري]

اب جنتیوں کے بعد دوزخیوں کا تذکرہ ہے۔

❁ ❁ ❁

اِنَّ الۡمُجۡرِمِیۡنَ فِیۡ عَذَابِ جَہَنَّمَ خٰلِدُوۡنَ ﴿۷۴﴾ لَا یُفَتَّرُ عَنۡہُمۡ وَہُمۡ فِیۡہِ مُبۡلِسُوۡنَ ﴿۷۵﴾ وَمَا
ظَلَمۡنٰہُمۡ وَلٰکِنۡ کَانُوۡا ہُمُ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۷۶﴾ وَنَادَوۡا یٰمٰلِکُ لِیَقۡضِ عَلَیۡنَا رَبُّکَ ؕ قَالَ اِنَّکُمۡ
مّٰکِثُوۡنَ ﴿۷۷﴾ لَقَدۡ جِئۡنٰکُمۡ بِالۡحَقِّ وَلٰکِنَّ اَکۡثَرَکُمۡ لِلۡحَقِّ کٰرِہُوۡنَ ﴿۷۸﴾ اَمۡ اَبۡرَمُوۡۤا اَمۡرًا فَاِنَّا

مُّبْرِمُوْنَ ﴿۷۹﴾ اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ ؕ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۸۰﴾

ترجمہ: بلاشبہ مجرم لوگ جہنم کے عذاب میں ہمیشہ رہیں گے ﴿۷۴﴾ ان سے عذاب ہلکا نہ کیا جائے گا، اور وہ اسی میں نا امید ہو کر پڑے رہیں گے ﴿۷۵﴾ اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا، لیکن یہ خود ہی ظالم تھے ﴿۷۶﴾ اور وہ پکاریں گے کہ اے مالک! (دوزخ کا داروغہ) تمہارا پروردگار ہمارا کام تمام کردے، وہ جواب دیں گے کہ بیشک تم اسی میں رہو گے ﴿۷۷﴾ بلاشبہ ہم تمہارے پاس حق لائے، اور لیکن تم میں سے اکثر حق سے نفرت کرنے والے ہیں ﴿۷۸﴾ کیا انہوں نے کوئی مضبوط تدبیر کرلی ہے؟ سو ہم مضبوط تدبیر اختیار کرنے والے ہیں ﴿۷۹﴾ کیا وہ سمجھتے ہیں کہ ہم نہیں سنتے ان کی چپکی باتوں کو؟ اور ان کے خفیہ مشوروں کو؟ ہاں! ہم ضرور سنتے ہیں، اور ہمارے بھیجے ہوئے (فرستادے) ان کے پاس لکھتے ہیں ﴿۸۰﴾

معارف ومنازل

اہل جنت کی مسرتوں اور لطف اندوز خوشیوں کے بعد اہل جہنم کی ہلاکت اور تباہیوں کا تقابل کی صورت میں بیان ہو رہا ہے کہ مجرمین ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے، ان کا عذاب کبھی ہلکا نہ کیا جائے گا، بلکہ روزانہ اضافہ ہوتا جائے گا، وہ چیخیں گے چلائیں گے، دوزخ کے داروغہ مالک سے درخواست کریں گے، مگر شنوائی نہیں ہوگی، تو فرمایا:

﴿اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ﴾ بیشک کفار مجرم جہنم کے عذاب میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ ﴿لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ﴾ ان کے عذاب میں کوئی تخفیف نہیں کی جائے گی، اور وہ عذاب میں پڑے رہیں گے، اور کسی بھی تخفیف اور رہائی سے مایوس ہوں گے۔ ﴿وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ﴾ اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا، بلکہ یہ خود ظالم تھے، اور انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا، شرک وکفر اختیار کر کے دوزخ کے مستحق ٹھہرے۔

﴿وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ﴾ یہ دوزخی لوگ دوزخ کے داروغہ مالک کو پکارتے رہیں گے: اے مالک! اپنے ربّ سے درخواست کرو کہ وہ ہمارا فیصلہ ہی کر دے، فیصلہ سے مراد موت ہے، یعنی اگر ہمارے عذاب میں تخفیف نہیں کرتا تو پھر موت ہی دے دے تاکہ اس عذاب سے نجات پائیں، وہ مسلسل چیخیں گے اور مالک سے یہی درخواست کریں گے، مالک انہیں ہزار سال کے بعد جواب دے کر یہی کہے گا کہ:

﴿اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ﴾ تمہیں یہاں ہمیشہ رہنا ہے، تمہاری خرمستیوں کا یہی جواب اور یہی علاج ہے، تم نے دنیا میں تمام دینی اقدار کا مذاق اڑایا، یہاں تک کہ اذان سنکر گالی دیدیتے بکواس کرتے، اب چکھو۔

﴿لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ﴾ بیشک ہم تمہارے پاس سچا دین لے آئے، لیکن تم میں سے اکثر لوگ حق کو ناپسند کرنے والے تھے، اور اپنے خود ساختہ دین ورسم رواج پر جمے رہے۔

﴿اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ﴾ کیا انہوں نے حق کے خلاف کسی مضبوط تدبیر کا پختہ ارادہ کیا ہے؟ تو سن لیں! ہم نے بھی مضبوط پختہ تدبیر کا انتظام کیا ہوا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ﴾ [ابراهيم: ۴۶] (اور وہ لوگ اپنی ساری چالیں چل چکے تھے، اور ان کی ساری چالوں کا توڑ اللہ کے پاس تھا، چاہے ان کی چالیں ایسی کیوں نہ ہوں جن سے پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ہل جائیں)۔

کفار اور مشرکین آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دین اسلام اور قرآن کے خلاف طرح طرح کے خفیہ منصوبے بناتے تھے، اور مضبوط سازشوں میں مصروف رہتے تھے، مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کی تدبیریں سب ناکام ہوجاتی تھیں، اور ان کے منصوبے خاک میں مل جاتے تھے، جیسا کہ انہوں نے جنگ بدر کے موقع پر سازش کی، جس کے نتیجے میں وہ خود تباہ ہو گئے اور شکست کھا گئے۔ مشرکین مکہ نے ایک نہیں سیکڑوں تدبیریں آزمائیں اور حیلہ سازیاں کیں کہ کسی طرح پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شکست دیں، اور اس کے دین کو پھیلنے اور ترقی کرنے سے روک دیں، اور اس کے جان نثاروں کو ان سے علیحدہ کرلیں، اور باہر سے آنے والوں کو اس تک رسائی نہ دیں وغیرہ، مگر وہ اپنے ان تمام شیطانی منصوبوں میں خود پھنس گئے اور ذلیل وخوار ہو گئے۔

﴿اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ ۭ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ﴾ کیا یہ لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم ان کی پوشیدہ باتوں اور خفیہ مشوروں اور مخفی سرگوشیوں کو نہیں سنتے؟ بَلٰى کیوں نہیں، مشوروں اور تدبیروں سے پہلے اندرونی دل کے ارادوں تک کو بھی جانتے ہیں، کائنات کا اور ساتوں سمندروں کے نیچے چلنے والی چیونٹیوں کے پاؤں کی آہٹ وآواز سنتے ہیں، اس کے ساتھ ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ہر لمحہ ان کے پاس موجود ہوتے ہیں، اور ان کی تمام پوشیدہ تدبیروں کو لکھ لیتے ہیں، اور یہ فرشتے ہمیشہ ان کے ساتھ ہیں، کبھی الگ نہیں ہوتے۔

قُلۡ اِنۡ كَانَ لِلرَّحۡمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الۡعٰبِدِيۡنَ ﴿۸۱﴾ سُبۡحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ رَبِّ الۡعَرۡشِ عَمَّا يَصِفُوۡنَ ﴿۸۲﴾ فَذَرۡهُمۡ يَخُوۡضُوۡا وَيَلۡعَبُوۡا حَتّٰى يُلٰقُوۡا يَوۡمَهُمُ الَّذِىۡ يُوۡعَدُوۡنَ ﴿۸۳﴾ وَهُوَ الَّذِىۡ فِى السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِى الۡاَرۡضِ اِلٰهٌ ؕ وَهُوَ الۡحَكِيۡمُ الۡعَلِيۡمُ ﴿۸۴﴾

ترجمہ: آپ فرمادیجئے: اگر رحمٰن کے لئے اولاد ہوتو میں سب سے پہلے عبادت کرنے والا ہوں ﴿۸۱﴾ آسمانوں اورزمین کا ربّ جوعرش کا بھی ربّ ہے وہ ان باتوں سے پاک ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں ﴿۸۲﴾ سو آپ ان کو چھوڑ دیجئے، باتوں میں لگیں، اور کھیلا کریں، یہاں تک کہ اس دن سے ملاقات کرلیں جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے ﴿۸۳﴾ اور اللہ تعالیٰ وہ ہے جو آسمان میں معبود ہے، اورزمین میں معبود ہے، اور وہ حکمت والا ہے، علم والا ہے ﴿۸۴﴾

معارف ومنازل

ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی صفاتِ جلیلہ اور پوری کائنات میں اس کے معبود برحق ہونے کا بیان ہے، اور براءت شرک کے ساتھ شرک کی مذمت کا بیان ہوگا، تقریباً اختتامِ سورت تک یہی مضمون جاری رہے گا۔

﴿قُلۡ اِنۡ كَانَ لِلرَّحۡمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الۡعٰبِدِيۡنَ﴾ آپ مشرکین اور اہل کتاب سے کہہ دیں: اگر ربّ رحمٰن کی کوئی اولاد ہوتی تو میں سب سے پہلے عبادت کرنے والا ہوتا۔ آیت کا مقصد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ جو اللہ تعالیٰ کے صاحب اولاد ہونے کا انکار کررہے ہیں تو اس انکار کی بنیاد ذاتی مخالفت نہیں کہ خدا کے بیٹے سے آپ کو عناد ہو اس لئے آپ انکار کررہے ہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر کوئی خدازادہ ہوتا تو آپ ﷺ اس کا اعتراف سب سے پہلے کرتے۔ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آیت کا مطلب یہ بیان کیا کہ رحمٰن کی کوئی اولاد نہیں ہے، میں سب سے پہلے اس کی شہادت دیتا ہوں، یعنی اِنۡ شرطیہ نہیں ہے بلکہ نافیہ ہے، اور عَابِدِيۡنَ کے معنی ہے: گواہی دینے والے۔ [مظهري]

﴿سُبۡحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ رَبِّ الۡعَرۡشِ عَمَّا يَصِفُوۡنَ﴾ آسمانوں اورزمین کا ربّ جو عرش کا بھی ربّ ہے ان سب باتوں سے پاک ہے جو یہ مشرک لوگ بیان کرتے ہیں۔ فرمایا:

﴿فَذَرۡهُمۡ يَخُوۡضُوۡا وَيَلۡعَبُوۡا حَتّٰى يُلٰقُوۡا يَوۡمَهُمُ الَّذِىۡ يُوۡعَدُوۡنَ﴾ پس آپ ان کو اسی شغل وتفریح اور کھیل وہوس میں چھوڑ دیں، اور رہنے دیجئے، یہاں تک کہ ان کو اپنے اسی دن سے سابقہ پڑ جائے جس کا ان

سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔ خوض کے معنی ہیں: بیہودگی۔ لعب دنیوی کھیل و ہوس کو کہتے ہیں۔ یَوْمَهُمُ سے مراد قیامت ہے۔ ﴿وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَٰهٌ ۚ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ﴾ اور اللہ تعالیٰ وہی ذات ہے جو آسمان میں بھی معبود ہے اور زمین میں بھی معبود ہے، صرف اسی کی سلطنت و الوہیت برحق ہے، آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی، وہی ہے حکمت والا، جاننے والا جو ہر چیز سے باخبر ہے۔

وَتَبَارَكَ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَعِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ
وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٨٥﴾ وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ
وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٨٦﴾ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ۖ فَأَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ﴿٨٧﴾ وَقِيلِهِ
يَا رَبِّ إِنَّ هَٰؤُلَاءِ قَوْمٌ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٨٨﴾ فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلَامٌ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿٨٩﴾

ترجمہ: اور بابرکت ہے وہ ذات پاک جس کے لئے ملک ہے آسمانوں کا اور زمین کا، اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، اور اس کے پاس قیامت کا علم ہے، اور اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے ﴿٨٥﴾ اور جن کو یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے ہیں وہ شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے، ہاں! جنہوں نے حق کی گواہی دی اور وہ جانتے ہیں ﴿٨٦﴾ اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ انہیں کس نے پیدا کیا؟ یہی کہیں گے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا، سو یہ لوگ کدھر الٹے جا رہے ہیں؟ ﴿٨٧﴾ اور اسے رسول کی اس بات کی خبر ہے کہ اے میرے ربّ! بلاشبہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے ﴿٨٨﴾ سو آپ ان سے اعراض کیجئے، اور کہہ دیجئے کہ میرا اسلام ہے، سو وہ عنقریب جان لیں گے ﴿٨٩﴾

معارف ومنازل

اختتامِ سورت کے ساتھ مسئلہ توحید کو اجاگر فرماتے ہوئے وہی سابق مضمون کا تتمہ بیان فرما رہے ہیں، ارشاد ہے: ﴿وَتَبَارَكَ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَعِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾ اور بڑا عالی شان و بابرکت ہے وہ ذات جس کی سلطنت آسمانوں پر اور زمین پر اور ان کے درمیان کی تمام مخلوقات پر ہے، اور اسی کے پاس ہے قیامت کا علم کہ وہ کب آئے گی، اور اسی کے پاس تم سب کو لوٹ

کر جانا ہے۔

﴿وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے سوا جن معبودوں کو یہ پکارتے ہیں وہ شفاعت کا کوئی اختیار نہیں رکھتے، جن کو یہ لوگ اپنی حاجتوں میں پکارتے ہیں اور کہتے ہیں: ﴿هٰٓؤُلَاۗءِ شُفَعَاۗؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ [یونس:۱۸] (یہ بت ہمارے سفارشی ہیں اللہ کے یہاں)۔ یہ سب پتھر، لکڑی، پیتل وغیرہ سے بنے ہوئے بے جان اور بے حرکت بت ہیں، ہاں! مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ یعنی جو لوگ کلمہ طیبہ کا اقرار کرتے ہیں، لا إله إلا الله محمد رسول الله صدق دل سے پڑھتے ہیں، وہ شفاعت کے لئے حقدار ہوں گے، اور انہیں شفاعت کی بھی اجازت ہوگی، لیکن وہ بھی ہر شخص کی سفارش نہیں کریں گے۔

یہی بات جو یہاں سورۃ الزخرف میں ہے اسی طرح سورۃ الانبیاء میں بھی ہے: ﴿وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى﴾ [الأنبیاء:۲۸] (وہ کسی کی سفارش نہیں کرسکتے، سوائے اس کے جس کے لیے اللہ کی مرضی ہو)۔ مطلب سب کا ایک ہی ہے۔

﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ﴾ اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ ان کو کس نے پیدا کیا؟ تو بلاشبہ جواب دیں گے: اللہ تعالیٰ ہی نے، پھر یہ لوگ کدھر الٹے پھرے جارہے ہیں؟ جب خالق اللہ ہے تو مالک و مدبر اور عبادت کے لائق بھی وہی ہے۔

﴿وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ﴾ اور قسم ہے نبی کی اس بات کی: اے میرے پروردگار! یہ لوگ ایمان نہیں لاتے، میں نے پوری جدوجہد کی، مختلف طریقوں سے انہیں سمجھایا ہے، مگر ان پر ذرہ بھر بھی اثر نہیں ہوا، اور یہ ایمان لانے والے نہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی اس درد بھری شکایت پر قسم اٹھائی ہے۔

﴿فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ۭ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ﴾ سو آپ ان سے درگزر فرمائیں، اور انہیں سلام کہہ کر الگ ہوجائیں، وہ عنقریب جان لیں گے، اور اپنے کفر و شرک کے انجام کو پالیں گے، اور مشاہدہ کریں گے۔

سُورَةُ الدُّخَان

مکیۃٌ آیاتہا ۵۹ رکوعاتہا ۳

سورۂ دخان مکی ہے، اس میں انسٹھ (۵۹) آیتیں، اور تین (۳) رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام:

اس سورت کا نام سورۃ الدخان ہے، جو اس سورت کی دسویں آیت میں لفظِ دخان موجود ہے اسی سے یہ نام ماخوذ ہے۔ یہ سورت ترتیب تلاوت میں ۴۴ ویں نمبر پر ہے، اور ترتیب نزول میں ۶۴ ویں نمبر پر ہے۔

نزول:

یہ سورت مکی ہے، اور حوامیم سبعہ کی پانچویں سورت ہے، جو مکی زندگی کے آخری حصے میں سورۂ زخرف کے بعد نازل ہوئی۔

تعداد حروف وکلمات:

اس سورت میں ۳ رکوع، ۵۹ آیات، ۳۴۶ کلمات، اور ۱۴۹۵ حروف ہیں۔

ربط ومناسبت:

(۱)۔ سابق سورۂ زخرف اور اس سورۂ دخان دونوں کے شروع میں صداقت قرآن کا بیان ہے، اور دونوں کی ابتداء حٰم حروف مقطعات کے ساتھ ہے۔ (۲)۔ گزشتہ سورت اور اس سورت دونوں میں توحید، قیامت، رسالت،

صداقت قرآن، نیز جنت ودوزخ اور ابرار وفجار کا یکساں بیان ہے۔(۳)- دونوں سورتوں میں بنی اسرائیل کا بھی تذکرہ ہے۔

مختصر موضوع:

فضائل لیلۃ المبارکہ، تذکیرات ثلاثہ، موسیٰ علیہ السلام کے متبعین اور مخالفین کے نتائج، اسی طرح مؤمنین اور کفار کے نتائج، جنت اور دوزخ کا، نیز اہل جنت واہل جہنم کے مختصر حالات اور یوم الفصل کا بیان۔

فضائل سورۃ الدخان:

ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات سورۃ الدخان کی تلاوت کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں ایک محل بنادیتے ہیں۔[روح المعاني: ۲۵ ص ۱۵۳] ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص رات کو حٰمٓ سورۃ الدخان کی تلاوت کرے گا صبح کو اٹھے گا اس حال میں کہ ستر ہزار فرشتے دن کو اس کے لئے دعائیں کریں گے۔[روح المعاني: ۲۵ ص ۱۵۲، قرطبي: ۱۶ ص ۱۰۹]

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

حٰمٓ ۞١ وَالۡكِتٰبِ الۡمُبِيۡنِ ۞٢ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ فِىۡ لَيۡلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنۡذِرِيۡنَ ۞٣ فِيۡهَا يُفۡرَقُ كُلُّ اَمۡرٍ حَكِيۡمٍ ۞٤ اَمۡرًا مِّنۡ عِنۡدِنَا ؕ اِنَّا كُنَّا مُرۡسِلِيۡنَ ۞٥ رَحۡمَةً مِّنۡ رَّبِّكَ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ۞٦ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا ۘ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّوۡقِنِيۡنَ ۞٧ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحۡىٖ وَيُمِيۡتُ ؕ رَبُّكُمۡ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الۡاَوَّلِيۡنَ ۞٨ بَلۡ هُمۡ فِىۡ شَكٍّ يَّلۡعَبُوۡنَ ۞٩

ترجمہ: حٰمٓ ① قسم ہے کتاب مبین کی ② بلاشبہ ہم نے اس کو مبارک رات میں نازل کیا ہے، بلاشبہ ہم ڈرانے والے ہیں ③ اس رات میں ہر امر حکیم کا فیصلہ کیا جاتا ہے ④ جو ہماری طرف سے بطور حکم کے صادر ہوتا ہے ⑤ بلاشبہ ہم بھیجنے والے ہیں آپ کے ربّ کی طرف سے رحمت کے طور پر، بلاشبہ وہ سننے والا ہے، جاننے والا ہے ⑥ وہ آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب کا ربّ ہے، اگر تم یقین کرنے والے ہو ⑦ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ زندہ فرماتا ہے اور موت دیتا ہے، وہ تمہارا اور تم سے پہلے جو تمہارے باپ دادے گزر گئے ان کا

ربّ ہے⑧ بلکہ وہ لوگ شک میں پڑے ہوئے کھیل رہے ہیں⑨

معارف ومنازل

حروف مقطعات پر مفصل کلام سورۃ البقرہ کے شروع میں گزر چکا ہے۔قرآن مجید مبارک رات میں نازل کیا گیا، یہاں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی قسم کھا کر فرمایا کہ ہم نے اس قرآن کو مبارک رات میں نازل کیا، مبارک رات سے مراد کونسی رات ہے؟ اس میں مفسرین کرام کی دو رائیں ہیں: بعض حضرات اس سے مراد پندرہویں شعبان کی رات جو شب براءت سے موسوم ہے لیتے ہیں، مگر محققین حضرات نے فرمایا کہ اس سے شب قدر مراد ہے، کیونکہ سورۂ بقرہ میں فرمایا ہے: ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ﴾[البقرۃ:۱۸۵] (رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا)۔اور سورۃ القدر میں فرمایا ہے: ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ﴾ [القدر: ۱] (اور ہم ہی نے قرآن کو نازل کیا ہے قدر کی رات)۔

اور حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد ہیں کہ اس سے شعبان کی پندرہویں شب مراد ہے جو کہ لیلۃ البراءت کے نام سے مشہور ہے۔یہ صحیح نہیں ہے، اس سلسلے میں کوئی مرفوع صحیح حدیث موجود نہیں کہ قرآن کریم کا نزول پندرہویں شعبان میں ہوا، جبکہ سورۃ البقرہ کی آیت اور سورۃ القدر کی آیت قطعی فیصلہ کے ساتھ واضح کررہی ہیں کہ قرآن کا نزول رمضان میں ہوا، نہ کہ اور کسی مہینے میں۔

محققین کرام فرماتے ہیں کہ لیلۃ القدر اور لیلۃ المبارکہ ایک ہی رات کے دو مختلف نام ہیں، اور اسی رات میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو لوح محفوظ سے بیت العزۃ جو کہ آسمان دنیا ہے یا بیت المعمور میں اتارا جو کہ ساتویں آسمان پر ہے، اور پھر وہاں سے ۲۳ سال میں نجماً نجماً یعنی تھوڑا تھوڑا کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کیا گیا۔بلکہ تفسیری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام آسمانی کتابوں کا نزول پہلی رمضان یا تیرہ یا سترہ اور یا ۲۴ رمضان کو ہوا ہے، جبکہ قرآن حکیم کا نزول رمضان کے آخری عشرہ میں ہوا، اس مسئلہ پر مفصل کلام سورۃ القدر میں آئے گا۔ان شاء اللہ

﴿وَالْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ ۝۲ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِیْنَ﴾ قسم ہے کتاب مبین کی، بیشک ہم نے اس کو نازل فرمایا ایک بابرکت رات میں جو کہ ہزار مہینوں سے بھی افضل ہے، بیشک ہم قرآن کریم کے ذریعہ لوگوں کو ڈرسنانے والے ہیں تاکہ لوگ شرک ومعاصی کے برے انجام سے خوفزدہ ہو کر ایمان وتقویٰ اختیار کریں۔

﴿فِيۡهَا يُفۡرَقُ كُلُّ اَمۡرٍ حَكِيۡمٍ﴾ اس مبارک رات میں ہر امر حکیم کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ صاحب معالم نے حکیم کو محکم کے معنی میں لیا ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ شب قدر میں اُم الکتاب (لوح محفوظ) سے وہ چیزیں علیحدہ کر کے لکھ دی جاتی ہیں جو آئندہ پورے سال میں وجود میں آئیں گی، مثلاً پیدائش، اموات، ترقی، تنزل، طوفان، زلزلہ، ارزاق، بارش وغیرہ، سب کچھ فرشتوں کے حوالہ کر دیئے جاتے ہیں، اور فرشتے سال بھر کے کام مقررہ اوقات میں انجام دیتے رہتے ہیں۔

﴿اَمۡرًا مِّنۡ عِنۡدِنَا﴾ یہ سارے فیصلہ شدہ امور ہماری جانب سے صادر ہو کر قضاء وقدر کے فرشتوں کے سپرد ہوتے ہیں۔ ﴿اِنَّا كُنَّا مُرۡسِلِيۡنَ﴾ تحقیق ہم ہی بھیجنے والے ہیں انبیاء ورسل کو ہدایتِ خلق کے لئے، اور فرشتوں کو فیصلہ شدہ امور مذکورہ کو انجام دہی کے لئے بھیجتے ہیں۔ ﴿رَحۡمَةً مِّنۡ رَّبِّكَ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ﴾ یہ مہربانی ہے، یہ تیرے پروردگار کی طرف سے ہے، بیشک وہ ہر بات کو سننے والا اور ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

﴿رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا﴾ جو کہ پروردگار ہے آسمانوں کا اور زمین کا، اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، یعنی ساری مخلوقات کا وہی پروردگار ہے۔ ﴿اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّوۡقِنِيۡنَ﴾ اگر تم یقین کرنے والے ہو۔

﴿لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحۡىٖ وَيُمِيۡتُ ؕ رَبُّكُمۡ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الۡاَوَّلِيۡنَ﴾ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی زندہ کرتا ہے اور وہی موت دیتا ہے، تمہارا بھی ربّ ہے اور تمہارے پہلے آباء واجداد کا بھی ربّ ہے۔

﴿بَلۡ هُمۡ فِىۡ شَكٍّ يَّلۡعَبُوۡنَ﴾ بلکہ یہ لوگ شک میں پڑے ہوئے کھیل رہے ہیں، دلائلِ قدرت میں غور کرتے نہیں، اور آخرت کے منکر ہیں۔

فَارۡتَقِبۡ يَوۡمَ تَاۡتِى السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيۡنٍۙ ⑩ يَّغۡشَى النَّاسَ ؕ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ⑪ رَبَّنَا اكۡشِفۡ عَنَّا الۡعَذَابَ اِنَّا مُؤۡمِنُوۡنَ ⑫ اَنّٰى لَهُمُ الذِّكۡرٰى وَقَدۡ جَآءَهُمۡ رَسُوۡلٌ مُّبِيۡنٌۙ ⑬ ثُمَّ تَوَلَّوۡا عَنۡهُ وَقَالُوۡا مُعَلَّمٌ مَّجۡنُوۡنٌ ⑭ اِنَّا كَاشِفُوا الۡعَذَابِ قَلِيۡلًا اِنَّكُمۡ عَآئِدُوۡنَ ⑮ يَوۡمَ نَبۡطِشُ الۡبَطۡشَةَ الۡكُبۡرٰى ۚ اِنَّا مُنۡتَقِمُوۡنَ ⑯

ترجمہ: سو آپ اس دن کا انتظار کیجئے جس دن آسمان کی طرف دیکھنے والے کو واضح طور پر دھواں نظر آئے گا

⑩ وہ لوگوں پر چھا جائے گا، یہ دردناک عذاب ہے ⑪ اے ہمارے پروردگار! ہم سے دور کردیجئے، بلاشبہ ہم ایمان لے آئیں گے ⑫ کہاں ہے ان کو نصیحت؟ حالانکہ ان کے پاس رسول مبین آگیا ⑬ پھر اس سے انہوں نے اعراض کیا، اور کہنے لگے کہ یہ شخص سکھایا ہوا دیوانہ ہے ⑭ بلاشبہ ہم عذاب کو تھوڑے وقت کے لئے ہٹادیں گے، بیشک تم لوٹنے والے ہو ⑮ جس روز ہم بڑی پکڑ کریں گے، بلاشبہ ہم انتقام لینے والے ہیں ⑯

معارف ومنازل

فرمایا: آپ انتظار فرمایئے اس دن کا جس میں آسمان کی طرف ایک دھواں نظر آئے گا جو لوگوں پر چھا جائے گا۔ اس دخان سے کیا اور کونسا دخان مراد ہے؟ اس بارے میں ایک قول یہ ہے کہ یہ دھواں قیامت کی نشانیوں میں سے ہوگا، جب ظاہر ہوگا تو زمین میں چالیس دن رہے گا، اور آسمان اور زمین کے درمیان کو بھردے گا، اس کی وجہ سے اہل ایمان کی کیفیت زکام جیسی ہوجائے گی، اور کفار اور فجار کی ناکوں، آنکھوں کانوں اور مونہوں میں داخل ہو کرانہیں سخت پریشان کردے گا۔ حضرت علی حضرت، ابن عباس، حضرت ابن عمر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم، نیز زید بن علی، ابن ابی ملیکہ اور حسن بصری رحمہم اللہ کا یہی قول ہے کہ یہ دھواں قرب قیامت میں ظاہر ہوگا۔

صحیح مسلم ص ۲۹۲ ج ۲ میں قیامت کی دس نشانیوں میں دھواں کا تذکرہ موجود ہے، جس کے راوی حضرت حذیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور مذکورہ حضرات کا استدلال اسی حدیث سے ہے۔

دوسرا قول حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا صحیح بخاری میں متعدد مقامات پر مذکور ہے، جب حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بعض حضرات کا یہ قول نقل کیا گیا کہ دخان سے مراد قیامت والا دھواں ہے جو قرب قیامت میں ظاہر ہوگا تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ یہ سن کر غضبناک ہوئے، پہلے تکیہ لگائے ہوئے تھے اب غصے میں سیدھا بیٹھ گئے، اور سخت لہجہ میں فرمایا کہ جسے علم ہو وہ علم کی بات بتادے، اور جسے علم نہ ہو وہ یوں کہہ دے کہ: "اللہ أعلم" کہ اللہ کو معلوم ہے، کیونکہ نہ جاننے کا اقرار کرنا علم ہی کی بات ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ جب قریش مکہ نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسلسل نافرمانی کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بددعا دی: اَللّٰهُمَّ اَعِنِّیْ عَلَیْهِمْ بِسَبْعٍ كَسَبْعِ یُوْسُفَ۔ اے اللہ تعالیٰ! ان کے مقابلہ میں میری مدد فرما، اور ان پر سات سال تک قحط بھیج دے جیسا کہ یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں قحط آیا تھا۔

سات سال تک اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا قبول فرمائی، جب قحط پڑا اور قریش مصیبت میں مبتلا ہوئے تو ان کی ہر چیز ختم ہوگئی، یہاں تک کہ وہ مردار اور ہڈیاں کھانے لگے، بھوک کی مصیبت کی وجہ سے ان کا یہ حال ہوگیا تھا کہ آسمان کی طرف دیکھتے تو انہیں چار طرف دھواں نظر آتا تھا، اسی کو اللہ تعالیٰ نے پہلے فرمادیا تھا:

﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ﴾ جب قریش مکہ عذاب میں مبتلا ہوئے تو انہوں نے دعا کی: ﴿رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُوْنَ﴾ اے ہمارے پروردگار! ہم سے عذاب دور فرمادیجئے، بلاشبہ ہم ایمان لے آئیں گے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے:

﴿إِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا إِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ﴾ تک تلاوت کی، پھر فرمایا: کیا قیامت کے دن کا عذاب بھی دور کردیا جائے گا؟ ہرگز نہیں، تو یہ دخان قیامت والا نہیں، بلکہ یہ وہ قحط والا دخان ہے جو گزر گیا، کیونکہ قیامت والا عذاب دور نہیں ہوگا۔ ابھی وہ قحط جاری تھا کہ قریش مکہ نے ابوسفیان کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت گرامی میں بھیجا، وہ اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے، وہ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے، ابوسفیان نے عرض کیا: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ صلہ رحمی کا حکم کرتے ہیں، ادھر آپ کی قوم ہلاک ہورہی ہے، آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کردیجئے کہ اس عذاب کو ہٹادے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بارش بھیج دی گئی اور قحط ختم ہوگیا تو لوگ خوش ہوگئے لیکن ایمان نہیں لائے اور کفر پر جمے رہے جیسا کہ:

﴿إِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ﴾ میں بیان فرمادیا ہے، تو آیت کریمہ: ﴿يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ۚ إِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ﴾ نازل ہوئی، جس دن ہم انہیں بڑی پکڑ کے ساتھ پکڑیں گے، ہم بدلہ لینے والے ہیں، بڑی پکڑ سے غزوۂ بدر مراد ہے، اس غزوہ نے کفار قریش کے کبر و غرور کو خاک میں ملا کر رکھ دیا، اور انہیں عبرتناک شکست سے دوچار کیا۔

﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ﴾ تو آپ انتظار کریں اس دن کا جس دن آسمان ایک واضح کھلا دھواں لائے گا، اور پورے آسمان پر چھا جائے گا۔ ﴿يَّغْشَى النَّاسَ ۖ هٰذَا عَذَابٌ أَلِيْمٌ﴾ لوگوں کو ڈھانپ لے گا، یہ دردناک عذاب ہوگا، دھواں یا تو قرب قیامت والا ہوگا یا تو قحط سالی کا دھواں ہوگا جیسے بیان ہوا، اور یہی راجح ہے۔ لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے یوں عرض کریں گے:

﴿رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُوْنَ﴾ اے ہمارے پروردگار! ہم سے اس عذاب کو دور

کردے، ہم یقیناً ایمان لانے والے ہیں، کافر ہمیشہ اسی طرح کا مشروط وعدہ کرتے ہیں، مگر جب انہیں نجات ملتی ہے اور مصیبت ٹل جاتی ہے تو بدستور اپنے شرک پر جم جاتے ہیں، جیسے کشتی والوں کا حال بیان ہوا۔

﴿فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ﴾ اور جیسے سورۂ اعراف میں فرعونیوں کا حال بیان ہوا، اور یہاں اسی طرز پر قریش مکہ کا حال بیان ہو رہا ہے۔

﴿اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ﴾ کہاں ہوگا ان کے لئے بات ماننا اور نصیحت پکڑنا؟ حالانکہ ان کے پاس ہر چیز کو کھول کر بیان کرنے والا رسول آ چکا ہے، مگر انہوں نے کبھی تسلیم نہیں کیا۔ ﴿ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ﴾ پھر انہوں نے اس سے روگردانی کی اور کہنے لگے: یہ تو سکھایا ہوا دیوانہ ہے، جادوگر ہے، ہم اسے کیوں نبی تسلیم کریں؟ پس ایسے لوگوں کو نصیحت کارگر نہیں ہوتی، اور نہ ہی یہ وعدوں کا پاس رکھنے کے خوگر ہوتے ہیں، فرمایا:

﴿اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ﴾ ہم کھولنے والے ہیں عذاب کو تھوڑی مدت کے بعد اور دور کر کے تمہارے لئے خوشحالی کا دور لے آئیں گے، مگر تم پلٹ کر اسی شرک وکفر کا ارتکاب کرو گے، اور اپنے وعدوں کو پامال کرو گے اور ایمان نہیں لاؤ گے، پس تمہارا علاج یہ ہوگا: ﴿يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ۚ اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ﴾ جس دن ہم گرفت کریں گے بڑی گرفت، اس سے مراد غزوۂ بدر کی گرفت ہے، جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اس غزوہ میں کفر کی کمر ٹوٹ گئی اور مشرکین کے ستر سردار مارے گئے، یہ اتنی بڑی شکست تھی جو تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھی جائے گی، فرمایا: بیشک ہم انتقام لینے والے ہیں۔ سورۃ البروج میں ارشاد ہے: ﴿اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ﴾ [البروج: ۱۲] (بیشک تیرے پروردگار کی پکڑ تو بہت ہی سخت ہے) اسی پکڑ نے بہت سی اقوام کو نیست ونابود کر دیا۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ ﴿۱۷﴾ اَنْ اَدُّوْٓا اِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ ۭ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۸﴾ وَّاَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنِّيْٓ اٰتِيْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۹﴾ وَاِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ ﴿۲۰﴾ وَاِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِيْ فَاعْتَزِلُوْنِ ﴿۲۱﴾ فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۲۲﴾ فَاَسْرِ

بِعِبَادِیْ لَیْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ۭ اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۴﴾ كَمْ تَرَكُوْا مِنْ
جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۲۵﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۲۶﴾ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ﴿۲۷﴾ كَذٰلِكَ ۣ وَاَوْرَثْنٰهَا
قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴿۲۸﴾ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيْٓ
اِسْرَآءِيْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴿۳۰﴾ مِنْ فِرْعَوْنَ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَلَقَدِ
اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰی عِلْمٍ عَلَی الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ مِّنَ الْاٰيٰتِ مَا فِيْهِ بَلٰٓـؤٌا مُّبِيْنٌ ﴿۳۳﴾

ترجمہ: اور یہ بات واقعی ہے کہ ہم نے ان سے پہلے فرعون کی قوم کو آزمایا، اور ان کے پاس رسول کریم آیا ﴿۱۷﴾ کہ تم اللہ تعالیٰ کے بندوں کو میرے حوالہ کردو، بلاشبہ میں تمہارے لئے رسول امین ہوں ﴿۱۸﴾ اور یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں سرکشی نہ کرو، بلاشبہ میں تمہارے پاس واضح دلیل لے کر آیا ہوں ﴿۱۹﴾ اور بلاشبہ میں اپنے ربّ سے اس بات کی پناہ لیتا ہوں کہ تم مجھے سنگسار کردو ﴿۲۰﴾ اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو مجھ سے علیحدہ رہو ﴿۲۱﴾ پھر موسیٰ نے اپنے ربّ سے دعا کی کہ یہ لوگ مجرم قوم ہیں ﴿۲۲﴾ سو تم میرے بندوں کو رات کو لے کر روانہ ہو جاؤ، بیشک تمہارا پیچھا کیا جائے گا ﴿۲۳﴾ اور سمندر کو سکون کی حالت میں چھوڑ دینا، بلاشبہ یہ لشکر غرق کردیا جانے والا ہے ﴿۲۴﴾ ان لوگوں نے کتنے ہی باغ اور چشمے چھوڑ دیئے ﴿۲۵﴾ اور کھیتیاں اور اچھے مکانات ﴿۲۶﴾ اور عیش کے سامان (چھوڑ دیئے) جن میں وہ خوشی کی حالت میں رہا کرتے تھے ﴿۲۸﴾ اور ہم نے ان چیزوں کا دوسرے لوگوں کو وارث بنا دیا ﴿۲۹﴾ سو نہ ان پر آسمان رویا نہ زمین اور ان کو مہلت نہیں دی گئی ﴿۲۹﴾ اور یہ بات واقعی ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل کو ذلیل کرنے والے عذاب سے نجات دی ﴿۳۰﴾ جو فرعون کی طرف سے تھا، بیشک وہ بڑا سرکش اور حد سے نکل جانے والوں میں سے تھا ﴿۳۱﴾ اور یہ بات واقعی ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل کو اپنے علم کی رو سے چند باتوں میں تمام جہاں والوں پر فوقیت دی ﴿۳۲﴾ اور ہم نے ان کو ایسی نشانیاں دیں جن میں انعام تھا واضح طور پر ﴿۳۳﴾

معارف ومنازل

ان آیات میں فرعون کی سرکشی اور غرور کے بیان کے ساتھ اس کے لشکر کی تباہی کا بھی بیان ہے، اس ضمن میں مسلمانوں کے لئے تسلی کا پیغام ہے کہ بنی اسرائیل کی طرح تمہاری بھی نجات ہوگی، اور سرداران قریش مکہ کا انجام

ان کے پیشرو فرعون کی طرح ہوگا، تو ارشاد فرمایا:

﴿وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ﴾ اور البتہ ہم نے ان سے پہلے قوم فرعون کو آزمایا تھا، اور ان کے پاس ایک عزّت والا پیغمبر آیا تھا، اس سے مراد سیدنا موسیٰ علیہ السلام ہیں جو پیغمبروں میں بہت بڑے مقام پر فائز تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد آپ کا مقام ہے۔

﴿اَنْ اَدُّوْٓا اِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ ۭ اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا کہ بنی اسرائیل کو اپنی غلامی سے آزاد کر کے میرے حوالہ کر دو تاکہ میں انہیں عزّت کے ساتھ ان کے آباء واجداد کے وطن فلسطین وشام کی طرف لے جاؤں اور وہاں بساؤں، میں تمہاری طرف اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، امانتدار ہوں، اور میری بعثت کا ایک اہم پہلو یہی ہے کہ چار پانچ سو سال سے جس آزاد قوم کو تم لوگوں نے بلا وجہ غلام بنایا ہوا ہے میں ان کو تمہاری غلامی سے آزاد کر کے ان کے باپ دادوں کے ملک شام پہنچاؤں، اور تم سے یہ بھی کہتا ہوں کہ اپنی ہلاکت کو دعوت مت دو۔

﴿وَّاَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنِّىْٓ اٰتِيْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ﴾ کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اور اس کے حکموں کے مقابلہ میں تکبر وغرور وسرکشی نہ کرو، بلکہ عجز وانکساری کے ساتھ اطاعت کرو، میں تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے کھلی سند لے کر آیا ہوں۔ فرعون اور اس کے سرداروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دھمکیاں دے کر کبھی قتل کا اور کبھی جیل میں رکھنے کی بھی دھمکی دی۔ ﴿لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ﴾ [الشعراء: ۲۹] (میں ضرور تمہیں قید کرلوں گا)۔ اس کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

﴿وَاِنِّىْ عُذْتُ بِرَبِّىْ وَرَبِّكُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ﴾ بلاشبہ میں پناہ پکڑتا ہوں اپنے پروردگار کی اور تمہارے پروردگار کی اس بات سے کہ تم مجھے سنگسار کر دو۔ مطلب یہ ہے کہ اس چیز سے میں نہیں ڈرتا، مجھے میرے پروردگار کی پناہ حاصل ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا ۚ بِاٰيٰتِنَآ ۚ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ﴾ [القصص: ۳۵] (ہماری نشانیوں کی برکت سے ان کو تم پر دسترس حاصل نہیں ہوگی، تم اور تمہارے پیروکار ہی غالب رہوگے)۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون اور اس کی قوم سے دوسری بات یہ کی:

﴿وَاِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِىْ فَاعْتَزِلُوْنِ﴾ اگر تم مجھے سچا اور برحق نہیں جانتے اور مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو مجھ سے دور رہو، کنارہ کش ہو جاؤ، مجھے چھوڑ دو، مزید تکلیف نہ پہنچاؤ، لیکن وہ کہاں مانتے، تکلیف اور دکھ پہنچانے پر مصر

رہے، تب آپ نے چالیس سال کے بعد دعا کی: ﴿فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنَّ هٰۤؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ﴾ اپنے پروردگار کے حضور دعا کی اور کہا: یہ لوگ بہت سخت مجرم ہیں، یہ کبھی شرارتوں سے باز آنے والے نہیں، اور کبھی مجھے ان کے ایمان لانے کی توقع نہیں، یہ وہ سنگدل لوگ ہیں جنہوں نے میری قوم کے بچوں کو قتل کیا، اور جو جادوگر ہزاروں کی تعداد میں مشرف باسلام ہوئے انہیں بیدردی کے ساتھ ہاتھ پاؤں کٹوانے کے بعد سب کو شہید کیا، یہ کبھی ہدایت قبول نہیں کریں گے، اور بنی اسرائیلی قوم کو میرے حوالہ نہیں کریں گے، پھر حکم آ گیا اور تدبیر بتائی گئی۔

﴿فَاَسْرِ بِعِبَادِیْ لَیْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ﴾ تو راتوں رات میرے بندوں کو لے کر یہاں سے چلو، یہ فرعون والے ضرور تمہارا پیچھا کریں گے، تیرا ربّ گھات میں ہے، اس نے اس مجرم قوم سے انتقام لینے کا فیصلہ کر لیا ہے، اس مقصد کے لئے پہلے سے اسباب کا آغاز ہو چکا ہے، یہ ابتدائی مرحلہ ہے، بنی اسرائیلی اپنے قومی میلے کے لئے شہر سے باہر کھلے میدان میں جمع تھے، لہٰذا آپ انہیں راتوں رات یہاں سے نکال دو، پھر دیکھو کیا ہوگا؟

موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر چل پڑے یہاں تک کہ بحر قلزم کے کنارے پہنچ گئے، پیچھے سے فرعونی لشکر جو ستر لاکھ کے قریب تھا نزدیک آ پہنچنے والے تھے، جو تعاقب میں نکلے تھے، اور نظر بھی آ رہے تھے۔ سورۃ الشعراء میں فرمایا: ﴿فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰۤى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ﴾ پھر جب مقابل ہوئیں دونوں فوجیں کہنے لگے موسیٰ کے لوگ: ہم تو پکڑے گئے۔

﴿قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ﴾ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ہرگز نہیں، میرے ساتھ ہے میرا ربّ، وہ مجھ کو راہ بتلائے گا۔ آگے سمندر پیچھے مضبوط دشمن، مگر اوپر ربّ القضاء والقدر عزّ وجلّ، پھر موسیٰ علیہ السلام نے دریائے قلزم پر لاٹھی ماری تو بارہ راستے بن گئے، اور وہ بھی خشک، پس چھ لاکھ بنی اسرائیلی بحفاظت عبور کر کے پار ہو گئے، خشک راستے ابھی تک موجود تھے اور فرعونی لشکر پیچھے پیچھے دندناتے ہوئے اپنے کبر و غرور میں مست ہاتھی کی طرح گاتے ہوئے آوازیں کستے ہوئے آ رہا تھا، اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا:

﴿وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ؕ اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ﴾ جب تم اور تمہارے ساتھیوں نے دریا عبور کر دیا تو دریا کے راستوں کو یوں ہی کھلے ہوئے چھوڑ دو تاکہ فرعونی راستوں کو عبور کرتے ہوئے ہلاکت کے ہدف پر پہنچ کر ہلاکت کا مزہ چکھ لیں۔ مطلب یہ ہے کہ آپ نے لاٹھی مار کر دریا میں راستہ بنا دیا تو اسے اسی طرح چھوڑ دو۔ امام قتادہ نے کہا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام دریا پار ہو گئے تو آپ کو اندیشہ ہوا کہ فرعون اور اس کا لشکر بھی انہیں راستوں سے پار

ہو کر بنی اسرائیلیوں پر حملہ کرے گا، اور انہیں تباہ کر کے رکھ دے گا، اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چاہا کہ دوبارہ لاٹھی مار کر دریا کے راستوں کو ہموار کر دیں تا کہ دشمن دریا عبور نہ کر سکے، اس پر انہیں حکم ہوا کہ راستے بند نہ کریں، دشمن کو انہی راستوں سے اندر آنے دیں تا کہ ان کی غرقابی کا عمل پورا ہو جائے، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ پوری قوم فوجی غیر فوجی سب دریا کی بے رحم موجوں کی نذر ہوگئی۔

﴿كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ﴾ ان غرق شدہ لوگوں نے اپنے پیچھے کتنے باغات اور چشمے چھوڑے۔

﴿وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ﴾ اور کھیتیاں اور خوبصورت وعمدہ مکانات چھوڑ گئے۔ ﴿وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ﴾ اور بہت سی نعمتیں اور آرام وآسائش کے سامان جن میں وہ خوشیاں مناتے تھے سب کچھ یہیں چھوڑ گئے، اور خالی ہاتھ جہنم پہنچ گئے، یہ ہے اس فانی دنیا کا انجام۔

﴿كَذٰلِكَ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ﴾ یہ واقعی حقیقت ہے جو اسی طرح پیش آئی، پھر ہم نے ان کا وارث دوسرے لوگوں کو بنا دیا۔ سورۃ الشعراء میں ہے: ﴿وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾[الشعراء:۵۹](اور ہم نے ان کا وارث بنایا بنی اسرائیل کو) تفصیل وہاں دیکھیں، اور جو لوگ غرق ہو کر ہلاک ہوئے تو:

﴿فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ﴾ پس ان پر نہ تو آسمان اور نہ زمین کو رونا آیا۔ ﴿وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ﴾ اور نہ ان کو مہلت دی گئی، نیک آدمی کی موت پر آسمان وزمین روتے ہیں اور افسوس کرتے ہیں، اور کفار وفجار کی موت پر آسمان وزمین اور شجر وحجر سب خوشی کرتے ہیں۔ امام ترمذیؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ہر مؤمن آدمی کے لئے آسمان میں دو دروازے ہیں: ایک دروازے سے اس کے اعمال اوپر چڑھتے ہیں، اور دوسرے دروازے سے اس کا رزق اترتا ہے، جب آدمی مرجاتا ہے تو دونوں دروازے اس پر روتے ہیں۔ یہ حدیث مرفوع ہے، جبکہ کافر ایسا نہیں، اس سے زمین وآسمان ہر وقت نفرت کرتے ہیں، اور بیزار رہتے ہیں، جب وہ مرجاتا ہے تو یہ شکر ادا کرتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں۔

﴿وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ۝ مِنْ فِرْعَوْنَ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِيْنَ﴾ البتہ تحقیق ہم نے بنی اسرائیل کو ذلت ناک عذاب سے نجات دی، یعنی فرعون اور اس کے سرداروں سے، بیشک وہ متکبر وسرکش اور حد سے بڑھنے والا تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے خاندان کے ستر افراد کے ساتھ

مصر میں داخل ہوئے، جب تک حضرت یوسف علیہ السلام موجود رہے تو پورا خاندان آزاد اور خوشحال رہا، ان کی وفات کے بعد یہ لوگ غلام بنائے گئے، ان کے لڑکے قتل ہوئے اور لڑکیاں فرعونیوں کی کنیز اور خادمہ بنائی گئیں، یہ نہایت ذلت ناک عذاب تھا، جس سے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ بنی اسرائیل کو نجات دیدی۔

﴿وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰى عِلْمٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾ تحقیق ہم نے بعض امور کے علم کے ساتھ بنی اسرائیل کو جہاں والوں پر منتخب فرمایا، یہ اس زمانہ اور دور کی بات ہے کہ بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے باقی اقوام عالم پر فضیلت بخشی، یہاں تک کہ کفرانِ نعمت اور دیگر مفاسد اور معاصی کی پاداش میں وہ مغضوب و معتوب اور گمراہ ہوگئے، تب یہ شرف و کرامت اور فضیلت آخری امت کو عطا فرما کر ان کے بارے میں: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ﴾ [آل عمران: ۱۱۰] (تم بہترین امت ہو) کا خدائی اعلان ہوا، اور یہ تاج آخری نبی اعظم خاتم المرسلین سید المتقین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر رکھا گیا، اور قیامت تک تمام جہانوں کے لئے آپ کو مبعوث بنایا گیا، نیز فرمایا:

﴿وَاٰتَيْنٰهُمْ مِّنَ الْاٰيٰتِ مَا فِيْهِ بَلٰٓؤٌا مُّبِيْنٌ﴾ اور ہم نے ان کو بہت سی نشانیاں بھی دیں جن میں ان کی صریح آزمائش تھی، یعنی انعام و عنایات جو کہ ایک طرح کی آزمائش بھی ہیں، جن کی تفصیل سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے، وہاں دیکھا جائے۔

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَيَقُوْلُوْنَ ۝ اِنْ هِيَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِيْنَ ۝ فَاْتُوْا بِاٰبَآىِٕنَآ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِيْنَ ۝ اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ ۙ وَّالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ اَهْلَكْنٰهُمْ ۡ اِنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ۝
وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ۝ مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ
لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْـًٔا وَّلَا هُمْ
يُنْصَرُوْنَ ۝ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝

ترجمہ: بلاشبہ یہ لوگ کہتے ہیں: (۳۴) کہ بس یہی ہماری پہلی موت ہے اور ہم دوبارہ زندہ کئے جانے والے نہیں ہیں (۳۵) سو تم ہمارے باپ دادوں کو لے آؤ اگر تم سچے ہو (۳۶) کیا یہ لوگ بہتر ہیں یا تبع کی قوم؟ اور وہ لوگ جو ان سے پہلے تھے؟ بلاشبہ وہ مجرم تھے، تو ہم نے ان کو ہلاک کردیا (۳۷) اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان

ہے اس طور پر پیدا نہیں کیا کہ ہم فعل عبث کرنے والے ہوں ۳۸ ہم نے ان کو پیدا نہیں کیا مگر حق کے ساتھ، اور لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے ۳۹ بلاشبہ فیصلہ کا دن ان سب کا وقت مقرر ہے ۴۰ جس دن کوئی تعلق رکھنے والا کسی تعلق رکھنے والے کو کچھ بھی نفع نہیں دے سکے گا، اور نہ ان کی مدد کی جائے گی ۴۱ مگر جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے، بیشک وہ عزیز ہے، رحیم ہے ۴۲

معارف ومنازل

ان آیات میں منکرین قیامت اور دوبارہ زندگی سے انکار کرنے والوں کی تردید ہے، جنہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ تم دوبارہ زندگی کی خبر دیتے ہو تو چلو ہمارے باپ دادوں کو زندہ کر کے دکھاؤ، ان کی تردید میں فرمایا:

﴿اَهُمۡ خَيۡرٌ اَمۡ قَوۡمُ تُبَّعٍ﴾ فرمایا: ان لوگوں کی کیا حیثیت ہے؟ ان سے پہلے یمن کے بادشاہ تبع کی قوم گزر چکی ہے، اور ان سے پہلے بھی بہت سی قومیں گزر چکی ہیں، جنہیں اپنی قوت وشوکت پر بڑا ناز اور گھمنڈ تھا، رسولوں اور قیامت کی تکذیب کی وجہ سے جب ان پر عذاب آیا، تو قوت وشوکت نے کچھ بھی کام نہ دیا، اور وہ عذاب الٰہی کے طوفانی سیلاب میں خس وخاشاک کی طرح بہہ گئے اور صفحۂ ہستی سے مٹ گئے، تو یہ لوگ ان کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچے، جو مال وطاقت اللہ تعالیٰ نے ان کو دیا تھا وہ بہت ہی زیادہ تھا، فرعون کی ایک دن کی آمدنی اہل مکہ کی دس سال کی آمدنی سے بھی زیادہ تھی، اسی طرح دوسری تباہ شدہ اقوام کا بھی یہی حال رہا۔

تبع کون تھا؟

یہ تبع کون تھا جس کی قوم کا تذکرہ فرمایا ہے؟ اس کے بارے میں مفسرین نے بہت کچھ لکھا ہے، اتنا تو سب نے لکھا ہے کہ تبع یمن کے بادشاہوں کا لقب تھا، جیسے خاقان، قیصر، کسریٰ، نجاشی، فرعون وغیرہ، اپنے اپنے بادشاہوں کے القاب تھے، اسی طرح یمن کے بادشاہ کو تبع کہا جاتا تھا، یہ کونسا تبع ہے جس کا اس آیت میں ذکر ہے؟ اس کا نام اسعد بن ملیک اور کنیت ابوکریب ہے۔ محمد بن اسحٰق [صاحب السیرۃ] نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ یہ تبع مدینہ منورہ کے راستے سے گزر رہا تھا، اس نے اہل مدینہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا، جب اہل مدینہ کو اس کا پتہ چلا تو یہودیوں کے قبیلہ بنوقریظہ میں سے دو عالم کعب اور اسد نامی اس کے پاس گئے، اور اس سے کہا کہ اے بادشاہ! تو ایسا نہ کر، اگر تو ہماری بات نہیں مانتا تو جان لے ہمیں ڈر ہے کہ تجھ پر جلد ہی عذاب نازل ہو جائے گا، کیونکہ

یہ ایک نبی کا دار الہجرۃ ہے، وہ قریش سے ہوں گے، نام محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوگا، ان کی پیدائش مکہ میں ہوگی، یہ سن کر وہ اپنے ارادہ سے باز آ گیا۔

پھر ان دونوں عالموں نے اسے اپنے دین کی دعوت دی، اس نے ان کا دین قبول کر لیا یعنی یہودیت کو اپنا دین بنالیا، اس کے بعد وہ مدینہ منورہ سے چلا گیا، اس کے ساتھ کچھ یہودی جن میں وہ دونوں عالم بھی تھے (جنہوں نے بادشاہ کو مدینہ منورہ پر حملہ کرنے سے روکا تھا) یمن جانے کے لئے روانہ ہو گئے، راستے میں قبیلہ بنی ہذیل کے کچھ لوگ ملے، انہوں نے تبع سے کہا کہ ہم تمہیں ایک ایسا گھر بتاتے ہیں جس میں موتی، زبرجد اور چاندی کا خزانہ ہے، اس نے سوال کیا کہ وہ کونسا گھر ہے؟ انہوں نے بتایا کہ وہ گھر مکہ معظمہ میں ہے، بنی ہذیل کا مقصد اس کی خیر خواہی نہ تھی، بلکہ اسے ہلاک کروانا مقصود تھا، وہ جانتے تھے کہ اس بیت پر جس نے بھی حملہ کا ارادہ کیا وہ ضرور ہلاک ہوا، تبع نے لوگوں کی بات سن کر یہودی علماء سے مشورہ لیا جو اس کے ساتھ تھے، انہوں نے اسے حملہ کرنے سے منع کیا اور کہا کہ ہمارے علم میں صرف یہی ایک گھر ہے جس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جاتی ہے، تم وہاں نماز پڑھو، قربانی کرو، صدقہ کرو اور سر بھی مونڈھو، یہ اس گھر کا حق ہے، اور یہ لوگ تیری دشمنی کے لئے ایسا مشورہ دے رہے ہیں۔

علماء یہود نے جب اسے ایسا مشورہ دیا تو اس نے بنی ہذیل کے چند لوگوں کو پکڑ کر اور ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے اور اندھا کرنے کے لئے ان کی آنکھوں میں گرم سلائی پھیر دی، اور انہیں سولی پر چڑھا دیا، مکہ معظمہ پہنچ کر اس نے کعبہ شریف کو غلاف پہنایا، یہ غلاف سفید ریشم کا تھا، اس سے قبل کعبہ شریف پر غلاف کا رواج نہ تھا، لہٰذا یہ پہلا غلاف کہلائے گا، پھر وہاں جانور ذبح کئے اور طواف کیا، نمازیں پڑھیں اور چند دن وہاں قیام کیا، اور اس موقع پر حلق بھی کیا، اور بڑے متاثر ہوئے۔

اور جب مکہ معظمہ سے جدا ہوا اور یمن کے قریب پہنچا تو قبیلہ بنی حمیرہ کے لوگ آڑے آ گئے (یہ اس کا اپنا قبیلہ تھا) اور کہنے لگے کہ تو ہمارے پاس ہرگز نہیں آ سکتا، کیونکہ تو ہمارے دین سے جدا ہو گیا ہے۔ تبع نے انہیں اپنے دین کی دعوت دی، اور ان سے کہا کہ میں نے جو دین اختیار کیا ہے تمہارے دین سے بہتر ہے، پھر انہوں نے آگ کو حکم (فیصلہ کنندہ) بنایا، اس پر آگ نے اہل یمن کے بتوں کو اور جو کچھ انہوں نے بتوں پر نذر و نیاز چڑھادئے تھے ان سب کو جلا دیا، اور یہودی علماء کو دیکھ کر آگ پیچھے ہٹ گئی، یہاں سے یمن میں دین یہودیت پھیلنے کی ابتداء ہوئی۔

بادشاہ تبع سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آپ کی بعثت سے سات سو (۷۰۰) سال پہلے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام

کی بعثت سے سو(۱۰۰) سال پہلے ایمان لایا تھا (اللہ اکبر کتنی بڑی سعادت ہے)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ تبع کو برا نہ کہو، وہ نیک آدمی تھے۔ صاحب معالم التنزیل نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تبع کو برا نہ کہو، کیونکہ وہ مسلمان ہوگیا تھا۔ [رواہ أحمد: ج ۵ ص ۳۲۰]

پھر بحوالہ مصنف عبد الرزاق حدیث نقل کی ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ تبع نبی تھے یا غیر نبی۔ [معالم التنزیل: ج ۵ ص ۴۱۰]

ان روایات سے یہ تو ثابت ہوا کہ تبع اچھے آدمی تھے، لیکن یہ بات کہ ان کی قوم کب اور کیسے ہلاک ہوئی؟ اس کا پتہ نہیں چلتا، جبکہ سورۂ ق میں، اور یہاں سورۂ دخان میں قومِ تبع کی ہلاکت کی تصریح موجود ہے۔ تفسیر ابن کثیر نے لکھا ہے کہ اس تبع کا نام اسعد تھا اور کنیت ابو کریب تھی، باپ کا نام ملیک تھا، اور یہ بھی لکھا ہے کہ اس نے تین سو چھبیس (۳۲۶) سال تک حکومت کی، اور اس کی قوم نے اس کی دعوت پر اسلام قبول کیا تھا، لیکن جب اس کی وفات ہوگئی تو وہ لوگ مرتد ہوگئے، آگ کی اور بتوں کی پوجا کرنے لگے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے انہیں عذاب میں تباہ فرما کر صفحۂ ہستی سے مٹا دیا، جیسا کہ سورۂ سبا میں مذکور ہے۔ علامہ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ قوم تبع اور سبا ایک ہی قوم کا مصداق ہے۔ [ابن کثیر: ج ۴ ص ۱۴۴]

﴿اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَيَقُوْلُوْنَ ۝ اِنْ هِيَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِيْنَ﴾ بلاشبہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہماری موت تو بس یہی پہلی موت ہے، آگے کبھی ہم کو زندہ کر کے نہیں اٹھایا جائے گا۔ ﴿فَاْتُوْا بِاٰبَآىِٕنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ دوبارہ زندگی ہوگی تو ہمارے باپ دادوں کو زندہ کر کے لے آؤ، اور ہم نے آج تک کسی مردے کو دوبارہ زندہ ہوتے نہیں دیکھا، تو پھر ہم کیسے مان لیں کہ دوبارہ زندگی ہے؟

﴿اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ ۙ وَّالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ اَهْلَكْنٰهُمْ ۡ اِنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ﴾ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا: کیا یہ لوگ بہتر ہیں یا قوم تبع؟ یا وہ لوگ بہتر تھے جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں؟ ہم نے ان سب کو ہلاک کر دیا، کیونکہ وہ سارے مجرم تھے، جب تم مشرکین مکہ بھی ان کے نقش قدم پر چلتے ہو، توحید و رسالت اور قیامت کا انکار کرتے ہو، یہی تو وہ جرم ہے جس کا انجام ہلاکت کے سوا اور کچھ نہیں، تو تمہارا انجام بھی ان کی طرح ہوگا۔

﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ﴾ ہم نے آسمانوں اور زمین اور ان کے

درمیانی چیزوں کو محض کھیل اور نمائش کے طور پر پیدا تو نہیں کر دیا، بلکہ ان کی تخلیق کا ایک عظیم مقصد ہے، پھر اچھے اور برے کا ایک انجام نہیں ہے، اسی انجام کے لئے تو قیامت اور دوبارہ زندگی ہے، تا کہ ہر ایک کو اس کے اچھے اور برے کردار کا بدلہ اور صلہ دے کر عدل وانصاف کا مقصد پورا ہو جائے۔ ﴿مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ ہم نے ارض وسماء کو حق کے ساتھ با مقصد پیدا کیا ہے، مگر ان میں سے اکثر بے علم ہیں جو اس کی حقیقت کو نہیں جانتے، اور کائنات کی تخلیق سے اتنے بے خبر ہیں کہ اسے بے کار اور عبث سمجھتے ہیں، اور خود وہ ایک ادنیٰ سا کام بھی بغیر مقصد کے انجام نہیں دیتے۔

سورۃ الروم فرمایا: ﴿يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ﴾ [الروم:۷] (دنیا کی زندگی کے ظاہر کو سمجھتے ہیں، اور وہ آخرت سے غافل ہیں) یعنی یہ لوگ سرسری طور پر ظاہری دنیا کو دیکھتے اور مشاہدہ کرتے ہیں، مزید یہ غور نہیں کرتے کہ خالق کائنات سبحانہ نے اسے کس مقصد کے لئے پیدا کیا ہے، اور ہمیں اس دنیا میں جو بھیجا گیا ہے آخر کس مقصد کے لئے، وہ اس طرف توجہ نہیں کرتے۔

﴿اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾ بلاشبہ فیصلے کا دن ان سب کا وقت مقرر ہے، اور وہ پختہ اور اٹل ہے۔ فصل کے معنی ہیں: جدائی، اس روز کفار کو مؤمنین سے، اور حق کو باطل سے، اور اہل جہنم کو اہل جنت سے الگ اور جدا کیا جائے گا، اور یہی حال سزاء وجزا کا ہوگا۔ ﴿يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْـًٔا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝۴۱ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ﴾ وہاں کی سختی کا یہ عالم ہوگا کہ کوئی بڑے سے بڑا جان نثار دوست تعلق والا اپنے تعلق دار دوست کو کچھ بھی کام نہیں آئے گا، اور نہ وہ ایک دوسرے کی مدد کر سکیں گے۔ ہاں! وہ جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے پھر تو آسانی ہوگی۔

سورۃ الزخرف میں فرمایا: ﴿اَلْاَخِلَّاۗءُ يَوْمَىِٕذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ﴾ [الزخرف:۶۷] (اس دن دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے، سوائے پرہیز گاروں کے)۔ یہی متقی لوگ رَحِمَ اللّٰهُ کے مصداق ہوں گے، اور کفار ومشرکین ہر اعتبار سے رَحِمَ اللّٰهُ کے مصداق نہیں ہوں گے، حتی کہ آزر اور ابو طالب بھی محروم رہیں گے۔ ﴿اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ﴾ بیشک وہ زبردست ہے، مہربان ہے۔ سعید بن منصور نے بحوالہ ابو مالک بیان کیا کہ ابوجہل چھوارے اور مکھن لے کر آتا اور حاضرین سے کہتا تھا کہ زقوم کھاؤ (زقوم عربی میں چھواروں کے ساتھ مکھن ملائے ہوئے مرکب کو کہتے تھے) پھر کہتا: یہی وہ زقوم ہے جس سے محمد (ﷺ) ہم

کو ڈراتے ہیں، یہ اس کا استہزاء اور طنزیہ کلام تھا، اس پر یہ آیت اتری۔ [مظهري]

إِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّومِ ﴿۴۳﴾ طَعَامُ الْأَثِيمِ ﴿۴۴﴾ كَالْمُهْلِ ۚ يَغْلِي فِي الْبُطُونِ ﴿۴۵﴾ كَغَلْيِ الْحَمِيمِ ﴿۴۶﴾
خُذُوهُ فَاعْتِلُوهُ إِلَىٰ سَوَاءِ الْجَحِيمِ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ صُبُّوا فَوْقَ رَأْسِهِ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيمِ ﴿۴۸﴾ ذُقْ
إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ ﴿۴۹﴾ إِنَّ هَٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهِ تَمْتَرُونَ ﴿۵۰﴾

ترجمہ: بلاشبہ زقوم کا درخت ﴿۴۳﴾ گناہگاروں کا کھانا ہوگا ﴿۴۴﴾ جو تیل کی تلچھٹ کی طرح ہوگا، وہ پیٹوں میں ایسا کھولے گا ﴿۴۵﴾ جیسے گرم پانی کھولتا ہے ﴿۴۶﴾ اس کو پکڑو، پھر اسے گھسیٹتے ہوئے دوزخ کے بیچوں بیچ لے جاؤ ﴿۴۷﴾ پھر اس کے سر پر گرم پانی کے عذاب سے ڈال دو ﴿۴۸﴾ تو چکھ لے، بیشک تو معزز مکرّم ہے ﴿۴۹﴾ یہ وہی عذاب ہے جس کے بارے میں تم شک کیا کرتے تھے ﴿۵۰﴾

معارف ومنازل

قیامت قائم ہونے پر جو کافروں کی دوزخ میں بدحالی ہوگی ان آیات میں اسی کو بیان فرمایا، دوزخیوں کو دوزخ میں سخت بھوک لگے گی، اور وہ کھانے کے لئے طلب کریں گے، انہیں کھانے کے لئے جو چیزیں دی جائیں گی ان میں سے زقوم کا درخت بھی ہوگا۔ سورۂ صٰفّٰت میں بیان ہو چکا ہے کہ یہ درخت دوزخ کے درمیان سے نکلے گا، اس کے گچھے ایسے ہوں گے جیسے سانپوں کے پھن ہوتے ہیں، یہ بہت زیادہ کڑوا ہوگا، جب ان کو کھانے کو دیا جائے گا تو تیل کی تلچھٹ کی طرح ہوگا (کسی بوتل میں ایک عرصہ تک تیل رکھا جائے، اور اس میں مٹی اور گرد وغبار خلط ہو کر جم جائے اسے تلچھٹ کہتے ہیں)۔

زقوم ایک طرف سخت بدبودار ہے، پھر حد سے زیادہ کڑوا ہے، لیکن بھوک کی مجبوری میں دوزخیوں کو کھانا ہی پڑے گا، وہ پیٹ میں پہنچ جائے گا تو وہاں جا کر تیز گرم پانی کی طرح کھولے گا (جوش کرے)، ان سب کے باوجود پیٹ بھر کر کھائیں گے، جیسا کہ سورۃ الواقعہ میں ارشاد فرمایا: ﴿فَمَالِئُونَ مِنْهَا الْبُطُونَ﴾ [الواقعة: ۵۳] (پیٹ بھر کر زقوم کا درخت کھائیں گے)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت

کریمہ: ﴿اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ [آل عمران: ۱۰۲] (اللہ سے ڈرو، جیسے اس سے ڈرنے کا حق ہے، اور مسلمان ہو کر ہی تمہیں مرنا چاہئے) تلاوت فرمائی، پھر فرمایا کہ زقوم کا ایک قطرہ دنیا میں ٹپک جائے تو دنیا والوں کی کھانے کی تمام چیزوں کو بگاڑ کر فاسد کر دے۔ اب غور کر لو، کہ اس کا کیا حال ہوگا جس کا کھانا زقوم ہوگا۔ [الترغیب والترھیب: ج ۴ص ۴۸۰]

﴿اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ۝ طَعَامُ الْاَثِیْمِ﴾ بلاشبہ زقوم کا درخت بڑے گناہگار یعنی کافر کا کھانا ہوگا۔

﴿كَالْمُهْلِ ۚ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ﴾ تیل کی تلچھٹ کی طرح ہوگا، پیٹوں میں جا کر کھولے گا جوش مارے گا، صورت میں ایسا برا ہوگا جیسے تیل کا تلچھٹ، بدبودار، بے مزہ، بدصورت اور کڑوا۔ ﴿كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ﴾ وہ پیٹ میں ایسا کھولے گا جیسے سخت گرم پانی کھولتا ہے۔ ﴿خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ۝ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ﴾ پھر ایسے مشرکین کے لئے فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اس کو پکڑ لو، اور اسے گھسیٹ کر دوزخ کے درمیان میں پھینک دو، اور وہاں لے جا کر پھر اس کے سر پر کھولتے ہوئے پانی کا عذاب ڈال دو۔ دوزخیوں کے سر پر فرشتے ہتھوڑے ماریں گے، جس سے ان کے دماغ تک سوراخ ہوگا، پھر اس پر گرم پانی ڈالا جائے گا جو دماغ سے داخل ہو کر آنتوں کو کاٹتا ہوا باہر نکل جائے گا، اسی کا بیان سورۂ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں یوں ہے: ﴿وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ﴾ [محمد: ۱۵] (اور ان کو گرم پانی پلایا جائے گا، پس وہ ان کی آنتڑیوں کو کاٹ ڈالے گا)۔

جب فرشتے یہ پانی ان کو پلائیں گے تو زجر و توبیخ کے ساتھ انہیں یہ کہیں گے:

﴿ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ﴾ خوب چکھو یہ عذاب، دنیا میں تو اپنے آپ کو بہت بڑا صاحب عزّت و شرف سمجھتا رہا، وہاں تمہاری بڑی عزّت اور سرداری کا چرچا رہتا تھا، اور لوگوں کی نمازوں کا اور داڑھیوں کا مذاق اڑاتا تھا، لوگ جھک جھک آپ کی خوش آمد کرتے تھے۔ ابوجہل بھی انہی لوگوں میں سے تھا، جو کہا کرتا تھا کہ میں وادی بطحاء کا سب سے بڑا سردار ہوں، پورے علاقے میں میرا ثانی اور برابر کوئی نہیں، میں یہاں کا بے تاج بادشاہوں، یہ مٹھی بھر غریب بھوکے ننگے کمزور مسلمان ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، فرمایا: دوزخیوں کو دوزخ میں ڈال کر فرشتے انہیں یوں خطاب کریں گے:

﴿اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ﴾ بیشک یہی وہ چیز ہے جس کے بارے میں تم شک کیا کرتے تھے، اور دوزخ کا نام سن کر اس کا انکار کرتے ہوئے مذاق اڑاتے تھے، اور دوبارہ زندگی کو محال اور ناممکن سمجھتے تھے، آج

عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لو اور چکھ لو۔ مجرمین کے عذاب کے بعد عباد اللہ الصالحین کے انعامات کا بیان۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي مَقَامٍ أَمِينٍ ﴿٥١﴾ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿٥٢﴾ يَلْبَسُونَ مِن سُندُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُّتَقَابِلِينَ ﴿٥٣﴾
كَذَٰلِكَ وَزَوَّجْنَاهُم بِحُورٍ عِينٍ ﴿٥٤﴾ يَدْعُونَ فِيهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ آمِنِينَ ﴿٥٥﴾ لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ
إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولَىٰ ۖ وَوَقَاهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ﴿٥٦﴾ فَضْلًا مِّن رَّبِّكَ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٥٧﴾ فَإِنَّمَا
يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٥٨﴾ فَارْتَقِبْ إِنَّهُم مُّرْتَقِبُونَ ﴿٥٩﴾

ترجمہ: بلاشبہ متقی لوگ امن والی جگہ میں ہوں گے ﴿۵۱﴾ باغوں میں اور چشموں میں ہوں گے ﴿۵۲﴾ وہ سندس اور استبرق کا لباس پہنے ہوئے ہوں گے، آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے ﴿۵۳﴾ یہ بات اسی طرح سے ہے، اور ہم بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں سے ان کا نکاح کر دیں گے ﴿۵۴﴾ وہ لوگ اس میں اطمینان سے ہر قسم کے میوے منگائیں گے ﴿۵۵﴾ پہلی موت جو انہیں دنیا میں آچکی تھی اس کے سوا کسی اور موت کو نہ چکھیں گے، اور اللہ تعالیٰ انہیں دوزخ کے عذاب سے بچالے گا ﴿۵۶﴾ جو آپ کے ربّ کی طرف سے فضل ہوگا، یہ بڑی کامیابی ہے ﴿۵۷﴾ سو بات یہی ہے کہ ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان پر آسان کر دیا ہے، تاکہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں ﴿۵۸﴾ سو آپ انتظار کیجئے، بلاشبہ وہ لوگ بھی انتظار کر رہے ہیں ﴿۵۹﴾

معارف ومنازل

دوزخیوں کی بدحالی کے بعد جنتیوں کی خوشحالی کا بیان ہو رہا ہے۔

☆ اولاً یہ کہ متقی لوگ جنتوں میں امن وامان اور سکون میں ہوں گے۔ ☆ ثانیاً یہ کہ متقی لوگ جنت کے باغوں میں اور چشموں میں ہوں گے۔ ☆ ثالثاً یہ کہ ان کا لباس سندس واستبرق خالص ریشم کے ہوں گے۔ ☆ رابعاً یہ کہ جنتی تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوئے ہوں گے۔ ☆ خامساً یہ کہ بڑی بڑی آنکھوں والی نہایت خوبصورت حوروں سے ان کا نکاح ہوگا۔ ☆ سادساً یہ کہ جنت میں جس قسم کا میوہ طلب کریں گے وہ موجود ہوگا فوراً۔ ☆ سابعاً یہ کہ وہاں دائمی زندگی ہوگی، موت اور بیماریوں کا نام ونشان نہ ہوگا۔ ☆ ثامناً یہ کہ جنتی ہمیشہ جنت میں ہوں گے، انہیں دوزخ

کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہوگا۔☆ تاسعاً یہ کہ جنت میں داخلہ اور اس کی نعمتوں کا حصول بہت بڑی کامیابی ہے۔☆ عاشراً یہ کہ جنت اور اس کی نعمتوں کا سرچشمہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور قرآن مجید ہے، جو لوگ ان دونوں پر ایمان لائے وہی تو متقی بنے اور جنت حاصل کی۔

﴿اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ مَقَامٍ اَمِیْنٍ ﴿۵۱﴾ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ﴾ بیشک اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے متقی امن و خوشحالی کے مقام میں ہوں گے، وہ جنتی باغات اور بہتے ہوئے چشموں میں ہوں گے۔ ﴿یَّلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ وَّ اِسْتَبْرَقٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ﴾ وہ خوش پوشاک ہوں گے، ان کا لباس خالص باریک اور موٹے ریشم کے ہوں گے، جیسی طلب ورغبت ویسا ہی لباس۔ علامہ صابونیؒ نے عکرمہ کا قول نقل کیا ہے کہ جنتی آدمی جنت کے اندر جو لباس پہنے گا وہ لباس فوراً ستر (۷۰) رنگ بدلے گا۔ [مظهري]

﴿كَذٰلِكَ﴾ یہ بات اسی طرح ہے۔ ﴿وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِیْنٍ﴾ اور ہم ان کا گوری گوری بڑی آنکھوں والی حوروں سے نکاح کر دیں گے۔ امام ابن مبارکؒ نے زید بن اسلم کا بیان نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدمیوں کی طرح حوروں کو مٹی سے نہیں بنایا، بلکہ انہیں مشک کافور اور زعفران سے بنایا، یہی تینوں چیزیں ان کی تخلیق کا مادہ ہیں۔ [مظهري]

﴿یَدْعُوْنَ فِیْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِیْنَ﴾ وہاں وہ اطمینان سے ہر قسم کے میوے منگاتے ہوں گے۔

﴿لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى ۚ وَوَقٰىهُمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ ﴿۵۶﴾ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ﴾ اور وہاں وہ بجز اس پہلی موت کے جو دنیا میں آچکی ہوگی موت کا ذائقہ بھی نہیں چکھیں گے، اور اللہ تعالیٰ ان کو دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھے گا، اور ہمیشہ کے لئے بچالے گا، یہ سب آپ کے ربّ کے فضل سے ہوگا۔

﴿ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ﴾ اور درحقیقت یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ ﴿فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ﴾ بیشک ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان (عربی) میں آسان کر دیا ہے، تاکہ یہ لوگ سمجھ کر نصیحت قبول کریں۔ ﴿فَارْتَقِبْ اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ﴾ پس آپ انتظار کریں، کیونکہ آپ کے مخالفین بھی انتظار کر رہے ہیں، آپ کا انتظار اس لئے ہوگا کہ شاید یہ لوگ یا ان میں سے کچھ لوگ شاید ایمان لائیں، یا کسی عذاب میں مبتلا ہوں، اور ان کا انتظار اس لئے ہے کہ شاید جیسے وہ کہتے رہتے ہیں کہ آپ کا مشن کب ناکام ہو جاتا ہے، یہ ان کی خام خیالی اور بھول ہے۔

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن ☆ پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

کافروں کا رویہ:

کافر محض یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں علیہم السلام کا دشمن اور باغی ہے، بلکہ وہ ہر خیر وصلاح کا بھی دشمن ہے، اگر وہ اپنے کفر پر جم کر رہے اور دیگر مذاہب خاص کر اسلام کے ساتھ عدات ودشمنی نہ کرے تو معقول بات ہے، مگر ایسا نہیں، وہ ہمیشہ اسلام اور اہل اسلام کی بدخواہی میں پیش پیش رہتے ہیں، دنیا میں کفار کے جتنے بھی مذاہب ہیں وہ اندرونی طور پر آپس میں ایک ہیں، اور ایک دوسرے کے ساتھ محبت کرنے والے ہیں، ان کی دشمنی صرف اسلام کے ساتھ ہے، مگر بڑی بدبختی یہ ہے کہ مسلمانوں کا آپس میں اتحاد نہیں، اتحاد کیا ہو وہ آپس کے دشمن اور بدخواہ ہیں، اور یہود ونصاریٰ کے حامی اور خیر خواہ ہیں۔

مسلمانوں کے آپس کا اتحاد اگر نہیں تو ایک حد تک یہ قابل برداشت ہے، بدقسمتی یہ ہے کہ علماء اسلام اور وارثانِ علم وشریعت ایک دوسرے سے اتنے دور ہیں جیسے مشرق ومغرب، ان میں اتنے فرقے ہیں جنہیں گنا نہیں جاسکتا، اور عجب یہ کہ ما أنا علیہ و أصحابي کا کوئی وجود نہیں، اِلّا ماشاء اللہ، وہ بھی جزوی طور پر۔ إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

سُورَۃُ الجَاثِیَۃِ

مکیۃ آیاتہا ۳۷ رکوعاتہا ۴

سورۂ جاثیہ مکی ہے، اس میں سینتیس (۳۷) آیتیں، اور چار (۴) رکوع ہیں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام:

اس سورت کا نام سورۃ الجاثیہ ہے، جو اس سورت کی آیت ۲۸ میں لفظ "جاثیہ" سے ماخوذ ہے، اس کا دوسرا نام سورۃ الشریعہ بھی ہے، یہ سورت ترتیب تلاوت میں ۴۵ ویں نمبر پر ہے، اور ترتیب نزول میں ۶۵ ویں نمبر پر ہے۔

نزول:

یہ سورت حوامیم سبعہ کی چھٹی سورت ہے، اور مکی زندگی کے آخری دور میں اسی ترتیب سے نازل ہوئی۔

تعداد کلمات وحروف:

اس سورت میں ۴ رکوع، ۳۷ آیات، ۴۹۲ کلمات اور دو ہزار ایک سو اکتیس (۲۱۳۱) حروف ہیں۔

ربط و مناسبت:

(۱)- گزشتہ سورت کی ابتداء حٰم سے ہے، اس کی ابتداء بھی حٰم سے ہے۔ (۲)- دونوں سورتوں کا آغاز صداقتِ قرآن کے ساتھ ہے۔ (۳)- توحید، رسالت، قیامت اور جزائے اعمال کا دونوں سورتوں میں یکساں بیان کے ساتھ تذکیرات کا تذکرہ بھی مشترک ہے۔

☆☆☆

مختصر موضوع:

توحید، نبوت، قیامت اور کفر وشرک کے بُرے نتائج اور اسلام واعمالِ صالحہ کے اچھے نتائج کا بیان، حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض اور تسلی اور فضائل اور مجازاتِ اعمال کے ساتھ بنی اسرائیل کے فرائض، نیز عظمتِ خداوندی، اور دلائل توحید وحقانیت شریعت اور اسلام کی برکات وغیرہ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ① تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ② اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ③
وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ④ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ
مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ⑤ تِلْكَ
اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ⑥

ترجمہ: حٰمٓ ① اتارنا ہے کتاب کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو عزیز ہے، حکیم ہے ② بلاشبہ آسمانوں میں اور زمین میں نشانیاں ہیں مؤمنین کے لئے ③ اور تمہارے پیدا کرنے میں اور جو چوپائے اللہ تعالیٰ پھیلاتا ہے ان کے پیدا کرنے میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو یقین رکھتے ہیں ④ اور رات اور دن کے آگے پیچھے آنے میں جو رزق اللہ تعالیٰ نے آسمان سے اتارا ہے، پھر اس کے ذریعہ زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ فرمادیا، اور ہواؤں کے پھیر نے میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو سمجھتے ہیں ⑤ یہ اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں جو ہم آپ پر حق کے ساتھ تلاوت کرتے ہیں، سو یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے اور اس کی آیات کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے؟ ⑥

معارف ومنازل

حٰمٓ حروف مقطعات کے بارے میں سورۃ البقرہ کی ابتداء کا مطالعہ کیا جائے۔ ان آیات میں صداقتِ قرآن کریم کے ضمن میں عظیم دلائل قدرت کا بیان ہے، جن سے خالص توحید کی طرف مکمل راہنمائی ہوتی ہے۔ دراصل کائنات کے ہر ذرہ میں توحید کی نشانی موجود ہے، مگر خوابِ غفلت میں سوئے ہوئے انسانوں کو جھنجوڑ کر بیدار کر کے ایک ایک چیز کی طرف دعوت دینا ضروری ہوتا ہے، لیکن اس کے باوجود آخرت سے غافل لوگ جاگتے نہیں،

سوئے رہتے ہیں۔

﴿حٰمٓ ۝ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ﴾ اس بابرکت کتاب کا نزول اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جو کمال قدرت کا مالک، زبردست اور حکمتوں والا ہے۔ ﴿اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ بلاشبہ آسمانوں میں اور زمین میں بے شمار نشانیاں ہیں اہل ایمان کے لئے، ذرا آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھیں تو آپ کو سورج، چاند اور بلند و بالا نیلگوں چھت نظر آئے گی، رات کے وقت چمکنے والے اربوں کھربوں ستارے اور سیارے نظر آئیں گے، یہ سب قدرت کی نشانیاں ہیں جنہیں دیکھ کر غور کرنے سے اس کی قدرت اور وحدت معلوم ہوتی ہے۔ ﴿وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ﴾ اور اسی طرح تمہاری اور ان جانوروں کی پیدائش میں جن کو اللہ تعالیٰ نے زمین پر پھیلا رکھا ہے ان لوگوں کے لئے قدرت اور وحدانیت کے دلائل ہیں جو یقین رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے زمین کے اوپر اسی طرح سمندروں میں اور فضاؤں میں لاکھوں کروڑوں قسم کی جاندار مخلوقات پھیلا دی ہے، جن کا نہ احاطہ ممکن ہے اور نہ ہی شمار، یہ ساری مخلوقات اور ان کا تحفظ و نگرانی رزق و روزی کا نظام سب کچھ اللہ تعالیٰ سبحانہ کے قبضہ قدرت میں ہے، یقین رکھنے والوں کے لئے یہ سب نشانیاں ہیں، اور اس کی وحدانیت کے لئے دلائل ہیں۔

﴿وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا﴾

اور اسی طرح رات اور دن کے تبادلے یعنی آگے پیچھے اور چھوٹے بڑے ہونے میں، اور اللہ تعالیٰ نے آسمان کی طرف سے جو رزق نازل فرمایا ہے۔ یہاں پر رزق سے مراد بارش ہے، جو آسمان کی طرف سے نازل ہوتی ہے، اور انسانوں اور جانوروں سب کے لئے روزی مہیا کرنے کا سبب بنتی ہے، پھر اس کے ذریعہ مردہ زمین زندہ ہوتی ہے، اور خشک دھرتی سرسبز و شاداب ہوتی ہے۔ اسی طرح موسم کے لحاظ سے ہواؤں کی گردش کبھی گرم، کبھی سرد، کبھی آہستہ، کبھی تیز، کبھی مشرق سے، کبھی مغرب سے، اسی طرح جنوب و شمال سے، یہ سب عقلمندوں کے لئے نشانیاں ہیں، جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ﴾ عقلمندوں سے مراد اولو الالباب ہیں، عقل سلیم والے جو آخرت پر یقین رکھتے ہیں اور مظاہر قدرت میں غور و فکر کر کے تخلیق کائنات کے مقصد تک رسائی حاصل کرتے ہیں۔ عقلمندی کا معیار یہ نہیں کہ بہت سے ہتھیار بنالئے، طرح طرح کی چیزیں ایجاد کیں، چاند پر پہنچے، گاڑیاں اور ہوائی

جہاز اور راکٹ وغیرہ بنائے، چاند پر پہنچے، مگر چاند کے خالق و مالک پر نہ پہنچ سکے، یہ لوگ عقلمندوں میں شمار نہیں، بلکہ انہیں ہنر مند کہو، سائنسدان کہو، چیزوں کا موجد کہو تو جائز ہے، مگر انہیں عقلمند کہنا جائز نہیں، اس کا معیار یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت جسے حاصل ہوا، اور سعادت کے راستے پر گامزن ہوا۔ سورۂ آل عمران کے آخر میں اس کی تفصیل گزر گئی ہے۔

﴿تِلْكَ اٰیٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَیْكَ بِالْحَقِّ ۚ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰیٰتِهٖ یُؤْمِنُوْنَ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کی آیتیں ہیں جو صحیح طور پر ہم آپ کو پڑھ کر سناتے ہیں، اس کے باوجود اگر لوگ اس کتاب مبین پر یقین نہیں کریں گے تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیش کردہ نشانیاں اور دلائل کے بعد کونسی چیز آئے گی جس پر یہ لوگ ایمان لائیں گے؟

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا آخری رسول بھی آگیا، آخری کتاب بھی آگئی، اور آخری پروگرام بھی آگیا، انہی تینوں پر ایمان لانا ضروری ہے، اس کے بعد قیامت تک نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ کوئی کتاب اور نہ کوئی پروگرام، اگر یہ لوگ ان کو نہیں مانیں گے تو آگے کچھ بھی نہیں، پھر یہ کس کو مانیں گے؟ ظاہر ہے کہ ہمیشہ محروم ہی رہیں گے، اور ہمیشہ کے لئے ناکام رہیں گے، اور کف افسوس ملتے رہیں گے۔

❁ ❁ ❁

وَیْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِیْمٍ ⑦ یَّسْمَعُ اٰیٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰی عَلَیْهِ ثُمَّ یُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ یَسْمَعْهَا ۚ فَبَشِّرْهُ
بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ⑧ وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰیٰتِنَا شَیْــًٔا اتَّخَذَهَا هُزُوًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ⑨ مِنْ
وَّرَآئِهِمْ جَهَنَّمُ ۚ وَلَا یُغْنِیْ عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوْا شَیْــًٔا وَّلَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِیَآءَ ۚ وَلَهُمْ
عَذَابٌ عَظِیْمٌ ⑩ هٰذَا هُدًی ۚ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِیْمٌ ⑪

ترجمہ: بڑی خرابی ہے ہر جھوٹے کے لئے جو نافرمان ہے⑦ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو سنتا ہے جو اس کے روبرو پڑھی جاتی ہیں، پھر وہ تکبر کرتے ہوئے اصرار کرتا ہے، گویا کہ وہ ان کو سنتا ہی نہیں، سو ایسے شخص کو آپ دردناک عذاب کی بشارت دے دیجئے⑧ اور جب وہ ہماری آیتوں میں سے کسی آیت کو جان لیتا ہے تو ان کا مذاق بناتا ہے، ان لوگوں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے⑨ ان کے آگے دوزخ ہے، انہوں نے دنیا میں جو کچھ کمایا اور اللہ تعالیٰ

کے سوا انہوں نے جو کارساز بنائے ان میں سے انہیں کوئی بھی کچھ نفع نہیں دے گا، اور ان کیلئے بڑا عذاب ہے ⑩ یہ ایک بڑی ہدایت ہے، اور جن لوگوں نے اپنے ربّ کی آیات کے ساتھ کفر کیا ان کے لئے عذاب ہے سختی والا، دردناک ⑪

معارف ومنازل

معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ یہ آیت نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی، یہ فارس جاتا تھا عجمیوں کے قصے کہانیاں وہاں سے لاتا تھا اور لوگوں کو سناتا تھا، اس کا مقصد یہ تھا کہ لوگ آنحضرت سرور عالم ﷺ کے پاس نہ جائیں اور قرآن نہ سنیں، اس واقعہ کا بیان سورۂ لقمان میں گزر چکا ہے، آیت کریمہ: ﴿وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ﴾ [لقمان:٦] کے ذیل میں۔

اَفَّاك مبالغہ کا صیغہ ہے، معنی ہیں: بہت زیادہ جھوٹ بولنے والا۔ اَثِيْم کے معنی ہیں: بڑا گناہگار و مجرم۔ ویل کے معنی ہیں: تباہی و بربادی، اور جہنم میں ایک مخصوص وادی کا بھی نام ہے جو بڑے مجرموں کے لئے ہے۔ ﴿وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ۝ يَّسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ بڑی تباہی ہے اس شخص کے لئے جو بڑا جھوٹا اور بڑا مجرم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آیتیں اس کے سامنے پڑھی جاتی ہیں پھر بھی وہ تکبر و غرور کے ساتھ کفر پر جمارہتا ہے، گویا وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو سنتا ہی نہیں، آپ اس کو دردناک عذاب کی بشارت دیجئے۔

﴿وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰيٰتِنَا شَيْئَا ۨ اتَّخَذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾ اور جب وہ ہماری آیتوں میں سے کسی آیت کی خبر پاتا ہے تو اس کا مذاق بناتا ہے، ایسے لوگوں کے لئے ذلت کا عذاب ہے جو یہ ہے:

﴿مِنْ وَّرَاۗىِٕهِمْ جَهَنَّمُ ۚ وَلَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوْا شَيْـــًٔا وَّلَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَاۗءَ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ ان کے آگے دوزخ ہے، یعنی ان کا رخ جہنم کی طرف ہے جہاں انہیں پہنچنا ہے۔ یہ وراء کا لفظ اضداد میں سے ہے، آگے اور پیچھے دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جب یہ لوگ وہاں پہنچیں گے تو ان کی دنیاوی کمائی ان کو جہنم سے بچا نہیں سکے گی، اور نہ وہ انہیں کام آئے گی۔ جن کو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا کارساز اور معبود بنالیا تھا، دنیا میں جہاں جہاں نذر و نیاز پیش کئے، بڑے بڑے مزاروں پر طواف کرتے رہے، آج

وہ انہیں کام تو آئیں گے کیا، بلکہ الٹا ان کی تباہی کا سبب بنیں گے، اور ان سے بیزاری کا اعلان کریں گے۔
﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ ان کے لئے عذاب عظیم ہوگا اور دائمی ہوگا۔ ﴿هٰذَا هُدًى ۚ وَالَّذِينَ
كَفَرُوا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيمٌ﴾ قرآن تو سراسر ہدایت ہے، اور جو لوگ اپنے ربّ کی ان
آیتوں کو نہیں مانتے ان کے لئے شدید اور دردناک عذاب ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيْهِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲﴾
وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾
قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًۢا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ مَنْ عَمِلَ
صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۵﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے سمندر کو مسخر کیا، تا کہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں، اور تا کہ تم اس کے فضل سے تلاش کرو (روزی) اور تا کہ تم شکر کرو ﴿۱۲﴾ اور جو جو چیزیں آسمانوں اور زمین میں ہیں ان سب کو اپنی طرف سے تمہارے لئے مسخر بنا دیا، بلا شبہ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو فکر کرتے ہیں ﴿۱۳﴾ آپ ایمان والوں سے فرما دیجئے کہ ان لوگوں سے درگزر کریں جو اللہ تعالیٰ کے ایام کی امید نہیں رکھتے، تا کہ اللہ تعالیٰ ہر قوم کو اس کی جزا دے جو وہ کماتے ہیں ﴿۱۴﴾ جو شخص کوئی برا کام کرے اس کا وبال اسی کے نفس پر ہے، پھر تم اپنے ربّ کی طرف لوٹائے جاؤ گے ﴿۱۵﴾

معارف ومنازل

ان آیات میں عظیم انعامات کا بیان ہے جن کے ضمن میں مسئلہ توحید کا واضح اثبات مقصود ہے، اور انعامات پر شکر کا حکم ہے، اور قدرت کی عجیب نشانیوں میں غور وفکر کا حکم ہے، جس سے ایمان اور اعمال تک رسائی ہو۔

﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيْهِ بِاَمْرِهٖ﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے تمہارے لئے سمندروں کو مسخر کر دیا ہے تا کہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں۔ تسخیر کے معنی ہیں: کسی چیز کو قابو میں لانا، اس کی دو قسمیں ہیں: پہلی قسم یہ ہے کہ وہ چیز انسان کے قبضہ میں ہوتی ہے، وہ جیسا چاہتا ہے اس میں تصرف کرتا ہے اور اس پر حکمرانی کرتا ہے، جیسے انسان کا قبضہ اور تصرف جانوروں اور حیوانات پر، کہ اللہ تعالیٰ نے تمام

جانوروں کو انسان کے لئے مسخر بنایا ہے، اور وہ ان جانوروں پر حاکم ہے۔

تسخیر کی دوسری قسم یہ ہے کہ وہ چیزیں انسان کی تحویل اور قبضہ میں تو نہیں ہیں کہ انسان جیسا چاہے ان میں تصرف کرے، مگر اتنا ضرور ہے کہ وہ چیزیں انسان کی خدمت پر مامور ہیں، اور انسان ان سے غیر اختیاری اور کبھی ارادی طور پر فائدہ حاصل کرتا ہے، غیر اختیاری کی مثال سورج اور چاند ہیں، فرمایا: ﴿وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ﴾ [الرعد: ۲] (اور مسخر کر دیا ہے سورج اور چاند کو)۔ اور اختیاری کی مثال یہی کشتی ہے جسے انسان نے بنایا، پھر اپنے ہاتھ سے اسے سمندر میں اتارا اور چلایا، چونکہ سمندر کو اللہ تعالیٰ نے مسخر فرمایا تب انسان کا یہ عمل کارآمد اور بارآور ثابت ہوا، اور یہ خالص نعمت الٰہی ہی ہے۔

﴿وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ اور تاکہ تم ان کشتیوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا فضل یعنی رزق وروزی تلاش کرو، اور اس عظیم نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ تفصیل سورۃ الرحمٰن میں دیکھیں۔

﴿وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ﴾ اور اسی طرح جتنی چیزیں آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں ان سب کو اپنی طرف سے تمہارا مسخر بنایا ہے۔ ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ﴾ بیشک ان چیزوں میں دلائل اور نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ان چیزوں میں غور وفکر کرتے ہیں، اور ان کی مدد سے قدرت کی معرفت وشناخت تک رسائی پاتے ہیں۔

﴿قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ آپ ایمان والوں سے کہہ دیں کہ ان لوگوں سے درگزر کریں جو اللہ تعالیٰ کے دنوں کی امید نہیں رکھتے ،یعنی جو لوگ قیامت تک اور خود قیامت پر ایمان وعقیدہ نہیں رکھتے آپ مسلمان حضرات ان سے متاثر نہ ہوں، اور ان کے خلاف کسی بھی سخت اقدام کا فیصلہ نہ کریں، بلکہ درگزر کر کے صبر وتحمل کرتے رہیں۔ امام بغویؒ نے سدیؒ اور قرظیؒ کا قول نقل کیا ہے کہ حکمِ جہاد سے پہلے مشرکین مکہ مسلمانوں کو تنگ کرتے ہر طرح اذیتیں دیتے تھے، تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا شکوہ کیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، پھر آیت جہاد سے اس کا حکم منسوخ ہوا۔ [مظهري]

فرمایا: ﴿لِيَجْزِيَ قَوْمًا﴾ تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو بدلہ دے ان کے ان اعمال کا جو انہوں نے کیا اور کر رہے ہیں، آپ انہیں درگزر کر کے اللہ تعالیٰ کے حوالہ کریں۔ ﴿اَيَّامَ اللّٰهِ﴾ سے مراد کیا ہے؟ اس کی

دو تفسیریں ہیں: ایک یہ ہے کہ اس سے عذاب کے دن مراد ہیں، اور مطلب یہ ہے کہ جس دن میں اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں کو کوئی خاص سزا دے۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ رحمت کے دن مراد ہیں، اور مطلب یہ ہے کہ جس دن میں اللہ تعالیٰ اپنے ماننے والوں پر کوئی خصوصی رحمت نازل کرے، کفار چونکہ دونوں چیزوں پر عقیدہ نہیں رکھتے تھے اس لیے فرمایا:

﴿لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۱۴ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَاۗءَ فَعَلَيْهَا ۡ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ﴾ جو شخص نیک کام کرتا ہے تو اپنی جان کے مفاد میں کرتا ہے، اس کی نیکی کا اسے پورا پورا ثواب ملے گا، اور جو کوئی برا کام انجام دے گا تو اس کا وبال اسیؑ پر پڑے گا، پھر نیکی اور بدی انجام دینے کے بعد تم اپنے ربّ کے پاس لوٹائے جاؤ گے، اور اپنے عمل کا پورا پورا بدلہ پاؤ گے۔ سورۂ بقرہ میں ارشاد فرمایا: ﴿لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ﴾ [البقرة:۲۸۶] (اس کو فائدہ اس عمل کا ہوگا جو کمائے، اور نقصان اس عمل کا ہوگا جو کمائے)۔ یہ ان مضامین میں سے ہے جو کثرت سے مذکور ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۶ وَاٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَهُمُ الْعِلْمُ ۙ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝۱۷

ترجمہ: اور یہ بات واقعی ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب دی اور حکم عطا کیا اور نبوت عطا فرمائی، اور ہم نے انہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا، اور بعض امور میں جہانوں پر (اسی زمانہ کے لوگوں پر) فضیلت دی ۝۱۶ اور ہم نے دین کے بارے میں انہیں کھلی کھلی دلیلیں عطا کیں، سو انہوں نے آپس میں اختلاف نہیں کیا مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آ گیا، آپس کی ضد اضدی کی وجہ سے، بلا شبہ آپ کا ربّ قیامت کے دن ان امور میں ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا جن میں وہ آپس میں اختلاف کرتے تھے ۝۱۷

معارف ومنازل

سورۂ بقرہ میں بنی اسرائیل قوم کا مفصل تاریخی تذکرہ گزر چکا ہے، اس قوم کو اللہ تعالیٰ نے جس کثرت سے نوازشوں سے نوازا اس کی مثال نہیں، مگر اس قوم نے اسی کثرت سے بڑھ کر جتنی ناشکری اور نافرمانی کی اس کی مثال

بھی نہیں ملتی، موجودہ آیت میں بھی چھ نعمتوں کا تذکرہ ہے:

(۱) کتاب یعنی تورات۔ (۲) حکم بادشاہت۔ (۳) نبوت ورسالت۔ (۴) پاکیزہ رزق۔ (۵) اس زمانہ کے لوگوں پر فضیلت وبرتری۔ (۶) کھلے کھلے واضح اور روشن دلائل۔ مگر اس قوم نے ایک ایک نعمت کا جواب کئی کئی ناشکریوں اور بے انصافیوں سے دے کر مغضوب ومعتوب ہو کر ابلیس کی طرح درگاہ ایزدی سے لعنت اور پھٹکار حاصل کی، فرمایا:

﴿وَلَقَدْ اٰتَیْنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ﴾ بیشک ہم نے بنی اسرائیل کو آسمانی کتاب (تورات وانجیل وزبور) اور حکم یعنی حکمت اور احکام ومسائل اور بادشاہت عطا کی۔ حکم ان تینوں معنوں پر مشتمل ہے، اور انہیں نفیس وعمدہ پاکیزہ چیزوں سے روزی دی، انہی میں سے منّ وسلویٰ بھی ہیں، اور اسی زمانہ کے تمام جہاں والوں پر ان کو فضیلت وبرتری بھی عطا فرمائی۔

﴿وَاٰتَیْنٰهُمْ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ﴾ اور دین کے معاملے میں ہم نے ان کو کھلی نشانیاں اور دلائل عطا کئے۔

﴿فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ﴾ پس نہیں اختلاف کیا انہوں نے مگر بعد اس کے کہ ان کے پاس علم آ گیا، وہ اکہتر اور بہتر فرقوں میں بٹ گئے۔ اس اختلاف کی وجہ یہ تھی:

﴿بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ﴾ کہ انہوں نے آپس میں بغاوت اور سرکشی کی، یہ سرکشی حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کے بارے میں تھی، اور ستم بالائے ستم یہ کہ عقائد واعمال کے دونوں مراحل پر تباہی کے کنارے پہنچ گئے، بنیادی چیز آسمانی کتاب تھی، تحریفات کرتے کرتے اس کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا، اب کسی کو یقین آتا نہیں کہ یہ کوئی آسمانی کتاب ہے، یہ سلسلہ آج تک جاری ہے، اور عیسیٰ علیہ السلام کے نزول تک جاری رہے گا۔

﴿اِنَّ رَبَّكَ یَقْضِیْ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ﴾ بلاشبہ آپ کا ربّ قیامت کے دن ان کے باہمی اختلافات کا فیصلہ کر دے گا، دنیا کے اختلاف اکثر وبیشتر ضد وعناد اور بدنیتی پر مبنی ہوتے ہیں، جن کا آخری اور حتمی فیصلہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہوگا۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ⑱ اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا
عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ⑲ هٰذَا بَصَآئِرُ
لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ⑳ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ㉑

ترجمہ: پھر ہم نے آپ کو ایک خاص طریقہ پر کر دیا، سو آپ اس کا اتباع کیجئے، اور ان لوگوں کی خواہشوں کا اتباع نہ کیجئے جو نہیں جانتے ⑱ بلا شبہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں آپ کو کچھ نفع نہیں دے سکتے، اور بیشک ظلم کرنے والے ایک دوسرے کے دوست ہیں، اور اللہ تعالیٰ متقیوں کا دوست ہے ⑲ یہ قرآن لوگوں کے لئے دانشمندیوں اور ہدایت کا ذریعہ ہے، اور رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو یقین رکھتے ہیں ⑳ جن لوگوں نے برے کام کئے کیا وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم انہیں ان لوگوں کے برابر کر دیں گے جو ایمان لائے اور اعمالِ صالحہ کئے؟ کہ ان کا مرنا اور جینا برابر ہو جائے، برا فیصلہ کرتے ہیں ㉑

معارف ومنازل

شریعت سے مراد حق کا راستہ اور صراطِ مستقیم ہے، جس پر انبیاء علیہم السلام کو چلنے کا حکم دیا گیا تھا، اور امر سے مراد ہے: امرِ دین۔ پھر یہ فرمایا کہ آپ اس شریعت کا اتباع کریں اور لوگوں کی خواہشات کا اتباع نہ کریں، بظاہر خطاب آپ سید الانبیاء ﷺ کو ہے، لیکن خطاب کا اصل رخ امت کی طرف ہے، کیونکہ آنحضرت ﷺ کے لئے اتباعِ خواہشات ممکن ہی نہیں، اور پورا قرآن مجید اس قسم کی باتوں سے بھرا پڑا ہے، مگر مطلب سب کا یہی ہے کہ امت کو کہا جا رہا ہے کہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین کی خواہشات کا کسی طرح اتباع نہ کریں، یہ مضمون بکثرت قرآن مجید میں موجود ہے۔

﴿ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ پھر بنا دیا ہم نے آپ کو ایک شریعت پر اور آسمانی دستور پر دین کے معاملہ میں، سو آپ اس کا اتباع کیجئے، اور اس پر چلئے، اور امت کو چلایئے، اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کریں جو ناداں، جاہل اور بے سمجھ ہیں۔ قرآن کریم میں دین، ملت، شریعت اور منہاج تقریباً ایک ہی معنی پر ہیں، انہیں الفاظِ مترادفہ کہنا چاہیے، صرف تھوڑا سا تعبیری فرق

ہے۔ مذہب کا معنی راستہ، شریعت کا معنی واضح راستہ، دین کا معنی فرمانبرداری، ملت کا معنی اصول وقوانین، وغیرہ۔

﴿اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا﴾ اگر بالفرض آپ ان کی بات مانیں گے تو یاد رکھو کہ یہ لوگ ہرگز اللہ تعالیٰ کے یہاں آپ کے ذرہ برابر بھی کام نہ آئیں گے۔ ﴿وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ﴾ بیشک بے انصاف ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں، اور اہل ایمان پرہیزگاروں کے مددگار اور کارساز اللہ تعالیٰ ہے، پس اہل ایمان کی سعادت وکامیابی اسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شریعت پر چلیں، اور ظالموں سے مکمل لاتعلق رہیں، اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں۔

﴿هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ﴾ یہ ہیں بصیرت وعبرت کی باتیں۔ دنیا کے تمام انسانوں کے واسطے اور ذریعہ ہدایت بھی ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت بھی ہیں، ان لوگوں کے لئے جو اللہ تعالیٰ کی باتوں پر یقین رکھتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اتباعِ شریعت میں یہ تینوں چیزیں ضروری اور کارگر ہیں، پہلے درجے میں بصیرت کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات کو آنکھوں سے دیکھو، اور دل سے مان کر تسلیم کرو۔ دوسرے نمبر پر ہدایت کے راستے پر چلو۔ تیسرے مرحلے میں اس کی رحمتوں کا مستحق بن کر سمیٹ لو۔ سبحان اللہ وبحمدہٖ انداز بیان کیسا خوبصورت اور روح پرور ہے، خوب غور کرو اور نیکی وبدی میں تمیز کرو

﴿اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ کیا برائیوں کا ارتکاب کرنے والے لوگ گمان کرتے ہیں کہ ہم انہیں ان لوگوں کی طرح بنادیں گے جو ایمان لائے اور نیک اعمال انجام دیئے؟ اس طرح: ﴿سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ۭ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ﴾ اس طرح پر کہ ان کی زندگی اور موت ایک جیسی برابر ہو؟ فرمایا: ہرگز نہیں، یہ لوگ بہت برا فیصلہ کرتے ہیں، ان کی زندگی اور موت ہرگز برابر نہیں ہوسکتی، جیسے سردی وگرمی برابر نہیں، اندھا اور بینا برابر نہیں، تو فاسق وفاجر کیسے متقیوں کے ساتھ برابر ہوسکتے ہیں؟

حافظ ابن کثیر اور صاحب روح المعانی نے بحوالہ کلبی بیان کیا ہے کہ کفار قریش نے مسلمانوں سے کہا کہ تمہارا دین ہمارے دین سے بہتر نہیں، اور نہ ہی تم مسلمان ہم سے افضل ہو، بالفرض اگر قیامت آ بھی گئی تو ہم وہاں بھی تم سے افضل رہیں گے، جیسے آج دنیا میں دیکھ رہے ہو۔ اس پر یہ آیت ان کی تردید میں نازل ہوگئی، جس میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ بحیثیت قانون بیان ہوا کہ مجرم وفرمانبردار ہرگز برابر نہیں۔

وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾ اَفَرَءَيْتَ
مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ
يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَقَالُوْا مَا هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ
اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۲۴﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا
كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ
يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا آسمانوں کو اور زمین کو حق کے ساتھ، اور تا کہ ہر جان کو اس کے کئے اعمال کا بدلہ دیا جائے، اور ان لوگوں پر ظلم نہ کیا جائے گا ﴿۲۲﴾ کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنالیا؟ اور اللہ تعالیٰ نے اسے علم کے باوجود گمراہ کر دیا، اور اس کے کانوں پر اور دل پر مہر لگادی، اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا، سوکون ہے جو اللہ تعالیٰ کے بعد اس شخص کو ہدایت دے گا؟ کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟ ﴿۲۳﴾ اور ان لوگوں نے کہا کہ نہیں ہے یہ مگر ہماری دنیا والی زندگی، ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں، اور ہمیں ہلاک نہیں کرے گا مگر زمانہ، اور انہیں اس کا کچھ بھی علم نہیں ہے، یہ لوگ صرف گمان کرتے ہیں ﴿۲۴﴾ اور جب ان کے اوپر ہماری کھلی کھلی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کی حجت اس کے سوا کچھ نہیں ہوتی کہ ہمارے باپ دادوں کو لے آو، اگر تم سچے ہو ﴿۲۵﴾ آپ فرمادیجئے: اللہ تعالیٰ تمہیں زندگی بخشتا ہے، پھر موت دیتا ہے، پھر تمہیں قیامت کے دن جمع فرمائے گا، جس میں کوئی شک نہیں، اور لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے ﴿۲۶﴾

معارف ومنازل

ان آیات میں دلائل توحید کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا بیان ہے، اور مشرکین کے غلط عقائد و نظریات کی تردید ہے، ارشاد فرمایا:

﴿وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمین کو حکمت کے ساتھ پیدا کیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ہر کام حق اور حکمت پر مبنی ہے۔ سورۂ آل عمران میں فرمایا: ﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا﴾ [آل عمران:۱۹۱] (اے ہمارے پروردگار!

آپ نے اس کو عبث پیدا نہیں کیا ہے)۔سورۂ دخان میں ارشاد ہے: ﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ﴾[الدخان:۳۸] (اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کھیلتے ہوئے) اور بے مقصد، بلکہ اس لئے کہ ہر شخص کو اس کے کسب وعمل کا بدلہ دیا جائے گا، اور ذرہ برابر کسی پر ظلم نہیں ہوگا۔

﴿اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ﴾ سو کیا آپ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی جس نے اپنا معبود ومطلوب اپنی نفسانی خواہشات کو بنا رکھا ہے؟ اور اللہ تعالیٰ نے اس کو سمجھ وعلم کے باوجود گمراہ کر دیا ہے، اور اس کے کانوں اور دل پر مہر لگا دی ہے، اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے، بھلا ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ کے سوا کون راہ راست پر لا سکتا ہے؟ کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے؟

مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کا اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ ہو وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے نہیں، اور اس کے مامورات و منہیات کو اہمیت دیتے نہیں، وہ اپنی خواہشات کے غلام بنے ہوئے ہوتے ہیں، نفس وشیطان انہیں جو کچھ کہتے اور امر کرتے ہیں وہ اسی کا اتباع کرتے ہیں، گویا کہ نفسانی خواہشات ان کی واجب الاتباع معبود بنی ہوئی ہیں، اس سرکشی اور طغیانی کا نتیجہ یہی ہوگا کہ ان کی آنکھوں اور کانوں اور قلوب پر مہر لگ جائے گی، اور حق وباطل کی تمیز نہیں رہے گی، پس سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی ہدایت دینے والا نہ ہوگا۔ یہی وہ لوگ ہیں جو جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔

اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ جہالت کی وجہ سے گمراہی قابل علاج ہے، کیونکہ یہ جہل بسیط کا حصہ ہے، اور علم و دانشمندی کی موجودگی میں گمراہی جہل مرکب کا حصہ ہے، اور قابل علاج بھی نہیں، جیسے مرزا قادیانی، پرویز، مشرقی، اسلم اور سرسید احمد خان، یہ لوگ اسلام کے لئے بڑے خطرناک اور زہر قاتل ہیں، یہ لاکھوں لوگوں کو جہنم کے راستے پر ڈال چکے ہیں۔

﴿وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ﴾ مشرک کہتے ہیں کہ ہماری یہ دنیا کی زندگی ہی سب کچھ ہے، یہی ہماری آخری منزل ہے، جس میں ہم مرتے ہیں اور زندہ ہوتے ہیں، پس ان کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ اصلی زندگی یہی ہے، اس کے بعد کوئی زندگی نہیں، اور نہ کوئی پیدا کرنے والا ہے، اور نہ مارنے والا ہے، نہ دوبارہ زندہ کرنے والا ہے، اور نہ ہی حساب وکتاب اور دوزخ وجنت ہے، کچھ بھی نہیں، یہ دہریہ لوگوں کا عقیدہ ہے، روس اور چائنا اسی عقیدے پر ہیں۔

اور الدھر کے معنی ہے: زمانہ وہ، کہتے ہیں کہ رات دن کا نظام اور موسموں کی تبدیلی، لوگوں کی موت و حیات، یہ سب کچھ مرورِ زمانہ کا نتیجہ ہے، اور زمانہ بھی کسی کا پیدا کردہ نہیں اور ابدی ہے، یہ ہے بیوقوفوں کا عقیدہ، اور نادانوں کے خیالاتِ فاسدہ۔ جواب میں ارشاد فرمایا:

﴿وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ﴾ حالانکہ ان جہلاء کو ان چیزوں کا کچھ علم نہیں ہے، وہ محض گمان پر عمل کرتے ہیں، خشکی پر کشتی چلاتے ہیں، سب کچھ تخمینے اور اٹکل سے کہتے ہیں۔

﴿وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ جب ان لوگوں کو ہماری واضح واضح آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کی دلیل صرف یہ ہوتی ہے کہ اگر تم بعث بعد الموت کے دعوے میں سچے ہو تو ہمارے باپ دادوں کو زندہ کر کے لے آؤ، تو ہم تمہاری بات مان لیں گے، پس اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا: ﴿قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾ آپ ان سے کہہ دیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو تم کو زندہ کرتا ہے، اور پھر موت دیتا ہے، جس کا ہر روز تم مشاہدہ کر رہے ہو، کوئی پیدا ہو رہا ہے، کوئی مر رہا ہے، اسی طرح صور پھونکنے کے بعد تمہیں سب کو دوبارہ زندہ فرما کر قیامت کے دن میدانِ محشر میں جمع فرمائے گا، جس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے مگر: ﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ لوگوں کی اکثریت اس کو نہیں جانتی۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَتَرٰى كُلَّ
اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۣ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا ۭ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ هٰذَا كِتٰبُنَا
يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿۳۰﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۣ اَفَلَمْ
تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۱﴾

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے ملک آسمانوں کا اور زمین کا، اور جس دن قیامت قائم ہو گی اس دن باطل والے خسارہ میں پڑ جائیں گے ﴿۲۷﴾ اور اے مخاطب! تو ہر امت کو دیکھے گا کہ وہ گھٹنوں کے بل گری ہوئی ہو گی، ہر امت اپنی کتاب کی طرف بلائی جائے گی، آج تمہیں اس کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے ﴿۲۸﴾ یہ ہماری کتاب ہے

جو تمہارے بارے میں حق کے ساتھ بولتی ہے، بیشک ہم لکھوا لیتے تھے جو کچھ تم کرتے تھے ﴿۲۹﴾ سو جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان کا ربّ انہیں اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا، یہ کھلی ہوئی کامیابی ہے ﴿۳۰﴾ اور جن لوگوں نے کفر کیا کیا تمہارے پاس میری آیات نہیں آئیں جو تم پر پڑھی جاتی تھیں؟ سو تم نے تکبر کیا، اور تم مجرم قوم تھے ﴿۳۱﴾

معارف ومنازل

سورۃ الجاثیہ کے آخری رکوع میں ربّ العزّت سبحانہ کی خالقیت اور مالکیت وسلطنت کا بیان ہے، اس کے ضمن میں قیامت کی سختی کا تذکرہ ہے، اس کے ساتھ اہل ایمان کی کامیابی اور مشرکین کے خسارہ اور تباہی کا تذکرہ ہے۔ ﴿وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کی سلطنت ہے آسمانوں میں اور زمین میں، اور جس دن قیامت برپا ہوگی اس روز باطل پرست خسارہ میں رہیں گے، اور سب دوزخ میں ہمیشہ کے لئے ڈال دیئے جائیں گے۔

﴿وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۫ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ اور اس روز آپ ہر فرقہ کو دیکھیں گے کہ خوف کے مارے زانو کے بل گر پڑا ہوگا، ہر فرقہ اپنے اعمالنامے کے حساب کی طرف بلایا جائے گا، آج تم کو تمہارے کردار واعمال ہی کا بدلہ دیا جائے گا۔ ﴿هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ اور کہا جائے گا: یہ ہمارا دفتر ہے جو حق کے ساتھ بولتا ہے، بیشک ہم لکھوایا کرتے تھے جو کچھ تم عمل کیا کرتے تھے، ہمارے فرشتے تمہاری نگرانی میں رہے اور ذرہ ذرہ لکھ کر جمع کیا۔

﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ﴾ سو جو لوگ ایمان لائے تھے اور انہوں نے نیک اعمال بجالائے تھے تو ان کو ان کا ربّ اپنی رحمت میں داخل کرے گا، اور یہ واضح کامیابی ہے۔ ﴿وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۫ اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ﴾ اور جو لوگ کافر تھے ان سے کہا جائے گا: کیا میری آیتیں تم کو پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھیں؟ سو تم نے ان کو قبول کرنے سے تکبر کیا تھا، اور تم بڑے ہی مجرم لوگ تھے، اب تم اپنے تکبر وجرم کی دائمی سزا بھگتو۔ اگلی آیتوں میں ان کی سزا کا بیان آنے والا ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ مَا السَّاعَةُ ۙ اِنْ نَّظُنُّ
اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ
يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَاْوٰكُمُ النَّارُ
وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۴﴾ ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ
فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۳۵﴾ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ
رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۪ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۷﴾

ترجمہ: اور جب کہا گیا کہ بیشک اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق ہے، اور قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں تو تم نے کہا: ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا ہے، ہم تو بس یوں ہی خیال کرتے ہیں، اور ہم یقین کرنے والے نہیں ہیں ﴿۳۲﴾ اور جو عمل انہوں نے کئے تھے ان کے برے نتیجے ظاہر ہو گئے، اور جس چیز کا وہ مذاق بنایا کرتے تھے وہ ان پر نازل ہو گئی ﴿۳۳﴾ اور کہہ دیا جائے گا کہ آج ہم تمہیں بھولتے ہیں جیسا کہ تم آج کے دن کی ملاقات کو بھول گئے، اور تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے، اور تمہارے لئے کوئی مددگار نہیں ﴿۳۴﴾ یہ اس وجہ سے ہے کہ تم نے اللہ تعالیٰ کی آیات کو مذاق کی چیز بنالیا، اور دنیا والی زندگی نے تمہیں دھوکہ دیا، سو آج وہ اس میں سے نہیں نکالے جائیں گے، اور نہ ان سے یوں کہا جائے گا کہ راضی کرلو ﴿۳۵﴾ سو اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے سب تعریف جو رب ہے آسمانوں کا، اور رب ہے زمینوں کا، اور رب ہے سارے جہانوں کا ﴿۳۶﴾ اور اسی کے لئے بڑائی ہے آسمانوں میں، اور زمین میں، اور وہ عزیز ہے، حکیم ہے ﴿۳۷﴾

معارف ومنازل

ان آیات میں منکرین قیامت اور ان کے کبر وغرور اور انجام کا بیان ہے۔ ﴿وَاِذَا قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ مَا السَّاعَةُ ۙ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ﴾ اور جب تم سے کہا جاتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور حق ہے، اور قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے، تو تم نے کہا: ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا چیز ہے، اور تم یہ بھی کہا کرتے تھے کہ وہ محض ایک خیال وگمان کی چیز شاید ہو، اور ہم کو یقین نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ کافر لوگ قیامت کو حقیقی اور واقعی چیز نہیں مانتے تھے، بلکہ مسلمانوں سے یہ کہا کرتے تھے کہ یہ تمہارا ایک خیال اور گمان اور وہم کی چیز ہے، جس پر ہمیں یقین نہیں آتا، تم ہزار لاکھ مرتبہ رٹ

لگا وَ ہمیں اس غیر ممکن چیز پر یقین نہیں آتا کہ یہ بڑا جہاں ختم ہو، اس کی جگہ ایک اور جہاں ہو، یہ ممکن نہیں، صرف ظنی اور خیالی چیز ہے۔

﴿وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ اور قیامت کے دن کافروں پر اپنے تمام اعمال جو دنیا میں کئے تھے ظاہر ہو جائیں گے، اور پورا نقشہ سامنے آجائے گا۔ سورۃ الکہف میں فرمایا: ﴿وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا﴾ [الکہف:۴۹] (اور انہوں نے جو عمل کیا تھا اس کو حاضر پایا) جیسے ویڈیو کیسٹ میں بند کیا ہوا پورا واقعہ کھولنے پر ظاہر ہوگا، قیامت کے روز ہر انسان کی پوری زندگی اس کے سامنے ظاہر ہو جائے گی، پس ہنسنے والا ہنسے گا خوشی کرکے، اور برے لوگ روئیں گے ماتم کرکے۔

سورۃ الکہف میں فرمایا: ﴿مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا﴾ [الکہف:۴۹] (یہ کیسی کتاب ہے جو کسی چھوٹی بڑی چیز کو احاطہ اور لکھے بغیر نہیں چھوڑتی) اور جو خیالات انسانوں کے دلوں میں ہیں وہ بھی کھل کر سامنے آجائیں گے، سورۃ الطارق میں فرمایا: ﴿يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ﴾ [الطارق:۹] (اس دن تمام پوشیدہ راز کھل جائیں گے)۔ اسی بارے میں فرمایا کہ:

﴿وَحَاقَ بِهِمْ﴾ اور ان پر نازل ہوگا اور انہیں گھیر لے گا وہ برا عمل اور بری باتیں جن کے ساتھ وہ قیامت کے آنے کو مذاق سمجھتے تھے، اور اس کو ایک موہومی چیز خیال کیا کرتے تھے۔ ﴿وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ﴾ اللہ تعالیٰ سبحانہ کی طرف سے دوزخیوں کو خطاب ہوگا کہ آج تم کو دوزخ میں داخل کرکے چھوڑ دیں گے، نظر انداز کر دیں گے، جیسے کوئی نظر انداز چیز کو چھوڑ دیتا ہے اور اس کی طرف توجہ تک نہیں کرتا، جس طرح تم نے آج کی ملاقات کی تیاری ترک کر دی تھی، ہم نے بھی تمہیں ترک کر دیا۔

اللہ تعالیٰ سبحانہ نسیان سے پاک ہے، قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر نسیان کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف جو ہوئی ہے اس کے معنی ہیں: ترک کرنا، چھوڑ دینا اور نظر انداز کرنا۔ آگے اسی کی تاکید ہے جو کافروں سے کہا جا رہا ہے کہ تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہے، جہاں نہ تمہاری مدد ہوگی نہ مددگار ہوگا، اب اس کی وجہ:

﴿ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ﴾ یہ تمہاری سزا اس وجہ سے ہے کہ تم نے اللہ تعالیٰ کی آیات کو ٹھٹول بنا رکھا تھا، اور تم کو دنیوی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا تھا، سو آج وہ لوگ نہ تو دوزخ سے نکالے جائیں گے اور نہ ان سے اللہ تعالیٰ کی

ناراضگی کا تدارک طلب کیا جائے گا، یعنی ان کو یہ موقع نہیں دیا جائے گا کہ توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کو راضی کر لیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے منانے کا وقت گزر گیا، اب کچھ نہ ہوگا۔

﴿فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝٣٦ وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝٣٧﴾ سو تمام خوبیاں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں جو مالک ہے آسمانوں کا اور مالک ہے زمین کا، اور مالک ہے سارے جہانوں کا، اور بڑائی بھی اسی کے لئے ہے، آسمانوں اور زمین میں، اور وہی ہے زبردست حکمت والا، کائنات میں جو کچھ ہے اس کی عظمت و بلندی پر گواہ ہے، یہی شریر سرکش انسان اگر اپنے ہی اعضاء سے پوچھے اور اس میں غور کرے تو قدرت کا ہر کمال اسے نمایاں طور پر معلوم ہوگا، بلکہ روزِ قیامت اس کے یہی اعضاء اللہ تعالیٰ کے حق میں اور اس کے خلاف گواہی دیں گے۔

سورۂ حٰم السجدہ میں تفصیل گزر چکی ہے۔ آسمان و زمین کی ہر چیز اس کی تسبیح خواں ہے، ہر ذرہ اس کی عظمت پر گواہ ہے، سارے فرشتے اور تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اس سے مانگتے رہے ہیں۔ سورۃ الرحمٰن میں ارشاد ہے: ﴿يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ [الرحمن: ۲۹] (اسی سے مانگتے ہیں وہ جو آسمانوں اور زمین میں ہیں)۔ ارض و سماء کی ہر ہر چیز اسی کی سوالی ہے، مجال نہیں مافوق الاسباب کوئی پیغمبر یا صدیق یا شہید یا برگزیدہ ولی اللہ کسی کا کوئی کام انجام دے سکے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ربّ العزّت سبحانہ نے فرمایا: اَلْکِبْرِیَاءُ رِدَائِیْ وَالْعَظْمَۃُ اِزَارِیْ۔ بڑائی میری چادر ہے اور عظمت میری شان اور تہہ بند ہے، جو کوئی اس کو اپنے اوپر ڈال دے گا اور اوڑھنا چاہے گا میں اسے دوزخ میں داخل کروں گا۔ سورۂ مؤمن میں فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ﴾ [المؤمن: ۶۰] (جو لوگ میرے سامنے دست سوال دراز کرنے سے تکبر کرتے ہیں میں ان کو ذلیل کر کے جہنم میں داخل کرلوں گا) میرے بندوں کو چاہئے کہ شب و روز ہر لمحہ مجھے یاد کریں، اور مجھ سے دنیا و آخرت دونوں کا سوال کریں۔

سورۃ الرحمٰن میں ارشاد ہے: ﴿يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ﴾ [الرحمن: ۲۹] (اسی سے مانگتے ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں، وہ ہر دن ایک خاص شان میں ہوتا ہے) خاص اسی سے سوال کرتے ہیں، وہ سب جو آسمانوں میں ہیں جو زمین میں ہیں، اور ہر روز بلکہ ہر ساعت اس کی شان بدلتی رہتی ہے، یہی اس کی کمال کی نشانی ہے۔

سُورَةُ الۡاَحۡقَافِ

مکیۃ آیاتہا ۳۵ رکوعاتہا ۴

سورۂ احقاف مکی ہے، اس میں پینتیس (۳۵) آیتیں، اور چار (۴) رکوع ہیں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام:

اس سورت کا نام سورۃ الاحقاف ہے جو اس سورت کی آیت نمبر ۲۱ میں، لفظ **الاحقاف** سے ماخوذ ہے۔ یہ سورت ترتیب تلاوت میں ۴۶ ویں نمبر پر ہے، اور ترتیب نزول میں ۶۶ ویں نمبر پر ہے۔

نزول:

یہ سورت حوامیم سبعہ کی آخری سورت ہے، جو کہ مکی زندگی کے آخری دور میں سورۃ الجاثیہ کے بعد نازل ہوئی۔

تعداد کلمات وحروف:

اس سورت میں ۴ رکوع، ۳۵ آیات، (۷۵۶) کلمات اور (۳۷۰۹) حروف ہیں۔

ربط ومناسبت:

(۱) گزشتہ سورت کی ابتداء میں صداقتِ قرآن کا بیان تھا، اس سورت کی ابتداء میں بھی اسی طرح صداقتِ قرآن کا بیان ہے۔ (۲) بنیادی چیزیں مثلاً توحید، رسالت، اثباتِ قیامت دونوں سورتوں میں قدرے تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔ (۳) دونوں سورتوں میں اچھے اور برے اعمال کے نتائج کا بیان ہے۔ (۴) تذکیراتِ ثلاثہ کا

دونوں سورتوں میں بیان ہے۔

مختصر موضوع:

توحید، معاد، صداقتِ قرآن، رسالت، قیامت کی سختی اور ہولناکی کا تذکرہ، حقوق والدین، جنات کی تبلیغ، قومِ ہود کا بیان، تسلیات وفرائضِ نبوت، اچھے اور برے اعمال کے نتائج، تذکیراتِ ثلاثہ وغیرہ متفرق مسائل۔

﴿الجزء السادس والعشرون﴾

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حٰمٓ ۚ﴿۱﴾ تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ ﴿۲﴾ مَا خَلَقۡنَا السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ مَا بَیۡنَہُمَاۤ اِلَّا
بِالۡحَقِّ وَ اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ وَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا عَمَّاۤ اُنۡذِرُوۡا مُعۡرِضُوۡنَ ﴿۳﴾ قُلۡ اَرَءَیۡتُمۡ مَّا تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ
اَرُوۡنِیۡ مَاذَا خَلَقُوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ اَمۡ لَہُمۡ شِرۡکٌ فِی السَّمٰوٰتِ ؕ اِیۡتُوۡنِیۡ بِکِتٰبٍ مِّنۡ قَبۡلِ ہٰذَاۤ اَوۡ اَثٰرَۃٍ
مِّنۡ عِلۡمٍ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۴﴾ وَ مَنۡ اَضَلُّ مِمَّنۡ یَّدۡعُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ مَنۡ لَّا یَسۡتَجِیۡبُ لَہٗۤ اِلٰی یَوۡمِ
الۡقِیٰمَۃِ وَ ہُمۡ عَنۡ دُعَآئِہِمۡ غٰفِلُوۡنَ ﴿۵﴾ وَ اِذَا حُشِرَ النَّاسُ کَانُوۡا لَہُمۡ اَعۡدَآءً وَّ کَانُوۡا بِعِبَادَتِہِمۡ
کٰفِرِیۡنَ ﴿۶﴾ وَ اِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ قَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لِلۡحَقِّ لَمَّا جَآءَہُمۡ ۙ ہٰذَا سِحۡرٌ مُّبِیۡنٌ ؕ﴿۷﴾

ترجمہ: حٰمٓ ① یہ کتاب ہے اتاری ہوئی اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو عزیز ہے، حکیم ہے ② ہم نے پیدا نہیں کیا آسمانوں کو اور زمین کو مگر حق کے ساتھ، اور ایک میعاد معین کیلئے، اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ اس چیز سے اعراض کئے ہوئے ہیں جس سے ڈرائے گئے ③ آپ فرما دیجئے کہ جن کو تم اللہ تعالیٰ کے علاوہ پکارتے ہو ان کے بارے میں بتاؤ مجھے دکھاؤ انہوں نے زمین کے اجزاء میں سے کیا پیدا کیا؟ کیا ان کیلئے آسمانوں میں کوئی ساجھا ہے؟ لے آؤ میرے پاس کوئی کتاب جو اس سے پہلے ہو، یا کوئی ایسا علم لے آؤ جو منقول ہو کر آیا ہو، اگر تم سچے ہو ④ اور اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے سوا اُسے پکارتا ہو جو قیامت کے دن تک اس کا جواب نہ دے، اور وہ ان کے پکارنے سے غافل ہیں ⑤ اور جب لوگوں کو جمع کیا جائے گا تو وہ ان کے دشمن ہو جائیں گے، اور ان کی عبادت سے منکر

ہوں گے ⑥ اور جب ان پر واضح آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو جن لوگوں نے کفر کیا وہ حق کے بارے میں کہتے ہیں جب ان کے پاس آ گیا کہ یہ کھلا ہوا جادو ہے ⑦

معارف ومنازل

گلیم بخت کسے را کہ بافتند وسیاہ ☆ بآب زمزم وکوثر سفید نتوان کرد

جس طرح کفار مکہ نے قرآن حکیم کے بارے میں کہا تھا کہ جادو ہے، اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں تو بہت کچھ کہتے رہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ مرض جتنا خطرناک اور سخت ہوگا اس کا علاج بھی اتنا ہی زیادہ ضروری ہوگا، حوامیم سبعہ کا موضوع یہی رہا کہ اہل شرک کا علاج بڑے اہتمام سے ہو، جس کی بنیاد صداقتِ قرآن مجید ہے، فرمایا:

﴿حٰمٓ﴾ اللہ تعالیٰ ہی اس کے مطلب ومعنی کو بہتر جانتا ہے۔

﴿تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ﴾ یہ کتاب قرآن کریم کا نزول اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، جو زبردست ہے، حکمت والا ہے۔ کائنات کی ہر چیز میں اس کی حکمت جلوہ افروز ہے، خاص کر قرآن حکیم میں جو کہ اس کی صفت ہے اور تمام چیزوں کی حکمتوں کا سرچشمہ ہے۔ ﴿مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ اَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ ہم نے آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ تمام کائنات اللہ کی مخلوق ہے، کسی غیر اللہ میں ایک مکھی پیدا کرنے کی قدرت نہیں۔
دوسری بات یہ کہ کائنات کی ہر چیز کی تخلیق حق کے ساتھ ہے، بامقصد ہے، اور کوئی ادنیٰ چیز بھی بے مقصد نہیں ہے۔
تیسری بات یہ ہے کہ کائنات کی تخلیق ایک مقررہ مدت کیلئے ہے، یہ کوئی دائمی اور ابدی نہیں، جب وہ مدت پوری ہوجائے گی تو قیامت برپا ہوجائے گی، اور یہ موجودہ نظام درہم برہم ہوجائے گا۔

﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ﴾ اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا وہ ان باتوں سے اعراض کرتے ہیں جن سے ان کو ڈرایا جاتا ہے، وہ ہر چیز سے منکر رہتے ہیں، خاص کر قیامت کے بارے میں بڑے جھگڑالو واقع ہوئے ہیں۔ ﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ﴾ بھلا تم دیکھو تو سہی کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اس کے سوا جن معبودوں کو تم پکارتے ہو تم مجھے دکھلاؤ کہ انہوں نے

زمین میں کیا چیز پیدا کی ہے؟ تو ظاہر ہے اور تم بھی اقرار کرتے ہو کہ تمہارے معبود کسی چیز کے پیدا کرنے اور تخلیق سے عاجز ہیں، تو ان کی عبادت بھی غلط ہے، عبادت کا حقدار وہی ذات پاک ہے جو کہ ہر چیز کا خالق ہے۔

﴿اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ﴾ تو کیا آسمانوں کی تخلیق میں ان کی کوئی شرکت ہے؟ کہ انہوں نے کوئی آسمان پیدا کیا ہو، یا کوئی چاند ستارہ بنایا ہو، یا کوئی کُرہ پیدا کیا ہو، یا کوئی آسمانی مخلوق پیدا کی ہو، آخر کس بنا پر تم ان کی عبادت کرتے ہو؟ اور انہیں حاجت روا مشکل کشا سمجھتے ہو؟ جب کوئی عقلی دلیل تم پیش نہیں کر سکتے ہو تو کوئی نقلی دلیل لے آؤ: ﴿اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ یعنی کوئی ثبوت اس قرآن سے پہلے کا لے آؤ، کوئی نوشتہ، کوئی تحریر، کوئی صحیفہ اور کتاب لے آؤ جس میں یہ لکھا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور پیدا کرنے والا ہے م اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود ہے، اور اگر اپنے شرک کے اثبات میں کوئی آسمانی کتاب پیش نہیں کر سکتے تو علم کی کوئی باقی ماندہ بات ہی پیش کرو، یا کسی نیک اور صالح یا کسی حکیم یا دانشمند یا کسی پیغمبر کا کوئی قول پیش کرو، جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ غیر اللہ کی عبادت کا کوئی جواز ہے، تو ظاہر ہے کہ یہ سب غیر ممکن ہیں، پس تمہارا مذہب خود بخود بے بنیاد ہی رہا اور باطل ٹھہرا، اور تم لوگ گمراہ اور کافر و مشرک ٹھہرے، اگر تم سچے ہو تو لاؤ ثبوت۔ آگے فرمایا:

﴿وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو پکارتا ہے، اور جن کو یہ پکارتا ہے ان کی حالت یہ ہے کہ وہ اس کی پکار کو قیامت تک نہیں پہنچ سکتے، اور فریاد رسی نہیں کر سکتے۔ ﴿وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ﴾ اور وہ ان کی پکار سے یکسر غافل ہیں، وہ نہ سنتے ہیں نہ سمجھتے ہیں، اور نہ ہی کچھ دیکھتے ہیں، وہ بے جان پتھر، لکڑی، مٹی وغیرہ سے بنے ہوئے بت ہیں جو روح اور عقل و شعور سے محروم ہیں۔

﴿وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ﴾ جب قیامت کے دن سب لوگوں کو جمع کیا جائے گا تو وہ معبود اپنے عابدوں کے دشمن بن جائیں گے، اور ان عابدوں کی عبادت سے انکار کریں گے کہ ہم نے تمہیں کب کہا تھا کہ تم ہماری عبادت کر لو؟

﴿وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ اور جب ہماری واضح آیتیں ان پر پڑھی جاتی ہیں تو جن لوگوں نے حق آجانے کے بعد اس کا انکار کر دیا وہ

کہنے لگے: یہ تو کھلا ہوا جادو ہے (العیاذ باللہ) سو وہ بجائے تصدیق کرنے اور ایمان لانے کے منکر ہو گئے، محض منکر نہیں بلکہ طرح طرح کے بہتان، جھوٹ اور افترا بازی میں لگ گئے۔ دراصل جو شخص آیات ربانی سے اندھا ہو کر تکذیب کرتا ہے تو قدرت کی طرف سے اس پر شیطان مسلط ہو کر اسے گمراہ ہی کرتا ہے۔ آگے اسی کا بیان ہے کہ مشرکین نے یہ سب کچھ افتراء قرار دیا تھا۔

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۖ قُلْ إِنِ افْتَرَيْتُهُ فَلَا تَمْلِكُونَ لِي مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ هُوَ أَعْلَمُ بِمَا تُفِيضُونَ
فِيهِ ۖ كَفَىٰ بِهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۖ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿٨﴾ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِنَ الرُّسُلِ
وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ ۖ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ وَمَا أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُبِينٌ ﴿٩﴾ قُلْ
أَرَأَيْتُمْ إِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَكَفَرْتُمْ بِهِ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَىٰ مِثْلِهِ فَآمَنَ
وَاسْتَكْبَرْتُمْ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿١٠﴾

ترجمہ: کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اس شخص نے اس کو اپنی طرف سے بنالیا؟ آپ فرما دیجئے کہ اگر میں نے اس کو اپنی طرف سے بنالیا ہو تو تم مجھے اللہ تعالیٰ سے ذرا بھی نہیں بچا سکتے، وہ خوب جانتا ہے جن باتوں میں تم رہتے ہو، وہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ گواہ کافی ہے، وہ بڑی مغفرت والا ہے، بڑی رحمت والا ہے ﴿٨﴾ آپ فرما دیجئے کہ میں رسولوں میں سے کوئی انوکھا نہیں ہوں، اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا، میں صرف اس کا اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے، اور میں صرف واضح طور پر ڈرانے والا ہوں ﴿٩﴾ آپ فرما دیجئے کہ تم بتاؤ کہ اگر یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو اور تم اس کے منکر ہو گئے، اور بنی اسرائیل میں سے کوئی گواہ اس جیسی کتاب پر گواہی دے کر ایمان لے آئے، اور تم نے تکبر کیا، بیشک اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا ﴿١٠﴾

معارف ومنازل

ان آیات کا مضمون وہی ہے جو اس سے پہلے بیان ہوا، جہاں مشرکین نے قرآن مجید کو کھلا جادو قرار دیا، اب ان بدبختوں نے اس سے بھی بڑی ناشائستہ بات کہی، وہ یہ ہے کہ:

﴿اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىهُ﴾ یہ کلام تو خود ہی انہوں نے بنایا ہے اور گھڑ لیا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں، بلکہ یہ اس کے اپنے ذہن کا اختراع ہے، یہ خدا پر بہتان ہے کہ یہ اس کا کلام ہے۔ ﴿قُلۡ اِنِ افۡتَرَیۡتُهٗ فَلَا تَمۡلِكُوۡنَ لِیۡ مِنَ اللّٰهِ شَیۡـًٔا﴾ تو آپ کہہ دیجئے کہ اگر میں اللہ تعالیٰ پر کسی چیز کا افتراء کروں اور کوئی کلام خود بنا کر تمہیں سناؤں ،اور یہ کہوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، تو ظاہر ہے کہ یہ بات اللہ تعالیٰ کے قہر وغضب کو دعوت دینے کے مترادف ہوگی، اور میں خدا کا رسول ہوتے ہوئے یہ کیسے جرأت کرسکتا ہوں، اور اگر اس کے نتیجے میں مجھ پر کوئی پکڑ ہو تو مجھے کوئی چھڑانے والا نہ ہوگا، اور تم میرے واسطے کسی بات کی بھی قدرت نہ رکھ سکو گے، بلکہ:

﴿هُوَ اَعۡلَمُ بِمَا تُفِیۡضُوۡنَ فِیۡهِ﴾ اللہ ہی بہتر جانتا ہے ان باتوں کو جن میں تم گھسے ہوئے ہو، اور میری چالیس سالہ زندگی تمہارے سامنے ہے جس کا تم بھی اقرار کرتے ہو کہ میں نے کبھی کسی انسان پر افتراء نہیں کیا، پس اللہ تعالیٰ پر افتراء کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔ سورۂ یونس میں اسی بات کی وضاحت فرمائی: ﴿فَقَدۡ لَبِثۡتُ فِیۡكُمۡ عُمُرًا مِّنۡ قَبۡلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ﴾ [یونس:۱۶] (میں نے اس سے قبل عمر کا کافی حصہ تم میں گزارا ہے، کیا تم سمجھتے نہیں ہو؟) کیا اس دوران تم نے میری زبان سے کوئی جھوٹ سنا ہے؟ تمہاری ان الزام تراشیوں کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

﴿كَفٰى بِهٖ شَهِیۡدًۢا بَیۡنِیۡ وَبَیۡنَكُمۡ ؕ وَهُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ﴾ وہی ذات پاک کافی ہے میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہونے کے لحاظ سے، اور وہی عنقریب دنیا میں بھی اور روزِ قیامت میں بھی فیصلہ فرمائے گا کہ کون حق پر تھا اور کون باطل پر، اور وہی بڑا بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے، وہ تمہیں مہلت دیتا رہتا ہے، جلدی گرفت نہیں فرماتا۔ ﴿قُلۡ مَا كُنۡتُ بِدۡعًا مِّنَ الرُّسُلِ﴾ آپ ان سے فرما دیجئے کہ میں کوئی نیا اور انوکھا رسول تو نہیں ہوں کہ میں اوّلین رسالت لے کر آیا ہوں، تو اس وجہ سے تمہیں اوپرا اور غیر متعارف محسوس ہوتا ہوں، یہ بات نہیں، بلکہ مجھ سے پہلے ہزاروں رسول پیغامِ حق لے کر آئے، اور دنیا میں توحید کا پیغام پھیلا کر عالمِ آخرت کو چلے ہیں، میں ان سب کا آخری رسول ہوں، اور انہیں والا پیغام لے کر آیا ہوں، اور وہی پرانا درس دیتا ہوں، لہٰذا تمہیں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہونا چاہئے، میرا پروگرام کوئی جدید اور نیا نہیں جس سے تم انحراف کرسکو۔

﴿وَمَاۤ اَدۡرِیۡ مَا یُفۡعَلُ بِیۡ وَلَا بِكُمۡ﴾ اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا ہوگا، اور نہ یہ جانتا ہوں کہ تمہارے ساتھ کیا ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ میری کامیابی اور منصوبوں کا انجام سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، اور تمہاری

تباہی اور بغاوتوں کا انجام بھی اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، لہٰذا میں ان سب باتوں سے بے پرواہ ہو کر:

﴿اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ﴾ میں تو صرف اسی بات کی پیروی اور اتباع کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ ﴿وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ﴾ اور میں تو صرف کھلے طور پر ڈرانے والا ہوں، اور تمہیں وحی خداوندی کے ساتھ تمہاری بغاوت کے انجام سے خبردار کرنے والا ہوں، اور تم اپنے اعمال و کردار کے انجام کو خود دیکھو گے، اس وقت شاید تمہیں میری حقانیت کا پورا پورا علم ہوگا، مگر فائدہ سے خالی ہوگا تمہارے لئے۔

﴿قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ کَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَ کَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰی مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَکْبَرْتُمْ﴾ آپ فرما دیجئے: بھلا یہ بتاؤ کہ اگر یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہو، اور تم اس کا انکار کرو، اور بنی اسرائیل میں سے ایک گواہی دینے والا گواہی دے چکا ہے اس کی حقانیت پر، اور مثل کتاب پر، یعنی یہ قرآن مجید تورات کی مانند اور تورات کی تصدیق کی روشنی میں یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وغیرہ علماء یہود نے گواہی دی کہ ایسی وحی اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر نازل فرمائی تھیں اور قرآن کی طرح انہیں تورات و انجیل دی گئی تھی، جن میں اس قرآن اور صاحب قرآن خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات، علامات اور حقانیت کی خبر دی گئی تھی، اور پھر وہ گواہ قرآن پر ایمان لایا، اور تم غرور و تکبر ہی کرتے رہے، جس کا تمہارے پاس کوئی ثبوت اور دلیل نہیں۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ اور بیشک اللہ تعالیٰ راہِ راست نہیں دکھاتا ہے ظالموں کو، جنہیں حق کی طلب اور چاہت نہیں، وہ ہر خیر و بھلائی سے محروم ہی رہیں گے۔ مدینہ منورہ میں دس گیارہ یہودی عالم تھے جو ایمان لانے سے محروم رہے، حالانکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس طرح برحق جانتے تھے جیسے کوئی اپنے بھائی بیٹوں کو شناخت کر لے پہچانے، مگر ضد و عناد نے انہیں جہنم کے راستے پر ڈال دیا، سوائے ایک خوش قسمت کے یعنی حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَوْ کَانَ خَیْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَیْهِ ؕ وَاِذْ لَمْ یَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَیَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْکٌ قَدِیْمٌ ﴿۱۱﴾ وَمِنْ قَبْلِهٖ کِتٰبُ مُوْسٰٓی اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ وَهٰذَا کِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِیًّا

لِّيُنۡذِرَ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا ۖ وَبُشۡرٰى لِلۡمُحۡسِنِيۡنَ ۝۱۲ اِنَّ الَّذِيۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا فَلَا خَوۡفٌ
عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ۝۱۳ اُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّةِ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ۝۱۴

ترجمہ: اور کافروں نے ایمان والوں کے بارے میں یوں کہا کہ اگر ایمان لانا کوئی اچھی بات ہوتی تو یہ لوگ ہم سے آگے کیوں بڑھ جاتے؟ اور جب قرآن کے ذریعہ انہوں نے ہدایت نہ پائی تو یوں کہیں گے کہ یہ پرانا جھوٹ ہے ۝۱۱ اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب ہے جو پیشوا تھی اور رحمت تھی، اور یہ کتاب ہے جو تصدیق کرنے والی ہے، عربی زبان میں ہے، تاکہ ظالموں کو ڈرائے اور خوشخبری ہے اچھے کام کرنے والوں کے لیے ۝۱۲ بلاشبہ جن لوگوں نے یوں کہا کہ ہمارا ربّ اللہ تعالیٰ ہے، پھر اس پر جمے رہے، تو ان پر کوئی خوف نہیں ہے، اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے ۝۱۳ یہ جنت والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ان کاموں کی عوض جو وہ کیا کرتے تھے ۝۱۴

معارف ومنازل

دنیا میں ہر زمانہ میں یہ دستور رہا ہے کہ مالدار لوگ اپنے کو غریبوں سے بہتر اور عزّت والا سمجھتے ہیں، اسی طرح بعض قبائل اپنے قبیلے کو دوسرے قبیلے سے برتر گمان کرتے ہیں، اسی سلسلہ کی ایک بات اللہ تعالیٰ نے یہاں نقل فرمائی ہے، وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت وتبلیغ پر جب کچھ لوگ ایمان لے آئے تو مشرکین نے کہا کہ عقل وفہم اور مال و دولت کے اعتبار سے یہ لوگ کمزور ہیں، اور ہم ان سے ہر اعتبار سے بہتر اور برتر ہیں، ہم ہی ہر خیر وبھلائی کے مستحق ہیں، اگر یہ دین اور ایمان کوئی بہتر ہوتا تو یہ کمزور لوگ اس کی طرف ہم سے پہلے سبقت نہ کرتے، کیونکہ ہم لوگ عقلمند بھی ہیں اور بہتر بھی، تو بہتر چیز کی طرف سبقت کرنا ہمارا ہی کام اور مقدر ہے، جب ہم نے اسلام کو قبول نہیں کیا اور اس کو لونڈی، غلام کمزور لوگوں نے قبول کیا تو معلوم ہوا کہ یہ دین بہتر اور پسندیدہ نہیں، اور کوئی شخص بھی ہم سے خیر میں سبقت کر ہی نہیں سکتا۔

جن کافروں نے یہ بات کہی انہوں نے اپنی جانوں کو بہت بڑا سمجھا، تکبر نے ان کا بیڑا غرق کر دیا، اور ہدایت سے محروم رکھا، انہوں نے اپنی بدنصیبی کا یوں اظہار کیا کہ قرآن حکیم کو پرانا جھوٹ کہا، اور اس کو اساطیر الاوّلین یعنی پرانے لوگوں کی کہانیاں کہا، تو فرمایا:

﴿وَقَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَوۡ كَانَ خَيۡرًا مَّا سَبَقُوۡنَآ اِلَيۡهِ﴾ اور کہا کافروں نے

ایمان والوں سے کہ دین اسلام اگر وہ واقعی بہتر ہوتا تو یہ غریب ومحتاج لوگ اس کو اختیار کرنے میں ہم سے سبقت نہ کرتے، کیونکہ ہر خیر کے حقدار ہم لوگ ہیں نہ کہ یہ غریب وغرباء لوگ۔

﴿وَاِذْ لَمْ یَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَیَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِیْمٌ﴾ اور انہوں نے اس قرآن سے ہدایت نہ پائی تو کہنے لگے: یہ تو پرانا گھڑا ہوا جھوٹ ہے، یعنی اس سے پہلے کے لوگ (انبیاء کرام علیہم السلام) جو جھوٹی باتیں کہا کرتے تھے، یہ بھی اس طرح کا جھوٹ ہے۔ ﴿وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰۤى اِمَامًا وَّرَحْمَةً﴾ حالانکہ اس قرآن سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا فرمائی جو پیشوا اور رحمت تھی۔

﴿وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِیًّا لِّیُنْذِرَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا﴾ اور یہ قرآن مجید اس کی تصدیق کنندہ ہے جو عربی زبان میں ہے تاکہ یہ ظالموں کو ڈر سنا دے۔ ﴿وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِیْنَ﴾ اور خوشخبری سنائے نیکی کرنے والوں کو۔ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ﴾ اور بیشک جن لوگوں نے دل کے اعتقاد اور یقین وایمان کے ساتھ کہہ دیا اور اقرار کیا کہ ہمارا رب اللہ تعالیٰ ہے، پھر وہ اس پر زندگی بھر ثابت قدم رہے، سو ایسے لوگوں پر کوئی خوف واندیشہ نہ ہوگا، اور نہ ہی انہیں گزشتہ زندگی کے متعلق کوئی غم لاحق ہوگا۔ بہرحال! خوف آنے والے زمانے کے متعلق ہوتا ہے، اور غم گزشتہ بدکرداریوں پر ہوتا ہے، تو ایمان و استقامت والے دونوں سے بچ جائیں گے، اور خالص راحت وخوشحالیوں میں محو رہیں گے۔

﴿اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ﴾ یہی لوگ جنت والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، یہ ان کے نیک اعمال کا بدلہ ہوگا۔

۞ ۞ ۞

وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ اِحْسٰنًا ؕ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ؕ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ
ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ
الَّتِیْۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰى وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ ۚ اِنِّیْ تُبْتُ
اِلَیْكَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ
سَیِّاٰتِهِمْ فِیْۤ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ؕ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِیْ كَانُوْا یُوْعَدُوْنَ ﴿۱۶﴾

ترجمہ: اور ہم نے انسان کو تاکیدی حکم دیا کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرے، اس کی ماں نے اسے مشقت کے ساتھ پیٹ میں رکھا، اور مشقت کے ساتھ اس کو جنا، اور اس کا حمل میں رہنا اور دودھ چھڑانا تیس (٣٠) ماہ کی مدت میں ہے، یہاں تک کہ جب وہ اپنی جوانی کو پہنچ گیا، اور چالیس سال کی عمر کو پہنچا، تو کہتا ہے کہ اے میرے ربّ! مجھے اس بات پر قائم رکھئے کہ میں آپ کی نعمت کا شکر ادا کروں، جس کا آپ نے مجھ پر اور میرے والدین پر انعام فرمایا ہے، اور اس بات پر بھی مجھے قائم رکھئے کہ میں نیک عمل کروں، جس سے آپ راضی ہوں، اور میری اولاد میں بھی میرے لئے صلاحیت پیدا فرما دیجئے، بیشک میں آپ کے حضور میں توبہ کرتا ہوں، اور بلاشبہ میں فرمانبرداروں میں سے ہوں ⑮ یہ وہ لوگ ہیں جن کے اچھے کاموں کو ہم قبول کریں گے، اور ان کے گناہوں سے درگزر کریں گے جنت والوں میں شامل کرتے ہوئے سچے وعدہ کی وجہ سے جن کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا ⑯

معارف ومنازل

عام طور پر قرآن کریم میں توحید، دلائل توحید اور فرائضِ بندگی کے ذکر کے بعد حقوقِ والدین کی طرف زوردار الفاظ میں توجہ دلائی جاتی ہے، یہاں بھی مشرکین کی غلط فہمیوں کے ازالہ کے بعد اور اہلِ استقامت کی کامرانیوں کے بیان کے بعد مسلمانوں کی توجہ والدین کی خدمت اور دلجوئی کی طرف دلائی جارہی ہے، اس مضمون کی تفصیل مختلف مقامات پر گزر چکی ہے، خاص کر سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ لقمان میں۔

کلمہ وصیت کا فاعل جب اللہ تعالیٰ شانہ ہو تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ چیز فرض کردی ہے۔ [لسان العرب] تو مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے بعد والدین کی خدمت اور دلجوئی ہر انسان پر فرض فرمائی ہے۔ اگرچہ ماں باپ دونوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور ان کی خدمت اور ہر طرح سے دلجوئی کا حکم بار بار دیا گیا ہے، لیکن آیت کریمہ سے صراحتاً معلوم ہوتا ہے کہ ماں کا حق باپ کے حق سے کئی گنا زیادہ ہے، یہاں ان تکالیف اور مشقتوں کا مفصل تذکرہ ہے جو بچے کے سلسلے میں صرف ماں برداشت کرتی ہے۔

جس روز رحمِ مادر میں حمل قرار پکڑتا ہے، اس وقت سے ماں کی ساری جسمانی قوتیں بچے کی پرورش اور نگہداشت میں صرف ہونے لگتی ہیں، اس سے ماں کی اپنی صحت کا نظام بری طرح متاثر ہوجاتا ہے، گویا کہ اس پر مشقتوں کا ایک انبار پہاڑوں جیسا رکھا جاتا ہے، اور بچے کی پیدائش کا لمحہ ماں کی موت کے ساتھ برابر ہے، بخیریت

پیدا ہونے کے بعد ڈھائی تین سال تک ماں پر وہ کچھ گزرتا ہے جسے باپ سمجھ نہیں سکتا۔

ایک شخص نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا: یارسول اللہ! میں کس کے ساتھ نیکی کروں؟ فرمایا: ماں سے، اس نے پھر عرض کیا: اس کے بعد؟ فرمایا: ماں سے، اس نے تیسری مرتبہ عرض کیا: اس کے بعد؟ فرمایا: ماں سے، چوتھی بار ارشاد فرمایا: اپنے باپ سے۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ جب منی رحمِ مادر میں پہنچتی ہے تو وہاں کی حرارت کی وجہ سے اس کی ہیئت میں گوناگوں تبدیلیاں رونما ہونے لگتی ہیں، چھٹے دن وہ جھاگ کی صورت اختیار کر لیتی ہے، پھر اس میں خون کے تین نقطے ظاہر ہوتے ہیں، درمیانی نقطہ بعد میں جا کر دل بنتا ہے، اوپر والا دماغ اور دائیں طرف والا جگر، پھر سرخ رنگ کے دھاگے ظاہر ہوتے ہیں، جوان کو آپس میں ملاتے ہیں، یہ عمل تین دن میں ہوتا ہے، نو دن کے بعد یہ سارا مادہ خون میں بدلنے لگتا ہے، اور چھ روز کی مدت میں وہ لوتھڑا بن جاتا ہے، پندرہ روز کے بعد یہ لوتھڑا گوشت کی شکل اختیار کرنے لگتا ہے، بارہ دن کی مدت میں تینوں اعضاء متمیز ہونے لگتے ہیں، اور مغز کا گودا پھیلنے لگتا ہے، ستائیس دن کے بعد پانچواں مرحلہ شروع ہوتا ہے، سر کندھوں سے الگ ہونے لگتا ہے، پسلیاں بازو اور پیٹ اپنی ابتدائی شکل اختیار کر لیتے ہیں، اس تبدیلی میں نو دن لگتے ہیں، چھٹا مرحلہ جو چار دن کا ہوتا ہے اس میں مختلف اعضاء اپنی مخصوص شکلیں اختیار کر لیتے ہیں۔ اس طرح چالیس دن کے عرصہ میں حضرت انسان کا ابتدائی ڈھانچہ تیار ہو جاتا ہے، کبھی کبھی یہ عرصہ پینتالیس دن کا ہوتا ہے، اور اس کی کم از کم مدت تیس دن ہے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان طبی تحقیقات نے حضور علیہ السلام کے اس ارشاد مبارک کی تصدیق کر دی: یجمع خلق احدکم فی بطن امه اربعین یوماً۔ یعنی ماں کے شکم میں تمہاری آفرینش چالیس دن میں پوری ہوتی ہے، باقی عرصہ اس ڈھانچہ کو کامل و مکمل کرنے اور اس کی نوک پلک سنوارنے میں صرف ہوتا ہے۔ سبحان من يصور في الأرحام كيف يشاء۔ یقیناً ہر عیب سے پاک ہے وہ ذات جو رحموں میں تصویر بناتی ہے جیسی چاہتی ہے۔

اکثر مدتِ حمل اور اکثر مدتِ رضاع میں فقہائے امت کا اختلاف:

اکثر مدت حمل امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دو سال ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مختلف روایات منقول ہیں: چار سال، پانچ سال، سات سال۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چار سال ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی بھی مشہور روایت چار ہی سال کی ہے۔ [مظهري]

اور اکثر مدتِ رضاعت جس کے ساتھ حرمتِ رضاعت کے احکام متعلق ہوتے ہیں جمہور فقہاء کے نزدیک دوسال ہیں۔ امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور ائمہ حنفیہ میں سے امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہم سب اس پر متفق ہیں، اور صحابہ کرام میں حضرت عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کا بھی یہ قول ہے۔ [دار قطني]

علی مرتضیٰ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کا بھی یہی ارشاد ہے۔ [أخرجه ابن أبي شيبة] صرف امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ منقول ہے کہ ڈھائی سال تک بچہ کو دودھ پلایا جاسکتا ہے، جس کا حاصل جمہور حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر بچہ کمزور ہو، ماں کے دودھ کے سوا کوئی غذا دوسال تک بھی نہ لیتا ہو، تو مزید چھ ماہ دودھ پلانے کی اجازت ہے، کیونکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ مدتِ رضاعت پوری ہونے کے بعد ماں کا دودھ بچے کو پلانا حرام ہے، مگر فتویٰ فقہاء حنفیہ کا بھی جمہور ائمہؒ کے مسلک پر ہے کہ دوسال کی مدّتِ کے بعد اگر دودھ پلایا گیا تو اس سے حرمتِ رضاعت کے احکام ثابت نہیں ہوں گے۔ سیدی حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے بیان القرآن میں فرمایا کہ اگر چہ فتویٰ جمہور کے قول پر ہے مگر عمل میں احتیاط کرنا بہتر ہے کہ ڈھائی سال کی مدت کے اندر جس بچہ کو دودھ پلایا گیا ہے اس سے مناکحت میں احتیاط برتی جائے۔

بعض حضرات نے آیت: ﴿وَحَمۡلُهُۥ وَفِصَٰلُهُۥ ثَلَٰثُونَ شَهۡرًا﴾ سے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق اکثر مدتِ رضاعت ڈھائی سال ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، تفسیر مظہری میں فرمایا کہ یہ درست نہیں، کیونکہ صحابہ کرام کی جماعت، علی المرتضیٰ اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم نے آیت کی تفسیر یہ متعین کردی ہے کہ اس میں چھ ماہ اقل مدتِ حمل کے، اور چوبیس ۲۴ ماہ مدّتِ رضاعت کے مراد ہیں، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ قرآن نے حمل اور رضاعت کی مشترک مدت تیس ماہ بتلائی ہے، ہر ایک کی الگ الگ حد نہیں بتلائی، اس کا سبب یہ ہے کہ عادتِ عامہ یوں ہے کہ بچہ تو نو ماہ میں پیدا ہوتا ہے، اور جب بچہ پورے نو ماہ میں پیدا ہو تو ماں کا دودھ پلانے کی ضرورت صرف اکیس ماہ رہ جاتی ہے، اور اگر بچہ سات مہینے میں پیدا ہو جائے تو تئیس ماہ دودھ پلانے کی ضرورت ہوتی ہے، اور جو بچہ چھ ماہ میں پیدا ہو جائے تو چوبیس ۲۴ ماہ یعنی پورے دوسال دودھ پلانے کی ضرورت ہوگی۔ [مظهري، معارف القرآن: صفحه ۸۰۵، ج۷]

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس آیت سے اس بات پر استدلال فرمایا کہ حمل کی مدت کم از کم چھ ماہ ہے، کیونکہ قرآن کریم نے اکثر مدتِ رضاع تو دوسال کامل متعین فرمادیئے ہیں، جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿وَٱلۡوَٰلِدَٰتُ

﴿يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ﴾ [البقرة:۲۳۳] (اور مائیں اپنی اولادوں کو کامل دوسال دودھ پلائیں)، اور یہاں حمل اور رضاع دونوں کی مدت تیس (۳۰) ماہ قرار دی گئی، تو مدتِ رضاع کے دوسال یعنی چوبیس (۲۴) مہینے نکلنے کے بعد چھ ماہ ہی باقی رہ جاتے ہیں، جس کو کم از کم مدتِ حمل قرار دیا گیا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک عورت کے بطن سے چھ ماہ ہو جانے پر بچہ پیدا ہو گیا، جبکہ عام عادت نو مہینے میں، اور کم از کم سات مہینے میں بچہ پیدا ہونے کی ہے۔

عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس کو حمل ناجائز قرار دے کر سزا کا حکم دیدیا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اطلاع ملی، تو انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس سزا سے منع کیا، اور فرمایا کہ قرآن میں حمل اور رضاع کی مجموعی مدت تیس ماہ ہے، پھر رضاع کی مدت کا چوبیس ماہ ہونا دوسری جگہ متعین کر دیا ہے، اس لئے باقی ماندہ مدت چھ ماہ ہی حمل کی کم از کم مدت ہے، عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان کے استدلال کو قبول کر کے اپنا حکم واپس لے لیا۔ [قرطبي] اسی لئے کم از کم مدتِ حمل کے بارے میں تمام امت کے ائمہ متفق ہیں کہ وہ چھ ماہ ہو سکتی ہے۔ اکثر مدت کتنی ہے؟ اس میں ائمہ کے اقوال مختلف ہیں، قرآن نے اس کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں دیا۔

﴿وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا﴾ اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے ساتھ نیکی کرنے کا تاکیدی حکم دیا ہے۔ ﴿حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا﴾ انسان کی ماں نے اس کو تکلیف برداشت کر کے پیٹ میں اٹھائے رکھا، اور پھر اس کو جنا بھی تکلیف اٹھا کر۔ ﴿وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا﴾ بچہ کے حمل اور اس کے دودھ چھڑانے کی مدت تیس (۳۰) ماہ ہے۔ ﴿حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً﴾ یہاں تک جب انسان اپنی قوت کو پہنچ جاتا ہے، اور وہ اپنی عمر کے چالیس سال پورے کر لیتا ہے، تو اپنے پروردگار کے حضور اس طرح دعا کرتا ہے: ﴿قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْۤ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ﴾ اے میرے پروردگار! مجھے توفیق دیدے کہ میں تیری اس نعمت کا شکر ادا کر سکوں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر کی ہے۔

﴿وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ﴾ مجھے اس بات کی بھی توفیق دے کہ میں ایسا نیک عمل کر سکوں جس سے تو راضی ہو جائے، اور اس کے ساتھ وہ یہ دعا بھی کرتا ہے: ﴿وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ﴾ اور میرے لیے میری اولاد کو بھی درست فرما لیجئے، ان کو دین و دنیا کی سعادت سے مالا مال کر دیجئے،

﴿اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ بیشک میں فرمانبرداری کرنے والوں میں ہوں۔

﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا﴾ یہ وہی لوگ ہیں کہ ان کے نیک اعمال کو ہم قبول کرتے ہیں۔

﴿وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ﴾ اوران کی برائیوں سے ہم درگزر کرتے ہیں۔ ﴿فِيْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ﴾ یہ لوگ جنت والے لوگوں میں شامل ہوں گے۔ ﴿وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ﴾ یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے جو ان سے کیا جاتا تھا، اللہ تعالیٰ نے دنیا میں وعدہ کیا تھا کہ جو شخص عقل مند ہونے کے بعد اللہ کی نعمتوں کا شکر یہ ادا کرنے کی طلب کرے گا، اور خدا کی وحدانیت کو مانے گا، اس کی عبادت کرے گا، شرک وکفر ومعصیت سے اجتناب کرے گا، والدین کی خدمت بجالائے گا، ایسے لوگوں سے اللہ کا سچا وعدہ ہے کہ وہ انہیں ضرور جنت میں پہنچائے گا۔

۞ ۞ ۞

وَالَّذِيْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ اَتَعِدٰنِنِيْٓ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِيْ ۚ وَهُمَا يَسْتَغِيْثٰنِ
اللّٰهَ وَيْلَكَ اٰمِنْ ۖ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَيَقُوْلُ مَا هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ⑰ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَقَّ
عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ⑱ وَلِكُلٍّ
دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ⑲

ترجمہ: اور جس نے اپنے ماں باپ سے کہا: اُف ہے تمہارے لئے، کیا تم مجھے یہ وعدہ دیتے ہو کہ میں نکالا جاؤں گا؟ حالانکہ مجھ سے پہلے امتیں گزر چکی ہیں، اور وہ دونوں اللہ سے فریاد کررہے ہیں کہ ارے! تیرا ناس ہو ایمان لے آ، بلاشبہ اللہ کا وعدہ سچ ہے، اس پر وہ کہتا ہے کہ یہ پرانے لوگوں کی لکھی ہوئی باتیں ہیں ⑰ یہ وہ لوگ ہیں جن کے حق میں اللہ کا قول پورا ہو کر رہا، جو ان سے پہلے جنات میں سے اور انسانوں میں سے گزر چکے ہیں، بلاشبہ یہ لوگ خسارہ والے ہیں ⑱ اور ہر ایک کے لیے ان کے اعمال کی وجہ سے درجات ہیں، اور تا کہ اللہ ان کے اعمال کی پوری جزا دیدے، اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا ⑲

معارف ومنازل

پہلے سعادت مند لوگوں کا حال بیان کیا، اب بدبخت لوگوں کی صفات بیان ہو رہی ہیں:

﴿وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ﴾ اور وہ شخص جس نے اپنے ماں باپ سے کہا کہ اُف ہے تم لوگوں پر۔ اُف کا لفظ بیزاری کے اظہار کے لیے بولا جاتا ہے، جس میں مخاطب کو زجر و توبیخ اور ملامت کی جاتی ہے، سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا تھا: ﴿فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا﴾ [الاسراء: ۲۳] (ماں باپ کو اُف تک نہ کہو، اور نہ انہیں ملامت کرو)۔

﴿اَتَعِدٰنِنِیْٓ اَنْ اُخْرَجَ﴾ کیا تم مجھ سے وعدہ کرتے ہو کہ مرنے کے بعد قبر سے دوبارہ نکالا جاؤں گا؟ یہ ایسا ہرگز نہیں ہوگا، کیونکہ: ﴿وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِیْ﴾ حالانکہ مجھ سے پہلے بھی قومیں گزر چکی ہیں، مگر میں نے تو آج تک کسی کو دوبارہ زندہ ہوتے اور سزا یا جزا سے دوچار ہوتے نہیں دیکھا، والدین نے ان کے لیے دعا کی، اور کہا: ﴿وَهُمَا یَسْتَغِیْثٰنِ اللّٰهَ وَیْلَكَ اٰمِنْ﴾ والدین نے اپنے بیٹے کے حق میں یہ دعا کی کہ تم ایمان لاؤ، اور اللہ کی توحید قبول کرو، تیرے لئے افسوس کی بات ہے کہ تم سب کچھ جانتے ہوئے بدبختی پر چل رہے ہو۔

﴿اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ﴾ بیشک اللہ کا وعدہ برحق ہے کہ قیامت آئے گی، ہر شخص کو اس کی نیکی اور بدی کا بدلہ دیا جائے گا۔ ﴿فَیَقُوْلُ مَا هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ﴾ بدبخت بیٹا جواب میں کہتا ہے کہ تمہاری یہ باتیں تو پہلے لوگوں کی قصے اور کہانیاں ہیں اس طرح ناشکر، نالائق بیٹا ایمان سے محروم رہا۔

﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ﴾ یہ وہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کی بات ثابت ہو چکی ہے۔ ﴿فِیْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ﴾ یہ ان لوگوں میں شامل ہو جائیں گے جو ان سے پہلے جنوں اور انسانوں میں سے گزر چکے ہیں۔ ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِیْنَ﴾ بیشک یہ لوگ نقصان اٹھانے والے تھے۔

مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ سعادت مند کی مثال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، جب حضور علیہ السلام کی عمر مبارک چالیس سال ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول ہوا، اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی عمر اڑتیس (۳۸) برس تھی، اور آپؓ پہلے ہی دن ایمان لائے، آپؓ کے ساتھ ایمان لانے والے گھر کے دیگر افراد میں آپؓ کی بیوی اُم رومانؓ بھی ایمان لائیں، جو حضرت عائشہ اور عبدالرحمن رضی اللہ عنہما کی والدہ ہیں۔ اس کے علاوہ آپؓ کی والدہ اُم الخیرؓ اور باپ ابوقحافہؓ بھی فتح مکہ کے بعد ایمان لائے، اس وقت بہت بوڑھے ہو چکے تھے، اس طرح صرف اس خاندان کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس کی چار پشتیں صحابہؓ میں داخل ہیں۔ خود حضرت ابوبکر صدیق، آپ کے والد

ابوقحافہ، آپ کے بیٹے عبدالرحمن، اور آپ کے پوتے عتیق بن عبدالرحمن رضی اللہ عنہم۔ اور شقی لوگ وہ ہیں جو ایمان قبول نہیں کرتے، اور والدین کی نافرمانی کرتے ہیں، قیامت اور جزائے عمل کا انکار کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان دونوں گروہوں کے اوصاف بیان کر دیے ہیں۔

☆☆☆

دنیا و آخرت میں جزائے عمل:

آگے مجموعی طور پر فرمایا: ﴿وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا﴾ اور ہر شخص یا ہر فرقے کے لیے ان کے اعمال کے مطابق درجات ہیں۔ امام محمد بن ابی بکر بن عبدالقادر رازیؒ فرماتے ہیں کہ درجات کا تعلق تو اہل ایمان کے ساتھ ہوتا ہے جو نیک کام انجام دیتے ہیں، اور جو لوگ کفر اور معصیت کا راستہ اختیار کرتے ہیں ان کیلئے درکات ہوتے ہیں، درکات کا ذکر اس مقام پر نہیں کیا گیا، مگر مطلب یہی ہے کہ ہر نیکی والے شخص کے لیے اس کی نیکی کے مطابق درجہ ہے، کیونکہ نیکی کبھی اعلیٰ درجے کی ہوتی ہے، کبھی اوسط کی اور کبھی ادنیٰ درجے کی، اسی طرح برائی کے بھی درکات ہوتے ہیں، کوئی کفر میں بڑھا ہوا ہوتا ہے، کوئی اس سے کم تر اور کوئی اس سے کم تر، جہنم میں ان کے درکات بھی ان کے عقیدہ اور عمل کے مطابق ہی ہوں گے۔

پھر فرمایا: یہ درجات اس وجہ سے ہوں گے: ﴿وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ﴾ تاکہ ان کو ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے۔ ﴿وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴾ اور ان کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔ زیادتی کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو کم جرم کے بدلے میں زیادہ سزا نہیں دی جائے گی، اور نہ کسی ایک کا گناہ دوسرے پر ڈالا جائے گا۔ سورۂ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا﴾ [الإسراء: ۲۱] (اور یقینا آخرت درجات اور فضیلت کے اعتبار سے بہت بڑی ہے)۔ دنیا کے مقابلے آخرت میں بڑے اعلیٰ درجات اور برتر فضیلت حاصل ہوگی، دنیا میں کردہ تھوڑے نیک عمل کی بھی زیادہ جزا ملے گی، جس طرح دنیا میں ہر شخص کی عقل، ذہانت اور استعداد یکساں نہیں ہوتی اسی طرح آخرت میں بھی سب لوگ یکساں نہیں ہوں گے، بلکہ ان کے درجات میں تفاوت ہوگا۔

وَيَوۡمَ يُعۡرَضُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا عَلَى النَّارِ ؕ اَذۡهَبۡتُمۡ طَيِّبٰتِكُمۡ فِىۡ حَيَاتِكُمُ
الدُّنۡيَا وَاسۡتَمۡتَعۡتُمۡ بِهَا ۚ فَالۡيَوۡمَ تُجۡزَوۡنَ عَذَابَ الۡهُوۡنِ بِمَا كُنۡتُمۡ
تَسۡتَكۡبِرُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ بِغَيۡرِ الۡحَقِّ وَبِمَا كُنۡتُمۡ تَفۡسُقُوۡنَ ۝۲۰

ترجمہ: اور جس دن کافروں کو آگ پر پیش کیا جائے گا، ان سے کہا جائے گا کہ تم نے اپنی لذتوں کو اپنی دنیا والی زندگی میں ختم کرلیا، اور ان سے نفع حاصل کرلیا، سو آج تمہیں سزا کے طور پر ذلت کا عذاب دیا جائے گا، اس سبب سے کہ تم زمین میں ناحق تکبر کرتے تھے، اور اس سبب سے کہ تم نافرمانی کرتے تھے ۲۰

معارف ومنازل

اس آیت میں یہ بیان فرمایا کہ قیامت کے دن جب کافروں کو آگ پر پیش کیا جائے گا یعنی دوزخ میں داخل کرنے کے لیے آگ کے سامنے لائی جائے گی تو ان سے کہا جائے گا کہ اب تمہارے لئے عذاب ہی عذاب ہے، تمہیں یہاں آنے کا یقین نہیں تھا، دنیا ہی کو سب کچھ سمجھتے تھے، دنیا ہی کے لیے جئے اور دنیا ہی کے لیے مرے، لذّت کی چیزوں کے پیچھے پڑے، انہی کو سب کچھ سمجھا، حلال سے حرام سے نفس کی ہر لذت پوری کی، اب تمہارے لئے لذّت کی چیزوں میں سے کچھ نہیں ہے، جب اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایمان کی دعت دیتے تھے اور قیامت پر ایمان لانے کو فرماتے تھے تو تم ایمان لانے کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے، اور برابر نافرمانی کرتے چلے جاتے تھے، زمین میں ناحق تکبر کرنے اور نافرمانیوں میں بڑھتے چلے جانے کی وجہ سے آج تمہیں ذلت کا عذاب دیا جائے گا، دنیا میں کفر پر جمے رہنے میں اپنی عزّت سمجھی، آج اس کے عوض تمہارے ئے ذلّت کا عذاب ہے۔

علامہ بغویؒ معالم التنزیل میں لکھتے ہیں کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کی توبیخ فرمائی کہ انہوں نے دنیا میں لذّتوں سے استمتاع کیا اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اور دیگر نیک بندوں نے دنیا کی لذّتوں سے بچنے ہی کو ترجیح دی تا کہ آخرت میں ثواب ملے، اور بکثرت ملے کسی طرح ثواب میں کمی واقع نہ ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت آپ ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے، اس پر کوئی بستر نہ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم مبارک میں چٹائی کے نشان پڑ گئے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چمڑے کے تکیہ پر ٹیک لگائے ہوئے تھے جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی، میں نے عرض کیا:

یارسول اللہ! اللہ سے دعا کیجئے تا کہ آپ کی امت کو وسعت دیدے، فارس اور روم کے لوگوں کو مالی وسعت دی گئی ہے، حالانکہ وہ مسلمان بھی نہیں ہیں، اور اللہ کی عبادت بھی نہیں کرتے، یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابن خطاب! کیا تم اب تک اسی میں ہو (شک میں ہو) یہ وہ لوگ ہیں جن کی مزے کی چیزیں دنیا ہی میں دیدی گئیں ہیں، اور یہ بھی فرمایا کہ کیا تو اس پر راضی نہیں کہ ان کو دنیا مل جائے اور ہمیں آخرت مل جائے۔ [بخاري ومسلم]

حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پینے کے لیے کچھ طلب کیا، تو آپؓ کی خدمت میں پانی پیش کیا گیا جس میں شہد ملا ہوا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُسے دیکھ کر فرمایا: یہ عمدہ چیز میں کبھی نہیں پیوں گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خواہش پوری کرنے والے لوگوں کی خواہشوں کا انجام نہایت خراب بتایا ہے، قیامت کے دن ان سے کہا جائے گا: ﴿اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا﴾ کہ تم لوگوں نے اپنی اپنی مزے کی چیزوں کو دنیا میں ختم کر دیا، اور خوب عیش وعشرت کر کے نفع حاصل کر لیا، آج جنت کی چیزوں میں تمہارا کوئی حصہ نہیں ہے، تم اپنا حصہ دنیا میں پا چکے ہو، اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں ڈرتا ہوں کہ میں ایسے لوگوں میں شامل نہ ہو جاؤں، یہ فرما کر شہد والے پانی کو نہیں پیا، سادہ پانی نوش فرمایا۔ [بغوي، مشكوٰة]

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک دن حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے میرے ہاتھ میں گوشت دیکھا تو فرمایا: اے جابر! یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: گوشت کھانے کی خواہش ہوئی تھی لہٰذا میں نے گوشت خریدا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا جو چیز تمہارا دل چاہے گا اسے خریدو گے؟ کیا تم اس آیت کریمہ سے نہیں ڈرتے ہو؟ ﴿اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا﴾ [بغوي]

ایک دن حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے دوپہر کا کھانا تیار کیا، یہ ان کی خلافت کا زمانہ تھا، اور انہیں گھر پر بلایا، ہاتھ دھونے کے بعد دسترخوان بچھایا، ایک برتن میں سالن دوسرے میں گھی رکھا، اور خود بھی کھانے کے لیے بیٹھ گئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غضبناک لہجے میں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا ہمارے پیغمبر ﷺ نے ایک دسترخوان پر دو کھانے کھائے؟ ایک اٹھاؤ، ورنہ میں خود اٹھوں گا، مغیرہ رضی اللہ عنہ نے اعتراف کرتے ہوئے گھی اٹھا دیا، اور سالن رہنے دیا، تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ خوش ہوئے اور فرمایا: اَصَبْتَ السُّنة، ابھی آپ نے سنت کو پایا اور اس پر عمل کیا۔ [سیرت عمر بن خطاب، ابوالکلام آزاد]

آج کل ترکِ سنت سے لاپرواہ ہو کر خواہشات کا بندہ بن کر ضعیف اور کمزور دلیلوں کا سہارا لے کر علماء کرام

اور دیندار طبقہ ناشتے اور افطاریوں میں دستر خوان بچھا کر درجنوں کھانوں کی چیزوں کو رکھ کر تناول فرماتے ہیں، اور جب ان سے کہا جائے کہ یہ سنت کے خلاف ہے تو دیگر تمام لوگوں کو چھوڑیے اہل علم حضرات یہ آیت پڑھتے ہیں: ﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ﴾ [الأعراف:٣٢] (کہہ دیں: کون ہے جس نے زینت کے اس سامان کو حرام قرار دیا ہو جو اللہ نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کیا ہے، اور پاکیزہ رزق کی چیزوں کو؟)۔ اس طرح کی چیزیں اور واقعات ہمارے سامنے آچکے ہیں افسوس کے ساتھ، اگر اس سے کنارہ کشی اختیار کی جائے تو بہت بہتر ہے، اللہ تعالیٰ سمجھ دے۔

.......۞.......۞.......۞.......

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ؕ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖٓ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ٢١ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ٢٢ قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۖ وَاُبَلِّغُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ٢٣ فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ؕ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ؕ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ٢٤ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۢ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ٢٥ وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً ۖ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ٢٦ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ٢٧ فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ؕ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ٢٨

ترجمہ: اور قوم عاد کے بھائی کا ذکر کیجیے جبکہ اس نے اپنی قوم کو احقاف میں ڈرایا، اور حال یہ ہے کہ ان سے پہلے اور پیچھے ڈرانے والے گزر چکے ہیں، یہ کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، بیشک میں تم پر بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں ٢١ وہ لوگ کہنے لگے: کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا کہ ہمیں ہمارے معبودوں سے ہٹا دے؟ سو تو جس کا ہم سے وعدہ کرتا ہے اس کو لے کر آ اگر تو سچوں میں سے ہے ٢٢ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ علم

اللہ کے پاس ہے، اور میں تمہیں وہ بات پہنچاتا ہوں جو میں دے کر بھیجا گیا ہوں، اور لیکن میں تمہیں دیکھ رہا ہوں کہ جہالت کی باتیں کر رہے ہو ﴿٢٣﴾ سو جب انہوں نے بادل کی صورت میں اُسے اپنی وادیوں کے سامنے آتا ہوا دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ بادل ہے جو ہم پر بارش برسائے گا، بلکہ یہ وہی چیز ہے جس کی تم جلدی مچا رہے تھے، یہ ہوا ہے جس میں دردناک عذاب ہے ﴿٢۴﴾ وہ اپنے ربّ کے حکم سے ہر چیز کو ہلاک کر دے گا، پس وہ اس حال میں ہو گئے کہ ان کے گھروں کے سوا کوئی دکھائی نہ دیتا تھا، ہم ایسے ہی مجرم قوم کو سزا دیا کرتے ہیں ﴿٢۵﴾ اور ہم نے انہیں ان چیزوں میں قدرت دی جن میں تم کو قدرت نہیں دی، اور ہم نے انہیں کان اور آنکھیں اور دل بھی دیا، سو نہیں فائدہ نہ دیا ان کے کانوں نے اور ان کی آنکھوں اور ان کے دلوں نے کچھ بھی، اس لئے کہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے، اور گھیر لیا ان کو اس چیز نے (عذاب) جس کے ساتھ وہ ٹھٹا کرتے تھے ﴿٢٦﴾ البتہ تحقیق ہم نے ہلاک کیا تمہارے اردگرد کی بستیوں کو، اور پھیر پھیر کر بیان کی ہیں ہم نے آیتیں تاکہ وہ لوٹ آئیں ﴿٢٧﴾ پس کیوں مدد نہیں کی ان کی انہوں نے جن کو بنا لیا اللہ کے سوا تقرب کے لیے معبود، بلکہ وہ گم ہو گئے ان سے یہ محض ان کا جھوٹ تھا اور وہ افتراء کرتے تھے ﴿٢٨﴾

معارف ومنازل

ان آیات کریمہ میں تباہ شدہ اقوام میں سے سب سے بڑی طاقتور، بڑے قدوقامت والی قومِ عاد کا بیان ہے، سورۂ ہود میں اس قوم کی تباہی کی پوری تفصیل گزر چکی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس قوم کی ہدایت کے لیے حضرت ہود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تھا، جو یمن کے علاقہ احقاف میں آباد تھی، حضرت ہود علیہ السلام نے ستر (٧٠) سال سے زیادہ عرصہ اس قوم کو تبلیغ فرمائی، انہیں توحید کی دعوت دی، بت پرستی سے منع فرمایا، اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کی وعید سنائی کہ اگر تم ایمان نہیں لاؤ گے اور بتوں کو چھوڑ کر توحید کا اقرار نہیں کرو گے تو تمہیں دنیا میں اور آخرت میں بھی اللہ کا عذاب تباہ کر دے گا، مزید تفصیل سورۂ فجر کے فوائد میں دیکھیں۔

﴿وَاذۡكُرۡ اَخَا عَادٍ﴾ آپ تذکرہ کریں قومِ عاد کے بھائی حضرت ہود علیہ السلام کا جو اسی قوم کے ایک فرد تھے، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو انہی کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ ﴿اِذۡ اَنۡذَرَ قَوۡمَهٗ بِالۡاَحۡقَافِ﴾ جب ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو ڈرایا احقاف میں۔ احقاف حقف کی جمع ہے جس کے معنی ہیں: ریت کے بڑے بڑے لمبے ٹیلے، جو عمان سے یمن تک پھیلے ہوئے تھے، بحیرۂ عرب کے ساحل پر واقع یمن کے موجودہ شہر مکلا سے تقریباً دو سو کلومیٹر

شمال کی جانب حضر موت میں ایک مقام ہے جہاں لوگوں نے حضرت ہود علیہ السلام کا مزار بنا رکھا ہے، اور وہ مشہور ہے، حضرت ہود علیہ السلام کی قبر کے ساتھ یہ ریگستانی علاقہ تقریباً تین لاکھ مربع میل ہے، اور اس کو الربع الخالی کہتے ہیں، موجودہ وقت میں اُس میں کسی آبادی کا وجود ہے نہ امکان، اور یہ وہی متکبر ناعاقبت اندیش قوم ہے جو کہتے تھے: ﴿مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً﴾ [السجدة: ۱۵] (ہم سے بڑھ کر دنیا میں کوئی قوت والی قوم نہیں)۔

﴿وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ﴾ تحقیق ان سے پہلے بھی خدا کے ڈرانے والے نبی گزر چکے تھے، جیسے نوح علیہ السلام، اور آپ کے بعد بھی لوگوں کو ڈرانے والے نبی آئے جیسے صالح علیہ السلام جو قومِ ثمود میں آئے، قوم ثمود قومِ عاد کی ایک ذیلی شاخ ہے، جو مقامِ حجر میں آباد تھی، ثمود کی ہلاکت قومِ عاد کی ہلاکت سے دو سو سال بعد ہے، یہ دونوں خالص عرب تھے، اور نوح علیہ السلام کے بیٹے سام کی اولاد تھے، حضرت ہود علیہ السلام نے قوم کو یہ درس دیا:

﴿اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ﴾ اے لوگو! اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، یہ لوگ بھی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کی طرح ودّ، یغوث، یعوق، نسر، صمود اور ہتار کی پوجا کرتے تھے، یہ آخری دو بت صمود اور ہتار ان کا اضافہ حضرت ابن عباس کی روایت میں ہے۔ ﴿اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ﴾ مجھے خوف ہے کہ تم بڑے دن کے عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ یومِ عظیم بڑے دن سے مراد قیامت کا دن ہے، پیغمبر کے جواب میں قوم نے کہا:

﴿قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا﴾ اے ہود! کیا تو ہمیں ہمارے معبودوں سے پھیرنا چاہتا ہے؟ صرف ایک خدا کی عبادت کا یہی مطلب ہے کہ ہم اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں، جیسے دوسرے مقام میں ارشاد ہے: ﴿اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ۵﴾ [ص] (کیا اس نے بہت سارے معبودوں کو ایک معبود بنا لیا؟ بیشک یہ بڑی عجیب چیز ہے) دیکھو یہ کیسا نبی ہے کہ سارے معبودوں کو ایک بنا کر رکھا ہے، بڑی تعجب کی بات ہے۔ ﴿فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ اگر تو اپنے دعوے میں سچا ہے تو ہم پر وہ عذاب لے آ جس سے تو ہمیں ڈراتا ہے، یہ بطور استہزاء کہا کرتے تھے، اور کبھی انہوں نے نبی پر یہ الزام بھی لگایا: ﴿اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ﴾ [ہود: ۵۴] (ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارے کسی معبود نے تمہارا دماغ خراب کر دیا ہے، اس لیے تو بہکی بہکی باتیں کرتا ہے)۔ ہود علیہ السلام نے جواب دیا:

عائشہ! مجھے ڈر ہے کہ یہ بادل ایسے بادل نہ ہوں جیسے قوم عاد پر آئے تھے، اور انہیں تباہ کر دیا گیا تھا۔ [مشکوٰۃ]

﴿كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ﴾ ہم مجرم لوگوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں، پس مکے والوں کو بھی آگاہ ہونا چاہئے کہ تم ہر اعتبار سے قوم عاد سے کمزور ہو، اگر تم ان کے نقش قدم پر چلو گے تو تمہارا انجام بھی انہی کی طرح ہوگا۔ ﴿وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً﴾ تحقیق ہم نے سابقہ اقوام عاد وثمود وغیرہ کو اُن چیزوں میں قدرت دی جن میں تم کو قدرت نہیں دی گئی، وہ یہ کہ ہم نے ان کو سننے کے لیے کان، دیکھنے کے لیے آنکھیں اور غور وفکر کے لیے دل عطا کیے، یہ خطاب اہل مکہ کو ہے کہ تم کس بات پر اکڑتے اور غرور کرتے ہو؟ تمہیں تو سابقہ اقوام کے عُشرِ عشیر یعنی سویں حصے کے برابر بھی مال ودولت، طاقت، قوم، افراد، جتھ، لشکر، وسائل اور رزق نہیں دیا گیا، پھر تم کس بات میں غلط فہمی کا شکار ہو کہ ہم پر عذاب نہیں آئے گا، اور گزشتہ اقوام کی طرح تباہ نہیں ہوں گے۔

﴿فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ﴾ مگر کام نہ آئے ان کے کان اور نہ ان کی نگاہیں اور نہ ان کے دل کسی چیز میں، نہ انہوں نے کان سے حق کو سنا، نہ آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر قائم دلائل قدرت کا مشاہدہ کیا، اور نہ ہی دلوں میں کوئی تصدیق ویقین پیدا ہوا، بلکہ وہ اپنے کبر وغرور پر جمے رہے۔

﴿اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے رہے۔ ﴿وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ سو گھیر لیا اور ان کے ساتھ چمٹ کر وہ عذاب جس پر وہ استہزاء کرتے تھے، وہ عذاب ان پر مسلط ہوا، اور ان کی ظاہری وباطنی قوتیں سب ناکارہ اور بے کار ثابت ہوئیں۔

﴿وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴾ اور البتہ ہم نے تمہارے آس پاس یعنی اردگرد کی بستیوں کو بھی ہلاک کیا، ان بستیوں سے مراد قوم ثمود وقوم لوط کی بستیاں ہیں، جو اہل مکہ سے قریب تھیں، اور ہم آیات کو پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں تا کہ وہ لوٹ جائیں اور ہدایت پر پلٹ جائیں، مگر وہ دلائل ومعجزات سے انحراف کرنے پر مصر رہے اور ہلاک ہوئے۔ ﴿فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً﴾ تو کیوں نہ مدد کی انہوں نے جن کو ان بدبختوں نے اپنا معبود بنا لیا تھا، تقرب حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر۔ ﴿بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ﴾ مدد تو کیا کرتے بلکہ وہ تو ان سے گم ہو گئے، یا ان سے لاتعلقی کا اظہار کرتے

ہوئے ان کے دشمن بن گئے۔

﴿وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ﴾ یہ تو محض ان کا جھوٹ تھا کہ یہ معبود ہماری مدد کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے حضور ہماری شفاعت کریں گے، یہ جو کچھ کہتے رہے اور کرتے رہے وہ سب جھوٹ اور منگھڑت ثابت ہوا، اور افسانے بن گئے۔

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ
وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿۲۹﴾ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا
بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۰﴾ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ
لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۱﴾ وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي
الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ ۭ اُولٰۗئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۲﴾

ترجمہ: اور جب ہم نے آپ کی طرف جنات کی ایک جماعت کو پھیر دیا جو قرآن سننے لگے، سو جب یہ لوگ قرآن کے پاس حاضر ہوئے تو کہنے لگے کہ چپ رہو، پھر جب قرآن پڑھا جا چکا تو اپنی قوم کی طرف ڈرانے والے بن کر چلے گئے ﴿۲۹﴾ کہنے لگے: اے ہماری قوم! بیشک ہم نے ایسی کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے، وہ ان کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے تھیں، وہ حق کی طرف اور سیدھے راستہ کی طرف ہدایت دینے والی ہے ﴿۳۰﴾ اے ہماری قوم! اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے کی بات مان لو، اور اس پر ایمان لے آؤ، اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو معاف فرما دے گا، اور تمہیں سخت عذاب سے بچا دے گا ﴿۳۱﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے کی بات نہ مانے تو وہ زمین میں عاجز کرنے والا نہیں ہے، اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ولی نہ ہوگا، یہ لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں ﴿۳۲﴾

معارف ومنازل

سید الانبیاء خاتم المرسلین محمد ﷺ رسول الثقلین ہیں، آپ تمام کائنات جنات اور انسانوں کے لیے مبعوث ہوئے، یہاں سورۃ الاحقاف میں اور سورۃ الجن میں جنات کا خدمت گرامی میں حاضر ہونا اور آپ ﷺ سے قرآن

کریم سننا اور اس پر ایمان لانا مذکور ہے۔ علماء حدیث نے بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ جنات کی آبادی میں تبلیغ کے لیے تشریف لے گئے، اور انہیں ایمان و توحید اور احکامِ شرعیہ کی تبلیغ فرمائی، محدّثین کی اصطلاح میں اسے لیلۃ الجن کہتے ہیں، اور وہ فرماتے ہیں کہ لیلۃ الجن کا واقعہ چھ مرتبہ پیش آیا۔ [معالم التنزیل]

بعض روایات میں ہے کہ رسول خدا ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ جنات کو تبلیغ کریں، انہیں ایمان لانے کی دعوت دیں، اور انہیں قرآن سنائیں، پھر اللہ تعالیٰ نے نینوا بستی کے رہنے والے جنات میں سے ایک جماعت کو آپ کے پاس بھیج دیا، آپ تشریف لے جانے لگے تو عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بھی ساتھ چلے گئے، یہ ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے، حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم چلتے چلتے شعب الحجون پہنچ گئے، قبرستان کا پرانا نام الحجون ہے، وہاں پہنچ کر رسول ﷺ نے خط کھینچ کر میرے لئے جگہ تجویز فرمادی اور ارشاد فرمایا کہ میرے واپس آنے تک اسی جگہ رہنا، آپ ﷺ مجھے چھوڑ کر آگے تشریف لے گئے، وہاں قرآن مجید پڑھنا شروع کیا، آپ ﷺ کے آس پاس گدھوں جیسی چیزیں جمع ہوگئیں، اور میں نے طرح طرح کی سخت آوازیں سنیں، یہاں تک کہ مجھے آپ ﷺ کی جان کا خطرہ ہوگیا، آپ ﷺ کی آواز بھی مجھ سے اوجھل ہوگئی، پھر میں نے دیکھا کہ وہ لوگ بادلوں کے ٹکڑوں کی طرح واپس جارہے ہیں، اور رسول اللہ ﷺ ان سے فارغ ہوکر فجر کے بعد تشریف لائے، اور مجھ سے فرمایا: کیا تمہیں نیند آگئی تھی؟ میں نے عرض کیا کہ مجھے نیند کیا آتی مجھے تو آپ کی جان عزیز کا خیال آرہا تھا، بار بار خیال ہوا کہ میں لوگوں کو بلاؤں تاکہ آپ کا حال معلوم کریں۔ فرمایا: اگر تم اپنی جگہ سے چلے جاتے تو اس کا کچھ اطمینان نہیں تھا کہ ان میں سے کوئی تمہیں اُچک لیتا۔

پھر فرمایا کہ کیا تم نے کچھ دیکھا؟ عرض کیا کہ میں نے کالے رنگ کے لوگوں کو دیکھا جو سفید کپڑے لپیٹے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ شہر نصیبین کے جنات تھے، انہوں نے مجھ سے کہا کہ ہمارے لئے کچھ بطور خوراک تجویز فرمادیجئے، لہٰذا میں نے ان کے لیے ہڈی، اور گھوڑے وغیرہ کی لید، نیز اونٹ اور بکری وغیرہ کی مینگنی تجویز کردی۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ان چیزوں سے ان کا کیا کام چلے گا؟ فرمایا: وہ جو بھی کوئی ہڈی پائیں گے اس پر اتنا ہی گوشت ملے گا جتنا اس دن تھا، جس دن اس سے گوشت چھڑایا گیا، اور جو بھی لید پائیں گے انہیں اس پر وہ دانے ملیں گے جو جانوروں نے کھائے تھے (جن کی لید بن گئی تھی)۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے سخت آوازیں سنیں، یہ کیا بات تھی؟ فرمایا: جنات میں ایک قتل ہوگیا تھا وہ اُسے ایک دوسرے پر ڈال رہے تھے، وہ

میرے پاس فیصلہ کرانے کے لیے آئے تھے، میں نے ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کردیا۔

بعض روایات میں ہے کہ ہڈی جنات کی خوراک اور مینگنی کو ان کے جانوروں کی خوراک تجویز کیا، اسی وجہ سے ان سے استنجاء کرنے کی ممانعت فرمادی۔ ایک روایت میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان یوں بھی نقل کیا گیا کہ لیلۃ الجن کی صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غار حراء کی طرف تشریف لائے ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم رات بھر آپ کو ڈھونڈتے پھرے، آپ سے ملاقات نہ ہوسکی، فکر اور غم میں ہم نے پوری رات گزاری۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جنات کی طرف سے ایک بلانے والا میری طرف آیا تھا، میں اس کے ساتھ چلا گیا، اور ان کو قرآن مجید سنایا، جنات نے قرآن مجید سنا تو آپس میں کہنے لگے کہ خاموش رہو دھیان سے سنو! جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تلاوت ختم فرمادی تو جنات واپس ہوگئے اور ساتھ ہی مبلغ اور داعی بھی بن گئے، واپس ہوکر انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ ہم نے ایسی کتاب سنی ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل ہوئی ہے، یہ واقعی اللہ کی کتاب ہے، جو کتابیں اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئیں یہ ان کی تصدیق کرنے والی ہے، اور حق کی طرف اور راہ مستقیم کی طرف ہدایت دیتی ہے۔

اس سے بعض مفسرین نے یہ بات ثابت کی ہے کہ یہ جنات جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرآن مجید سنا، پھر واپس ہوکر اپنی قوم کو دین اسلام کی دعوت دی، یہ لوگ یہودی تھے، جنات کی جماعت نے اپنی قوم سے خطاب کرتے ہوئے مزید کہا کہ اللہ کے داعی یعنی سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات مانو اور ایمان لے آؤ، جب ایمان لے آؤ گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف فرمادے گا، اور تمہیں دردناک عذاب سے بچادے گا۔

جو جنات ایمان لے آئے ان کا اجر وثواب یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے گناہ معاف فرمادے گا، اور انہیں عذاب سے بچادے گا، اس میں جنت کے داخلہ کا ذکر نہیں ہے، چونکہ مؤمن جنات کے جنت میں داخل ہونے کا کسی آیت کریمہ واضح اور صریح تذکرہ نہیں ہے، اور کوئی حدیث مرفوع، صحیح، صریح بھی اس بارے میں نہیں ملتی، اس لئے یہ مسئلہ اختلافی ہوگیا ہے، بعض حضرات کہتے ہیں کہ وہ جنت میں داخل ہوں گے، اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ ان کے ایمان کا صلہ بس یہی ہے کہ وہ دوزخ سے محفوظ کردیئے جائیں، اور ان سے کہہ دیا جائے گا کہ مٹی ہوجاؤ، جیسا کہ جانوروں کے لیے یہی ارشاد ہوگا، لہٰذا وہ مٹی ہوجائیں گے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں توقف فرمایا ہے۔ مزید تفصیل سورۂ رحمن میں آنے والی ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

﴿وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ﴾ اس واقعہ کو یاد کرو جب ہم نے جنات کے گروہ کو آپ کی طرف

پھیر دیا۔ ﴿یَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ﴾ کہ وہ جنات قرآن پاک سننے لگے۔ ﴿فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْۤا اَنْصِتُوْا﴾ پس جب وہ اس موقع پر پہنچے تو ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ خاموش رہو، دل لگا کر سنو۔ ﴿فَلَمَّا قُضِیَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِیْنَ﴾ پھر جب وہ تلاوت ختم ہوگئی تو وہ جنات اپنی قوم کی طرف لوٹ گئے، ایماندار ہدایت یافتہ اور ڈرانے والے بن گئے۔ ﴿قَالُوْا یٰقَوْمَنَاۤ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى﴾ تو وہ کہنے لگے کہ اے ہماری قوم کے لوگو! بیشک ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل کی گئی۔

﴿مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ﴾ جو اپنے سے پہلے کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے۔ ﴿یَهْدِیْۤ اِلَى الْحَقِّ وَ اِلٰى طَرِیْقٍ مُّسْتَقِیْمٍ﴾ کہ وہ سچے دین اور سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتی ہے، لہٰذا تم یہ کرو:

﴿یٰقَوْمَنَاۤ اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰهِ﴾ اے ہماری قوم کے لوگو! اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والے نبی کی دعوت کو قبول کرو۔ ﴿وَ اٰمِنُوْا بِهٖ یَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ﴾ اور اس پر ایمان لے آؤ، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں میں سے کچھ معاف کر دے گا۔ ﴿وَ یُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ﴾ دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ تمہیں دردناک عذاب سے بھی پناہ دے گا۔ ﴿وَ مَنْ لَّا یُجِبْ دَاعِیَ اللّٰهِ﴾ اور جو کوئی اللہ کی طرف دعوت دینے والے نبی کی دعوت کو قبول نہیں کرے گا:

﴿فَلَیْسَ بِمُعْجِزٍ فِی الْاَرْضِ﴾ وہ زمین میں عاجز نہیں کر سکے گا، اللہ کے عذاب سے بچ نہیں سکے گا۔

﴿وَ لَیْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءُ﴾ اور نہ ہی اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مددگار ہوگا جو اُسے عذاب سے بچائے۔ ﴿اُولٰٓىِٕكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ﴾ یہی لوگ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔

اَوَ لَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ لَمْ یَعْیَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ یُّحْیِ الْمَوْتٰى ؕ بَلٰۤى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۳۳﴾ وَ یَوْمَ یُعْرَضُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ؕ اَلَیْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَ رَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۴﴾

ترجمہ: کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا؟ وہ ان کو پیدا کرنے سے نہیں تھکا، وہ اس پر قادر ہے کہ مردوں کو زندہ کرے، ہاں! اسے ضرور قدرت ہے، بیشک وہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿۳۳﴾ اور جس روز

کافرلوگ آگ پر پیش کئے جائیں گے کیا یہ حق نہیں ہے؟ کہیں گے کہ قسم ہے ہمارے ربّ کی یہ ضرور امر واقعی ہے، ارشاد ہوگا: تو چکھ لو عذاب اس سبب سے کہ تم کفر کرتے تھے ﴿۳۴﴾

معارف ومنازل

سورت کے اختتام پر وقوعِ قیامت اور جزائے عمل کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ کیا ان لوگوں نے نہیں دیکھا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا؟ ﴿وَلَمْ یَعْیَ بِخَلْقِهِنَّ﴾ مگر وہ انہیں تخلیق کرنے کی وجہ سے تھکا نہیں۔قرآن حکیم میں اس بات کا خاص طور پر تذکرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، اس کے لئے کوئی کام مشکل نہیں، اور وہ لمحوں میں پورے جہاں کو بنا بھی سکتا ہے اور فنا بھی کرسکتا ہے، بغیر کسی تھکاوٹ کے۔ دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ﴾ [ق:۳۸] (ہم نے آسمانوں اور زمین اور اُن کے درمیان کی تمام اشیاء کو چھ دن میں پیدا کیا، اور ہم کو ذرا بھی تھکاوٹ نہیں ہوئی)۔

﴿بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ یُّحْیِیَ الْمَوْتٰی﴾ کیا وہ اس کام پر قادر نہیں ہے کہ مردوں کو دوبارہ زندہ کردے؟ پھر خود ہی جواب ارشاد فرمایا: ﴿بَلٰٓی اِنَّهٗ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ کیوں نہیں؟ بلاشبہ وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔آگے جزائے عمل کا بیان ہے۔

﴿وَیَوْمَ یُعْرَضُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ﴾ اور جس دن کفر کرنے والوں کو آگ پر پیش کیا جائے گا تو اُن سے پوچھا جائے گا: ﴿اَلَیْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰی وَرَبِّنَا﴾ کیا یہ قیامت اور جزائے عمل کا آنا حق نہیں ہے؟ اس وقت وہ اقرار کریں گے کہ ہمارے پروردگار کی قسم! یہ تو بالکل حق اور سچ ہے۔اب اللہ کی طرف سے حکم ہوگا: ﴿قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ﴾ پس اس کا عذاب چکھو اس کے بدلے میں جو تم کفر کیا کرتے تھے، یہ عذاب تمہارے کفر کا نتیجہ ہے۔

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ؕ كَاَنَّهُمْ یَوْمَ یَرَوْنَ مَا

يُوْعَدُوْنَ ۙ لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ۭ بَلٰغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٣٥﴾

ترجمہ: سو آپ صبر کیجئے، جیسے ہمت والے پیغمبروں نے صبر کیا، اور ان لوگوں کیلئے جلدی نہ کیجئے، جس دن یہ لوگ وعدہ کی چیز کو دیکھیں گے گویا صرف دن کی ایک گھڑی ٹھہرے تھے، یہ پہنچا دینا ہے، سو ہلاک نہیں ہوں گے مگر نافرمانی کرنے والے ہی ﴿٣٥﴾

معارف ومنازل

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت اور محنت اور جدو جہد برابر جاری رہی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخاطبین انکار وعناد پر تلے ہوئے تھے، اس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رنج ہوتا تھا، اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے اور صبر کی تلقین کرنے کیلئے فرمایا: ﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾ سو آپ صبر کیجئے، جیسے ہمت والے پیغمبروں نے صبر کیا۔ ﴿وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ﴾ اور اُن لوگوں کے لیے جلدی نہ کیجئے، یعنی ان پر جلدی عذاب آجائے اس فکر میں نہ پڑیئے۔ ﴿كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ﴾ جس دن یہ لوگ وعدہ کی چیز کو دیکھیں گے گویا کہ دن کی ایک گھڑی سے زیادہ نہیں ٹھہرے۔ یعنی عذاب میں جو دیر لگ رہی ہے وہ اس کی وجہ سے یہ سمجھ رہے ہیں کہ عذاب نہیں آئے گا، لیکن جب عذاب آجائے گا تو وہ یوں سمجھیں گے کہ دنیا میں جو زندگی گزاری وہ صرف ایک گھڑی ہی تھی، دنیا کی لمبی زندگی کو جس میں خوب مزے کئے اُسے شدت عذاب کی وجہ سے بھول جائیں گے۔

﴿بَلٰغٌ﴾ یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے، یعنی یہ جو کچھ تمہیں بتایا گیا، سنایا گیا یہ نصیحت اور موعظت کے اعتبار سے کافی ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ هٰذا جو محذوف ہے اس کا مشار الیہ قرآن مجید ہے، مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم نے اللہ کی طرف سے تمہیں حق پہنچا دیا، ثواب کی چیزیں بھی بتا دیں، گناہ کے کاموں سے بھی آگاہ کر دیا، تبلیغ کا حق ادا کر دیا، اب عمل نہ کرو گے تو عذاب میں گرفتار ہو گے۔ ﴿فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ سو عذاب کے ذریعہ فاسق لوگ ہی ہلاک ہوں گے جو اللہ کی باغی ہیں، اس کی فرمانبرداری سے دور ہیں۔

فائدہ:

آیت کریمہ میں جو ﴿اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾ فرمایا ہے بعض حضرات کے نزدیک مِنْ بیانیہ

ہے، اور اُن حضرات کے نزدیک آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام رسول اولوا العزم یعنی ہمت اور حوصلہ والے تھے، جیسے اُن حضرات نے صبر کیا آپ بھی صبر کیجئے، اس تفسیر کی بناء پر تمام انبیائے کرام اور رُسل عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام اولوا العزم کی صفت سے متصف تھے۔

اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ مِنْ تبعیضیہ ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو رسول بھیجے تھے اُن میں جو اولوا العزم تھے آپ اُن کا اتباع کیجئے، جب یہ تفسیر کر دی گئی تو یہ سمجھنے کی ضرورت محسوس ہوئی کہ اُن حضرات میں کون کون اولوا العزم تھے؟ پھر اُن حضرات کے نام تجویز کئے گئے، کسی نے صرف حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کا استثناء کیا، اور کہا کہ وہ اہل عزم نہیں تھے، کیونکہ انہوں نے اپنی قوم کو چھوڑ کر چلے جانے میں جلدی کی تھی اور اللہ تعالیٰ شانہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَلَا تَكُن كَصَاحِبِ الْحُوتِ﴾ [القلم: ۴۸] (اور آپ مچھلی والے کی طرح نہ ہوں)۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اولوا العزم سے وہ حضرات مراد ہیں جو سورۃ الانعام کی آیت: ﴿وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ﴾ [الأنعام: ۸۳] میں مذکور ہیں، اور یہ اٹھارہ ہیں، اُن کا ذکر فرما کر اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا:

﴿أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ﴾ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت دی، سو آپ ان کی ہدایت کا اتباع کیجئے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ اولوا العزم سے وہ حضرات مراد ہیں جو اصحاب شرائع تھے، یعنی حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام، یہ چار ہیں، پانچویں صاحب شریعت سیدنا حضرت محمد رسول اللہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

سُورَۃُ مُحَمَّد

مدنیۃٌ آیاتہا ۳۸ رکوعاتہا ۴

سورۂ محمد مدنی ہے، اس میں اڑتیس (۳۸) آیتیں، اور چار (۴) رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نام:

اس سورت کا نام سورۃ محمد ہے جو اس سورت کی دوسری آیت میں موجود ہے یہ نام اسی سے ماخوذ ہے، اور اس سورت کا نام سورۃ القتال بھی ہے۔ یہ سورت ترتیب تلاوت میں ۴۷ ویں نمبر پر ہے، اور ترتیب نزول میں ۹۵ ویں نمبر پر ہے۔

نزول:

جمہور علماء کے نزدیک یہ سورت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہے، حضرت ابن عباس اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے۔

تعداد کلمات وحروف:

اس سورت میں ۴ رکوع، ۳۸ آیات اور ۵۵۸ کلمات ہیں، اور یہ ۲۴۷۵ حروف پر مشتمل ہے۔

ربط ومناسبت:

ماقبل سورت میں جنات کے ایمان لانے کا بیان گزرا کہ وہ اہل زبان بھی نہیں تھے جو قرآن مجید کے معنیٰ اور

مفہوم کو سمجھ جاتے، اور کوئی وفد بھی ان کے پاس اس مقصد کو لے کر نہیں آیا تھا کہ تم لوگ اسلام قبول کرلو، انہوں نے چلتے چلتے میں قرآن سنا اور بلا تأمل اسلام قبول کیا، جبکہ اہل مکہ اہل زبان بھی تھے اور نبی کریم ﷺ بھی ان کے پاس مبعوث ہوئے تھے، انہوں نے چالیس پچاس سال سے آپ ﷺ کی پاکیزہ زندگی کا مطالعہ بھی کیا تھا، اس کے باوجود وہ ایمان نہیں لائے اور حق کو قبول نہیں کیا۔ اس سورۂ محمد میں ان کے ساتھ پوری قوت کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم ہے۔ اور اس سورت کی ابتداء بھی ایک عجیب اور پرعظمت اعلان سے ہو رہی ہے کہ کافر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دشمن ہیں، لہٰذا ان کے ساتھ قتال و جہاد کیا جائے، اور انہیں صفحۂ ہستی سے اسی طرح مٹا دیا جائے جس طرح گزشتہ اقوامِ عالم کو اللہ تعالیٰ نے مٹا دیا، اسی وجہ سے اس سورت کا نام سورۃ القتال بھی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ① وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ② ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ③

ترجمہ: جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ تعالیٰ کے راستہ سے روکا، اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو ضائع فرما دیا ① اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے اور جو کچھ محمد پر نازل ہوا اس پر ایمان لائے، اور وہ ان کے ربّ کی طرف سے امر واقعی ہے، اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کا کفارہ فرما دے گا، اور ان کے حال کو درست فرما دے گا ② یہ اس وجہ سے کہ کافروں نے باطل کا اتباع کیا، اور بیشک جو لوگ ایمان لائے انہوں نے حق کا اتباع کیا، جو ان کے ربّ کی طرف سے ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے ان کے احوال بیان فرماتا ہے ③

معارف ومنازل

ان مذکورہ بالا آیات میں اہل کفر اور اہل ایمان کے درمیان فرق واضح فرمایا ہے، اور اہل کفر کی سزا اور اہل

ایمان کی جزا بیان فرمائی ہے۔ اول تو یہ فرمایا کہ جنہوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستے سے لوگوں کو روکا، اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال ضائع کردیئے، کفر و شرک پر تو کسی خیر کی امید رکھنے کا کوئی سوال ہی نہیں، اہل کفر جو کبھی کبھی صلہ رحمی کرتے ہیں یا لوگوں کی خدمت کرتے ہیں، یا لوگوں کے ساتھ تعاون کرتے ہیں آخرت میں انہیں ان چیزوں کا کوئی ثواب نہیں ملے گا، کافروں کا پہاڑوں جتنا اچھا عمل قیامت میں ذرہ برابر فائدہ نہیں دے گا، ان کے اعمال کے ضائع ہونے کا سبب کفر ہی ہے، پھر انہوں نے اللہ کے راستے سے لوگوں کو روکنے کا جو غلط کام کیا یہ ان کے اعمال کے ضائع ہونے کا دوسرا سبب ہے۔ بخلاف مؤمنوں کے کہ ان کا اصل سرمایہ ایمان ہے جس کی بڑی قدر و منزلت ہے، اسی وجہ سے ان کا ذرہ برابر عمل خیر قیامت کے دن پہاڑوں کے برابر ہوگا، ان کا کوئی عمل ضائع بھی نہیں ہوگا، اور اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت بھی فرمائیں گے، اور انہیں ابدی جنت اور سعادتوں سے نوازیں گے۔

﴿اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ﴾ جن لوگوں نے کفر کیا اور دوسروں کو اللہ کے راستے سے روکا، انہوں نے اپنے اعمال برباد کردیئے، اگرچہ قبل از اسلام ان کے اعمال کتنے ہی بہتر ہوں، انہوں نے سخاوت کی ہو، غریبوں اور محتاجوں کی مدد کی ہو، خلقِ خدا کو فائدہ پہنچایا ہو جیسا کہ زمانۂ جاہلیت میں بہت سارے لوگ عجیب عجیب خیر کے کام کرتے تھے، لیکن جب انہوں نے قرآن کی تکذیب کی، اور دین اسلام کو قبول کرنے سے انکار کردیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق نہیں کی، تو ان کی سب نیکیاں اور خوبیاں برباد ہوگئیں۔

﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے اور تصدیق کی اس کتاب یا دین کی جو نازل ہوئی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر، اور وہی تو حق ہے ان کے پروردگار کی طرف سے، تو اللہ تعالیٰ نے ایمان اور تصدیق کی وجہ سے ان کی ساری برائیاں مٹادیں، جو کچھ انہوں نے جاہلیت کے زمانے میں غلط کام کیے، سب معاف ہوگئے، اور اللہ تعالیٰ نے درست کردیا ان کا حال، جیسے کسی بیمار کو شفاء حاصل ہو، ظاہر ہے کہ کفر اور معاصی کا برائیوں میں بیماریوں میں شمار ہے، اور اسلام ایک صحت مندی اور تندرستی کا نام ہے، جیسے ایک مریض بیماری سے شفاء پاتا ہے تو ایک کافر مسلمان ہونے کے بعد تندرستی حاصل کرتا ہے۔

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ كَذٰلِكَ یَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ﴾ یہ اس وجہ سے ہے کہ کافروں نے پیروی کی باطل کی، اور ایمان

والوں نے اتباع کیا حق کا، جو ان کے ربّ کی طرف سے ہے، بس اللہ تعالیٰ یوں ہی قائم کر دیتا ہے لوگوں کے واسطے ان کی مثالیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان فرمانبردار لوگ اچھے لوگوں کے لیے نمونہ بن جاتے ہیں، بعد والے لوگ ان کے نقش قدم پر چل کر ہدایت پاتے ہیں، اور اہل کفر واہل معاصی برے لوگوں کے لیے نمونہ بنتے ہیں، بعد میں آنے والے برے لوگ ان کے نقش قدم پر چل کر گمراہی اختیار کرتے ہیں۔

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۛ۟ ذٰلِكَ ؕ وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا۟ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ؕ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝۴ سَيَهْدِيْهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ۝۵ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ۝۶

ترجمہ: اے ایمان والو! سو جب تم کافروں سے مقابلہ کرو تو ان کی گردنیں مارو، یہاں تک کہ جب تم اچھی طرح سے ان کی خونریزی کر دو تو خوب مضبوط باندھ دو، پھر اس کے بعد یا تو بلا معاوضہ چھوڑ دو، یا ان کی جانوں کا فدیہ لے کر چھوڑ دو، جب تک کہ لڑائی اپنے ہتھیاروں کو نہ رکھ دے، یہ اسی طرح ہے، اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ان سے انتقام لے لے، اور لیکن تاکہ تم میں بعض کا بعض کے ذریعہ امتحان فرمائے، اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کیے گئے سو اللہ تعالیٰ ہرگز ان کے اعمال ضائع نہ فرمائے گا۴ اور انہیں عنقریب مقصود تک پہنچا دے گا، اور ان کا حال درست فرما دے گا۵ اور انہیں جنت میں داخل فرما دے گا جس کی انہیں پہچان کر دے گا۶

معارف ومنازل

یہ آیات متعدد مضامین پر مشتمل ہیں، اور جہاد وقتال کے بعض ضروری جزئیات کا صراحۃً بیان ہے، اور اس میں جہاد کی فضیلت بھی ہے، شہداء کے مقام ومرتبہ کا بھی بیان ہے، اور کافروں کی بدحالی اور تباہی کا تذکرہ بھی ہے، ارشاد فرمایا کہ جب کافروں سے تمہارا مقابلہ ہو جائے، اور قتل وقتال کی نوبت ہو جائے، تو دشمنانِ اسلام کے قتل کرنے

میں کوئی کوتاہی نہ کرو، ان میں سے جو قتل ہو جائے ان کے علاوہ جو زندہ ہوان کو قید کرلو، اوران کے ہاتھ پاؤں مضبوط باندھ لو، اس کے بعد ان کو احسان کے طور پر، یا اپنے قیدیوں کو چھڑانے کے بدلے میں چھوڑ دو۔

﴿فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ط حَتَّىٰ إِذَا أَثْخَنتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً﴾ جب ان کو خوب قتل کر چکو تو باقی کافروں کو مضبوط باندھ لو، قید و بند سے، پھر اس کے بعد یا احسان کر کے ان کو رہا کرتے ہوئے چھوڑ دو، یا فدیہ اور معاوضہ لے لو۔ بہر حال! حالات اور مصلحت کے مطابق مسلمان جو بھی صورت اختیار کریں کہ جس میں مسلمانوں کا فائدہ ہو اور کفار کی ذلت ہو جائز ہوگا۔

﴿حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا﴾ یہاں تک کہ لڑائی اپنے اوزار رکھ دے، یعنی جنگ بند ہو جائے، اس سے وہ خاص جنگ بھی مراد ہوسکتی ہے جو وقتی طور پر جاری رہی، اور پھر فتح وشکست یا کسی معاہدے کے تحت ختم ہوگئی۔ دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کفر کے خلاف جنگ کو جاری رکھا جائے، یہاں تک کہ دنیا میں مکمل امن وامان ہو جائے، اور کہیں بھی جنگ کی ضرورت باقی نہ رہے۔

﴿ذَٰلِكَ ۚ وَلَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَانتَصَرَ مِنْهُمْ﴾ یہ اسی وجہ سے اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کفار سے کسی دوسرے طریقے سے بھی انتقام لے، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ بغیر کسی جنگ کے کسی بھی قدرت وآفت کے ذریعے ان کو ہلاک کر دے، جس طرح ہلاک شدہ اقوام کی تاریخ ہمارے سامنے ہے۔

اب جنگ کی ایک حکمت کا بیان:

﴿وَلَٰكِن لِّيَبْلُوَ بَعْضَكُم بِبَعْضٍ﴾ اللہ تعالیٰ تم میں سے بعض کو بعض کے ذریعہ آزماتا ہے، تاکہ معلوم ہو تم میں سے کون کون دین کے لیے قربانی دینے کے لیے تیار ہے؟ آگے شہداء کے فضائل کا بیان ہے:

﴿وَالَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَلَن يُضِلَّ أَعْمَالَهُمْ﴾ اور جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید ہو گئے تو اللہ تعالیٰ ان کے نیک اعمال ضائع نہیں کرے گا، ان کو نہ صرف پورا پورا بدلہ ملے گا، بلکہ ان کو بلند اور عظیم مراتب نصیب ہوں گے۔

﴿سَيَهْدِيهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ۝٥ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ﴾ اول انعام ان کو یہ ملے گا کہ اللہ ان کی راہنمائی فرمائے گا دنیا میں، دوسرا انعام یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان کے حال درست فرمائے گا، تیسرا انعام یہ ہوگا کہ انہیں جنت میں داخل فرمائے گا جس کی ان کو پہچان کرادی گئی ہے، انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے سارے

مسلمانوں کے سامنے جنت کا تعارف کرایا تھا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ⑦ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا
لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ⑧ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ⑨ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا
فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۡ وَلِلْكٰفِرِيْنَ
اَمْثَالُهَا ⑩ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ⑪

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر تم اللہ تعالیٰ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد فرمائے گا، اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا ⑦ اور جن لوگوں نے کفر کیا سو ان کے لئے ہلاکت ہے، اور اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو ضائع کردے گا ⑧ یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے اس چیز کو مکروہ جانا جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی، سو اس نے ان کے اعمال کو اکارت کردیا ⑨ کیا یہ لوگ زمین میں نہیں چلے پھرے؟ سو انہوں نے نہیں دیکھا کیسا ہوا ان کا انجام جو ان سے پہلے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان پر تباہی ڈال دی، اور کافروں کے لیے اسی قسم کی چیزیں ہیں ⑩ یہ اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا مولیٰ ہے، اور بلاشبہ کافروں کے لیے کوئی بھی مولیٰ نہیں ⑪

معارف ومنازل

ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد اور نصرت کا مشروط وعدہ فرمایا کہ اگر تم میری مدد کرو گے تب میں تمہاری مدد کروں گا۔

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ﴾ اے ایمان والو! اگر تم اللہ تعالیٰ کی مدد کرو گے، مطلب یہ ہے کہ اس کے دین کی سربلندی کے لئے کوشش کرو گے، جانی اور مالی قربانی دو گے، تو وہ تمہاری مدد فرمائے گا، اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا، دشمن کا رعب تمہارے دلوں سے نکال دے گا، اور تمہارا رعب دشمن کے دل میں ڈال دے گا، یہ ہے ثابت قدمی کا معنیٰ، اور تمہیں عزم واستقامت عطا فرمائے گا، اور تمہیں یہ انعام بھی ملے گا کہ تمہارا دشمن بدحال ہوگا۔

﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ﴾ اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لیے ہلاکت

ہے، اور اللہ نے اُن کے اعمال ضائع کر دیئے، یہ اُن کی دنیاوی سزا ہے، اور آخرت کی سزا یہ ہے:

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ﴾ ان کی یہ ہلاکت اور اعمال کا حبط ہونا اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے اس کو ناپسند کیا جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال حبط فرما دیئے۔

آگے ان کو تنبیہ ہے: ﴿اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۫ وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا﴾ کیا یہ لوگ زمین میں نہیں چلے پھرے؟ سو اُن لوگوں کا انجام دیکھ لیتے جو اُن سے پہلے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک فرما دیا، وہ صفحۂ ہستی سے مٹ گئے، اور کافروں کے لیے ایسی ہی چیزیں ہیں، یعنی موجودہ جو کفار ہیں اور اُن کے بعد جو بھی کافر آئیں گے ان کیلئے دنیا میں اسی طرح عذاب ہوگا، اور ہلاک کر دیئے جائیں گے جیسے ان سے پہلے لوگ ہلاک کر دیئے گئے ہیں، اور آخرت میں ان کے لیے شدید اور دائمی عذاب ہوگا۔

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ یہ جو کچھ مذکور ہوا یعنی اہل جنت کا جنت میں داخل ہونا اور اہل کفر کا جہنم کے عذاب میں مبتلاء ہونا، یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا مولیٰ ہے، یعنی اُن کا ولی ہے، اُن کا مددگار ہے، اُن کا کارساز ہے۔ ﴿وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ﴾ اور کافروں کا کوئی کارساز و مددگار نہیں ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ وَالَّذِيْنَ
كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ⑫ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ
هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْۤ اَخْرَجَتْكَ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ⑬ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى
بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ ⑭

ترجمہ: بے شک جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے اللہ تعالیٰ انہیں ایسے باغوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، اور جو لوگ کافر ہیں وہ عیش کر رہے ہیں، اور اس طرح کھاتے ہیں جس طرح چوپائے کھاتے ہیں، اور جہنم ان کا ٹھکانہ ہے ⑫ اور بہت سی بستیاں تھیں جن کے رہنے والوں کو ہم نے ہلاک کر دیا، یہ بستیاں آپ کی بستی سے زیادہ سخت تھیں جنہوں نے آپ کو نکال دیا، ہم نے ان کو ہلاک کر دیا ان بستیوں کا کوئی مددگار نہ ہوا

⑭ جو لوگ اپنے پروردگار کے واضح راستہ پر ہوں کیا وہ اُن شخصوں کی طرح ہو سکتے ہیں جن کی بدعملی ان کو اچھی چیز بنا دی گئی؟ اور جو اپنی نفسانی خواہشوں پر چلتے ہوں ⑭

☆☆☆

معارف و منازل

ان آیات میں اہل ایمان کا انعام اور کافروں کی تباہی و بربادی کا بیان ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ گزشتہ آیتوں میں دخولِ جنت کا جو مژدہ شہداء کو سنایا گیا تھا یہ اس کا تتمہ ہے، بیشک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک اعمال انجام دیئے ایسی جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں جاری رہتی ہیں، ان نہروں کا بیان اسی سورت میں عنقریب آنے والا ہے، ان کے بعد کفار کی ایک خصلت اور اُن کی تباہی کا بیان ہے، فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ﴾ اور جن لوگوں نے کفر کا طریقہ اختیار کیا اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دی، وہ اسی دنیا کے ساز و سامان سے مستفید ہوتے رہتے ہیں، اور خوب کھاتے پیتے عیش کرتے رہتے ہیں، وہ دنیاوی عیش و عشرت میں اس طرح کھاتے پیتے ہیں جس طرح جانور اور مویشی کھاتے ہیں، ان کے ہاں جائز و ناجائز کا اور حلال و حرام کا کوئی فرق نہیں۔ قرآن حکیم نے اُن کو دوسرے مقامات پر جانوروں سے بھی بدتر بتایا ہے، انہیں یہ پتہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کس لئے پیدا کیا، اور ہمارا مستقبل کا انجام کیا ہوگا، تو اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کا انجام یہ بیان فرمایا:

﴿وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ﴾ آخرت میں ان کا ٹھکانہ دوزخ کی آگ ہوگا جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہیں گے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے عبرت کے طور پر فرمایا:

﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ﴾ اور بہت سی بستیوں والے تمہاری اس بستی سے زیادہ طاقتور تھے جہاں سے آپ کو نکالا گیا (مکہ مکرمہ)، ہم نے ان کو بھی ہلاک کر دیا، پس ان کا کوئی مددگار مدد کے لیے نہ آیا، پس مکہ والوں کو بھی تباہ شدہ اقوام کی تباہی سے عبرت سیکھنا چاہیئے، اور انہیں سوچنا چاہیے کہ گزشتہ تباہ شدہ اقوام کے نقش قدم پر چلنے والوں کا انجام نہایت تباہ کن ہوگا۔

آئندہ آیت میں غور و فکر کی دعوت دے رہے ہیں:

﴿اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ﴾ بھلا وہ شخص جو اپنے ربّ کی طرف سے کھلی ہدایت پر ہے کیا وہ اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جس کا بُرا عمل اُسے مزین کر کے دکھایا گیا ہو؟ اور انہوں نے اپنی خواہشات کی پیروی کی ہو، اور کفر کو اچھا سمجھا ہو، اور ایمان سے دور بھاگا ہو؟ یہ استفہام انکاری ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان جن کے پاس اُن کے ربّ کی طرف سے واضح دلیل موجود ہے، اور کافر لوگ جن کے برے اعمال کفر اور معاصی انہیں اچھے لگتے ہیں، اور وہ اپنی خواہشات کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں، یہ دونوں فریق یعنی مؤمن اور کافر برابر نہیں ہوسکتے، ایک فریق مرحوم ہے، دوسرا ملعون ہے۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ؕ وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ؕ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ⑮

ترجمہ: جس جنت کا متقیوں سے وعدہ کیا جاتا ہے اس کی کیفیت یہ ہے کہ اس میں بہت سی نہریں ایسے پانی کی ہیں جن میں ذرا تغیر نہ ہوگا، اور بہت سی نہریں دودھ کی ہیں جن کا ذائقہ ذرا بدلا ہوا نہ ہوگا، اور بہت سی نہریں شراب کی ہیں جو پینے والوں کو بہت لذیذ معلوم ہوگی، اور بہت سی نہریں شہد کی ہیں جو بالکل صاف ہوگا، اور ان کے لیے وہاں ہر قسم کے پھل ہوں گے، اور ان کے ربّ کی طرف سے بخشش ہوگی، کیا ایسے لوگ ان لوگوں جیسے ہوسکتے ہیں جو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے؟ اور کھولتا ہوا پانی ان کو پلایا جائے گا، سو ان کی انتڑیوں کے ٹکڑے کر ڈالے گا ⑮

معارف ومنازل

اس آیت میں بھی مؤمنین کے انعامات اور کافروں کی سزا بیان فرمائی ہے، اوّل تو جنت کا حال بیان فرمایا جس کا متقیوں سے وعدہ ہے، جنت میں بے شمار نعمتیں ہیں، اُن میں نہریں بھی ہیں، ارشاد فرمایا کہ جنت میں ایسے پانی کی نہریں ہیں جو متغیر نہ ہوگا، اور دودھ کی نہریں ہیں جن کا مزہ بدلا ہوا نہ ہوگا، اور شراب کی نہریں ہیں جو پینے والوں کے لیے سراپا لذّت ہو، اور بالکل شفاف شہد خالص کی نہریں ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جنت میں سو درجے ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے فی سبیل اللہ جہاد کرنے

والوں کے لیے تیار فرمایا ہے، ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان وزمین کے درمیان ہے، سو جب تم اللہ سے سوال کرو جنت الفردوس کا سوال کرو، کیونکہ وہ جنت کا سب سے افضل اور اعلیٰ درجہ ہے، اور اسی کے اوپر رحمٰن جل جلالہ کا عرش ہے، اور اسی سے یہ نہریں جاری ہوتی ہیں۔ [بخاري]

یہ حدیث حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، اس میں یوں ہے: **منها تفجر أنهار الجنة الأربعة**۔ یعنی جنت الفردوس سے چاروں نہریں جاری ہوتی ہیں۔ ملا علی قاریؒ شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں: یہی وہ چار نہریں ہیں جو قرآن مجید میں مذکور ہیں، یعنی پانی، دودھ، شراب اور شہد کی نہریں۔ حدیث شریف کے بیان سے یہ معلوم ہوا کہ جنت الفردوس سے چار نہریں نکلتی ہیں، ان کا منبع اور مرکز جنت الفردوس ہے، پھر ان کی شاخیں پھوٹی ہوئی دوسری جنتوں میں بھی پہنچی ہیں، اس میں جو شراب کی نہریں بتائیں ہیں ان کے ساتھ:

﴿لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ﴾ بھی فرمادیا، یعنی یہ شراب سراپا لذت ہوگی، اس کو پینے سے نشہ نہ آئے گا، اور نہ کوئی تکلیف ہوگی، جیسے سورۂ صافات میں فرمایا: ﴿يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَأْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ۝٤٥ بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۝٤٦ لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ ۝٤٧﴾ [الصافات] (جنتیوں کے پاس ایسا جامِ شراب لایا جائے گا جو بہتی ہوئی شراب سے بھرا جائے گا، یہ سفید ہوگی، پینے والوں کو لذیذ معلوم ہوگی، نہ اس میں دردسر ہوگا، اور نہ اس سے عقل میں فتور آئے گا)۔

سورۃ الواقعہ میں بھی ارشاد ہے: ﴿وَكَأْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ۝١٨ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ۝١٩﴾ [الواقعة] (آبخورے اور آفتابے اور ایسا جامِ شراب جو بہتی ہوئی شراب سے بھرا جائے گا، نہ اس سے دردسر ہوگا اور نہ اس سے عقل میں فتور آئے گا)۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنتی نعمتوں کی ایک ادنیٰ جھلک بیان ہوئی، اور اصل بات تو یہ ہے کہ جنتی نعمتوں کا سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی بھی انسان احاطہ نہیں کرسکتا، اور وہ جنتی نعمتیں آسمانوں کے اربوں کھربوں ستاروں سے بھی زیادہ ہیں۔ اس کے بعد فرمایا:

﴿كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ﴾ یہاں عبارت محذوف ہے، یعنی: مَنْ كَانَ فِيْ هٰذَا النَّعِيْمِ الْمُقِيْمِ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ۔ جو شخص ان مذکورہ بالا دائمی نعمتوں میں ہوگا کیا وہ ان لوگوں کی طرح ہوسکتا ہے جو ہمیشہ دوزخ کی آگ میں رہیں گے؟ اور جنہیں کھولتا ہوا گرم پانی پلایا جائے گا؟ جو ان کی آنتوں کو کاٹ ڈالے گا۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دوزخیوں کو اتنی زبردست بھوک لگادی جائے گی

جو اکیلی ہی اس عذاب کے برابر ہوگی جو ان کو بھوک کے علاوہ ہو رہا ہوگا، لہٰذا وہ کھانے کے لیے فریاد کریں گے، اس پر ان کو ضریع، زقوم، غسلین، وغیرہ کھولتا ہوا پانی کے ساتھ ملا کر دیدیا جائے گا، تو ان کے پیٹ کے اندر کی چیزوں یعنی آنتوں وغیرہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ڈالے گا۔ [ترمذي، مشكوة]

بہر حال! اللہ تعالیٰ اہل جنت اور اہل دوزخ کا تقابلی بیان واضح فرمانے کے ساتھ مسلمانوں کو ہدایت دے رہے ہیں کہ جہنمی اعمال سے بچنے کی کوشش کریں، اور جنت کا استحقاق حاصل کریں۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰٓى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۶﴾ وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ﴿۱۷﴾ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ﴿۱۸﴾ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ﴿۱۹﴾

ترجمہ: اور بعض آدمی ایسے ہیں کہ وہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں یہاں تک کہ جب وہ لوگ آپ کے پاس سے باہر جاتے ہیں تو اہل علم سے کہتے ہیں کہ حضرت نے ابھی کیا بات فرمائی تھی؟ یہ وہ لوگ ہیں کہ حق تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگادی ہے، اور وہ اپنی نفسانی خواہشات پر چلتے ہیں ﴿۱۶﴾ اور جو لوگ صحیح راہ پر ہیں اللہ تعالیٰ ان کو اور زیادہ ہدایت دیتا ہے، اور ان کو ان کے تقویٰ کی توفیق دیتا ہے ﴿۱۷﴾ سو یہ لوگ بس قیامت کے منتظر ہیں کہ وہ ان پر دفعۃً آپڑے، سو اس کی علامتیں تو آچکیں ہیں، سو جب قیامت ان کے سامنے آکھڑی ہوگی اس وقت ان کو سمجھنا کہاں میسر ہوگا؟ ﴿۱۸﴾ تو آپ اس کا یقین رکھئے کہ بجز اللہ تعالیٰ کے اور کوئی لائق عبادت نہیں ہے، اور آپ اپنی خطاء کی معافی مانگتے رہئے، اور سب مسلمانوں مردوں اور سب مسلمان عورتوں کے لیے بھی، اور اللہ تعالیٰ تمہارے چلنے پھرنے اور رہنے سہنے کی خبر رکھتا ہے ﴿۱۹﴾

معارف ومنازل

ان آیات میں منافقین کی شرارت اور ان کے خبثِ باطن کا بیان ہے، یہ لوگ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر

کرتے تھے اور اندر سے کافر تھے، وہ اسی دورنگی اور منافقت سے مسلمانوں کے ساتھ مل جل کر اپنا مقصد حاصل کرتے تھے، یہ لوگ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتوں کو کان سے سنتے تھے، اور دل سے نہیں سنتے تھے، جب مجلس سے باہر آتے تھے تو اہل علم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابھی ابھی کیا فرمایا؟ وہ یہ بات اس لیے کہتے تھے تاکہ مسلمانوں پر ظاہر ہو کہ ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں سننے کا شوق ہے، ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان کے نفاق کی قلعی کھول دی۔

﴿وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّسۡتَمِعُ اِلَيۡكَ﴾ ان مخالفین میں بعض وہ ہیں جو آپ کے سامنے کان لگاتے ہیں، ظاہری طور پر۔ ﴿حَتّٰٓى اِذَا خَرَجُوۡا مِنۡ عِنۡدِكَ قَالُوۡا لِلَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا﴾ یہاں تک کہ جب وہ آپ کی مجلس سے اٹھ کر باہر جاتے ہیں تو علم والے لوگوں سے پوچھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابھی کیا کہا؟ وہ مسلمانوں سے یہ بات دھوکہ دہی کے طور پر کہتے تھے کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتوں کو سننا اور سمجھنا چاہتے ہیں، اور حقیقت اس کے خلاف ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا:

﴿اُولٰٓـئِكَ الَّذِيۡنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ وَاتَّبَعُوۡۤا اَهۡوَآءَهُمۡ﴾ یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کے دلوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگادی ہے، جس کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات ان کے دلوں تک نہیں پہنچتی، جب انہوں نے نیکی کی توفیق ضائع کردی تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنی خواہشات کے پیچھے ہی چلتے رہتے ہیں، اور اتباع ہوا میں غرق ہیں، جس سے ان کا نکلنا محال ہے، ہاں! ان کے برخلاف:

﴿وَالَّذِيۡنَ اهۡتَدَوۡا زَادَهُمۡ هُدًى وَّاٰتٰٮهُمۡ تَقۡوٰٮهُمۡ﴾ جن لوگوں نے گمراہی کو چھوڑ کر ہدایت کا راستہ اختیار کیا ہے، اللہ تعالیٰ ان کی ہدایت میں اضافہ کردیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ان کو ان کا تقویٰ عطاء فرماتا ہے، وہ نہ صرف بڑے گناہوں سے بچتے ہیں بلکہ معمولی گناہوں سے بھی اجتناب کرتے ہیں، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کفار اور منافقین سب کے متعلق فرمایا: ﴿فَهَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنۡ تَاۡتِيَهُمۡ بَغۡتَةً﴾ پس یہ لوگ نہیں انتظار کرتے مگر قیامت کا کہ آجائے وہ ان کے پاس اچانک۔ مطلب یہ ہے کہ حقیقت حال واضح ہوجانے کے بعد اس کو قبول نہ کرنا اور اپنے کفر ونفاق پر جمے رہنا گویا قیامت کا انتظار کرنا ہے، تاکہ ان کے درمیان حق وباطل کا حتمی فیصلہ ہوجائے۔

علامات قیامت:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر یہ لوگ قیامت ہی کے منتظر ہیں تو: ﴿فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا﴾ تو اس کی نشانیاں تو آچکی ہیں، خود نزولِ قرآن کے زمانہ میں بعض نشانیاں قیامت کی ظاہر ہو چکی تھیں۔ حضرت شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں کہ قیامت کی سب سے بڑی نشانی حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد ہے، تمام سابقہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے راہ دیکھتے رہے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور تخلیق کائنات کا مقصد حاصل ہو چکا تو اب قیامت ہی باقی ہے، اب نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ کوئی دوسری امت ہوگی، چونکہ اللہ کا آخری نبی آچکا لہٰذا اب قیامت کا آنا ہی باقی ہے۔ اس کے علاوہ قرآن کریم کا نزول بھی قیامت کی نشانی ہے، معجزہ شق القمر بھی نشانی ہے، جس کو اہل مکہ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ﴾ [القمر: ۱] (قیامت قریب آگئی اور چاند پھٹ گیا)۔ صحیح حدیث میں آتا ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگشت شہادت اور درمیانی انگلی اکٹھا کر کے فرمایا: بُعِثْتُ اَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ۔ [مشکوٰۃ] یعنی مجھے اور قیامت کو اس طرح بھیجا گیا ہے جس طرح یہ دو انگلیاں اکٹھی ہیں۔ ہاں! درمیان والی انگلی انگشت شہادت سے ذرا آگے نکلی ہوئی ہے، اسی طرح میں قیامت سے ذرا آگے آگیا ہوں، میرے پیچھے اب قیامت ہی آنے والی ہے، کوئی دوسرا پروگرام نہیں آئے گا۔

قیامت کی بعض نشانیاں تو آچکی ہیں اور بعض بڑی بڑی نشانیاں ظاہر ہونا باقی ہیں، مثلاً صحیح حدیث میں آتا ہے کہ قرب قیامت میں دین کا علم اٹھا لیا جائے گا، اور دین کے علاوہ دوسری چیزوں کی تعلیم وتعلّم عام ہوگی، جہالت زیادہ ہو جائے گی، شراب نوشی عام ہوگی، اور حوادثات اور جنگوں کی وجہ سے مرد کم اور عورتیں زیادہ ہو جائیں گی۔ حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی: اِذَا وُسِّدَ الْاَمْرُ اِلٰى غَيْرِ اَهْلِهٖ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ۔ جب معاملات نااہلوں کے سپرد کر دیئے جائیں گے تو پھر قیامت ہی کا انتظار کرنا۔

باقی بڑی بڑی نشانیوں میں دجال، یاجوج و ماجوج کا خروج، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول، اور سورج کا مغرب سے طلوع ہونا وغیرہ شامل ہیں۔ الغرض! فرمایا کہ تم قیامت کا انتظار کرتے رہو، اس کی بعض نشانیاں تو ظاہر ہو چکی ہیں۔ ﴿فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ﴾ پھر جب قیامت برپا ہوگئی تو ان لوگوں کو نصیحت پکڑنے کا اور ہدایت قبول کرنے کا کہاں موقع ملے گا؟ اس وقت تو توبہ کا دروازہ ہی بند ہو جائے گا، اور پھر کوئی عمل بھی کام نہ آئے گا، اسی لئے ارشاد فرمایا: ﴿فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ خوب اچھی طرح جان لو اور اس حقیقت کو ذہن

نشین کرلو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے، وہی تمام کائنات کا خالق بھی ہے مالک بھی ہے رب بھی ہے، معبود برحق بھی ہے۔

﴿وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ﴾ توحید پر جمے رہنے کے بعد آپ اپنی کوتاہیوں کی بخشش طلب کریں، اور آپ مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کے لیے بھی بخشش کا سوال کریں، چونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور سارے انبیاء علیہم السلام ذنوب اور گناہوں سے پاک اور معصوم ہیں، لہٰذا یہاں ذنب سے مراد خلاف اولیٰ ہے، جسے عام طور پر لغزش سے تعبیر کرتے ہیں، اس کی تفصیل ان شاء اللہ آئندہ سورۂ فتح میں آنے والی ہے۔

﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے تمہارے پلٹ کر جانے کی جگہ کو، اور تمہارے ٹھکانے کو بھی، پلٹنے کی جگہ دنیا میں بھی ہوسکتی ہے اور برزخ میں بھی، اور ٹھکانہ سے مراد آخری ٹھکانہ ہے، مؤمنوں کے لیے جنت اور کافروں کے لیے دوزخ۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ ۙ
رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۭ فَاَوْلٰى
لَهُمْ ۝۲۰ طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۣ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ ۣ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۝۲۱
فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ۝۲۲ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ
لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ۝۲۳

ترجمہ: اور جو لوگ ایمان والے ہیں وہ کہتے ہیں کہ کوئی سورت کیوں نہ نازل ہوئی؟ سو جس وقت کوئی محکم سورت نازل ہوتی ہے، اور اس میں جہاد کا ذکر ہوتا ہے تو جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے آپ اُن لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھ رہے ہیں جیسے کسی پر موت کی بے ہوشی طاری ہوگئی ہو، سو عنقریب اُن کی کم بختی آنے والی ہے ۝۲۰ اُن کی اطاعت اور بات چیت معلوم ہے، پھر جب مضبوطی کے ساتھ حکم آگیا تو اگر یہ لوگ اللہ سے سچا وعدہ کرتے تو ان کے لیے بہت ہی بہتر ہوتا ۝۲۱ پس شاید کہ اگر تم روگردانی کرو گے تو فساد کرو گے زمین میں، اور قطع کرو گے اپنی قرابتوں کو ۝۲۲ یہی لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت بھیجی ہے، پس ان کو بہرہ کر دیا ہے، اور اندھا

بنادیا ہےان کی آنکھوں کو ﴿۲۳﴾

معارف ومنازل

ان آیات میں یہ ذکر فرمایا جارہا ہے کہ مؤمنین مخلصین کا جذبہ کس قدر پاکیزہ ہوتا ہے، اور وہ اللہ کا دین قائم کرنے کے لیے کس طرح جہاد فی سبیل اللہ کی آرزو کرتے ہیں، مگراس کے برعکس منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ ہوتا ہے وہ کس کس طرح دین اور احکامِ دین کی پیروی کرنے سے گریز کرتے ہیں، ایسے لوگوں کی بداعمالیوں اور فساد فی الارض کو بیان کرتے ہوئے اس حقیقت کا پھر اعادہ کیا گیا کہ انسانی سعادت اور کامیابی خدااور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے احکام کی فرمانبرداری میں ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ﴾ اور کہتے ہیں ایمان والے کہ کیوں نہ اتاری گئی ایک سورت خاص طور سے جس میں جہاد کی اجازت دے دی جائے، اور احکام جہاد کی تفصیل بیان کردی جائے؟ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جہاد کی فرضیت سے قبل اس کی تمنا اور طلب میں تھے جس کے لیے سب سے پہلے: ﴿اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ﴾ [الحج:٣٩] (جن لوگوں کو قتل کیا جاتا ہے ان کو اجازت دی گئی، اس لیے کہ ان پر ظلم کیا گیا) نازل کی گئی، یہ تو جذبہ اہل ایمان کا تھا، لیکن پھر:

﴿فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ﴾ جب نازل کی گئی ایک سورت جانچی ہوئی جو اپنے ٹھیک وقت پر اتاری گئی اور جس میں جہاد کے احکام تھے، ﴿وَّذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ﴾ اور اس میں ذکر ہوا قتال کا، تو اے ہمارے پیارے پیغمبر! ﴿رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ؕ فَاَوْلٰى لَهُمْ﴾ آپ دیکھیں گے ان لوگوں کو جن کے دلوں میں مرض ہے کہ وہ حیرانی اور بدحواسی کے عالم میں آپ کی طرف دیکھتے ہیں اس شخص کی طرح دیکھنا جس پر موت کے وقت کی غشی طاری ہوتی ہو کہ خوفزدہ ہو کر پھٹی پھٹی اور بے رونق آنکھوں سے دیکھتا ہے، جیسے مرتے وقت انسان کی آنکھوں کا نور جاتا رہتا ہے، پس ہلاکت وبربادی ہے ان کے واسطے جو نفاق اور ضعفِ ایمان کی وجہ سے اسی طرح کی کیفیات میں مبتلاء ہیں۔

﴿طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ﴾ حکم ماننا اور بھلی بات کہنا ہی باعثِ سعادت ونجات ہے۔ نہ تو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرنی چاہئے، اور نہ ہی زبان سے کوئی غیر معیاری بات نکالنی چاہئے، زبان سے بلند بانگ دعویٰ

کرنا اور وقت آنے پر بزدلی کا مظاہرہ کرنا ہرگز پسندیدہ فعل نہیں ہے، جو کوئی ایسا کرے گا وہ لازماً ہلاکت کے گڑھے میں گرے گا۔ ﴿فَإِذَا عَزَمَ الْأَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا اللهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ﴾ پھر جب معاملہ پختہ ہو جائے اور جہاد کے لیے قدم اٹھانا ضروری ہو جائے تو کامیابی اسی میں مضمر ہے کہ فرمانبرداری اور اطاعت کا جو زبان سے اظہار کیا جا رہا ہے اس کی عملاً تکمیل کر لے، یہی ان کے قول و اقرار کی عملی تصدیق ہوگی۔ اگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی اطاعت گزاری سچی ثابت کریں، اور جہاد سے انکار نہ کریں تو اسی میں ان کی بہتری ہوگی، اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ کے حکم کے مطابق صلح و جنگ کے ہر معاملہ میں بخوشی شریک ہوں، اور دل میں کسی قسم کی کدورت نہ آنے دیں، جہاں جانی اور مالی قربانی کی ضرورت ہو بلا توقف پیش کر دیں، اور اپنی باتوں کو سچ کر دکھائیں، تو بالآخر یہی چیز ان کے لیے بہتر ہے۔ آگے ایک اور بات ارشاد فرمائی:

﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ﴾ پس شاید اگر تم روگردانی کرو گے یعنی جہاد سے گریز کرو گے تو گویا تم زمین میں فساد برپا کرنے کے مرتکب ہو گے، اور قطع رحمی بھی کرو گے، اگر بوقت ضرورت میدانِ جنگ میں نہ نکلے تو اس کا یہی مطلب لیا جائے گا کہ یہ لوگ زمین میں اصلاح کی بجائے فساد چاہتے ہیں، جہاد تو ہوتا ہی اس لئے ہے کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو، اور زمین میں امن و امان ہو، اور اس کے برخلاف اگر تم اس نیک مقصد میں شریک نہیں ہوتے تو ظاہر ہے تم فساد برپا کرنا چاہتے ہو، اسی وجہ سے جہاد میں جانے والوں کے لیے بڑی بڑی خوشخبریاں ہیں، اور پیچھے رہنے والوں کے لئے بدترین عذاب اور سزا کی وعید ہے۔

﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ﴾ یہ لوگ یقیناً ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ان کو بہرہ کر دیتا ہے، اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیتا ہے، جس کی وجہ سے وہ صحیح بات کو سننے اور دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ جس طرح قرآن حکیم نے مختلف مقامات میں ایسے لوگوں کے لیے ﴿صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ﴾ [البقرة: ١٨] (بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں) کے الفاظ وارد کر دیئے ہیں۔

۞ ۞ ۞

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ﴿٢٤﴾ إِنَّ الَّذِينَ ارْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۙ الشَّيْطَانُ سَوَّلَ لَهُمْ وَأَمْلَىٰ لَهُمْ ﴿٢٥﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لِلَّذِينَ كَرِهُوا مَا نَزَّلَ اللهُ

سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ ﴿٢٦﴾ فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ
وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ﴿٢٧﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ﴿٢٨﴾

ترجمہ: سو کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے؟ یا ان کے دلوں پر قفل ہے؟ ﴿۲۴﴾ بیشک جو لوگ پشت پھیر کر پلٹ گئے اس کے بعد کہ ان کے لیے ہدایت ظاہر ہوگئی تھی، شیطان نے ان کے سامنے مزین کر دیا، اور انہیں تاخیر والی باتیں سمجھا دیں ﴿۲۵﴾ یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے ان لوگوں سے کہا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے فرمان کو ناپسند کیا کہ ہم بعض کاموں میں تمہاری اطاعت کریں گے، اور اللہ تعالیٰ ان کی خفیہ باتیں کرنے کو جانتا ہے ﴿۲۶﴾ سو ان کا کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کی جانوں کو قبض کرتے ہوئے ان کے چہروں اور ان کے پشتوں پر مار رہے ہوں گے؟ ﴿۲۷﴾ یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے اس چیز کا اتباع کیا ہے جس نے اللہ کو ناراض کر دیا، اور ناپسند کیا اللہ کی خوشنودی کو، پس اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو ضائع کر دیا ﴿۲۸﴾

معارف ومنازل

گزشتہ آیات میں گزر چکا ہے کہ جب کوئی محکم سورت اتاری جاتی جس میں جہاد کا ذکر ہوتا تو منافق لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اس طرح دیکھتے جس طرح کوئی آدمی موت کی غشی میں مبتلا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ منافقین جہاد کے نام سے سخت خوف زدہ ہو جاتے، اور طرح طرح کی تدبیروں سے جہاد میں جانے سے گریز کرتے تھے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک موقع پر خطبہ دے رہے تھے تو آپؓ نے فرمایا: اے لوگو! میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے اندر قطع رحمی پھیل چکی ہے، لوگوں نے عرض کیا! امیر المؤمنین! ہم تو اپنے آپ میں ایسی کوئی چیز نہیں پاتے، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تم ان لونڈیوں کو بھی فروخت نہیں کر دیتے جن سے ان کے مالکوں کی اولاد ہوتی ہے؟ یہی تو قطع رحمی ہے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لونڈیوں کو جو رعایت دی ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اگر کوئی لونڈی اپنے مالک کی اولاد جنتی ہے تو اس کی وجہ سے لونڈی کو فروخت کرنے کا حق باقی نہیں رہتا، اس لونڈی کو ایک درجہ کی آزادی حاصل ہو جاتی ہے، اور اس کا فروخت کرنا قطع رحمی میں شمار ہوتا ہے۔ آگے فرمایا کہ قرآن مجید میں تدبر کرو:

﴿يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا﴾ کیا یہ لوگ قرآن میں غور وفکر نہیں کرتے کہ اس کی

تعلیم کیسی بے مثال ہے؟ جو پوری انسانیت کو شر وفساد کی تاریکیوں سے نکال کر امن وسلامتی کی روشنی کی طرف لاتی ہے، کیاان کے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں؟ جس کی وجہ سے یہ سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت سے محروم ہو چکے ہیں، اگر یہ لوگ قرآن کریم کے پروگرام پر غور کرتے تو انہیں ضرور معلوم ہو جاتا کہ جس جہاد سے یہ گریز کر رہے ہیں اور اس کو اپنی ہلاکت کا سبب سمجھ رہے ہیں، یہی جہاد تو دنیا میں امن وامان کے قیام کا ضامن ہے، اور اس کے ذریعے ترقی کی راہیں کھلتی ہیں۔ اس کے برخلاف جہاد سے گریز کرنے والوں کے دلوں پر تالے لگ جاتے ہیں، اور وہ زنگ آلود ہو جاتے ہیں، جیسے قرآن حکیم میں ہے: ﴿كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ [المطففین: ۱۴] (ہرگز نہیں، بلکہ ان کے برے اعمال کی وجہ سے ان کے دلوں پر زنگ چڑھ گئے ہیں) اور اسی کو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی، فرمایا کہ جو لوگ قرآن کریم کے پروگرام کو تسلیم نہیں کرتے، ان کے متعلق یہی سمجھا جائے گا کہ وہ مرتد ہو چکے ہیں۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۙ الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ۭ وَ اَمْلٰى لَهُمْ﴾ بیشک وہ لوگ جو پلٹ گئے اپنی پشتوں پر بعد اس کے کہ ان کے لیے ہدایت کا راستہ واضح ہو چکا ہے، ان کو شیطان نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے، اور ان کے ساتھ لمبے وعدے کئے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ شیطان ان کو جنگ سے خوف زدہ کرتا ہے کہ جہاد میں شریک ہو گے تو مارے جاؤ گے، اور تمہاری بیوی بیوہ اور بچے یتیم ہو جائیں گے، اور تمہارا مال بھی ضائع ہو جائے گا، جس پر دوسروں کا قبضہ ہوگا، اللہ تعالیٰ نے شیطان کی ایسی باتوں کو فریب اور دھوکہ قرار دیا ہے، اور ان سے بچنے کی تاکید کی ہے۔

عام طور پر مرتد سے وہ شخص مراد ہوتا ہے جو دین اسلام کو چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کر لے، یعنی کافر، یہودی، عیسائی، ہندو، یا سکھ ہو جائے، تاہم اگر کوئی شخص کلمہ توحید پڑھنے کے باوجود دین کے احکام پر عمل کرنے سے گریز کرتا ہے، مثلاً جان بوجھ کر بلا عذر جہاد میں شریک نہیں ہوتا، اور جہاد کو پسند بھی نہیں کرتا، یا جہاد کو دہشت گردی قرار دیتا ہے تو وہ شخص بھی مرتد کے حکم میں آ جائے گا، اس سلسلے میں مرتد کی بعض علامات بھی بیان کی گئیں ہیں، مثلاً جو شخص نماز نہیں پڑھتا اور زکوٰۃ ادا نہیں کرتا اور حج سے پہلو تہی کرتا ہے، اس کی وفاداری اسلام کے ساتھ مشکوک ہے، اسی طرح جو شخص جماعت میں شریک نہیں ہوتا وہ بھی اسی زمرہ میں آتا ہے۔ غرض یہ ہے کہ جہاد ایک ضروری اور اہم عمل ہے مگر منافق اس سے گریز کرتے ہیں، اس کا اندازہ اس سے لگائیں کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دس سالہ مدنی زندگی میں انیس جنگوں میں

بنفس نفیس شریک ہوئے، یہی جہاد کی اہمیت کے لیے کھلی دلیل ہے۔

آگے پھر فرمایا: منافقوں کو شیطان نے فریب دے رکھا ہے، جس کی وجہ سے وہ جہاد میں شریک نہیں ہوتے، ان کی حالت یہ ہے: ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ﴾ کہ منافقوں نے اُن لوگوں سے کہا جو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہدایت کو ناپسند کرتے ہیں، یعنی یہود و نصاریٰ پر اپنے نفاق کو ظاہر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ: ﴿سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ﴾ ہم بعض معاملات میں تمہاری بات مانیں گے۔ مطلب یہ کہ ہم بظاہر تو مسلمانوں کے ساتھ ہیں، لیکن اگر جنگ کا موقع آ گیا تو ہم تمہارے خلاف میدان میں نہیں نکلیں گے، گویا اہل کتاب کو اپنی وفاداری کا یقین دلاتے ہیں، فرمایا:

﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ﴾ اللہ تعالیٰ ان کی پوشیدہ رازوں اور شرارتوں کو جانتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے خلاف سازش کرتے ہیں، اور اسلام کے دشمنوں کے ہاتھ مضبوط کر رہے ہیں، ان کی اس دوغلی پالیسی کو سورۂ بقرہ کے شروع میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا جا چکا ہے، آئندہ آیات میں ان منافقین کی سزاء کا بیان ہے۔

﴿فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ﴾ اس وقت اُن کا کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کی جانیں نکالیں گے، وہ اُن کے چہروں اور پشتوں پر ضربیں لگائیں گے، اور کہیں گے کہ اپنے عمل کا اب مزہ چکھو، تمہاری منافقت کی یہی سزا ہے۔

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ﴾ یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے اس چیز کی پیروی کی جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب بنی یعنی کفر، شرک، یہودیت، نصرانیت، فتنہ اور فساد، یہ سب وہ چیزیں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے، اور یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے اسباب ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ: ﴿وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ﴾ کہ منافقین نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضامندی کے پروگرام کو ناپسند کیا، صاف واضح ہے کہ انہوں نے حق کے ساتھ دشمنی کی اور باطل کے ساتھ دوستی اختیار کی جس کا نتیجہ یہ نکلا: ﴿فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ﴾ کہ ان کے تمام نیک اعمال بھی برباد ہو گئے، وجہ یہ ہے کہ اعمال کی قبولیت کا دار و مدار صحیح ایمان پر ہے، جب یہ لوگ ایمان سے خالی ہیں تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اُن کے اعمال کی کوئی قدر و قیمت نہیں، قیامت کے دن کافروں اور منافقوں کے ڈھیروں اعمال راکھ کے ڈھیر کی طرح ہوا میں اڑ جائیں گے، گرد و غبار کی طرح اُن کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ یُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ۝۲۹ وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَیْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِیْمٰهُمْ ؕ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِیْ لَحْنِ الْقَوْلِ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ۝۳۰ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰی نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِیْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِیْنَ ۙ وَنَبْلُوَا۠ اَخْبَارَكُمْ ۝۳۱ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ الْهُدٰی ۙ لَنْ یَّضُرُّوا اللّٰهَ شَیْـًٔا ؕ وَسَیُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ۝۳۲ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ ۝۳۳

ترجمہ: کیا اُن لوگوں نے خیال کیا ہے جن کے دلوں میں مرض ہے (کفر ونفاق) کہ اللہ تعالیٰ اُن کے کینوں کو نہ نکالے گا ۝۲۹ اور اگر ہم چاہتے تو آپ انہیں دکھا دیتے سو آپ انہیں ان کی نشانیوں سے پہچان لیتے، اور آپ انہیں ضرور بالضرور بات کرنے کے ڈھنگ سے پہچان لیں گے، اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو جانتا ہے ۝۳۰ اور بلاشبہ ہم تم کو ضرور آزمائیں گے تاکہ ہم تم میں سے مجاہدین کو اور صبر کرنے والوں کو جان لیں، اور تاکہ ہم تمہارے اعمال کو جانچ لیں ۝۳۱ بیشک جن لوگوں نے کفر کیا، اور اللہ کے راستے سے لوگوں کو روکا، اور رسول کی مخالفت کی، اس کے بعد کہ اُن کے لیے ہدایت ظاہر ہوگئی، یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکیں گے، اور وہ عنقریب اُن کے اعمال کو ضائع کر دے گا ۝۳۲ اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی، اور اطاعت کرو رسول کی، اور اپنے اعمال کو ضائع نہ کرو ۝۳۳

معارف ومنازل

منافقین کا ذکر کرتے ہوئے اِن آیات میں یہ فرمایا گیا کہ اگر ہم چاہیں آپ کو واضح طور پر اِن منافقین میں سے ہر ایک کی الگ الگ پہچان کرا دیں (مگر اس کی ضرورت نہیں) آپ کو اُن کا لب ولہجہ اور بات کرنے کا ڈھنگ بتا دے گا کہ یہ منافق ہیں، اندر سے مؤمن نہیں ہیں، کیونکہ غیر مخلص کا طریقۂ کار اور طرز زندگی اور میل جول اور بول چال کا ڈھنگ مخلصین سے مختلف ہوتا ہے، بلا وجہ قسمیں کھانا، رُک رُک کر بات کرنا، اور سوچ سوچ کر جواب دینا تاکہ الفاظ اور طرز گفتگو سے مخاطب کو بدعقیدگی کا پتہ نہ چل جائے، یہ منافقین کے ڈھنگ ہوتے ہیں، ایک عرصہ تک تو ایسا ہی رہا، پھر بالآخر ایک دن وہ آیا کہ یہ لوگ سختی اور ذلت کے ساتھ مسجد نبوی سے نکال دیئے گئے، جس کی تفصیل سیرت ابن ہشام جلد ثانی کے اوائل میں مذکور ہے۔

﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ﴾ اور اللہ تمہارے اعمال کو جانتا ہے، اُسے اہل ایمان کے اخلاص کا، اور اہل نفاق کی منافقت اور مکروفریب کا علم ہے، منافقین یہ نہ سمجھ لیں کہ ہم مسلمانوں سے اپنی منافقت کو چھپا کر اپنے ارادوں میں کامیاب ہوں گے، اگر مؤمنین مخلصین کو پتہ نہ چلا تو اللہ تعالیٰ کو تو سب کچھ علم ہے، اس کے عذاب اور عقاب سے کیسے مطمئن ہو گئے؟

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَنَبْلُوَا۟ اَخْبَارَكُمْ﴾ یعنی اعمالِ شرعیہ جہاد وغیرہ کے جو احکام نافذ کئے جاتے ہیں اُن کے ذریعہ تمہاری آزمائش کی جاتی ہے، ہم ضرور ضرور تمہاری آزمائش کریں گے تاکہ مخلص مجاہدین اور صابرین کا ظاہری طور پر علم ہو جائے۔ ﴿وَنَبْلُوَا۟ اَخْبَارَكُمْ﴾ اور تاکہ ہم تمہارے احوال کو جانچ لیں۔

﴿اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ﴾ کیا وہ لوگ گمان کرتے ہیں جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے: ﴿اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ﴾ کہ اللہ تعالیٰ اُن کے دلوں کے کینوں کو (بغض وعداوت) ہرگز ظاہر نہیں کرے گا؟ منافقت ایک خطرناک تباہ کن بیماری ہے، روحانی بیماریوں میں سب سے زیادہ وحشت ناک ہے، تو فرمایا کہ جن لوگوں کی دلوں میں بیماری ہے کیا وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اُن کے دلوں کے نفاق، فریب، حسد، اور کینے کو ظاہر نہیں کرے گا؟ یہ اُن کی خام خیالی ہے۔

﴿وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ﴾ اگر ہم چاہیں تو آپ کو دکھا دیں کہ فلاں فلاں شخص منافق ہے۔ ﴿فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۭ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ﴾ آپ انہیں اُن کی نشانیوں سے پہچان لیں گے کہ یہ منافق ہے۔ دوسرا ذریعہ اُن کی پہچان کا یہ ہے کہ آپ اُن کو طریقہ گفتگو سے پہچان لیں گے، اے منافقین کا گروہ! اللہ تبارک وتعالیٰ تمہارے اعمال کو جانتا ہے، اس سے کوئی چیز مخفی نہیں، میدانِ حساب میں جب تم اللہ کے حضور پیش ہو جاؤ تو تمہارے اعمال کا پردہ چاک ہو جائے گا، اور جہنم کا درکِ اسفل تمہارا ٹھکانہ ہوگا، تم اللہ کی گرفت سے کبھی نہیں بچ سکو گے۔ آگے اہل ایمان کو خطاب ہے:

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ﴾ اور تحقیق تمہیں ضرور آزمائیں گے یہاں تک کہ ہم جان لیں کہ تم میں سے مجاہد اور صابر لوگ کون ہیں؟ نَعْلَمَ کا لغوی معنی تو جاننا ہی ہوتا ہے، مگر یہاں پر ظاہر کرنا مراد ہے، کیونکہ اللہ کے علم سے تو کوئی چیز بھی باہر نہیں، وہ تو ہر چیز کو ہر وقت جانتا ہے۔ بہر حال! فرمایا کہ

اللہ تعالیٰ اپنی راہ میں مال وجان کی قربانی پیش کرنے اور ہر مصیبت پر صبر کرنے والوں کو ظاہر کردے گا۔

﴿وَنَبۡلُوَا۟ أَخۡبَارَكُمۡ﴾ اور ہم تمہاری خبروں یعنی حالات کو بھی آزمائیں گے، کبھی خوف کے ذریعہ، کبھی بھوک، کبھی مال وجان اور کبھی مال ودولت کے نقصان سے تمہیں آزمائیں گے، اور صابرین کو دوہرا ثواب عطاء فرمائیں گے۔ آگے ارشاد ہوتا ہے: ﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ وَصَدُّوا۟ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ﴾ بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کا طریقہ اختیار کیا اور اللہ تعالیٰ کے راستے سے لوگوں کو روکا۔ ﴿وَشَآقُّوا۟ ٱلرَّسُولَ﴾ اور اللہ کے رسول کی مخالفت کی۔ ﴿مِنۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ ٱلۡهُدَىٰ﴾ بعد اس کے کہ ہدایت ان کے لیے واضح ہوگئی، اور توحید الٰہی اور احکامِ الٰہی اُن کے سامنے روز روشن کی طرح واضح ہوگئے، اس کے باوجود انہوں نے اللہ ورسول کی مخالفت کی۔

﴿لَن يَضُرُّوا۟ ٱللَّهَ شَيۡـًٔا﴾ وہ اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے، اور اپنے بُرے ارادوں میں کامیاب نہیں ہوسکتے۔ ﴿وَسَيُحۡبِطُ أَعۡمَٰلَهُمۡ﴾ بلکہ عنقریب اللہ تعالیٰ اُن کے اعمال کو ضائع کردے گا۔ بالفرض اگر انہوں نے ڈھیروں اعمال بجالائے تو ایمان نہ ہونے کی وجہ سے قیامت والے دن اُن کے سارے اعمال ہوا میں اُڑ جائیں گے۔ اب اہل اسلام کو خطاب ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَطِيعُوا۟ ٱللَّهَ وَأَطِيعُوا۟ ٱلرَّسُولَ وَلَا تُبۡطِلُوٓا۟ أَعۡمَٰلَكُمۡ﴾ اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو اس کے رسول کی، اور ضائع نہ کرو اپنے اعمال کو۔ یہ اس بات کی طرف صریح اشارہ ہے کہ ایمانِ صحیح کے بعد اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کے طفیل مسلمانوں کا کوئی عمل ضائع نہ ہوگا۔

❁ ❁ ❁

إِنَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ وَصَدُّوا۟ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ ثُمَّ مَاتُوا۟ وَهُمۡ كُفَّارٌ فَلَن يَغۡفِرَ ٱللَّهُ لَهُمۡ ﴿۳۴﴾ فَلَا تَهِنُوا۟
وَتَدۡعُوٓا۟ إِلَى ٱلسَّلۡمِ وَأَنتُمُ ٱلۡأَعۡلَوۡنَ وَٱللَّهُ مَعَكُمۡ وَلَن يَتِرَكُمۡ أَعۡمَٰلَكُمۡ ﴿۳۵﴾ إِنَّمَا ٱلۡحَيَوٰةُ ٱلدُّنۡيَا
لَعِبٌ وَلَهۡوٌ وَإِن تُؤۡمِنُوا۟ وَتَتَّقُوا۟ يُؤۡتِكُمۡ أُجُورَكُمۡ وَلَا يَسۡـَٔلۡكُمۡ أَمۡوَٰلَكُمۡ ﴿۳۶﴾ إِن يَسۡـَٔلۡكُمُوهَا
فَيُحۡفِكُمۡ تَبۡخَلُوا۟ وَيُخۡرِجۡ أَضۡغَٰنَكُمۡ ﴿۳۷﴾ هَٰٓأَنتُمۡ هَٰٓؤُلَآءِ تُدۡعَوۡنَ لِتُنفِقُوا۟ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ فَمِنكُم
مَّن يَبۡخَلُ وَمَن يَبۡخَلۡ فَإِنَّمَا يَبۡخَلُ عَن نَّفۡسِهِۦ وَٱللَّهُ ٱلۡغَنِيُّ وَأَنتُمُ ٱلۡفُقَرَآءُ وَإِن تَتَوَلَّوۡا۟

يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ﴿۳۸﴾

ترجمہ: بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ تعالیٰ کے راستہ سے روکا، پھر وہ اس حال میں مر گئے کہ وہ کافر تھے تو ہرگز اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت نہ فرمائے گا﴿۳۴﴾ سو تم سست نہ بنو، اور تم صلح کی طرف مت بلاؤ، اور تم غالب رہو گے اور اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے، اور وہ تمہارے اعمال میں کمی ہرگز نہیں کرے گا﴿۳۵﴾ دنیا والی زندگی بس لہو ولعب ہے، اور اگر تم ایمان پر جمے رہے، اور تم نے تقویٰ اختیار کیا تو وہ تمہیں تمہارے اجور عطاء فرمادے گا، اور وہ تم سے تمہارا اموال طلب نہ فرمائے گا﴿۳۶﴾ اگر وہ تم سے مال طلب کرے پھر انتہاء درجہ تک طلب فرمائے، تو تم بخل کرنے لگو گے، اور اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی ناگواری کو ظاہر فرمادے گا﴿۳۷﴾ خبردار! تمہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کی دعوت دی جاتی ہے سو تم میں سے بعض لوگ بخل کرتے ہیں، اور جو شخص بخل کرتا ہے تو وہ اپنی جان کی طرف سے بخل کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ غنی ہے، تم محتاج ہو، اور اگر تم روگردانی کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے بدلہ دوسری قوم کو لے آئے گا، پھر وہ تمہارے جیسے نہ ہوں گے﴿۳۸﴾

معارف ومنازل

ان آیات میں مسلمانوں کو چند تنبیہات فرمائی ہیں، کچھ عام احوال سے اور کچھ فی سبیل اللہ اموال خرچ کرنے سے متعلق ہیں۔ اول تو یہ فرمایا کہ دنیا ایک کھیل ہے، نفوس کو بہلانے والی چیز ہے، سورۃ العنکبوت میں بھی یہی فرمایا: ﴿وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ۭ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِىَ الْحَيَوَانُ﴾ [العنکبوت: ۶۴] (نہیں دنیا والی زندگی مگر لہو ولعب ہے، اور بلاشبہ آخرت والا گھر ہی اصلی اور حقیقی زندگی ہے)۔ کھیل کود والی زندگی سے مقاصد حقیقیہ حاصل نہیں ہوتے، مقصدِ حقیقی یعنی ہمیشہ راحتوں اور نعمتوں اور لذّتوں میں رہنا یہ موت کے بعد دار آخرت ہی میں نصیب ہوگا، پس اسی کے لیے کوشش کرنا لازم ہے، اور انہی اعمال میں مشغول ہوں جو وہاں کام آئیں، جس میں فرائض اور واجبات کی ادائیگی اور ترکِ معاصی لازم ہے۔

علامہ قرطبیؒ نے اس کے کئی معنیٰ لکھے ہیں، مالی سلسلے میں اللہ تعالیٰ تمہیں یہ حکم نہیں دے گا کہ پورے اموال کو زکوٰۃ میں دیدو، پوری زندگی رات دن عبادت میں لگے رہو، اس تکلیف مالا یطاق میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو کبھی نہیں ڈالا، اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر دیگر تمام حقوق کو چھوڑ کر صرف ایک ہی ذکر الٰہی میں مشغول ہونا

ضروری ہوتا توسب سے پہلے میں اس کا زیادہ حقدار ہوتا، پس تمہارے نفس کے بھی حقوق ہیں، بیوی بچوں کے بھی حقوق ہیں، تمہارے پاس آنے والے مہمانوں کے بھی حقوق ہیں، تمہاری آنکھوں کے بھی حقوق ہیں، تو میری سنت یہ ہے کہ ان سب حقوق کی ادائیگی میں مصروف رہو، ایسی رہبانیت اختیار نہ کرو جس میں سارے حقوق تلف ہوں۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللهِ﴾ بیشک وہ لوگ جنہوں نے کفر کا طریقہ اختیار کیا اور دوسروں کو بھی اللہ کے راستے سے روکا، یعنی خود بھی ایمان سے محروم رہے، اور دوسروں کے ایمان میں بھی رکاوٹ بنے یہ لوگ دوہرے مجرم ہیں۔ ﴿ثُمَّ مَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ﴾ پھر یہاں تک کہ انہیں موت آگئی اس حالت میں کہ وہ کافر ہی رہے، تو ایسے لوگوں کے متعلق فیصلہ یہ ہے:

﴿فَلَنْ يَغْفِرَ اللهُ لَهُمْ﴾ کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز معاف نہیں فرمائے گا، وہ ابدی سزا میں مبتلا رہیں گے۔

اب اہل ایمان کو تنبیہ ہے: ﴿فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلْمِ ۖ وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ ۖ وَاللهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَتِرَكُمْ أَعْمَالَكُمْ﴾ اے مسلمانو! کافروں کی قوت اور ساز وسامان سے مرعوب ہو کر سستی نہ کرو، اور ہمت نہ ہارو کہ خود انہیں صلح کی دعوت دینے لگو، کیونکہ صلح کی بات یک طرفہ نہیں ہوتی، یہ تو طرفین کی خواہش پر ہوتی ہے، سورۂ انفال میں فرمایا: ﴿وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ﴾[الأنفال:٦١] (اگر مخالف فریق صلح کے لیے آمادہ ہو اور وہ اس کی پیشکش کرے تو پھر اس کو قبول کرلو اور اللہ تعالیٰ پھر بھروسہ رکھو)۔ مطلب یہ ہے مسلمانوں کو چاہئے کہ کمزوری یا بزدلی کی وجہ سے کافروں کو صلح کی دعوت نہ دیں، بلکہ ہمت اور صبر کے ساتھ مقابلہ کریں، اسی کے متعلق فرمایا کہ تم ہی بلند یعنی غالب رہو گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نصرت تمہارے شامل حال ہے، اور تمہاری لڑائی صرف اللہ کے دین کی سربلندی کیلئے ہے، تم اللہ کے لیے لڑتے ہو، تمہارا مقابل فریق شیطان کے لیے لڑتا ہے اور یہ بھی سمجھو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال میں ہرگز کمی نہیں کرے گا۔

گزشتہ آیتوں میں بھی یہ مضمون گزر چکا کہ کافر کے اعمال ضائع ہوں گے، جبکہ مسلمان کے اعمال ضائع نہیں ہوں گے۔ آگے دنیا کی حقیقت کو بیان فرمایا:

﴿إِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ﴾ بیشک دنیا کی زندگی تو محض کھیل تماشا ہے، اور جو لوگ دنیا کے کھیل تماشا میں پھنس کر قرآن مجید کے پروگرام کو ترک کر دیتے ہیں ان کے لیے دونوں جہانوں میں محرومی کے سوا کچھ بھی نہیں، فرمایا: ﴿وَإِنْ تُؤْمِنُوا وَتَتَّقُوا يُؤْتِكُمْ أُجُورَكُمْ وَلَا يَسْأَلْكُمْ أَمْوَالَكُمْ﴾ دنیا کے کھیل کود میں دل

لگانے کے بجائے اگر تم اللہ پر ایمان لاؤ گے اور تقویٰ کا راستہ اختیار کرو گے تو اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اللہ تمہیں تمہارا اجر عطاء فرمائے گا، اور دنیا و آخرت دونوں میں کامیابی عطاء فرمائے گا، اور تمہارا سارے کا سارا مال تم سے طلب نہیں کرے گا، بلکہ جو لازم اور ضروری حقوق ہیں انہی کے متعلق تم سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا مطالبہ ہوگا، اللہ تعالیٰ ویسے تمہارا مالک ہے، تمہارا مال اسی کا ہے، اگر سارے مال کا تم سے مطالبہ کرے گا تو وہ حق رکھتا ہے، مگر وہ ایک خاص مقدار کا مطالبہ فرما رہے ہیں کیونکہ:

﴿اِنۡ یَّسۡـَٔلۡکُمُوۡهَا فَیُحۡفِکُمۡ تَبۡخَلُوۡا وَیُخۡرِجۡ اَضۡغَانَکُمۡ﴾ اگر وہ ایسا مطالبہ کردے تاکید کے ساتھ کہ سارا مال خرچ کرو تو تم اس امتحان میں ناکام رہو گے، تم بخل کرنے لگو گے، تم میں سے کوئی سارا مال دینے کے لیے تیار نہ ہوگا، اِلّا ماشاء اللہ، تو وہ تمہارے اندر کے کھوٹ کو باہر نکال دے گا، اور تم ذلیل ہو جاؤ گے، اور یہ اس کا کرم ہے کہ تم پر تخفیف فرمائی، سارا مال طلب نہیں کیا، بلکہ اس کا کچھ حصہ مختلف مدت میں مختلف اوقات میں خرچ کرنے کا حکم دیا۔ پوری تفصیل کتب فقہ میں دیکھی جائے۔

﴿هٰۤاَنۡتُمۡ هٰۤـؤُلَآءِ تُدۡعَوۡنَ لِتُنۡفِقُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنۡکُمۡ مَّنۡ یَّبۡخَلُ ۚ وَمَنۡ یَّبۡخَلۡ فَاِنَّمَا یَبۡخَلُ عَنۡ نَّفۡسِهٖ﴾ اے لوگو! سن لو تمہیں اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے کی دعوت دی جا رہی ہے، سو تم میں سے بعض بخل کرتے ہیں، یہاں تک کہ فرض اور واجب مقدار کے دینے میں بھی بخل کرتے ہیں، اور جو شخص بخل کرے گا تو اس کا وبال اسی پر پڑے گا، اور حکمِ عدولی کا نقصان اسی کو ہوگا، اور حقوق اللہ کی ادائیگی کے بعد اس کا باقی ماندہ مال بھی پاک اور صاف رہتا اور برکت کے ساتھ اسے دیگر فوائد بھی حاصل ہوتے، تم یہ نہ سمجھو کہ اللہ تعالیٰ کو ذاتی طور پر تمہارے مال کی ضرورت ہے، ہرگز نہیں بلکہ:

﴿وَاللّٰهُ الۡغَنِیُّ وَاَنۡتُمُ الۡفُقَرَآءُ﴾ اللہ تعالیٰ تو غنی اور بے نیاز ہے، اُسے تمہارے مال کی کیا ضرورت ہے؟ خرچ کرنے میں تمہارا اپنا فائدہ ہے، کیونکہ تم محتاج ہو، اور تمہیں مال کی زیادتی کی ضرورت ہے، اور یہ مسلم بات ہے کہ خرچ کرنے کے بعد خرچ کرنے والے کے مال میں برکت ہوتی ہے، اس کا مال بڑھ جاتا ہے، اور کبھی محتاج نہیں ہوگا، اسی کو فرمایا: ﴿مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یُقۡرِضُ اللّٰهَ قَرۡضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ﴾ [الحدید: ۱۱] (وہ کون ہے جو اللہ کو قرض حسن دے، تو اللہ اُسے دوگنا کر کے لوٹا دے گا)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کبھی ایسا بھی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ایک کے عوض بیس لاکھ عطاء فرمائے گا۔ [درمنثور] پس

تمہارا فائدہ اسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے امر پر لبیک کہتے ہوئے نیک راستوں میں خوب مال خرچ کرو۔

﴿وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ﴾ اگر تم روگردانی کرو گے، اپنی خواہشات کے پیچھے چلو گے، قرآن پاک کے پروگرام کو ترک کرو گے، تو یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ اس بات پر بھی قادر ہے کہ وہ تمہاری جگہ ایسے لوگوں کو لے آئے جو تمہارے جیسے نہیں، بلکہ تم سے زیادہ بہتر ہوں گے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت کی، تو اللہ تعالیٰ نے ان کو مستحکم کر دیا، جب انہوں نے جان و مال کی قربانیاں پیش کیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں نصف دنیا کا والی بنا دیا، جہاں انہوں نے مکمل طور پر اسلامی نظام نافذ کیا، انہوں نے دنیا میں قرآن حکیم کے نظام کو نافذ کیا تو ان کی جگہ کسی دوسری قوم کو لانے کی ضرورت نہ پڑی۔ بہر حال! ایمان والوں کو تنبیہ کی گئی کہ جانی مالی قربانی سے گریز نہ کریں، اسی میں تمہارا فائدہ ہے، اور بخل سے منع فرمایا۔

سُورَةُ الْفَتْح

مدنیۃٌ آیاتھا ۲۹ رکوعاتھا ۴

سورۂ فتح مدنی ہے، اس میں انتیس (۲۹) آیتیں، اور چار (۴) رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام:

اس سورت کا نام سورۃ الفتح ہے جو اس سورت کی پہلی آیت میں لفظ فتح سے مأخوذ ہے۔ یہ سورت ترتیب تلاوت میں ۴۸ ویں نمبر پر ہے، اور ترتیب نزول میں ۱۱۱ ویں نمبر پر ہے۔

نزول:

یہ سورت مدنی ہے، سن ۶ ہجری کو حُدیبیہ سے واپسی پر راستے میں نازل ہوئی۔

تعداد کلمات وحروف:

اس سورت میں ۴ رکوع، ۲۹ آیات اور ۵۷۸ کلمات ہیں، اور یہ ۲۵۵۵ حروف پر مشتمل ہے۔

ربط ومناسبت:

اس سے پہلی سورت میں جہاد اور جہاد میں مال خرچ کرنے کی ترغیب کا ذکر تھا، اب اس سورت میں مال خرچ کرنے کے مواقع کا ذکر ہے۔

مختصر مضمون:

بشارتِ فتحِ اسلام، مع شرائطِ فتح، صلح حدیبیہ کا پس منظر، بیعت کی مشروعیت، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اخلاص کا

بیان، منافقین کی تردید و مذمت، صلح حدیبیہ کے فوائد اور حکمت، سنت اللہ کا بیان، فضیلت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب کے پورے ہونے کا بیان، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اوصاف اور کفار کے خباثت کا بیان ہے۔

فضیلت سورت:

ایک روایت میں ہے کہ جو شخص اس سورت کو رمضان شریف کی پہلی رات میں پڑھے گا تو پورا سال خیر و برکت اور عافیت اس کے واسطے قائم رہے گی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا ۙ﴿۱﴾ لِّیَغۡفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡۢبِکَ وَ مَا تَاَخَّرَ وَ
یُتِمَّ نِعۡمَتَہٗ عَلَیۡکَ وَ یَہۡدِیَکَ صِرَاطًا مُّسۡتَقِیۡمًا ۙ﴿۲﴾ وَّ یَنۡصُرَکَ اللّٰہُ نَصۡرًا عَزِیۡزًا ﴿۳﴾

ترجمہ: بے شک ہم نے آپ کو کھلی ہوئی فتح دی ﴿۱﴾ تا کہ اللہ آپ کی اگلی پچھلی سب خطائیں معاف فرمادے، اور آپ پر اپنی نعمت پوری کر دے، اور آپ کو صراط مستقیم پر چلائے ﴿۲﴾ اور اللہ آپ کی ایسی مدد فرمائے جو زبردست ہو ﴿۳﴾

معارف و منازل

صلح حدیبیہ کا مختصر تاریخی پس منظر:

اس سورت کی مختلف آیات میں متعدد واقعات کی طرف اشارہ ہے، بغرض سہولتِ فہم ان کو مختصراً یہاں لکھ دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں خواب دیکھا کہ ہم مکہ مکرمہ میں امن و امان کے ساتھ داخل ہوئے، اور عمرہ کر کے حلق و قصر کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خواب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بیان کیا، گو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدت کی تعیین نہیں فرمائی مگر شدت اشتیاق سے اکثریت کا خیال اس طرف گیا کہ اس سال عمرہ میسر ہوگا، اور اتفاقاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قصد عمرہ کا ہو گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تقریباً ڈیڑھ ہزار آدمیوں کے ہمراہ بغرضِ عمرہ مکہ کی طرف روانہ ہوئے، اور ہدی بھی آپ کے ساتھ تھی، یہ خبر مکہ پہنچی تو قریش نے بہت سا مجمع کر کے اتفاق کر لیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ میں نہ آنے دیں گے، حالانکہ ان کے ہاں حج وعمرہ سے کسی دشمن کو بھی نہیں روکا جاتا تھا۔ بہرحال! حدیبیہ پہنچ کر جو مکہ کے قریب ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی بیٹھ گئی، اور کسی طرح اٹھنے کا نام نہیں لیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حَبَسَهَا حَابِسُ الْفِيلِ۔ اور فرمایا کہ خدا کی قسم اہل مکہ مجھ سے جس بات کا مطالبہ کریں گے جس میں حرمات اللہ کی تعظیم قائم رہے میں منظور کروں گا، آخر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہیں قیام فرمایا، اس مقام کو آج کل شمسیہ کہتے ہیں۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ والوں کے پاس قاصد بھیجا کہ ہم لڑنے نہیں آئے ہیں، ہمیں آنے دو، عمرہ کر کے واپس چلے جائیں گے، جب اس کا کچھ جواب نہ ملا تو آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو وہی پیغام دے کر بھیجا، اور بعض مسلمان مرد وعورت جو مکہ میں مغلوب ومظلوم تھے ان کو بشارت پہنچائی کہ اب عنقریب مکہ میں اسلام غالب ہوجائے گا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قریش نے مکہ میں روک دیا، ان کی واپسی میں جو دیر لگی یہاں یہ خبر مشہور ہوگئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قتل کر دیئے گئے، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس خیال سے کہ شاید لڑائی کا موقع ہوجائے سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر جہاد کی بیعت لی۔ جب قریش نے بیعت کی خبر سنی تو ڈر گئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو واپس بھیج دیا۔ پھر مکہ کے چند رؤساء بغرض صلح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت گرامی میں حاضر ہوئے اور صلح نامہ لکھنا قرار پایا۔ اس سلسلے میں بعض امور پر بحث وتکرار بھی ہوئی، اور مسلمانوں کو غصہ اور جوش آیا کہ تلوار سے معاملہ ایک طرف کر دیا جائے، لیکن آخر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ والوں کے اصرار کے موافق سب باتیں منظور فرمالیں، اور مسلمانوں نے بھی بے انتہاء ضبط وتحمل سے کام لیا، اور صلح نامہ تیار ہوگیا، جس میں:

(۱) ایک شرط کفار کی طرف سے یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سال واپس چلے جائیں، اور آئندہ سال غیر مسلح آکر عمرہ کر لیجئے۔

(۲) دوسری شرط یہ کہ فریقین میں دس سال لڑائی نہ ہوگی، اس مدت میں جو مرد مکہ سے تمہارے پاس مدینہ آجائے اُسے آپ اپنے پاس نہ رکھیں ہمارے پاس واپس بھیج دیں، اور جو تمہارا آدمی ہمارے ہاں مدینہ سے مکہ آئے گا ہم اس کو واپس نہ کریں گے۔ صلح کا تمام معاملہ طے ہوجانے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیبیہ ہی میں ہدی کا جانور ذبح کیا اور حلق وقصر کر کے احرام کھول دیا، اور مدینے کی طرف روانہ ہوگئے۔ راستہ ہی میں یہ سورۃ الفتح نازل ہوئی، اور یہ سب

واقعہ ذی القعدہ کے آخر میں ٦ ھ میں پیش آیا۔

حدیبیہ سے واپس تشریف لاکر اوائل ٧ ھ میں آپ ﷺ نے خیبر فتح کیا جو مدینہ سے شمال کی جانب چار منزل پر شام کی سمت یہود کا ایک بہت بڑا شہر تھا۔ اس حملے میں کوئی شخص اُن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ شریک نہ تھا جو حدیبیہ میں آپ ﷺ کے ساتھ تھے، اس سال آئندہ یعنی ذی قعدہ ٧ ھ میں آپ ﷺ حسب معاہدہ عمرۃ القضاء کیلئے تشریف لے گئے، اور امن وامان کے ساتھ مکہ پہنچ کر عمرہ ادا فرمایا۔ عہد نامہ میں دس سال تک لڑائی بند رکھنے کی جو شرط تھی قریش نے نقض عہد کیا، نقض عہد کے بعد آپ ﷺ نے مکہ پر چڑھائی کردی، اور رمضان ٨ ھ میں مکہ کو فتح کرلیا۔

حدیبیہ کی صلح بظاہر ذلّت ومغلوبیت کی صلح نظر آتی ہے، اور شرائطِ صلح پڑھ کر بادی النظر میں یہی محسوس ہوتا ہے کہ تمام شرطوں کا فیصلہ کفار قریش کے حق میں ہوا، چنانچہ حضرت عمر اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی صلح کی ظاہری سطح دیکھ کر سخت محزون ومضطرب تھے، وہ خیال کرتے تھے کہ اسلام کے چودہ پندرہ سو سرفروش سپاہیوں کے سامنے قریش اور اُن کی طرفداروں کی جمعیت کیا چیز ہے؟ کیونکہ تمام نزاعات کا فیصلہ تلوار سے نہیں کیا جاتا، مگر رسول اکرم ﷺ کی آنکھیں مبارک اِن احوال ونتائج کو دیکھ رہی تھیں جو دوسروں کی نگاہوں سے اوجھل تھیں، اور اللہ نے آپ ﷺ کا سینہ مبارک سخت سے سخت ناخوشگوار واقعات کو برداشت کرنے کے لئے کھول دیا تھا، آپ ﷺ بے مثال استغناء اور توکل وتحمل کے ساتھ ان کی ہر شرط قبول فرماتے رہے، اور اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کو اللہ ورسولہ أعلم کہہ کر تسلی دیتے رہے، یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ زیادہ جانتے ہیں، پھر یہ سورت نازل ہوئی، اور خداوند قدوس نے اس صلح اور فیصلہ کا نام فتح مبین رکھا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس پر بھی تعجب کرتے تھے کہ یارسول اللہ! کیا یہ فتح ہے؟ فرمایا: ہاں بہت بڑی فتح ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی بیعت جہاد اور معمولی چھیڑ چھاڑ کے بعد کفار معاندین کا مرعوب ہوکر صلح کی طرف جھکنا اور نبی اکرم ﷺ کا باوجود جنگ اور انتقام پر کافی قدرت رکھنے کے ہر موقع پر اغماض اور عفو ودرگزر سے کام لینا، اور محض تعظیم بیت اللہ کی خاطر ان کے بیہودہ مطالبات پر قطعاً پریشان نہ ہونا، یہ واقعات ایک طرف اللہ کی مدد ونصرت کا ذریعہ بنتے تھے، اور دوسری جانب دشمنوں کے دلوں پر اسلام کی اخلاقی وروحانی طاقت اور پیغمبر ﷺ کی شان پیغمبری کا سکہ بٹھلا رہے تھے، گو عہد نامہ لکھتے وقت ظاہر بینوں کو کفار کی جیت نظر آتی تھی، لیکن ٹھنڈے دل سے فرصت

میں بیٹھ کر غور کرنے والے خوب سمجھتے تھے کہ فی الحقیقت تمام تر فیصلہ حضور ﷺ کے حق میں ہورہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس سورت کا نام فتح مبین رکھ کر متنبہ کردیا کہ یہ صلح اس وقت بھی فتح ہے، اور آئندہ کے لیے بھی آپ ﷺ کے حق میں بے شمار فتوحات ظاہری و باطنی کا دروازہ کھولتا ہے، اس صلح کے بعد کافروں اور مسلمانوں کو باہم اختلاط اور بے تکلف ملنے جلنے کا موقع ہاتھ آیا، کفار مسلمانوں کی زبان سے اسلام کی باتیں سنتے اور ان مقدس مسلمانوں کے احوال واطوار کو دیکھتے تو خود بخود ایک کشش اسلام کی طرف ہوتی تھی۔

نتیجہ یہ ہوا کہ صلح حدیبیہ سے فتح مکہ تک یعنی دو سال کی مدت میں اتنی کثرت سے لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے کہ کبھی اس قدر نہ ہوئے تھے۔ خالد بن ولید، عمرو بن العاص، جیسے نامور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسی دوران میں اسلام کے حلقہ بگوش بنے، یہ جسموں کو نہیں دلوں کو فتح کرلینا اسی صلح حدیبیہ کی عظیم ترین برکت تھی، اب جماعت اسلام چاروں طرف اس قدر پھیل گئی تھی، اور اتنی بڑھ گئی تھی کہ مکہ معظّمہ کو فتح کرکے ہمیشہ کے لیے شرک کی گندگی سے پاک کردینا بالکل سہل ہوگیا۔

حدیبیہ میں حضور ﷺ کے ہمراہ ڈیڑھ ہزار جانباز تھے، لیکن دو برس کے بعد مکہ معظّمہ کی فتح عظیم کے وقت دس ہزار کا لشکر جرار آپ ﷺ کے ہم رکاب تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ نہ صرف فتحِ مکہ، فتحِ خیبر بلکہ آئندہ کی کُل فتوحاتِ اسلامیہ کے لیے صلح حدیبیہ بطور اساس و بنیاد اور زرین دیباچہ کے تھی۔ اور اس تحمل وتوکّل اور تعظیم حرمات اللہ کی بدولت جو صلح کے سلسلے میں ظاہر ہوئی جن علوم و معارفِ قدسیہ اور باطنی مقامات و مراتب کا فتح باب ہوا ہوگا اس کا اندازہ تو کون کرسکتا ہے؟ ہاں! تھوڑا سا اجمالی اشارہ حق تعالیٰ نے ان آیتوں میں فرمایا ہے۔

مذکورہ پس منظر میں اللہ تعالیٰ نے اس سورتِ مبارکہ میں پیش آنے والے دس واقعات کی طرف اشارہ فرمایا ہے، واقعہ حدیبیہ کے ضمن میں بیعت رضوان کا ذکر اور معاہدۂ صلح کا تذکرہ بھی آیا ہے۔ آنحضرت ﷺ کو آنے والے خواب کا ذکر ہے، اور ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صفات بھی بیان کی گئیں ہیں، اور منافقین کا تعاقب بھی کیا گیا ہے، ان کی سازشوں کا پردہ فاش کیا گیا ہے، اور پھر ان کو سخت وعید بھی سنائی گئی ہے۔

حدیبیہ کی طرف روانگی کے وقت آپ ﷺ نے بعض دیہاتی منافقین کو بھی چلنے کی دعوت دی تھی، مگر وہ سمجھتے تھے کہ مسلمان دشمن کے گھر میں خود چل کر جارہے ہیں، یہ زندہ واپس نہیں آئیں گے، لہٰذا انہوں نے عمرہ کی ادائیگی کے لیے جانے سے انکار کردیا، پھر جب آپ ﷺ خیبر کی طرف روانہ ہوئے تو انہیں مسلمانوں کی فتح کا

یقین تھا، لہٰذا مال حاصل کرنے کے لالچ میں انہوں نے ساتھ چلنے کا ارادہ ظاہر کیا، مگر آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا اور کہا کہ ہمارے ساتھ وہی لوگ جائیں گے جو واقعہ حدیبیہ کے وقت گئے تھے، اس طرح یہ منافق خیبر کے مال سے محروم رہے۔ یہ سب واقعات اس سورت میں اشارۃً مذکور ہیں۔ اس سورتِ مبارکہ میں اصلاح کے پہلو پر خاص توجہ دی گئی ہے، انفرادی طور پر اصلاح کا آغاز عقیدے سے ہوتا ہے، پہلے انسان کے عقیدے کی اصلاح ہو، پھر عمل کی اور پھر اخلاق کی، اس کے بعد اجتماعی اصلاحات کی ضرورت ہوتی ہے، پھر جو لوگ اصلاحی پروگرام کو قبول نہیں کرتے ان کے ساتھ جنگ کرنا پڑتی ہے، اپنی ذاتی اصلاح کے بعد قریبی رشتہ داروں کی اصلاح درکار ہوتی ہے، جیسے آنحضرت ﷺ کو حکم ہوا: ﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ [الشعراء:۲۱۴] (آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈر سنا دیں) تا کہ ان کی اصلاح ہو جائے، اس کے بعد پھر پوری قوم کی اصلاح کی ضرورت ہوتی ہے، چنانچہ ارشاد ہے: ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ [یوسف:۲] (ہم نے قرآن کو عربی زبان میں نازل فرمایا تا کہ تم سمجھ جاؤ) اور اپنی اصلاح کرو۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کی زبان عربی، آپ کی قوم کی زبان عربی، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے قرآن کو بھی عربی زبان میں نازل فرمایا تا کہ اس کے سمجھنے میں کوئی دقت پیش نہ آئے، اور مسلمانوں کی ایک اوّلین جماعت تیار ہو جائے، تو اس قرآن کے پروگرام کو لے کر دنیا میں پھیل جائے تا کہ ساری دنیا کی اصلاح ہو جائے۔ سورتِ ہٰذا میں یہ ساری باتیں آگئیں ہیں، اب فرمایا:

﴿اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا﴾ اے پیغمبر! بیشک ہم نے آپ کو کھلی فتح سے نوازا ہے جو کہ صلح حدیبیہ ہے، جس سے ظاہری اور باطنی فتوحات اور دینی و دنیوی نعمتوں کا دروازہ کھول دیا گیا۔ صلح حدیبیہ میں جن رحمتوں، نعمتوں، اور کرامات کا آغاز ہوا ان میں سے ایک یہ ہے: ﴿لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ﴾ کہ درگزر کرے آپ کے واسطے، اللہ آپ کی وہ تمام تقصیرات جو پہلے گزری اور وہ جو بعد میں ہوں گی۔

جن لغزشوں کی معافی کا ذکر اس آیت میں کیا گیا امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ اس کی توجیہ اس طرح فرماتے ہیں کہ اللہ کے نبی کی دو حیثیتیں ہیں: ایک حیثیت سے آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں، اور اس حیثیت میں آپ ﷺ کی اطاعت تمام اہل ایمان پر فرض ہے۔ اور آپ ﷺ کی دوسری حیثیت امیر جماعت کی ہے، آپ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ بھی ہیں اور جماعۃ المسلمین کے امیر بھی، یہ ایک مسلم امر ہے کہ جماعت کی غلطیوں میں ان کا امیر بھی شریک سمجھا جاتا ہے، جماعت کو نفع ہو یا نقصان، فتح ہو یا شکست امیرِ جماعت پر بھی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، تو اس

لحاظ سے جماعت کی غلطیوں میں چونکہ امیر جماعت بھی شامل ہوتا ہے لہٰذا ایسی ہی غلطیوں اور کوتاہیوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس نے آپ کی اگلی پچھلی سب تقصیرات معاف فرمادی ہیں۔ اس معافی کے علاوہ اللہ نے دوسری بات یہ فرمائی:

﴿وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝٢﴾ اور تا کہ اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی نعمت پوری کردے، نعمت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نہ صرف منصب نبوت پر سرفراز فرمایا، بلکہ آپ پر سلسلۂ نبوت کو ختم کردیا، پھر آپ کی بعثت کسی ایک قوم یا کسی خاص خطے کی طرف نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ﴾ [سبأ:٢٨] (اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے ہی رسول بنا کر بھیجا ہے) آپ ﷺ کی بعثت تمام نوعِ انسان کے لیے ہے، اور جنات کے لیے بھی، اور اس کے ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا: اور آپ کی سیدھے راستے کی طرف رہنمائی فرمائی، یعنی آپ اس عظیم صراط مستقیم پر قائم ودائم رہیں گے، اور یہ فضیلت وغلبہ آپ کی امت کو بھی حاصل رہے گا۔

﴿وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی زبردست مدد فرمائی، اور ہمیشہ مدد فرمائیں گے۔

اس آیت سے فتح مکہ کی طرف واضح اشارہ ہے، اور مدنی سورتوں میں سب سے آخری سورت سورۃ النصر کی طرف یہاں سے بھی اشارہ ہے کہ: ﴿وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا﴾ [النصر: ٢] (اور تم لوگوں کو دیکھ لو کہ وہ فوج درفوج اللہ کے دین میں داخل ہورہے ہیں) اس وقت حدیبیہ جیسا حال نہ ہوگا، بلکہ چاروں طرف سے جوق درجوق لوگ آپ کے قدموں کے ساتھ سجدہ ریز ہوں گے، اور سیاسی سطح پر قیصر وکسریٰ کے تخت بھی الٹ چکے ہوں گے۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ۭ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝۴ لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝۵

وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ؕ
عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۚ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝۶
وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝۷

ترجمہ: اللہ وہی ہے جس نے مؤمنین کے دلوں میں سکون نازل فرمایا تاکہ ایمان کے ساتھ ان کا ایمان اور زیادہ ہو جائے، اور اللہ ہی کے لیے ہیں لشکر آسمانوں کے اور زمین کے، اور اللہ علیم ہے، حکیم ہے ④ تاکہ اللہ مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کو ایسی جنتوں میں داخل فرمائے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے تاکہ ان کے گناہوں کا کفارہ فرمادے، اور یہ اللہ کے نزدیک بڑی کامیابی ہے ⑤ اور تاکہ اللہ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو سزا دے جو اللہ کے بارے میں بُرا گمان رکھنے والے ہیں، ان پر بُرائی کی مصیبت پڑنے والی ہے، اور اللہ اُن پر غصہ ہوا، اور اُن پر لعنت کردی، اور ان کے لیے جہنم تیار کردیا، اور وہ بُرا ٹھکانہ ہے ⑥ اور اللہ ہی کے لیے ہیں لشکر آسمانوں کے اور زمین کے، اور اللہ عزیز ہے، حکیم ہے ⑦

معارف ومنازل

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو مشرکینِ مکہ چاروں طرف پہاڑوں پر قبضہ جما چکے تھے، اور پوری قوت کے ساتھ مسلح ہو کر مکہ کی طرف جانے والے تمام راستوں کو بند کیا تھا، اور پوری قوت کے ساتھ جنگ کے لیے آمادہ تھے، تو مشرکینِ مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عمرہ کرنے کے لیے مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا، بالآخر کئی دنوں کی گفت وشنید کے بعد طے پایا کہ مسلمان اس سال بغیر عمرہ کے واپس چلے جائیں گے، اور آئندہ سال غیر مسلح ہو کر آئیں گے، عمرہ کرنے کے بعد تین دن قیام کریں گے، اور واپس چلے جائیں گے۔

اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے یہ فیصلہ سخت دل شکن تھا، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے سامنے انہیں سرِ تسلیم خم کرنا پڑا، کیونکہ وہ اطاعت کے پیکر تھے، اور وہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فرمان کو دل وجان سے قبول کرنے کے عادی تھے، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس فیصلے سے بڑے مطمئن تھے، اور وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ اس فیصلے سے اسلام کا بول بالا رہے گا، اور کفر کی کمر ٹوٹ جائے گی۔ باقی صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی کمال درجے کا اطمینان حاصل تھا، اور وہ اس فیصلے پر نبی علیہ السلام کی طرح بغیر تردد کے مکمل مطمئن تھے۔

﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ السَّکِیْنَةَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ خدائے تعالیٰ کی ذات رحیم و کریم ہے جس نے اہل ایمان کے دلوں میں سکینت، اطمینان اور تسلی ڈال دی ہے، اگرچہ انہیں مذکورہ فیصلے سے رنج تھا مگر اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جذبہ نے انہیں یہ فیصلہ تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا۔

اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلح کی کمزور ترین شرائط قبول کیں، یہ چیز بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے پریشانی کا باعث تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرطِ جذبات میں آکر عرض کیا: یارسول اللہ! کیا اسلام برحق نہیں، اور ہم سچے نہیں؟ فرمایا: کیوں نہیں، اسلام برحق ہے، اور اسلام سچا ہے، پھر عرض کیا: ہمارے مقتول جنت میں اور کافروں کے مقتول جہنم میں نہیں جائیں گے؟ آپ نے فرمایا: بالکل ایسا ہی ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر عرض کیا: پھر ہم اتنی کمزور شرائط کیوں تسلیم کریں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا: میں اللہ تعالیٰ کا نبی ہوں، اور اللہ تعالیٰ مجھے ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہی بات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی کی، تو صدیق رضی اللہ عنہ کا جواب بھی یہی تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں، اور اللہ تعالیٰ آپ کو ضائع نہیں کرے گا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تسلی ہوگئی، اور انہوں نے قربانی کر کے احرام کھول دیا، اور اطمینان و سکینہ پا کر اپنے خیال کو غلط قرار دیا، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کو دل و جان سے تسلیم کیا۔

﴿لِیَزْدَادُوْٓا اِیْمَانًا مَّعَ اِیْمَانِهِمْ﴾ تاکہ وہ بڑھ جائیں ایمان میں اُن کے ایمان کے ساتھ۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایمان میں تو پہلے ہی کامل تھے، مگر دلوں میں سکینت نازل ہونے کی وجہ سے اُن کے ایمان مزید مضبوط ہوگئے، اور وہ دین کے لئے ہر قربانی دینے کے لیے تیار ہوگئے۔ ﴿وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اور اللہ ہی کے لیے ہیں لشکر آسمانوں اور زمین کے۔ ﴿وَکَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَکِیْمًا﴾ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

﴿لِّیُدْخِلَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ تاکہ داخل کرے اللہ تعالیٰ مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کو بہشتوں میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دین کا نچوڑ اور خلاصہ یہ ہے: التعظیم لأمر اللہ والشفقة علی خلق اللہ۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل اور تعظیم اور مخلوقِ خدا پر شفقت و مہربانی۔ ہمارے بزرگوں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو عبادت سے راضی کرو، نبی کو اطاعت سے اور مخلوقِ خدا کو خدمت سے راضی کرلو۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے انہی تینوں باتوں کی تاکید کی ہے۔

﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ﴾ مؤمن لوگ جنتوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، اور نعمتوں سے ہمیشہ مستفید ہوں گے، اور وہاں سے کبھی نہیں نکالے جائیں گے، یہ اُن کی خدمتِ خلق کا بدلہ ہوگا، اور انہیں یہ بھی انعام حاصل ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اُن سے ان کی برائیاں اور کوتاہیاں دور کردے گا۔

﴿وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا﴾ اور خدائے تعالیٰ کے نزدیک یہ بہت بڑی کامیابی ہے کہ انسان کی غلطیاں معاف ہوجائیں، اور وہ اللہ کی رحمت کے مقامِ جنت میں پہنچ جائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت نے اِن تمام رحمتوں کو، راحتوں کو، جنتوں کو بلاشبہ حاصل کیا، اور وہ کامیابی کی ہر بلندی پر پہنچ گئے۔ اس کے برخلاف فرمایا:

﴿وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ﴾ اور تاکہ اللہ تعالیٰ سزا دے منافق مردوں اور منافق عورتوں کو، اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو۔ قرآن حکیم کے پروگرام کی مخالفت میں منافقوں اور مشرکوں کے دونوں گروہ ہمیشہ پیش پیش رہے، منافق وہ لوگ ہیں جو بظاہر تو کلمۂ توحید پڑھتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مجلسوں میں بھی شریک ہوتے ہیں، مگر جب جنگ پر جانا ہوتا ہے، یا دوسری مشکل درپیش ہوتی ہے تو اُن کی خباشت ظاہر ہوجاتی ہے، اُن کے دل کفر سے لبریز ہوتے ہیں، اور وہ ہمیشہ باطنی سازشوں کے ذریعے اسلام کو اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے درپے رہتے ہیں۔

اور اُدھر مشرک ہیں جو کھلم کھلا دین کی مخالفت کرتے ہیں، اُس کے راستے میں ہر رکاوٹ کھڑی کرتے ہیں، اور اللہ کے پاکیزہ دین اور اُس کے پیروں کاروں کو مغلوب کرنا چاہتے ہیں۔ منافقین اور مشرکین کے علاوہ یہود و نصاریٰ بھی اس زُمرے میں آتے ہیں، کیونکہ وہ بھی اسلام کو پھلتا پھولتا نہیں دیکھ سکتے، حقیقت میں اُن کا دین بھی دین ابراہیمی تھا، جس کا اعلان تھا: ﴿حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ﴾ [الحج: ۳۱] (صرف ایک خدا کی وحدانیت پر قائم ہوجاؤ، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ) مگر انہوں نے اصل دین کو بگاڑ دیا، اور کفر و شرک میں مبتلا ہوگئے، اُن کو بھی اللہ تعالیٰ سزا میں مبتلا کرے گا۔ قرآنی پروگرام سے انحراف کرنے والے، بلکہ اُس کی مخالفت کرنے والے قدیم ہندو اور جدید سکھ بھی ہیں، اس کے علاوہ بُدھ مت والے ہیں جو مشرق بعید کے ممالک میں رہتے ہیں، یہ سب مشرکین میں شامل ہیں اور سزا کے مستحق ہیں۔

﴿الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ﴾ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ بُرا گمان رکھتے ہیں، بُرے گمان سے یہی مراد ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم نہیں کرتے، اور نہ اُس پر بھروسہ کرتے ہیں، بلکہ اپنی خود ساختہ سکیموں کو ہی اول

وآخر سمجھتے ہیں، اور انہی پر عمل کرتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے منافقوں کو عمرہ کے لیے ساتھ چلنے کی دعوت دی مگر انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات پر بدگمانی کی، اور مسلمانوں کی ہلاکت کا خطرہ ظاہر کیا، اس لئے ان کی اکثریت اس موقع پر مسلمانوں کی ہمراہ نہ گئی۔ ادھر مشرکین مکہ کی بدگمانی یہ تھی کہ شاید مسلمان شہر مکہ اور بیت اللہ شریف پر قبضہ ہی کر لیں، لہٰذا انہوں نے اہل ایمان کو مکہ میں داخل ہی نہ ہونے دیا، اور صلح نامہ کی آڑ میں عمرہ کی ادائیگی اگلے سال پر ملتوی کرادی، اگرچہ اس میں بھی مسلمانوں ہی کی بہتری تھی مگر مشرکوں نے اپنی بدگمانی میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

فرمایا: منافق اور مشرک بدگمانی کرتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے: ﴿عَلَيۡهِمۡ دَآئِرَةُ السَّوۡءِ﴾ کہ اس بدگمانی کی بری گردش انہی پر پڑے گی، اور بالآخر یہی مغلوب ہوں گے، اور اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو غالب کرے گا۔

﴿وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ وَلَعَنَهُمۡ﴾ اور اللہ ان پر ناراض ہوا، اور لعنت اور پھٹکار کی، چنانچہ یہ لوگ مغضوب اور ملعون ہوئے، اللہ نے دنیا میں بھی انہیں ناکام بنا دیا۔ ﴿وَاَعَدَّ لَهُمۡ جَهَنَّمَ﴾ اور آخرت میں ان کے لیے جہنم تیار کر دی ہے۔ ﴿وَسَآءَتۡ مَصِيۡرًا﴾ جو کہ لوٹ کر جانے کی بہت ہی بری جگہ ہے، اللہ تعالیٰ نے اس پر بدگمانی کرنے والوں کا انجام بھی بیان فرما دیا۔ اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے خدائی لشکر والی بات کو دہرایا ہے:

﴿وَلِلّٰهِ جُنُوۡدُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ﴾ اور آسمانوں اور زمین کی لشکر خدا تعالیٰ ہی کے ہیں، آسمانی لشکر اللہ کے مقرب فرشتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ہمہ وقت مصروف رہتے ہیں، اور زمینی لشکر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں، جن کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آسمانی لشکر کے نمونے پر قائم کیا، ان کے پیش نظر بھی ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور بنی نوع انسان کی خدمت ہوتی ہے، یہ ہر قربانی پیش کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں، اور انہوں نے اپنی اطاعت کا نمونہ بہت سے اوقات پر پیش کر دیا، ان کی اس قربانی کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان کو غالب بنایا، اور دنیا کی کوئی طاقت ان کے مقابلہ میں نہ ٹھہر سکی۔

امام شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت تک کا زمانہ اجتماعی لحاظ سے ساری امت کے لیے نمونہ ہے، انہی کی نقش قدم پر چلنے والی جماعت کو کامیابی حاصل ہوگی، مگر اس کے لیے شرائط بڑی سخت ہیں، یہاں تو سر دھڑ کی بازی لگانی پڑتی ہے، تب جا کر کامیابی نصیب ہوتی ہے۔ فرمایا: ارض وسماء کے لشکر اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيۡزًا حَكِيۡمًا﴾ اور اللہ تعالیٰ زبردست کمالِ قدرت کا مالک اور حکمت والا ہے، وہ جو چاہے کرے، اس کے راستے میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہو سکتی، اور اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا، بدقسمت

ہیں وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ پر بدگمانی کر کے اس کے احکام کی تعمیل نہیں کرتے، اور ہمیشہ کے لیے ناکام ہو جاتے ہیں۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝۸ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ۭ وَتُسَبِّحُوْهُ
بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝۹ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ۭ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ
فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝۱۰

ترجمہ: بلاشبہ ہم نے آپ کو شاہد اور مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا ۸ تاکہ تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو، اور اس کی تعظیم کرو، اور صبح شام اس کی تسبیح بیان کرو ۹ بلاشبہ جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے، سو جو شخص عہد توڑ دے گا اس کا توڑنا اسی کی جان پر ہوگا، اور جو شخص اس عہد کو پورا کر دے جو اس نے اللہ سے کیا ہے سو وہ اُسے بڑا اجر عطاء فرمائے گا ۱۰

معارف ومنازل

ان آیات میں رسول اللہ ﷺ کی تین بڑی اور عظیم صفات بیان فرمائیں: اول شاہد ہونا، دوم مبشر ہونا، سوم نذیر ہونا۔ عربی میں شاہد گواہ کو کہتے ہیں، قیامت کے دن آپ ﷺ اپنی امت کے عامل ہونے کی گواہی دیں گے، جیسا کہ سورۃ البقرہ میں ہے: ﴿وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾ [البقرة:۱۴۳] (اور رسول تمہارے اوپر گواہ ہوں گے)۔ سورۃ الحج میں ہے: ﴿لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ﴾ [الحج:۷۸] (تاکہ رسول تمہارے اوپر گواہ ہوں) میں بیان فرمایا ہے۔

دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ آپ ﷺ مبشر ہیں، جس کا معنیٰ ہے: بشارت دینے والا۔ اور تیسری صفت یہ بیان فرمائی کہ آپ ﷺ نذیر ہیں، یعنی ڈرانے والے ہیں، تبشیر یعنی ایمان اور اعمالِ صالحہ پر اللہ کی رضا اور اللہ تعالیٰ کے انعامات کی بشارت دینا، اور کفر پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور عذاب سے ڈرانا۔ یہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا کام تھا، خاتم الانبیاء ﷺ نے بھی اسے پورے اہتمام کے ساتھ انجام دیا، احادیثِ شریفہ میں آپ ﷺ کے انذار اور تبشیر کی سینکڑوں روایات موجود ہیں، اور الترغیب والترہیب کے عنوان سے علماء امت نے بڑی بڑی کتابیں تالیف کی ہیں۔

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی یہ عظیم صفات تورات شریف میں بھی مذکور ہیں، سرورِ عالم ﷺ کی مذکورہ صفات بیان فرمانے کے بعد اہل ایمان سے خطاب فرمایا:

﴿لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ؕ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا﴾ کہ ہم نے ان کو اس لئے رسول بنا کر بھیجا کہ تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اور اللہ کے دین کی مدد کرو، اور اس کی تعظیم کرو، اس کے موصوف بالکمالات ہونے کا عقیدہ رکھو، اور صبح شام اس کی تسبیح بیان کرو، عقیدۂ تعظیم کے ساتھ عیوب اور نقائص سے اس کی تسبیح اور تقدیس میں لگے رہو۔

جس وقت مقام حدیبیہ میں رسول اللہ ﷺ کا قیام تھا اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھے، اس وقت مکہ والوں کے آڑے جانے کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر سے کچھ ایسی فضا بن گئی تھی کہ جیسے جنگ کی ضرورت پڑ سکتی ہے، اس موقع پر سرورِ عالم ﷺ نے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے بیعت لی، جس میں یہ تھا کہ جم کر جہاد کریں گے، پشت پھیر کر نہ بھاگیں گے، بیعت کرنے والوں کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ آپ سے جو بیعت کر رہے ہیں ان کی یہ بیعت اللہ تعالیٰ ہی سے ہے، آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اللہ کے دین کی طرف دعوت دیتے ہیں، اور دعوت قبول کرنے والوں کو خود بھی اللہ کے دین پر چلاتے ہیں، جو آپ کے فرمانبرداری کرتا ہے وہ اللہ کی فرمانبرداری کرتا ہے۔

اس بیعت میں اللہ تعالیٰ کی بیعت کا اقرار بھی آجاتا ہے، اور رسول اللہ ﷺ کی فرمانبرداری کا بھی، قرآن مجید میں جگہ جگہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا بھی ذکر ہے، سورۃ النساء میں واضح طور پر فرمایا: ﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ [النساء: ٨٠] (جو رسول کی فرمانبرداری کرے تو اس نے اللہ کی فرمانبرداری کی)۔

بیعت کے لیے ضروری نہیں کہ ہاتھ میں ہاتھ دے کر ہی ہو، زبانی اقرار عہد و پیمان بھی بیعت ہے، لیکن چونکہ حدیبیہ کے موقع پر آپ ﷺ نے ہاتھ میں ہاتھ لے کر بیعت فرمائی تھی، اور بیعت اسی طرح مروج تھی (اور اب بھی اسی طرح مروج ہے) اس لئے ارشاد فرمایا: ﴿يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ﴾ کہ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ اعضاء اور جوارح سے تو پاک ہے، لیکن بیعت کی ذمہ داری کو واضح فرمانے کے لیے اور اس بات کو مؤکد کرنے کے لیے جو لوگ آپ ﷺ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں ﴿يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ

﴿اَیۡدِیۡهِمۡ﴾ فرمایا۔

چونکہ بیعت کرنے والے کی اندرونی حالت کو وہ شخص نہیں جانتا جس سے بیعت کی جارہی ہے، اس لئے بیعت کرنے والے کی ذمہ داری بتانے کے لیے فرمایا: ﴿فَمَنۡ نَّكَثَ فَاِنَّمَا یَنۡكُثُ عَلٰی نَفۡسِهٖ﴾ کہ جو شخص بیعت کو توڑ دے اس کے بیعت کے توڑنے کا وبال اسی پر پڑے گا، معاہدہ کر کے توڑ دینا ویسے بھی گناہ کبیرہ ہے، پھر جبکہ معاہدہ بیعت کی صورت میں مضبوط اور مؤکد کر دے تو اور زیادہ ذمہ داری بڑھ جاتی ہے، جب اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو اس کو پورا ہی کرنا فرض ہے۔ ﴿وَمَنۡ اَوۡفٰی بِمَا عٰهَدَ عَلَیۡهُ اللّٰهَ فَسَیُؤۡتِیۡهِ اَجۡرًا عَظِیۡمًا﴾ اور جو شخص اس عہد کو پورا کر دے جو اس نے اللہ سے کیا ہے، تو اللہ تعالیٰ اُسے اجر عظیم عطاء فرمائے گا۔

فائدہ:

اصحابِ طریقت کے یہاں جو سلسلہ جاری ہے یہ مبارک و متبرک ہے، اگر کسی متبع سنت شیخ سے مرید ہو جائے تو برابر تعلق باقی رکھے، لیکن اگر شیخ خلاف شریعت کسی کام کا حکم دیں، تو اس پر عمل کرنا گناہ ہے، اگر کسی فاسق یا بدعتی پیر سے بیعت ہو جائے تو اس بیعت کو توڑنا واجب ہے۔

سَیَقُوۡلُ لَكَ الۡمُخَلَّفُوۡنَ مِنَ الۡاَعۡرَابِ شَغَلَتۡنَاۤ اَمۡوَالُنَا وَاَهۡلُوۡنَا فَاسۡتَغۡفِرۡ لَنَا ۚ یَقُوۡلُوۡنَ
بِاَلۡسِنَتِهِمۡ مَّا لَیۡسَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ ؕ قُلۡ فَمَنۡ یَّمۡلِكُ لَكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ شَیۡـًٔا اِنۡ اَرَادَ بِكُمۡ ضَرًّا اَوۡ
اَرَادَ بِكُمۡ نَفۡعًا ؕ بَلۡ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرًا ⑪ بَلۡ ظَنَنۡتُمۡ اَنۡ لَّنۡ یَّنۡقَلِبَ الرَّسُوۡلُ
وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِلٰۤی اَهۡلِیۡهِمۡ اَبَدًا وَّزُیِّنَ ذٰلِكَ فِیۡ قُلُوۡبِكُمۡ وَظَنَنۡتُمۡ ظَنَّ السَّوۡءِ ۖۚ وَكُنۡتُمۡ قَوۡمًا
بُوۡرًا ⑫ وَمَنۡ لَّمۡ یُؤۡمِنۡ بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ فَاِنَّاۤ اَعۡتَدۡنَا لِلۡكٰفِرِیۡنَ سَعِیۡرًا ⑬ وَلِلّٰهِ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ
وَالۡاَرۡضِ ؕ یَغۡفِرُ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا ⑭

ترجمہ: عنقریب دیہات کے وہ لوگ جو پیچھے ڈال دیئے گئے آپ سے کہیں گے کہ ہمارے مالوں نے اور اہل و عیال نے ہمیں مشغول کر دیا ہے، سو آپ ہمارے لیئے استغفار کیجئے، وہ اپنی زبانوں سے کہتے ہیں جو ان کے

دلوں میں نہیں ہے، آپ فرما دیجئے: سو وہ کون ہے جو تمہیں اللہ تعالیٰ سے بچانے کے لیے کسی بھی چیز کا اختیار رکھتا ہو؟ اگر وہ تمہیں کوئی نقصان یا نفع پہنچانا چاہتا ہو، بلکہ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے کاموں کی پوری خبر ہے ⑪ بلکہ بات یہ ہے کہ تمہارا خیال تھا کہ رسول اور مؤمنین کبھی اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ کر نہیں آئیں گے، اور یہ بات تمہارے دلوں میں مزین کردی گئی، اور تم نے برا گمان کیا، اور تم ہلاک ہونے والے لوگ ہو ⑫ اور جو شخص اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان نہ لائے تو ہم نے کافروں کیلئے دوزخ کو تیار کر رکھا ہے ⑬ اور اللہ ہی کے لیے باشاہت آسمانوں اور زمینوں کی ہے، وہ بخش دے جسے چاہے اور عذاب دے جسے چاہے، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ⑭

معارف ومنازل

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کے نفاق اور ان کے جھوٹے حیلے بہانوں کا تذکرہ فرما کر ان کی تردید فرمائی۔ ۶ھ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمرہ کا ارادہ فرمایا تو مدینہ کے اطراف میں دیہاتی لوگوں کو بھی ساتھ چلنے کا پیغام بھیجا، مگر ان میں سے جو منافق تھے وہ اس سفر میں شامل نہ ہوئے، ان کی عدمِ شمولیت کی وجوہات آگے آرہی ہیں۔ پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم سفرِ عمرہ سے بخیر وخوبی فتح مبین کی خوشخبری لے کر واپس آئے، تو ان منافقوں کو اپنی محرومی اور جھوٹ کا احساس ہوا، ابتدا میں وہ تو یہ سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کو عمرہ کی ادائیگی کہاں نصیب ہوگی، ان کا تو جان بچا کر واپس آنے کی بھی کوئی امید نہیں، وہ منافق سمجھتے تھے کہ جن کفار ومشرکین نے مسلمانوں کو مدینہ میں بھی چین سے بیٹھنے نہیں دیا، اب مسلمان جب ان کے گھر پہنچیں گے تو یہ مشرکین ان کو کب واپس آنے دیں گے۔

جب مسلمان مدینہ واپس آرہے تھے تو منافقوں کو تعجب بھی ہوا، اور دل میں خوف بھی پیدا ہوا، کہ یہ لوگ کیسے بچ کر آرہے ہیں، اب ہماری شامت آنے والی، چنانچہ انہوں نے سفرِ عمرہ میں عدمِ شمولیت کے حیلے بہانے تلاش کرنا شروع کردیئے، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے اس فعل کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو واپسی کے سفر کے دوران مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی کردی، چنانچہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حدیبیہ سے چل کر بیس بائیس میل کی مسافت پر آئے تو رات کے وقت اللہ نے یہ سورت نازل فرمائی، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بشارت سنائی، اور ساتھ ساتھ منافقوں کی حیلہ سازی سے بھی آگاہ کردیا، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ﴾ سفرِ عمرہ سے پیچھے رہ جانے والے عنقریب آپ سے کہیں گے: ﴿شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا﴾ ہمیں ہمارے مالوں اور گھر والوں نے اس سفر سے مشغول کردیا، یعنی ہمارے بعد ہماری زمینوں اور باغات اور دیگر اموال (اونٹ، بکریاں، بھیڑ، وغیرہ) کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں تھا، اور نہ کوئی ایسا شخص تھا جو ہمارے گھر بار کی خبر رکھتا، لہٰذا ہم آپ کے ساتھ شریکِ سفر نہ ہوسکے، حالانکہ ہمارا دل تو چاہتا تھا کہ آپ کے ساتھ جائیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس قسم کی پیشگی اطلاع حضور ﷺ کو بعض دیگر مواقع پر بھی ملی، مثلاً جب تحویلِ قبلہ کا حکم ہورہا تھا تو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو پہلے ہی بتلادیا: ﴿سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ۭ﴾ [البقرۃ:۲:۱۴۲] (عنقریب احمق لوگ کہیں گے کہ مسلمان جس قبلہ یعنی بیت المقدس پر تھے اس سے کس چیز نے انہیں بیت اللہ شریف کی طرف پھیردیا؟)۔ پھر آگے اللہ تعالیٰ نے خود ہی اس کا جواب بھی بتلادیا کہ آپ کہہ دیں کہ مشرق ومغرب سب اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں، وہ جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔

بہرحال! پیچھے رہ جانے والے منافقین نے مال اور گھر بار کی حفاظت کا بہانہ بنا کر اپنی کوتاہی کا اعتراف کیا، اور ساتھ ہی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: ﴿فَاسْتَغْفِرْ لَنَا﴾ آپ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کریں، تاکہ اللہ تعالیٰ ہماری یہ کوتاہی معاف کردے، جیسا کہ بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے۔ معافی کا عام اصول یہ ہے: **إذا اعترف العبد وتاب تاب الله عليه۔** جب کوئی بندہ اپنی غلطی کا اعتراف کرکے توبہ کرلیتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ بھی اس کی توبہ کو قبول فرمالیتا ہے۔ اُدھر ترمذی شریف اور ابن ماجہ میں یہ روایت بھی موجود ہے: **التائب من الذنب كمن لا ذنب له۔** گناہوں سے توبہ کرنے والا شخص ایسا ہے جیسے اُس نے گناہ کیا ہی نہیں۔ ظاہر ہے کہ جب گناہ معاف ہوگیا، تو پھر وہ باقی نہ رہا، اسی اصول کے تحت منافقین نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ ہمارے لئے بخشش کی دعا کریں۔

پیشتر اس کے کہ اللہ تعالیٰ کا نبی منافقین کے لیے معافی طلب کرتا، اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی بتلادیا: ﴿يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ﴾ یہ لوگ اپنی زبانوں سے ایسی باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہیں۔ مطلب یہ کہ ان کے دل اور زبان میں تضاد ہے، اور یہ سچی بات نہیں کررہے ہیں، بلکہ اِن کے دلوں

میں تو کفر اور نفاق کی گندگی بھری ہوئی ہے، اور یہ اس طریقے سے اپنے جرم کی پردہ پوشی کرنا چاہتے ہیں، پھر ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب ہی بتلادیا:

﴿قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا﴾ اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیجئے: پس تمہارے لئے کون مالک ہوگا اللہ تعالیٰ کے سامنے اگر وہ تمہارے ساتھ نقصان کا ارادہ کرے، یا تمہارے ساتھ فائدہ پہنچانے کا ارادہ کرے؟ اور یہ ظاہر ہے کہ نفع ونقصان کا مالک اللہ تعالیٰ ہے، اُس کی مشیت اور ارادے میں کوئی دخل اندازی نہیں کرسکتا، لہٰذا یہ معلوم ہونا چاہئے کہ غلط حیلوں اور بہانوں سے کوئی اللہ تعالیٰ کو دھوکہ نہیں دے سکتا۔

﴿بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا﴾ بلکہ اللہ تعالیٰ تو خوب خبردار ہے اُن کاموں سے جو تم کرتے ہو، اور یہ غلط ہے کہ تم کو تمہارے کاروبار اور گھر کے لوگوں نے مہلت نہیں دی کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں نکلتے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی اس بدگمانی کا ذکر کیا جس کی بناء پر وہ عمرہ کے سفر میں شامل نہ ہوسکے، فرمایا: جو کچھ تم کہہ رہے ہو وہ سراسر جھوٹ ہے بلکہ حقیقت یہ ہے:

﴿بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا﴾ بلکہ تم نے یہ گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ کا رسول اور مؤمنین اب کبھی واپس اپنے گھروں کی طرف نہیں آئیں گے، بلکہ مشرکین مکہ انہیں وہیں ختم کردیں گے۔ یہ ہے اصل بات جس کی وجہ سے تم سفرِ عمرہ میں شریک نہ ہوئے۔ ﴿وَزُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ﴾ اور یہ بات تمہارے دلوں میں مزین کردی گئی تھی، تم راضی تھے اور خوش تھے کہ مسلمان سلامتی کے ساتھ واپس نہ آئیں۔

﴿وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ﴾ اور تم مبتلا رہے بُری بدگمانی میں کہ مسلمان کبھی بھی مدینے میں زندہ سلامت واپس نہیں آئیں گے۔ ﴿وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُوْرًا﴾ تم ہلاک ہونے والے لوگ تھے، تم نے ایسی بدگمانی کرکے اپنی ہلاکت کو خود دعوت دی، اور یہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے:

﴿وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا﴾ کہ جو کوئی شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لاتا، تو پھر انہیں سمجھ لینا چاہئے کہ ہم نے کافروں کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ کا عذاب تیار کررکھا ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے معافی اور سزا کا قانون بھی بتلادیا: ﴿وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَغْفِرُ

لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۝ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی، وہی کائنات کا مالک بھی ہے، متصرف بھی ہے، مدبر بھی ہے، قادر مطلق اور علیم کل بھی ہے، وہ مختارکل ہے ، وہ جس کو چاہے معاف کردے جس کو چاہے سزا دیدے ، اس کے حکم کو کوئی ٹال نہیں سکتا، وہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے، مجرموں کو مہلت دینا اور جلدی اُن کو عذاب نہ دینا یہ بھی اس کے کرم و بخشش کا ایک حصہ ہے، اسی بناء پر وہ منافقوں جیسے دشمنان اسلام کو ڈھیل دیتا رہتا ہے، اور یہی اس کے غفور و رحیم ہونے کی علامت ہے۔

۞ ۞ ۞

سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ يُرِيْدُوْنَ اَنْ
يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ؕ
بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۱۵ قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ
بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا
كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝۱۶ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ
حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
الْاَنْهٰرُ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝۱۷

ترجمہ: جب تم اموالِ غنیمت لینے کے لیے چلو گے تو وہ لوگ کہیں گے جو پیچھے ڈال دیئے گئے کہ ہمیں چھوڑ دو، ہم تمہارے پیچھے چلیں ، وہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو بدل دیں، آپ فرمادیجئے کہ تم ہرگز ہمارے پیچھے نہ چلو، اللہ تعالیٰ نے پہلے سے یہی فرمایا ہے، سو وہ لوگ کہیں گے: بلکہ تم ہم سے حسد کرتے ہو، بلکہ بات یہ ہے کہ وہ نہیں سمجھتے مگر تھوڑا سا ۱۵ آپ اُن دیہاتیوں سے فرمایئے جو پیچھے رہ گئے تھے کہ تمہیں ایک ایسی قوم کی طرف بلایا جائے گا جو سخت قوت والے ہوں گے، تم ان سے قتال کرو گے ، یا وہ مسلمان ہوجائیں گے ، سو اگر تم فرمانبرداری کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں اچھا عوض عطاء فرمائے گا، اور اگر تم نے روگردانی کی جیسا اس سے پہلے روگردانی کر چکے ہو تو اللہ تعالیٰ تمہیں دردناک عذاب دے گا ۱۶ نابینا پر کوئی گناہ نہیں، اور لنگڑے پر کوئی گناہ نہیں ، بیمار پر کوئی گناہ نہیں ، اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے وہ اُسے ایسی جنتوں میں داخل فرمائے گا جن

کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، اور جو شخص روگردانی کرے وہ اُسے دردناک عذاب دے گا ﴿۱۷﴾

معارف ومنازل

جب آنحضرت ﷺ بخیر وعافیت مدینہ پہنچے تو چند روز بعد آپ ﷺ نے خیبر کی طرف چلنے کا اعلان فرمایا، پہلے تو دیہاتی قسم کے منافق اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ مسلمان مکہ سے سلامتی کے ساتھ بچ کر نہیں آسکیں گے، مگر جب وہ بخیر وعافیت واپس آگئے اور اسلام کو ترقی حاصل ہوئی تو منافقین کو یقین ہوگیا کہ اب مسلمان خیبر کو بھی فتح کر کے چھوڑیں گے، اور وہاں کے زمینوں، اموال وباغات سے خوب فائدہ اٹھائیں گے، چنانچہ مالِ غنیمت کے لالچ میں آکر ان منافقوں نے بھی آنحضرت ﷺ کی معیت میں خیبر کے معرکہ پر جانے کا ارادہ ظاہر کیا، اور درخواست کی کہ ہمیں بھی شریک کیا جائے، ہم اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کے لیے خوب لڑیں گے، مگر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ان کے برے ارادوں کا پہلے سے پتہ چلا تھا، لہٰذا اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے خیبر کی طرف جانے اور ان کے مال غنیمت میں شریک ہونے پر پابندی لگادی، اور ارشاد فرمایا:

﴿سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انطَلَقْتُمْ إِلَىٰ مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوهَا﴾ عنقریب تمہیں یہ حدیبیہ سے پیچھے رہنے والے منافقین کہیں گے جبکہ تم غنیمتوں کو لینے کے لیے خیبر کی طرف چلو گے۔ ﴿ذَرُونَا نَتَّبِعْكُمْ﴾ ہمیں چھوڑ دو یعنی ہمیں اجازت دیدو کہ ہم بھی تمہارا اتباع کریں، یعنی تمہارے ساتھ خیبر کی طرف چلیں، مگر اللہ نے فرمایا کہ یہ لوگ اسلام کے ساتھ مخلص نہیں ہیں، بلکہ محض مال غنیمت حاصل کرنے کے لیے آپ کے ساتھ جانا چاہتے ہیں، لہٰذا ان کی یہ خواہش پوری نہیں ہونی چاہئے، کیونکہ:

﴿يُرِيدُونَ أَن يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللَّهِ﴾ یہ لوگ تو اللہ کی بات کو بدلنا چاہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ تو یہ ہے کہ خیبر کا مالِ غنیمت تو ان مجاہدین کے حصے میں آئے گا جنہوں نے حدیبیہ کا سفر اختیار کیا، اور پھر وہاں پر بیعتِ رضوان میں شریک ہو کر سردھڑ کی بازی لگادینے کا عزم کیا، اور یہ لوگ تو مدینہ میں بیٹھے رہے، اب یہ غنیمت کے حقدار کیسے ہوسکتے ہیں؟ یہ تو غنیمت وصول کر کے اللہ کی بات کو بدلنا چاہتے ہیں، مگر ایسا نہیں ہوگا۔

چنانچہ اللہ نے فرمایا کہ اے پیغمبر! ﴿قُل لَّن تَتَّبِعُونَا كَذَٰلِكُمْ قَالَ اللَّهُ مِن قَبْلُ﴾ آپ ان منافق لوگوں سے کہہ دیں کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ خیبر کی طرف نہ جاؤ، بات اس طرح ہے جو اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی کہہ

دی کہ یہ لوگ خیبر کی طرف نہ جانے پائیں۔ اللہ نے مزید فرمادیا کہ بات یہیں ختم نہیں ہوگی، بلکہ جب ان منافقین پر پابندی لگ جائے گی تو وہ اسے اپنی بری نیتوں پر محمول کرنے کی بجائے:

﴿فَسَيَقُولُونَ بَلْ تَحْسُدُونَنَا ۚ بَلْ كَانُوا لَا يَفْقَهُونَ إِلَّا قَلِيلًا﴾ یوں کہیں گے کہ تم ہمارے ساتھ حسد کرتے ہو، جس کی وجہ سے ہمیں ہمراہ لیجانے کے لئے تیار نہیں ہو، تم چاہتے ہو کہ ہم بھی مالی فائدہ نہ اٹھالیں ،اللہ نے اس اعتراض کا جواب بھی دیدیا: بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ بڑے بے سمجھ ہیں مگر بہت کم، ان کی بے سمجھی یہی تھی کہ انہوں نے سفرِ حدیبیہ کو ہلاکت خیال کیا اور ساتھ نہ گئے، مگر جب مالی فوائد حاصل ہونے کا وقت آیا تو لہولگا کر شہیدوں میں شامل ہونے لگے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ لوگ اس مال سے مستفید نہیں ہوسکتے، کیونکہ اس کا وعدہ تو اللہ نے حدیبیہ والوں سے کر رکھا ہے، جنہوں نے آزمائش کے وقت میں موت کی بیعت کی تھی۔

مذکورہ لوگوں نے وقتی طور پر اپنی منافقت کا اظہار کیا، مگر اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ آئندہ چل کر ان میں سے بہت سے لوگ مخلص مسلمان بن جائیں گے، لہٰذا آئندہ کے لئے انہیں امید بھی دلادی کہ وہ یکسر مایوس نہ ہوں، بلکہ اگر وہ خلوصِ نیت کے ساتھ آئندہ مسلمانوں کا ساتھ دیں گے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اُن کے لیے اجر کی کوئی کمی نہیں ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿قُلْ لِّلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ إِلَىٰ قَوْمٍ أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ﴾ اے پیغمبر! آپ اِن پیچھے رہ جانے والے دیہاتیوں سے فرمادیں کہ آئندہ چل کر پھر تمہاری آزمائش ہوگی، جبکہ تم بلائے جاؤ گے ایک ایسی قوم کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے جو سخت جنگ جو ہے۔ ﴿تُقَاتِلُونَهُمْ أَوْ يُسْلِمُونَ﴾ تمہیں ان سے جنگ کرنا ہوگا، یا وہ از خود اسلام قبول کرلیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے آئندہ پیش آنے والی جنگوں میں خلوص کے ساتھ حصہ لیا تو:

﴿فَإِنْ تُطِيعُوا يُؤْتِكُمُ اللَّهُ أَجْرًا حَسَنًا﴾ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کی اطاعت کی تو اللہ تعالیٰ تمہیں اچھا اجر عطاء فرمائے گا، تمہیں مالِ غنیمت بھی ملے گا، اور اللہ تعالیٰ کی رضا بھی حاصل ہوگی۔

حضرت امام شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس جنگجو قوم سے مراد فارس اور روم کے لوگ ہیں، نزولِ قرآن مجید کے زمانے میں فارس اور روم کی سلطنتیں دنیا کی سپر پاور فوجیں تھیں، اور دیگر سارا ساز وسامان بھی اِن

کے پاس موجود تھا، دنیا کے چھوٹے چھوٹے سارے ممالک اِن دونوں کے زیر اثر تھے۔ خلیفہ راشد حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں اِن دونوں طاقتوں کو ایمان وتقویٰ کی بنیاد پر وہ شکست فاش دی، جس کی نظیر قیامت تک نہیں مل سکتی، میدانِ یرموک اس پر گواہ ہے کہ رومیوں کے فوجیوں کی تعداد نو لاکھ ساٹھ ہزار تھی، اُن کا ہر شخص مسلح تھا، اُن کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد صرف چھتیس ہزار تھی، جن کے پاس نہ اسلحہ تھا، نہ غذائی خوراک کا کوئی خاص بندوبست، انہوں نے ایمان وتقویٰ کی بنیاد پر یہ جنگ لڑی، اور نو لاکھ ساٹھ ہزار فوجوں کو قتل اور زخمی کر کے شکست دیدی، اور باقی بھاگنے پر مجبور ہوئے، اس طرح رومی سلطنت کا خاتمہ ہوا۔ یہی حال سلطنت فارس کا رہا، جو یمن سے کاشغر چین تک ہزاروں میلوں پر پھیلا ہوا تھا، اس کا بھی خاتمہ ہوگیا۔

بعض اہل تفسیر کا قول ہے کہ: ﴿ اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ ﴾ سے مراد مسیلمہ کذاب کی قوم ہے، جنہیں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے شکست دے کر مسیلمہ کذاب کو جہنم رسید کیا۔

فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں اچھا اجر عطاء کرے گا۔

﴿ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴾ اللہ تعالیٰ تمہیں دردناک سزا دے گا، دردناک سزاؤں میں جسمانی اور ذہنی اور مالی سزا کے علاوہ غلامی کی سزا بھی شامل ہے، تاریخ اور تجربہ سے یہ ثابت ہے جب کوئی قوم اللہ کے حکموں سے روگردانی کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ انہیں دوسری قوموں کی غلامی میں جکڑ دیتا ہے۔ چھٹی صدی ہجری میں جب خلافتِ بغداد نے جہاد سے روگردانی کی تو چنگیز خان اور ہلاکو خان کے غلام بن گئے، اور بغداد میں اتنا خون خرابہ ہوا کہ دریائے دجلہ میں خون بہتا رہا، آج بھی وہی ستاون ۵۷ اسلامی ممالک ترکِ جہاد کی پاداش میں یورپ کے غلام بنے ہوئے ہیں، ان میں آزادی کی کرن تک موجود نہیں ہے۔

﴿ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ﴾ اندھے پر کوئی حرج نہیں، اگر اگر وہ جنگ میں شریک نہیں ہوتا تو معذور ہونے کی وجہ سے مستثنیٰ ہے، اسی طرح لنگڑے پر بھی کوئی حرج نہیں ہے، اور نہ ہی بیمار سے کوئی گلہ شکوہ ہے، کیونکہ وہ لڑائی لڑنے کے قابل نہیں، اس قسم کا استثنیٰ سورۂ توبہ میں بھی گزر چکا ہے۔ اس سلسلے میں ایک روایت میں ہے کہ معذور لوگ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آکر حاضر ہوئے کہ ہم بوجہ معذوری جہاد میں شرکت نہیں کر سکتے، ہمارا کیا بنے گا؟ تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ﴾ جو شخص اللہ اور اس کے

رسول ﷺ کی تابعداری کرے گا اللہ تعالیٰ اُسے باغات میں داخل فرمائے گا، جن کے سامنے نہریں بہتی ہوں گی، یہ اس کے ابدی سعادت کا اعلان ہے، ہاں! ﴿وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا﴾ اور جو کوئی روگردانی کرے گا، جہاد سے گریز کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا، یہ اس کی ابدی شقاوت کا اعلان ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کے پروگرام سے روگردانی کرنے والا دنیا و آخرت دونوں میں ذلیل و خوار ہوگا۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝۱۸ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝۱۹ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝۲۰ وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ۝۲۱ وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝۲۲ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝۲۳

ترجمہ: تحقیق اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے راضی ہوا جبکہ وہ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے، سو ان کے دلوں میں جو کچھ تھا اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا، اور اللہ تعالیٰ نے ان پر اطمینان نازل فرمادیا، اور ان کو لگتے ہاتھ ایک فتح دیدی ۝۱۸ اور بہت سی غنیمتیں بھی جن کو یہ لوگ لے رہے ہیں، اور اللہ تعالیٰ بڑا زبردست ہے، بڑا حکمت والا ہے ۝۱۹ اللہ تعالیٰ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کر رکھا ہے جن کو تم لوگ حاصل کرو گے، سردست تم کو یہ دیدی ہے، اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیئے، اور تا کہ یہ اہل ایمان کے لیے نمونہ ہو جائے، اور تا کہ تم کو ایک سیدھی راہ پر ڈال دے ۝۲۰ اور ایک فتح اور بھی ہے جو تمہارے قابو میں نہیں آئی، اللہ تعالیٰ اس کو احاطہ علمی میں لئے ہوئے ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ۝۲۱ اور اگر کافر لوگ تم سے جنگ کرتے تو پشت پھیر لیتے، پھر نہ کوئی کارساز پاتے نہ کوئی مددگار ۝۲۲ یہ پہلے سے اللہ تعالیٰ کا دستور رہا ہے، اور اے مخاطب! تو اس کے دستور میں تبدیلی نہ پائے گا ۝۲۳

معارف و منازل

ان آیات میں بیعت رضوان کا ذکر ہے، اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے آنحضرت ﷺ نے اس بات پر یہ بیعت لی کہ جنگ ہونے کی صورت میں ہم ہر طرح سے آپ کا ساتھ دیں گے، کبھی پیچھے نہیں ہٹیں گے، جم کر لڑیں گے، یہ وہ تاریخی بیعت رضوان ہے جسے قرآن حکیم نے سراہتے ہوئے بیان فرمایا، جس کو ربّ العزّت جل شانہ نے اپنی رضامندی کا مژدہ بتایا، اور پورے ملاءِ اعلیٰ نے اس کی خوش آمدی کی، تو ارشاد ہے:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ راضی ہوگیا مومنوں سے۔ ﴿إِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾ جبکہ وہ آپ کے ہاتھ مبارک پر بیعت کر رہے تھے درخت کے نیچے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ حدیبیہ کے مقام پر کیکر کا ایک بہت بڑا درخت تھا جس کے نیچے بیٹھ کر آنحضرت ﷺ نے تقریباً پندرہ سو (۱۵۰۰) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سر دھڑ کی بازی لگا دینے کی بیعت لی تھی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ان شاء اللہ دوزخ میں ان لوگوں میں سے کوئی بھی داخل نہ ہوگا (یہاں ان شاء اللہ تبرک کے لیے ہے) جنہوں نے حدیبیہ میں بیعت کی۔ [مسلم: ج ۲] اس کا مطلب واضح ہے کہ ان سعادت مندوں کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ رکھا ہوا ہے، ان کو دنیا میں رضامندی کا تمغہ مل گیا۔ آگے فرمایا:

﴿فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ﴾ سو اللہ تعالیٰ نے ان کی اخلاص کی حالت کو جان لیا جس اخلاص کے ساتھ ان کے قلوب روشن اور معمور تھے۔ ﴿فَأَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ﴾ پس اللہ تعالیٰ نے ان پر اطمینان اور سکون نازل فرمایا، ان کے دلوں میں کمزور شرائط پر صلح کی جو بے چینی تھی وہ دور ہوگئی۔ ﴿وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا﴾ اور ایک قریبی فتح بھی عطاء فرمائی، یعنی فتح خیبر کی خوشخبری جو واقعہ حدیبیہ سے تین ماہ بعد ہی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عطاء کر دی۔

﴿وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّأْخُذُوْنَهَا﴾ اور بہت سی غنیمتوں کا حصول بھی شامل تھا، خیبر یہودیوں کا ایک بہت بڑا زرخیز علاقہ تھا جس میں ہر قسم کے باغات تھے، اور تقریباً یہ علاقہ سولہ (۱۶) قلعوں پر مشتمل تھا، یہ سب فتح ہوا، اور یہ سارے اموال مسلمانوں کو مال غنیمت کے طور پر ہاتھ آئے۔

﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾ اور اللہ تعالیٰ زبردست اور حکمت والا ہے۔ ﴿وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَأْخُذُوْنَهَا﴾ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کیا ہے جن کو تم حاصل کرو گے۔ ﴿فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ﴾ پس یہ غنیمت تمہارے لئے جلدی مقرر کر دی ہے، اس سے مراد یہی خیبر کی فتح، اور وہاں آمدہ مال غنیمت

ہے، جو بہت تھوڑے وقت میں مسلمانوں کو حاصل ہو گیا، پھر بعد میں بڑی بڑی فتوحات ہو گئیں، اور مسلمانوں کو ہر چیز کی فراوانی حاصل ہوئی۔

﴿وَ كَفَّ اَيۡدِىَ النَّاسِ عَنۡكُمۡ﴾ اور لوگوں کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا، یعنی کافروں نے تم پر ہاتھ نہ اٹھایا، چنانچہ نہ تو حدیبیہ کے مقام پر لڑائی ہوئی اور نہ ہی خیبر کے معرکہ میں کوئی زیادہ مزاحمت ہوئی، ایک معمولی جھڑپ کے بعد یہودی مغلوب ہو گئے، اور مسلمانوں نے ان کا پورا علاقہ فتح کیا۔

﴿وَلِتَكُوۡنَ اٰيَةً لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَ﴾ اللہ تعالیٰ نے اس لئے تم کو یہ عطاء فرمایا تا کہ مسلمانوں کے لیے اس بات کی علامت بن جائے کہ اللہ تعالیٰ قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کا مالک ہے، اور ہر محاذ پر مسلمانوں کا کارساز و مددگار ہے۔ ﴿وَيَهۡدِيَكُمۡ صِرَاطًا مُّسۡتَقِيۡمًا﴾ اور تم کو سیدھے راستے کی رہنمائی بھی فرمائے گا، اور وہ تمہاری نیتوں اور ارادوں سے واقف ہے، اسی لئے وہ تمہیں ہر معرکہ میں ثابت قدم رکھے گا اور فتح و نصرت سے نوازے گا۔ قریبی فتح کے علاوہ فرمایا: ﴿وَّاُخۡرٰى لَمۡ تَقۡدِرُوۡا عَلَيۡهَا﴾ اور دوسری فتح بھی ہے جس پر تم ابھی قادر نہیں ہوئے، اور یہ بعد میں تمہیں حاصل ہو گی۔

﴿قَدۡ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا﴾ بیشک اللہ تعالیٰ نے اس فتح کا بھی احاطہ کر رکھا ہے، اور وہ بھی جلدی ہی حاصل ہو جائے گی۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس فتح سے مراد فتح مکہ ہے، جو ماہ رمضان سنہ آٹھ ہجری میں مسلمانوں کو حاصل ہو گئی۔ ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرًا﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، اس سے یہ اشارہ ہے کہ قیامت تک اللہ تعالیٰ تمہاری مدد نصرت فرمائے گا، بشرطیکہ تمہارا جذبہ جہاد اور رضاء الٰہی کی طلب کمال درجے کی ہو، تو اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا کرتا رہے گا، اور تمہیں ہر معرکہ میں فتح نصیب ہوتی رہے گی۔

حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ فرماتے ہیں کہ جس دن سے مسلمانوں نے موت کی فکر قبول کرنا چھوڑ دی، یعنی موت سے ڈر گئے اسی دن سے ان پر زوال آنا شروع ہوا۔

﴿وَلَوۡ قٰتَلَكُمُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَوَلَّوُا الۡاَدۡبَارَ﴾ اگر یہ کافر لوگ تمہارے ساتھ جنگ کرتے تو پشت پھیر کر بھاگ جاتے، یہ واقعۂ حدیبیہ ہی سے متعلق بات ہو رہی ہے کہ وہاں پر جنگ کی نوبت تو نہ آئی، تاہم اگر بالفرض کافر ہتھیار بند ہو کر تم سے جنگ شروع کر ہی دیتے تو پھر اللہ تعالیٰ کو تمہارا اخلوص اور تمہاری جانبازی اس قدر پسند تھی کہ وہ تمہارے مقابلے میں ضرور شکست کھا جاتے، اگر چہ تم تعداد میں ان سے کہیں کم تھے، اور پھر کافر لوگ

بھاگتے وقت:

﴿ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا﴾ نہ ان کا کوئی حامی ہوتا نہ مددگار۔ مطلب یہ کہ انہیں شکست سے کوئی نہ بچا سکتا تھا، فرمایا: ﴿سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ﴾ یہ اللہ کا دستور ہے جو پہلے لوگوں میں بھی گزر چکا ہے، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے مخلص پیروکاروں نے جب بھی دشمن کا مقابلہ کیا تو اللہ نے انہیں کامیاب بنایا، درمیان میں خواہ کتنے ہی حوادثات پیش آئے ہوں، اہل ایمان کو جان ومال کی قربانی دینی پڑی ہو، آزمائش پر آزمائش آئی ہو، مگر اللہ کے پرانے دستور کے مطابق بالآخر اہل ایمان کو ہی فتح حاصل ہوئی، اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے: ﴿كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ﴾ [المجادلة: ۲۱] (اللہ نے لکھ لیا ہے کہ میں اور میرے پیغمبر ضرور غالب رہیں گے)۔ اس کا یہ بھی فرمان ہے: ﴿اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ﴾ [المؤمن: ۵۱] (ہم اپنے رسولوں اور اہل ایمان کی دنیا کی زندگی میں بھی مدد کرتے ہیں، اور جس دن گواہ کھڑے ہوں گے (یعنی قیامت) کو بھی ہم ان کی مدد کریں گے)۔

اللہ تعالیٰ کے اس وعدے کا اولین نمونہ حدیبیہ کے موقع پر ظاہر ہوا، جب اللہ تعالیٰ نے قلیل تعداد کے باوجود ان کی مدد فرمائی، پھر آگے چل کر بھی ہزاروں مسلمان، لاکھوں کافروں، مشرکوں، اور اہل کتاب پر غالب آتے رہے، فرمایا: یہ اللہ کا ستور ہے۔ ﴿وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا﴾ اور آپ اللہ تعالیٰ کے دستور میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے، اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء علیہم السلام اور ان کے پیروکاروں کی مدد کر کے ان کو غالب کرتا رہے گا۔

وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ؕ وَكَانَ
اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ﴿۲۴﴾ هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ
يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ؕ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ
مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا
اَلِيْمًا ﴿۲۵﴾ اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ
وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۲۶﴾

ترجمہ: اور اللہ وہ ہے جس نے ان کے ہاتھوں کو تم سے اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے مکہ میں ہوتے ہوئے

روک دیا، اس کے بعد کہ تمہیں ان پر قابو دیدیا تھا، اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو دیکھنے والا ہے ﴿۲۴﴾ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا، اور تم کو مسجد حرام سے روکا، اور قربانی کے جانور کو جو رکا ہوا رہ گیا، اس کے موقع میں پہنچنے سے روکا ، اور اگر بہت سے مسلمان مرد اور بہت سی مسلمان عورتیں نہ ہوتیں جن کی تم کو خبر نہ تھی، یعنی ان کے پس جانے کا احتمال نہ ہوتا جس پر ان کی وجہ سے تم کو بے خبری میں ضرر پہنچ جاتا، تاکہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں جس کو چاہے داخل کرے، اگر وہ (یعنی کافروں کو مسلمان مرد و عورت) جدا ہو جاتے، تو ہم ان کافروں کو دردناک عذاب دیتے ﴿۲۵﴾ جبکہ ان کافروں نے اپنے دلوں میں عار کو جگہ دی، اور عار بھی جاہلیت کی تھی، سو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اور مؤمنین کو اپنی طرف سے تحمل عطاء فرمایا، اور اللہ تعالیٰ نے ان کو تقویٰ کی بات پر جمائے رکھا، اور وہ اس کے زیادہ مستحق ہیں اور اہل ہیں، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے ﴿۲۶﴾

معارف ومنازل

سورۃ الفتح میں واقعہ حدیبیہ کے مختلف پہلوؤں کی طرف اشارات ملتے ہیں، حدیبیہ کا معاہدہ طے پا جانے کے بعد بھی مشرکین کے بعض گروہوں نے غنڈہ گردی کا مظاہرہ کیا، اور کچھ لوگ مختلف راستوں سے ہو کر مسلمانوں کے ٹھکانے پر پہنچے تاکہ کسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کام تمام کر دیا جائے، اور یہ ہدف اگر پورا نہ ہو تو کم از کم مسلمانوں سے چھیڑ چھاڑ کر کے ان کو تنگ تو کیا جا سکے گا، اور اس طرح ان کو اشتعال دلا کر لڑائی پر آمادہ کیا جا سکے گا۔ مشرکین کے اسی منصوبے کے تحت ایک مسلمان بھی شہید ہو گیا، منصوبے کے تحت کفار کے ستر آدمی مسلمانوں میں افراتفری پیدا کرنے کے لیے پہاڑی کی پچھلی طرف سے اترے، اور انہوں نے مسلمانوں کو للکارا، اس پر کسی مسلمان نے بلند آواز سے یہ بھی کہا کہ ہمارے ساتھی ابن زنیم کو قتل کر دیا گیا ہے، لہٰذا اے مسلمانو! مقابلے کے لیے نکل آؤ۔

ایسے موقع پر مسلمان مشتعل ہو سکتے تھے، مگر ہوا یہ کہ پیشتر اس کے کہ حملہ آور مزید کوئی نقصان پہنچاتے وہ سب کے سب مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کسی درخت کے پاس تھے، وہاں پر چار مشرکین آئے اور آپؓ نے اکیلے ہی سب کو قابو کر لیا، پھر یہ سارے ستر ۷۰ آدمی قیدیوں کی صورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کئے گئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاہتے تو ان سے انتقام لیا جا سکتا تھا، کیونکہ انہوں نے ایک مسلمان کو شہید بھی کر دیا تھا، مگر اس وقت تک معاہدۂ حدیبیہ طے پا چکا تھا، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزید کوئی کارروائی کرنا

مناسب نہ سمجھی، اور تمام قیدیوں کو رہا کر دیا گیا۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: منهم بدء الفجور وثناه۔ یعنی برائی کی ابتداء بھی انہی کی طرف سے ہوئی اور دہرانا بھی انہی کی طرف سے ہوا ہے، لہٰذا ان کو چھوڑ دو، مسلمان اس موقع پر مکہ کو بھی فتح کر سکتے تھے، مگر مصلحت اسی میں تھی کہ صلح کی پاسداری کی جائے، کیونکہ یہ آگے چل کر مسلمانوں کے حق میں بہت مفید ثابت ہونے والی تھی۔ چنانچہ طرفین کی طرف سے کسی نے بھی باقاعدہ جنگ کا آغاز نہیں کیا، آیت میں اللہ تعالیٰ نے اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات وہی ہے جس نے مشرکین مکہ کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا، اور تمہارے ہاتھوں کو اُن کی طرف بڑھنے سے روک دیا۔ مطلب یہ کہ جنگ کی نوبت نہ آئی، اور یہ واقعہ کہاں پیش آیا؟ ﴿بِبَطْنِ﴾ شہر مکہ کے قریب۔ بطن کا لغوی معنیٰ تو پیٹ ہوتا ہے، یعنی عین مکہ کے بیچ، مگر یہاں پر معنیٰ قریب ہے، کیونکہ معاہدہ حدیبیہ شہر میں طے نہیں پایا تھا بلکہ تقریباً دس میل دور حدودِ حرم پر یہ سارے واقعات پیش آئے۔

﴿مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ﴾ بعد اس کے کہ تم کو اُن پر کامیاب کر دیا گیا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ مشرکین کے ستر آدمی تمہاری گرفت میں آچکے تھے، اگر تم انتقام لینا چاہتے تو لے سکتے تھے، مگر حضور ﷺ نے معاہدۂ صلح پر عملدرآمد کرتے ہوئے تمام قیدیوں کو رہا کر دیا۔ ﴿وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا﴾ اور تم جو بھی کام کرتے ہو سب اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہے۔ مشرکین کی سازشیں اور شرارتیں اور اہل ایمان کا جذبہ ایمان وقربانی اور پھر اس پر استقامت سب اللہ تعالیٰ کے سامنے ہے، اُس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی مذمت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا۔ ﴿وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ اور تمہیں مسجد حرام سے روکا، یعنی بیت اللہ کا طواف کرنے اور صفاء ومروہ کی سعی کرنے کی اجازت نہ دی، حالانکہ تم کسی جنگ کے لئے نہیں بلکہ خالصتاً عمرہ کی ادائیگی کے لئے آئے، اور ہدی کے جانور بھی تمہارے ساتھ تھے، اور پھر مکہ کا یہ قدیم سے دستور بھی چلا آرہا تھا کہ قریش کسی بڑے سے بڑے دشمن کو بھی حج وعمرہ کی ادائیگی سے نہیں روکتے تھے، مگر یہاں وہ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت سے خائف تھے، اور سمجھتے تھے کہ مکہ میں

داخل ہوکر شاید یہ باقی مسلمانوں کو بھی ساتھ لے جائیں، لہٰذا انہوں نے مکہ شہر اور مسجد حرام میں داخل ہونے سے ہی روک دیا۔

فرمایا: مشرکین نے نہ صرف اہل ایمان کو شہر میں داخلے سے روکا، بلکہ: ﴿وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ﴾ قربانی کے جانوروں کو بھی قربان گاہ تک پہنچنے سے روک دیا، جن کو مسلمان اپنے ساتھ لائے تھے، اور جن کے گلوں میں قلادے پڑے ہوئے تھے جو کہ قربانی کے جانور کی معروف علامت سمجھی جاتی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر مسلمانوں کو جنگ کی اجازت دے دی جاتی تو یہ کامیاب ہوسکتے تھے، مگر عدمِ تصادم میں ایک اور مصلحت بھی تھی، اور وہ یہ کہ مکہ کے بعض ایماندار مرد اور عورتیں اپنے ایمان کو چھپا کر مکہ میں گزر اوقات کررہے تھے، کیونکہ اُن کے پاس ہجرت کرجانے کے لئے بھی وسائل موجود نہیں تھے، ایسے موقعے پر اگر مسلمان مکہ پر چڑھائی کردیتے تو مشرکوں کے ساتھ وہ بے گناہ ایماندار بھی مارے جاتے، کیونکہ مشرک لازماً انہیں جنگ کے لئے آگے لاتے، اور اگر وہ انکار کرتے تو خود مشرکوں کے مظالم کا شکار بنتے، لہٰذا مصلحت اسی میں تھی کہ جنگ کو ملتوی کردیا جائے، اس کے علاوہ ایمان کو چھپانے والے یہ لوگ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مشرکین کے منصوبوں سے بھی خفیہ طور پر آگاہ کرتے رہتے تھے، لہٰذا اُن کی اِن خدمات کے پیش نظر بھی جنگ کو نہ چھیڑا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی مصلحت کو یہاں بیان فرمایا ہے:

﴿وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ﴾ اور اگر نہ ہوتے مؤمن مرد اور مؤمنین عورتیں جنہیں تم نہیں جانتے۔ ﴿اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ کہ جن کو تم لاعلمی کی وجہ سے پامال کردیتے تو اس لاعلمی کی وجہ سے تمہیں اُن کی طرف سے سخت تکلیف پہنچتی۔ مطلب یہ کہ اگر مسلمانوں کے ہاتھوں مسلمان ہی مارے جاتے، تو تمہیں اس کا سخت خلش ہوتا، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر جنگ کی اجازت نہ دی۔ عدم تصادم کی ایک مصلحت یہ بھی تھی:

﴿لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ﴾ جس کو چاہے اپنی رحمت اور مہربانی میں داخل کردے یعنی آج تو یہ مشرک اور کافر بڑے غرور اور تکبر کا اظہار کررہے ہیں، اور ایمان قبول کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہیں، مگر عین ممکن ہے کہ تھوڑا سا موقع ملنے پر یہی لوگ ایمان لے آئیں، اور اللہ تعالیٰ کی مہربانی ان کے شاملِ حال ہوجائے۔ پھر خاص طور پر کمزور اور نادار مسلمانوں کے متعلق فرمایا:

﴿لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا﴾ اگر یہ مشرکین سے الگ ہوئے (یعنی یہ

مسلمان) تو ہم کافروں اور مشرکوں کو دردناک سزا دیتے، یہ تو ایمان کو مخفی رکھنے والے لوگوں کی وجہ سے فی الوقت مشرک بھی سزا سے بچ گئے، ورنہ ان کو پتہ چل جاتا کہ اللہ کے بندوں کو عمرہ کی ادائیگی سے کس طرح روکا جاتا ہے؟

﴿اِذْ جَعَلَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِیَّةَ حَمِیَّةَ الْجَاهِلِیَّةِ﴾ جب کہ ٹھہرائی کفر کرنے والوں نے اپنے دلوں میں جاہلیت کی اکڑ اور غرور۔ مشرکین اور کفار کی جاہلانہ حمیت کی ایک مثال یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے **بسم اللہ الرحمن الرحیم** لکھوائی تو مشرکین نے اعتراض کردیا کہ ہم کسی رحمن ورحیم کو نہیں جانتے، لہٰذا ہمارے پرانے دستور کے مطابق **باسمک اللّٰھمّ** لکھا جائے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا یہ مطالبہ تسلیم کرتے ہوئے یہی الفاظ لکھوا دیئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاہدہ میں فریقین کے نام لکھوائے: **ھذا ماقاضیٰ محمد رسول اللہ** ۔ یہ وہ معاہدہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قریش مکہ کے درمیان طے پایا ہے، اس پر پھر مشرکین کی طرف سے اعتراض ہوا کہ اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول تسلیم کرلیں تو پھر جھگڑا کیا رہ جاتا ہے؟ ہم ہرگز آپ کو اللہ کا رسول تسلیم نہیں کرتے، اس کی بجائے **محمّد بن عبداللہ** کے الفاظ لکھے جائیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ مطالبہ بھی مان لیا، اور لکھنے والے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ **محمد الرسول** کاٹ دو، اور اس کی جگہ **محمد بن عبداللہ** لکھ دو، حضرت علی رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ مجھ میں یہ جرأت نہیں کہ آپ کا نام کاٹ دوں، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ وہ الفاظ مجھے دکھاؤ، آپ نے معجزہ کے طور پر **محمد رسول اللہ** کے الفاظ کاٹ دیئے، اور ان کی جگہ **محمد بن عبداللہ** لکھ دیا۔

﴿فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور مؤمنوں پر سکینہ واطمینان نازل فرمایا، جس سے ان کا سارا تردد اور غم دور ہوگیا، اور اطاعت کا جذبہ غالب آگیا، اور وہ اچھی طرح سے سمجھ گئے کہ ظاہری طور پر اگرچہ ہم مغلوب رہے مگر مستقبل کا غلبہ ان شاء اللہ ہمارا ہے، اور یہ معاہدہ کئی فتوحات کا پیش خیمہ ثابت ہوگا۔ ﴿وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ان پر تقویٰ کا کلمہ لازم کردیا۔ کلمۃ التقویٰ کی تفسیر کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے، اس پر قائم رہنا سچے فرمانبردار اور پکے موحد کا کام ہے، اور ایسا ہی فرمانبردار شخص رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر اپنے تمام جذبات ورجحانات کو پس پشت ڈال دیتا ہے، اور دیانت وتقویٰ کا پیکر بن جاتا ہے، اور عین جوش وخروش کے وقت صرف اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی کے لیے اپنے تمام طبعی جذبات قربان کرڈالتا ہے، نہ اس کو اپنی عزت وذلت کا سوال رہتا ہے، نہ وقار کا مسئلہ حائل ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں کلمۃ التقویٰ کی تفسیر اسی وجہ سے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ سے کی گئی ہے، جو کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے، اور تمام تر تقویٰ وطہارت کی بنیاد یہی کلمہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ جل شانہ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کے ساتھ لازم کر دیا، اور اس مقصد کے لیے ان کو چن لیا، اسی کو فرمایا:

﴿وَكَانُوٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا﴾ اور یہی لوگ اس کلمہ کے زیادہ لائق اور زیادہ حقدار تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کلمہ کے تقاضوں کو پورا کر کے قیامت تک آنے والوں پر ثابت کر دیا کہ وہی اس کے زیادہ حقدار تھے۔

﴿وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے، مشرکوں کی نافرمانی ضد اور عناد بھی اس کے علم میں ہے، اور اہل ایمان کا جذبہ اطاعت سے بھی وہ باخبر ہے، جس کا ثبوت انہوں نے بیعت رضوان کے موقع پر پیش کیا۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ۭ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۲۷﴾
هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهُ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۲۸﴾

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا جو واقع کے مطابق ہے، ان شاء اللہ تم ضرور ضرور مسجد حرام میں امن وامان کے ساتھ داخل ہوگے، اپنے سروں کو مونڈنے والے ہوگے، اور اپنے بالوں کو کترانے والے ہوگے، تمہیں کوئی خوف نہیں ہوگا، سو اللہ تعالیٰ نے جان لیا جو تم نے نہیں جانا، سو اس سے پہلے عنقریب ہی ایک فتح نصیب فرمادی ﴿۲۷﴾ اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ اُسے تمام دینوں پر غالب کردے، اور اللہ کافی گواہ ہے ﴿۲۸﴾

معارف ومنازل

مفسرین نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حدیبیہ والے سفر میں روانہ ہونے سے پہلے مدینہ منورہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خواب دکھایا گیا تھا کہ آپ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ امن وامان سے مسجد حرام میں داخل ہوں گے، اور وہاں کچھ لوگ حلق کریں گے، اور کچھ لوگ بال کتروائیں گے، آپ نے یہ خواب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بتادیا تھا،

خواب سن کر سب بہت خوش ہوئے، اور اس امید پر مکہ روانہ ہو گئے کہ مکہ میں داخل ہو کر عمرہ ادا کریں گے۔

لیکن جب مکہ سے قریب خدیبیہ میں پہنچے تو مشرکین مکہ آڑے آگئے جس کی وجہ سے صلح ہو گئی، اور عمرہ ادا کئے بغیر واپس آگئے، تو بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! کیا آپ نے ہم کو یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم امن وامان کے ساتھ مکہ میں داخل ہوں گے اور عمرہ ادا کریں گے؟ ہم تو بغیر عمرہ ادا کئے واپس جا رہے ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ اسی سال ایسا ہوگا؟ انہوں نے عرض کیا: نہیں یا رسول اللہ! تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بیشک آئندہ یوں ہی ہو کر رہے گا، تم امن وامان کے ساتھ مکہ پہنچ کر بیت اللہ کا خوب طواف کرو گے، تم میں سے کوئی سر منڈائے گا، اور کوئی بال کتروائے گا، اس طرح تم احرام سے حلال ہو جاؤ گے، اور ہر قسم کے امن وامان کے ساتھ رہو گے، چنانچہ حدیبیہ سے واپسی کے بعد اگلے سال عمرۃ القضاء میں یہی سب کچھ ہوا، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک خواب کی تعبیر پوری ہوئی۔

﴿لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ﴾ تحقیق اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے خواب کو حق کے ساتھ سچا کر دکھایا۔ ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے: رؤیا الأنبیاء وحي، نبیوں کا خواب ایک قسم کی وحی ہوتی ہے، جس کی صداقت میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ نبی کے خواب میں شیطانی یا نفسانی اثرات کا احتمال نہیں ہوتا، وہ ہر وقت خواب اور بیداری کی حالت میں مخصوص فرشتہ کی نگہبانی اور حفاظت میں ہوتا ہے۔ البتہ خواب کی تعبیر میں اشتباہ یا تاخیر بھی ہو سکتی ہے۔ صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ نبی کا خواب نبوت کا چھیالسواں (۴۶) حصہ ہے، تو یہاں اس خواب میں ایک سال کی تاخیر ہو گئی۔

ابن سیرینؒ کا قول ہے کہ خواب کی تعبیر ساٹھ سال تک مؤخر ہو سکتی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ خواب میں کتے نے میرا خون چوسا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ام سلمہؓ سے اس کا تذکرہ فرمایا، ام المؤمنینؓ کے پوچھنے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک کتا صفت انسان میری اولاد کا خون چوسے گا، اس خواب کے ساٹھ سال بعد حضرت امام حسینؓ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا، تو معلوم ہوا کہ خواب کی تعبیر ساٹھ سال تک بھی مؤخر ہو سکتی ہے۔

﴿لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ﴾ تم ان شاء اللہ عنقریب مسجد حرام میں پر امن طریقے سے داخل ہو گے۔ لَتَدْخُلُنَّ میں لام تاکید کے لیے ہے، اور نون ثقیلہ ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ تم ضرور بالضرور مسجد حرام میں داخل ہو گے، یہاں ان شاء اللہ تبرک کے لیے ہے، عام طور پر لفظ ان شاء اللہ کا استعمال غیر یقینی

چیزوں میں ہوتا ہے، یہاں وہ معنی نہیں ہے، جیسے قبرستان کی دعا میں ہے: وإنا انشاء الله بكم لاحقون۔ کہ ہم بھی ان شاء اللہ تم سے جلد ملنے والے ہیں، اور یہ ظاہر ہے کہ موت میں کسی کو شک نہیں ہے، وہ سب پر طاری ہوگی۔

﴿مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ﴾ مسجد حرام میں تمہارا امن وسلامتی کے ساتھ دخول ہوگا، اور تم عمرہ بھی ادا کرو گے، جس کے اختتام پر تم میں سے بعض سروں کو استرے کے ساتھ منڈوانے والے ہوں گے، اور بعض بالوں کو کتروانے والے ہوں گے۔ حجامت چونکہ عمرے کا طواف اور سعی کرنے کے بعد بنوائی جاتی ہے تو ان الفاظ میں یہ واضح اشارہ ہے کہ تم مسجد حرام میں داخل ہو کر عمرہ بھی ادا کرو گے۔

﴿لَا تَخَافُوْنَ ؕ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا﴾ تم کسی قسم کا خوف محسوس نہیں کرو گے، مسجد حرام میں داخلے کے لیے بھی اٰمِنِيْنَ کا لفظ آ چکا ہے، اور یہاں عمرے کی ادائیگی کو بھی بلا خوف وخطر قرار دیا ہے، اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ وہ سب کچھ جانتا ہے جو تم نہیں جانتے، بظاہر تو عمرے کا التواء آئندہ سال تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے بڑا پریشان کن تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں تسلی دی کہ اس التواء میں تمہارے لئے بہت بڑی بہتری ہے، اس بہتری کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، تم نہیں جانتے۔

﴿فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا﴾ اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے قریبی فتح بھی رکھ دی، یعنی جو عمرہ ادا نہیں کر سکے اس کی قضاء کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایک قریبی فتح سے بھی نوازے گا، اس فتح سے مراد خیبر کی فتح ہے جو حدیبیہ سے واپسی کے بعد جلدی حاصل ہوگئی، مسلمانوں کو خیبر کے اموال سے بہت بڑا فائدہ ہوا، ایک حد تک ان کا فقر وفاقہ بھوک اور تنگ دستی دور ہوگئی۔

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى﴾ یہ ایک قانون ہے کہ جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ فتوحات کا سلسلہ صدیوں تک جاری رہے گا۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ کی ذات وہی ہے جس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت کے ساتھ بھیجا ہے۔ ﴿وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾ اور سچا دین بھی عطاء کیا ہے، اور اس سے مقصود یہ ہے کہ وہ اس سچے دین کو دوسرے باطل ادیان پر ظاہر کر دے، یعنی غالب کر دے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دینِ اسلام نازل ہی اس لئے کیا ہے تاکہ دنیا میں حق وصداقت کے ساتھ صرف یہی دین قائم رہے، اور باقی سب ختم ہو جائیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کبھی یہ نہیں چاہتا کہ اسلام کے ذریعے سارے ادیان ہمیشہ کے لیے ختم ہوں، اسی وجہ سے فرمایا: ﴿وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ [ہود: ۱۱۸] (اور اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو سارے

لوگوں کو ایک گروہ بنا دیتا)۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہرگز یہ نہیں کہ کفر دنیا سے ہمیشہ کے لیے مٹ جائے اس کا وجود ہی ختم ہو جائے، جہاد کا مقصد کفر کو ختم کرنا نہیں، بلکہ کفر کو مغلوب رکھنا اور دبانا ہے۔

در کارخانہ عشق از کفر ناگزیر است ☆ دوزخ کرا بسوز دگر بولہب نباشد

یہی وجہ ہے کہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے اپنے زرین دورِ خلافت میں نصف دنیا پر اسلام کا پرچم لہرایا، اور اپنے ایمان وتقویٰ کی یلغار سے بڑی بڑی سلطنتوں کو خس وخاشاک کی طرح نیست ونابود کر دیا، مگر پورے جہاں سے کفر کو نہ مٹا سکے، یہی مشیت ایزدی ہے۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ اسلام کے اس غلبہ سے مراد سیاسی غلبہ نہیں بلکہ دلیل اور برہان کا غلبہ مراد ہے، یعنی دلائل کی رو سے دین اسلام تمام ادیان پر غالب رہے گا۔

شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دیگر مفسرین میں سے حضرامام شافعیؒ کی توجیہ زیادہ بہتر ہے کہ شرک اہل کتاب اور عرب کے اُمی لوگوں دونوں گروہوں میں پایا جاتا تھا، جس کو مغلوب کرنا مقصود تھا، چنانچہ عرب کے سارے امی ناخواندہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارکہ میں ہی مغلوب ہو گئے، سارا عرب اسلام کے زیرنگین آ گیا، کچھ مشرک مارے گئے، اور کچھ نے اسلام قبول کر لیا، اس طرح سارا جزیرۃ العرب شرک کی نجاست سے پاک ہو گیا۔ نصاریٰ میں نجران اور شام کے عیسائیوں نے مسلمانوں کے ساتھ معاہد کر کے جزیہ دینا قبول کر لیا، تو وہ اس طرح اپنے دین پر قائم رہتے ہوئے اسلام کے زیرنگین آ گئے اور تابع ہو گئے، یہودیوں میں سے بنونضیر اور بنوقریظہ اور بنوقینقاع اور خیبر والے سب مغلوب ہو گئے، بعض باج گزار بن گئے، اور بعض بالکل ختم ہو گئے، چنانچہ اس لحاظ سے دین حق کو باقی ادیان پر غلبہ کا نام دیا جا سکتا ہے۔

امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ ان توجیہات سے مکمل اتفاق نہیں کرتے، بلکہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں جس غلبہ دین کی بات کی گئی ہے وہ مکمل طور پر خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قیصر وکسریٰ جیسی سپر طاقتیں دنیا میں موجود تھیں مگر خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے ان کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا، اللہ کے حکم سے۔

ایک یورپی مؤرخ بیرولیم متعصب ہونے کے باوجود لکھتا ہے کہ اگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ دس سال مزید دنیا میں زندہ رہتے تو پورے جہاں میں کفر کا نام ونشان بھی باقی نہ رہتا۔

﴿وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا﴾ اور کافی ہے اللہ تبارک وتعالیٰ گواہی دینے والا، اس گواہی سے مراد اللہ

تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت، اس کے دین کی سچائی اور مسلمانوں کی اطاعت کی گواہی ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ؗ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۖۛ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾

ترجمہ: محمد اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت ہیں، آپس میں مہربان ہیں، اے مخاطب! تو انہیں اس حال میں دیکھے گا کہ وہ کبھی رکوع میں ہیں، کبھی سجود میں، وہ اللہ کے فضل اور رضامندی کو تلاش کرتے ہیں، ان کی شان یہ ہے کہ ان کے چہروں میں سجدوں کے نشان ہیں، ان کی مثال تورات میں ہے، اور انجیل میں ان کا یہ وصف ہے کہ جیسے کھیتی ہو، اس نے اپنی سوئی نکالی، پھر اس نے اُسے قوی کیا، پھر وہ کھیتی موٹی ہوگئی، پھر اپنے تنا پر سیدھی کھڑی ہوگئی جو کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگی، تاکہ اللہ ان کے ذریعہ کافروں کے دلوں کو جلائے، اللہ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا﴿۲۹﴾

معارف ومنازل

ان آیات میں مشرکین وکفار کی اس جسارت اور بے ادبی کی پرزور تردید ہے جہاں حدیبیہ کے مقام پر معاہدہ لکھتے وقت انہوں نے ایک تو یہ کہا تھا کہ ہم الرحمن الرحیم کو نہیں جانتے کہ یہ کون ہے؟ ان آیات میں ان کو بتایا جارہا ہے کہ رحمن ورحیم وہ عظیم ہستی برحق ہے اگر تم اسے نہیں جانتے تو کیا فرق پڑا، یہ تمہاری بدبختی ہوئی، اس کے حضور میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مرد، عورت، چھوٹے، بڑے ساری رات سجدہ ریز رہتے ہیں، سورۂ محمد کی آخر میں فرمایا تھا: ﴿وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْۤا اَمْثَالَكُمْ﴾ [محمد:۳۸] (اگر تم روگردانی کروگے تو اللہ تعالیٰ تمہارے بدلہ دوسری قوم کو لے آئے گا، پھر وہ تمہارے جیسے نہ ہوں گے)۔

دوسری بات یہ کہ معاہدہ لکھتے وقت مشرکین قریش کے وفد نے کہا تھا: اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول مانتے تو آپ کے ساتھ مقابلہ اور جھگڑا نہ کرتے، آپ محمد رسول اللہ کاٹ دو، اس کی جگہ محمد بن عبداللہ لکھو۔ اس آیت میں کفار قریش کی ضد اور ہٹ دھرمی کا پرزور جواب دے کر ارشاد فرمایا کہ تمہارے ماننے نہ ماننے سے کوئی

فرق نہیں پڑے گا، اللہ تعالیٰ پر زور اعلان فرماتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں م اور اس پر پوری کائنات کا ربّ گواہ ہے، تم جسے مٹانا چاہتے ہو وہ قیامت تک چمکے گا، اس کے بدلے میں تم خود مٹ جاؤ گے، اور وہ ابد الآباد تک قائم رہیں گے، اور جس مقصد کیلئے وہ مبعوث ہوا ہے وہ مقصد اپنے انجام کو بخیر وخوبی پہنچ جائے گا، تم کفار ومشرکین نہ سہی۔ ﴿وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ﴾ وہ لوگ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تربیت یافتہ ہیں وہ غلبۂ دین کے اجتماعی کام میں برابر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شریک ہیں، اور رہیں گے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعض اوصاف کا بیان:

(۱) ﴿اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ کافروں پر بڑے سخت ہیں، آپس میں مہربان ہیں، جب آپس کی بات سامنے آتی ہے تو وہ نہایت نرم دلی کا مظاہرہ کرتے ہیں، ایک دوسرے کے لیے ایثار اور قربانی دیتے ہیں، ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں، حسن سلوک کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

(۲) ﴿تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا﴾ آپ ان کو رکوع وسجدہ کرتے ہوئے دیکھیں گے، وہ ہر لحہ عبادات واذکار میں مصروف رہتے ہیں۔

(۳) ﴿يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا﴾ وہ اپنی کمالِ اطاعت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رضا تلاش کرتے ہیں۔

(۴) چوتھی صفت جو بطورِ علامت وشناخت کی ہے: ﴿سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ﴾ ان کی نشانی اور علامت ان کے سجدوں کے اثر سے ان کے چہروں پر نمایاں ہے، وہ اس طور پر کہ تواضع اور انکساری اور بے ریا عبادت نے ان کے چہروں پر وہ نورانیت ظاہر کی ہے کہ موافق ومخالف سب اُسے تسلیم کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔

آگے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اوصاف کا نتیجہ بیان فرمایا:

﴿ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۖ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ﴾ ان کی یہ مثال تورات میں بھی بیان کی گئی ہے، اور انجیل میں بھی، تورات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت سے متعلق پیش گوئی یہ ہے کہ وہ فاران کی چوٹیوں سے جلوہ گر ہوا دس ہزار قدسیوں کی جماعت کے ساتھ، اس کے دائیں ہاتھ میں آتشین شریعت ہے، اور وہ دنیا کی اقوام سے محبت کرتا ہے، اور لوگ اس کے قدموں میں اکٹھے کیے جاتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک لقب حاشر بھی ہے، دس ہزار قدسیوں سے مراد صحابہ رضی اللہ عنہم کی وہ جماعت ہے جو

فتح مکہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھی۔ آگے فرمایا:

﴿كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ﴾ ان کی مثال ایک کھیتی کے پودے کی ہے جو اپنا پتہ نکالتی ہے۔ ﴿فَاٰزَرَهٗ﴾ پھر اس کی کمر مضبوط ہوتی ہے۔ ﴿فَاسْتَغْلَظَ﴾ پھر وہ موٹی ہوجاتی ہے۔ ﴿فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ﴾ پھر وہ اپنے تنے پر کھڑی ہوجاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح زمین سے نکلنے والا ایک پودا نہایت ہی نرم ونازک اور کمزور وباریک ہوتا ہے، مگر بعد میں آہستہ آہستہ وہ مضبوط ہوجاتا ہے، بلکہ کڑیل درخت بن جاتا ہے، اسی طرح صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت ابتداء میں بالکل کمزور تھی، اس کی تعداد بھی قلیل تھی، مگر اللہ تعالیٰ نے بعد میں اس جماعت کو مضبوط بنادیا جنہوں نے دنیا کی عظیم طاقتوں کو للکار کر نیست ونابود کردیا، اور قیصر وکسریٰ کے نام وشان کو حرفِ غلط کی طرح مٹادیا، اور پوری دنیا پر اسلام کو غالب بنادیا۔

کھیتی کی مثال کے تسلسل میں فرمایا کہ جب وہ اپنے تنے پر کھڑی ہوجاتی ہے: ﴿يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ﴾ تو کھیتی والے آدمیوں کو خوش کردیتی ہے، وہ راضی ہوجاتے ہیں کہ ان کی محنت کارآمد رہی، اب وہ اس کا پھل پائیں گے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت کو مضبوط بنادیا ہے۔ ﴿لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ﴾ تاکہ اس کی وجہ سے کافروں کو غصے میں ڈالے، اور ان کی نیند حرام کردے، اور غصے میں جل جل کر ان کے چہرے سیاہ ہوجائیں گے۔

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا﴾ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے اعمال انجام دیئے اپنی مغفرت اور بخشش کا، اور ساتھ ساتھ بہت بڑے اجر وثواب کا جو ان کو آخرت میں میسر آئے گا۔

سُورَةُ الْحُجُرَاتِ

مدنية آياتها ۱۸ ركوعاتها ۲

سورۂ حجرات مدنی ہے، اس میں اٹھارہ (۱۸) آیتیں، اور دو (۲) رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام:

اس سورت کا نام سورۃ الحجرات ہے جو اس سورت کی آیت ۴ میں آمدہ لفظ سے ماخوذ ہے۔ یہ سورت ترتیب تلاوت میں ۴۹ ویں نمبر پر ہے، اور ترتیب نزول میں ۱۰۴ ویں نمبر پر ہے۔

نزول:

یہ سورت بالاتفاق مدنی ہے، مدنی زندگی میں سورۂ مجادلہ کے بعد نازل ہوئی ہے۔

تعداد کلمات وحروف:

اس سورت میں دو رکوع اور اٹھارہ (۱۸) آیات ہیں، یہ تین سو پچاس (۳۵۰) کلمات اور پندرہ سو بارہ (۱۵۱۲) حروف پر مشتمل ہے۔

ربط ومناسبت:

اس سورت مبارکہ کا سابقہ دو سورتوں کے ساتھ خصوصی ربط ہے، سورۂ فتح اور سورۂ محمد میں جہاد کا موضوع غالب ہے، جس سے اصلاح عالم مقصود ہے، جبکہ اس سورت میں آنحضرت ﷺ اور جماعت المسلمین کے حقوق اور

آداب کا ذکر ہے، گویا اس سورت میں وہ اصول اور ضابطے بیان کیے گئے ہیں جن سے اصلاحِ نفس ہوتی ہے، اور معیاری تقویٰ کا حصول آسان ہو جاتا ہے، تو اس طرح ان تین سورتوں میں اصلاحِ عالم اور اصلاحِ نفس اور معیاری تقویٰ کا پروگرام بیان کر دیا گیا ہے، اور یہی ان سورتوں کا آپس میں ربط ہے۔

مختصر موضوع:

مسلمانوں کا آپس میں تعلقات کا دستور العمل اور اصلاحِ معاشرت کے احکام، مؤمنین کے فرائض، اثباتِ رسالت اور حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی کی ممانعت اور ان کے احترام و اکرام کے اچھے نتائج، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل و برکات، توبہ کرنے والوں کے فضائل، مجازاتِ اعمال، مؤمنوں کے اوصاف، ذات پات کے مقاصد اور تقویٰ کے فضائل و برکات، علمِ غیب صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُقَدِّمُوۡا بَيۡنَ يَدَىِ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ①

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ اور رسول سے پہلے سبقت مت کرو، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا، جاننے والا ہے ①

معارف ومنازل

اس آیت میں اور اس کے بعد والی آیتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور خدمت گرامی میں حاضری کے احکام اور آداب کی تلقین و تعلیم ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے والوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ اور احترام کی تلقین فرمائی، اور اس سلسلہ میں چند آداب ارشاد فرمائے:

پہلا ارشاد یہ فرمایا کہ اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سبقت مت کرو، یعنی اُن کے حکم اور اُن کی اجازت کے بغیر کسی معاملہ میں پیش قدمی نہ کرو، جب کسی معاملہ میں اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم موجود ہو، یا ایسا حکم متوقع ہو، تو تم اپنی رائے کو دخل نہ دو، بلکہ اللہ تعالیٰ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو توجہ سے سنو، اور پھر اُس پر بلا چون و چرا عمل پیرا ہو جاؤ، اپنی تمام خواہشات اور خیالات کو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول

صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے تابع بنادو، اور جب تک اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم واضح نہ ہو اس وقت تک اپنی طرف سے کسی معاملے میں اظہار خیال نہ کرو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس جملے کی تفسیر اِن الفاظ میں کی ہے: **لاتقولوا خلاف الکتاب و السنة**۔ کتاب اور سنت کی خلاف ورزی نہ کرو۔ [ابن کثیر] حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے بعد کسی کو یہ حق ہی نہیں پہنچتا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے خلاف کوئی بات کہے، یا کوئی کام کرے، جب انسان اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرتا ہے تو وہ اس امر کا بھی اعلان کر رہا ہوتا ہے کہ آج کے بعد اُس کی خواہش، اس کی مرضی، اُس کی مصلحت سب کچھ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر بلا تأمل قربان کر دی جائے گی۔

یہ ارشاد فقط مسلمانوں کی شخصی اور انفرادی زندگی تک محدود نہیں، بلکہ قومی اور اجتماعی زندگی کے تمام گوشوں، تمام شعبوں، سیاسی اقتصادی، تجارتی، اور اخلاقی معاملات کو بھی محیط ہے، نہ کسی فرد کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ کوئی ایسا قانون بنائے جو کتاب وسنت سے متصادم ہو، اور نہ کسی عدالت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ احکامِ شرعیہ کے برعکس کوئی فیصلہ کرے، اور نہ کسی قومی جماعت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کتاب وسنت کے خلاف کوئی قانون بنائے۔

یہاں ایک چیز قابل غور ہے، وہ یہ کہ: ﴿لَا تُقَدِّمُوْا﴾ متعدی ہے، لیکن اس کا مفعول مذکور نہیں، اس کی حکمت یہ ہے کہ اگر کسی خاص چیز کو ذکر کر دیا جاتا تو صرف اُس کے بارے میں حکم کی خلاف ورزی ممنوع ہوتی، مفعول کو ذکر نہ کر کے یہ بتا دیا کہ کوئی بھی عمل ہو، کوئی بھی قول ہو، زندگی کے کسی بھی شعبہ سے اُس کا تعلق ہو، اس میں اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے انحراف قطعاً ممنوع ہے۔

اس آیت کریمہ میں دوسرا ارشاد یہ فرمایا: ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، اللہ تعالیٰ سے ڈرنا یہ بہت بڑا اونچا عمل ہے، جس کی وجہ سے انسان کو دونوں جہانوں کے فوز وفلاح اور سعادت نصیب ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے سینکڑوں مقامات پر تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہر بات کو سنتا ہے، اور کائنات میں واقع ہونے والی تمام حرکات وسکنات کو جانتا ہے، یہاں تک کہ آج سے ہزاروں سال بعد جو چیزیں پیدا ہوں گی وہ اُن کے حالات سے بھی واقف ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ساتوں سمندروں کی تہہ میں چلنے والی چیونٹی کے پاؤں کی حرکت کو سنتا

بھی ہے، اور اُسے دیکھتا بھی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝٢ اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝٣ اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَاۗءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝٤ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝٥

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر بلند نہ کرو، اور نہ نبی سے اس طرح اُونچی آواز سے بات کرو، جیسے تم بعض بعض سے اونچی آواز سے بات کرتے ہو، ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال حبط ہو جائیں، اور تمہیں خبر بھی نہ ہو ۝٢ بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ کے رسول کے پاس اپنی آوازوں کو پست کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لیے خالص کر دیا ہے، اُن کے لیے مغفرت ہے، اور بڑا اجر ہے ۝٣ بے شک جو لوگ حجروں کے باہر سے آپ کو پکارتے ہیں اُن میں سے اکثر عقل نہیں رکھتے ہیں، اور اگر وہ صبر کرتے، یہاں تک کہ آپ ان کی طرف نکل آتے تو ان کے لیے بہتر ہوتا، اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے، مہربان ہے ۝٤

معارف ومنازل

گزشتہ آیت میں دو اصول بیان ہوئے، اب اِن آیات میں ادب واحترام اور مجلس کے آداب کا بیان ہو رہا ہے، عام انسانی معاشرے کا یہ دستور ہے کہ کوئی شائستہ اور مہذب بیٹا اپنے باپ کے سامنے یا ایک سنجیدہ شاگرد اپنے اپنے استاد کے سامنے، یا ایک مخلص مرید اپنے پیر کے سامنے، یا ایک نمازی مقتدی اپنے امام کے سامنے، یا ایک ماتحت ملازم اپنے افسر کے سامنے ہمیشہ ادب واحترام کو ملحوظ رکھتا ہے، اور اونچی آواز سے بات تک نہیں کرتا۔

ادھر اللہ تعالیٰ کا نبی ہے جس کا مرتبہ ساری مخلوقات سے بلند و بالا ہے، اور اس کے ادب واحترام کو ہر ادب پر فوقیت حاصل ہے، لہٰذا یہ پوری احتیاط رکھنے کی تعلیم ہے کہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھ کر تم سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہو جائے، یا اشارۃً یا کنایۃً جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب واحترام میں فرق آتا ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی تمام برکتوں کی کنجی ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناخوشی کی وجہ سے ایک امتی کا کوئی ٹھکانہ باقی نہیں رہے

گا۔ ہوسکتا ہے کہ اس کی عمر بھر کی ساری محنت ہی برباد ہوجائے، اس لئے فرمان ہے کہ جب تم سرورِ دوجہان ﷺ کی مجلس میں بیٹھتے ہو تو نبی کے ادب کا تقاضا یہ ہے کہ گفتگو کرتے وقت تمہاری آواز نبی اکرم ﷺ کی آواز سے کسی صورت میں بھی بلند نہ ہو، خواہ آپ ﷺ کی گفتگو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ہو، یا براہ راست آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہو۔ پس چاہئے کہ تمہاری آواز نہایت پست اور آہستہ ہو، اگر ایسا نہیں کروگے تو ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی کے دل میں کوئی گرانی پیدا ہوجائے، جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوجائے اور تمہاری تمام محنتیں ضائع ہوجائیں، اسی کو ارشاد فرمایا:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ﴾ اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی اکرم ﷺ کی آواز سے بلند نہ کرو۔ ﴿وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ﴾ اور نہ ہی اُن کے سامنے اونچی آواز سے بولو، جیسا کہ تم ایک دوسرے کے سامنے بلند آواز سے بولتے ہو، اگر ایسا کروگے تو کہیں یہ نہ ہو کہ: ﴿اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ﴾ کہ تمہارے اعمال ضائع ہوجائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ایک مجلس میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما دونوں موجود تھے، آپ ﷺ کے پاس بنوتمیم کے چند لوگ آئے، آنحضرت ﷺ اُن میں سے کسی شخص کو اُن کا امیر مقرر کرنا چاہتے تھے، اس سلسلہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قعقاع بن معبد کا نام تجویز کیا، اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اقرع بن حابس کا نام پیش کیا، اس بارے میں دونوں شیخین ؓ کا آپس میں تکرار ہوگیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے عمر! تم ہمیشہ میری رائے کی مخالفت کرتے ہو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے بالکل ٹھیک رائے دی ہے، اس غیر ارادی تکرار میں دونوں حضرات کی آوازیں بلند ہوگئیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس سے دونوں حضرات اپنی اس حرکت پر سخت نادم ہوئے، اور پھر اُس کے بعد انہوں نے معافی طلب کی، اور آئندہ اُن کا یہ طریقہ رہا کہ آپ ﷺ کی مجلس اقدس میں کبھی اونچی آواز سے بات نہیں کی، بلکہ عمر بھر اپنی آوازوں کو پست رکھا، یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بات کو سمجھنے کے لیے اُن سے بار بار پوچھنا پڑتا تھا۔ [بخاري]

آیت کا شان نزول اگرچہ شیخین ؓ کے متعلق ہے، مگر یہ حکم تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے لائحہ عمل رہا، وہ علم و ادب کے پیکر رہے، زندگی بھر انہوں نے آنحضرت ﷺ کی محفل میں کبھی زور سے بات نہیں کی، اور اسی طرح

آپس کی محفلوں اور مجلسوں میں بھی اونچی آوازوں میں باتیں نہیں کیں۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادب ملحوظ رکھنا ضروری تھا اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث اور فرامین کو پڑھتے اور سنتے وقت بھی ادب کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے، اور اگر کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر شریف پر حاضر ہوتا ہے تو وہاں بھی ادب واحترام کی پاسداری ضروری ہے۔

ادب گاہ ہست زیر آسمان از عرش نازک تر ☆ نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید این جا

از خدا خواہیم توفیق ادب ☆ بے ادب محروم گشت از فضل رب

ہمارے علماء میں سے ایک صاحب نسبت عالم نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبۃ اللہ شریف سے افضل ہیں، پھر جیسے ہزاروں میل دور بول وبراز کی حالت میں قبلے کی طرف منہ یا پیٹھ کرنا یا سوتے وقت کعبے کی طرف پاؤں پھیلانا مکروہ یا حرام یا بے ادبی ہے، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر شریف کی طرف پاؤں پھیلانا بھی بے ادبی ہے، اُس عالم نے یہ بھی فرمایا کہ مدینہ منورہ میں ہوٹلوں اور مکانوں کی دوسری تیسری اور چوتھی منزلوں میں رہنا بھی بے ادبی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ادب واحترام کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ یَغُضُّوۡنَ اَصۡوَاتَہُمۡ عِنۡدَ رَسُوۡلِ اللّٰہِ﴾ بیشک وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے رسول کے پاس اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں۔ ﴿اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ امۡتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوۡبَہُمۡ لِلتَّقۡوٰی﴾ یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لیے خالص کر دیا ہے، اور ان کے دلوں میں ادب واحترام کی تخم ریزی کی ہے، اور ان کو تقویٰ اور طہارت کے لیے خالص بنا دیا ہے۔ ﴿لَہُمۡ مَّغۡفِرَۃٌ وَّ اَجۡرٌ عَظِیۡمٌ﴾ ان کے لیے بخشش اور اجر عظیم ہے۔

حضرت امام شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شعائر اللہ میں سے چار اعظم شعائر ہیں، یعنی قرآن پاک اور حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس، خانہ کعبہ اور نماز، ان چاروں شعائر کی تعظیم زیادہ ملحوظ رکھنی چاہیے، ان چاروں شعائر کا احترام ایمان کی بلندی اور قوت کی نشانی ہے، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب کے خلاف کوئی بات نہیں ہونی چاہیے۔ خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب واحترام کا بہترین نمونہ پیش کیا۔

ایک دفعہ قبیلہ تمیم کا ایک وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کے لیے حاضر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ازواج

مطہرات میں سے کسی اُم المؤمنین ؓ کے حجرہ میں آرام فرمار ہے تھے، جوں ہی یہ لوگ وہاں پہنچے تو انہوں نے باہر سے آوازیں دینی شروع کریں: یامحمد اخرج إلینا۔ اے محمد! ہمارے پاس باہر تشریف لائیں۔[بغوي] اسی پر اللہ تعالیٰ نے ان کو تنبیہ فرمائی اور ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ یُنَادُوۡنَکَ مِنۡ وَّرَآءِ الۡحُجُرٰتِ اَکۡثَرُہُمۡ لَا یَعۡقِلُوۡنَ﴾ بیشک وہ لوگ جوآپ کو حجروں کی دیواروں کے پیچھے سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر سمجھ نہیں رکھتے، یہ ان کی بے عقلی کی بات ہے کہ بلاتوقف آتے ہی آواز لگاؤ، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اس وقت آپ ﷺ کسی اہم کام میں مصروف ہوں، یا آپ ﷺ پر وحی نازل ہورہی ہو، یا آپ ﷺ آرام فرمارہے ہوں، اور فوری طور پر باہر نہ آنا چاہتے ہوں، ایسی حالت میں زور زور سے آوازیں دینا خلافِ تہذیب اور بعید از عقل ہے۔ایک معمولی حیثیت کا آدمی بھی اپنے روزمرہ معمولات میں اس قسم کی مداخلت کو برداشت نہیں کرتا، چہ جائیکہ نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس کو وقت بے وقت زحمت دی جائے، اور آپ ﷺ کے ادب واحترام کا خیال نہ رکھا جائے۔اگر بہت ہی ضروری بلانا تھا تو کسی بچے یا نوکر کے ذریعے اندر پیغام بھیجا جاسکتا تھا، اور صحیح بات یہ ہے جو اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں:

﴿وَلَوۡ اَنَّہُمۡ صَبَرُوۡا حَتّٰی تَخۡرُجَ اِلَیۡہِمۡ لَکَانَ خَیۡرًا لَّہُمۡ﴾ اگر وہ لوگ صبر کرتے حتیٰ کہ آپ خود ان کے پاس باہر نکل آتے تو یہ ان کے حق میں بہتر ہوتا۔مطلب یہ کہ ان لوگوں کو چاہئے تھا کہ باہر سے آوازیں دینے کی بجائے آپ ﷺ کے خود باہر تشریف لانے کا انتظار کرتے تو بہتر ہوتا، اور یہی آدابِ نبوت کا تقاضا تھا۔

امام سیوطیؒ، امام قرطبیؒ اور دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما جلیل القدر صحابی اور آپ ﷺ کے چچازاد بھائی تھے، آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد آپ ﷺ ہی کے حکم کے مطابق جب حضرت ابی بن کعب ؓ کے گھر قرآن سیکھنے کے لیے تشریف لے جاتے تو جاکر آپ ؓ کے دروازے پر بیٹھ جاتے، یا وہیں کھڑے رہتے، آپ نہ تو باہر سے آواز دیتے اور نہ دروازہ کھٹکھٹاتے، پھر جب حضرت ابی بن کعب ؓ خود گھر سے باہر تشریف لاتے تو ان سے ملاقات ہوتی۔ایک دفعہ حضرت ابی ؓ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ جب آپ آتے ہیں تو دروازے پر دستک دیدیا کریں، انہوں نے فرمایا: حضرت شیخ یا بزرگ یا استاذ اپنی قوم میں اس طرح ہوتا ہے جس طرح نبی امت میں ہوتے ہیں، اور نبی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اگر یہ لوگ صبر کرتے حتیٰ کہ نبی ﷺ خود ان کے پاس نکل کر آتے تو یہ ان کے لیے بہتر ہوتا، لہٰذا میں اپنے شیخ کو استاذ کو آواز دے کر یا دروازہ

پردستک دے کر تکلیف دینا نہیں چاہتا، میں تو ادب کی خاطر آکر بیٹھ جاتا ہوں، جب آپ باہر آئیں گے تو ملاقات ہو جائے گی، ہمارے تمام بزرگوں نے اسی ادب کو ملحوظ رکھا، اور بڑے بڑے مراتب پر پہنچے، اور اس ادب کی بدولت انہیں فیض بھی حاصل ہوا۔

از خدا خواہیم توفیق ادب ☆ بے ادب محروم شد از فضل ربّ

تو مطلب واضح ہے کہ جب عام آدمی کی محفل میں، اس کے گھر میں، اس کی مجلس اور احاطے میں ادب کا لحاظ ضروری ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادب واحترام ساری زندگی محض مدینہ منورہ میں نہیں بلکہ پورے جہاں کے اطراف واکناف میں مسلمانوں کو ادب واحترام کا ملحوظ رکھنا بہت ضروری ہے، اس تنبیہ کے بعد فرمایا:

﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور مہربان ہے، وہ تمہاری خطاؤں کو معاف کر دیتا ہے، لہٰذا آئندہ محتاط رہو، اور کوئی خلاف ادب کام نہ کرو۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْۤا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ⑥ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ⑦ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ⑧

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر لے کر آئے تو اچھی طرح تحقیق کر لو، ایسا نہ ہو کہ تم نادانی کی وجہ سے کسی قوم کو ضرر پہنچا دو، پھر اپنے کیے پر نادم ہونا پڑے ⑥ اور تم جان لو کہ بیشک تمہارے اندر اللہ تعالیٰ کے رسول موجود ہیں، بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اگر وہ ان میں تمہاری بات مان لیں تو تم مشقت میں پڑ جاؤ، اور لیکن اللہ تعالیٰ نے ایمان کو تمہارے لئے محبوب بنا دیا، اور اُسے تمہارے قلوب میں مزین کر دیا، اور کفر اور فسوق اور نافرمانی کو تمہارے نزدیک مکروہ بنا دیا، یہ لوگ ہدایت والے ہیں ⑦ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضل اور نعمت کی وجہ سے، اور اللہ تعالیٰ جاننے، والا حکمت والا ہے ⑧

محدثین اور علماء اصول نے نقل حدیث و روایت اور کسی بات کو نقل کرنے کے لئے ثقہ اور قابل اعتماد راوی کا ہونا شرط قرار دیا ہے، اور یہ کہ راوی اور خبر دینے والے میں ایسے اوصاف کا ہونا ضروری ہے جن کے باعث اس کو ثقہ، راست گو اور سچا کہا جاسکے، اسی لئے قرآن حکیم نے اس آیت کریمہ میں فاسق شخص کی خبر کو نا قابلِ قبول قرار دیا ہے۔

حضرات مفسرین کا بیان ہے کہ یہ آیت ولید بن عقبہ ابن ابی معیط کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے قبیلہ بنو المصطلق کے صدقات و زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بھیجا تھا، جب ان لوگوں کو پتہ چلا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف سے ایک شخص ہمارے قبیلے کی زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے پہنچ رہا ہے، تو ان لوگوں نے آبادی سے باہر آکر اکرام و احترام کے طور پر ان کا استقبال کیا، چونکہ زمانۂ جاہلیت میں ولید ابن عقبہ اور قبیلہ مذکورہ کے درمیان سخت عداوت تھی اس لئے شیطان کو ان کے دل میں یہ وسوسہ ڈالنے کا موقع مل گیا کہ یہ لوگ تمہیں قتل کرنے کے لیے میدان میں آرہے ہیں، وہ شیطانی وسوسہ کو حقیقت پر محمول کرتے ہوئے راستے سے واپس ہو گیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کر دیا کہ ان لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا، اور مجھے قتل کرنے کے لیے آمادہ ہو گئے۔ یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بہت ناگواری ہوئی، اور اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان سے جہاد کرنے کا ارادہ فرما دیا۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارادہ کا ان کو علم ہوا، تو خدمت گرامی میں حاضر ہوئے عرض کیا: یارسول اللہ! ہمیں معلوم ہوا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا قاصد پہنچ رہا ہے، ہم بطور استقبال و اکرام کے لیے باہر نکلے تھے، ہمارا ارادہ تھا کہ جو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اس کے موافق زکوٰۃ کے اموال آپ کے قاصد کے سپرد کر دیں، لیکن آپ کے قاصد نے واپس ہونا مناسب سمجھا، تو ہمیں اندیشہ ہوا کہ آپ نے ناراض ہو کر شاید انہیں کوئی پیغام دے کر واپس بلا لیا ہو، ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے غصے سے پناہ مانگتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان لوگوں کے بیان پر بھروسہ نہ کیا، اور حضرت خالد بن ولیدؓ کو خفیہ طریقے پر بھیج دیا، اور فرمایا کہ جاؤ دیکھو اگر وہ لوگ ایمان پر باقی ہیں تو ان کے اموال سے زکوٰۃ لے لینا، اور اگر دوسری کوئی صورت ہے تو ان کے ساتھ وہی معاملہ کرنا جو کافروں کے ساتھ کیا جاتا ہے، تو جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ان کے پاس پہنچے تو انہیں مسلمان اور فرمانبردار پایا، اور ان سے اموال زکوٰۃ وصول کر لیا، اور واپس آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو صورت حال سے باخبر کر دیا، اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں ایمان والوں کو یہ بتا دیا کہ ہر خبر بھروسہ کرنے کی نہیں ہوتی، اگر کوئی فاسق آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اس کی بات سن کر بھروسہ

کر کے کوئی اقدام نہ کرے، بلکہ پہلے خوب اچھی طرح تحقیق کر لے اور چھان بین کرنے کے بعد کوئی قدم اٹھائے، ایسا نہ ہو کہ صرف خبر سن کر تحقیق کیے بغیر کسی قوم پر حملہ کر بیٹھے، پھر بعد میں اُن کے بے قصور ہونے کا پتہ چلے تو ندامت اٹھانی پڑے، اور بے جا اقدام کرنے کا نتیجہ بھگتنا پڑے۔

آیت کریمہ کے عموم نے یہ واضح کیا کہ یہ ہدایت و راہنمائی امور دنیا اور امور آخرت سب سے متعلق ہے، اسی لئے احادیث شریف کی روایات میں سچے اور متقی آدمی کی روایت کو قبول کیا جاتا ہے، جس کے راوی کا حال معلوم نہ ہو یا فاسق ہو اُس کی روایت قبول کرنے میں توقف کرتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْۤا﴾ اے مسلمانو! جب کوئی فاسق آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اُس کی تحقیق کر لیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو: ﴿اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ﴾ کہ تم کسی قوم کو نقصان پہنچا بیٹھو، اور پھر اپنے کئے ہوئے عمل پر پشیمان ہونا پڑے، لہٰذا بغیر تحقیق اور بغیر جانچ پڑتال کے کوئی اقدام نہ کرو۔ فاسق کا لغوی معنیٰ ہے: نافرمان، یا حکمِ عدولی کرنے والا، یا غلط بیان کرنے والا، یہاں آخری معنیٰ مراد ہے۔

﴿وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ فِیْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِؕ لَوْ یُطِیْعُكُمْ فِیْ كَثِیْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ﴾ اور جان لو کہ تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ کا رسول موجود ہے، اگر وہ بہت سے معاملات میں تمہاری بات کو مان لے گا تو تم مشقت میں پڑ جاؤ گے، لہٰذا یہ خواہش نہ کرو کہ اللہ تعالیٰ کا نبی تمہاری ہر بات ضرور مان لے، اگر تمہارا مشورہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں قبول نہ ہو تو اُس کا بُرا نہ مانو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا رسول تو اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرتا ہے، وہ تمہارے ہر مشورہ پر عمل کرنے کا پابند نہیں، ہاں! اگر کبھی مصلحت کے تحت تمہارا مشورہ وحی کے مطابق ہو تو یہ الگ بات ہے۔

﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَیْكُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَهٗ فِیْ قُلُوْبِكُمْ﴾ مگر اللہ تعالیٰ نے ایمان کو تمہارے لئے محبوب ٹھہرا دیا ہے، اور اُس کو تمہارے دلوں میں مزین کر دیا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے، اُس نے تمہارے دلوں میں ایمان کی تخم ریزی کر دی ہے جس کی وجہ سے تم اسے پسند کرتے ہو۔ ﴿وَكَرَّهَ اِلَیْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَؕ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ﴾ اور ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں کفر، نافرمانی، اور گناہوں سے متعلق نفرت پیدا کر دی ہے، جس کی وجہ سے تم اِن خلاف ایمان چیزوں کو ناپسند کرتے ہو، ایسی ہی صفات کے حاملین لوگ راہ راست اور رشد و ہدایت پر ہیں۔

﴿فَضۡلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعۡمَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اُس کا احسان ہے کہ اُس نے تمہارے دلوں میں نیکی اور حسنات کی محبت پیدا کردی، اور کفر و معاصی کو تمہارے دلوں میں مبغوض اور مکروہ قرار دیا، لہٰذا اگر آنحضرت ﷺ کسی مصلحت کے تحت تمہاری بات نہ مانیں تو اس پر رنجیدہ نہ ہوں، اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور تمام حکمتوں کا مالک ہے۔

وَاِنۡ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اقۡتَتَلُوۡا فَاَصۡلِحُوۡا بَيۡنَهُمَا ۚ فَاِنۡۢ بَغَتۡ اِحۡدٰٮهُمَا عَلَى الۡاُخۡرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِىۡ تَبۡغِىۡ حَتّٰى تَفِىۡٓءَ اِلٰٓى اَمۡرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنۡ فَآءَتۡ فَاَصۡلِحُوۡا بَيۡنَهُمَا بِالۡعَدۡلِ وَاَقۡسِطُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُقۡسِطِيۡنَ ۞ اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَةٌ فَاَصۡلِحُوۡا بَيۡنَ اَخَوَيۡكُمۡ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ۞

ترجمہ: اور اگر ایمان والوں کی دو جماعتیں آپس میں قتال کرنے لگیں تو ان کے درمیان صلح کرادو، پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے گروہ پر زیادتی کرے تو اس سے جنگ کرو جو زیادتی کررہا ہے، یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف لوٹ آئے، سو اگر وہ رجوع کرلے تو ان دونوں کے درمیان انصاف کے ساتھ صلح کرادو، اور انصاف کرو، بیشک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ۞ ایمان والے آپس میں بھائی بھائی ہی ہیں، سو اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرادو، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے ۞

معارف ومنازل

ان آیات کی رو سے جنگ وجدال کفر نہیں، اگر مؤمن آپس میں لڑ پڑیں تو اس سے وہ کافر نہیں ہوں گے، یہاں یہی حکم ہورہا ہے کہ اگر مسلمانوں کی کوئی دو جماعتیں لڑنے لگ جائیں تو دوسرے مسلمانوں کو چاہئے کہ ان میں صلح کرادیں، آپس میں دو لڑنے والی جماعتوں کو مؤمن کہا گیا، اس سے حضرت امام بخاریؒ نے استدلال کیا ہے کہ نافرمانی کتنی ہی بڑی ہو مسلمان کو ایمان سے خارج نہیں کرتی۔ خارجی یعنی خوارج اور ان کے موافق معتزلہ کا مذہب اس بارے میں خلاف حق ہے۔

اس آیت کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو صحیح بخاری وغیرہ میں مروی ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ منبر پر خطبہ دے رہے تھے، آپ کے ساتھ منبر پر حضرت حسن ابن علی رضی اللہ عنہما بھی تھے، آپ ﷺ کبھی ان کی

طرف دیکھتے اور کبھی لوگوں کی طرف، اور فرماتے کہ میرا یہ بچہ سید ہیں، اور اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی دو بڑی بڑی جماعتوں میں صلح کرادے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ پیشین گوئی سچی نکلی، اور اہل شام اور اہل عراق میں بڑی لمبی لڑائیوں اور بڑے ناپسندیدہ واقعات کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وجہ سے صلح ہوگئی، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: اگر ایک گروہ دوسرے گروہ پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑائی کی جائے تاکہ وہ پھر ٹھکانے آجائے، اور حق کو سنے اور مان لے۔ صحیح حدیث میں ہے: آپ دوپنے بھائی کی مدد کرو، ظالم ہو یا مظلوم ہو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ مظلوم ہونے کی حالت میں تو ظاہر ہے، لیکن ظالم ہونے کی حالت میں کیسے میں اس کی مدد کروں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اسے ظلم وزیادتی سے باز رکھو، یہی اس کی مدد ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک مرتبہ کہا گیا کہ اچھا ہوگا اگر آپ عبداللہ ابن ابی منافق کے ہاں تشریف لے جاتے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گدھے پر سوار ہوگئے اور چند صحابہ رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ روانہ ہوئے، وہ زمین شور تھی، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں پہنچے تو اس منافق نے کہا کہ مجھ سے ذرا دور رہئے، اللہ کی قسم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گدھے کی گرد وغبار اور بدبو نے ہمارا دماغ پریشان کردیا، اس پر ایک انصاری صحابی عبداللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گدھے کی خشبو تمہاری بُو سے بہت بہتر ہے، اس پر ادھر ادھر سے کچھ لوگ بُول پڑے، اور منافقوں نے شور مچایا، اور معاملہ بڑھنے لگا، بلکہ کچھ ہاتھا پائی بھی ہوئی، چھڑی بھی چل گئی، ان کے بارے میں یہ آیت اتری۔ حضرت سعید ابن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ اوس اور خزرج قبائل میں کچھ معمولی جھگڑا اور لڑائی ہوگئی تھی، اس آیت میں اسی کے متعلق صلح کرادینے کا حکم ہورہا ہے۔

آیت کا شان نزول اگرچہ مخصوص ہے مگر آیت اپنے عمومی معنیٰ کے اعتبار سے قیامت تک آنے والے مسلمانوں کیلئے عام ہے۔ مطلب یہ کہ مسلمانوں کو فساد کی ضرورت نہیں، پھر بھی اگر ان کے درمیان مناقشہ ہو تو عام مسلمانوں کو چاہئے کہ ان کے درمیان بغیر کسی جانبداری اور لحاظ کے حق اور انصاف کے ساتھ صلح کرادیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ عدل والوں کو پسند فرماتا ہے۔ سنن نسائی میں حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: جو لوگ دنیا میں عدل وانصاف کرتے ہیں وہ قیامت کے دن رحمٰن جل شانہ کے سامنے موتیوں کے منبروں پر ہوں گے، اور یہ ان کے عدل وانصاف کا بدلہ ہوگا۔ یہ حدیث صحیح مسلم میں بھی ہے۔

آگے اسی کے متعلق فرمایا کہ سارے مؤمن بھائی ہیں۔ مسند احمد میں ہے: مؤمن کا تعلق دیگر مؤمنوں کے

ساتھ ایسا ہے جیسے سر کا تعلق جسم سے ہوتا ہے، ایک مؤمن اہل ایمان کیلئے وہی خیر خواہی اور دردمندی کرتا ہے جو دردمندی جسم کو سر کے ساتھ ہے۔ اور صحیح حدیث میں ہے کہ مسلمان سارے کے سارے اپنی محبت، رحمدلی اور میل جول میں مثل ایک جسم کے ہیں، جب کسی عضو کو تکلیف ہو تو سارا جسم تڑپ اٹھتا ہے۔ اور ایک دوسری صحیح حدیث میں ہے کہ مؤمن مؤمن کیلئے مثل دیوار کے ہے، جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو تقویت پہنچاتا ہے، اور اُسے مضبوط کرتا ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر اس کی کیفیت بتادی۔

﴿وَاِنۡ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اقۡتَتَلُوۡا﴾ اگر اہل ایمان کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑے۔ ﴿فَاَصۡلِحُوۡا بَيۡنَهُمَا﴾ تم لوگ ان دونوں کے درمیان صلح کرالو۔ اور اس طرح کے واقعات صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانے میں بھی پیش آئے، اور قیامت تک پیش آتے رہیں گے، پس غیر جانبدار عام مؤمنوں کو چاہئے کہ جتنا جلدی ہوسکے ایسے معاملات کو رفع دفع کرلیں، اور ہر دو فریق کے درمیان صلح کرادے عدل وانصاف کے ساتھ۔

﴿فَاِنۡۢ بَغَتۡ اِحۡدٰٮهُمَا عَلَى الۡاُخۡرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِىۡ تَبۡغِىۡ حَتّٰى تَفِىۡٓءَ اِلٰٓى اَمۡرِ اللّٰهِ﴾ پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے گروہ پر سرکشی کرے تو تم سارے مسلمان مل کر بغاوت کرنے والے کی سرکوبی کرو، اسے سمجھادو، اسے راستے پر لے آؤ، یہاں تک کہ سرکشی کرنے والا اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف لوٹ آئے، یہ تب ممکن ہوگا کہ غیر جانبدار سارے مسلمان مل کر اس سرکش گروہ کو سمجھادیں اور اسے مجبور کردیں۔

﴿فَاِنۡ فَآءَتۡ فَاَصۡلِحُوۡا بَيۡنَهُمَا بِالۡعَدۡلِ وَاَقۡسِطُوۡا﴾ اگر زیادتی کا مرتکب فریق اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف لوٹ آئے اور زیادتی چھوڑ کر صلح پر آمادہ ہوجائے تو ان کے درمیان عدل وانصاف کے ساتھ صلح کرادو، اور ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کردو، جو حقدار ہے اس کو اس کا حق دیدو، اور جو ظالم ہے اسے ظلم سے روک دو، اس لئے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُقۡسِطِيۡنَ﴾ بیشک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

﴿اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَةٌ﴾ یہ بہت بڑی بنیادی بات ہے، یہ ایسا ایک قانون رحمت ہے چاہئے کہ سارے مسلمان اس کے سایہ میں زندگی گزارنے کی کوشش کریں، اگر اس بات پر مسلمانوں کا مکمل عمل ہوگا تو رہتی دنیا تک کبھی ان کے درمیان اختلاف واقع نہ ہوں گے، تو ارشاد فرمایا کہ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، ان کا ربّ ایک ہے، نبی بھی ایک ہے، قرآن بھی ایک، سب کا کعبہ بھی ایک، سب کا دین بھی ایک اور لطف یہ ہے کہ ماں باپ آدم وحواء علیہما السلام بھی ایک، اگر اس نکتہ پر مسلمان عمل پیرا ہوں تو ان کی زندگی جنت نظیر بن جائے گی، اور یہی دنیا

کا معاشرہ ان کے لیے جنت کا نمونہ بن جائے گا، کاش مسلمان اس پر عمل پیرا ہوتے۔ اسی کو علامہ اقبال رحمہ اللہ نے فرمایا: ؎

منفعت ایک ہے اس قوم کا نقصان بھی ایک ☆ ایک ہے سب کا نبی دین بھی ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی اللہ قرآن بھی ایک ☆ کیا بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

﴿فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْكُمْ﴾ پس تم اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کرادو، اور عدل وانصاف کا دامن مضبوطی کے ساتھ تھامے رکھو۔ ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے، جب تم احکامِ الٰہی کی پابندی کروگے، آپس میں بھائیوں جیسا سلوک کروگے، اور اللہ تعالیٰ سے خوف کروگے تو اس کی رحمتوں کے مستحق بن جاؤگے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ یَّكُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ وَ لَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ
عَسٰۤى اَنْ یَّكُنَّ خَیْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَ لَا تَلْمِزُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ لَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ بِئْسَ الْاِسْمُ
الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ ۚ وَ مَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۱﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! نہ تو مرد مردوں کی ہنسی اڑائیں، ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور نہ عورتیں عورتوں کی ہنسی اڑائیں، ممکن ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور نہ اپنی جانوں کو عیب لگاؤ، اور نہ ایک دوسرے کو برے لقب سے یاد کرو، اور ایمان کے بعد گناہ کا نام لگنا برا ہے، اور جو شخص توبہ نہ کرے تو یہ لوگ ظلم کرنے والے ہیں ﴿۱۱﴾

معارف ومنازل

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے چند نصیحتیں بیان فرمائی ہیں جن پر عمل کرنے سے معاشرہ کی اصلاح ہوتی ہے، اور ہر قسم کے جھگڑے اور فساد ختم ہوجاتے ہیں، ان باتوں پر عمل کرنے سے آپس کی محبتوں میں اضافہ ہوجاتا ہے، اور مسلمانوں کا اخلاقی پہلو سدھر جاتا ہے، کدورتیں ختم ہوجاتی ہیں، پہلی نصیحت یہ ہے، ارشاد فرمایا:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ یَّكُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ﴾ اے ایمان والو! کوئی قوم دوسری قوم سے، اسی طرح کوئی مرد دوسرے مرد سے تمسخر اور مذاق نہ کرے، کیونکہ شاید وہ ان سے بہتر

ہوں، یہ تمسخر اور ٹھٹا اس لئے ناجائز ہے کہ اس میں غرور کا پہلو موجود ہے، اور اس سے دوسروں کی تحقیر ہوتی ہے، جس سے عداوتیں پیدا ہوجاتی ہیں، اور بھائی چارے اور محبت ختم ہوجاتی ہے۔

دوسری نصیحت یہ ارشاد فرمائی: ﴿وَلَا نِسَآءٌ مِّنۡ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنۡ يَّكُنَّ خَيۡرًا مِّنۡهُنَّ﴾ اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، شاید کہ تمسخر کا نشانہ بننے والی تمسخر کرنے والیوں سے اللہ تعالیٰ کے ہاں بہتر اور پسندیدہ ہو۔

دراصل یہ مذاق و تمسخر عورتوں میں بنسبت مردوں کے زیادہ ہے، اکثر عورتیں خاص کر مالدار لوگوں کی بیویاں اور بچیاں غریب عورتوں کا مذاق اڑاتی ہیں، اور انہیں حقیر سمجھتی ہیں، طرح طرح کی عیب جوئی اور ناپسندیدگی کا اظہار کرتی ہیں، پس انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ قیامت کے دن انہیں بہت ہی ذلت اور ندامت اٹھانی پڑے گی۔ آگے اسی سلسلہ میں فرمایا۔

تیسری نصیحت یہ ارشاد فرمائی: ﴿وَلَا تَلۡمِزُوۡٓا اَنۡفُسَكُمۡ﴾ اور نہ تو ایک دوسرے پر عیب لگاؤ۔

چوتھی نصیحت یہ ارشاد فرمائی: ﴿وَلَا تَنَابَزُوۡا بِالۡاَلۡقَابِ﴾ اور نہ ہی ایک دوسرے کو برے القاب سے یاد کرو۔ لُمَزَة کے معنی ہیں: عیب لگانا۔ ﴿وَيۡلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ﴾ [الهمزة: ۱] (خرابی اور بربادی ہو ہر اس آدمی کے لیے جو پس پشت غیبت کرتا ہے، اور آمنے سامنے عیب لگاتا اور طعنہ دیتا ہے)۔ ویل جہنم میں ایک وادی ہے جس سے جہنم روزانہ تین سو مرتبہ پناہ مانگتی ہے، پس طعنہ دینے والے اور عیب لگانے والے اسی جہنمی وادی کی نذر ہوجائیں گے، لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ ہر دوزخی عمل سے اجتناب کریں، اور جنتی اعمال کو اپنائیں، اور یہی ایمان کا تقاضا بھی ہے، پس ایمان کے ہوتے ہوئے فسق و فجور کا ارتکاب کرنا یہ مسلمان کو زیب نہیں دیتا، اس لئے فرمایا:

﴿بِئۡسَ الِاسۡمُ الۡفُسُوۡقُ بَعۡدَ الۡاِيۡمَانِ﴾ ایمان کے بعد فسق کا نام اور اس کا ارتکاب بہت ہی برا ہے، یہ جاہلیت کی ایک شاخ ہے کہ ایمان قبول کرنے کے بعد وہی اعمال اپنانا اور بجالانا جن سے ایمان دب جاتا ہے اور کفر و غرور کا سر اونچا ہوجاتا ہے، اور آدمی فاسق ہوجاتا ہے، یہ بہت بری چیز ہے، اور بہت برا نام ہے، اور بہت بری خصلت ہے۔ ﴿وَمَنۡ لَّمۡ يَتُبۡ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ﴾ جو شخص فسق و فجور کرتے ہوئے توبہ نہیں کرے گا اور غیر اسلامی حرکات سے باز نہیں آئے گا، تو یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ظالم بھی ہیں اور بے انصاف بھی، وہ ضرور اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آجائیں گے، ہاں اگر ایسے اعمال کے ارتکاب کے بعد توبہ اور ندامت

سے کام لیا گیا تو اللہ تعالیٰ غفور ورحیم ہے، ایسے لوگوں کی مغفرت اور بخشش کی امید ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٢﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو، بلاشبہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں، اور تجسس نہ کرو، اور تم میں سے بعض بعض کی غیبت نہ کریں، کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ سو تم اس کو برا سمجھتے ہو، اور اللہ سے ڈرو، بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا ہے، مہربان ہے ﴿١٢﴾

معارف ومنازل

پانچویں نصیحت یہ ارشاد فرمائی: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ﴾ اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو، ساتھ ہی یہ بھی فرمایا: ﴿اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ﴾ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ بدگمانی بہت سے گناہوں کا پیش خیمہ ہوتی ہے، بہت سے لوگوں میں وہ بات ہوتی ہی نہیں جسے محض اٹکل اور گمان سے طے کرلیا جاتا ہے، اور پھر اپنے گمان کے مطابق تہمتیں لگاتے ہیں اور غیبتیں کرتے ہیں، بدگمانی کی بنیاد پر جو باتیں کہیں جاتی ہیں وہ آگے بڑھتی ہیں، اور معاشرے کا ستیاناس کردیتی ہیں۔

اس سے آپس میں فتنہ اور فساد پیدا ہوتا ہے، حالانکہ گمان اپنا ایک ذاتی خیال ہوتا ہے، خیال کا صحیح ہونا ضروری نہیں، اسی لئے سورۃ النجم میں ارشاد فرمایا: ﴿اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا﴾ [یونس:٣٦] (گمان حق کے بارے میں کچھ بھی فائدہ نہیں دیتا)۔ مؤمنین سے اچھا گمان رکھے، اور بدگمانی سے پرہیز کرے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے: إیاکم والظن فإن الظن أکذب الحدیث۔ یعنی گمان سے بچو، کیونکہ گمان سب باتوں سے جھوٹی بات ہے۔ [مشکوۃ: ص ٤٢٧]

فائدہ:

یاد رہے کہ اگر کسی شخص سے کچھ نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو اس سے میل جول میں احتیاط کرنا اور اس کے شر سے بچنے کیلئے یہ خیال کرنا کہ ممکن ہے یہ مجھے کوئی تکلیف پہنچادے، یہ اس گمان میں نہیں آتا جو گناہ ہے، اپنی احتیاط

کر لے، غیبت نہ کرے، اور گمان کو یقین کا درجہ بھی نہ دے۔

آیت کریمہ میں فرمایا کہ اے ایمان والو! بہت سے گناہوں سے بچو، اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ بعض گمان گناہ نہیں ہوتے، بلکہ محمود اور مستحسن بھی ہوتے ہیں، انسان اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمیشہ اچھا گمان رکھے کہ وہ بخش دے گا، اور معاف فرمادے گا، اور ساتھ ہی گناہوں سے بھی پرہیز کرتا رہے، نیز مسلمانوں کے ساتھ خاص کر جو مؤمنین صالحین ہوں اچھا گمان رکھا جائے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: **حسن الظن من حسن العبادة۔** کہ حسن ظن عبادت کی ایک صورت ہے۔[مشکوٰۃ: ص ۴۷۹] البتہ مسلمانوں کو بھی چاہئے کہ ایسے احوال ومواقع سے بچیں جن کی وجہ سے دیکھنے والوں کو اور ساتھ رہنے والوں کو بدگمانی ہوسکتی ہو، اپنے اعمال واحوال چال ڈھال اور اقوال میں ایسا انداز اختیار نہ کرے، جس سے لوگ بدگمانی کا شکار ہوجائیں، کیونکہ لوگوں کی نظروں میں بڑا بن کر رہنا بھی کوئی اچھی بات نہیں۔

خلاصہ:

گمان کے دو درجے ہیں: حسن ظن، سوء ظن، ان میں سے ہر ایک کے مقامات مختلف ہیں، جہاں حسن ظن کا موقع ہو، وہاں بدظنی گناہ ہے، اور جہاں بدظنی کا موقع ہو، وہاں حسن ظن نقصان سے خالی نہیں، حسن ظن کے اکثر اسباب انسان کے نیک اعمال ہوتے ہیں، اور بدظنی کے اسباب برائیاں اور بری سوسائٹی اور برا معاشرہ ہوتا ہے، بس مسلمان کو چاہئے کہ ان دونوں میں سے جس کو چاہے سوچ سمجھ کر بات کرے اور اپنائے۔

چھٹی نصیحت یوں فرمائی: ﴿وَّلَا تَجَسَّسُوْا﴾ اور تم تجسس نہ کرو، یعنی لوگوں کے عیوب کا سراغ نہ لگاؤ، اور اس تلاش میں نہ رہو کہ فلاں شخص میں کیا عیب ہے، اور تنہائی میں کیا عمل کرتا ہے، یہ تجسس کا مرض بھی بہت برا ہے، بہت سے لوگ اس میں مبتلا رہتے ہیں، حالانکہ اس کا وبال بہت برا ہے، دنیا وآخرت میں اس کی سزا مل جاتی ہے، اور تجسس کرنے والا ذلیل ہوکر رہ جاتا ہے۔ بہت سی مرتبہ تجسس میں بدگمانی کو استعمال کرنا پڑتا ہے، جس کی ممانعت ابھی معلوم ہوئی، مؤمن بھائی کا کام یہ ہے کہ اپنے مؤمن بھائی کا کوئی عیب دیکھے تو اس کو چھپائے، نہ یہ کہ کسی کے عیب کے پیچھے پڑ جائے اور ٹوہ لگائے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ روای ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کسی کی کوئی ایسی چیز

دیکھ لی جس کے ظاہر ہونے کو اچھا نہیں سمجھا جاتا، پھر اس کو چھپا لیا تو اس کا اتنا بڑا ثواب ہے کہ جیسے کسی نے زندہ دفن کی ہوئی لڑکی کو زندہ کر دیا۔ [مشکوۃ: ۴۲۴]

فائدہ:

یاد رہے کہ جس طرح سے بھی کسی کے عیب یا گناہ یا بدحالی کا پتہ چلایا جائے یہ سب تجسس میں داخل ہے، چھپ کر باتیں سننا، یا اپنے کو سوتا یا ہوا ظاہر کر کے کسی کی باتیں معلوم کرنا، یہ سب تجسس ہے اور ممنوع ہے۔

ساتویں نصیحت یہ ارشاد فرمائی: ﴿وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا﴾ کہ تم آپس میں ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔ مزید فرمایا: ﴿اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ﴾ کیا تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے؟ سو اس کو تم ناگوار سمجھتے ہو، یعنی غیبت کرنا اپنے مردہ بھائی کے گوشت کھانے کے برابر ہے، جیسے تمہیں مردہ بھائی کا گوشت کھانا گوارا نہیں اسی طرح غیبت کرنا بھی ناگوار ہونا لازم ہے۔ بات یہ ہے کہ غیبت بہت بری بیماری ہے، نمازی اور تقویٰ کے دعوے دار اور اپنی بزرگی کا گمان رکھنے والے تک اس میں مبتلا ہوتے ہیں، دنیا میں کچھ محسوس نہیں ہوتا، قیامت کے دن جب اتنی چھوٹی سی زبان کی کھیتیاں کاٹنی پڑیں گی اس وقت احساس ہوگا کہ ہائے ہم نے کیا کیا؟ لیکن اس وقت کا پچھتانا کچھ کام نہ دے گا، اب اس بات کو سمجھئے کہ غیبت کیا چیز ہے؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سوال فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو غیبت کیا ہے؟ عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی زیادہ جاننے والے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **ذكرك أخاك بمايكره**۔ کہ تمہارا اپنے بھائی کو اس طرح یاد کرنا کہ اُسے برا لگے یہ غیبت ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ جو بات میں بیان کر رہا ہوں اگر وہ میرے بھائی کے اندر موجود ہو تو اسے بیان کرنے کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ فرمایا کہ اگر تیرے بھائی میں وہ عیب کی بات موجود ہے جسے تو بیان کر رہا ہے تب ہی تو غیبت ہوئی، اور اگر تو نے کوئی ایسی بات بیان کی جو اس کے اندر نہیں ہے تب تو نے اس پر بہتان باندھا۔ [مسلم: ج ۲ ۳۲۳]

حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ کسی کا واقعی عیب یا گناہ بیان کرنا ہی غیبت ہے، اگر جھوٹی بات کسی کے ذمہ لگا دی تو وہ تہمت دھرنا ہوا، اس میں دو گنا گناہ ہے، ایک ناحق تہمت دھرنے کا گناہ، دوسرا غیبت کرنے کا گناہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جو فرمایا کہ اپنے بھائی کو ایسے طریقے پر یاد کرنا جس سے اُسے ناگواری ہو، اس سے یہ بات

بھی معلوم ہوگئی کہ سامنے کہنا بھی غیبت ہے، اور تہمت دھرنا بھی غیبت میں شامل ہے، کیونکہ یہ دونوں چیزیں سننے والے کو ناگوار ہوتی ہیں۔ غیبت کی بنیاد یہ ہے کہ جس شخص کے بارے میں کچھ کہا جارہا ہے وہ اسے برا لگے، خواہ سامنے ہو یا پیچھے۔ اور جو لوگ غیبتیں کرتے ہیں پھر یوں کہہ دیتے ہیں کہ میں غلط تو نہیں کہہ رہا ہوں، میں یہ بات اس کے منہ پر کہہ سکتا ہوں، حدیث بالا سے ان کی جرأت بیجا کا پتہ چلا، ایسے لوگ نفس اور شیطان کے دھوکے میں ہیں، گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں، جس کا عذاب اور وبال بہت برا ہے، اور لوگ سمجھتے یوں ہیں کہ ہم گناہ سے بری ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں سمجھ دے۔

غیبت کا تعلق چونکہ حقوق العباد سے بھی ہے اس اعتبار سے غیبت سے بچنے کا اہتمام کرنا بہت زیادہ ضروری ہے۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ غیبت زنا سے زیادہ سخت ہے، عرض کیا گیا: یارسول اللہ! غیبت زنا سے زیادہ سخت کیسے ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک شخص زنا کرلیتا ہے پھر توبہ کرلیتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمادیتا ہے، اور اگر کوئی شخص غیبت کرلے تو اس وقت تک اس کی مغفرت نہ ہوگی جب تک وہ شخص معاف نہ کردے جس کی غیبت کی۔ [مشکوۃ: ص ۴۱۵]

بات یہ ہے کہ غیبت کرنے میں اللہ کا حق اور بندہ کا حق دونوں ضائع ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے چونکہ غیبت کرنے سے منع فرمایا ہے اس لئے غیبت کرنا حرام ہے اور گناہ کبیرہ ہے، اور چونکہ بندہ کی بھی بے آبروئی کی ہے اس لئے اس کا حق بھی ضائع کیا ہے، اس کا نام احترام سے لیا جاتا تو اچھا ہوتا، یا کم از کم اس کی برائی نہ کی جاتی۔ جب غیبت کرلے تو اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرلے، اور جس کی غیبت کی ہے اس سے بھی معافی مانگ لے۔

البتہ بعض اکابر نے یہ فرمایا ہے کہ اگر اسے اطلاع پہنچ گئی ہو تو معافی مانگ لے، اور اگر اطلاع نہ پہنچی ہو تو اس کے لیے اتنی بار مغفرت کی دعا کرے کہ دل یہ گواہی دیدے کہ غیبت کی تلافی ہوگئی۔ ایک حدیث شریف میں ہے کہ غیبت کا کفارہ یہ ہے کہ اس کے لیے استغفار کرے جس کی غیبت کی ہے، اور یوں دعا کرے: **اللّٰھم اغفر لنا ولہ**۔ اے اللہ ہماری اور اس کی مغفرت فرمادے۔ [مشکوۃ: ص ۴۱۵]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس رات کو مجھے معراج کرائی گئی تو ایسے لوگوں پر میرا گزر ہوا جن کے تانبے کے ناخن تھے، وہ ان سے اپنے چہروں کو اور اپنے سینوں کو چھیل رہے تھے، میں نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے بتایا: یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کی بے

آبروئی کرتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ اُن کی غیبت کرتے تھے۔ [أبو داؤد: ج ۲ ص ۳۱۳]

میں کہتا ہوں کہ غیبت کرنے والے لوگ اس بری عادت کو خطرناک سمجھتے ہوئے قرآن اور احادیث کی رو سے اس عادت بد کو ہمیشہ کیلئے چھوڑ دیں اور اپنے چہروں اور سینوں کا تحفظ کریں اور اس سلسلہ کی وعیدوں پر غور کریں۔

جس طرح غیبت کرنا حرام ہے اسی طرح غیبت کا سننا بھی حرام ہے، اگر کوئی شخص کسی کی غیبت کر رہا ہو تو سننے والے پر لازم ہے کہ اس کی بات کاٹ دے، اور جس کی غیبت ہو رہی ہے اس کی طرف سے دفاع کرے۔ حضرت اسماء بنت یزیدؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی شخص نے اپنے مسلمان بھائی کی طرف سے دفاع کیا جس کا غیبت کے ذریعہ گوشت کھایا جا رہا تھا، تو اللہ تعالیٰ شانہ کے ذمہ ہے کہ اسے دوزخ سے آزاد کر دے۔ اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی مسلمان اپنے بھائی کی آبرو کی طرف سے دفاع کرے اللہ تعالیٰ شانہ کے ذمہ ہوگا کہ قیامت کے دن دوزخ کی آگ کو اس سے دور رکھے، اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: ﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [الروم: ۴۷] (اور ہمارے ذمہ ثابت ہے مؤمنوں کی مدد کرنا)۔ [مشکوٰة: ص ۴۲۴]

اور حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کسی منافق کی باتوں سے کسی مؤمن کا دفاع کیا اللہ تعالیٰ شانہ قیامت کے دن ایک فرشتہ بھیجے گا جو اس کے گوشت کو دوزخ کی آگ سے محفوظ رکھے گا، اور جس کسی شخص نے مسلمان میں کوئی عیب ظاہر کیا تو اللہ تعالیٰ شانہ اُسے دوزخ کے پُل پر روک دے گا، جب تک وہ اپنی کہی ہوئی بات سے نہ نکل جائے یعنی معافی مانگ کر اسے راضی نہ کرلے جس کو عیب دار بتایا تھا۔ [أبو داؤد: ص ۳۱۳۲]

حضرت جابر اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہما دونوں سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی مسلمان کی کسی جگہ بے حرمتی کی جا رہی ہو، اور اس کی بے عزتی کی جا رہی ہو، اور وہاں جو شخص موجود ہو وہ اس کی مدد نہ کرے، یعنی برائی کرنے والے کو اس کے عمل سے نہ روکے اللہ تعالیٰ شانہ ایسی جگہ میں اسے بغیر مددگار کے چھوڑ دے گا جہاں وہ اپنی مدد کا خواہشمند ہوگا، اور جس کسی نے مسلمان کی ایسی جگہ مدد کی جہاں اس کی آبرو گھٹائی جا رہی ہو اور بے حرمتی کی جا رہی ہو، تو اللہ تعالیٰ شانہ اس شخص کی ایسی جگہ میں مدد فرمائے گا جہاں وہ اپنی مدد کا خواہشمند ہوگا۔ [مشکوٰة: ۴۳۴]

یہ جوارشاد فرمایا: ﴿اَیُحِبُّ اَحَدُکُمۡ اَنۡ یَّاۡکُلَ لَحۡمَ اَخِیۡهِ مَیۡتًا فَکَرِهۡتُمُوۡهُ﴾ اس بارے میں حدیث شریف میں ایک واقعہ مروی ہے کہ ایک صحابی نے زنا کرلیا تھا جس کا نام ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ تھا، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں چار مرتبہ اقرار کیا کہ میں نے زنا کیا ہے، پھران کو سنگسار کردیا گیا، ایک شخص نے اپنے ساتھی سے راہ چلتے ہوئے کہا کہ دیکھو! اللہ تعالیٰ نے اس کی پردہ پوشی فرمائی لیکن اس سے رہا نہ گیا یہاں تک کہ کتے کی طرح اس کو رجم کیا گیا، یعنی پتھروں سے مارا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بات سن لی اور خاموشی اختیار فرمائی، پھر کچھ دور آگے بڑھے تو ایک مردہ گدھے پر گزر رہوا جو گرمی کی وجہ سے اوپر کوٹانگ اٹھائے ہوئے تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: فلان فلان کہاں ہے؟ (ایک بات کہنے والا دوسرا بات سننے والا) ان دونوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم حاضر ہیں، فرمایا: تم دونوں اترو اور اس مردار گدھے کی نعش سے کھاؤ، انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس میں سے کون کھا سکتا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ جو ابھی تم نے اپنے بھائی کی بے آبروئی کی ہے وہ اس گدھے کی نعش کھانے سے زیادہ سخت ہے، قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے بے شک وہ (ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ) اس وقت جنت کی نہروں میں غوطے لگا رہا ہے۔ [أبو داؤد: جلد ٢ ص ٢٥٢]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مردہ شخص کی غیبت کرنا بھی حرام ہے۔

فائدہ:

یہ ضروری نہیں کہ زبان سے جو غیبت کی جائے وہی غیبت شمار ہو، آنکھ کے اشارہ سے، ہاتھ کے اشارہ، سے نقل اُتارنے سے بھی غیبت ہوتی ہے، کسی کی اولاد میں عیب نکالے، کسی کی بیوی کا کوئی عیب بیان کردے، اس میں ڈبل غیبت ہے، باپ کی بھی اولاد کی بھی اور بیوی کی بھی اور شوہر کی بھی، بہت سے لوگوں کو غیبت کا ذوق ہوتا ہے جس سے ملتے ہیں جہاں ملتے ہیں کسی نہ کسی کا برائی سے تذکرہ کردیتے ہیں، اور آخرت کے عذاب سے بچنے کی کوئی فکر نہیں کرتے، انہیں چاہئے کہ اپنے اوپر رحم کریں۔

فائدہ:

اگر کسی شخص کے شر سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کے لیے کسی ظالم کا حال بیان کردیا جائے یہ حرام غیبت میں نہیں آتا۔

آٹھویں نصیحت یہ ارشاد فرمائی: ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اس میں سب گناہوں سے بچنے کا

حکم فرمادیا، اور ساتھ ہی: ﴿اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ﴾ کہا کہ بلاشبہ اللہ توبہ قبول کرنے والا ہے، مہربان ہے: جس کسی سے جو گناہ ہوگیا ہو اس سے توبہ کرے، اور کسی بندہ کا کوئی حق مار لیا غیبت کی ہو بے آبروئی کی ہو اس سے بھی معاف کرالے، اللہ تعالیٰ مہربانی فرمائے گا، معاف فرمالے گا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۭ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۳﴾

ترجمہ: اے لوگو! بیشک ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے، اور تمہارے مختلف خاندان اور قبیلے بنادیئے تاکہ آپس میں شناخت کرسکو، بیشک تم میں سے سب سے بڑا عزّت والا اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سب سے بڑا پرہیزگار ہے، بیشک اللہ جاننے والا ہے، باخبر ہے ﴿۱۳﴾

معارف ومنازل

نویں نصیحت یہ ارشاد فرمائی کہ اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، اور تمہارے چھوٹے بڑے قبیلے بنادیئے تاکہ آپس میں جان پہچان ہو کہ یہ فلاں قبیلہ کا ہے، اور وہ فلاں خاندان کا۔ ہاں! آدمی ہونے میں برابر ہیں، کیونکہ سب آدم اور حواء علیہما السلام کی اولاد ہیں، لہٰذا آدمیت میں کسی کو کسی پر فضیلت حاصل نہیں، اور اصل فضیلت وہ ہے جو اللہ کے نزدیک معتبر ہے، اور وہ فضیلت تقویٰ سے ہے:

﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ﴾ کہ تم میں اللہ کے نزدیک سب سے عزّت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار ہے۔ اس آیت کریمہ میں فضیلت اور عزّت کا معیار بتادیا گیا ہے، اس کے برخلاف لوگوں کا حال یہ ہے کہ بڑے بڑے گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں، نمازوں کے بھی تارک ہوتے ہیں، زکوٰۃ بھی نہیں دیتے، فسق وفجور میں مبتلا ہیں، حرام کھاتے ہیں اور حرام کھلاتے ہیں، لیکن نسب کی بڑائی پر غرہ ہیں، سید اور ہاشمی اور صدیقی، فاروقی، عثمانی، علوی، انصاری، شیخ، مالک، چوہدری، اور دیگر نسبتوں کے بغیر اپنا نام ہی نہیں بتاتے، آرہے ہیں سید صاحب ڈاڑھی منڈی ہوئی ہے پتلون پہنے ہوئے ہیں ٹائی لگی ہوئی ہے، لیکن اپنے نانا جان سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے اعمال سے کچھ بھی نسبت نہیں ظاہر اور باطن دشمن کے ہاتھ بکا ہوا ہے، اور ہے سید صاحب۔

یہی حال دوسری نسبتیں استعمال کرنے والوں کا ہے، یہ لوگ جن قوموں کو کم تر جانتے ہیں ان کے علماء، صلحاء، نمازی اور متقی حضرات کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں، کچھ لوگ سفید اور سرخ رنگ ہونے کی وجہ سے، اور کچھ لوگ عربی ہونے کی وجہ سے اپنی خام خیالی میں مبتلا ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: إنک لست بخیر من أحمر ولا أسود إلا أن تفضله بتقوی. بیشک تو کسی گورے یا کالے سے بہتر نہیں ہے، اِلّا یہ کہ تو تقویٰ میں بڑھ جائے۔ [أحمد في مسنده عن أبي ذر رضي الله عنه: ج ۵ ص ۱۰۸]

آنحضرت رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ صفا پر چڑھ کر قریش سے فرمایا کہ اپنی جان کو دوزخ سے بچالو، میں قیامت کے دن تمہیں کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ بنی کعب، بن مرہ، بنی عبد الشمس، بنی عبد مناف، بنی ہاشم، بنی عبد المطلب، اور جماعت قریش سب سے الگ الگ خطاب فرمایا، اور ان سے یہی فرمایا: أنقذوا أنفسکم من النار۔ اپنی جانوں کو دوزخ سے بچاؤ۔ اپنے چچا عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ اور اپنی پھوپھی صفیہ اور بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہما سے بھی خاص طور پر یہ خطاب فرمایا۔ [بخاري ومسلم]

نسب کی بنیاد پر نجات نہیں ہوگی، ایمان کی بنیاد پر نجات ہوگی۔ اور اعمالِ صالحہ کی بنیاد پر رفعِ درجات ہوگا، رسول اللہ ﷺ کی شفاعت بھی اہل ایمان ہی کے لیے ہوگی۔

جزوی طور پر جو نسبی شرف کسی کو حاصل ہے اس کے بل بوتے پر گناہ کر کے چلا جانا اور اپنے کو دوسری قوموں کے متقی لوگوں سے برتر سمجھنا یہ بہت بڑے دھوکے کی بات ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کی نخوت یعنی متکبرانہ مقابلہ بازی کو، اور باپوں پر فخر کرنے کو ختم کر دیا ہے، اب تو بس مؤمن متقی ہے یا فاجر شقی ہے، انسان سب آدم کے بیٹے ہیں، اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا۔ [أبو داؤد والترمذي كما في المشكوٰة: ص ۴۱۸]

دسویں نصیحت یہ ارشاد فرمائی: ﴿إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾ بیشک اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے، باخبر ہے۔ جاننے والا ہے کیونکہ علیم وخبیر ہے، اسے معلوم ہے کہ کس کا کیا درجہ ہے، کون ایماندار ہے کون بے ایمان ہے، کون گناہوں میں لت پت ہے اور آخرت میں کس کا کیا انجام ہونے والا ہے، اللہ تعالیٰ ان سب کو جانتا ہے، سب تقویٰ اختیار کرنے کے لیے فکر مند ہوں تا کہ متقیوں میں حشر ہو اور ان کا جیسا معاملہ ہو۔

قَالَتِ الْأَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ

قُلُوْبِكُمْ ۭ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْــًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ ﴿١٤﴾ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ
وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿١٥﴾ قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ
يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿١٦﴾ يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ
اَسْلَمُوْا ۭ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ
كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١٧﴾ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٨﴾

ترجمہ: دیہات کے رہنے والوں نے کہا کہ ہم ایمان لے آئے، آپ فرما دیجئے: تم ایمان نہیں لائے، لیکن یوں کہو کہ ہم ظاہری فرمانبردار ہو گئے، اور ابھی ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا ﴿١٤﴾ اور اگر اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو گے تو اللہ تمہارے اعمال میں سے کچھ بھی کم نہیں کرے گا، بیشک اللہ غفور ہے، رحیم ہے ﴿١٥﴾ ایمان والے وہی ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر، یہ وہ لوگ ہیں جو سچے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ کیا تم اللہ کو اپنا دین بتا رہے ہو، اور اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے، اور جو زمین میں ہے، اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے ﴿١٦﴾ وہ آپ پر احسان دھرتے ہیں کہ اسلام لے آئے، آپ فرما دیجئے کہ مجھ پر احسان نہ دھرو، بلکہ اللہ تم پر اپنا احسان جتاتا ہے کہ اس نے تمہیں اسلام کی ہدایت دیدی، اگر تم سچے ہو ﴿١٧﴾ بیشک اللہ آسمان اور زمین کے غیب کو جانتا ہے، اور اللہ ان کاموں کو دیکھنے والا ہے جو تم کرتے ہو ﴿١٨﴾

معارف ومنازل

آیت کریمہ: ﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا﴾ قبیلہ بنی اسد کے چند لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی، یہ لوگ مدینہ منورہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، قحط سالی کا زمانہ تھا، انہوں نے ظاہر کیا کہ ہم نے اسلام قبول کرلیا ہے، حالانکہ دل سے مؤمن نہ تھے، انہوں نے مدینہ منورہ کے راستوں پر گندگی ڈال کر خراب کر دیا، اور مالوں کے بھاؤ بھی مہنگے کر دیئے، آپ ﷺ کی خدمت میں صبح شام جاتے تھے اور کہتے تھے کہ آپ کے پاس عرب کے لوگ اپنی جانوں کو لے کر آگئے، اور ہم اپنا سارا سامان اور مال بچوں کو لے کر آگئے، اور ہم نے آپ سے جنگ نہ کی جیسا کہ فلاں فلاں قبیلہ نے آپ سے جنگ کی، یہ باتیں کہہ کر آپ ﷺ پر احسان جتاتے تھے، اور صدقات کے اموال آپ ﷺ سے طلب کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی، ارشاد فرمایا:

﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا﴾ دیہات کے لوگوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے، یعنی دل سے ہم نے آپ کی تصدیق کرلی، اور آپ کے دین کو مان لیا۔ ﴿قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا﴾ آپ فرما دیجئے کہ تم ایمان نہیں لائے، یہ تمہارا زبانی دعویٰ ہے۔ ﴿وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا﴾ لیکن تم یہ کہہ سکتے ہو کہ ہم نے ظاہری طور پر بات مان لی ہے اور فرمانبرداری کا اعلان کردیا ہے۔ ﴿وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ﴾ اور ابھی تمہارے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا، محض زبانی اقرار اور ظاہری طور پر اعمالِ اسلام اپنا لینے سے بندہ مؤمن نہیں ہوتا، اسلام تصدیقِ قلبی کا نام ہے۔

بہت سے لوگ دنیاوی اغراض کے لیے یہ ظاہر کردیتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں، لیکن اندر سے تصدیق نہیں کرتے، مسلمان انہیں ظاہری دعویٰ کی وجہ سے مسلمان سمجھ لیتے ہیں، لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مؤمن نہیں ہوتے۔

پھر فرمایا: ﴿وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا﴾ اور اگر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کروگے، دل و جان سے ظاہر سے بھی باطن سے بھی، لوگوں کے سامنے بھی تنہائیوں میں بھی، تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے کوئی بھی کمی نہ فرمائے گا، یعنی تمہارے اعمال کا پورا پورا ثواب دے گا، بلکہ کم از کم دس گنا بڑا کر کے ثواب دے گا۔

اس میں یہ بات بتادی کہ ایمان اعمالِ صالحہ پر آمادہ کرتا ہے، ایمان کے ساتھ اعمالِ صالحہ بھی کام آئیں گے، طلب دنیا کے لیے یہ کہنا کہ ہم مؤمن ہیں، اور ظاہری طور پر ایمان قبول کرلینا آخرت میں مفید نہیں ہے، وہاں کی نجات اور اجر و ثواب حقیقی ایمان پر موقوف ہے۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے، اگر سچے دل سے ایمان قبول کرلوگے تو اس سے پہلے جو کیا ہے تم نے سب کی معافی ہوجائے گی۔

اس کے بعد فرمایا: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ اس آیت میں یہ بتایا کہ واقعی اور سچے مؤمن وہی ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے، یعنی انہوں نے سچے دل سے تصدیق کی۔

﴿ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا﴾ پھر انہوں نے شک نہیں کیا۔ ﴿وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اور انہوں نے اللہ کی راہ میں اپنی جانوں اور مالوں سے جہاد کیا، اس میں کافروں سے اور اپنے نفس سے جہاد کرنا اور اپنے کو غیر شرعی کاموں سے اور اپنے خاندان اور دیگر افراد سے شریعت اسلامیہ پر چلانے کے سلسلہ میں محنت اور کوشش کرنا سب داخل ہے، اپنے نفس کو دینی تقاضوں پر لگانا، اس بارے میں مال و جان خرچ کرنا بڑے مجاہد کی بات ہے، اور نفس پر قابو پانے کے لیے فکرمند رہنا لازم ہے۔

﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ﴾ یہی لوگ سچے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں یہ صفات بدرجہ

اتم پائی جاتی تھیں، صدق و دیانت سے اللہ تعالیٰ نے ان کو نوازا تھا، اور ہر غیر شرعی غیر اخلاقی عمل سے اللہ تعالیٰ نے انہیں بچایا تھا، اور محفوظ رکھا تھا۔

﴿قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ یہ خطاب منافقوں کو ہے، فرمایا: اے پیغمبر! آپ کہہ دیجیے: کیا تم اللہ تعالیٰ کو اپنی دینداری جتلاتے ہو کہ ہم نے اسلام قبول کرلیا ہے؟ بلکہ حقیقت حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں، وہ ہر شخص کی نیت اور ارادے کو جانتا ہے، اور اسے تمہاری ایمانداری اور نفاق کا اچھی طرح سے علم ہے، یاد رکھو:

﴿وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مکمل علم رکھتا ہے کہ سچا ایماندار کون ہے، اور منافق کون ہے، آگے فرمایا: ﴿يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا﴾ یہ لوگ آپ پر احسان جتلاتے ہیں کہ وہ تمہاری بات مانتے ہوئے مسلمان ہوگئے، اور اسلام قبول کرلیا۔ ﴿قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ﴾ آپ ان سے کہہ دیں کہ مجھ پر اپنے احسان نہ جتلاؤ۔ ﴿بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ﴾ بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کے لیے ہدایت دی ہے، تمہیں ایمان لانے کی توفیق اللہ نے دی ہے، اس کی توفیق کے بغیر تم ایمان کی دولت ہرگز حاصل نہیں کرسکتے تھے، لہٰذا اپنا احسان جتلانے کی بجائے تمہیں اللہ کا احسان مند ہونا چاہئے جس نے تمہاری رہنمائی کی، اور تمہیں ایمان کی دولت سے نوازا۔ ﴿اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ اگر تم ایمان کے دعوے میں سچے ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کا احسان مانو نہ کہ اپنا احسان جتلاؤ، کسی نے کیا ہی خوب کہا۔

منت منہ بسلطان کہ خدمت ہے کنی ☆ منت از او شناس کہ بخدمت بداشتت

بادشاہ پر خدمت گزاری کا احسان نہ جتلاؤ، بلکہ احسان تو اس کا مانو جس نے تمہیں اس خدمت کا موقع فراہم کیا۔ آگے ارشاد فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ بیشک اللہ تعالیٰ جانتا ہے آسمان و زمین کی پوشیدہ چیزوں کو، جو چیزیں تم سے پوشیدہ ہیں انہیں اللہ تعالیٰ جانتا ہے، اور نہ اللہ تعالیٰ سے تو کوئی چیز پوشیدہ نہیں، وہ تمہارے دلوں کے رازوں سے بھی باخبر ہے۔

﴿وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ اور جو کچھ تم کرتے ہو وہ سب اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہے، وہ ہر قسم کے اعمال کو جانتا ہے، بلکہ نیت اور ارادوں کو بھی جانتا ہے، اسے علم ہے کہ کس کا عقیدہ اور عمل صحیح ہے؟ اور کس کے عقیدے اور عمل میں فساد ہے؟ وہ قیامت کے دن انہی کے مطابق تمہیں بدلہ عطا فرمائے گا، اور مجرموں کو سزا دے گا۔

سُورَةُ قٓ

مَكِّيَّةٌ آيَاتُهَا ۴۵ رُكُوعَاتُهَا ۳

سورۂ ق مکی ہے، اس میں پینتالیس (۴۵) آیتیں، اور تین (۳) رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام:

اس سورت کا نام سورۃ ق ہے، جو اس سورت کے ابتدائی حرف ق سے ماخوذ ہے۔ یہ سورت ترتیب تلاوت میں پچاس ۵۰ ویں نمبر پر ہے، اور ترتیب نزول میں چونتیس ۳۴ ویں نمبر پر ہے۔

نزول:

یہ سورت مکی زندگی میں نازل ہوئی، اور اس کا نزول سورۃ المرسلات کے بعد ہے۔

تعداد کلمات وحروف:

یہ سورت تین ۳ رکوع، ۴۵ آیات، ۳۷۶ کلمات اور پندرہ سو پچیس (۱۵۲۵) حروف پر مشتمل ہے۔

ربط ومناسبت:

سورۂ حجرات کے مضامین کا اختتام اس بات پر ہوا تھا کہ اسلام قبول کرنے کی توفیق اور ہدایت اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے، لہٰذا اس کا شکر ادا کرنا چاہیے، اب سورۂ ق کی ابتداء عظمت کلام خداوندی سے کی جارہی ہے، یہ بات ثابت کرنے کے لیے کہ ہدایت کا سرچشمہ قرآن حکیم ہے، لہٰذا اس پر ایمان لایا جائے۔

☆☆☆

مختصر مضمون:

اس سورت کے مضامین مختصراً یہ ہیں: تخلیقِ کائنات، بعث بعد الموت، حشر و نشر، حساب و کتاب، وزنِ اعمال، جنت و جہنم، ثواب و عقاب، ترغیب و ترہیب اور دیگر اہم موضوعات۔

سورۂ ق سے لے کر آخرِ قرآن تک یہ ساتویں منزل ہے، اس کو مفصل کہا جاتا ہے، اس میں چھوٹی ٦٥ سورتیں ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سورت کو اکثر جمعہ اور عیدین میں پڑھا کرتے تھے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

قٓ ۚ وَالۡقُرۡاٰنِ الۡمَجِيۡدِ ۚ‏ ① بَلۡ عَجِبُوۡۤا اَنۡ جَآءَهُمۡ مُّنۡذِرٌ مِّنۡهُمۡ فَقَالَ الۡكٰفِرُوۡنَ هٰذَا شَىۡءٌ
عَجِيۡبٌ ۚ ② ءَاِذَا مِتۡنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجۡعٌ ۢ بَعِيۡدٌ ③ قَدۡ عَلِمۡنَا مَا تَنۡقُصُ الۡاَرۡضُ مِنۡهُمۡ ۚ
وَعِنۡدَنَا كِتٰبٌ حَفِيۡظٌ ④ بَلۡ كَذَّبُوۡا بِالۡحَـقِّ لَمَّا جَآءَهُمۡ فَهُمۡ فِىۡۤ اَمۡرٍ مَّرِيۡجٍ ⑤

ترجمہ: ق، قسم ہے قرآن مجید کی ① بلکہ ان کو اس بات پر تعجب ہوا کہ ان کے پاس انہی میں سے ایک ڈرانے والا آ گیا ② سو کافر لوگ کہنے لگے کہ یہ عجیب بات ہے، جب ہم مر گئے اور مٹی ہو گئے تو کیا دوبارہ زندہ ہوں گے؟ یہ دوبارہ زندہ ہونا بہت ہی بعید بات ہے ③ ہم ان کے ان اجزاء کو جانتے ہیں جن کو زمین کم کرتی ہے، ہمارے پاس کتاب محفوظ ہے ④ بلکہ سچی بات کو جبکہ وہ ان کو پہنچی ہے جھٹلاتے ہیں، غرض یہ کہ وہ ایک متزلزل حالت میں ہیں ⑤

معارف و منازل

یہاں سے سورۂ ق شروع ہو رہی ہے، اس میں دلائل توحید اور وقوعِ قیامت اور قیامت کے دن کے احوال اور مؤمنین و کافرین کا انجام بتایا ہے، درمیان میں باغی اور طاغی قوموں کی ہلاکت کا تذکرہ بھی فرما دیا ہے، چنانچہ فرمایا: قٓ یہ حروف مقطعات میں سے ہے، اس کی مراد کو اللہ تعالیٰ خود جانتے ہیں۔

﴿وَالۡقُرۡاٰنِ الۡمَجِيۡدِ﴾ بڑی بزرگی اور عظمت والے قرآن کی قسم ہے کہ لوگ اس پر ایمان نہیں لائے، یہ جواب قسم ہے، جسے محذوف مانا جاتا ہے۔ مولانا عبید اللہ سندھیؒ فرماتے ہیں کہ اسلام کے ابتدائی دور یعنی

آنحضرت ﷺ صحابہ کرام اور تابعین کے ابتدائی زمانے تک علمی مبادی میں سے کتاب کی شکل میں صرف قرآن پاک تھا، اور اس کے علاوہ کوئی چیز کتابی صورت میں موجود نہ تھی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہمام ابن منبہؒ کے صحیفہ کا پتہ پہلی صدی کے نصف تک ہی ملتا ہے، کیونکہ حضرت ابو ہریرہؓ کی وفات ۵۹ھ کے قریب ہوئی ہے، اور آپؓ کے شاگرد نے یہ صحیفہ جمع کیا تھا، اس کے بعد پہلی صدی کے آخر میں حضرت عمر بن عبد العزیز (جن کا دور خلافت ڈھائی سال ہے) نے فرمایا کہ قرآن پاک تو موجود ہے لیکن آنحضرت ﷺ کی احادیث کے متعلق تشویش ہے کہ کہیں وہ ضائع نہ ہو جائیں، لہٰذا انہوں نے اپنے زمانے کے ایک جلیل القدر تابعی امام زہریؒ کو احادیث کا ذخیرہ جمع کرنے کی ہدایت کی۔

بخاری شریف کی روایت کے مطابق حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے فرمایا تھا: **إني خفت دروس العلم و ذهاب العلماء**۔ مجھے علم اور علماء کے چلے جانے کا خطرہ ہے، اگر علماء رخصت ہو گئے تو علم کی حفاظت کون کرے گا؟ لہٰذا احادیث کو جمع کرو، چنانچہ یہیں سے تدوینِ حدیث کا کام شروع ہوا۔ پھر تیسری صدی یعنی امام بخاریؒ و مسلمؒ کے زمانے تک احادیث کا ذخیرہ جمع ہو چکا تھا، راویوں کی چھان بین بھی ہو چکی تھی، اور یہ اس لئے ضروری تھا کہ قرآن پاک کی تفہیم کا بنیادی ذریعہ احادیث مبارکہ ہی ہیں۔

بہر حال! حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی مساعی سے احادیث اور پھر دیگر کتب کی تدوین شروع ہو گئی، تاہم ابتداء میں کتابی صورت میں صرف قرآن حکیم موجود تھا، تو اللہ تعالیٰ نے اس بزرگی والے قرآن کی قسم اٹھا کر فرمایا: اکثر لوگ اس پر ایمان نہیں لاتے، بلکہ اس کا انکار کر رہے ہیں۔ قرآن پاک کے بعد رسالت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ﴾ کہ وہ قرآن پاک پر ایمان تو نہ لائے بلکہ اس بات پر تعجب کا اظہار کیا کہ ان کے پاس انہی میں سے ایک ڈرانے والا آ گیا ہے، حالانکہ یہ کوئی تعجب والی بات نہیں، کیونکہ انسانی سوسائٹی میں نبوت اور رسالت کا سلسلہ شروع سے ہی چلا آ رہا ہے، یہ اور آپ ﷺ سے پہلے ایک لاکھ سے زیادہ انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لا چکے تھے، یہ سب انسان تھے، اور انسانوں کی رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو مبعوث فرمایا تھا۔

﴿فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَیْءٌ عَجِیْبٌ﴾ بہر حال! آنحضرت ﷺ کے اعلانِ نبوت پر کفار کہنے لگے کہ یہ بڑی عجیب چیز ہے کہ ہم ہی میں سے ایک آدمی نبی بن کر آ جائے، انہوں نے یہ بھی کہا: ﴿فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا

﴿مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ﴾[القمر: ۲۴] (کیا ہم اپنے میں سے ایک آدمی کا اتباع شروع کردیں؟) تو یہ بے وقوفی کی بات ہے۔ ایک طرف تو انہوں نے رسالت کا انکار کردیا، اور دوسری طرف وقوعِ قیامت اور جزاء عمل کو بھی جھٹلادیا، کہنے لگے: ﴿ءَ اِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا﴾ کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی کے ساتھ مٹی ہوجائیں گے تو پھر کیسے زندہ ہوجائیں گے؟

﴿ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ﴾ انسان کا مرنے کے بعد دوبارہ لوٹ آنا تو بالکل بعید از عقل ہے، یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا: ﴿قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ﴾ تحقیق ہم جانتے ہیں کہ زمین نے ان کے اجسام میں سے کونسی چیز کم کی ہے، یعنی مرنے کے بعد ان کے جسم اپنی اصلی حالت پر نہیں رہے، وہ گل سڑ کر مٹی میں مل گئے ہیں، مگر ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہر جسم کا کون کونسا حصہ مٹی کے کس کس ذرے میں گم ہوچکا ہے، لہٰذا ہم جب قیامت کو انہیں دوبارہ زندہ کرنا چاہیں گے تو مٹی میں ملے ہوئے تمام ذرات کو اکٹھا کرلیں گے، اور پھر ان سے دوبارہ جسم کا ڈھانچہ کھڑا کرکے اسے زندہ کردیں گے، اور یہ ہمارے لئے کوئی مشکل نہیں ہے۔

انسانی اجسام کی تحلیل کے متعلق احادیث میں آتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام تو بالکل محفوظ رہتے ہیں، اور زمین اُن کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتی، اسی طرح بعض شہداء کے اجسام بھی محفوظ رہتے ہیں، تاہم عام لوگوں کے اجسام گل سڑ کر مٹی میں مل جاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ انسان کے پورے جسم میں سے صرف ریڑھ کی ہڈی کسی نہ کسی صورت میں محفوظ رہتی ہے، اور مستدرک حاکم کی روایت میں آتا ہے اس ریڑھ کی ہڈی میں رائی کے دانے کے برابر مادۂ حیات قائم رہتا ہے، اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسی مادہ سے انسان کو دوبارہ زندہ کرے گا۔

حضرت شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں کہ انسان کی ہر چیز تو ضائع نہیں ہوتی، مثلاً انسان کی روح محفوظ رہتی ہے۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انسان کے تمام اعمال اُس کے نفس سے نکلتے ہیں، لہٰذا کوئی آدمی کوئی ایسا کام نہیں کرسکتا جس کا بیج اُس کے نفس میں موجود نہ ہو، پھر جب کوئی شخص وہ عمل بار بار کرتا ہے تو وہ عمل اس کے لیے آسان ہوجاتا ہے، قیامت کے دن وہ تمام اعمال کھل کر سامنے آجائیں گے، پھر ان کا حساب وکتاب ہوجائے گا۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ارشاد فرمایا: ﴿وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ؕ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا﴾[الاسراء: ۱۳] (ہم نے ہر انسان کے اعمال کو کتابی صورت میں اس کے گلے میں لٹکادیا ہے، جسے ہم قیامت والے دن نکالیں گے، اور ہر انسان اسے کھلا ہوا دیکھ سکے گا) پھر اس سے کہا جائے گا:

﴿اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا﴾ [الإسراء: ١٤] (تو اپنی کتاب پڑھ لو، آج تو خود اپنا محاسب کافی ہے)۔ اسی کو فرمایا:

﴿وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ﴾ ہمارے پاس حفاظت کرنے والی ایک کتاب بھی تو ہے، اس سے مراد لوح محفوظ ہے، جس میں ہر ہر چیز درج ہے، تو فرمایا: انہیں کس بات پر تعجب ہے؟ کیا انسان دوبارہ زندہ نہیں ہوگا؟ اور حساب کتاب کا مرحلہ نہیں آئے گا؟ فرمایا کہ ضرور آئے گا، اور ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دے دیا جائے گا، یا جزاء کی صورت میں یا سزاء کی صورت میں۔ فرمایا حقیقت یہ ہے:

﴿كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ﴾ بلکہ ان لوگوں نے حق کو جھٹلایا ہے، جبکہ وہ ان کے پاس آ گیا، اور یہ لوگ الجھی ہوئی یعنی پریشان بات میں ہی مبتلا ہیں۔ مریج دراصل اس باغ یا سبزہ زار کو کہتے ہیں جس کے پودے اور درخت آپس میں الجھے ہوئے ہوں، اور وہاں پریشانی کی سی کیفیت طاری ہو، ان لوگوں کی مثال بھی ایسی ہی ہے، وہ اسی بات میں الجھے ہوئے ہیں کہ مرنے کے بعد ہمارے اجسام کے منتشر ذرات کیسے جمع ہوں گے؟ سورۂ یٰس میں فرمایا: ﴿قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ [یس: ٧٩] (کہہ دیں: ان ہڈیوں کو وہ ذات زندہ کرے گی جس نے پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے)۔ جس ذات پاک نے بغیر نقشہ وصورت کے پہلی مرتبہ تمہیں پیدا فرمایا، اس کے لیے کوئی مشکل نہیں ہے تمہارا دوبارہ زندہ کرنا۔

۞ ۞ ۞

اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ۞٦ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا
وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۞٧ تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۞٨
وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ ۞٩ وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ
نَّضِيْدٌ ۞١٠ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۙ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ؕ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ۞١١

ترجمہ: کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر آسمان کو نہیں دیکھا کہ ہم نے اس کو کیسا بنایا؟ اور اس کو آراستہ کیا، اور اس میں کوئی رخنہ نہیں ⑥ اور زمین کو ہم نے پھیلایا، اور اس میں پہاڑوں کو جما دیا، اور اس میں ہر قسم کی خوشنما چیزیں اُگائی ⑦ جو ذریعہ ہیں دانائی کا اور نصیحت کا ہر رجوع کرنے والے بندے کے لیے ⑧ اور ہم نے آسمان سے برکت

والا پانی برسایا، پھر اس سے بہت سے باغ اُگائے اور کھیتی کا غلہ ⑨ اور لمبے لمبے کھجور کے درخت، جن کے گچھے خوب گندھے ہوئے ہوتے ہیں ⑩ بندوں کو رزق دینے کے لیے، اور ہم نے اس کے ذریعہ سے مردہ زمین کو زندہ کیا، اسی طرح نکلنا ہوگا قبروں سے ⑪

معارف ومنازل

ان آیات میں قدرت کے عظیم کمالات جو اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اثبات قیامت پر عظیم دلائل ہیں ان کو بیان فرمایا۔ ﴿فَوْقَهُمْ﴾ ۔ یہ پہلی دلیل ﴿اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ﴾ ذرا آنکھ اٹھا کر اوپر تو دیکھو، تمہیں کیا نظر آرہا ہے، نیل گوں بیکراں آسمان ہے، نہ کسی ستون کا محتاج، نہ کسی انتہاء اور کنارے کا پابند ہے، اور ہم نے اس کو کیسی رونق بخشی ہے، اور اس میں کوئی دراڑ یا کوئی سوراخ نہیں ہے۔

قرآن پاک میں مختلف مقامات پر آسمان کو قدرت کی دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے، جیسے سورۃ النباء میں فرمایا: ﴿وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا﴾ [النبأ: ۱۲] (اور ہم نے تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان بنادیئے)۔ سورۂ لقمان میں ارشاد ہوا: ﴿بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا﴾ [لقمان: ۱۰] (اس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے پیدا کیا جسے تم دیکھتے ہو)۔ جہاں تک آسمان کی رونق کا تعلق ہے تو یہ گرد وغبار اور ابر سے پاک آسمان پر رات کے وقت دیکھی جاسکتی ہے، جبکہ سیارے اور ستارے قندیلوں اور فانوسوں کی طرح جگمگ جگمگ کررہے ہوتے ہیں، انسان کا تعمیر کردہ مکان کتنا بھی مضبوط ہو مگر کچھ عرصہ بعد شکست وریخت کا شکار ہوجاتا ہے۔

مگر قدرت کا یہ قائم نظامِ شمسی لاکھوں سال سے چل رہا ہے، مگر اس کے آسمان میں ذرہ بھر بھی دراڑ نہیں آئی، کیا یہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ تامہ اور حکمت بالغہ کا نمونہ نہیں ہے؟ ضرور ہے، اس میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ دوسری جگہ سورۃ المؤمنون میں فرمایا: ﴿لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ﴾ [المؤمنون: ۵۷] (آسمانوں اور زمین کی پیدائش انسانوں کی پیدائش سے بہت بڑا کام ہے)۔ انسان تو ایک چھوٹی معمولی سی ہستی کا نام ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان جیسی بڑی بڑی چیزوں کو بہترین نظام کے ساتھ پیدا فرمایا ہے، اس حقیقت کے پیش نظر انسان کی دوبارہ پیدائش کوئی مشکل اور دشوار نہیں ہے۔ آسمان کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

﴿وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا﴾ کیاانہوں نے زمین کی طرف نہیں دیکھا کہ ہم نے اس کو کس طرح پھیلا دیا ہے؟ زمین کواس قدر ہموار بنادیا ہے کہ ساری مخلوقات اس پر آسانی کے ساتھ چلتی پھرتی ہیں، اور ہزاروں کاروبار انجام دیتے ہیں، حالانکہ اس کو چاروں طرف سے پانی نے گھیر رکھا ہے، اس کے باوجود اس میں ٹھہراؤ پیدا کردیا ہے، جس کی وجہ سے اس پر رات دن تمام کام انجام دیئے جاتے ہیں۔

بعض لوگ ﴿مَدَدْنٰهَا﴾ کے لفظ سے یہ مراد لیتے ہیں کہ زمین چپٹی ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ زمین ایک گیند کی مانند کروی صورت میں ہے، ایک عام گیند پر قائم ہونا تو دشوار ہے، مگر زمین کا قطر چوبیس (۲۴۰۰۰) ہزار میل ہے، اور اتنا بڑا کرّہ ہونے کی وجہ سے اس کی گولائی محسوس نہیں ہوتی۔ موجودہ زمانے میں سائنس دان زمین کی حدود سے نکل کر فضائی سفر اختیار کررہے ہیں، جب وہ اوپر جاتے ہیں تو زمین بھی گول دکھائی دیتی ہے، جس طرح ہم زمین سے چاند کو دیکھتے ہیں ایک گیند کی مانند۔ زمین کے پھیلاؤ کی مثال پرانے ریاضی والے اس طرح دیتے ہیں کہ اس زمین پر واقع ۳۲ ہزار فٹ بلند پہاڑ کی حیثیت اتنی ہے جتنی ایک گز کے اوپر جَو کا ستارہواں حصہ رکھ دیا جائے، اس لئے زمین چپٹی دکھائی دیتی ہے، حالانکہ یہ گول ہے، اللہ تعالیٰ نے زمین کا ذکر کر کے فرمایا:

﴿وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ﴾ ہم نے اس پر بوجھل پہاڑ رکھ دیئے تاکہ زمین کے رہنے والوں میں اضطراب پیدا نہ ہو۔ اب اضطراب دو قسم پر ہے: پہلے اضطراب کی مثال ایک کشتی کی ہے کہ جس پر ایک طرف زیادہ بوجھ ہو تو وہ مضطرب ہو کر ڈولنے لگتی ہے، لہٰذا اس کا توازن قائم رکھنے کے لیے اس کے دونوں طرف بوجھ کو برابر کردیا جاتا ہے جس سے اضطراب بند ہوجاتا ہے، زمین پر پہاڑ رکھنے کا ایک مقصد بھی یہی ہے کہ زمین غیر متوازن ہو کر ڈولنے نہ پائے، اس بات کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانبیاء میں بھی فرمایا ہے: ﴿وَجَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ﴾ [الأنبياء: ۳۱] (ہم نے زمین میں بوجھل پہاڑ رکھ دیئے تاکہ یہ ڈولنے نہ پائے)۔

دوسرا اضطراب معنوی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ پہاڑ رکھ دیئے ہیں کہ ان کے بغیر لوگ بہت سی اشیاء سے محروم رہتے جو ان کے اضطراب کا باعث ہوتا، مثلاً پہاڑوں سے بیش قیمت پتھر، سونا، چاندی، کوئلے، لوہا، اور دیگر معدنیات حاصل کی جاتی ہیں، اور ان پر بڑے بڑے درخت ہوتے ہیں جن سے قیمتی عمارتی لکڑی حاصل ہوتی ہے، اور پہاڑوں پر پیدا ہونے والی ہزاروں جڑی بوٹیوں سے علاج و معالجے کا کام لیا جاتا ہے، اور پہاڑوں پر پیدا ہونے والے پھلوں سے لوگ مستفید ہوتے ہیں، تو ان پہاڑوں نے لوگوں کا اضطراب دور کردیا جن سے لوگوں کے ہزاروں

مسائل حل ہوئے۔

﴿وَأَنۢبَتۡنَا فِيهَا مِن كُلِّ زَوۡجِۭ بَهِيجٖ﴾ اور ہم نے اس زمین میں ہر قسم کی بارونق چیزیں بھی پیدا کی ہیں، یہ بھی زمین کی ایک اضافی خصوصیت ہے، زمین پر ہر قسم کے درخت، پودے، بوٹیاں، کھیتیاں، پھل، اور اناج پیدا ہوتے ہیں جو انسانی اور حیوانی زندگی کی بقاء کے لیے ضروری ہیں، اس زمین پر اربوں کی تعداد میں انسانی آبادی کے علاوہ کروڑوں اربوں حیوانات اور بے شمار کیڑے مکوڑے بھی ہیں جن کی مختلف قسمیں، مختلف شکلیں، مختلف رنگ اور مختلف منافع ہیں، یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ نے زمین میں ہی پیدا کی ہیں، اور یہ سب کچھ:

﴿تَبۡصِرَةٗ وَذِكۡرَىٰ لِكُلِّ عَبۡدٖ مُّنِيبٖ﴾ بصیرت اور نصیحت ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع رکھتا ہے۔ اس کائنات کے نشیب و فراز، آسمان و زمین کی تخلیق، انسانوں، حیوانات، جمادات، نباتات، سمندروں، اور دریاؤں کی تخلیق، نیز پہاڑوں، میدانوں صحراؤں اور ریگ زاروں کی وسعت کو دیکھ کر صاحبِ عقل انسان میں بصیرت پیدا ہوجاتی ہے، اور وہ انہی چیزوں سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ تک رسائی حاصل کرسکتا ہے۔ پھر فرمایا:

﴿وَنَزَّلۡنَا مِنَ ٱلسَّمَآءِ مَآءٗ مُّبَٰرَكٗا﴾ اور ہم نے آسمان کی طرف سے بابرکت پانی نازل کیا جس پر ہر چیز کی زندگی کا دارومدار ہوتا ہے۔ سورۃ الانبیاء میں فرمایا: ﴿وَجَعَلۡنَا مِنَ ٱلۡمَآءِ كُلَّ شَيۡءٍ حَيٍّ﴾ ہم نے پانی کے ذریعے ہر چیز کو زندگی بخشی، پانی انسانی جسم کی ایک اہم ضرورت ہے، جسم میں پانی کی کمی سے موت واقع ہوتی ہے، انسان کے جسم میں گردش کرنے والے خون میں اسی (۸۰) فیصد پانی اور بیس (۲۰) فیصد باقی غذائی مواد ہیں، لہٰذا اس سے پانی کی اہمیت کی وضاحت ہوتی ہے، اور جو پانی اللہ تعالیٰ آسمان سے اتارتا ہے وہ سو فیصد بابرکت ہوتا ہے، تب تو: ﴿فَأَنۢبَتۡنَا بِهِۦ جَنَّٰتٖ وَحَبَّ ٱلۡحَصِيدِ﴾ پھر ہم نے اس پانی کے ذریعہ باغات اور کاٹی جانے والی فصل اگائی، ظاہر ہے کہ پانی کے بغیر نہ تو کوئی چیز کاشت کی جاسکتی ہے، اور نہ ہی پھل یا اناج وغیرہ حاصل کیا جاسکتا ہے، پانی تمام چیزوں کی حیات کا ذریعہ ہے، اور اُسے مرکزیت حاصل ہے۔ جب حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی سے تخلیق ہوئی تو اس مٹی کو پانی میں گوندا گیا، خمیر کیا گیا، چالیس سال کے بعد اس سے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی۔

پھر فرمایا: ﴿وَٱلنَّخۡلَ بَاسِقَٰتٖ لَّهَا طَلۡعٞ نَّضِيدٞ﴾ اور ہم نے لمبی لمبی کھجوریں بھی پیدا فرمائی، جن کے

خوشے تہ بتہ ہیں، ملے ہوئے ہیں، آم کی طرح کھجوروں کی بھی اقسام ہیں، عہد رسالت کے دوران مدینہ منورہ میں ۱۳۵ قسم کی کھجوریں دستیاب ہوتی تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے کھجور کے درخت کو مؤمن کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ جس طرح ایک مؤمن آدمی کے دل میں ایمان ہوتا ہے، اور وہ عبادت و ریاضت میں مداومت اختیار کرتا ہے، اسی طرح کھجور کا درخت بھی ہمیشہ سرسبز و شاداب رہتا ہے۔ [بخاری]

آگے فرمایا: ﴿رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ﴾ یہ تمام مذکورہ چیزیں بندوں کے لیے روزی کا ذریعہ ہیں۔ ﴿وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا﴾ اور ہم نے پانی کے ذریعے مردہ زمین کو زندہ کیا، اور یہ چیز تمام انسانوں کے مشاہدے میں ہے کہ سالوں سے مردہ زمین ایک دن کی بارش سے ہفتہ عشرہ کے اندر زندہ ہوجاتی ہے، اور چاروں طرف سبزہ لہلہاتے ہوئے جنت نظیر بن جاتی ہے۔ ﴿كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ﴾ اسی طرح تم مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہوکر قبروں سے نکلوگے۔ حدیث میں آتا ہے کہ قیامت کو اللہ تعالیٰ ایسی بارش برسائے گا جس کے نتیجے میں انسانی اجسام زمین سے اس طرح نکلیں گے جیسے زمین سے پودے نکلتے ہیں، اس کی مزید تفصیل سورۃ الحاقہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔ آگے سابقہ اقوام کی انکار قیامت وغیرہ کا بیان ہے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّاَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ ⑫ وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ لُوْطٍ ⑬ وَّاَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ۭ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيْدِ ⑭ اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ۭ بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ⑮

ترجمہ: ان سے پہلے نوح کی قوم نے اور اصحاب رس نے اور ثمود نے ⑫ اور عاد نے اور فرعون نے اور لوط کی قوم نے ⑬ اور ایکہ والوں نے اور تبع کی قوم نے جھٹلایا، ان سب نے پیغمبروں کو جھٹلایا، سو میری وعید ثابت ہوگئی ⑭ کیا ہم پہلی بار پیدا کرنے سے تھک گئے؟ بلکہ بات یہ ہے کہ یہ لوگ نئی پیدائش کی طرف شک وشبہ میں ہیں ⑮

معارف ومنازل

ان آیات میں اقوام سابقہ کی ہلاکت اور تباہی کا صرف نام لے کر مختصر بیان کرنے سے مقصد اہل مکہ کو خبردار اور تنبیہ کرنا ہے کہ تکذیب کی پاداش میں تم سے پہلے گزشتہ طاقتور اقوام اس طرح ہلاک کئے گئے کہ ان کا نام ونشان

تک باقی نہ رہا، تم ان سے ہر اعتبار سے کمزور ہو، اگر تم ان کے نقش قدم پر چلو گے تو تمہارا حشر انہی کی طرح ہوگا، تو فرمایا:

﴿كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ﴾ ان سے پہلے قوم نوح نے بھی اسی طرح تکذیب کی۔ ﴿وَّأَصْحَابُ الرَّسِّ﴾ اور کنوئیں والوں نے بھی جھٹلایا، یہ کنواں یا انطاکیہ میں تھا یا حضر موت میں۔ ﴿وَثَمُودُ ﴿١٢﴾ وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَإِخْوَانُ لُوطٍ ﴿١٣﴾﴾ اور قوم ثمود نے بھی اسی طرح جھٹلایا، اور قوم عاد کا بھی یہی حال رہا، اور قوم فرعون نے بھی ایسا ہی کیا اور لوط علیہ السلام کے بھائیوں نے بھی جھٹلایا۔ ﴿وَّأَصْحَابُ الْأَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ﴾ اور جنگل کے رہنے والوں نے بھی جھٹلایا، یہ قومِ شعیبؑ ہے، اور تبع کی قوم نے بھی تکذیب کی۔ ﴿كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيدِ﴾ ان سب اقوام نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی، پس ثابت ہو گیا میرا عذاب سے ڈرانا یعنی سب سزا کے مستحق ٹھہرے۔

اس سے مکے والوں کو خبردار کیا جا رہا ہے کہ اگر وہ بھی ہلاک شدہ قوموں کے نقش قدم پر چلتے رہے تو ان کا حشر بھی ان کی طرح ہوگا۔ اس کے بعد پھر بعث بعد الموت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿أَفَعَيِينَا بِالْخَلْقِ الْأَوَّلِ﴾ کیا ہم پہلی مخلوق کو پیدا کر کے تھک گئے تھے؟ فرمایا: ایسا نہیں ہے، جس طرح ہم نے پہلی دفعہ تم کو پیدا کر دیا تھا اسی طرح دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہیں، یہ تمہاری جہالت اور نادانی ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کے منکر ہو۔ جس ذات پاک ربّ العزّت جل جلالہ نے اپنے بلند و بالا آسمانوں کو پیدا فرمایا، تمہاری پیدائش تو کسی حساب میں نہیں۔ ﴿بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ﴾ بلکہ یہ لوگ ہی پیدائش کے سلسلے میں دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں، اگر بڑی بڑی مخلوقات کی پیدائش پر یہ لوگ غور کرتے تو بات سمجھ میں آجاتی، لیکن اندھے بہرے اور گونگے اور مردے یہ غور کرنے کے قابل نہیں، نہ ان میں سمجھنے کی استعداد ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ ۖ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ﴿١٦﴾
إِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيَانِ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ ﴿١٧﴾ مَّا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ
عَتِيدٌ ﴿١٨﴾ وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۖ ذَٰلِكَ مَا كُنتَ مِنْهُ تَحِيدُ ﴿١٩﴾ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ ۚ ذَٰلِكَ

يَوۡمُ الۡوَعِيۡدِ ۝٢٠ وَجَآءَتۡ كُلُّ نَفۡسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيۡدٌ ۝٢١ لَقَدۡ كُنۡتَ فِىۡ غَفۡلَةٍ مِّنۡ هٰذَا فَكَشَفۡنَا عَنۡكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الۡيَوۡمَ حَدِيۡدٌ ۝٢٢

ترجمہ: اور بے شک ہم نے انسان کو پیدا کیا، اور ہم جانتے ہیں ان وسوسوں کو جو اس کے دل میں آتے ہیں، اور ہم اس کی گردن کی رگ سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں ⑯ جبکہ دو لینے والے لے لیتے ہیں جو داہنی طرف اور بائیں طرف بیٹھے ہوئے ہیں ⑰ وہ کوئی بات منہ سے نہیں نکالتے مگر اس کے پاس ایک نگران تیار ہے ⑱ اور موت کی سختی حق کے ساتھ آ گئی، یہ وہ ہے جس سے تو ہٹتا تھا ⑲ اور صور پھونکا جائے گا، یہ وعید کا دن ہے ⑳ اور ہر شخص اس طرح سے آئے گا اس کے ساتھ ایک سائق اور ایک شہید ہوگا ㉑ واقعی بات یہ ہے کہ تو اس کی طرف سے غفلت میں تھا ، سو ہم نے تجھ سے تیرا پردہ ہٹا دیا، سو آج تیری نگاہ تیز ہے ㉒

معارف ومنازل

ان آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے علمِ محیط کو بیان فرمایا، اور اس کے ساتھ بندوں سے اپنا قرب اور نزدیکی بیان کرنے کے ساتھ ہر انسان کے ساتھ دو فرشتے كِرَامًا كَاتِبِيۡنَ جو مقرر ہیں، اور اس کے اعمال کو بلا کم و بیش لکھتے ہیں، اُن کا بھی تذکرہ فرمایا، اس کے ساتھ موت کی سختی اور نفخِ صور اور میدانِ حشر میں حاضر ہونے کا بھی تذکرہ فرمایا۔

﴿وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ وَنَعۡلَمُ مَا تُوَسۡوِسُ بِهٖ نَفۡسُهٗ﴾ اور تحقیق ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے ، اور ہم اُن چیزوں کو بھی جانتے ہیں جن کے ساتھ اُس کا نفس وسوسہ کر رہا ہے۔ وسوسہ ایک معمولی خیال کا نام ہے، انسان کو گویا ایک ہلکا سا خیال آ گیا اور چلا گیا۔ اس کے بعد دوسرے درجے کا نام خاطر ہے، یہ گویا ایک خیال آیا اور تھوڑی دیر توقف کے بعد چلا گیا۔

تیسرے درجہ میں حدیث النفس ہے جو خیال آ گیا ذرا دیر کے بعد چلا گیا۔ چوتھے درجے کو ہَم کہتے ہیں، یعنی جو خیال آیا اور کچھ دل و دماغ کا چکر لگایا پھر آہستہ آہستہ چلا گیا، اِن چاروں پر مؤاخذہ نہیں، یہ چاروں معاف ہیں اور غیر اختیاری ہیں۔

پانچویں درجے کا نام عزم ہے، یہ انسان کے دل میں جو خیال آتا ہے وہ اس خیال کو اپنے دل میں گھما گھما کر

پختہ کرتا ہے اور اس پر چلنے کا ارادہ کرتا ہے، یہ قابل مؤاخذہ ہے، عام علماء کرام کا یہی خیال ہے لیکن محققین علمائے کرام فرماتے ہیں کہ محض عزم قابل مؤاخذہ نہیں البتہ قابل مؤاخذہ اس وقت ہوگا جب آدمی اس پر عمل کرنا شروع کردے۔

﴿وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ﴾ اور ہم تو انسان کی دھڑکتی ہوئی رگ سے بھی اس سے زیادہ قریب ہیں۔ حَبْلِ الْوَرِیْد شہ رگ کو کہا جاتا ہے، جس کے ذریعہ جسمانی خون سر کی طرف جاتا ہے، اور جس کے کٹنے سے جسم اور روح کا تعلق ختم ہو کر انسان ہلاک ہو جاتا ہے، آپ اندازہ لگائیں کہ اللہ تعالیٰ کا قرب اس شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے، اور یہ قرب اہل ایمان کے لیے باعث رحمت وسعادت ہے، اور اہل کفر ونفاق کے لیے ایک بہت بڑا بھاری قہر وغضب ہے۔

امام بیضاویؒ اور بعض دوسرے مفسرین حضراتؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی یہ قربت بندہ کے ساتھ باعتبار علم کے ہے، لیکن محقق اعظم قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی انسان کے ساتھ قربت محض علمی نہیں بلکہ ذاتی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قرب کسی مکان، زمان یا کسی خاص کیفیت کے ساتھ مقید نہیں ہے، کیونکہ اُن کی ذات تو ان چیزوں سے منزہ اور پاک ہے، اور اللہ تعالیٰ کا قرب وہی ہے جو معلول کو اپنی علت کے ساتھ، یا سائے کو اپنی اصلی چیز کے ساتھ ہوتا ہے، دیکھیں! سایے کی ہستی یعنی وجود اصل چیز پر موقوف ہے، اگر اصل نہیں ہے تو سایہ بھی معدوم ہو جائے گا، اسی طرح ہر چیز کی علّت تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، پس جو قرب معلول کو اپنی علت کے ساتھ ہوتا ہے وہی قرب اللہ تعالیٰ کو مخلوق کے ساتھ ہے، اور یہ قرب ذاتی ہے، کیونکہ خدائے تعالیٰ کی قیومیت ہر چیز میں مؤثر بالذات ہے، تاہم پانی پتی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس قرب کو ظاہری دلیل سے معلوم نہیں کیا جاسکتا، بلکہ اس کو فراست ایمانی کے ساتھ دیکھا جاسکتا ہے۔ [مظهري]

تو نہ دیدی گہہ سلیمان ☆ پس چہ دانی زبان مرغاں را

یہ قرب والا مقام اور اس کا ادراک وہ لوگ کر سکتے ہیں جن کے دلوں میں سوائے محبت الٰہی کے اور کسی چیز کی محبت اور تڑپ نہ ہو، لہٰذا یہ مقام ہر کس وناکس کو حاصل نہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے یہی سوال کرتے ہیں کہ اس مقام کو ہمیں اپنے فضل وکرم سے نصیب فرمائے، اور ہمارے دلوں کو اپنی محبت کے علاوہ ساری محبتوں سے پاک کردے۔ آمین

﴿اِذْ یَتَلَقَّی الْمُتَلَقِّیٰنِ عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِیْدٌ﴾ جبکہ دو لینے والے لے لیتے ہیں جو کہ اس کے دائیں اور بائیں بیٹھے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کے ساتھ دو فرشتے مقرر فرمائے ہیں جو انسان کے

اعمال کو لکھتے ہیں، جیسے ہی کوئی بات کرتا ہے یا کوئی عمل کرتا ہے، یہ دونوں فرشتے اسے لکھ لیتے ہیں، ایک فرشتہ دائیں طرف اس کے کندھے پر اور دوسرا بائیں طرف کندھے پر بیٹھا ہوا ہے، دائیں طرف والا نیکیوں کو لکھتا ہے، اور بائیں طرف والا برائیوں کو لکھتا ہے، ان کو کرام کاتبین کہتے ہیں، اس سلسلے میں سورۃ الانفطار کی تفسیر میں تفصیل دیکھی جائے۔

﴿مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ﴾ انسان اپنی زبان سے کوئی لفظ نہیں بولتا ہے مگر اس کے پاس ایک نگران تیار ہوتا ہے جو فوراً اس بات کو محفوظ کر لیتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ انسان سے سرزد ہونے والے بعض اقوال وافعال اتنے باریک ہوتے ہیں کہ فرشتے ان کی نقش گیری نہیں کر سکتے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ تم اسی طرح لکھ دو، اس کی نقش گیری ہم خود کریں گے۔ بہر حال! انسان کی زبان سے نکلنے والی ہر اچھی اور بری بات اللہ تعالیٰ کے ریکارڈ میں درج ہوتی رہتی ہے، اور اس کی مثل بنتی رہتی ہے، یعنی عمل نامہ کتاب کی شکل میں تیار ہوتا رہتا ہے۔

اس سے یہ قانون بھی سمجھایا گیا کہ انسان کو اپنی زبان پر قابو رکھنا چاہئے، کوئی غلط بات منہ سے نہیں نکالنی چاہئے، کیونکہ یہ سب ریکارڈ ہو رہی ہے، اور اس کا جواب دینا پڑے گا۔ ایک صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا زبان کی باتوں پر بھی مؤاخذہ ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: هَلْ يَكُبُّ في النار إلا حصائد ألسنتهم۔ یہی تو زبان سے کہی ہوئی باتیں ہیں جو کہ دوزخ میں اوندھے منہ گرانے والی ہیں۔

اب محاسبۂ اعمال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ﴾ موت کی بے ہوشی حق کے ساتھ آگئی، جب انسان کی زندگی کے خاتمے کا وقت آتا ہے تو اس پر موت کی بے ہوشی طاری ہونے لگتی ہے، فرمایا: ﴿ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ﴾ یہ وہی چیز ہے جس سے تو بچنے کی کوشش کیا کرتا تھا، مگر اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ اٹل ہے۔ ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ﴾ [العنکبوت:۵۷] (ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے)۔ موت سے بچنے کی تیری کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی، تجھے بالآخر اس گھاٹی سے گزرنا پڑا، اور موت کے سکرات طاری ہو گئے، یہ سکرات بڑے تلخ ہوتے ہیں، اسی لئے سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو یہ دعا سکھائی: اللّٰهم سهل علينا سكرات الموت وغمرات الموت۔ الٰہی ہم پر موت کے سکرات اور اس کی تلخیوں کو آسان کر دے۔

﴿وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ﴾ اور صور میں پھونکا جائے گا۔ اس سے دوسرا صور مراد ہے۔ فرمایا: ﴿ذٰلِكَ يَوْمُ

﴿الْوَعِيْدِ﴾ یہ ڈرانے کے دن کا وعدہ ہے۔اب حساب کتاب کی منزل شروع ہونے والی ہے، یہ وہی دن ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر لوگوں کو ڈراتے رہے،اس دن کے متعلق فرمایا:

﴿وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ﴾ ہر شخص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس حالت میں آئے گا کہ اس کے ساتھ ایک ہانکنے والا اور ایک گواہ ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ ایک فرشتہ تو انسان کو پیچھے سے ہانک کر عدالت کی طرف لے جائے گا، اور دوسرا فرشتہ اس کا اعمال نامہ پیش کرے گا، گویا اس کی کارکردگی پر گواہ ہوگا۔ دنیا میں بھی عام طور پر دستور یہی ہے کہ ایک سپاہی مجرم کو پکڑ کر عدالت میں پیش کرتا ہے،اور دوسرا شخص اس کے خلاف چالان پیش کرتا ہے۔غرض یہ اللہ تعالیٰ کے یہاں پیشی کے لیے بھی ہر شخص کے ساتھ دو فرشتے ہوں گے۔

﴿لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا﴾ دنیا کی زندگی میں تو آج کی کاروائی سے غفلت میں پڑا ہوا تھا، اللہ تعالیٰ کے پیغمبر اور ڈرانے والے آتے رہے اور تجھے اس دن کی سختیوں سے خبردار کرتے رہے، مگر اس وقت تو نے اس کی کچھ پروا نہ کی، کیونکہ اس وقت تجھے یہ منزل نظر نہیں آتی تھی،اور آج صورت حال یہ ہے:

﴿فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ﴾ کہ ہم نے تجھ سے تیرے پردے کھول دئے ہیں، آج تجھے وہ تمام چیزیں نظر آرہی ہیں جن کا تو انکار کیا کرتا تھا۔ ﴿فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ﴾ آج تیری آنکھ بہت تیز ہوگئی ہے، آج تجھے فرشتے جنت دوزخ عرش الٰہی سب چیزیں نظر آرہی ہیں، اب تجھے یقین آیا کہ خدا کا وعدہ سچا ہے،اور پیغمبروں نے صحیح بات کہی تھی، مگر آج کا پچھتاوا تیرے کسی کام نہ آئے گا،اور تجھے ذرے ذرے کا حساب دینا ہوگا۔

وَقَالَ قَرِيْنُهٗ هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ ﴿۲۳﴾ اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۲۴﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ
مُعْتَدٍ مُّرِيْبِ ﴿۲۵﴾ الَّذِيْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَاَلْقِيٰهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ ﴿۲۶﴾ قَالَ قَرِيْنُهٗ
رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۲۷﴾ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ
بِالْوَعِيْدِ ﴿۲۸﴾ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۲۹﴾

ترجمہ: اور اس کا ساتھی کہے گا: یہ وہ ہے جو میرے پاس تیار ہے ﴿۲۳﴾ ڈال دو جہنم میں ہر کفر کرنے والے ضدی کو ﴿۲۴﴾ خیر سے منع کرنے والے، حد سے بڑھنے والے شبہ میں ڈالنے والے کو ﴿۲۵﴾ جس نے اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرا

معبود تجویز کردیا، سو اس کو سخت عذاب میں ڈال دو۞ اس کا ساتھی کہے گا کہ اے ہمارے ربّ! میں نے اسے گمراہ نہیں کیا، لیکن یہ دور کی گمراہی میں تھا۞ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوگا: میرے سامنے جھگڑا مت کرو، اور میں نے تمہارے پاس پہلے سے وعید بھیج دی تھی۞ میرے پاس بات نہیں بدلی جاتی، اور میں بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہوں۞

☆☆☆

معارف ومنازل

ان آیات میں کراماً کاتبین کی لکھی ہوئی کتاب کی پیشی کا بیان ہے، دنیا میں انہوں نے لوگوں کے اعمال کے متعلق جو صحیفہ اعمال مرتب کیا ہے اس کتاب کو قیامت کے روز اسی متعلقہ شخص کے حوالے کریں گے، اور کہیں گے کہ اپنا اعمال نامہ خود پڑھو۔

﴿وَقَالَ قَرِيْنُهٗ﴾ اور کہے گا انسان کا ساتھی، یعنی وہ فرشتہ جو اس کے اعمال کی حفاظت پر مامور تھا:

﴿هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ﴾ یہی وہ چیز ہے جو میرے پاس تیار رکھی تھی۔ مطلب یہ ہے کہ فرشتہ انسان کا اعمال نامہ پیش کردے گا، جب انسان کا اعمال نامہ فرشتے کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہوگا تو اس میں درج برے اعمال کی وجہ سے حکم ہوگا: ﴿اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ﴾ ڈال دو جہنم میں ہر ناشکر گزار، عنادی اور ضدی کو۔

اَلْقِيَا تثنیہ کا صیغہ ہے، اس سے مراد وہی دونوں فرشتے ہیں جن کا ذکر گزشتہ آیات میں ہو چکا ہے۔ آئندہ اسی جہنمی شخص کی بری صفات کا تذکرہ ہے۔

﴿مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبٍ﴾ کہ یہ نیکی کے کاموں سے روکنے والے تھے، انہوں نے نہ خود نیکی کی اور نہ دوسروں کو نیکی کرنے دی، یہ حد سے بڑھنے والے ہیں، اور شک میں پڑے ہوئے ہیں، انہوں نے کبھی قیامت کو تسلیم نہیں کیا، اور نہ ہی اس کو مانا، اور نہ ہی اس کے لیے تیاری کی، بلکہ عمر بھر شک اور تردد میں پڑے رہے ،اور ان کا حال یہ رہا: ﴿الَّذِيْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو معبود بنا رکھا، ان کو خدا کا شریک بنایا، ان کے سامنے سجدہ کیا، اور ان کی نذر و نیاز دیتا رہا۔

﴿فَاَلْقِيٰهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ﴾ پس ایسے شخص کو سخت ترین عذاب میں ڈال دو۔ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ ہر انسان کے ساتھ اس کا ایک ساتھی شیطان ہے، جو اس کو برائی کی تلقین کرتا رہتا ہے، جب کسی مجرم کا اعمال

نامہ پیش ہوگا اور اسے جہنم کا حکم ہوگا تو وہ شخص بارگاہ رب العزت میں عرض کرے گا: اے میرے ربّ! میں اپنی گمراہی کا خود ذمہ دار نہیں ہوں، بلکہ مجھے اس شیطان نے گمراہ کیا، اور کفر کا راستہ دکھایا جس کی وجہ سے میں کافر ہوا ،لہٰذا آج میری جگہ اس شیطان کو سزا دی جائے جس کی وجہ سے میں کافر رہا اور جہنمی ہوا۔

﴿قَالَ قَرِيْنُهٗ﴾ اس پر انسان کا ساتھی شیطان عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! میں نے تو اس شخص کو سرکشی میں نہیں ڈالا تھا۔ ﴿رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ بَعِيْدٍ﴾ بلکہ یہ تو خود ہی گمراہی میں دور پڑا ہوا تھا۔ یہ مضمون سورۂ ابراہیم میں تفصیلاً موجود ہے۔ ﴿وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ﴾ [ابراهيم:٢٢] کے تحت۔

نتیجہ یہ ہے کہ شیطان کہے گا کہ تمہارے ساتھ اللہ تعالیٰ کا وعدہ تو سچا تھا، اور میرا وعدہ تم سے جھوٹا تھا، میرا تم پر کوئی زور تو نہیں تھا کہ تمہارا ہاتھ پاؤں باندھ کر زبردستی تم کو کفر کا راستہ دکھادوں، تم لوگوں نے اپنی مرضی سے میری باتوں پر یقین کر کے کفر اختیار کیا، اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی باتوں کو جھٹلایا، آج میں تمہارے لئے کچھ نہیں کرسکتا، آج میں تم سے بیزاری کا اعلان کرتا ہوں، جب انسان اور شیطان اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک دوسرے پر الزام تراشی کریں گے تو فرمان ہوگا کہ:

﴿لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ﴾ اب میرے پاس مت جھگڑا کرو، بیہودہ الزام تراشی سے باز آجاؤ، میں نے تو تمہیں دنیا میں ہی وعید سنادی تھی، اور ہر نیک و بدعمل سے آگاہ کردیا تھا، اب تم دونوں کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ ﴿مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ﴾ میرے ہاں بات تبدیل نہیں ہوتی، میرا فیصلہ اٹل ہوتا ہے ،کفر اور شرک کرنے والوں کو کسی صورت معاف نہیں کیا جائے گا، اور وہ ابدی جہنم میں ذلت کے ساتھ رہیں گے۔

﴿وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ﴾ اور میں نہیں ہوں بندوں پر زیادتی کرنے والا، میں ظلم و زیادتی سے پاک ہوں، اور کسی پر ظلم کرنے والا نہیں ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ میرا فیصلہ حق پر مبنی ہوتا ہے، مجرموں کو سزا دے کر میں نے کوئی زیادتی نہیں کی، بلکہ یہ سب کچھ ان کے اپنے کردار کا نتیجہ ہے جنہوں نے خود جہنم میں جانے کا فیصلہ کر کے کفر کو اختیار کیا تھا، اور ڈرانے والے پیغمبروں کا مذاق اڑایا تھا۔

يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ﴿٣٠﴾ وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ﴿٣١﴾ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ ﴿٣٢﴾ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ

مُّنِيْبِ ﴿٣٣﴾ ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ۭ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ ﴿٣٤﴾ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ ﴿٣٥﴾
وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ ۭ هَلْ مِنْ
مَّحِيْصٍ ﴿٣٦﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ﴿٣٧﴾ وَلَقَدْ
خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ڰ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ﴿٣٨﴾

ترجمہ: جس دن ہم جہنم سے کہیں گے کہ کیا تو بھر گئی؟ اور وہ کہے گی کہ کیا کچھ اور بھی ہے؟ ﴿٣٠﴾ اور متقیوں کے لیے جنت قریب کی جائے گی، دور نہ رہے گی ﴿٣١﴾ یہ وہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا، ہر ایسے شخص کے لیے جو رجوع کرنے والا، پابندی کرنے والا ہو ﴿٣٢﴾ جو بغیر دیکھے رحمن سبحانہ سے ڈرا، اور رجوع کرنے والا دل لے کر آیا ﴿٣٣﴾ اس میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ، یہ ہمیشگی والا دن ہے ﴿٣٤﴾ ان کے لیے وہ سب کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے، اور ہمارے پاس اور بھی زیادہ ہے ﴿٣٥﴾ اور ان سے پہلے ہم نے کتنی ہی امتوں کو ہلاک کر دیا، جو گرفت کرنے میں ان سے زیادہ سخت تھیں، سو وہ شہروں میں چلتے پھرتے رہے، کیا بھاگنے کی کوئی جگہ ہے؟ ﴿٣٦﴾ بلاشبہ اس میں اس شخص کے لیے عبرت ہے جس کے پاس دل ہو، اور ایسی حالت میں ہو کہ کان لگائے ہوئے حاضر ہو ﴿٣٧﴾ اور یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دن میں پیدا کیا، اور ہم کو تھکن نے چھوا تک نہیں ﴿٣٨﴾

معارف ومسائل

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنت اور دوزخ کا آپس میں مباحثہ ہوا، دوزخ نے فخر کے طور پر کہا کہ تکبر والے اور تجبر والے میرے اندر داخل ہوں گے، مطلب یہ ہے کہ میں بہت بڑے شریر اور متکبر لوگوں کا ٹھکانہ ہوں، اور جنت نے کہا: کیا بات ہے کہ میرے اندر صرف کمزور لوگ اور گرے پڑے اور بھولے بھالے لوگ داخل ہوں گے، اللہ تعالیٰ شانہ نے جنت سے فرمایا: تو میری رحمت ہے، اپنے بندوں میں سے جس پر چاہوں تیرے ذریعے رحم کروں گا، اور دوزخ سے فرمایا کہ تو میرا عذاب ہے، اپنے بندوں میں سے جسے چاہوں تیرے ذریعہ عذاب دیدوں گا، اور تم دونوں سے بھر دینے کا میرا وعدہ ہے۔ [بخاري و مسلم]

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جہنم میں برابر دوزخیوں کو ڈالا جاتا رہے گا، اور وہ ﴿هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ﴾ کہتی رہے گی، یعنی یوں کہتی رہی گی: کیا کچھ اور بھی ہے؟ کیا کچھ اور

بھی ہے؟ اور میں ابھی تک خالی ہوں، یہاں تک کہ ربّ العزّت جل شانہ اس میں اپنا قدم رکھ دیں گے، اور وہ سمٹ جائے گی، اور کہی گی: بس بس، میں آپ کی عزّت وکرم کا واسطہ دیتی ہوں۔ اور جنت میں بھی برابر جگہ بچتی رہے گی، اسے بھرنے کے لیے اللہ تعالیٰ ایک نئی مخلوق پیدا فرمائیں گے، جنہوں نے کوئی عمل نہیں کیا ہوگا، اور اس خالی جگہ میں ان کو آباد فرمادے گا۔ [بخاري ومسلم]

یہ جو اللہ تعالیٰ کے قدم کا ذکر آیا یہ متشابہات میں سے ہے، اس کا معنیٰ سمجھنے کی فکر میں نہ پڑیں، اللہ تعالیٰ اعضاء وجوارح سے پاک ہے، اس کا متعدد مقامات میں بیان ہو چکا ہے وہاں رجوع کیا جائے۔

یہ جو جنت میں خالی جگہ بچنے کی وجہ سے نئی مخلوق پیدا کر کے بسائی جائی گی، اس کے بارے میں بعض اکابر سے کہا گیا کہ وہی مزے میں رہے کہ پیدا ہوتے ہی جنت میں چلے گئے، انہوں نے فرمایا: انہیں جنت کا کیا مزہ آئے گا، انہوں نے دنیا میں تکلیف نہیں جھیلی، مصیبتیں نہیں برداشت کیں، انہیں وہاں کی راحت وآرام کی کیا قدر ہوگی؟ مزہ تو ہمیں آئے گا، آرام کی قدر ہم کریں گے جو دنیا کی تکلیفوں سے دوچار ہوئے، اور مشقت اور دکھ برداشت کئے، اور تکلیفیں دیکھیں اور رنج اٹھائے۔

﴿يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ﴾ جس دن ہم جہنم سے کہیں گے: کیا تو بھر گئی ہے؟ تو وہ کہے گی: کیا کچھ اور بھی ہے؟ وسیع وعریض دوزخ کا پیٹ نہیں بھرا ہوگا، اور وہ جوش مارتی ہوئی مطالبہ کرے گی کہ اس میں کچھ مزید لوگ ڈالے جائیں۔ ﴿وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ﴾ اور جنت کو متقیوں کے قریب کر دیا جائے گا، اور وہ اُن سے کچھ دور نہیں ہوگی۔

﴿هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ أَوَّابٍ حَفِيْظٍ﴾ جب جنتیوں کو جنت کے قریب لے جایا جائے گا، تو ان سے کہا جائے گا کہ یہ وہ وعدہ ہے جو ہر رجوع کرنے والے اور حفاظت کرنے والے کے لیے کیا جاتا تھا۔ **حفیظ** سے مراد اللہ تعالیٰ کی حدود کی حفاظت کرنے والا، اور **اواب** کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کی طرف کثرت سے رجوع کرنے والا، تو جو لوگ ان دونوں صفات سے متصف ہوتے ہیں وہ تمام فرائض وواجبات کو ادا ہی کرتے ہیں، صحیح عقیدہ اور پاکیزہ اخلاق رکھتے ہیں، عدل وانصاف کی منزل کو طے کرتے ہیں، کفر وشرک اور معاصی سے بچتے ہیں، حدود اللہ کی حفاظت کرتے ہیں، یہی لوگ متقی کہلاتے ہیں۔

آگے فرمایا: ﴿مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبٍ﴾ یہ وہ لوگ ہیں جو بغیر دیکھے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع رکھنے والے دل کے ساتھ حاضر ہوتے ہیں، تو ظاہر ہے کہ اللہ

تعالیٰ کی طرف رجوع رکھنے والا وہی شخص ہوگا جو بغیر دیکھے اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے گا، اور پھر اس کے احکام کی خلاف ورزی سے ڈرتا رہے گا، اور نیکیوں کی طرف راغب رہے گا، جب جنت ان لوگوں سے قریب کردی جائے گی، تو ان کو حکم ہوگا:

﴿ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ؕ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ﴾ تم جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہوجاؤ، یہ ہیشگی کا دن ہے، اب تم اس جنت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہو گے۔

﴿لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ﴾ اس جنت میں وہ جو چاہیں گے اور جس چیز کی خواہش کریں گے وہ سب کچھ انہیں ملتا رہے گا، من مانی مرادیں ملتی رہیں گی، اور ہمارے پاس ان کے لیے مزید بھی ہے، یعنی ان کی اپنی خواہشات کے علاوہ خود اللہ تعالیٰ اپنی مرضی سے بھی ان کو عطاء فرمائیں گے۔

اس کے علاوہ مزید کا ایک مطلب وہ ہے جو اس حدیث شریف میں آیا ہے کہ جنتی جب جنت میں داخل ہوں گے، اور ہر قسم کی نعمتوں سے نوازے جائیں گے، تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے اہل جنت! میں نے تمہیں تمام نعمتیں عطاء کردی ہیں، کیا اور کچھ مزید بھی دوں؟ جنتی حیران ہو کر عرض کریں گے: اے پروردگار! تو نے ہمیں تمام نعمتوں سے نوازا ہے، اب مزید کیا ہوسکتا ہے؟ اور وہ کونسی نعمت ہے جسے تو ہمیں دینا چاہتا ہے؟ اس وقت اللہ تعالیٰ اپنی تجلیات سے حجاب اٹھا کر دیدار نصیب فرمائیں گے، یہی وہ زیادتی ہے جو تمام نعمتوں سے بڑھ کر ہے، پس جو خوشی اور سرور اہل جنت کو دیدار الٰہی سے حاصل ہوگا وہ کسی دوسری نعمت میں نہیں ہوگا۔[رواه مسلم وابن ماجة بحواله مظهري]

اللہ تعالیٰ سے سوال اور التجاء ہے کہ ہمیں بھی ان سعادتوں کے ساتھ مالا مال فرمائے۔ آمین

آگے منکرینِ قیامت کو تنبیہ ہے: ﴿وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا﴾ ان منکرین قیامت سے پہلے ہم نے کتنی ہی قوموں کو ہلاک کیا جو ان منکرین قیامت مکے والوں سے زیادہ طاقتور اور گرفت والے تھے جو کہ مالی اور جسمانی لحاظ سے مشرکین مکہ پر فوقیت رکھتے تھے۔ ان کے بارے میں سورۂ سبا میں ارشاد فرمایا: ﴿وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ﴾[سبأ:۴۵] (پہلی قوموں کو ہم نے جو کچھ دیا تھا مکہ والے اس کے دس ویں حصے کو بھی نہیں پہنچے)۔ جب وہ ہماری گرفت سے نہیں بچ سکے تو ان کی کیا حیثیت ہے؟ فرمایا: ان کی حالت یہ تھی: ﴿فَنَقَّبُوْا فِى الْبِلَادِ﴾ کہ وہ شہروں کو کریدنے لگے تھے۔ نقب سے مراد سفر کرنا بھی ہے، اور بڑے بڑے مکانات بنانا بھی مراد ہے، اور پہاڑوں کو تراش تراش کر مکان بنانا بھی مراد ہے، جیسے قوم ثمود کا رسم ورواج رہا۔

﴿هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ﴾ کیا عذاب الٰہی سے انہیں کوئی پناہ گاہ ملی؟ مطلب یہ کہ جب ان پر مصیبت آئی اور ان کی ہلاکت کا فیصلہ ہوا، تو ان کے لیے کوئی جائے پناہ، کوئی بچانے والا اور کوئی مددگار نہیں تھا، لہٰذا سب ہلاک ہو گئے، اور صفحۂ ہستی سے مٹ گئے۔

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ﴾ شروع سورت سے لے کر یہاں تک تمام باتوں کے متعلق یہی ارشاد ہے کہ بیشک اس میں یاددہانی اور غور وفکر کا مقام ہے ہر اس شخص کے لیے جس کے سینے میں روشن دل ہے، مطلب یہ ہے کہ یہ نصیحت ہے، یادگار اور یاددہانی ہے اس شخص کے لیے جو دل ودماغ کو بروئے کار لاکر سوچتا ہے، اور اس شخص کے لیے بھی جو: ﴿ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ﴾ جو کان لگا کر اور دل کو حاضر کر کے بات کو سنتا ہے، اور اسے ذہن نشین کر کے غور وفکر کرنے کے بعد صحیح راستے کی طرف گامزن ہوتا ہے۔

آگے ان چیزوں کا بیان ہے جن میں غور وفکر کرنا ضروری ہے، تو فرمایا: ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ﴾ البتہ تحقیق ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دن کے وقفے میں پیدا کیا، آسمانوں اور زمینوں کے چھ دن میں تخلیق کا مسئلہ سورۃ الٓمٓ السجدۃ میں تفصیلاً بیان ہو چکا ہے، لہٰذا اس کو وہاں ملاحظہ کیا جائے۔

آگے فرمایا: ﴿وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ﴾ کہ ہمیں آسمان اور زمین کی تخلیق کی وجہ سے کوئی تھکاوٹ محسوس نہیں ہوئی، جب اتنی بڑی وسیع وعریض آسمانوں اور زمین اور درمیانی مخلوقات کی پیدائش پر کوئی تھکاوٹ نہیں ہوئی تو تمہاری دوبارہ قیامت کے دن پیدائش پر کوئی تھکاوٹ محسوس نہیں ہوگی۔

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ﴿۳۹﴾
وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ﴿۴۰﴾ وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿۴۱﴾
يَّوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ ﴿۴۲﴾ اِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَاِلَيْنَا
الْمَصِيْرُ ﴿۴۳﴾ يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ۭ ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ﴿۴۴﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ
بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۣ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ﴿۴۵﴾

ترجمہ: سو آپ ان باتوں پر صبر کیجئے جو یہ لوگ کہتے ہیں، اور آفتاب نکلنے سے پہلے اور غروب سے پہلے

اپنے ربّ کی تسبیح وتحمید بیان کیجئے ۝۳۹ اور رات کے حصہ میں بھی اُس کی تسبیح بیان کیجئے، اور سجدوں کے بعد بھی ۝۴۰ اے مخاطب! اس بات کو سن لے کہ جس دن پکارنے والا قریب ہی جگہ سے پکارے گا ۝۴۱ جس روز چیخ کو حق کے ساتھ سنیں گے، یہ نکلنے کا دن ہوگا ۝۴۲ بے شک ہم زندہ کرتے اور موت دیتے ہیں، اور ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے ۝۴۳ جس دن زمین اُن کے اوپر سے پھٹ جائے گی، بلکہ دوڑتے ہوں گے، یہ جمع کرنا ہم پر آسان ہے ۝۴۴ ہم خوب جانتے ہیں جو یہ لوگ کہتے ہیں، اور آپ اُن پر زبردستی کرنے والے نہیں، سو آپ قرآن کے ذریعہ ایسے شخص کو نصیحت کیجئے جو میری وعید سے ڈرتا ہے ۝۴۵

معارف ومنازل

سورت کے اختتام پر سورت کے مجموعی مسائل کا خلاصہ بیان ہو رہا ہے:

پہلے نمبر پر آنحضرت ﷺ کو صبر کی تلقین فرمائی۔ اور دوسرے نمبر پر آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتحمید کا حکم دیا جارہا ہے۔ تیسرے نمبر پر قیامت کے متعلق کچھ مسائل کا ذکر ہے۔ اور چوتھے نمبر پر صداقت قرآن کا بیان ہے، تو فرمایا:

﴿فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ﴾ پس آپ صبر کریں ان باتوں پر جو یہ لوگ کہتے ہیں، آپ ان کے انکار سے دلبرداشتہ نہ ہوں، صبر کے بعد دوسری بات یہ ہے: ﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ﴾ آپ اپنے پروردگار کی تسبیح بیان کریں حمد کے ساتھ، طلوع شمس سے پہلے اور غروب آفتاب سے پہلے، اس سے مراد فجر اور عصر کی نمازیں ہیں جن کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ابتدائے اسلام میں یہی دو ہی نمازیں تھیں، بعد میں معراج کے موقعے پر نمازیں پانچ فرض ہوگئیں۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ کوئی ایسا شخص دوزخ میں داخل نہیں ہوگا جس نے سورج نکلنے سے پہلے نماز فجر اور چھپنے سے پہلے نماز عصر ادا کی ہو۔ [مشکوٰۃ: ص ۶۲]

﴿وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ﴾ اور اب تہجد کے وقت بھی آپ اپنے ربّ کی تسبیح بیان کریں، اور سجدوں کے پیچھے بھی۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے پریشانیوں کے حل کے لیے دو چیزیں بتلائی ہیں: ایک صبر اور دوسری تسبیح وتحمید، جن سے مراد نمازیں بھی ہیں اور اذکار واوراد بھی، جن سے قلبی سکون اور اطمینان حاصل ہوں گے۔

آگے قیامت کا کچھ حال بیان فرمایا: ﴿وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ﴾ خوب

کان لگا کر سنیں، اور یہ بات دوسروں کو بھی بتلا دیں جس دن پکارنے والا پکارے گا قریب جگہ سے، اس سے مراد قیامت ہے جس کا آغاز صور پھونکنے سے ہوگا، جو نہایت قریب معلوم ہوگا، جس کی خطرناک آواز سے سارا عالم درہم برہم ہوگا۔

﴿يَوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ﴾ جس دن یہ لوگ ایک چیخ کو حق کے ساتھ سنیں گے۔ ﴿ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ﴾ یہی قبروں سے نکلنے کا دن ہوگا، اس سے مراد نفخہ ثانیہ ہے جس کے ساتھ ساری مخلوقات قبروں سے نکل کر حشر کے میدان میں جمع ہوں گے، اور حساب وکتاب کا مرحلہ شروع ہوگا۔

﴿اِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَاِلَيْنَا الْمَصِيْرُ﴾ بے شک ہم ہی زندہ کرتے ہیں، اور ہم ہی موت دیتے ہیں اور سب کو ہماری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے، اور یہ وہ دن ہوگا: ﴿يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا﴾ جس دن زمین پھٹ جائے گی، اور جلدی سے یہ دوڑتے ہوئے اس سے باہر آئیں گے، یعنی جب قبریں پھٹ جائیں گی تو لوگ قبروں سے نکل کر دوڑتے ہوئے آنے والی آواز کی طرف چلیں گے۔

﴿ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ﴾ اس طرح انسانوں کا دوبارہ اکٹھا کرلینا ہمارے لئے بالکل آسان ہے، حشر ونشر ہو یا اس کے بعد والے حالات ہوں، سب اللہ تعالیٰ کے لیے آسان ہیں۔

﴿نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ﴾ اس میں مسلمانوں کو تسلی ہے کہ یہ کافر اور مشرک جو باتیں کرتے ہیں ہم انہیں خوب جانتے ہیں، آپ ان لوگوں کے ایمان لانے کی ہمیشہ خواہش اور تمناء میں رہتے ہیں، مگر یہ بات یاد رکھیں:

﴿وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ﴾ آپ ان پر کوئی جبار یا ذمہ دار یا داروغہ نہیں ہیں کہ ان کو زبردستی منوالیں، آپ کا کام تو پیغامِ حق پہنچا دینا ہے، آپ سے قیامت کے دن یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ یہ لوگ کیوں ایمان نہیں لائے؟ بلکہ یہ ان سے پوچھا جائے گا کہ تم لوگوں نے ایمان کیوں نہیں لایا؟ لہٰذا آپ دلبرداشتہ نہ ہوں، اپنا کام جاری رکھیں، وہ یہ ہے: ﴿فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ﴾ آپ قرآن کے ذریعے لوگوں کو نصیحت کردیں، خدا کا قرآن پڑھ کر سنادیں، البتہ یہ بات ذہن نشین ہو کہ نصیحت وہی شخص پکڑے گا، جو میری وعید سے خوف کھاتا ہو، جو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کفر اور شرک کرنے والوں کو معاف نہیں کرے گا، اس کے لیے آپ کی نصیحت ضرور کارگر ہوگی، اور وہ ایمان قبول کرے گا، اور جس میں یہ خوف نہیں ہوگا وہ آپ کی بات سے متاثر نہیں ہوگا، تو آپ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیں اور صبر کریں، اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کریں، نماز اور دیگر عبادات میں مصروف رہیں، اللہ تعالیٰ آپ کا حامی وناصر ہوگا۔

سُوْرَةُ الذّٰارِيٰاتِ

مکیۃٌ آیاتہا ۶۰ رکوعاتہا ۳

سورۂ ذاریات مکی ہے، اس میں پینتالیس (۴۵) آیتیں، اور تین (۳) رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام:

اس سورت کا نام سورۃ الذاریات ہے، جو اس سورت کے پہلے لفظ سے ماخوذ ہے۔ یہ سورت ترتیب تلاوت میں ۵۱ ویں نمبر پر ہے، اور ترتیب نزول میں ۶۷ ویں نمبر پر ہے۔

نزول:

یہ سورت مکی دور میں سورۃ الاحقاف کے بعد نازل ہوئی ہے۔

تعداد کلمات وحروف:

اس سورت میں تین (۳) رکوع، ساٹھ (۶۰) آیات اور تین سو ساٹھ (۳۶۰) کلمات، اور پندرہ سوانسٹھ (۱۵۵۹) حروف ہیں۔

ربط ومناسبت:

گزشتہ سورت کی طرح اس سورت میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، صداقتِ قرآن، صداقتِ رسالت اور قیامت وغیرہ مسائل کا ذکر ہے۔

☆☆☆

مختصر مضمون:

مجازاتِ اعمال، مؤمنین کے اوصاف ونتائج، مشرکین کے شکایات وجوابات، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور فرشتوں کا باہمی مکالمہ، اختصار کے ساتھ دوسرے انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں کا بیان، اولاد آدم کے لیے اصول کامیابی، تسلیات خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، مشرکین ومنکرین کے برے نتائج وغیرہ کا بیان ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

وَالذّٰرِيٰتِ ذَرۡوًا ۙ﴿۱﴾ فَالۡحٰمِلٰتِ وِقۡرًا ۙ﴿۲﴾ فَالۡجٰرِيٰتِ يُسۡرًا ۙ﴿۳﴾ فَالۡمُقَسِّمٰتِ اَمۡرًا ۙ﴿۴﴾ اِنَّمَا تُوۡعَدُوۡنَ
لَصَادِقٌ ۙ﴿۵﴾ وَّاِنَّ الدِّيۡنَ لَوَاقِعٌ ؕ﴿۶﴾ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الۡحُبُكِ ۙ﴿۷﴾ اِنَّكُمۡ لَفِىۡ قَوۡلٍ مُّخۡتَلِفٍ ۙ﴿۸﴾ يُّؤۡفَكُ
عَنۡهُ مَنۡ اُفِكَ ؕ﴿۹﴾ قُتِلَ الۡخَرّٰصُوۡنَ ۙ﴿۱۰﴾ الَّذِيۡنَ هُمۡ فِىۡ غَمۡرَةٍ سَاهُوۡنَ ۙ﴿۱۱﴾ يَسۡـئَلُوۡنَ اَيَّانَ يَوۡمُ الدِّيۡنِ ؕ﴿۱۲﴾
يَوۡمَ هُمۡ عَلَى النَّارِ يُفۡتَنُوۡنَ ﴿۱۳﴾ ذُوۡقُوۡا فِتۡنَتَكُمۡ ؕ هٰذَا الَّذِىۡ كُنۡتُمۡ بِهٖ تَسۡتَعۡجِلُوۡنَ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: قسم ہے ہواؤں کی جو (غبار وغیرہ) اڑاتی ہیں ① پھر ان بادلوں کی جو بوجھ کو اٹھاتے ہیں ② پھر ان کشتیوں کی جو نرمی سے چلتی ہیں ③ پھر ان فرشتوں کی جو چیزیں تقسیم کرتے ہیں ④ تم سے جس کا وعدہ کیا جاتا ہے وہ بالکل سچ ہے ⑤ اور جزا ضرور ہونے والی ہے ⑥ قسم ہے آسمان کی جس میں راستے ہیں ⑦ کہ تم لوگ مختلف گفتگو میں ہو ⑧ اس سے وہی پھرتا ہے ⑨ جس کو پھرنا ہوتا ہے، غارت ہو جائیں اٹکل پچو باتیں کرنے والے ⑩ جو جہالت میں بھولے ہوئے ہیں ⑪ پوچھتے ہیں کہ روز جزا کب ہوگا؟ ⑫ جس دن وہ لوگ آگ پر تپائے جائیں گے ⑬ اپنی اس سزا کا مزہ چکھو، یہی ہے جس کی تم جلدی مچایا کرتے تھے ⑭

معارف ومنازل

یہاں سے سورۃ الذاریات شروع ہورہی ہے، اس میں الذاریات، الحاملات، الجاریات اور المقسمات کی قسم کھائی ہے، اس میں ذرواً اور یسراً تو مفعول مطلق ہیں، اور وقراً اور امراً مفعول بہ ہیں۔ صاحب روح المعانی نے حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے یہی تفسیر نقل کی ہے جو ترجمہ میں لکھ دی گئی ہے۔

چاروں چیزوں کی قسم کھا کر ارشاد فرمایا کہ تم سے جو وعدہ کیا جا رہا ہے وہ سچ ہے، اور جزاء یعنی اعمال کا بدلہ ضرور ملنے والا ہے، یعنی قیامت ضرور قائم ہوگی، بنی آدم میدانِ محشر میں حاضر ہوں گے، اپنے اعمال کا بدلہ پائیں گے۔ جن چیزوں کی قسم کھائی ہے ان میں فرشتے ہیں جو آسمان میں رہنے والی مخلوق ہے، اور بادل ہیں جو آسمان وزمین کے درمیان ہوتے ہیں، اور ہوائیں ہیں جو زمین کی اوپر چلتی ہیں، اور اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر آتی جاتی رہتی ہیں، اور کشتیاں ہیں جو سمندروں اور نہروں میں چلتی ہیں، ان چیزوں کے جاننے والے دیکھنے والے اگر غور فکر کریں گے تو یہ سمجھ میں آجائے گا کہ قیامت قائم ہونے میں شک کرنا غلط ہے، جس ذت پاک کے یہ تصرفات ہیں اس کے لیے قیامت قائم کرنا کوئی مشکل نہیں، اس نے وقوعِ قیامت کی خبر اپنے رسولوں اور پیغمبروں علیہم السّلام کے ذریعے دی ہے، اور یہ خبر سچی ہے۔

اس کے بعد آسمان کی قسم کھائی، فرمایا: ﴿وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ﴾ کہ قسم ہے آسمان کی جس میں فرشتوں کے آنے جانے کے راستے ہیں، تم لوگ ایک ایسی گفتگو میں لگے ہوئے ہو جس میں اختلاف ہو رہا ہے، کوئی قیامت کی تصدیق کرتا ہے اور کوئی جھٹلاتا ہے، اس میں جو لوگ قولِ حق کے مخالف ہیں یعنی وقوعِ قیامت کی تکذیب کر رہے ہیں وہ اس قول سے ہٹائے جا رہے ہیں، یعنی جس کو بالکل ہی خیر سے اور حق سے محروم ہونا ہے وہی اس قولِ حق سے ہٹا اور بچتا ہے۔

فرمایا: ﴿قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ﴾ غارت ہو جائیں اٹکل پچو باتیں کرنے والے، یعنی جھوٹے لوگ جو قرآن کو جھٹلاتے ہیں، دلائل سامنے ہوتے ہوئے ان میں غور نہیں کرتے اپنی جاہلانہ اٹکل کو سامنے رکھ کر تکذیب کرتے ہیں۔

﴿الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ﴾ جو عظیم جہالت میں پڑے ہوئے ہیں، غافل ہیں۔ ﴿يَسْئَلُوْنَ اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ﴾ تعجب سے پوچھتے ہیں تمسخر کے ساتھ کہ انصاف کا دن کب آئے گا؟ وہ اس بات کو بعید سمجھتے ہوئے مذاق کے طور پر پوچھتے ہیں۔

﴿يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا کہ انصاف کا دن وہ ہوگا جس دن یہ لوگ آگ پر تپائے جائیں گے، جس طرح سونے کو کٹھالی میں ڈال کر پگلایا جاتا ہے، اور ان سے کہا جائے گا:

﴿ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ﴾ آج اپنی شرارت کا مزہ چکھو جس کو دنیا میں تم نے بار بار جھٹلایا دیکھ لو۔ ﴿هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ﴾ یہی وہ سزا ہے جس کے متعلق تم جلدی کیا کرتے تھے، اور دنیا میں بار بار کہا کرتے تھے کہ

وہ دن کب آئے گا؟ اب یہ دن آ گیا، اپنے انکار کی سزا بھگت لو، اور جلدی مچانے کا مزہ چکھ لو۔

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ﴿۱۵﴾ اٰخِذِیْنَ مَاۤ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِیْنَ ﴿۱۶﴾
كَانُوْا قَلِیْلًا مِّنَ الَّیْلِ مَا یَهْجَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَ بِالْاَسْحَارِ هُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَ فِیْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآىٕلِ
وَ الْمَحْرُوْمِ ﴿۱۹﴾ وَ فِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ ﴿۲۰﴾ وَ فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَ فِی السَّمَآءِ
رِزْقُكُمْ وَ مَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۲۲﴾ فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَاۤ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ﴿۲۳﴾

ترجمہ: بلاشبہ متقی لوگ باغوں اور چشموں میں ہوں گے ﴿۱۵﴾ ان کے ربّ نے جو کچھ انہیں عطاء فرمایا اسے لینے والے ہوں گے، بیشک یہ لوگ اس سے پہلے اچھے کام کرنے والے تھے ﴿۱۶﴾ یہ لوگ رات کو کم سوتے تھے ﴿۱۷﴾ اور رات کے آخری اوقات میں استغفار کرتے تھے ﴿۱۸﴾ ان کے مالوں میں حق تھا سوال کرنے والوں کے لیے اور محروم کے لیے بھی ﴿۱۹﴾ اور زمین میں نشانیاں ہیں یقین کرنے والوں کے لیے ﴿۲۰﴾ اور تمہاری جانوں میں، کیا تم نہیں دیکھتے؟ ﴿۲۱﴾ اور آسمان میں تمہارا رزق ہے، اور جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے ﴿۲۲﴾ سو قسم ہے آسمانوں اور زمین کے ربّ کی! بیشک وہ حق ہے جیسا کہ تم بول رہے ہو ﴿۲۳﴾

معارف ومنازل

اللہ ربّ العزّت جل شانہ کا یہ دستور ہے کہ ترہیب کے ساتھ ترغیب کا ذکر بھی اکثر بیان کرتا ہے، چنانچہ منکرین کے ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں اور ان کو ملنے والے انعامات کا ذکر بھی کیا ہے، فرمایا:

﴿اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ﴾ بیشک متقی لوگ جنتوں اور چشموں میں ہوں گے، جہاں انہیں ہر قسم کی نعمتیں میسر ہوں گی، آرام و آسائش کی تمام سہولتیں حاصل ہوں گی، خوبصورت اور دل خوش کن باغات ہوں گے، جن میں پانی کی نہریں اور چشمے بہتے ہوں گے۔ ﴿اٰخِذِیْنَ مَاۤ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِیْنَ﴾ وہ ہر چیز اور نعمت کو حاصل کرنے والے ہوں گے جو ان کو ان کا پروردگار عطاء فرمائے گا، وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی عطاء کردہ نعمتوں کو بڑی خوشی سے قبول کریں گے، کیونکہ اس سے پہلے دنیا کی زندگی میں وہ نیکی کے کام انجام دینے والے تھے، انہی نیکیوں کا پھل آج ان کو مل رہا ہے جس سے وہ مستفید ہو رہے ہیں۔ آگے متقیوں کی بعض صفات کا بیان ہے:

﴿كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ﴾ یہ وہی لوگ ہیں جورات کے وقت بہت کم ہی سوتے تھے، بلکہ رات کا اکثر حصہ بیدار رہ کر عبادت میں گزار دیتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ ایسے وقت میں عبادت گزاری میں مصروف رہتے تھے جب سارے لوگ خواب واستراحت کا مزہ لے کر سورہے ہوتے تھے۔

﴿وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ﴾ اور وہ سحریوں کے وقت اپنے پروردگار سے استغفار کرتے تھے، سحری کے استغفار کا ذکر اس لئے کہ یہ دعاؤں کی قبولیت کا خاص وقت ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی خصوصی تجلیات اور رحمتوں کا نزول اسی وقت ہوتا ہے۔ صحیحین کی روایت میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ شانہ آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے، اور صبح تک یہ ارشاد جاری رہتا ہے: من يدعوني فاستجيب له؟ من يسئلني فأعطيه؟ من يستغفرني فاغفر له؟ کون ہے جو مجھ سے دعا کرے اور میں اس کی دعا قبول کروں؟ کون ہے جو مجھ سے سوال کرے اور میں اس کو عطاء کروں؟ کون ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے اور میں اس کو معاف کروں؟ فرمایا: یہ آوازیں برابر جاری رہتی ہیں یہاں تک کہ طلوع فجر ہو جاتا ہے۔ [مشکوٰۃ] اسی لئے فرمایا کہ متقی لوگ سحریوں کے وقت اپنے پروردگار کے حضور استغفار کرتے ہیں۔

متقیوں کی ایک صفت یہ بیان فرمائی: ﴿وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ﴾ اور ان کے اموال میں سائل اور محروم کے لیے حق ہے۔ یہاں پر اللہ تعالیٰ نے دو قسم کے مستحقین کا ذکر فرمایا، یعنی سائل اور محروم، سائل تو وہ ہے جو محتاج ہے، اور دوسروں سے سوال کرتا ہے، اور محروم سے مراد وہ شخص ہے کہ محتاجی کے باوجود عزّت نفس کی خاطر کسی سے سوال نہیں کرتا۔ اور بعض علماء نے کہا کہ محروم سے مراد وہ شخص ہے جو پہلے خود مالدار تھا مگر حوادثات زمانہ نے اسے محروم کر دیا۔

﴿وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ﴾ اور زمین میں بھی نشانیاں ہیں یقین رکھنے والوں کے لیے۔ سورت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے وقوعِ قیامت کے متعلق آسمانی نشانات کا ذکر کیا تھا، اب یہاں سے بعض زمینی نشانات کی نشاندہی ہو رہی ہے، مثلاً انسان، حیوانات، چرند پرند، دریا، سمندر، پہاڑ، جنگل اور بے شمار قسم کے کیڑے مکوڑے ہیں، اگر انسان ان چیزوں میں غور و فکر کرے تو اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ اور وقوعِ قیامت کا مسئلہ آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے، اسی لئے فرمایا:

﴿وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ﴾ خود تمہارے اپنے نفسوں کے اندر بھی بہت سی نشانیاں ہیں، کیوں

نہیں؟ یہ انسان عالمِ اصغر ہے، عالم اکبر کا ہر نمونہ اس کے وجود اور جسم میں موجود ہے، کیا تم اس معاملہ میں غور وفکر نہیں کرتے؟ پھر آگے فرمایا: ﴿وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ﴾ اور تمہاری روزی آسمان میں ہے جو تمہارے واسطے لکھ دیا گیا ہے، اور وہ تمہیں ہر حال میں ملے گا، اور وہ کچھ بھی ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر وہ نعمت تم کو ملے گی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے کہ صدقہ اور خیرات کی برکات میں سے ہے کہ ایک کا ثواب اور بدلہ دس گنا سے سات سو گنا تک ملے گا، اور صدقات اور خیرات سے دنیا میں بھی تمہاری مال میں برکت آئے گی اور آخرت کا ثواب اس سے علاوہ ہے۔

﴿فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ﴾ سو قسم ہے آسمان وزمین کے ربّ کی یہ بات حق اور قطعی ہے جیسا کہ تم بولتے ہو، اور تم کو اپنے بولنے میں کوئی شک وشبہ نہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا وعدہ بھی برحق اور یقینی ہے، اس میں کسی قسم کا کوئی شک وشبہ نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جزائے عمل برحق اور یقینی ہے، اور قیامت کا آنا بالکل قطعی ہے۔

صاحب مدارک، صاحب کشاف اور صاحب تفسیر مظہری نے ایک عجیب واقعہ نقل کیا ہے، فرماتے ہیں کہ فقہ وحدیث کے امام اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ عباسی خلیفہ مامون الرشید کے زمانے میں ہوئے ہیں، جو بڑے عالم وفاضل اور نیک سیرت انسان تھے، فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ کسی دوسرے شہر جانے کے لیے بصرہ کی جامع مسجد سے نکلا، راستے میں ایک دیہاتی اونٹ سوار سے ملاقات ہوئی، علیک سلیک کے بعد اس نے پوچھا کہ آپ کہاں سے آرہے ہیں؟ میں نے کہا کہ اس جگہ سے جہاں کلام پاک پڑھا جاتا ہے یعنی جامع مسجد سے، وہ شخص کہنے لگا کہ قرآن کا کچھ حصہ مجھے بھی سناؤ، تو میں نے یہی سورۃ الذاریات سنانی شروع کی، پھر جب میں اس مقام پر پہنچا: ﴿وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ﴾ تو وہ شخص کہنے لگا: رک جاؤ، اس پر ان آیات کا عجیب اثر ہوا، کہنے لگا کہ روزی کا حکم تو اوپر سے آیا ہے، پھر میں کس تکلیف میں پڑا ہوا ہوں؟ اس نے اپنی سواری کے اونٹ کو وہیں نحر کر دیا، اور دوسرے مسافروں کو کھلا دیا، اور اس کے پاس جو کچھ سامان تھا وہ بھی لوگوں پر تقسیم کر دیا۔

امام اسماعیل کہتے ہیں کہ میں اس شخص کے توکل سے بڑا حیران ہوا، پھر ایسا اتفاق ہوا کہ حج کے موقعے پر میں طواف کر رہا تھا تو میں نے محسوس کیا کہ کوئی کمزور سی آواز والا آدمی دعا میں مصروف ہے، میں نے پلٹ کر دیکھا تو وہی بدو نظر آیا، وہ پھر مجھ سے کہنے لگا کہ تمہیں کچھ قرآن یاد ہے؟ میں نے پھر یہ آیت سنائی: ﴿فَوَرَبِّ السَّمَآءِ

وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ﴾ وہ شخص کہنے لگا کہ عجیب لوگ ہیں جنہوں نے ربِّ جلیل کو قسم اٹھانے پر مجبور کردیا، وہ شخص اس آیت سے اس قدرت متأثر ہوا کہ اپنے الفاظ کو بار بار دھراتا رہا، حتیٰ کہ اس کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کرگئی، اور میں نے اپنی زندگی میں ایسا واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا جسے آج تک یاد کررہا ہوں۔

فرمایا: اس پروردگار کی قسم ہے جو آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے کہ وقوعِ قیامت اور جزائے اعمال برحق ہیں۔ ﴿مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ﴾ بالکل اسی طرح جس طرح تم گفتگو کرتے ہو۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح تمہارا آپس میں بات چیت کرنا ایک دوسرے کے ساتھ گفتگو کرنا بالکل حقیقت ہے جس میں تم شک نہیں کرتے ہو، اسی طرح وقوعِ قیامت کے متعلق بھی کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہونا چاہیے۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿۲۴﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ ۚ
قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۲۵﴾ فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ﴿۲۶﴾ فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاَوْجَسَ
مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ ؕ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿۲۸﴾ فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا
وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ﴿۲۹﴾ قَالُوْا كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۰﴾

ترجمہ: کیا ابراہیم کے معزز مہمانوں کی حکایت آپ کو پہنچی ہے؟ ﴿۲۴﴾ جب وہ ان پر داخل ہوئے تو انہوں
نے سلام کیا، ابراہیم نے بھی کہا: سلام ہو، انجان لوگ ہیں ﴿۲۵﴾ پھر اپنے گھر والوں کی طرف چلے، تو ایک موٹا بچھڑا لے
آئے ﴿۲۶﴾ پھر اسے ان کے پاس لاکر رکھا، اور کہنے لگے: تم کیوں نہیں کھاتے؟ ﴿۲۷﴾ پھر ان کی طرف سے دل میں ڈر
محسوس کیا، انہوں نے کہا: ڈرو نہیں، اور انہوں نے ایک صاحبِ علم لڑکے کی بشارت دی ﴿۲۸﴾ اور پھر ان کی بیوی زور سے
پکارتی ہوئی آئی، پھر اس نے اپنے ماتھے پر ہاتھ مارا اور کہنے لگی: بڑھیا ہوں، بانجھ ہوں ﴿۲۹﴾ فرشتوں نے کہا کہ
تمہارے ربّ نے ایسا ہی فرمایا ہے، بیشک وہ حکمت والا ہے، علم والا ہے ﴿۳۰﴾

﴿الجزء السابع والعشرون﴾

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ﴿۳۱﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ﴿۳۲﴾ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً
مِّنْ طِيْنٍ﴿۳۳﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ﴿۳۴﴾ فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴿۳۵﴾ فَمَا وَجَدْنَا
فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴿۳۶﴾ وَتَرَكْنَا فِيْهَآ اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ﴿۳۷﴾

ترجمہ: ابراہیم نے کہا: اے بھیجے ہوئے لوگ! تمہیں کیا بڑا کام کرنا ہے؟﴿۳۱﴾ انہوں نے کہا: بے شک ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں﴿۳۲﴾ تاکہ ہم ان پر ایسے پتھر برسائیں جو مٹی سے بنائے گئے ہیں﴿۳۳﴾ جن پر آپ کے ربّ کے پاس سے خاص نشان بھی ہے، ان کے لیے جو حد سے گزرنے والوں میں سے ہیں﴿۳۴﴾ سو ان میں جتنے ایمان والے تھے انہیں ہم نے نکال دیا﴿۳۵﴾ سو اس میں ایک گھر کے سوا مسلمانوں کا کوئی گھر نہ پایا﴿۳۶﴾ اور ہم نے اس واقعہ میں ایسے لوگوں کے لیے عبرت رہنے دی جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں﴿۳۷﴾

معارف ومنازل

ان آیات میں نافرمانوں اور مجرموں کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے جن کی تعداد تین یا نو یا بارہ تھی جو ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے، یہ فرشتے اللہ تعالیٰ کا عذاب لے کر آئے تھے، یعنی قومِ لوط کو تہہ و بالا کرنے کے لیے آئے تھے، چنانچہ اندران کی آن میں پوری قوم کی بارہ بستیوں کو اوپر نیچے کرکے ہمیشہ کے لیے تباہ و برباد کیا، اس قوم کی یہ ہلاکت ایسی عبرتناک طریقے سے ہوئی کہ سننے والے سن کر کانپ جائیں، اور فرشتوں کی اسی آمد میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک علم والے بیٹے کی بشارت دیدی گئی، واقعہ کی پوری تفصیل اگر دیکھنا ہو تو سورۂ ہود میں دیکھیں۔

﴿هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ﴾ کیا آپ تک ابراہیم علیہ السلام کے معزز مہمانوں کی بات پہنچی ہے؟﴿اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا﴾ جب وہ ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے تو ابراہیم علیہ السلام کو سلام کیا۔

﴿قَالَ سَلٰمٌ﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سلام کا جواب دیدیا، اور وعلیکم السلام کہا، پھر غور کرتے ہوئے کہ یہ کون لوگ ہیں؟ کہنے لگے کہ یہ تو انجان لوگ ہیں، جن کو میں نہیں پہچان رہا ہوں، ممکن ہے کہ یہ بات دل میں کہی ہو، اور ممکن ہے کہ زبان سے کہی ہو، اور فرشتوں نے بات سن کر سکوت کیا ہو، اور واضح نہ کیا ہو کہ ہم فرشتے ہیں، کیونکہ

شروع میں ان کو وضاحت کی اجازت نہ تھی کہ وہ اپنا تعارف کرالیں۔

﴿فَرَاغَ اِلٰٓى اَهۡلِهٖ فَجَآءَ بِعِجۡلٍ سَمِيۡنٍ﴾ سو وہ اپنے گھر پہنچے تا کہ مہمانوں کی تواضع کا بندوبست کر سکے، تو گھر میں اور کچھ نہیں پایا سوائے گائے کے بچھڑے کے، جسے آپ نے ذبح کیا، اور پھر اس کا گوشت بھون کر لے آئے جو موٹا تازا بچھڑا تھا۔ ﴿فَقَرَّبَهٗۤ اِلَيۡهِمۡ قَالَ اَلَا تَاۡكُلُوۡنَ﴾ سو اُسے مہمانوں کے سامنے رکھ دیا، جب دیکھا کہ یہ کھانے کے لیے ہاتھ آگے نہیں بڑھا رہے ہیں تو انہیں مخاطب ہو کر کہا تم کھاتے کیوں نہیں؟ ابراہیم علیہ السلام نے مہمانوں کو انسان سمجھ کر ان کے سامنے کھانا پیش کیا، ان کو نہ کھاتے ہوئے دیکھ کر آپ علیہ السلام کو تشویش ہوئی۔ اس زمانے میں یہ رواج تھا جو لوگ کسی کو نقصان نہ پہنچانا چاہتے تھے تو اس کے گھر کا کھانا نہیں کھاتے تھے، کہ بعد میں یہ نمک حرامی ہوگی کہ کھانے کے بعد اس کو کوئی تکلیف پہنچائے، اس لئے ابراہیم علیہ السلام پریشان ہوئے، تو ابراہیم علیہ السلام کو اسی بات نے تشویش میں ڈال دیا کہ یہ مہمان کہیں تو کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے، اس لئے آپ علیہ السلام کی تشویش بجا تھی۔ مہمانوں کی طرف سے کوئی جواب نہ پا کر:

﴿فَاَوۡجَسَ مِنۡهُمۡ خِيۡفَةً﴾ ابراہیم علیہ السلام نے ان سے خوف محسوس کیا، جب فرشتوں نے آپ کو اس حالت میں دیکھا: ﴿قَالُوۡا لَا تَخَفۡ﴾ تو کہنے لگے: ڈرو مت، گھبرانے کی کوئی بات نہیں، دیکھو میں جبرائیل ہوں، یہ میکائیل اور اسرافیل ہیں، ہم آپ کو بشارت دینے آئے ہیں۔

﴿وَبَشَّرُوۡهُ بِغُلٰمٍ عَلِيۡمٍ﴾ انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کو ایک علم والے بیٹے کی بشارت دی، اس بیٹے سے مراد حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں جو حضرت سارہؓ کے بطن سے پیدا ہوئے، اس سے ۱۳ یا ۱۴ سال قبل حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت حضرت ہاجرہؓ کے بطن سے ہو چکی تھی جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے سورۂ صافات میں: ﴿بِغُلٰمٍ حَلِيۡمٍ﴾ [الصافات:۱۰۱] ایک بردبار بیٹے کی بشارت کے الفاظ بیان کیے۔

جب اللہ تعالیٰ کے فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی خوشخبری دے رہے تھے تو اس وقت آپ علیہ السلام کی زوجہ محترمہ حضرت سارہؓ کی عمر اسی (۸۰) یا نوے (۹۰) سال کی ہو چکی تھی، جب انہوں نے یہ خوشخبری سنی:

﴿فَاَقۡبَلَتِ امۡرَاَتُهٗ فِىۡ صَرَّةٍ﴾ سو متوجہ ہوئیں آپ علیہ السلام کی بیوی شور مچاتی ہوئیں، تیز تیز بولتی ہوئی آئیں۔ دراصل وہ اس بات سے سخت حیرت زدہ ہوئی تھیں کہ یہ عمر دیکھو اور بچے کی بشارت دیکھو۔

﴿فَصَكَّتۡ وَجۡهَهَا﴾ پس انہوں نے اپنا ماتھا پیٹ لیا، حیرانی کے عالم میں چہرے پر ہاتھ مار کر کہ یہ مہمان

کیا کہہ رہے ہیں؟ عام طور پر عورتوں کی یہ عادت ہے کہ تعجب اور حیرانگی کے عالم میں ماتھے پر زور سے ہاتھ مارتی ہیں، پس کہنی لگیں:

﴿وَقَالَتْ عَجُوزٌ عَقِيمٌ﴾ حال یہ ہے کہ میں تو بوڑھی ہو چکی ہوں، اور ویسے بھی بانجھ ہوں، بھلا مجھ سے بچے کی پیدائش کی کیا امید ہے؟ سورۂ ہود میں یہ فرمایا: ﴿قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوزٌ وَّهٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا ۭ اِنَّ هٰذَا لَشَىْءٌ عَجِيْبٌ﴾ [ھود: ۷۲] (کہنے لگیں: ہائے افسوس! کیا اب میں بچہ جنوں گی؟ حالانکہ میں بوڑھی ہوں، اور یہ میرے بوڑھے خاوند ہیں، بیشک یہ ایک عجیب معاملہ ہے)۔

﴿قَالُوْا كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ﴾ فرشتے کہنے لگے کہ ایسا ہی ہوگا، تیرے پروردگار نے یوں ہی فرمایا ہے، اس میں حیرانگی اور تعجب کی کوئی بات نہیں، کیونکہ جس پروردگار نے یہ فیصلہ کیا ہے بیشک وہ حکمتوں والا ہے، اور سب کچھ جاننے والا ہے، اس کا کوئی فیصلہ حکمت سے خالی نہیں، جو پروردگار بغیر ماں باپ کے انسانوں کو پیدا کرسکتا ہے وہ بوڑھاپے میں بھی اولاد دینے پر قادر ہے۔

بعض تفسیری روایات میں لکھا ہے کہ فرشتوں نے جب کھانے سے انکار کیا تو اس بنے ہوئے بچھڑے کو خطاب کر کے اٹھنے کا حکم کیا، اور کہا: اٹھو، یہ کہتے ہی وہ بنا ہوا بچھڑا زندہ ہو کر دوڑتا ہوا اپنی ماں کے پاس چلا گیا، حضرت سارہ نے جب یہ معجزہ دیکھا تو ان کو یقین ہوا، اور انہیں جو مایوسی لاحق ہو چکی تھی وہ ختم ہوگئی، اور بعض تفسیری روایات میں یہ بھی لکھا ہے کہ ان کے گھر کی چھت میں جو لکڑیاں لگی ہوئی تھیں اور آس پاس جو خشک لکڑیاں رکھی ہوئی تھیں وہ سب سڑی ہوئی لکڑیاں سبز ہوگئیں، تب فرشتوں نے حضرت سارہؓ سے کہا: ﴿قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ﴾ [سورۂ ہود:] (کیا تم خدا کی قدرت سے تعجب کرتی ہے؟ اے اہل بیت! تم پر خدا کی رحمت اور برکتیں نازل ہوں)۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حقیقت حال کا علم ہوگیا تو فرشتوں سے کہنے لگے: ﴿قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ﴾ اے اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے فرشتو! تمہارے آنے کی اصل غرض کیا ہے؟ بشارت والی ضمنی بات تو ہوگئی، اب آگے تمہارا کیا پروگرام ہے؟ ﴿قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ﴾ وہ کہنے لگے: ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ ﴿لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ﴾ تاکہ ہم ان پر مٹی سے بنے ہوئے پتھر برسائیں، اس سے مراد کنکر ہے جو مٹی سے بنا کر آگ میں پکائے جاتے ہیں۔

﴿مُّسَوَّمَةً عِندَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِينَ﴾ یہ ایسے پتھر ہیں جن پر تیرے پروردگار کے ہاں نشان لگے ہوئے ہیں اِسراف کرنے والے لوگوں کی تباہی کے اس سے مراد لوط علیہ السلام کی قوم ہے جو غیر فطری نافرمانیوں میں لت پت رہے، ان کا علاقہ شرقِ اردن کے نزدیک سدوم نامی بستی کے آس پاس تھے، ان کے چھ بڑے بڑے شہر تھے، اور چھ چھوٹی چھوٹی بستیاں جن کی پوری آبادی چار لاکھ نفوس پر مشتمل تھی، ان کا علاقہ بڑا سرسبز اور آباد تھا، تجارت وزراعت دونوں عروج پر تھیں، بڑے خوشحال لوگ تھے، ہم جنس پرستی میں مبتلا تھے۔ چالیس ۴۰ سال تک لوط علیہ السلام تبلیغ کر کر کے ان کو سمجھاتے رہے، مگر نتیجہ یہ ہوا کہ کسی ایک شخص نے بھی اسلام قبول نہیں کیا، تب مجبور ہو کر بددعا کی، جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو تہ وبالا کر کے رکھ دیا، پوری تفصیل سورۂ ہود میں اور سورۂ حجر میں گزر چکی ہے۔
فارجع إليها۔

﴿فَأَخْرَجْنَا مَن كَانَ فِيهَا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ البتہ سو ہم نے اہل ایمان لوگوں کو اس بستی سے نکال دیا، اور انہیں عذاب سے بچالیا۔ اس بستی کا حال یہ تھا: ﴿فَمَا وَجَدْنَا فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ﴾ سو نہ پایا ہم نے وہاں کوئی بھی اہل ایمان سوائے ایک گھرانے کے کہ وہ لوط علیہ السلام کا اپنا گھر تھا جو اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچ گئے، وہ صرف آپ کی بچیاں تھیں، تین چار، جبکہ اس کی کافرہ بیوی وہ اپنی قوم کے ساتھ ہلاک ہوگئی۔ آپ اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ نبی کی چالیس سالہ شب وروز محنت کے نتیجے میں قوم کا کوئی فرد تو درکنار اس کی اپنی بیوی بھی اسلام و ایمان سے محروم رہی۔

﴿وَتَرَكْنَا فِيهَا آيَةً لِّلَّذِينَ يَخَافُونَ الْعَذَابَ الْأَلِيمَ﴾ اس سارے واقعہ میں ہم نے عبرت کے لیے ایک نشانی چھوڑی ہے، ان لوگوں کے لیے جو دردناک عذاب سے خوف کھاتے ہیں وہ نشانی کیا ہے؟ یہ وہی کفر کر کے پتھر ہیں، جو عرصہ دراز تک اس میدان میں پڑے رہے، جنہیں گزرنے والوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، اور عبرت حاصل کیا، یہ اتنا سخت عذاب تھا جسے ہلاک شدہ قوام کے عذابوں میں نمایاں اور خاص مقام حاصل رہا۔

علاقہ کی پوری بستیوں کو بقایا زمین سے کاٹ کر آسمان تک اٹھایا گیا، پھر وہاں سے پلٹ دیتے ہوئے اوپر کے حصے کو نیچے اور نیچے کے حصے کو اوپر پتھروں کی بارشوں کے ساتھ بڑی قوت اور زور کے ساتھ زمین پر دے مارا گیا، جہاں سے مردار پانی کے چشمے دریا کی طرح بہنے لگے جو کہ آج بحیرۂ مردار کے نام سے موجود ہے، جو جانور اس کے قریب جاتا ہے وہ مرجاتا ہے، عذاب کا وہ پانی وہی منظر پیش کر رہا ہے جیسا کہ جہنم میں بہتا ہوا پانی خون اور پیپ سے

بہتا ہے جو کہ جہنمی لوگوں کی خوراک ہے۔ اللہ ہمیں پناہ دیں، اور ایسے عذابوں سے بچائے۔ آمین

وَفِيْ مُوْسٰٓى اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾ فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ وَقَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۳۹﴾ فَاَخَذْنٰهُ
وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِى الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿۴۰﴾ وَفِيْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ﴿۴۱﴾ مَا تَذَرُ
مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ ﴿۴۲﴾ وَفِيْ ثَمُوْدَ اِذْ قِيْلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۴۳﴾ فَعَتَوْا
عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِيَامٍ وَّمَا كَانُوْا
مُنْتَصِرِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۴۶﴾

ترجمہ: اور موسیٰ کے قصہ میں نشانِ عبرت ہے، جب ہم نے انہیں فرعون کے پاس بھیجا واضح سند کے
ساتھ ﴿۳۸﴾ پس فرعون نے اپنی جماعت سمیت روگردانی کی، اور کہنے لگا کہ یہ جادوگر ہے، یا دیوانہ ہے ﴿۳۹﴾ سو ہم نے اسے
اور اس کے لشکروں کو پکڑ لیا، پس ہم نے انہیں سمندر میں پھینک دیا، اس حال میں کہ وہ ملامت کا کام کرنے والا تھا ﴿۴۰﴾
اور عاد کے قصہ میں عبرت ہے، جبکہ ہم نے ان پر تیز ہوا بھیج دی، جو ہر خیر سے خالی تھی ﴿۴۱﴾ وہ جس چیز پر بھی گزرتی تھی
اسے ایسی بنا دیتی تھی جیسے کوئی چیز گر کر ریزہ ریزہ ہو جائے ﴿۴۲﴾ اور ثمود کے قصہ میں عبرت ہے جبکہ ان سے کہا گیا کہ
تھوڑے سے وقت تک نفع حاصل کر لو ﴿۴۳﴾ سو انہوں نے اپنے ربّ کے حکم سے سرکشی کی، لہٰذا انہیں عذاب نے پکڑ لیا،
اور وہ دیکھ رہے تھے ﴿۴۴﴾ سو وہ کھڑے نہ ہو سکے، اور نہ بدلہ لے سکے ﴿۴۵﴾ اور ان سے پہلے نوح کی قوم کا ایسا ہی حال ہوا،
بیشک وہ نافرمان لوگ تھے ﴿۴۶﴾

معارف ومنازل

گزشتہ آیت میں فرمایا کہ چھوڑ دیا ہم نے اپنی نشانی کو بعد میں آنے والے ان لوگوں کے لیے جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہوں تا کہ وہ عبرت حاصل کریں، انہیں میں سے عبرت کی نشانی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں بھی ہے، اور عاد و ثمود کے واقعات میں بھی جن کا بیان بطور تذکیر و یاددہانی آئندہ آیتوں میں مذکور ہے، پہلے یہ:

﴿وَفِيْ مُوْسٰٓى اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ﴾ موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں بھی نشانی برائے

عبرت موجود ہے، جبکہ بھیجا ہم نے ان کو فرعون کی طرف کھلی سند کے ساتھ، اور واضح معجزات و براہین کے ساتھ، اور نو آیات بینات کے ساتھ۔ ﴿فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ وَقَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ﴾ سو پکڑ لیا ہم نے فرعون کو اور اس کے لشکر کو بھی، اور ہم نے پھینک دیا ان کو بحر قلزم کے دریا میں، اس حالت میں کہ وہ قابل ملامت مجرم تھا، اور نشانی عبرت کے لیے اس کی لاش کو باقی رکھا تاکہ لوگ اس سے عبرت حاصل کریں۔

﴿وَفِيْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ﴾ اور قوم عاد میں بھی عبرت کی نشانی ہے، جبکہ ہم نے ان پر خیر سے خالی بے رحم اور بانجھ ہوا بھیجی، اس ہوا کو بانجھ اس لئے فرمایا کہ یہ بانجھ عورت کی طرح خیر و برکت سے خالی تھی، اللہ تعالیٰ نے اس ہوا کو عذاب کے طور پر سات (۷) اور آٹھ (۸) دن تک مسلسل چلایا، جس کا نتیجہ یہ ہوا:

﴿مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ﴾ کہ وہ جس بھی چیز پر چلتی تھی اس کو چورا چورا کر کے چھوڑ دیتی تھی۔ رمیم دراصل بوسیدہ ہڈیوں کو کہتے ہیں، گویا کہ اس ہوا نے ہر چیز کو بوسیدہ ہڈیوں کی طرح خس و خاشاک میں تبدیل کر دیا۔ ﴿وَفِيْ ثَمُوْدَ اِذْ قِيْلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا حَتّٰى حِيْنٍ﴾ اور قوم ثمود میں بھی عبرت کی نشانی موجود ہے، یہ لوگ حجر کے علاقہ میں آباد تھے، قوم عاد کی طرح بڑے بڑے قد والے طاقتور لوگ تھے، ان سے کہا گیا تھا کہ چند دن کے لیے خوب فائدہ اٹھالو، اور عیش و عشرت میں خوب لگے رہو۔

﴿فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ﴾ سو انہوں نے اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی اختیار کی۔ ﴿فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ﴾ پس ان کو فرشتے کی چیخ نے پکڑ لیا، اور اس کے ساتھ پورے علاقہ میں زلزلہ بھی آیا، اور وہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ ﴿فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِيَامٍ وَّمَا كَانُوْا مُنْتَصِرِيْنَ﴾ سو ان میں کھڑے ہونے کی طاقت نہ رہی، اور وہ کسی سے بدلہ لینے کی پوزیشن میں بھی نہیں تھے، وہ تین دن سے اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آچکے تھے، پہلے دن ان کے چہرے سیاہ ہو چکے تھے، اس وقت ان پر عذاب آچکا تھا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے پانچواں نمونہ قوم نوح کا بیان فرمایا ہے:

﴿وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ﴾ اس سے پہلے یعنی قوم عاد و ثمود سے پہلے قوم نوح کا واقعہ بھی قابل غور ہے، اور یہ سب سے بڑی نشانی ہے، اولاً اس طور پر کہ انہوں نے ساڑھے نو سو سال مسلسل تبلیغ کی، سوائے چند گنتی کے لوگوں کے اسی بیاسی کے قریب اور کوئی شخص مسلمان نہیں ہوا، یہاں تک کہ آپ نے اللہ کے حکم کے ساتھ مسلسل تین سو سال تک کشتی بنانے میں اپنا وقت صرف کیا، کشتی تیار ہونے پر طوفان آیا اور پوری قوم کو اپنی لپیٹ میں لے کر غرقِ آب

کر دیا۔نوح علیہ السلام اپنے تینوں بیٹوں اور اسی بیاسی ایمانداروں کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے اور نجات پائے، چھ ماہ کے بعد کشتی جبل جودی پر رک گئی، اور سارا قصہ تمام ہوا۔ پوری تفصیل سورۂ ہود میں گزر چکی ہے۔

﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ﴾ بیشک وہ لوگ فاسق اور نافرمان تھے، اپنے فسق اور کفر کی وجہ سے غرق اور تباہ ہوئے۔اور سورۂ اعراف میں فرمایا: ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ﴾ وہ لوگ نابینا رہے، اور اسی نابینائی کی پاداش میں تباہ ہو گئے۔

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ
خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۭ اِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۰﴾ وَلَا تَجْعَلُوْا
مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ ۭ اِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۱﴾ كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا
قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۵۲﴾ اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ﴿۵۴﴾
وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۵﴾

ترجمہ: اور ہم نے آسمان کو قوت کے ساتھ پیدا فرمایا، اور بیشک ہم وسیع قدرت والے ہیں ﴿۴۷﴾ اور زمین کو ہم نے فرش بنایا، سو ہم اچھے بچھانے والے ہیں ﴿۴۸﴾ اور ہر چیز سے ہم نے دو قسمیں بنائی ہیں تاکہ تم سمجھو ﴿۴۹﴾ سو تم اللہ تعالیٰ کی طرف دوڑو، بیشک میں تمہیں اس کی طرف کھلا ڈرانے والا ہوں ﴿۵۰﴾ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرا معبود قرار نہ دو، بیشک میں تمہیں اس کی طرف سے کھلا ڈرانے والا ہوں ﴿۵۱﴾ اسی طرح اس سے پہلے ان کے پاس کوئی رسول نہیں آیا جسے انہوں نے دیوانہ یا جادوگر نہ بتایا ہو ﴿۵۲﴾ کیا وہ لوگ آپس میں اس بات کی وصیت کرتے آئے ہیں؟ بلکہ وہ سب سرکش لوگ ہیں ﴿۵۳﴾ سو آپ ان کی طرف سے اعراض کیجئے، کیونکہ آپ پر کوئی ملامت نہیں ﴿۵۴﴾ اور نصیحت کیجئے، کیونکہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دیتی ہے ﴿۵۵﴾

معارف ومنازل

ان آیات میں آسمان وزمین اور دوسری مخلوقات کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا، پھر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہونے اور مؤحد بننے اور توحید پر قائم رہنے کا حکم فرمایا۔اور یہاں دس چیزیں قابل غور ہیں جنہیں ان آیات میں نمبروار بیان

فرمایا:

پہلی بات: آسمان کی تخلیق کا ذکر فرمایا: ﴿وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ﴾ اور ہم نے آسمان کو قوت کے ساتھ پیدا فرمایا، یعنی ہماری قوت وقدرت بہت زیادہ ہے، اپنے ارادہ کے مطابق جو چاہیں کرسکتے ہیں، اتنے بڑے آسمانوں کا پیدا فرمانا ہمارے لئے کوئی مشکل نہیں ہے۔ سورۃ ق میں فرمایا تھا: ﴿وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ﴾ [ق:۳۸] (اور ہم کو تھکن نے چھوا بھی نہیں)۔ جس طرح ہم نے آسمان کو قوت سے بنایا اسی طرح اس کو اتنا قوی اور مضبوط بنایا کہ قیامت تک اس میں کوئی رخنہ پیدا نہیں ہوگا، حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ لَمُوْسِعُوْنَ کا ایک معنی یہ ہے کہ ہم رزق میں وسعت دینے والے ہیں۔

دوسری بات: زمین کی تخلیق کا ذکر فرمایا: ﴿وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ﴾ کہ زمین کو ہم نے بچھا دیا، سو ہم بہترین بچھانے والے ہیں۔ سورۃ الغاشیہ میں فرمایا: ﴿وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ﴾ [الغاشیة:۲۰] (ذرا زمین کی طرف دیکھو کہ ہم نے اس کو کیسے بچھادی)۔

تیسری بات: عام چیزوں کا ذکر فرمایا: ﴿وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ کہ ہم نے ہر قسم سے دو دو چیزیں بنائی ہیں۔ حضرت مجاہدؒ نے فرمایا کہ اس سے متقابلات مراد ہیں، یعنی رات دن، شقات و سعادت، ہدایت وضلالت، آسمان وزمین، سیاہی وسفیدی، صحت ومرض، خوشی وغم اور نر ومادہ، اسی طرح بلند وپستی، اور یہ غور وفکر کے بعد چونکہ جنت اور دوزخ وغیرہ بھی۔ ﴿لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ تاکہ تم نصیحت حاصل کرو، ہماری قدرتوں اور نعمتوں کو دیکھ کر شکر ادا کرو، اور توحید پر قائم رہو۔

چوتھی بات: اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی طرف دوڑ لگاؤ، اس کی طرف رجوع کرو، اور اسی کی طرف سیاحت اختیار کرو، اس سیاحت میں حج وعمرے کا سفر، علم کا سفر، جہاد کا سفر، تبلیغ کا سفر اور جائز تجارت کا سفر سب آگئے، اور اللہ کی طرف دوڑ لگانے سے خود بخود معلوم ہوا کہ نفس وشیطان کی طرف مت چلو، گناہوں کی طرف دوڑ نہ لگاؤ، اور جہنم میں گرنے کی کوشش نہ کرو، اسی کو فرمایا: ﴿فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۭ اِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ کہ میں تمہیں اللہ کی طرف سے کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں، تاکہ تم پر اتمام حجت قائم ہو، اور قیامت کے دن کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ: ﴿مَا جَآءَنَا مِنْ بَشِيْرٍ وَّ لَا نَذِيْرٍ﴾ [المائدة:۱۹] (ہمارے پاس تو نہ کوئی خوشخبری سنانے والا اور نہ کوئی ڈرانے والا آیا)۔

پانچویں بات: فرمایا کہ خالص توحید پر قائم رہو، اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود مت قرار دو، تم آنکھوں سے صبح وشام آسمان کی بلندیوں کو اور رات کے وقت اس میں جڑے ہوئے ستاروں اور چاند کو، اور دن کو سورج کا مشاہدہ کرتے ہو، اور اپنے پاؤں کے نیچے زمین کی وسعتوں کو، اور دائیں بائیں آگے پیچھے فلک بوس پہاڑوں کو مشاہدہ کرتے ہو، اور جب تم سے پوچھا جاتا ہے کہ ان بڑی بڑی مخلوقات کا پیدا کرنے والا کون ہے؟ تو تم چار و ناچار یہی جواب دیتے ہو کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے، پس تمہیں یہی کہا جا رہا ہے: ﴿وَلَا تَجۡعَلُوۡا مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ﴾ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود مت قرار دو۔

چھٹی بات: یہ کہ فرمایا: ﴿اِنِّىۡ لَـكُمۡ مِّنۡهُ نَذِيۡرٌ مُّبِيۡنٌ﴾ اس ٹکڑے اور جملے کو دوبارہ ذکر فرمایا تا کہ اتمامِ حجت مزید پختہ ہو۔

ساتویں بات: فرمایا کہ دنیا میں آج سے پہلے جتنے رسول آئے بدبخت انسانوں نے کبھی کسی نبی کا استقبال نہیں کیا، اور نہ ہی بغیر چون و چرا کے اس کا حکم مانا، بلکہ انبیاء علیہم السلام پر تہمت لگائی، انہیں جادوگر کہا، انہیں شاعر اور پاگل کہا، ان پر طرح طرح کے الزام لگائے، اسی کو فرمایا: ﴿كَذٰلِكَ مَاۤ اَتَى الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ مِّنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا قَالُوۡا سَاحِرٌ اَوۡ مَجۡنُوۡنٌ﴾ اسی طرح ان سے پہلے کے لوگوں کے پاس جو بھی کوئی رسول آئے اس کے بارے میں انہوں نے یہ ضرور کہا کہ یہ جادوگر ہے، یا یہ پاگل دیوانہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا جا رہا ہے کہ آپ کی تکذیب کوئی نئی بات نہیں، آپ سے پہلے جتنے پیغمبر علیہم السلام آئے لوگوں نے ان سب کی تکذیب کی، سو انہوں نے صبر کیا، آپ بھی ان کی طرح صبر کیجئے۔

آٹھویں بات: فرمایا کہ: ﴿اَتَوَاصَوۡا بِهٖ‌ۚ بَلۡ هُمۡ قَوۡمٌ طَاغُوۡنَ﴾ کیا آپس میں ایک قوم نے دوسری قوم کو وصیت کی تھی کہ ہماری طرح تم بھی ایسی ایسی باتیں کرنا؟ یہ استفہام انکاری ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کو وصیت تو نہیں کی، لیکن چونکہ سرکشی میں اور انبیاء علیہم السلام کی تکذیب میں سب ہی مشترک ہیں اس لئے دورِ حاضر کے مکذبین اور ان سے پہلے معاندین سب ہی کو ان کی نافرمانی اور سرکشی نے رسولوں علیہم السلام کی تکذیب پر ابھارا، اور توحید کے انکار پر آمادہ کیا۔

نویں بات: فرمایا کہ: ﴿فَتَوَلَّ عَنۡهُمۡ فَمَاۤ اَنۡتَ بِمَلُوۡمٍ﴾ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب ہے کہ آپ ان کی طرف سے اعراض کریں، آپ کا کام پہنچا دینا ہے، آپ نے پہنچا دیا، محنت کر لی، حق ادا کر دیا، اب جو شخص ان میں

سے ایمان نہ لائے وہ اس کی شقاوت ہے، آپ سے کوئی نہ گلہ ہے نہ شکوہ، نہ قیامت کے دن آپ سے پوچھا جائے گا۔

﴿فَمَآ اَنۡتَ بِمَلُوۡمٍ﴾ آپ پر کوئی الزام نہ ہوگا کہ ان کو مسلمان کیوں نہیں بنایا؟ کیونکہ ہدایت دینا اللہ ہی کا کام ہے۔ سورۂ قصص میں تفصیل گزر چکی ہے۔

دسویں بات: آخر میں وعظ ونصیحت کا حکم فرمایا: ﴿وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور آپ کا نصیحت کرنا ان کے لیے نفع مند ہوگا، اور جو لوگ ایمان لا چکے ہیں ان کو مزید بصیرت حاصل ہوگی، اور یقین میں قوت حاصل ہوگی۔ [ذکرہ صاحب الروح المعاني]

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝٥٦ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ
يُّطْعِمُوْنِ ۝٥٧ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ۝٥٨ فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ
اَصْحٰبِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ ۝٥٩ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ يَّوْمِهِمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ۝٦٠

ترجمہ: اور میں نے جن اور انس کو صرف اس لئے پیدا کیا کہ میری عبادت کریں ۝٥٦ میں ان سے کوئی رزق نہیں چاہتا، اور یہ نہیں چاہتا کہ مجھے کھلائے ۝٥٧ بلاشبہ اللہ تعالیٰ وہ ہیں جو خوب رزق دینے والا ہے، قوت والا ہے، نہایت ہی قوت والا ہے ۝٥٨ سو بیشک ان لوگوں کے لیے جنہوں نے ظلم کیا ان کے لیے عذاب کا بڑا حصہ ہے، جیسا کہ ان کے ہم مشربوں کا تھا، سو وہ مجھ سے جلدی نہ کریں ۝٥٩ سو کافروں کے لیے بڑی خرابی ہے، ان کے اس دن سے جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے ۝٦٠

معارف ومنازل

ان آیات میں ارشاد فرمایا کہ ہم نے جنات اور انسانوں کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں، اصل مقصد تخلیق تو یہی ہے اگرچہ وہ اپنی مادی زندگی کے اسباب کی تکمیل وفراہمی کے لیے اور بھی دوسرے کام کریں، لیکن اصل مقصدِ حیات عبادتِ خداوندی برقرار رکھتے ہوئے دنیا کے ہر کام اور ہر عمل کو خواہ وہ کسب معاش ہو یا کھانا پینا ہو، یا سونا جاگنا ہو، اور لباس وسکونت ہو، ان امور میں اشتغال اور ان کی تکمیل میں عملی کوشش عبادت کے اصل مقصد تخلیق ہونے کے منافی نہیں ہے۔

پھر جب ان کو اصل مقصدِ تخلیق کی تکمیل کا ذریعہ بنالیا جائے تو پھر ان منافع کا حصول اور ان میں اشتغال اس مقصد کے منافی ہونے کے بجائے مقصدِ اصلی کے مبادی میں سے ہوجائے گا، اور اس مقصد کے تعین کے بعد دنیا چونکہ دارالامتحان ہے اس لئے اس مقصد کے حصول کے لیے انسان کو قدرت علی العمل اور اختیار کی صلاحیت دی گئی ہے، اور خیر وشر اس کے سامنے واضح کر کے خیر کی دعوت دیدی گئی، اور شر سے بچنے کا حکم دیدیا گیا، تاکہ وہ اپنے اختیار اور عملی صلاحیت کو ایمان وہدایت کے راستہ پر صرف کر کے نجات وانعامِ خداوندی کا مستحق بنے، اور اگر سرکشی اور نافرمانی کی روش اختیار کرے تو عذاب کا مستحق ہوگا۔

الغرض! تخلیق جن وانس کا مقصد تو اللہ تعالیٰ کی عبادت ہی ہے، مگر عبادت اور طاعت کا بجالانا جن وانس کے اختیار پر چھوڑ دیا گیا، اور ان کے عملِ ہدایت وگمراہی کو شجر وحجر کی حرکات کی طرح بے بس وبے اختیار نہیں رکھا گیا، یہی وجہ ہے کہ ان اشیاء کے لیے جن وانس کی طرح جنت وجہنم اور جزاوسزا کا تصور نہیں، کیونکہ ان کے احوال میں ان کے کسب واختیار کو دخل نہیں ہے۔ قرآن کریم میں حیوانات، پرندے، چرندے، شجر وحجر، بادلوں اور سایوں کی تسبیح وتحمید اور عبادت کا ذکر ہے، جیسے فرمایا: ﴿كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ﴾ [النور:۴۱] (سب نے اپنی عبادت اور تسبیح کو جان لیا ہے) مگر ان کی عبادات پر اہل ایمان وطاعت کی طرح جنت اور اس کی نعمتوں کا ذکر نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اسی مضمون کے قریب آیت مبارکہ کی تفسیر بعض مفسرین مثلاً بغویؒ نے بیان کی ہے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ مراد یہ ہو کہ جن وانس کی تخلیق ایسی استعداد وصلاحیت اور جوہر پر کی گئی کہ وہ ہدایت اور حق کو قبول کر کے اللہ کی عبادت کر سکے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ میں نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ امام بخاریؒ اور بعض دیگر مفسرین نے لِيَعْبُدُوْنِ کا معنی لِيُوَحِّدُوْنِ سے کیا ہے، تو پھر ترجمہ یوں ہوگا کہ میں نے جن وانسانوں کو اس لئے پیدا فرمایا کہ وہ میری توحید کا اقرار کریں اور مان لیں۔

﴿مَا أُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ﴾ میں اپنی عبادت کروا کر اپنے بندوں سے کوئی رزق تو طلب نہیں کرتا۔ عام طور پر دنیا کا یہ دستور ہے کہ آقا اور مالک اپنے غلام اور نوکروں کی کمائی کھاتے ہیں، اس کی نفی فرما کر ارشاد فرمایا:

﴿وَمَا أُرِيْدُ أَنْ يُّطْعِمُوْنِ﴾ میں نہیں چاہتا کہ یہ لوگ مجھے کھلائیں، کیونکہ میں ان سب کو کھلانے والا ہوں، مجھے ان سے کسی چیز کی طلب اور احتیاج نہیں۔ فرمایا: ﴿إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ﴾ بیشک روزی

رساں تو وہی ذات ہے، وہ تو خود ساری مخلوق کا رازق ہے، اور مضبوط طاقت کا مالک ہے۔ فرمایا: ﴿وَمَا مِنۡ دَآبَّةٍ فِى الۡاَرۡضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزۡقُهَا﴾ [ھود:۶] (زمین میں تمام جانداروں کا رزق اللہ کے ذمہ ہے)۔ تمام جاندار چیزوں کا رازق صرف اسی کی ذات ہے۔ آخر میں تنبیہ کے طور پر فرمایا:

﴿فَاِنَّ لِلَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا ذَنُوۡبًا مِّثۡلَ ذَنُوۡبِ اَصۡحٰبِهِمۡ فَلَا يَسۡتَعۡجِلُوۡنِ﴾ بیشک ان لوگوں کے لیے جن لوگوں نے ظلم کیا عذاب کا بڑا حصہ ہے، جیسا کہ ان سے پہلے ان جیسے لوگوں کا حصہ تھا، لہٰذا عذاب آنے کی جلدی نہ مچائیں، کفر کے باعث ان پر عذاب آنا ہی آنا ہے، دیر لگنے کی وجہ سے عذاب سے چھٹکارا نہ ہو جائے گا۔

لفظ ذنوب بھرے ہوئے ڈول کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، یہاں بطور استعارہ نصیب اور حصہ کے معنی میں آیا ہے۔ اب یہ جلدی نہ کریں کہ عذاب جلدی آجائے۔ سورت کی ابتداء اللہ تعالیٰ نے ہواؤں کے ذکر سے کی تھی کہ اس نے کس طرح بعض اقوام کو ہواؤں کے ذریعے ہلاک کیا، اور ساتھ ساتھ یاد دلایا: ﴿اِنَّ الدِّيۡنَ لَوَاقِعٌ﴾ کہ جزاء اعمال کا دن لازماً واقع ہونے والا ہے، اب آخر میں وہی بات دہرائی جارہی ہے:

﴿فَوَيۡلٌ لِّلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ يَّوۡمِهِمُ الَّذِىۡ يُوۡعَدُوۡنَ﴾ پس تباہی ہے کفر کرنے والوں کے لیے اس دن سے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے، ان کو آخرت کے دن سے ڈرایا جاتا تھا کہ اس کے لیے تیاری کرلو، کفر و معاصی کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لے آؤ، مگر انہوں نے ایسا کرنا چھوڑ دیا، اور سرکشی اختیار کی، آج کے دن ان کے لیے تباہی و بربادی کے سوا اور کچھ نہیں ہوگا۔

